حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O
اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ O

حضرت مجدد الف ثانی

قدس سرہ السامی

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی جامع سوانح، جس میں حضرت مجدد کے حالات کے ساتھ آپ کی مجددیت، اس کا پس منظر، تعلیمات، اولاد، خلفا اور تصانیف کا مفصل تعارف بھی شامل ہے

تالیف

مولانا سید زوار حسین شاہ

رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب:	حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی
مؤلف:	مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت جدید:	دسمبر ۲۰۱۲ء
تعداد:	ایک ہزار
صفحات:	۸۷۲
قیمت:	۵۹۰ روپے

اہتمام

ادارہ مجددیہ

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے-۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی

پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰ فون: ۰۲۱-۳۶۶۸۴۷۹۰

E-mail: info@rahet.org

www.rahet.org

مجمل فہرست مضامین

مفصل فہرست مضامین

ضمنی تذکرے

تعارف

حضرت مولانا محمد ہاشم جان مجددیؒ ☆

بسمہ سبحانہ و بحمدہ وصلیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وسلم

حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذاتِ ستودہ صفات میں اتنے فضائل وکمالات جمع فرمادیئے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور کمال محوِ حیرت بنادیتا ہے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

اور اس پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ ایسے محاسن اور کمالات ایک ذات میں کیسے جمع ہوگئے

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

☆ حضرت مولانا حافظ حکیم پیر محمد ہاشم جان صاحب مجددی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ کو ٹنڈو سائیں داد ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ قرآن کریم حفظ کیا تو کسی نے اس کی تاریخ ''حافظ ہاشم'' (۱۳۳۵ھ) سے نکالی۔ بعد ازاں اجمیر شریف میں حضرت مولانا معین الدین صاحبؒ سے معقولات و منقولات کی اور حکیم نظام الدین صاحب سے طب کی تکمیل کی۔ کچھ عرصے حضرت مولانا حکیم برکات احمد صاحبؒ ٹونکی کی خدمت میں بھی رہے، آپ کو سب سے بڑا شرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد ہونے کا حاصل ہے۔ اپنے والد ماجد سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔ اس طرح آپ طبیب جسمانی اور طبیب روحانی کے اعتبار سے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ آپ بہت حسین وجمیل، خوش طبع اور خوش وضع، درویش صفت انسان تھے۔ فروعی اختلافات سے ہمیشہ مجتنب رہے اور مسلک پر دین کو ہمیشہ ترجیح دی، اس لئے ہر گروہ کے علما آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ سندھی اردو کے تنازعے میں مہاجرین کی بڑی حمایت فرمائی۔ شب دوشنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کوئٹہ میں حرکتِ قلب بند ہوجانے کی وجہ سے آپ کا انتقال ہوا۔ اور اپنے آبائی قبرستان گنجہ شریف ٹنڈو سائیں داد میں دفن کیے گئے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی قبر کو اپنے انوار سے منور رکھے۔ آمین۔ احقر محمد اعلیٰ عُفی عنہ

حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کا یہ ثمرہ ہے کہ ہر ایک صنف کمال میں آپ بے نظیر و بے مثال ہوئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف اقوال و اعمال میں آپ نے اتباع کیا ہے بل کہ جذبات واردات اور احوال روحانیہ میں بھی حضرت مجددؒ کی زندگی میں حضور اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ کا جلدہ نظر آتا ہے۔ اس لئے حضرت مجددؒ کی سوانح حیات سے اسلامی زندگی کے ہر شعبے میں ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، روحانی ترقیات غرض یہ کہ دینی کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ نے ہدایات نہ دی ہوں، اور ان ہدایات پر ہم عمل کر کے دینی و دنیوی فوز و فلاح نہ پا سکتے ہوں۔ اس بنا پر آپ کے مجدّد اعظم ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

آپ کے تجدیدی کارنامے ایسے عظیم اور گراں قدر ہیں کہ جن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوتا ہے، اور اس عہد ضلالت میں آپ نے دین کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچایا ہے۔

ولایت کے سلسلے میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ان مدارج عالیہ تک پہنچایا ہے کہ جہاں طائر بلند پرواز تخیل کی رسائی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے بعد علمائے ربانی و اولیائے سبحانی میں آپ کی شان سب سے نرالی ہے۔

نگین گشت در حلقۂ اولیاء
چو در انبیاء خاتم الانبیاء

حضرت مولانا سیّد زوار حسین شاہ صاحب دام مجدہ اور فضائل مآب مولوی محمد اعلیٰ صاحب زید فضلہ کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ انہوں نے بڑی محنت و جستجو سے حضرت مجدّدؒ کے مستند حالات جمع کئے اور ان کی زندگی کے ہر ایک شعبے پر تفصیلی معلومات بہم پہنچائیں اور پھر اس کو منظرِ عام پر لائے۔ مسلمانوں پر یہ ان کا احسان عظیم ہے کہ جس کی منت پذیری کی اب یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم اس مفید کتاب کی اشاعت میں پورا حصہ لیں۔

باقی اس محنت و جان کا ہی کا اجر تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ان کو دے سکتا ہے۔ میں نے جستہ جستہ بعض مقامات سے اس کتاب کو پڑھا ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔

محمد ہاشم جان مجددی

پیش لفظ

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۰۳۴ھ کی ذات ستودہ صفات اپنی شہرت وقبولیت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت ممدوح کا شمار ان چند مخصوص ائمہ ہدیٰ میں ہے کہ جن کے فیض ہدایت سے ایک عالم مستفیض ہوا۔ اور اولیائے کبار کا ایک گروہ کثیر ان ازمنہ متاخرہ میں قرب الٰہی کے مقاماتِ بلند پر فائز ہوا فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیراً

حضرت شاہ عبداللہ علوی المشتہر بشاہ غلام علی دہلوی المتوفی ۱۲۴۰ھ رحمہ اللہ نے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے بارے میں بالکل بجا فرمایا ہے:

> ایشان مجدد الف ثانی اند وحقائق و دقائق و کثرت معارف الٰہیہ و فیوض و برکاتِ ایشان وافاضاتِ کثیرہ کہ اصلاح دلہا نمودہ و مقاماتِ عالیہ کہ در طریقہ خود بالہامات حقہ مقرر فرمودہ اند وآن مقامات قربِ الٰہی است سبحانہ، معلوم نیست کہ در کتب صوفیہ این مقامات کہ ولایاتِ ثلاثہ و کمالاتِ ثلاثہ وحقائق سبعہ وغیرہ بیان نمودہ تجدیدِ علوم صوفیہ علیہ فرمودہ اند تحریر شدہ باشد فلا تکن من الممترین دلیلے ہست واضح بر مجدد بودن ایشان چنانچہ حضرت خواجہ معروف کرخی وحضرت غوث الثقلین وحضرت خواجہ معین الدین وحضرت خواجہ نقشبند وحضرت علاء الدولہ سمنانی و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم مجددان طریقہ صوفیہ بودہ اند وانوار وعلوم ومعارف و فیوض اینہا دلیل تجدید ایشان است، تشددات و ریاضات صوریہ را بتوسط مقرر غودن واسرار توحید بے مجاہدات افاضہ نمودن ودوام حضور در ہر لطیفہ از لطائف عشرہ داشتن و مدار ترقی بر اتباع سنن حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقرر ساختن از

خصائص طریقہ نقشبندیہ مجددیہ است کثر اللہ اھلھا رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ وافاض علینا برکاتھم فی الدنیا والآخرہ آمین آمین آمین ۔(۱)

اور ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مجددؒ کے تجدیدی منصب پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

در حدیث شریف آمدہ کہ بعد ہر مائۃ مجددے پیدا می شود کہ امر امت را تازہ می نماید، مجدد در سلاطین چنانچہ عمر بن عبد العزیز و مجدد در امور دین در علماء چنانچہ امام شافعی و مجدد در صوفیہ معروف کرخی و در اسرار علم امام غزالی و مجدد در افاضہ فیوض با کثرت خوارق حضرت غوث الاعظم این مجددان امر امت را تقویت فرمودہ اند و شیخ جلال الدین سیوطی در حدیث مجدد است و علم حدیث را رواج بخشیدہ و حضرت مجدد الف ثانیؒ در بیان مقامات طریقت و حقیقت ممتاز ند در سوخ و رواج دادن در علم دین با کثرت افشائے انوار و فیوض دلیل است بر مجدد بودن ان اکابر ہمچنیں کثرت فیوض و افادات در صحبت مبارک ایشان و اسرار توحید و شہود وحدت در کثرت و نسبت حضور و یاد داشت و مراتب کمالات نبوت و حقائق الہیہ و حقائق انبیاء علیہم السلام کہ بے مجاہدات و ریاضات در صحبت ایشان در اندک زمان دست می داد سالکان را بر درجات ولایت ترقی حاصل می شد از دلائل مجدد بودن ایشان است رضی اللہ عنہم ۔(۲)

ظاہر ہے کہ اس عظیم المرتب امام کی سوانح، ان کے حالاتِ زندگی، ان کی تعلیمات اور ان کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا سراسر ثواب ہی ثواب ہے۔ فارسی زبان میں اگرچہ امام ربانی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کے فضائل و کمالات کی تفصیل پر متعدد قیمتی کتابیں خود حضرت ہی کے خلفائے اور اہل سلسلہ کے قلم سے موجود ہیں، لیکن اردو زبان کا دامن ابھی تک اس سلسلے میں ایسی جامع تالیف کے وجود سے تقریباً خالی تھا کہ جس میں آپ کے مفصل حالات زندگی کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات اور کارناموں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی جائے اور منصب تجدید اور مقام مجددیت پر بھی سیر حاصل بحث ہو۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کی تالیف سے یہ کمی بڑی حد تک پوری

۱۔ مکاتیب شریفہ، حضرت شاہ غلام علی: ص ۵، ۶۔ شائع کردہ حکیم سیفی طبع لاہور ۱۳۷۱ھ

۲۔ حوالہ مذکورہ بالا: ص ۸۶

ہوگئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے پہلے تو اس کتاب کی تدوین کا داعیہ ہمارے محترم دوست جناب منشی محمد اعلیٰ صاحب مہتمم ادارۂ مجددیہ کے دل میں پیدا کیا اور انہوں نے سب کام چھوڑ چھاڑ کر اس کی جمع و تدوین کے لئے تگ و دو شروع کردی۔ خود بھی پڑھنا اور جمع کرنا شروع کیا۔ اور پھر اپنے شیخ حضرت شاہ زوّار حسین صاحب مدفیوضہم کو اس امر پر آمادہ کرلیا کہ حضرت شاہ صاحب موصوف ہی کے قلم سے یہ کارِ خیر تکمیل کو پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے اوقات میں جو حق تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی ہے اس کا نمایاں اثر یہ ہے کہ ایک مدتِ قلیل میں جناب ممدوح کے قلم سے متعدد ضخیم کتابیں تالیف ہوکر شائع ہوچکی ہیں انھیں تالیفات میں پیش نظر کتاب حضرت مجددؒ الف ثانیؒ بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان دونوں حضرات کو اس کارِ خیر کی تکمیل پر اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس تالیف کو قبولِ عام اور شہرتِ دوام نصیب کرے اور ان بزرگوں کے صدقے جن کا تذکرہ اس کتاب میں آگیا ہے مجھے بھی حضرت مجددؒ رحمہ اللہ کی برکات سے بہرہ مند فرمائے، ایمان پر خاتمہ کرے اور زندگی بھر عمل خیر کی توفیق دے۔ آمین۔ یا رب العالمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

کتبہ الفقیر الیہ تعالیٰ

محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ لہٗ

۱۸؍رجب ۱۳۹۲ھ، سہ شنبہ بہ وقت چاشت

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی بعث فی الامیّین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و جعل علماء امتہ کا نبیاء بنی اسرائیل و ورّثھم بورثۃ الانبیاء و فتح قلوب العلماء بمفاتیح الایمان و نوّر صدور العرفاء بمصابیح الایقان و اخرج منھم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و بعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا و افضل الصلوات واکمل التحیات وابلغ التسلیمات علی افضل البشر المبعوث الی الاسود و الاحمر فخر الموجودات و مفتخر المخلوقات سید الانبیاء والمرسلین محبوب رب العٰلمین سیدنا و مولانا محمدن المصطفیٰ احمدن المجتبیٰ و علی جمیع اخوانہ من النبیین والمرسلین و علیٰ الہ و اھل بیتہ الطیبین الطاھرین و سائر اصحاب المھدیین و علی اولیائہ الکرام واحبائہ العظام کما یلیق بمراتبھم العظمیٰ و درجاتھم العلیا اما بعد قال اللہ تعالیٰ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو لوگ (نیت اور قول و عمل میں) سچے ہیں ان کی ہم نشینی اختیار کرو۔

اس آیتِ مبارکہ میں لفظ "کُوْنُوْا" امر کا صیغہ ہے، اس میں صادقین کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو قول و عمل اور دل کے سچے ہوں اور قول و عمل اور دل کی سچائی کا اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اگر ہر شخص اپنا محاسبہ کرے تو وہ خود اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ بات کتنی مشکل ہے، پس معلوم ہوا کہ صادقین و صالحین حضرات یقیناً مشکل سے ملتے ہیں۔

۱۔ التوبہ: ۱۱۹

آں حضرت سرورِ دو عالم ﷺ نے اچھے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی تاکید میں کتنی عمدہ مثال بیان فرمائی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحاً خَبِيثَةً (۱)

یعنی اچھے اور برے لوگوں کی ہم نشینی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مشک بیچنے والا اور لوہار کی بھٹی، کہ اگر کوئی مشک بیچنے والے کے پاس جائے تو فائدہ سے خالی نہیں یا تو مشک خریدتا ہے یا (اگر نہ خریدے) تو خوشبو ہی سونگھ لیتا ہے اور لوہار کی بھٹی یا تو بدن یا کپڑے کو جلا دیتی ہے یا پھر وہ بدبو ہی سونگھتا ہے۔

آیۂ کریمہ اور سرورِ کائنات ﷺ کی ارشادِ گرامی میں نیک لوگوں (علما و صلحا) کی صحبت کی بالکل قدرتی و نفسیاتی خاصیت یہ بھی ہے کہ جس کی صحبت اختیار کی جائے اس میں جو اچھی باتیں ہیں وہ رفتہ رفتہ اس مصاحب کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہیں اور شخص بہ تکلف یا بہ طورِ عادت ان باتوں پر عمل بھی اختیار کر لیتا ہے لیکن صحبت کے بغیر دین کا قلب و روح میں سرایت کرنا مشکل ہے اور اصل دین وہی ہے جو قلب و روح میں سرایت کر جائے۔

اگر کسی شخص کو اہل اللہ کی صحبت میسر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ کم از کم ان کے ملفوظات و تحریرات کا بہ نظرِ اصلاح و استفادہ مسلسل مطالعہ کرتا رہے کہ اس سے بھی اہل اللہ کا ایمان و عمل ہمارے اندر منتقل ہو جاتا ہے اور قالب سے تجاوز کر کے قلب و روح میں اتر جاتا ہے، چوں کہ اس زمانے میں صلحا و علماءِ ربانی کم یاب ہیں اور ہر جگہ اچھی صحبتیں میسر نہیں ہیں اس لئے مذہبی کتابوں کا مطالعہ اچھی صحبتوں کا بدل ہے اور وہ کتابیں جو بزرگوں کے حالات، نصائح اور دینداری کا جذبہ پیدا کرنے والے مضامین پر مشتمل ہوں، یقیناً نیک صحبتوں کے قائم مقام ہیں:

وخیر جلیس فی الزمان کتاب

سرزمین پاک و ہند میں امامِ ربانی مجددِ الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی وہ بزرگ شخصیت ہیں جن کی ان تھک کوششوں اور تجدیدی کارناموں سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا ظہور ہوا اور شرک و بدعت کا زوال ہوا، آپ نے نہ صرف اپنے متعلقین و معتقدین و احباب

ا۔ البخاری: کتاب البیوع، باب فی المسک والعطار

کی اصلاح کی بلکہ آپ کی اصلاح کا سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ عوام وخواص اور علما وصوفیہ سے تجاوز کر کے قوم وملت کے تمام افراد حتیٰ کہ بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت تک پھیل گیا، آپ کے فیوض وبرکات کے اثرات اکبر بادشاہ کی زندگی کے آخری زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں، اور شہنشاہ جہانگیر بھی آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگیا، یہ حضرت موصوف قدس سرہ العزیز ہی کا فیض تھا کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہاں جیسا دین دار بادشاہ پیدا ہوا اور شاہجہاں کے صلب سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جیسا جامع کمالاتِ صوری ومعنوی بادشاہ پیدا ہوا اور آپ ہی کے چمنِ فیض سے مخدوم زادگانِ والا تبار کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولادِ امجاد، حضرت مرزا جان جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ غلام علی دہلوی وغیرہم جیسے خوش رنگ وخوش بو پھول کھلے، یقیناً ایسی عظیم المرتب شخصیت کا تذکرہ نیک لوگوں کی صحبت کا بہت عمدہ بدل اور عوام وخواص کے لئے نافع ترین وحصولِ برکت کے لئے عظیم ترین ہوگا۔

یہ تو تھا حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ السامی کی حیاتِ مبارکہ کو مرتب کرنے کا قدرتی جذبہ اور ظاہری طور پر اس کی تحریک کے لئے یہ بات پیش آئی کہ جب ادارۂ مجدّدیہ ناظم آباد کراچی حضرت امامِ ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریفہ کے علاوہ جملہ رسائل شائع کر چکا تو خیال آیا کہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی ایک مختصر سوانح حیات بھی ادارے کی جانب سے شائع کی جائے، بالآخر رفتہ رفتہ اس خیال نے ایک عملی صورت اختیار کر لی اور حضرت موصوف کی سوانح حیات کے متعلق جملہ کتب کی تلاش وجستجو شروع کر دی گئی۔

دراصل اس کتاب کی تسوید کا کام محبی جناب حاجی محمد اعلیٰ صاحب قریشی سلمہ اللہ تعالیٰ وزاد عرفانہٗ مہتمم ادارۂ مجدّدیہ نے شروع کیا تھا، پھر اس عاجز کو بھی اس کارِ خیر میں شریک فرما لیا، اگرچہ اس عاجز نے اپنی کم علمی اور نافہمی کا عذر پیش کیا لیکن حاجی صاحب موصوف کے اصرار کی وجہ سے اس کارِ خیر میں حصہ لینے پر مجبور ہوگیا، اس کتاب کی تالیف میں بیشتر حصہ حاجی صاحب موصوف ہی کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے، تاہم جس قدر حصہ حاجی صاحب نے تیار کیا ہے اس پر اس عاجز نے نظر ثانی کی ہے اور اس عاجز ودیگر احباب کا صلاح ومشورہ اس میں شامل ہے اور جو حصہ اس عاجز نے تیار کیا ہے اس میں حاجی صاحب اور دیگر احباب نے اپنے صلاح ومشورہ سے نوازا اور اصلاح فرمائی ہے اس طرح یہ تالیف مشترکہ مساعی کا نتیجہ ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ السامی کی کتبِ سوانح ماشاء اللہ کافی تعداد میں ہر زمانے میں

موجود رہی ہیں جن کے مؤلفین و مرتبین میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلفا بھی ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پیش پیش اور سرِ فہرست حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نظر آتے ہیں جو حضرت موصوف کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا تذکرہ ''برکاتِ احمدیہ'' کے نام سے تالیف فرمایا جس کا تاریخی نام ''زبدۃ المقامات'' (۱۰۳۷ھ) ہے۔ یہ کتاب حالاتِ مجدد قدس سرہٗ کی اساس و بنیاد ہے اور نہایت معتبر و جامع ہے۔ اس کتاب میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ العزیز اور ان کے صاحب زادگان و خلفا کے حالات کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اجداد و اسلاف کا تذکرہ لکھنے کے بعد حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مفصل حالات، آپ کے معارف و اسرار، خوارقِ عادات، وصال، اولادِ امجاد و خلفائے عظام کے حالات درج ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سوانح نگاروں میں صاحب زبدۃ المقامات کے بعد حضرت مولانا بدر الدین سرہندی رحمہ اللہ کا نام نامی ہے، آپ بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اجل خلفا میں سے ہیں سترہ سال تک حضرت کی خدمتِ اقدس میں فیض حاصل کیا ہے آپ صاحب تصانیف ہیں، آپ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے حالات میں ایک کتاب ''حضرات القدس'' کے نام سے مرتب فرمائی جو دو دفتروں پر مشتمل ہے۔ دفتر اول میں آں حضرت ﷺ کے خلفائے اربعہ کے مختصر حالات کے علاوہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا مفصل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک مذکور ہے اور دفتر دوم میں حضرت مجدد قدس سرہٗ اور آپ کے صاحب زادگانِ کرام و خلفائے عظام کے مفصل حالات درج ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہ کی اولادِ امجاد میں سے پانچویں پشت میں ایک بزرگ خواجہ ابو الفیض کمال الدین محمد احسان بن شیخ حسن احمد بن شیخ محمد ہادی بن مروج الشریعت حضرت شیخ محمد عبید اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ اسرارہم نے ''روضۃ القیومیہ'' نامی ایک ضخیم کتاب مرتب فرمائی، جو چار رکن پر مشتمل ہے، اس کے پہلے رکن میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور آپ کے صاحب زادگان و خلفا کا مفصل تذکرہ سنہ وار واقعات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اسی طرح دوسرے رکن میں حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ اور تیسرے رکن میں حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی قدس سرہٗ اور چوتھے رکن میں حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہٗ مع صاحب زادگان و خلفا کا مفصل تذکرہ ہے۔

ان تین کتابوں کے علاوہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے تذکروں کے متعلق جس قدر کتب دست یاب ہوسکیں ان کی فہرست کتابیات کے باب میں درج ہے، وہ سب اس کتاب کی تالیف کے وقت ہمارے سامنے رہیں، اتنی کتابوں کے منصۂ شہود پر آجانے کے بعد اگرچہ اس عاجز کا اس

موضوع پر خامہ فرسائی کرنا فعلِ عبث معلوم ہوتا تھا، تاہم موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس عاجز نے محسوس کیا کہ اس میدان میں ابھی گنجائش ہے، اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ایسے پہلو سامنے آتے رہیں گے جن پر بہت کچھ لکھا جا سکے گا، چناں چہ شروع کرنے کے بعد تائیدِ غیبی شاملِ حال ہوئی اور اس کتاب میں حضرت موصوف کے تمام تذکروں کی جامعیت پیدا ہوگئی جو مضامین بھی اس کتاب میں مذکور ہیں وہ کافی جامعیت کے ساتھ آگئے ہیں، اس کتاب کی خصوصیات مطالعے سے معلوم ہوں گی، تاہم چند خصوصیات کے طرف مختصراً اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ آپ کے نسب کے متعلق کافی تحقیق وتفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

۲۔ آپ کی دعوت وتجدید کا پس منظر بھی کافی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ آپ کے تجدیدی کارنامے اس قدر وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں کہ آپ کا مجدّدِ الفِ ثانی ہونا بالکل بدیہی ونمایاں ہوجاتا ہے۔

۴۔ حدیثِ تجدید کی تخریج وتشریح ومحمل وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۵۔ آپ کے تجدیدی شواہد کو نمایاں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ آپ کے معاندین ومخالفین کے بے جا اعتراضات کی تردید پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۷۔ آپ کی تعلیمات مکتوبات شریف سے اخذ کرکے فقہی ابواب اور عقائد وغیرہ کے مطابق ترتیب دے کر سلیس اردو میں ترجمہ کرکے لکھی گئی ہیں، جس سے تعلیمات کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے

۸۔ آپ کے مکتوبات شریف وغیرہ کے اقتباسات کا ہر جگہ سلیس اردو میں ترجمہ درج کیا گیا ہے اصل فارسی نہیں دی گئی، تاکہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہوجائے، فارسی جاننے والے حضرات بہت کم ہیں اس لئے افادۂ عوام کی غرض سے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۹۔ آپ کے مکتوب الیہم کا اشاریہ وتعارف بھی دیا گیا ہے وغیرہ۔

خاکسار مؤلف نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں دیگر کتب کے علاوہ زبدۃ المقامات اور روضۃ القیومیہ کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے اور آپ کے سلسلۂ طریقت کی تفصیل میں حضور انور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو بھی شامل کردیا ہے، جس کا ماخذ علامہ شبلی رحمہ اللہ کی سیرت النبی کو خصوصیت کے ساتھ قرار دیا ہے، اور سلسلۂ نقشبندیہ کے جملہ بزرگوں کے حالات کے لئے خاص طور پر حضرات القدس کو سامنے رکھا۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اور آپ کی اولادِ امجاد وخلفائے عظام کے حالات مرتب

کرنے میں زبدۃ المقامات و حضرات القدس خاص طور پر پیشِ نظر رہیں البتہ سنہ وار واقعات پیش کرنے میں روضۃ القیومیہ کا خاص حصہ ہے۔

حضرت موصوف کی تعلیمات کا باب سب سے زیادہ طویل ہے، جو صرف مکتوباتِ عالیہ کے اقتباسات کے اردو ترجے پر مشتمل ہے، اس حصے کو عقائد و فقہ وغیرہ کی ترتیب پر ذیلی عنوانات قائم کر کے لکھا گیا ہے، جس سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے، کتاب ہذا کے تمام ابواب میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ ان کو مکتوباتِ شریفہ کے زیادہ سے زیادہ اقتباسات کے ساتھ مزین و آراستہ کر کے مدلل و مستند بنایا جائے۔ حضرت موصوف کی ''دعوت و تجدید کا پس منظر'' کے باب میں منتخب التواریخ کا بڑا حصہ آ گیا ہے، اور اس بیان میں اکبری اور جہانگیری دور کے کافی حالات کے سامنے آ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کتاب میں تاریخی حالات کی چاشنی آ گئی ہے، مکتوب الیھم کی ترتیب و تعارف میں خاص طور پر نزہۃ الخواطر اور مآثر الامراء پیش نظر رہی ہیں۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں اس کتاب کی تالیف میں کسی قسم کی قابلِ ذکر تکالیف برداشت نہیں کرنی پڑیں اور نہ ہی اس کے لئے کوئی سفر کرنا پڑا، جو مضامین ذہن میں آتے رہے ان کے لئے جس جس کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی معمولی جستجو کے بعد وہ کتاب حاصل ہو گئی اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اسی کی مدد و توفیق ہے کہ ہماری کم مائیگی، ہیچ مدانی اور بے بضاعتی کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کے تجدیدی کارناموں اور آپ کے حالات و سوانح حیات کے متعلق اتنی ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔

اگرچہ حضرت موصوف کی سوانح حیات کو جیسا ہونا چاہئے تھا اس معیار کے مطابق لکھنا ہماری طاقت سے باہر ہے اور آئندہ بھی اگرچہ اس موضوع پر اہلِ قلم بہت کچھ لکھتے رہیں گے پھر بھی اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر سکیں گے تاہم جس قدر کام ہو گیا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی انجام پذیر ہوا ہے، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نہایت عاجزانہ طور پر شکر ادا کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ تصوف کے ذریعے دو طرح سے دینِ اسلام میں گمراہیاں داخل ہوئیں اور افراط و تفریط کا جال پھیل گیا، ایک طرف تو بدعات اور کفر و شرک کی کوئی شکل باقی نہیں بچی ہو گی

جس کو کسی نہ کسی طرح داخلِ تصوف بل کہ عین تصوف نہ سمجھا گیا، ہو عوام بل کہ خواص تک کو کیسے کیسے مغالطے ہیں کہ کوئی کشف و کرامات و تصرفات کو تصوف جانتا ہے تو کوئی اشغال و مراقبات احوال و کیفیات اور رقص و سرود وغیرہ کو تصوف یقین کرتا ہے کسی نے ریاضات و مجاہداتِ غیر شرعیہ اور ترکِ تعلقات کا نام تصوف رکھا ہے تو کسی فلسفی مزاج نے تصوف سے مراد وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے نظریات کو لیا ہے کوئی اسرار و مغیبات کا مجموعہ قرار دیتا ہے تو کوئی طریقت و حقیقت و معرفت کو شریعت کی ضد خیال کرتا اور تصوف کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے سے تمام احکامِ شرعیہ کا اس سے مرتفع ہونا گمان کرتا ہے، حال آں کہ تصوف کی حقیقت پابندیٔ شریعت کے ساتھ باطن کی صفائی کا حاصل ہونا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو تصوف کے سرے سے ہی منکر ہیں، وہ لوگ تصوف کو غیر دین اور طریقت کو خلافِ شریعت قرار دیتے ہیں اور حضرات صوفیائے کرامؒ کے حقائق اور معارف، اذکار و اشغال، مجاہدات و مراقبات، احوال و کیفیات، توجہ و تصرفات، کشف و کرامات، تعلقاتِ بیعت و نسبت اور رسوم و عادات وغیرہ کی خاص خاص صورتوں کو کتاب و سنت کی عام منصوص تعلیمات میں سے نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے ان کے جواز و ضرورت کے منکر ہو جاتے ہیں اور تصوف کو اسلام میں بہت بعد کی اور بیرونی اثرات کی پیدوار کہہ دیتے ہیں۔

حال آں کہ اسلامی تصوف آیۂ مبارکہ کے لفظ یزکیھم کی تعبیری ہے اور حدیث شریف کے لفظ احسان کی تفصیل ہے، البتہ افہام و تفہیم کے لئے بعض رائج الوقت بیرونی تعبیرات و اصطلاحات سے کام لیا گیا ہے اور غیروں کی بعض تدبیری چیزیں تدبیر ہی کے درجے میں اختیار کر لی گئی ہیں، اس کی اجازت شریعتِ مقدسہ میں پائی جاتی ہے اور اس کے نظائر شرع شریف میں موجود ہیں کما لا یخفی علی اربابہ، اور محبتِ الٰہی جو تصوف کی اصل و اساس ہے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ اس کی تعلیم دی گئی ہے یہ صوفیہ کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے انھوں نے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں علمائے ظاہر جو ان کی اصطلاحیں نہیں سمجھتے اعتراض کر دیتے ہیں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس افراط و تفریط کی بہ درجۂ اتم اصلاح فرمائی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اس دینی انحطاط اور روحانی و اخلاقی پستی کے دورِ الحاد میں جب کہ مسلمانوں کی دینی زندگی کے لئے سنگین مسائل پاک و ہند بل کہ تمام عالم اسلام میں پیدا ہو رہے ہیں خادمانِ دین و بہی خواہانِ اسلام و مسلمین کے لئے حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کی زندگی کے حالات آپ کا جہاد اور تجدیدی کارنامے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے اور تمام عالم

اسلام کے مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں اور ان کی دینی ادب و آداب کو آپ کی جدوجہد اور طریق کار سے بہت کچھ رہ نمائی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانانِ عالم اسلام کو توفیق دے کہ کفر والحاد و مادہ پرستی کے اس دورِ ابتلا میں تجدید واحیائے دین کے لئے پوری پوری جدوجہد کریں اور حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ السامی ودیگر اکابرامت کے تبلیغ دین واصلاح نفس واخلاص عمل کے طریق کار پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حسب توفیق انفرادی واجتماعی جدوجہد میں حصہ لیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا
آخر میں ان محترم حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے اپنی نایاب کتابیں عنایت فرما کر اس کارِ خیر میں معاونت فرمائی، ان حضرات میں مخدوم ومحترم حضرت مولانا حکیم حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ومحترم، حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی مدظلہ العالی، ومحترم مولانا نور احمد سومرو مدظلہ العالی ومحترم جناب ثناء الحق صاحب صدیقی مدظلہ العالی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان حضرات کے علاوہ بعض دیگر حضرات نے بھی کتابیں عنایت فرمائیں اور تصحیح مضامین میں مدد فرمائی، ہم ان سب حضرات کے شکر گزار ہیں اور ان سب کے حق میں سعادت دارین کے لئے دعا گو ہیں۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ہمیں اقرار ہے کہ امکانی سعی وکوشش کے باوجود ہم سے اس کتاب کی تالیف میں بہت سی فروگزاشتیں سرزد ہوئی ہوں گی، ناظرین سے استدعا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز فرماتے ہوئے غلطیوں اور فروگذاشتوں کی طرف رہ نمائی اور ان کی اصلاح فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی اصلاح کی جاسکے، اور اس سلسلے میں جو مفید مشورے حاصل ہوں گے ان پر آئندہ اشاعت میں عمل ہوسکے۔

وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب، ربنا لا تواخذ نا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین، امین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد وّالہ واصحابہ اجمعین

الراجی الی عفو ربہ الکریم

احقر زوّار حسین عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

۲۱ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ / یکم ستمبر ۱۹۷۲ء

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ

کا

سلسلۂ نسب

حضرت مجدّدؒ کا اسمِ گرامی

اسلام کے اس درویش باصفا مصلحِ اعظم کا نامِ نامی واسمِ گرامی احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات، منصب خزینۃ الرحمۃ، قیومِ زماں، مجدّدِ الفِ ثانی، اور عرف امامِ ربانی، محبوبِ صمدانی تھا۔ آپ کا مذہب حنفی اور مسلک نقشبندیہ طریقہ تھا، جو تمام سلاسلِ تصوف کا جامع ہے۔

نسبِ مبارک

آپ کی رگوں میں اس مشہور فاتح اعظم کا خون تھا جس نے مختصری فوج، اور بے سروسامانی کے باوجود ظالم اور جابر بادشاہوں کو سرنگوں کر دیا تھا اور زورِ بازو، قوت اور تدبر سے عظیم ترین سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے اور اپنی روحانی قوتوں سے مستحکم تہذیبوں کی بنیادیں ہلا دی تھیں:

نسب تحریر کیا ہوا اس شہِ گردوں مقامی کا
شرف خورشید پاسکتا نہیں جس کی غلامی کا
شہنشاہوں کے دل ہیبت سے جس کی ہو گئے پانی
وہی فاروقِ اعظمؓ نام ہے جدِ گرامی کا

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ کا نسب مبارک ستائیس واسطوں سے سیدنا امیر المؤمنین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس طرح منسلک ہے:

حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ، بن مخدوم شیخ عبدالاحدؒ، بن شیخ زین العابدینؒ، بن شیخ عبدالحیؒ، بن شیخ محمدؒ، بن شیخ حبیب اللہؒ، بن شیخ امام رفیع الدینؒ (بانی قلعہ سرہند شریف)، بن شیخ نصیر الدینؒ، بن شیخ سلیمان، بن شیخ یوسف، بن شیخ اسحاقؒ، بن شیخ عبداللہؒ، بن شیخ شعیبؒ، بن شیخ احمدؒ، بن شیخ یوسفؒ، بن شیخ شہاب الدینؒ (المعرف بہ فرخ شاہ کابلی)، بن شیخ نصیر الدین، بن شیخ محمودؒ، بن شیخ سلیمانؒ، بن شیخ مسعودؒ، بن شیخ عبداللہؒ (واعظ اصغر)، بن شیخ عبداللہؒ (واعظ اکبر)، بن شیخ ابوالفتح، بن شیخ اسحاقؒ، بن شیخ ابراہیمؒ، بن حضرت سالمؒ (شیخ ناصر یا شیخ عبداللہ) بن، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن، امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت اگرچہ محتاج تعارف نہیں لیکن آپ کا تذکرہ یقیناً باعثِ برکت وحصولِ سعادت ہوگا، اس لئے کہ آپ کو کئی اعتبار سے بڑی فضیلتیں حاصل ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کا سلسلہ نسب حضور انور ﷺ سے جس باکمال شخصیت پر ملتا ہے وہ کعب بن لوی ہیں جو خود ایک بلند مرتبہ شخصیت ہیں۔ کعب کی یہ عادت تھی کہ اکثر قریش کو جمع کر کے وعظ و نصیحت کیا کرتے اور ان کو اپنے فصیح و بلیغ قصیدوں سے حضور انور ﷺ کے ظہور کی خبریں دیتے اور مشتاق بناتے تھے ان کے قصیدے کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

عَلیٰ غَفْلَۃٍ یَاْتِی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ
یُخْبِرُ اَخْبَاراً صَدُوْقاً خَبِیْرُھَا

تم غفلت ہی میں رہ جاؤ گے اور نبی محمد ﷺ آجائیں گے وہ بہت سی خبریں سنائیں گے اور وہ خبریں دینے والے بہت سچے ہوں گے۔

غرض کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے کعب تک اس طرح پہنچتا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن ۱۔ الخطاب بن، ۲۔ نفیل بن، ۳۔ عبدالعزی بن، ۴۔ رباح بن، ۵۔ عبداللہ بن، ۶۔ قرط بن، ۷۔ زراح بن، ۸۔ عدی بن، ۹۔ کعب۔ (۱)

اور حضور انور ﷺ کا سلسلۂ نسب بھی آٹھ واسطوں سے کعب کے ساتھ اس طرح منسلک ہے:

۱۔ جمع الفوائد و حاشیہ التاج در بیان مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ عن ابن اسحاق

حضور انور ﷺ بن، ا۔ عبداللہ بن، ۲۔ عبدالمطلب بن، ۳۔ ہاشم بن، ۴۔ عبد مناف بن، ۵۔ قصی بن، ۶۔ حکیم المعروف بہ کلاب بن، ۷۔ مرہ بن، ۸۔ کعب

اس سے آگے عدنان تک سلسلہ نسب اس طرح متفق علیہ ہے: ۸۔ کعب بن، ۹۔ لُوی بن، ۱۰۔ غالب بن، ۱۱۔ فہر الملقب بہ قریش بن، ۱۲۔ مالک بن، ۱۳۔ نضر بن، ۱۴۔ کنانہ بن، ۱۵۔ خزیمہ بن، ۱۶۔ مدرکہ بن، ۱۷۔ الیاس بن، ۱۸۔ مضر بن، ۱۹۔ نزار بن، ۲۰۔ مَعد بن، ۲۱۔ عدنان۔ یہاں تک سلسلۂ نسب میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اس کے بعد کا سلسلۂ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی بھی وثوق کے ساتھ پیش نہیں کرسکتا اور اس کا علم سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اگرچہ بعض اصحابِ سیر نے آگے کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

۲۲۔ اُد ۲۳۔ ہمیسع ۲۴۔ سلامان، ۲۵۔ عوص، ۲۶۔ بوز (بعض نے یوز اور ثعلبہ بھی لکھا ہے اور قبیلۂ ثعلبہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے) ۲۷۔ قموال، ۲۸۔ اُبی، ۲۹۔ عوّام، ۳۰۔ ناشد، ۳۱۔ حسزا، ۳۲۔ بلداس، ۳۳۔ یدلاف، ۳۴۔ طابخ، ۳۵۔ جاحم، ۳۶۔ ناحش، ۳۷۔ ماخی، ۳۸۔ عیفی، ۳۹۔ عبقر، ۴۰۔ عبید، ۴۱۔ الدعا، ۴۲۔ حمدان، ۴۳۔ سَنبُر، ۴۴۔ یثربی، ۴۵۔ یحزن، ۴۶۔ یلحن، ۴۷۔ ارعوے، ۴۸۔ عیضی، ۴۹۔ دیشان، ۵۰۔ عیصر، ۵۱۔ افناد، ۵۲۔ ایہام، ۵۳۔ مقصر (یا مقصی)، ۵۴۔ ناحث، ۵۵۔ زارح، ۵۶۔ سمی، ۵۷۔ مزی، ۵۸۔ عوض، ۵۹۔ عرام، ۶۰۔ قیدار، ۶۱۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، ۶۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، ۶۳۔ تارخ (یعنی آزر)، ۶۴۔ ناحور، ۶۵۔ شروخ، ۶۶۔ ارغو، ۶۷۔ فالغ، ۶۸۔ عابر، ۶۹۔ ارفخشذ، ۷۰۔ سام، ۷۱۔ حضرت نوح علیہ السلام، ۷۲۔ لامک، ۷۳۔ متوشالخ، ۷۴۔ اخنوخ (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام، ۷۵۔ یارد، ۷۶۔ مہلل ایل، ۷۷۔ قینان، ۷۸۔ آنوش، ۷۹۔ حضرت شیث علیہ السلام، ۸۰۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ (۱)

اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ اہلِ عرب زیادہ تر مشہور شخصیتوں کے نام پر اکتفا

ا۔ قاضی سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین: ج ۲، ص ۱۶ تا ۲۰۔ نیز مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن: جلد ا۔ حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو موجود شجرے میں نہیں ہے۔

کرتے تھے اور بیچ کے لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اہلِ عرب کے نزدیک چوں کہ عدنان کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے اس لئے چند مشہور شخصیتوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب میں ایسے محقق بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے۔ علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا کہ میں نے عرب میں ایسے علما دیکھے جو معد سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک چالیس پشتوں کے نام لیتے تھے اور اس کی شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے۔ اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلے کو اہلِ کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی البتہ ناموں میں فرق تھا۔ (۱)

امامِ حدیث ابنِ عساکر نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار ایک سو بیالیس سال کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پانچ سو پینسٹھ برس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت داؤد علیہ السلام تک پانچ سو انہتر برس اور حضرت داؤد علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ہزار تین سو چھپن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء ﷺ کے درمیان چھ سو برس کا فاصلہ گزرا ہے۔ (۲)

نسب نامے کے سلسلے میں بات طویل ہوگئی، لیکن یہ تذکرے بھی دل چسپ معلومات سے خالی نہیں اس لئے ان کو بھی ضمناً بیان کر دیا گیا اب اصل موضوع شروع کیا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے نسب نامہ کی تحقیق میں نہایت درجے سعی و کوشش کی گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے کے نام کا اختلاف کسی طرح حل نہ ہو سکا آخر مجبور ہو کر اختلافِ نسخ کا ایک نقشہ ایک شجرہ بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے تا کہ قارئینِ کرام کو بھی اس کا اندازہ ہو سکے اور محققین حضرات بھی تلاش و جستجو فرما کر اس مسئلے کو حل فرما سکیں۔ نقشہ ملاحظہ ہو:

۱۔ سیرۃ النبیؐ بہ حوالہ تاریخ طبری مطبوعہ یورپ: ج ۳، ص ۱۱۱۸۔

۲۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ سیرت خاتم الانبیاء ﷺ ص ۹۔ بہ حوالہ محمد بن اسحاق: ج ۱، ص ۱۹

		از زبدۃ المقامات ۸۸،۸۹	عمدۃ المقامات ۹۸۰	حضرات القدس	روضۃ القیومیہ	سیرت امام ربانی امرتسری	حالات ومقامات	عباسی گورکھپوری	ہدیۂ احمدیہ	جواہر مجددیہ
	حضرت مجدد الف ثانیؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۔	مخدوم عبدالاحدؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۲۔	شیخ زین العابدینؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۳۔	شیخ عبدالحیؒ	✓	عبدالحق	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۴۔	شیخ محمدؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۵۔	شیخ حبیب اللہؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۶۔	شیخ امام رفیع الدینؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
		×	×	×	×	نورالدین	×	نورالدین	×	×
۷۔	شیخ نصیر الدینؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۸۔	شیخ سلیمان	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۹۔	شیخ یوسفؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۰۔	شیخ اسحقؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۱۔	شیخ عبداللہؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۲۔	شیخ شعیبؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۳۔	شیخ احمدؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۴۔	شیخ یوسفؒ	✓	✓	✓	✓	✓	نورالدین	✓	✓	✓
۱۵۔	شیخ شہاب الدینؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۶۔	شیخ نصیر الدینؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۷۔	شیخ محمودؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۱۸۔	شیخ سلیمانؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	سلمان
۱۹۔	شیخ مسعودؒ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
۲۰۔	شیخ عبداللہ واعظ اصغر	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓

۲۱۔	شیخ عبداللہؒ واعظ اکبر	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
۲۲۔	شیخ ابوالفتحؒ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
۲۳۔	شیخ اسحٰقؒ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
۲۴۔	شیخ ابراہیمؒ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃(۱)	〃	〃
۲۵۔	شیخ سالمؒ	ناصر	ناصرالدین	ناصر	ناصر	ناصر	ناصرالدین	ناصر	ناصر	ناصر
۲۶۔	حضرت عبداللہؓ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
۲۷۔	حضرت عمر فاروقؓ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃

نسب نامے کے سلسلے میں ایک ضروری اقتباس بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس گتھی کے سلجھانے میں قارئین کرام کو مزید سہولت ہو سکے:۔

صاحب عمدۃ المقامات ص ۹۸ کے حاشیے پر تحریر فرماتے ہیں:

مخفی نماند کہ تمام نسب مبارک تا امیر المومنینؓ از روئے انتخاب سی و دو نفر می شوند لیکن دراین جا پسر حضرت عبداللہؓ را ناصر نام مقرر نمودہ اند و ایں تعین را از زبدۃ المقامات مولانا ہاشم کشمیؒ نقل کردہ۔ اما مولانا بدر الدینؒ سرہندی در حضرات القدس بجائے ناصر سالم (۱) نام ابن حضرت عبداللہ ابن عمر نوشتہ و ہمیں اسم سالم را در کتب حدیث

۱۔ صرف محترم احسان اللہ عباسی گورکھپوری نے شیخ ابراہیم کے نام کے ساتھ ''بن ادہم تارک السلطنت'' بھی لکھا ہے اور شیخ ابراہیم کے بعد چار ناموں کا اضافہ بھی اس طرح کیا ہے ''شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر عرف ادھم شاہ بلخ بن شیخ عبداللہ بن شیخ عمر بن شیخ حفص بن شیخ عاصم بن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مولانا اشرف علی تھانوی موائد العوائد میں حضرت ابراہیمؒ کا شجرہ اس طرح نقل کرتے ہیں: ابراہیم بن ادھم بن منصور بن مندہ بن یزید بن جابر بن ثعلبہ بن سعد بن حلاج بن غزیہ بن اسامہ بن ربیعہ بن ضبیعہ بن عجل۔ اس طرح ابراہیم بن ادہم عجلی ہیں قریشی یفاروقی نہیں ہیں (اشرف السوانح: ج ۳، ص ۲۳۱)

۲۔۔ مذکورہ بالا نقشے سے صاف واضح ہے کہ حضرت عبداللہ بن حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے صاحب زادوں میں عاصم نامی کوئی صاحب زادہ نہیں، عاصم تو حضرت عبداللہؓ کے بھائی ہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ گزشتہ صفحات کے چارٹ میں سہواً یا کسی اور وجہ سے عبداللہ کی بجائے ناصر لکھا گیا ہے، لہٰذا اگر ناصر کی بجائے عبداللہ لکھ دیا جائے تو یہ شجرہ یعنی اسحاق بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروقؓ درست ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، چوں کہ کسی نے ایسا نہیں لکھا اس لئے ہم نے صاحب عمدۃ المقامات کی نشان دہی پر حضرت سالم کا نام لکھ دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

دراولادِ صلبی حضرت عبداللہ یافتہ شد۔ پس ازایں تقریر معلوم شد کہ آنچہ مولانا بدرالدین قدس سرہٗ نوشتہ اند برصواب خواہد بود۔ زیراکہ ناصر نام دراولادِ ایشان ظاہراً یافتہ نشدہ مگرایں کہ احتمال لقب دارد کہ ہماں سالم ملقب بناحر باشند لکن ایں ضعیف می نماید، واللہ اعلم وعلمہ احکم

جمہرۃ الانساب اور طبقات ابن سعد وغیرہ سے مرتب کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ امجاد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہؓ۔ عبدالرحمٰن اکبر۔ زید۔ زید اصغر۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمٰن اصغر۔ عیاض۔ عاصم۔ عبداللہ اوسط

عبداللہ اصغر۔ عبدالرحمٰن اوسط۔ حفصہؓ۔ زینب۔ رقیہ

عبداللہ۔ عبدالرحمٰن۔ ابوبکر۔ ابوعبیدہ۔ واقد۔ سالم

عمر۔ عبیداللہ۔ ابوسلمہ۔ قلابہ۔ زید۔ بلال

ابوبکر۔ عمر۔ عبداللہ۔ عاصم۔ جعفر۔ عبدالعزیز

علی سالم یحییٰ محدث مدنی

ابراہیم۔ عمر۔ عبدالرحمٰن۔ عبدالعزیز

عبدالحمید

اسحٰق۔ عبدالحمید۔ عبداللہ الناسک

عبیداللہ۔ ابوبکر۔ حفص۔ سلیمان، عمر

عمر۔ عیسیٰ

ابوبکر۔ زید۔ عاصم۔ محمد۔ عبداللہ

عبیداللہ۔ عبدالرحمٰن

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے اجداد کا
مختصر تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سلسلۂ نسب کے تمام بزرگوں کا مختصر طور پر تذکرہ کر دیا جائے، تا کہ قارئینِ کرام کو آپ کی خاندانی عظمت و وجاہت کا بھی اندازہ ہو سکے۔

ا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب العدوی القرشی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات مستغنی عن التعارف ہے۔ آپ کی شان وعظمت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ آپ حضور انور ﷺ کے خلیفۂ ثانی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے تقریباً بتیس سال قبل ولادت ہوئی، آں حضرت ﷺ کی بعثت کے چھ سال بعد آپ حضور اکرم ﷺ کے سخت ترین مخالفین میں سے رہے یہاں تک کہ آں حضرت ﷺ کے شہید کرنے کے درپے ہو گئے لیکن یہی واقعہ آپ کے اسلام میں داخل ہونے کا باعث ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ داروں میں سب سے پہلے سعید بن زیدؓ مسلمان ہوئے، چوں کہ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سعید بن زید کی زوجہ تھیں اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئی تھیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک دن غصے میں آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانیٔ اسلام کا قصہ تمام کر دیں چناں چہ تلوار کمر سے باندھ کر آں حضرت ﷺ کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے کہاں چلے؟ بولے محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ اس وقت قرآن شریف پڑھ رہی تھیں، آپ کی آہٹ

پاکر چپ ہوگئیں اور قرآن شریف کے اجزا چھپا دیے لیکن بہن کے پڑھنے کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ چکی تھی اس لئے آپ نے بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی بہن نے کہا کچھ نہیں۔ آپ نے کہا: نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہوگئے، آپ کی بہن نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو ان کی بھی خبر لی۔ اسی ہاتھا پائی میں ان کی زبان سے نکلا کہ ''عمر! جو جی چاہے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکلتا'' ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا اور بہن سے کہا اچھا جو تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن شریف کے اجزا لاکر سامنے رکھ دیے، یہ سورۂ حدید تھی۔ (۱) آپ نے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پڑھا تو ایک ایک لفظ پر آپ کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ آں حضرت ﷺ حضرت ارقمؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے، حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چوں کہ شمشیر بکف تھے اور اس تازہ واقعے کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابۂ کرامؓ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کے دونوں بازو پکڑ کر ہلائے اور فرمایا اے عمر! کیا ارادہ ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا اور نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ ''ایمان لانے کے لئے'' آں حضرت ﷺ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ معظمہ کی تمام گلیاں گونج اٹھیں۔ (۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِاَبِیْ جَهْلٍ بْنِ هِشَامٍ اَوْبِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ فَكَانَ اَحَبُّهُمَا اِلَيْهِ عُمَرُ، فَاَصْبَحَ فَغَدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ۔ (۳)

۱۔ بعض روایتوں میں سورۂ طٰہٰ کا پڑھنا مذکور ہے۔ مؤلف

۲۔ سیرۃ النبی حصہ اول: ص ۲۲۳ تا ۲۲۶

۳۔ ترمذی: ابواب المناقب

یعنی اے اللہ ابوجہل (عمر) بن ہشام اور عمر بن الخطاب ان دونوں میں سے جو آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس کے ساتھ دینِ اسلام کو عزت عطا فرما۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان دونوں میں عمر بن الخطاب اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھے پس جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔

پھر جس طرح آپ حالتِ کفر میں کفر پر سخت تھے اسی طرح اسلام لانے کے بعد اسلامی عقائد و اعمال کے بھی سختی سے پابند رہے۔ حضور اکرم ﷺ نے آپ کی شان میں ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (۱)

یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

نیز آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ، وفی روایة ابی داؤد عن ابی ذر قَالَ اِنَّ اللهَ وَضَعَ الْحَق عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ (۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا ہے۔

نیز فرمایا:

اَشَدُّ هُمْ فِي اَمْرِ اللهِ عُمَرُ

عمر خدائی احکام جاری کرنے میں سختی سے کاربند ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَا نَزَلَ بِالنَّاسِ اَمْرٌ قَطُّ فَقَالُوْا فِيْهِ وَقَالَ فِيْهِ عُمَرُ اجلٌ انَزَلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ عَلٰى نَحْوِ مَاقَالَ فِيْهِ عُمَرُ (۳)

جب کبھی لوگوں کو کوئی بات پیش آئی اور اس میں انہوں نے اپنی رائے ظاہر کی تو ہمیشہ جو کچھ عمرؓ نے کہا اسی کے مطابق قرآن نازل ہوا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چناں چہ جن امور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہوا

۱۔ ترمذی ۲۔ مشکوٰۃ باب مناقب عمر فصل دوم، بہ روایت ترمذی

۳۔ ترمذی

ان کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہے۔(۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ نَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ (۲)

تم سے پہلے لوگوں میں محدث تھے یعنی جن کو الہام ہوتا تھا مگر وہ نبی نہیں ہوتے تھے پس اگر میری امت میں کوئی محدث (۳) یعنی صاحبِ الہام ہوا تو بے شک وہ عمرؓ ہوگا۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی روزمرہ زندگی کا بہت زیادہ تفحص اور جزئیات سنن کا حتی الامکان اتباع کرتے تھے۔

یہ احادیث شریفہ آپ کے نہایت درجے صائب الرائے ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ان احادیثِ شریفہ سے جہاں بلاواسطہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان کا اظہار ہوتا ہے وہاں بالواسطہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بزرگی و عظمت کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آپ کثیر العلم، زاہد، نہایت متواضع اور عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کا اسلام لانا مسلمانوں کی نصرت کا باعث ہوا۔ مزاج میں شدت کے باعث حضور اکرم ﷺ نے آپ کی کنیت ابوحفص مقرر فرمائی تھی، کیوں کہ حفص عربی میں شیر کو کہتے ہیں۔ اور آپ کا لقب فاروق یعنی وہ شخص جو حق و باطل میں فرق کرتا ہو مقرر فرمایا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ لقب اہلِ کتاب نے دیا تھا اور بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ لقب دیا تھا (۴) اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا:

مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ (۵)

۱۔ اللمعات، شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔

۲۔ جمع الفوائد فی المشکوٰۃ والتاج عن ابی ہریرۃ بمسلمہ۔

۳۔ لفظ محدث کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو مکتوباتِ مجددؒ، دفتر دوم مکتوب ۵۱۔

۴۔ حاشیۃ التاج۔ ۵۔ جمع الفوائد۔

یعنی ہم حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہمیشہ عزت والے رہے۔

آپ غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں حضورِ انور ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حسبِ وصیت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی رضامندی سے آپ خلیفہ ہوئے۔ آپ پہلے خلیفہ ہیں جن کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا گیا (۱)۔

آپ کے زمانۂ خلافت میں مصر، شام، بیت المقدس، انطاکیہ، عراقِ عرب، عراقِ عجم، جزیرہ، ایران کا بڑا حصہ، کچھ حصہ آرمینیا کا، اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے، فتح ہو کر مملکتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ (۲)

آپ سے تمام کتبِ صحاح میں ۵۳۹ احادیث مروی ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی کرامات کے متعلق دو واقعے تبرکاً نقل کئے جاتے ہیں: ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر (نہاوند کی طرف) روانہ کیا جس کے امیر ساریہ نامی شخص تھے۔ چند دن کے بعد جب حضرت عمرؓ (مسجد نبویؐ میں جمعہ کا) خطبہ دے رہے تھے تو یکایک آپ نے بلند آواز سے کہا یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ یعنی اے ساریہ اس پہاڑ کی آڑ لو۔ اس واقعے کے چند روز بعد لشکر سے ایک قاصد آیا (تو اس سے حضرت عمرؓ نے حالاتِ جنگ دریافت کئے) اس نے کہا کہ ہم جنگ میں ہارنے اور بھاگنے لگے تھے ناگہاں ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جس نے کہا اے ساریہ اس پہاڑ کی آڑ لو۔ چناں چہ ہم نے اس پہاڑ کو اپنی پشت پناہ قرار دیا اور لڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دے دی۔ (۳)

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فتحِ مصر کے بعد جب مصریوں کی مشہور رسم بؤنہ کے منانے کا مہینہ آیا (یہ رسم دریائے نیل میں پانی کم ہونے کی وجہ سے منائی جاتی تھی) تو وہاں کے لوگ اپنے حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے امیر! ہمارے اس دریائے نیل کے لئے ایک رسم مقرر ہے جس کے بغیر اس کا پانی جاری نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا وہ رسم کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایک باکرہ لڑکی کے والدین کو راضی کر کے اس لڑکی کو بہت عمدہ قسم کے زیورات و لباس سے آراستہ کرتے ہیں پھر ہم اس کو اس

۱۔ مشکوٰۃ۔ اسماء الرجال ۲۔ الفاروق

۳۔ رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ۔ مشکوٰۃ: ج ۳، باب الکرامات، ص ۲۱۷

دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان سے فرمایا کہ یہ (بری) رسم اسلام میں نہیں ہوسکتی بے شک اسلام نے اپنے سے ماقبل کی تمام (بری) رسوم کو ختم کر دیا ہے۔ آخر جب رسمِ بُونہ کے منانے کا دن آیا تو دریائے نیل میں نہ تھوڑا پانی جاری رہا نہ زیادہ، یہاں تک کہ لوگوں نے وہاں سے ترکِ وطن کا ارادہ کر لیا، اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ قصہ لکھ بھیجا، پس حضرت عمرؓ نے ان کی طرف اس مضمون کا خط (جواباً) ارسال فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست تھا (بے شک اسلام میں یہ رسم ناقابلِ برداشت ہے) میں تمہارے پاس اپنے اس خط کے ہم راہ ایک رقعہ بھیج رہا ہوں تم میرے اس رقعے کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ پس جب وہ خط حضرت عمرؓو بن العاص کے پاس پہنچا تو انہوں نے (اس میں سے) وہ رقعہ لیا، دیکھا تو اس میں یہ مضمون تحریر تھا:

> رقعہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندے عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے جو کہ مسلمانوں کا امیر مقرر ہے دریائے نیل کی جانب (کے نام) ہے۔ اما بعد (اے دریائے نیل!) اگر تو اپنی طرف سے اور اپنے امر (وارادہ) سے جاری رہتا ہے تو تو جاری مت ہو ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو خدائے واحد وقہار کے امر (وارادہ) سے جاری ہوتا ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہی تجھ کو جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو پھر جاری کر دے۔

راوی کہتا ہے کہ (حسب الحکم) وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تو ہفتے کے دن ایک ہی شب کے اندر دریائے نیل میں سولہ ذراع (ہاتھ گہرا) پانی جاری ہوگیا اور اس وقت سے آج تک اللہ تعالیٰ نے اس بری رسم کو مصر والوں سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔(۱)

آپ کی مدتِ خلافت دس سال چھ ماہ اور چار دن ہے (۲)۔ بروز بدھ، ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری مغیرۃ بن شعبہ کے غلام ابو لؤلؤ مجوسی نے مسجد نبوی مدینۂ منورہ میں عین حالتِ نمازِ فجر میں آپ کو زخمی کیا جس سے آپ جانبر نہ ہوسکے اور اتوار کیم محرم الحرام ۲۴ ہجری کو ۶۳ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت صہیبؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا

۱۔ ترجمان السنۃ: جلد ۴، ص ۳۴۰ و ۳۴۱

۲۔ الفاروق

(اس وقت جب کہ وہ زخمی ہوئے تھے) انہوں نے (اپنے صاحب زادے) عبداللہ سے کہا کہ تم ام المومنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہ عمر بن الخطابؓ آپ کو سلام کہتا ہے پھر ان سے عرض کرو کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں آج انہیں اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔ جب حضرت عبداللہؓ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کیا جواب لائے ہو؟ انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین انہوں نے اجازت دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرے نزدیک اس جگہ دفن ہونے کی جتنی اہمیت تھی اتنی اہمیت کسی اور چیز کی نہ تھی۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو میرا جنازہ اٹھا کر لے جانا پھر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے سلام کہنا اور عرض کرنا کہ عمرؓ آپ سے (آپ کے حجرے میں دفن ہونے کی) اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ (۱) چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے حضورِ انور ﷺ کے حجرۂ شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آپ کی اولاد میں: عبداللہ۔ عبدالرحمٰن اکبر۔ زید۔ زید الاصغر۔ عبیداللہ۔ عاصم۔ عبدالرحمٰن اصغر۔ عیاض۔ عبداللہ اصغر۔ عبدالرحمٰن اوسط۔ عبداللہ اوسط ہیں، اور صاحبزادیوں میں ام المؤمنین حضرت حفصہؓ۔ زینب۔ رقیہ ہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے، جلیل القدر صحابی اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک سال قبل یا بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ صغر سنی ہی میں اسلام لے آئے تھے اور اپنے والدِ ماجد کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ جنگِ بدر و اُحد میں بوجہ صغر سنی کے شریک نہیں کئے گئے۔ غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ کی ایک شادی حضرت فاطمہ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما سے ہوئی، ان کے بطن سے آپ کی اولاد داخلِ سادات ہے۔ (۲)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو دنیا نے اپنی طرف اور

۱۔ بخاری: کتاب الجنائز
۲۔ جواہر مجددیہ: ص ۳۔ و روضۃ القیومیہ: ص ۱۸

اس نے دنیا کو اپنی طرف مائل نہ کرلیا ہو سوائے ابنِ عمرؓ کے۔" حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کا یہ حال تھا کہ اپنی تعریف سننا گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی تعریف کررہا تھا تو آپ نے اس کے منہ میں مٹی ڈال دی اور فرمایا کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "مداحوں کے منہ میں خاک ڈال دیا کرو۔" آپ بلا امتیاز ہر کس و ناکس کو سلام کرنے میں سبقت کرتے، اسی سعادت کی غرض سے صبح و شام بازار کا چکر لگاتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اکرم ﷺ کی روزمرہ کی زندگی کا بہت زیادہ تفحص اور جزئیاتِ سنن کا حتی الامکان اتباع کرتے تھے۔ عہدِ رسالت کے بعد کے تمام فتنوں سے آپ بالکل علیحدہ رہے۔

آپ کے فضائل و مناقب صحابہ و تابعین سے بکثرت مروی ہیں۔ قرآن، تفسیر، حدیث، اور فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کے بحرِ بیکراں تھے۔ اکثر محدثین اسنادِ حدیث میں جس سند کو سلسلۃ الذہب کہتے ہیں وہ مالک عن نافع عن ابن عمرؓ ہے۔ مکثرین فی الحدیث میں آپ کا دوسرا نمبر یعنی حضرت ابوہریرہؓ کے بعد ہے، آپ سے دو ہزار چھ سو تیس احادیث مروی ہیں۔

آپ نے ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں تراسی یا چوراسی سال کی عمر میں مکہ معظمہ میں وفات پائی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ زمانہ حج میں عرفات سے واپسی پر کسی شخص کے نیزے کی نوک آپ کے پاؤں میں لگ گئی اور یہی زخم آپ کی وفات کا باعث ہوا۔ حجاج بن یوسف اس وقت مکہ معظمہ میں موجود تھا اس نے آپ کے جنازے کی نماز پڑھائی۔(۱)

آپ کی اولاد میں: عبداللہ۔ سالم فقیہ۔ عبدالرحمٰن۔ زید۔ عبیداللہ۔ ابوبکر۔ ابوعبیدہ واقد۔ عمر۔ ابوسلمہ۔ قلابہ اور بلال تھے۔ صاحبزادیوں میں حفصہ، سودہ اور ام علقمہ تھیں۔

۳۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ

آپ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے جلیل القدر تابعی ہیں۔ فقہائے سبعۂ مدینہ منورہ میں آپ کا شمار ہے۔ اربابِ سیر کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کی تمام اولاد میں صورت اور سیرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ ان سے مشابہ حضرت عبداللہؓ تھے اور حضرت عبداللہؓ کی اولاد میں ان کے مشابہ حضرت سالمؒ تھے، اس

۱۔ سیر الصحابہ: ج ۳، حصہ دوم، ص ۴۵۔ بہ حوالہ مسند امام احمد بن حنبل: ج ۲، ص ۹۴

طرح گویا حضرت سالمؒ حضرت فاروقؓ کا نقش ثانی تھے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے زمانے میں علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں حضرت سالمؒ سے زیادہ کوئی شخص سلفِ صالحین (صحابہؓ) کی مانند نہ تھا۔امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سالمؒ کی امامت، جلالت، زہد و ورع اور علوِ مرتب پر سب کا اتفاق ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور جملہ فنون میں ان کو یکساں کمال حاصل تھا لیکن شدتِ احتیاط کی وجہ سے قرآن کریم کی تفسیر بیان نہ کرتے تھے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے رکنِ اعظم تھے سالمؒ نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہؓ میں حضرت ابو ہریرہؓ، ابو ایوبؓ انصاری اور حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ان بزرگوں کے فیض سے آپ کا دامنِ علم نہایت وسیع ہو گیا تھا۔آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سالمؒ ثقہ، کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں سے تھے آپ سے تمام کتبِ صحاح میں احادیث مروی ہیں۔

۱۰۶ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ اموی حج کے دوران ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کے اندر گیا وہاں حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالمؒ بھی موجود تھے ہشام نے ان سے کہا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیں۔حضرت سالمؒ نے فرمایا کہ میں تم سے کیا طلب کروں، آخرت کی چیز یا دنیا کی؟ ہشام نے کہا دنیا کی۔حضرت سالمؒ نے جواب دیا ''دنیا تو میں نے اس کے مالکِ حقیقی سے بھی کبھی طلب نہیں کی پھر بھلا تم سے (جو اس کے مالک بھی نہیں ہو) کیوں طلب کروں۔'' ہشام آپ کا بہت احترام کرتا تھا، آپ نہایت معمولی اور موٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تختِ شاہی پر بٹھا لیتا تھا۔(۲)

ذی الحجہ ۱۰۶ھ مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ہشام بن عبدالملک نے جبکہ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں آیا ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی۔خلقت کے ہجوم کی وجہ سے بقیع میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔(۳)

آپ کی نرینہ اولاد میں: عمر۔ابوبکر۔عبداللہ۔عاصم۔جعفر۔عبدالعزیز ہیں۔

۱۔تابعین از شاہ معین الدین احمد ندوی: ص۱۲۹ تا ۱۳۳

۲،۳۔تابعین از شاہ معین الدین احمد ندوی: ص۱۲۹ تا ۱۳۳

۴۔ شیخ ابراہیم قدس سرہٗ تابعین میں سے تھے(۱)

۵۔ شیخ اسحٰق قدس سرہٗ تابعین میں سے تھے اور مجتہدوں میں بھی آپ کی شان نہایت اعلیٰ تھی۔(۲)

۶۔ شیخ ابوالفتح قدس سرہٗ بھی تبع تابعین میں سے تھے(۳)

۷۔ شیخ عبداللہ واعظ اکبر قدس سرہٗ اپنے زمانے کے محدثین اور مجتہدین میں مقتدر تھے، بحیثیتِ واعظ ہر دلعزیز تھے اسی وجہ سے آپ کو واعظِ اکبر کہا جاتا تھا۔(۱)

۸۔ شیخ عبداللہ واعظ اصغر قدس سرہٗ کو علومِ ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا، اکثر معاصر علما آپ سے استفادہ کرتے تھے، اپنے والد کی طرح آپ بھی مشہور واعظ تھے۔(۲)

۹۔ شیخ مسعود قدس سرہٗ نے تحصیلِ علوم کے بعد باطنی استفادہ اپنے والد بزرگوار سے کیا تھا بڑے عابد و زاہد بزرگ گزرے ہیں، خلفائے عباسیہ آپ کے بہت معتقد تھے اور انہی کی عقیدت نے آپ کو مکہ مکرمہ سے دارالخلافہ بغداد آنے پر مجبور کر دیا ورنہ اس سے قبل آپ کا خاندان حجاز ہی میں قیام پذیر تھا۔(۳)

۱۰۔ شیخ سلیمان قدس سرہٗ علومِ ظاہری سے فارغ ہو کر حضرت شیخ سری سقطیؒ (۴) (م ۲۵۳ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قلیل مدت میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس سلسلے کا نام سری سقطیہ ہے۔(۵)

۱۱۔ شیخ محمود قدس سرہٗ نے اپنے والد شیخ سلیمانؒ سے باطنی استفادہ کیا، آپ کی دلیری اور

۱،۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۹۔ وسیرت امام ربانی: ۲۲،۲۳

۱،۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۹۔ وسیرت امام ربانی: ۲۲،۲۳

۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۹۔ سیرت امام ربانی: ص ۲۲،۲۳

۴۔ حضرت شیخ سری سقطیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے مرشد اور حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطی کو سوائے مرض الموت کے کبھی لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "بروں کی صحبت سے بچو اور نیکوں کی صحبت میں بھی یادِ خدا سے غافل نہ ہو" آپ کا انتقال بروز منگل ۳ رمضان المبارک ۲۵۳ھ میں ہوا۔ بغداد میں آپ کا مزار پر انوار ہے۔(نفحات الانس: ص ۵۵۔ وخزینۃ الاصفیاء: ص ۷۲)

۵۔ جوہر مجددیہ: ص ۳

۶۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۰۔ وسیرت: ص ۲۴

۷۔ ایضاً

شجاعت سے متاثر ہو کر خلیفۂ وقت نے جو لشکر ترکستان کی مہم پر بھیجا تھا اس کی کمان آپ ہی کو سپرد کی، وہاں سے آپ فاتح اور کامیاب واپس آئے پھر قلعۂ غزنین فتح کیا تو خلیفہ نے وہاں کی حکمرانی آپ کے سپرد کر دی۔(۶)

۱۲۔ شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ نے اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد قلعہ غزنین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور کئی حملوں کے بعد بالآخر کابل کو فتح کر لیا پھر کابل ہی کو اپنا دارالحکومت مقرر کیا اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔(۷)

۱۳۔ سلطان شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ معروف بہ فرخ شاہ کابلی، اوائلِ عمر ہی سے متقی، پرہیز گار اور متدین تھے، آپ کے اوصافِ حمیدہ، عاداتِ حسنہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے اعلیٰ وادنیٰ سب مداح تھے، والد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے، افغانوں اور مغلوں کے تنازعات ختم کر کے اراضی کا مناسب بندوبست کیا۔ دنیاوی حکمرانی کے ساتھ ساتھ آپ باطنی دولت سے بھی مالا مال تھے اور بکثرت لوگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ آخری عمر میں زمامِ حکومت اپنے صاحبزادے شیخ یوسف کے حوالے کر کے ایک درے میں (جو کابل سے تھوڑے فاصلے پر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہو کر ''درۂ فرخ شاہ'' کہلاتا ہے) گوشہ نشینی اختیار کی وہیں آپ کا مزار ہے۔(۱)

آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ (۲) کے بھی جدِ اعلیٰ ہیں اور حضرت بابا صاحبؒ کا سلسلۂ نسب آپ تک اس طرح ہے: حضرت بابا فرید الدین بن شیخ جمال الدین بن سلیمان بن قاضی شعیب بن محمد احمد بن محمد یوسف بن شیخ محمد بن فرخ شاہ۔(۳) نیز حضرت شاہ ولی

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص۲۰۔ سیرت امام ربانی: ص۲۴

۲۔ شیخ فرید الحق والدین گنج شکر اجودہنی قدس سرہ کے والد شیخ جمال الدین، سلطان محمود غزنوی کے خواہر زادے تھے، سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور تشریف لائے اور کھوتوال ضلع ملتان ۵۸۵ھ میں حضرت بابا گنج شکر کی ولادت ہوئی، ملتان کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ تشریف لے آئے آپ وہیں بیعت ہو گئے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی ۶۶۴ھ میں بمقام پاک پتن وفات ہوئی (خزینۃ الاصفیاء: ص۲۷۲)

۳۔ جواہر مجددیہ: ص۳۔ خزینۃ الاصفیاء: ص۲۷۳

۴۔ تجلیات ربانی، مولانا نسیم احمد امروہوی: حصہ اول، ص۳

۵۔ روضہ: ص۲۱۔ وسیرت: ص۲۶

اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا سلسلۂ نسب بھی آپ ہی سے وابستہ ہے۔(۴)

۱۴۔ شیخ یوسف قدس سرہٗ نے علوم ظاہری حاصل کر کے باطنی استفادہ اپنے والد بزرگوار سلطان فرخ شاہ سے کیا اور ان کی گوشہ نشینی کے بعد زمامِ سلطنت سنبھالی، بڑے عادل، صالح اور دیندار تھے، آپ نے بھی آخری عمر میں سلطنت سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور زمامِ حکومت اپنے صاحب زادے (شیخ احمد) کو سونپ دی۔(۵)

۱۵۔ شیخ احمد قدس سرہٗ اپنے والد ماجد کی طرح متقی، عالم اور صاحب حال بادشاہ گزرے ہیں لیکن آپ نے سلطنت کو بالکل ہی خیر باد کہہ دیا تھا کہ اولاد کو بھی اس سے باز رہنے کی وصیت کی اور تھوڑا سا اثاثہ بال بچوں کے لئے رکھ کر باقی تمام مال فقرا میں تقسیم کر دیا، آپ نے اپنے والد ماجد کے علاوہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ (۱) سے بھی فیض حاصل کیا اور خلافت پائی۔(۲)

۱۶۔ شیخ شعیب قدس سرہٗ کو اپنے والد کے وصال کے بعد خانقاہ کی سجادہ نشینی ملی، آپ درویش صفت، فرشتہ خصلت اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔(۳)

۱۷۔ شیخ عبداللہ قدس سرہٗ نے اپنے والد بزرگوار شیخ شعیب کے علاوہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ (۴) سے بھی استفادہ کیا اور خلافت حاصل کی۔(۵)

۱۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد سے ہیں اور طریقت میں آپ کا انتساب اپنے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور بہت سے مشائخ کی صحبت اٹھائی، حضرت خضر سے ملاقات ہوئی، عوارف المعارف آپ کی تصانیف میں سے ہے، ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ اور وفات ۶۳۲ھ بغداد میں ہوئی (نفحات الانس: ص ۴۲۰۔ وخزینہ: ص ۶۸۳)

۲۔ روضہ: ص ۲۱۔ وسیرت: ص ۲۶

۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۶۔ سیرت امام ربانی: ص ۲۶، ۲۷

۴۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی القریشی الاسدی ہندوستان کے اکابر اولیا اور مشائخ سہروردیہ میں سے ہیں۔ قلعہ کوٹ کروڑ پنجاب میں ۵۷۸ھ میں ولادت ہوئی۔ خراسان بخارا ہوتے ہوئے حرمین شریفین پہنچے، حج بیت اللہ زیارت روضہ منورہ سے مشرف ہوئے پھر بغداد تشریف لے گئے وہاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی ۶۶۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء: ص ۶۸۹)

۵، ۶، ۷۔ روضۃ القیومیہ: ص ۶۔ سیرت امام ربانی: ص ۲۶، ۲۷

۱۸۔ شیخ اسحٰق قدس سرہٗ صاحب حال، صادق القول، آزاد ضمیر اور صاف گو بزرگ گزرے ہیں، صرف اپنے والد شیخ عبداللہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ (۶)

۱۹۔ شیخ یوسف قدس سرہٗ اپنے والد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اپنے زمانے کے بڑے متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے، اپنے والد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے آپ کی عبادت و ریاضت او زہد و تقویٰ کی بہت شہرت تھی، ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہونے کی وجہ سے لوگ آپ سے دونوں علوم میں استفادہ کرتے تھے (۷)

۲۰۔ شیخ سلیمان قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئی، بہت بافیض بزرگ تھے، علم و فضل، زہد و تقویٰ اور احسان و کرم سے آراستہ تھے۔ (۱)

۲۱۔ شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ اپنے زمانے کے جید عالم اور بڑے مشائخ میں سے تھے، باطنی استفادہ اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر مشائخ چشتیہ سے بھی کیا۔ (۲)

۲۲۔ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور اپنے والد شیخ نصیر الدین کے جانشین اور خلیفہ ہونے کے علاوہ آپ نے تقریباً چار سو مشائخ کبار سے استفادہ کیا اور اکثر سے خلافت حاصل کی اور آخر میں حضرتِ مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ (۳) جہانیاں جہاں گشت کے خلیفہ ہوئے۔ حضرتِ مخدومؒ نے آپ کے کمالِ زہد و تقویٰ کی وجہ سے آپ کو اپنا امامِ نماز بنایا اور شرفِ دامادی (۴) بھی بخشا۔ آپ ہی اس خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار فرمائی اور سرہند شریف کی بنا و تعمیر کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

بنائے سرہند شریف

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ سلطنت (۷۵۲ تا ۷۸۵ھ مطابق ۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء) تک یہ ایک مقام بیابان وحشت ناک جنگل اور شیروں کا مسکن تھا، اس کا قدیم نام سہرند بجائے خود جس کی

۱،۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۶۔ سیرت امام ربانی: ص ۲۶، ۲۷

۳۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ جہانیاں جہاں گشت نے تلاشِ حق میں بکثرت سفر کیے اور اکثر اولیائے کرام سے فیض یاب ہوئے مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعیؒ کی خدمت میں رہے چودہ خانوادوں سے آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق آپ کا مرید و معتقد تھا۔ آپ کی ولادت ۷۰۷ھ ۱۳۰۸ء اور وفات ۷۸۵ھ ۱۳۸۴ء میں ہوئی۔ اُروح تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں میں آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔

۴۔ دامادی کے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو عمدۃ المقامات: ص ۱۰۰۔ و حالات و مقامات امام ربانی: ص ۵

دلالت کرتا ہے، سہرند کے معنی ''شیروں کا جنگل'' یا ''شیروں کا مسکن'' ہے یہ مقام قریۂ براس سے چھ سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کے گردونواح میں کوئی شہر نہ تھا، اطراف کے لوگوں کو سلطانی مالیہ بُعد مسافت کی وجہ سے شہر سامان پہنچانے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق چونکہ مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ کا مرید تھا اس لئے اس اطراف کی رعایا اور بالخصوص اہلِ قریۂ براس نے بمقام اُوچہ جا کر حضرت مخدوم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ دارالخلافہ دہلی تشریف لے جائیں اور سلطان سے درخواست کریں کہ اس مقام پر ایک شہر آباد کرایا جائے تا کہ سلطانی مالیہ پہنچانے میں دقت نہ ہو۔ آپ نے ان لوگوں کی درخواست کو قبول کیا اور دارالخلافہ تشریف لے گئے۔ سلطان نے کنور تک جو دہلی سے دو منزل کی مسافت پر (غالباً سونی پت سے آگے) واقع ہے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے پہلی ہی ملاقات میں ان کا مدعا پیش کیا اور سلطان نے منظور فرما کر حکم نافذ کر دیا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے۔

چناں چہ امام رفیع الدین سے جو آپ کے خلیفہ اور امامِ نماز تھے اور سنام میں اقامت رکھتے تھے فرمایا کہ آپ جا کر اپنے ہاتھ سے قلعہ کا بنیادی پتھر رکھیں تا کہ قلعہ حوادث و آفات سے مصؤن و محفوظ رہے اور وہیں سکونت بھی اختیار کریں، کیوں کہ آپ وہاں کے صاحبِ ولایت ہیں اور حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے اپنے دست مبارک سے ایک اینٹ عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے قلعے کی بنیاد میں رکھیں۔

چناں چہ آپ اپنے پیر بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں وہاں تشریف لے گئے اور سکونت اختیار فرما کر قلعہ کی بنیاد ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۸ء میں اس اینٹ سے رکھی جو مخدوم صاحبؒ نے عنایت فرمائی تھی، پھر اس معاملے کی حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر قدس سرہٗ (۱) کو بے خبری سے لوگوں نے بیگار میں پکڑ لیا ہے کیوں کہ انہوں نے اپنے

۱۔ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ مجذوب اور ولی کامل تھے آپ کی ولادت ۶۵۲ھ اور وفات ۷۲۴ھ بتائی جاتی ہے۔ مولانا ضیاء الدین سمنانی آپ کے ہم عصر تھے۔ بعض حضرات آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کا مرید بتاتے ہیں اور بعض حضرت نظام الدین اولیاؒ کا۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کی صحبت کا یقین سے بیان نہیں کیا گیا۔ اور یہ سب اختراع ہے۔ اسی طرح آپ کا مزار پانی پت میں بھی بتایا جاتا ہے لیکن آپ کا مزار کرنال میں ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (از اخبار الاخیار) آپ کی وفات ۷۲۴ء میں بتائی جاتی ہے اور قلعہ سرہند کی تعمیر ۷۶۰ میں ہوئی اس لئے اس واقعے کی مطابقت نہیں ہوتی۔ (مؤلف)

آپ کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا اور کوئی شخص ان کو پہچانتا نہیں تھا، وہ باطنی تصرف سے قلعے کی بنیاد کو ہر شب گرا دیتے تھے۔ امام رفیع الدین صاحب نے اس معاملے کو معلوم کر کے اپنے بھائی کے قصور کی معذرت چاہی۔ شیخ (بوعلی قلندر) نے فرمایا کہ اے رفیع الدین آپ کے لحاظ وخوش نودی کے لئے یہ شہر اب آباد رہے گا ورنہ قیامت تک میں اس کو آباد نہ ہونے دیتا۔ اس کے بعد جب قلعۂ مذکور مکمل ہو گیا تو سلطان نے فرمایا کہ یہ قلعہ حضرت امام رفیع الدین کے تصرف سے آباد ہوا ہے اس لئے وہ وہیں سکونت اختیار کریں اور اس کی آمدنی کو اپنے فقرا پر صرف کریں۔ اس دن سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اسلاف کی سکونت اس شہر سرہند میں مقرر ہوئی اور اس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس شہر سہرند شیروں کے مسکن کو فاروقی شیروں کا وطن ہونا مقدر فرمایا:

سرہند مگو کہ رشکِ چمن است

خلدیست بریں کہ بر زمین است

امام رفیع الدین قدس سرہٗ نے اپنی بقیہ زندگی وہیں گزاری اور وہین آپ کا انتقال ہوا آپ کا مزار مبارک شہر کے باہر تھا لیکن اب کثرتِ آبادی کے باعث شہر کے اندر آ گیا ہے۔(۱)

سرہند شریف کی خصوصیات وبرکات

اس شہر کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہاں سے تقریباً چھ سات کوس کے فاصلے پر براس نامی ایک شہر آباد تھا جہاں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کو چند انبیا علیہم السلام کے مزارات بذریعہ کشف معلوم ہوئے۔ ان ستاروں کے نورِ سعادت نے بھی اس زمین کو آسمان بنا دیا ہے۔

سرہند شریف کو مقدس مقام ہونے کے متعلق خود حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب ﷺ کے طفیل شہر سرہند گویا (میری جائے پیدائش) ہے کہ میرے لئے اس ایک گہرے اور تاریک کنوئیں کو پُر کر کے ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے اور اس کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلندی (فضیلت) بخشی گئی ہے اور اس زمین میں بے صفتی وبے کیفی کا ایک نور امانت کے طور رکھا گیا ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ شریف کی پاک ومقدس زمین سے بلند اور روشن ہو رہا ہے۔(چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۹۰۔ وعمدۃ المقامات: ص ۱۰۱۔ وروضۃ القیومیہ، رکن اول: ص ۲۳

۲۔ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، دفتر دوم، مکتوب نمبر: ۲۲

وہ نور امانت اس فقیر کے قلبی انوار کا ایک حصہ ہے جس کو یہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح کہ شعلے سے چراغ روشن کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔(۲)

نیز حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اس شہر کی فضیلت میں تحریر فرماتے ہیں:

آج سرہند کی زمین فیوض وانوار کی کثرت اور اسرار کے ظہور کی بہتات کی وجہ سے ہند وغیر ہند کے لئے رشک کی جگہ ہے۔ لوگ اس کو ہندوستان سے نہ جانیں کیوں کہ یہ ولایت کی کھڑکی ہے۔ ہند کی خاک ولایت کے پانی کے ساتھ مل گئی ہے اور محبت کی شراب جمع کی افیون کے ساتھ اس کی طینت میں گھل مل گئی ہے اس لئے سکر کے جوش سے عین واثر کو اس کے طالبوں سے دور کر دیا ہے اس جگہ کے رقص کرنے والوں سے سرودستار اٹھا دیا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے:

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار(۱)

اس افیوں کی وجہ سے جو کہ ساقی نے شراب میں ڈال دی ہے حریفوں کو نہ سر کا ہوش رہا ہے اور نہ پگڑی کا۔

برصغیر کا یہی وہ تاریخی اور مقدس مقام ہے جو اس خانوادۂ فاروقی کا مسکن بنا اور یہیں سے بعد میں تجدید واحیائے دین کی کرنیں اطراف واکناف عالم میں ضوفگن ہوئیں۔ جس مبارک ہستی نے اس شہر کو دوامی شہرت سے ہم کنار کیا اور جو مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے ملقب ہوئی اس کے اسلاف میں بھی برابر ایسے صاحب دل بزرگ ہوتے رہے جو اس کی بنیاد رکھے جانے کے وقت سے ہی دین ومعرفت کی راہیں دکھاتے اور ایک عالم کو اپنے باطنی فیوض سے متمتع کرتے رہے۔ بنائے سرہند کے باب میں بات بہت دور نکل گئی اب پھر اصل بیان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

۲۳۔ شیخ حبیب اللہ قدس سرہٗ۔ آپ امام رفیع الدین قدس سرہٗ کے صاحبزادوں میں سے ہیں۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد خانقاہ کی مسند نشینی آپ ہی کو ملی۔ اپنے زمانے کے ولی اور

۱۔ مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۸۰

۲،۳۔ روضۃ القیومیہ۔ رکن اول: ص ۲۸ و ۲۹

مشہور بزرگوں میں سے تھے۔(۲)

۲۴۔ شیخ محمد قدس سرہٗ شیخ حبیب اللہؒ کے خلفِ ارشد تھے۔ آپ نے باطنی استفادہ اپنے والد بزرگوار سے کیا، ان کے انتقال کے بعد مسند نشینِ خلافت ہوئے اور سرہند شریف کی ظاہری و باطنی ریاست آپ کے سپرد ہوئی۔(۳)

۲۵۔ شیخ عبدالحی قدس سرہٗ آپ شیخ محمدؒ کے فرزند اور سجادہ نشین تھے، اپنے وقت کے جید عالم اور اپنے والد ماجد کی طرح عوام الناس کو راہِ راست پر لانے کے لئے ہر دم اور ہر لحظہ ساعی و کوشاں رہتے تھے۔(۱)

۲۶۔ شیخ زین العابدین قدس سرہٗ اپنے والدِ بزرگوار کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اپنے زمانے کے مشائخ کبار میں آپ کا شمار تھا، علومِ ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال تھے لوگ آپ سے دونوں علوم کا استفادہ کرتے تھے۔(۲)

۲۷۔ حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ

والد ماجد کے وصال کے بعد مسندِ خلافت پر بیٹھے، ابھی تحصیلِ علوم میں مشغول تھے کہ آپ کو جذبۂ الٰہی و عشقِ خداوندی کے غلبہ نے حضرت قطبِ عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ (۳) کی خدمت میں پہنچا دیا اور شرفِ بیعت سے مشرف ہو کر اذکار و اشغال میں مشغول ہو گئے، جب آپ نے آستانہ عالیہ پر درویشوں کے ساتھ رہنے کی درخواست کی تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ''انسان کو چاہئے کہ پہلے تحصیل علومِ دین کرے اور شریعتِ مصطفویہؐ پر مستحکم ہو کر اس راہ میں قدم رکھے آپ بھی ایسا ہی کریں کہ علومِ دینی کی تکمیل کر کے اس علم کے لئے کمربستہ ہوں کہ بے علم درویش بے نمک طعام کی مانند ہے۔'' جب حضرت مخدوم نے یہ سنا تو حضرت شیخ کی کبرسنی کا خیال

۲،۱۔ روضۃ القیومیہ۔ رکن اول: ص ۲۸، ۲۹

۳۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ عالم باعمل صاحب ذوق وحال اور شائق وجد و سماع تھے۔ آپ حضرت شیخ محمد بن عارف بن احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید تھے۔ انوار العیون آپ کی تصنیف ہے جس کو آپ نے سات فنون پر مرتب کیا ہے۔ آپ کے کئی صاجزادے تھے جو سب کے سب عالم، عابد اور لباسِ مشیخت سے آراستہ تھے جن میں شیخ رکن الدین بڑے برگزیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی ولادت ۸۵۲ھ اور وفات ۹۴۵ھ میں ہوئی۔ گنگوہ ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔(اخبار الاخیار)

۴۔ آپ حضرت گنگوہیؒ کے فرزند دوم وخلیفہ اول تھے آپ کا وصال ۹۸۳ھ میں ہوا۔(زبدۃ المقامات: ص ۱۰۱، ۱۰۲)

کر کے عرض کیا کہ مجھے خوف ہے کہ میں علومِ دینی کی تکمیل کے بعد حاضر ہوں اور کہیں اس گرامی صحبت کو نہ پا کر اس نعمت سے محروم رہ جاؤں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ''اگر ایسا ہو تو میرے فرزند رکن الدین (۴) کی صحبت اختیار کرنا جس بات کے مجھ سے طالب ہو وہی بات ان سے پاؤ گے''۔ الامر فوق الادب کے تحت حضرت مخدومؒ تحصیلِ علوم میں مشغول ہو گئے ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا۔

جب آپ کو حضرت شیخ کے وصال کی خبر ملی تو بہت حسرت و افسوس کیا اور تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ والد ماجد کی وصیت کے مطابق نہایت اعزاز سے پیش آئے اور بعد ملاحظہ علوِ استعداد بہت جلد فیوض و برکات سے بہرہ یاب کر کے ۹۷۶ھ میں آپ کو طریقۂ قادریہ اور چشتیہ صابریہ کا خرقۂ خلافت عنایت فرمایا۔ (۱)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ شیخ جلال الدین تھانیسری (۲) قدس سرہٗ بھی تھے، پیر بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت مخدومؒ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ایک دن ان کی مجلس میں حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ (۳) سے ملاقات ہو گئی، حضرت مخدومؒ نے جب حضرت شاہ کمالؒ میں جذبہ اور بے تعلقی کے آثار دیکھے تو ان کی ہم نشینی کی طرف مائل ہوئے آخر چند روز بعد حضرت شاہ کمالؒ کی خدمت میں قصبہ پائل حاضر ہو گئے اور بہت کچھ فوائد

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۹۱، ۹۲

۲۔ حضرت شیخ جلال الدین فاروقی تھانیسری کابلی قدس سرہٗ سترہ سال کی عمر میں حفظِ قرآن و تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے پھر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ سے مرید ہو کر باطنی کمالات حاصل کئے اور پچانوے سال کی عمر میں ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ تھانیسر میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء: ص ۴۳۶)

۳۔ حضرت شاہ کمال کیتھلی بن حاجی سید عمر رحمہا اللہ غالباً ۸۹۵ھ بمقام بغداد تولد ہوئے بارہویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت غوث الاعظمؒ سے جا ملتا ہے، آپ حضرت شاہ فضیلؒ کے مرید و خلیفہ تھے، تقریباً ۹۵۲ھ میں ہندوستان تشریف لائے، پہلے پائل میں پھر کیتھل میں قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کے متعلق فرماتے ہیں: ''جب نظرِ کشفی سے غور کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث الثقلینؒ کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ آپ کا وصال ۲۹ جمادی الاخری ۹۸۱ھ کیتھل ضلع انبالہ میں ہوا۔ (زبدۃ المقامات: ص ۱۰۸۔ دوربار قادری)

۴۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۰

حاصل کئے، عجیب وغریب معاملات اور خرقِ عادت کمالات مشاہدے میں آئے، رفتہ رفتہ حضرت شاہ کمال، اور حضرت مخدوم میں بہت الفت ومحبت ہوگئی اور اتنا ربط بڑھا کہ دونوں حضرات مع اہل وعیال ایک دوسرے کے ہاں کئی کئی دن قیام پذیر رہتے۔(۴)

آپ اپنے زمانے کے علامۂ وقت تھے، آپ سے بڑی بڑی علما وفضلا نے سندِ تلمذ حاصل کی اور طالبانِ سلوک بھی آپ کی خدمت کثیر البرکت سے فیض یاب ہوکر کمال کے درجوں تک پہنچتے تھے اور کتبِ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ مثلاً عوارف المعارف، فصوص الحکم وغیرہ کا نہایت ذوق وشوق سے درس دیتے تھے، اس لئے اربابِ ذوق واصحابِ شوق ان کتابوں کی قرأت واستماع کے لئے کثیر تعداد میں دور دور سے آتے اور مستفیض ہوتے۔ عالموں اور فقیہوں کے پیشوا شیخ میرک (۱) جو شہزادہ دارا شکوہ کے استاد تھے علمِ ظاہری وباطنی میں حضرت مخدومؒ کے شاگرد تھے۔(۲)

حضرت مخدوم قدس سرہ کو اتباعِ سنتِ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کا کمال درجہ خیال رہتا تھا، آپ کوئی سنت سننِ عادیہ میں سے بھی ترک نہ کرتے تھے، لباس میں بھی آں حضرت ﷺ کی متابعت کرتے یہاں تک کہ آپ تہبند باندھتے اور نعلین ذوقبالین (دو تسمے والے جوتے) پہنتے اور عباداتِ مسنونہ کے بعد دعواتِ ماثورہ اور بعض وظائف واوراد پڑھا کرتے۔(۳)

سب سے تعجب خیز امر یہ ہے کہ باوجودے کہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کا مشرب وحدت الوجود تھا اور اس مقام کے سخت مغلوب الحال تھے لیکن پھر بھی کتاب وسنتِ نبویہ سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تھے اور جس درویش کو ذرا بھی خلافِ شریعت پاتے اس کی صحبت فوراً ترک کردیتے اور ہرگز اس کے ولی ہونے کا اعتبار نہ کرتے تھے۔(۴)

حضرت مخدومؒ سے کیفیت جذب میں بعض خرقِ عادت باتیں بھی منسوب ہیں، مثلاً حضرت

۱۔ شیخ میرک ہروی، قاضی محمد اسلم ہروی کے بھتیجے تھے۔ عہدِ جہانگیری میں ہندوستان آئے اور لاہور میں ملا عبد السلام کی شاگردی کی، اکتسابِ کمال کے بعد شاہجہاں کی ملازمت اختیار کی پھر دارا شکوہ اور دوسرے شہزادوں کی تعلیم پر مقرر ہوئے، روز بروز منصب میں اضافہ ہوتا رہا۔ عہدِ عالمگیری میں مزید اضافہ ہوا، آخر میں صدارتِ کل کا عہدہ ملا لیکن بڑھاپے کی وجہ سے چوتھے سال جلوس عالمگیری میں اس خدمت سے سبک دوش ہوگئے۔ ۱۰۷۱ھ/ ۱۶۶۱ء میں انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء: ج سوم)

۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۲ ۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۱۶

۴۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۲

خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے مخدوم زادگان عالی شان اور ان کے چچا صاحبان کی زبانی سنا کہ ایک دن حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ کا ایک سچا مخلص جب آپ کے حجرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ حضرت مخدومؒ مقتول ہیں اور ان کے تمام اعضا الگ الگ پڑے ہیں، وہ درویش اس خیال سے کہ شاید کسی دشمن یا چور سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے بے اختیار روتا پیٹتا باہر نکل آیا اور ایک دوسرے درویش کو اس سانحے کی اطلاع دی اور جب وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت مخدوم زندہ و سلامت موجود اور مراقبے میں مشغول ہیں۔ یہ حضرات حیران ہو کر قدموں میں گر پڑے، حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ میری زندگی میں یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا، حقیقت و سبب دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا امر ہے جسے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ (۱)

حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کی طبیعت سیر و سیاحت کی طرف مائل تھی اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے اکثر وقت وطن سے باہر دوسرے شہروں میں گزرتا تھا۔ اسی سیاحت کے دوران ایک مرتبہ قصبہ سکندرہ میں جو کہ اٹاوہ کے قریب ایک مشہور قصبہ ہے آپ قیام پذیر تھے، چوں کہ علومِ شرعیہ کی اشاعت اور عباداتِ مسنونہ میں مشغول رہتے تھے اس لئے آپ کی روشن پیشانی میں صلاحیت و معرفت کے انوار و آثار چمکتے تھے۔ ایک روز اس قصبے کی ایک شریف خاندان کی نیک و صالح خاتون نے جو کہ فراستِ صادقہ سے متصف تھی حضرت مخدوم کے روحانی کمال کا مشاہدہ کیا تو درخواست کی کہ میرے زیرِ تربیت میری ایک بہن ہے جو نہایت عفت و عصمت والی ہے میں چاہتی ہوں کہ اس کا آپ سے عقد ہو جائے اور میں امید رکھتی ہوں کہ میری یہ التماس آپ قبول فرمائیں گے۔ چوں کہ آپ کے باطن پر مجرد رہنے کی لذت کا غلبہ تھا، سرِ دست قبول نہ فرمایا لیکن جب انہوں نے بہت اصرار کیا اور تقدیر و رضائے الٰہی برسرِ کار آئی تو آپ نے قبول کر لیا اور نکاح کے بعد کچھ عرصہ وہاں گزار کر سرہند لے آئے انہی کے بطن سے حضرت مجدد الف ثانیؒ تولد ہوئے۔ (۲)

علمِ شریعت و طریقت میں آپ نے کئی رسالے تصنیف فرمائے جن میں اسرار التشہد، اور کنوز الحقائق مشہور ہیں۔ ان کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ حِکَم و دقائق اور اسرار و حقائق

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۲۱، ۱۲۲ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۲۶

۳۔ روضۃ القیومیہ، رکن اول: ص ۳۳

آپ نے ان میں تحریر فرمائے ہیں سب القائی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ (۳)

حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کے سات صاجزادے تھے ان میں سے چوتھے یعنی منجھلے صاجزادے حضرت مجدّ دالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہ ہیں۔ چناں چہ مراتبِ حساب میں بھی چوتھا مرتبہ الف یعنی ہزار کا ہے تو حضرتِ موصوفؒ مجدّدِ اَلف ہوئے اور جیسا کہ آفتاب سب ستاروں سے انوروا عظم ہے اوراس کا مقام فلکِ رابع ہے لہٰذا حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی مثلِ شمس ہیں۔ (۱)

صاحبِ ''جواہر مجدّدیہ'' حضرت مخدومؒ کے صاجزادگان کی تفصیل اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ شیخ شاہ محمدؒ جنھوں نے حضرتِ مخدوم سے ظاہری و باطنی تعلیم وخلافت پائی۔

۲۔ شیخ مسعودؒ (۲) آپ حضرت خواجہ باقی باللہ سے مرید ہوئے۔

۳۔ شیخ عبدالرزاق (۳)

۴۔ حضرت شیخ احمدؒ جن کا تذکرہ پیش نظر ہے۔

۵۔ شیخ غلام محمد۔

۶۔ شیخ مودود۔ ان دونوں بھائیوں کے نام مکتوبات شریف جلد اول میں مکاتیب موجود ہیں

۷۔ آپ کا نام وحالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۴)

مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ نے وفات سے قبل اپنے تمام فرزندوں، خلفا اور معاصر علمائے کرام کو جمع کر کے سب کی موجودگی میں سلسلۂ چشتیہ وسہروردیہ کے وہ تبرکات جو انہیں اپنے اجداد سے اور حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ سے حاصل ہوئے تھے، نیز حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ نی مرحمت فرمائے تھے وہ سب حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو عنایت فرمائے اور سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کی نسبتِ خاص بھی القا فرمائی اور خانقاہ کی خلافت بھی تفویض فرما کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ (۵)

۱۔ عمدۃ المقامات: ص ۱۲۴

۲۔ آپ سے متعلق ایک واقعہ کشف وکرامات کے باب میں ص ۲۸۰ پر موجود ہے۔

۳۔ آپ کے صاحب زادے شیخ عبدالقادر سے حضرت مجددؒ کی صاحب زادی خدیجہ منسوب تھیں ملاحظہ ہو کتاب ہذا میں اولاد کا بیان

۴۔ جواہر مجددیہ: ص ۸

۵۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۳، ۷۰

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب والدِ بزرگوار حضرت مخدومؒ کا اخیر وقت ہوا تو اچانک آپ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا:

بات وہی ہے جو شیخ بزرگوار نے فرمائی تھی۔

میں نے سمجھا کہ آپ کی مراد شیخ ابن العربی سے ہے اس لئے میں نے کہا کہ ''شیخ ابن العربی نے'' تو آپ نے فرمایا ''نہیں ہمارے شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے''۔ میں نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سی بات ہے؟ کچھ دیر خاموشی کے بعد فرمایا:

وہ بات یہ ہے کہ شیخ نے فرمایا درحقیقت حق سبحانہ وتعالیٰ ہستی مطلق ہے لیکن لباسِ کونیہ کی خاک محجوبوں کی آنکھ میں ڈال کر انہیں دورو مہجور رکھتا ہے۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور مجھ کو کسی امر کی رہنمائی اور کچھ وصیت فرمایئے کہ جس پر عمل کرتا رہوں۔ فرمایا:

بس تمہیں بھی اسی بات کی وصیت کرتا ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ چوں کہ حضرت والد صاحب کی زبانِ مبارک پر بارہا یہ الفاظ آتے رہتے تھے کہ محبتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو ایمان کی حفاظت وحُسن خاتمہ میں بہت بڑا دخل ہے۔ میں نے نزع کے وقت آپ کو یہ بات یاد دلائی، فرمایا:

الحمد للہ کہ محبتِ اہلِ بیت میں سرشار ہوں اور نعمتِ الٰہی کے اس دریا میں مستغرق ہوں:

الٰہی بحق بنی فاطمہؓ
کہ برقولِ ایماں کنم خاتمہ (۱)

آپ نے اسی سال کی عمر میں ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ کو وصال فرمایا۔ بعض نے ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ھ لکھا ہے۔

آپ کا مزار مطلع انوار شہر سرہند کے جانب شمال تقریباً ایک میل پر واقع ہے۔ آپ کی تاریخ وصال میں کسی نے حسب ذیل قطعہ کہا ہے:

آں شیخ کہ بود اَعلَم اندر ہر فن

۱۔ زبدۃ المقامات: ص۱۲۳۔ روضۃ القیومیہ: ص۳۴۔ سیرت امام ربانی: ص۳۹

۲۔ زبدۃ المقامات: ص۱۲۳۔ روضۃ القیومیہ: ص۳۴۔ سیرت امام ربانی: ص۳۹

جانش گہرِ سرِّ ازل را معدن
چوں شیخِ زمانہ بود در علم و عمل
تاریخ وصالِ آن بگو شیخ زمن(۲)

ء ۱ ۰ ۰ ۷

رَحمَةُ اللهِ عَلَيهِ رَحمَةً وَّاسِعَةً

۱۰۰۷ھ میں جمادی الاخریٰ کا مہینہ حضرت مجددؒ کے لئے بڑا رنج والم کا تھا، کیوں کہ ۲ جمادی الاخری للہ ۱۰۰۷ھ کو آپ کے خسر شیخ سلطان کو پھانسی دی گئی اور پچیس دن کے بعد ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۰۷ھ کو آپ کے والد ماجد نے وفات پائی۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ
کا
سلسلۂ طریقت

حضرت مجدِّد الف ثانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

میری ارادت حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے، طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس، قادریہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان میں ہیں۔(۱)

لہٰذا ذیل میں ان واسطوں کی تفصیل کے لئے شجرے درج کئے جاتے ہیں:

انتساب در سلسلۂ چشتیہ

سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کو ستائیس واسطوں سے حضور اکرم ﷺ کی اس طرح نسبت حاصل ہے:

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ، ۱۔ امیر المؤمنین سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ۲۔ خیر التابعین حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ، ۳۔ حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ، ۴۔ حضرت شیخ فضیل بن عیاض قدس سرہٗ، ۵۔ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ، ۶۔ حضرت شیخ حذیفہ مرعشی قدس سرہ، ۷۔ حضرت شیخ ابوہبیرہ بصری قدس سرہ، ۸۔ حضرت شیخ ممشاد علو دینوری قدس سرہ، ۹۔ حضرت شیخ ابو اسحاق شامی قدس سرہ، ۱۰۔ حضرت شیخ ابواحمد چشتی قدس سرہ، ۱۱۔ حضرت شیخ ابومحمد چشتی قدس سرہ، ۱۲۔ حضرت شیخ ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ، ۱۳۔ حضرت شیخ مودود چشتی قدس سرہٗ، ۱۴۔ حضرت حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ، ۱۵۔ حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ، ۱۶۔ خواجۂ خواجگان امام الطریقہ حضرت خواجہ معین الدین

۱۔ مکتوباتِ شریفہ: دفترِ سوم، مکتوب ۸۷

چشتی س جزی قدس سرہ، ۱۷۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اوشی قدس سرہٗ، ۱۸۔ حضرت شیخ فرید الحق والدین مسعود اجودھنی گنج شکر قدس سرہ، ۱۹۔حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر قدس سرہ، ۲۰۔حضرت شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ، ۲۱۔حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ، ۲۲۔حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولوی قدس سرہ(۱) ۲۳۔حضرت شیخ محمد عارف قدس سرہٗ، ۲۴۔حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ، ۲۵۔حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ، ۲۶۔حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ، ۲۷۔حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ۔(۲)

انتساب سلسلۂ قادریہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو سلسلۂ قادریہ میں کئی بزرگوں سے نسبت حاصل ہے ان میں سے ایک شجرہ تبرکاً نقل کیا جاتا ہے:

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ، ۱۔امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ۲۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، ۳۔سید السادات حضرت حسن مثنیٰ قدس سرہٗ، ۴۔حضرت سیّد عبداللہ المحض قدس سرہٗ، ۵۔حضرت شاہ موسیٰ الجون قدس سرہٗ، ۶۔حضرت سیّد عبداللہ المورث قدس سرہ، ۷۔حضرت سیّد موسیٰ ثانی قدس سرہٗ، ۸۔حضرت سیّد داؤد قدس سرہٗ، ۹۔حضرت سیّد مورث قدس سرہٗ، ۱۰۔حضرت سیّد یحییٰ زاہد قدس سرہٗ، ۱۱۔حضرت سیّد عبداللہ جیلی قدس سرہٗ، ۱۲۔حضرت سید موسیٰ جنگی دوست قدس سرہٗ، ۱۳۔حضرت سید ابو صالح قدس سرہٗ، ۱۴۔غوث الثقلین حضرت سیّد محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ، ۱۵۔حضرت سیّد عبدالرزاق قدس سرہٗ، ۱۶۔حضرت سیّد شرف الدین قدس سرہٗ، ۱۷۔حضرت سیّد عبدالوہاب قدس سرہٗ، ۱۸۔حضرت سیّد بہاؤ الدین قدس سرہٗ، ۱۹۔حضرت سیّد عقیل قدس سرہٗ، ۲۰۔حضرت سیّد شمس الدین صحرائی (۳) قدس سرہٗ، ۲۱۔حضرت سیّد گدا رحمٰن قدس سرہٗ، ۲۲۔حضرت شاہ فضیل قدس سرہٗ، ۲۳۔حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ، ۲۴۔حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ، ۲۵۔امام ربانی

۱۔بعض نسخوں میں نمبر ۲۲ کے بعد شیخ احمد عارف قدس سرہٗ کا اسم گرامی بھی درج ہے
۲۔مکاشفات عینیہ و حضرات القدس و اربع النہار
۳۔بعض نسخوں میں نمبر ۲۰ کے بعد حضرت شیخ شمس الدین عارف قدس سرہٗ کا اسم گرامی بھی درج ہے
۴۔مکاشفات عینیہ و ہدیہ مجددیہ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ۔(۴)

انتساب سلسلۂ سہروردیہ

اسی طرح سلسلۂ سہروردیہ کا بھی ایک شجرہ تبرکاً نقل کیا جاتا ہے:

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ، ۱۔امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ۲۔حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ، ۳۔حضرت شیخ حبیب عجمی قدس سرہ، ۴۔حضرت شیخ داؤد طائی قدس سرہ، ۵۔حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہ، ۶۔حضرت شیخ ابو الحسن سری سقطی قدس سرہ، ۷۔حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہ، ۸۔حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری قدس سرہ، ۹۔حضرت شیخ ابو اسحٰق شامی قدس سرہ، ۱۰۔حضرت شیخ ابو احمد دینوری قدس سرہ، ۱۱۔حضرت شیخ ابو محمد بن شیخ عبداللہ معروف بعمویہ قدس سرہ (۱) ۱۲۔حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین قدس سرہ، ۱۳۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ، ۱۴۔حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ، ۱۵۔حضرت شیخ صدر الدین بخاری قدس سرہ ۱۶۔حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح قدس سرہ، ۱۷۔حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری قدس سرہ، ۱۸۔حضرت سیّد اجمل بہرائچی قدس سرہ، ۱۹۔حضرت سیّد بڈھن بہرائچی قدس سرہ، ۲۰۔حضرت شیخ درویش محمد بن قاسم قدس سرہ، ۲۱۔حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ، ۲۲۔حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہ، ۲۳۔حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہ، ۲۴۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ۔(۲)

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

حضور پُر انوار احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، ۱۔امیر المؤمنین سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ۲۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، ۳۔حضرت امام قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم، ۴۔حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، ۵۔حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ، ۶۔حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی قدس سرہ، ۷۔حضرت خواجہ ابو علی فارمدی قدس سرہ، ۸۔حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی قدس سرہ، ۹۔حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ،

۱۔بعض نسخوں میں آپ کے بعد شیخ وجیہ الدین قدس سرہ کا نام ہے

۲۔ہدیۂ مجددیہ

۱۰۔حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری قدس سرہٗ، ۱۱۔حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ، ۱۲۔حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ، ۱۳۔حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ، ۱۴۔حضرت خواجہ شمس الدین امیر کلال قدس سرہٗ، ۱۵۔امام الطریقہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری قدس سرہٗ، ۱۶۔حضرت مولانا یعقوب (۱) چرخی قدس سرہٗ، ۱۷۔حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ، ۱۸۔حضرت خواجہ محمد زاہد قدس سرہٗ، ۱۹۔حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ، ۲۰۔حضرت خواجہ محمد امکنگی قدس سرہٗ، ۲۱۔حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ، ۲۲۔امامِ ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ۔(۲)

حضرت مخدوم عبد الاحد قدس سرہٗ کے وصال کے بعد چوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملاقات اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں شرف بیعت و خلافت کی سعادت حاصل ہوگئی تھی، نیز یہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق احیائے دین، ترویجِ سنت اور اشاعتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پوری طرح گامزن تھا اس لئے آپ پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا قدرتی طور پر غلبہ ہوگیا اور یہی آپ کا پسندیدہ مسلک رہا۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے سلسلۂ نسب کی طرح سلسلۂ طریقت کے بزرگوں کا تذکرہ بھی کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۔ چوں کہ حضرتِ یعقوب چرخیؒ کو خواجۂ نقشبندؒ سے بہ راہ راست اجازت کے باوجود سلوک کی تکمیل خواجہ علاؤ الدین عطار سے ہوئی ہے، اس لئے بعض شجروں میں ان دونوں حضرات کے درمیان خواجہ علاؤ الدین عطار کا نام درج ہے۔

۲۔مکاشفاتِ عینیہ

مختصر حالات حضرات عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم

سیرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

حضرت شفیع المذنبین ، خاتم النبیین ، محبوب رب العالمین ، سرورِ کائنات ، فخرِ موجودات ، سردارِ دو عالم ، رسولِ مکرم ﷺ کی شان میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں متعدد آیاتِ شریفہ نازل فرمائیں مثلاً: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ، وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ، رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ وغیرہ ، نیز ہر قرن اور ہر زمانے کے علما نے اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی زبانوں میں آپ کی سیرتِ طیبہ پر بڑی بڑی مجلدات تیار کیں اور حق تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ قیامت تک کس قدر اور لکھی جائیں گی۔ یہاں بھی حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو اجمالی طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

آں حضرت ﷺ کی شرافت اور بزرگی سے متعلق یہی حدیث شریف کافی ہے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے سب سے پہلے حضورِ اکرم ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا اور اس نور کو واسطۂ تخلیقِ عالم ٹھہرایا۔

پھر آپ ﷺ کو عالمِ ارواح ہی میں خلعتِ نبوت سے سرفراز فرما کر دو عالم کی تاجداری بھی عطا کی۔ ایک طرف آپ ﷺ کو تمام انبیا علیہم السلام کا سردار بنایا تو دوسری طرف تمام نوعِ انسانی سے افضل واشرف مقرر فرمایا، اسی اعتبار سے آپ کا سلسلۂ نسب بھی تمام انساب سے زیادہ مطہر، شریف اور پاک ہے جس کے معترف دوست اور دشمن سب ہی ہیں۔

سلسلہ نسب

حضورانور ﷺ کا نامِ نامی اسم گرامی محمد اور احمد (ﷺ) ہے، اور سلسلہ نسب اس طرح سے ہے، محمد بن، ا۔ عبداللہ بن، ۲۔ عبدالمطلب بن، ۳۔ ہاشم بن، ۴۔ عبدمناف بن، ۵۔ قصی بن، ۶۔ حکیم المعروف بہ کلاب بن، ۷۔ مرہ بن، ۸۔ کعب بن، ۹۔ لؤی بن، ۱۰۔ غالب بن، ۱۱۔ فہر الملقب بہ قریش بن، ۱۲۔ مالک بن، ۱۳۔ نضر بن، ۱۴۔ کنانہ بن، ۱۵۔ خزیمہ بن، ۱۶۔ مدرکہ بن، ۱۷۔ الیاس بن، ۱۸۔ مضر بن، ۱۹۔ نزار بن، ۲۰۔ معد بن، ۲۱۔ عدنان، یہاں تک سلسلۂ نسب صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا اور ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ا۔ آمنہ بنتِ، ۲۔ وہب ابن، ۳۔ عبدمناف بن، ۴۔ زہرہ بن، ۵۔ کلاب بن، ۶۔ کعب۔ یعنی کلاب بن مرہ پر آپ ﷺ کے والدین کا نسب شریف جمع ہو جاتا ہے۔

ولادت باسعادت

ولادتِ باسعادت مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا میں بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول۔ مطابق ماہِ اپریل ۵۷۱ء) کو ہوئی، اسی سال واقعہ فیل پیش آیا، اس وقت فارس کے بادشاہ نوشیرواں کی سلطنت کا چالیسواں سال تھا۔ (۱) صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کے بطن سے ایک ایسا نور ظاہر ہوا کہ جس سے مشرق ومغرب روشن ہو گئے۔ (۲)

آں حضرت ﷺ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کو ان کے والد عبدالمطلب نے کھجوریں خرید کر لانے کے لئے مدینہ منورہ بھیجا، اتفاقاً ان کی وہیں وفات ہو گئی۔ اسی طرح والدِ ماجد کا سایۂ شفقت پیدائش سے قبل ہی اٹھ گیا۔

بچپن

حضور اکرم ﷺ کو سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے اور چند روز کے بعد ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد عرب شرفاء کے دستور کے مطابق حلیمہ سعدیہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حلیمہ سعدیہؓ کا بیان ہے کہ 'میری گود میں ایک بچہ تھا مگر فقر وفاقہ کی وجہ سے اتنا دودھ

ا۔ طبقات ابن سعد۔ اصح السیر ۲۔ سیرت خاتم الانبیاء: ص ۱۱

نہ تھا جو اس کو کافی ہو سکے لیکن جوں ہی سرور کائنات ﷺ میری آغوش میں آئے تو اس قدر دودھ اترا کہ آپ ﷺ کے رضائی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر پیا۔'' آپ ﷺ نے بچپن کے کچھ ایام حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں اپنے رضائی بھائی کے ہم راہ بکریاں چرانے میں بھی گزارے۔ یہ ایک طرح سے امت پروری کی تعلیم کا آغاز تھا۔

ابھی آپ ﷺ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی تھی کہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپس آتے ہوئے مقام اَبواء میں آپ کی والدہ ماجدہ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی سرپرستی میں رہے لیکن آٹھ سال کی عمر شریف ہوئی تو عبدالمطلب بھی طویل عمر پا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اس کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کے پاس رہنے لگے، بارہ برس کی عمر شریف میں آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملکِ شام کی طرف تشریف لے گئے راستہ میں مقام تیماً میں قیام فرمایا اتفاقاً وہاں ایک عیسائی عالم بُحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ابو طالب سے کہا کہ یہ لڑکا خدا کا پیغمبر آخرالزماں معلوم ہوتا ہے اس کو شام نہ لے جاؤ وہاں کے یہود اس کو پہچان لیں گے تو اس کے لئے جان کا خطرہ ہے۔ ابو طالب نے اس خطرے کے پیش نظر آپ ﷺ کو واپس مکہ معظمہ بھیج دیا۔

حضورِ انور ﷺ کے اخلاق و عادات اور حلم و کرم کی وجہ سے قبل از نبوت ہی مکہ والوں میں آپ کی دیانت و امانت کا شہرہ ہو گیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو مکۂ معظمہ کی ایک بیوہ مالدار خاتون تھیں آپ کی امانت اور بزرگی کا شہرہ سن کر بہت متاثر ہوئیں چناں چہ آپ ان کے ایما پر اُن کا مالِ تجارت لے کر ملکِ شام (بعض روایتوں میں یمن اور بحرین) تشریف لے گئے، وہاں وہ مال آپ کی برکت سے بہت زیادہ نفع کے ساتھ فروخت ہوا اور وہاں سے آپ دوسرا منفعت بخش مال خرید کر واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کے سپرد کر دیا، اس کو حضرت خدیجہ نے یہاں فروخت کیا تو دو چند نفع ہوا۔

نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، ایک نہایت عقل مند خاتون تھیں، آپ ﷺ کی شرافت، صداقت، امانت، اور بلند اخلاق کو دیکھ کر آپ ﷺ سے نکاح کی خواہش مند ہوئیں چناں چہ حضورِ انور ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر

شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ ﷺ کے دو صاحب زادے قاسم اور عبد اللہ اور چار صاحب زادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ ان سب کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں آپ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل جب ان کا انتقال ہوگیا اور اس وقت آپ کی عمر شریف انچاس سال کی ہوگئی تو بعض دوسری ازواجِ مطہرات آپ کے نکاح میں آئیں۔

حضور انور ﷺ کی عمر شریف کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے بیت اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا، چناں چہ تمام قبائل نے اس تعمیر میں شرکت کی، جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ اپنی فضیلت اور اپنے خصوصی حق پر مصر ہوگیا، قریب تھا کہ آپس میں جنگ چھڑ جائے، آخر آپ ﷺ کے حکیمانہ فیصلہ پر سب راضی ہوگئے، یعنی آپ ﷺ نے چادر پھیلا کر اس میں حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے رکھ دیا پھر ہر قبیلے کے منتخب سرداروں نے چادر پکڑ کر اٹھائی اور آپ ﷺ نے اس کو مقررہ جگہ پر نصب کر دیا۔

ابتدائے وحی

آں حضرت ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آبادی سے باہر پہاڑیوں میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے، ابتدائے نبوت سے کچھ عرصے قبل آپ کو مسلسل سچے خواب نظر آنے شروع ہوئے چناں چہ آپ ﷺ کو اکثر واقعات قبل از وقوع ہی خواب میں نظر آجاتے، جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی تو ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن جبل نور کے ایک غار میں جو غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ چناں چہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اِقْـرَاْء (یعنی پڑھیے) میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر جبرئیلؑ نے مجھ کو آغوش میں لے کر اپنے سینے سے خوب چمٹایا جس سے مجھ کو تکلیف محسوس ہونے لگی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا اِقْـرَاْ۔ میں نے پھر وہی کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے پھر مجھ کو آغوش میں لے کر اپنے سینے سے خوب چمٹایا یہاں تک کہ مجھ کو تکلیف محسوس ہونے لگی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ O (۱)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جو سب کا خالق ہے جس نے انسان کو جمے ہوئے لہو سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے تعلیم دی انسان کو ان چیزوں کی جس کو وہ نہ جانتا تھا۔

اس واقعے کے بعد حضرت جبرئیل کو اصلی ہیئت میں دیکھنے اور وحی کے بارگراں سے آں حضرت ﷺ پر وقتی طور پر ایک قسم کی ہیبت سی طاری ہوگئی اور آپ ﷺ حیرانی کے عالم میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گھر پہنچے۔ اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھ کو (کپڑا) اڑھادو، مجھ کو (کپڑا) اڑھادو۔ چناں چہ آپ کو کپڑا اڑھادیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وہ کیفیت سکون پر آگئی تب آپ ﷺ نے خدیجۃ الکبریٰؓ سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور کہا کہ مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ ہرگز نہ ڈریں، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا کیوں کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں، یتیموں کی خبر گیری کرتے ہیں، مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور قدرتی حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ الیٰ آخر الحدیث (۲)۔ یہی ابتدائے وحی و نبوت تھی۔

دعوتِ اسلام

آں حضرت ﷺ پر ابتداءً جو وحی نازل ہوئی وہ ان احکام پر مشتمل تھی جو بالخصوص آپ کی ذاتِ اقدس ہی کے لئے تھے، پھر کچھ دنوں بعد آپ کو عمومی تبلیغ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، اور آپ کے متبنّیٰ زید بن حارثہؓ مشرف باسلام ہوئے پھر یہ سلسلہ روز افزوں ترقی کرتا گیا۔ عرب قبائل کو جب اس دعوت و تبلیغ کی حقیقت کا علم ہوا کہ اس میں ان کے بتوں کی سخت مخالفت ہے تو وہ بہت برہم ہوئے اور آں حضرت ﷺ کو ہر قسم کا دنیوی لالچ دیا جس میں سرداری و حکمرانی بھی تھی، مال و زر اور حسین عورتوں کی پیشکش بھی، لیکن آپ کے عزم و استقلال کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی، پھر آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینے لگے حتیٰ کہ آپ کی جان کے درپے ہوگئے۔

۱۔ العلق: ۱۔۵ ۲۔ بخاری: باب بدء الوحی

ہجرتِ حبشہ

آں حضرت ﷺ اپنی ذاتِ گرامی پر تو ہر قسم کے مظالم اور تکالیف برداشت کرتے رہے لیکن جب دیگر صحابۂ کرامؓ اور اقارب پر مظالم نا قابلِ برداشت ہو گئے تو آپ نے عطائے نبوت سے پانچویں سال ماہِ رجب میں بارہ مرد اور چار عورتوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجۂ مطہرہ حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ نجاشی بادشاہِ حبشہ نے ان مہاجرین کا اکرام کیا اور ان کو قیام کی اجازت دے دی، قریش مکہ نے وہاں بھی مہاجرین کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں۔ نجاشی نے مہاجرین سے تحقیق حال کیا تو ان کے ترجمان جعفر بن ابی طالبؓ نے ان مہاجرین کے موقف کی وضاحت کی۔ نجاشی اس گفت گو سے بہت متاثر ہوا اور تین مرتبہ یہ جملہ کہا کہ آپ میرے ملک میں بالکل محفوظ ہیں۔ چناں چہ مہاجرین ایک عرصہ وہاں امن و امان کے ساتھ قیام کر کے واپس آ گئے۔ (۱)

شعبِ ابی طالب

نبوت کی ساتویں سال میں جب قریشِ مکہ کا بغض و عناد حد سے بڑھ گیا تو انہوں نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ ''کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت رکھے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، اور نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ نہ کر دیں وغیرہ وغیرہ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبۂ معظمہ کے دروازہ پر آویزاں کر دیا گیا۔ ابو طالب مجبور ہو کر خاندانِ بنی ہاشم کے ساتھ اپنے محلے شعبِ ابی طالب میں جو پہلے شعب بن ہاشم کہلاتا تھا محصور ہو گئے اور یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آ آ کر پناہ لی۔ بنو ہاشم نے تین سال سخت مصائب و آلام میں گزارے جس کی تفصیل بڑی دردناک ہے آخر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قریش میں اختلاف پیدا فرما دیا اور ایک گروہ اس معاہدے کو ختم کرنے پر مصر ہو گیا، دارالندوہ میں ایک اجتماع ہوا جس میں ابو طالب کو بھی شریک کیا گیا اور قریش نے معاہدے کے سلسلے میں گفت گو شروع کی، آپس میں بحث ہوئی، ابو طالب نے کہا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ اس وثیقے کو کیڑوں نے کھا لیا ہے البتہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام ہے وہ حصہ باقی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر اس معاہدے کو ختم کر دو اور اگر غلط ہے تو میں

۱۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ رحمتِ عالم

محمد (ﷺ) کو تمہارے حوالے کردوں گا۔ آخر مطعم بن عدی عہد نامے کو اتار کرلائے اور دیکھا کہ واقعی سارا کیڑوں نے کھالیا ہے اور صرف وہ جگہ باقی ہے جہاں اللہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ چناں چہ ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدے کوختم کردیا۔ جب آپ ﷺ شعب ابی طالب سے باہر تشریف لائے تو آپ کی عمر شریف انچاس سال کی تھی، گویا بعثت سے نویں سال کے آخر میں یا دسویں سال کے شروع میں آپ شعبِ ابی طالب سے باہر تشریف لائے۔ (۱)

اس واقعے کے تھوڑے عرصے بعد ابو طالب کی وفات ہوگئی، پھر چند دن بعد آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا بھی وصال ہوگیا۔ جس کا حضور اکرم ﷺ کو بہت رنج ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کرلیا۔

کفارِ مکہ کی ایذا رسانی، سختیوں اور مخالفتوں کے باوجود آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، جس کے نتیجے میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا رہا۔ اسی ابتدائی دور میں حضرت حمزہ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت صہیب، حضرت یاسر، حضرت خباب رضی اللہ عنھم اور دیگر شرفائے مکہ بڑی تعداد میں، مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۲)

طائف کا سفر

اس کے بعد آپ نے تبلیغ کا کام مکہ معظمہ سے باہر لوگوں میں کرنا چاہا تو زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے اور وہاں تبلیغِ اسلام میں بہت کوشاں رہے، لیکن افسوس کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی قبول حق کی توفیق نصیب نہ ہوئی، آخر ایک ماہ کے سخت مصائب برداشت کرکے واپس تشریف لے آئے۔ طائف کے ابتلا نے آپ کے مضبوط ارادہ پر کوئی اثر نہیں ڈالا، بل کہ آپ نے فیصلہ کرلیا کہ ایک ایک قبیلہ میں گشت کرکے حق تعالیٰ کے پیغام سنائیں گے اس کے لئے مکہ معظمہ میں حج کا قدرتی موقع موجود تھا، جس میں عرب کے گوشے گوشے سے لوگ آتے اور کئی کئی دن ٹھہرتے تھے، آپ نے ان مجمعوں میں پہنچ کر ہر ایک قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کرنی اور قرآن کریم کی آیتیں سنانی شروع کیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ پورے ملک میں اسلام کی آواز پھیل گئی۔ (۳)

۱۔ سیرۃ النبی ﷺ ۲۔ رحمتِ عالم

۳۔ رحمتِ عالم

معراج مبارک

حضرت ابن عباسؓ وغیرہم سے مروی ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل ۱۷ ربیع الاول، یا ۲۷ رمضان المبارک، اور مشہور یہ ہے کہ ۲۷ رجب المرجب کی شب حضور انور ﷺ کو معراجِ مقدس کی سعادت سے نوازا گیا، یعنی ایک شب آپ حطیم کعبہ میں آرام فرماتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ کو براق پر سوار کرا کر مسجد اقصیٰ لے گئے جہاں آپ نے تمام انبیاء ومرسلین اور ملائکۂ مقربین کی امامت فرما کر نماز پڑھائی (سورۂ بنی الاسرائیل کی پہلی آیت سبحان الذی اسرای بعبدہ میں اسی سیر کا ذکر ہے) اس کے بعد آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی اور بعض انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں پھر سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے گئے، راستہ میں حوض کوثر پر گزر ہوا پھر جنت میں داخل ہوئے وہاں قدرتِ الٰہی کے وہ عجائبات دیکھے جو نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھے اور نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی انسان کے وہم وگمان کی وہاں تک رسائی ہوئی۔ پھر دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی جو ہر قسم کے عذاب اور بھڑکتی آگ سے بھری ہوئی تھی اس میں بعض دوزخیوں کی حالت دکھائی گئی پھر دوزخ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ امین سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر گئے، کیوں کہ ان کو اس درجے سے آگے بڑھنے کا حکم نہیں تھا اور آں حضرت ﷺ آگے تشریف لے گئے اور قرب کے انتہائی منازل میں بلائے گئے پھر آپ کو خداوند جل وعلا کی زیارت ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ زیارت فقط قلب سے نہیں بل کہ آنکھوں سے ہوئی۔ محققین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی تحقیق ہے۔ آں حضرت ﷺ نے بارگاہِ جل وعلا میں سجدہ کیا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے بالمشافہ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اس وقت پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اس کے بعد آپ براق پر سوار ہو کر واپس تشریف لے آئے، صبح سے پہلے ہی یہ مبارک سفر تمام ہو گیا۔(۱)

خزرج کے چھ آدمیوں کا اسلام

نبوت کے گیارہویں سال رجب کے مہینے میں اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور منیٰ میں عقبہ کے مقام پر آں حضرت ﷺ سے ملاقات کی، آپ نے ان کو آیات قرآن سنائیں، ان کا مطلب سمجھایا اور اسلام کی دعوت دی، چھ یا آٹھ آدمی اسی وقت مسلمان ہو گئے یہ بیعت عقبۂ اولیٰ کہلاتی ہے۔ ان میں دو آدمی وہ بھی تھے جو اس سے پہلے

۱۔ سیرت خاتم الانبیاء ﷺ۔ مظاہر حق: ج۴، ص۵۲۲

مسلمان ہو چکے تھے۔

پہلی بیعت عقبہ

دوسرے سال (۱۲ نبوت) مدینہ منورہ سے بارہ آدمی آئے، ۵ آدمی تو انہی ۶ آدمیوں میں سے تھے جو اس سے پہلے ۱۱ نبوت میں اسلام لا چکے تھے اور سات نئے آدمیوں نے اسلام قبول کیا، یہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ ان لوگوں کی خواہش پر عمر بن ام مکتومؓ (۱) اور مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا گیا تاکہ وہ انہیں اسلام کی باتیں سکھائیں، مصعب بن عمیر ان کی امامت کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے ہاتھ پر مدینہ منورہ کے بہت آدمی مسلمان ہوئے اور ایک سال کے اندر اندر اس شہر کے اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے۔

اگلے سال (۱۲ نبوت) جب حج کا زمانہ آیا تو مدینہ منورہ کے بہتر ۷۲، اشخاص جن میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں آں حضرت ﷺ سے ملاقات کے لئے آئے اور پوشیدہ طور پر نصف شب کے وقت آپ کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی۔ یہ بیعت عقبۂ ثانیہ کہلاتی ہے۔ اسی شب کو اشاعتِ اسلام اور تعلیمِ دین کے لئے آں حضرت ﷺ نے ان میں سے بارہ سردار چنے۔ ان کے نام خود انہی لوگوں نے بتائے تھے ان میں سے نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔ اس طرح مدینہ منورہ مسلمانوں کے لئے ایک پر امن مرکز بن گیا۔

قریش کو جب ان حالات کا علم ہوا تو ان کا غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آخر تنگ آکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ نے آں حضرت ﷺ کے مشورے سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کر دی اس پر قریش نے روک ٹوک کی لیکن چوری چھپے لوگ جاتے رہے اور رفتہ رفتہ اکثر صحابہؓ چلے گئے، مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ اور چند صحابہؓ رہ گئے یا وہ مسلمان جو مفلسی سے مجبور تھے یا جن کو کفار نے مقید کر دیا تھا، وہ مجبوراً نہ جا سکے۔

کفارِ قریش کو جب اپنے ان مظالم پر بھی تسکین نہ ہوئی، اپنی ہر تدبیر ناکام نظر آئی اور آں حضرت ﷺ کو ہر اعتبار سے غلبہ پاتے دیکھا تو انہوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر سب کے مشورہ سے آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ ادھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے اس ناپاک

۱۔ آپ کے نام میں اختلاف ہے بعض لوگ عبد اللہ اور بعض عمر کہتے ہیں۔ (اسماء الرجال متعلقہ مشکوٰۃ)

منصوبہ کی خبر دے کر ہجرت کرنے کا حکم فرمایا چناں چہ کفارِ قریش نے جس شب اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام بنایا تھا اسی شب انہوں نے آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرلیا تاکہ آپ نکل کر کہیں چلے نہ جائیں۔ لیکن ان سب تدابیر کے باوجود آں حضرت ﷺ تشریف لے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور غارِ ثور (جو کہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے اس) میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوگئے۔

ہجرت

صبح سویرے جب کفارِ قریش کو یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ تشریف لے جاچکے ہیں اور آپ کے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آرام فرما ہیں تو سخت حیران و پریشان ہوئے اور چاروں طرف آپ کی تلاش میں آدمی روانہ کردیئے، بعض نقوشِ پا کے کھوج پر غارِ ثور تک بھی پہنچ گئے لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے وہاں بھی آپ ﷺ کو ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھا اور وہ مایوس ہوکر واپس چلے آئے۔ غارِ ثور کے دورانِ قیام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نوجوان صاحبزادے حضرت عبداللہؓ روزانہ شام کو آکر کفارِ قریش کے منصوبوں اور مشوروں سے آگاہ کرتے رہتے اور کچھ کھانا بھی ساتھ لاتے، حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لوٹتا تو دونوں حضرات ان کا دودھ پی لیتے، اس طرح تین دن تین رات غارِ ثور میں گزارے، چوتھے دن عبداللہ بن اریقط اللیثی، ایک قابلِ اعتماد اور واقفِ راہ کافر کا بندوبست کیا گیا تاکہ وہ رہبری کرے۔ پروگرام کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط چاروں سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔ کفار نے آپ کے سرِ مبارک کے لئے سو اونٹوں کا انعام مشتہر کیا تھا جس کے لالچ میں سراقہ بن مالک جعشم جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا آپ کے تلاش میں نکلا، ایک مقام پر اچانک وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا، آپ ﷺ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے، فوراً اس کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ ہیبت رسالت سے سہم گیا، معافی کا خواست گار ہوا، اور قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا پھر منت سماجت کرکے آئندہ کے لئے بھی آپ سے امان کی تحریری ضمانت حاصل کرلی، سراقہ بعد میں مسلمان ہوگئے۔ آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد بقیہ مسلمان بھی حسب موقع ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے آئے۔

واقعۂ ہجرت اسلام کا نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی سنہ کی ابتدا اس سے ہوئی اور اسی واقعے کے بعد آں حضرت ﷺ کو آزادی کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا اور اسلام دن دونی رات چوگنی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، اور اس کے برکات وثمرات نے نظامِ حیات کو بہتر سے بہترین بنا دیا۔ ہجرت کے وقت منصبِ رسالت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کو تیرہ سال گزرے تھے اور عمر شریف ترپن (۵۳) سال تھی۔

اب ہجرت کی بعد کے حالات مختصر طور پر سنہ وار درج ذیل کئے جاتے ہیں:

ایک سنہ ہجری ھ

مدینہ منورہ کے لوگوں کو حضور اقدس ﷺ کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اور تمام شہر ہمہ تن محوِ انتظار تھا، چھوٹے بچے تک خوشی اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ آ رہے ہیں، چھوٹی چھوٹی لڑکیاں آپ کی آمد کی خوشی میں گیت گاتی پھرتی تھیں، روزانہ نوجوان ہتھیار سجا کر حرہ میں صبح سویرے آکر پہروں آپ کا انتظار کرتے تھے، آخر ایک دن انتظار کر کے وہ واپس ہونا چاہتے تھے کہ شور مچا ''وہ آگئے جن کا انتظار تھا'' لوگوں نے پہچانا تو ساری بستی تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھی، استقبال کے لئے مسلمان ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے، ہر طرف فرحت وانبساط کا دور دورہ ہوگیا، لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے اور ہر شخص خدمتِ اقدس میں مؤدبانہ حاضری کے لئے بیتاب تھا۔ یہ ربیع الاول (۱) کی آٹھویں تاریخ اور نبوت کا تیرہواں سال تھا۔

حضور اکرم ﷺ سب سے پہلے مدینہ منورہ کی نواحی بستی قبا میں تشریف لائے اس کو عالیہ بھی کہتے ہیں اور عمرو بن عوف کے خاندان کے سردار کلثوم بن الہدم کے مکان میں قیام فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بعد میں یہیں پہنچ گئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے وہاں چار دن اور صحیح ومشہور روایت کی بنا پر چودہ دن قیام فرمایا، اسی دورانِ قیام حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین پر مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے، یہ سب سے پہلی مسجد ہے اور اسی کی شان میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (۲)

۱۔ مولانا محمد نجم احسن نگرامی نے اپنی کتاب ''دنیا کے بہترین تریسٹھ سال'' میں اس تاریخ کو پیر کا دن ۸ ربیع الاول نبوت کا تیرہواں سال مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ التوبہ: ۱۰۸

جمعہ کے دن آپ ﷺ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے، راستہ میں بنی سالم کے محلے میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے پہلا جمعہ ادا فرمایا(۱) ایک سو کی تعداد میں اہلِ مدینہ نمازِ جماعت میں شریک تھے، پھر وہاں سے آگے بڑھے، قبا سے شہر مدینہ تک ہر قبیلے کے معزز لوگ دورویہ کھڑے تھے آپ جس قبیلے کے سامنے گزرتے وہ عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! یہ گھر، یہ مال، یہ جان حاضر ہے۔ آپ شکریہ ادا کرتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آیا تو مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتیں تک تشریف آوری کا نظارہ دیکھنے کے لئے مکانوں کی چھتوں پر پہنچ گئیں اور نغمے گانے لگیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا

مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

چودھویں رات کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا، وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک کوئی دعا مانگے۔

بنو نجار کی لڑکیاں جن کو آنحضرت ﷺ کے ننہالی رشتہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا خوشی میں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی تھیں

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارٍ

ہم نجار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں

حضرت محمدؐ کیسے اچھے پڑوسی ہیں

آں حضرت ﷺ نے اپنی اونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا، اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے پہنچ کر خود بیٹھ گئی اور آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ وہاں بھی سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کا مسئلہ پیش آیا، چناں چہ دولت کدہ کے قریب بنی نجار کے دو لڑکوں سہل اور سہیل کا ایک مربد (کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ) تھا، حضور اکرم ﷺ نے اس جگہ کو مسجد کے لئے پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے سودا کر کے اس کو خرید لیا، پھر وہاں مسجدِ نبوی کی تعمیر کی

۱۔ اب یہ مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہے۔ (مؤلف)

گئی۔اذان کی ابتدا اور رکعاتِ نماز کی تعداد مقرر ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں امن وامان نہ تھا اس لئے پانچوں وقت دو رکعت نماز ادا کرنا ہی فرض تھا، مدینہ آ کر جب مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ادائیگی فرائض کی آزادی ملی تو ظہر، عصر اور عشا کی چار چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں کی گئیں البتہ صبح کی دو ہی رہیں کیوں کہ صبح کے وقت لمبی قرأت یعنی رکعتوں کے بدلے زیادہ قرآن کریم پڑھنے کا حکم ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کو وقت پر بلانے کے لئے کوئی طریقہ مقرر کیا جائے چناں چہ اس مقصد کے لئے اذان مقرر ہوئی۔

کفارِ مکہ کا کچھ اور بس نہ چلا تو اب انہوں نے کمزور مسلمانوں کے لئے مدینہ منورہ جانے پر پابندی لگا دی اور باہر کی مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روک دیا گیا۔اس کے جواب میں آں حضرت ﷺ نے مکہ کے تاجروں کو جو ملکِ شام آتے جاتے تھے ڈرانے کے لئے چند آدمیوں کو شام کے راستے میں بھیجنا شروع کر دیا تاکہ راستہ غیر محفوظ خیال کر کے اہلِ مکہ صلح کر لیں اور مکہ مکرمہ کے غریب مسلمانوں پر سختی نہ کریں۔ ساتھ ہی مدینہ منورہ کی نواحی بستیوں سے معاہدے کئے تاکہ مدینہ منورہ پرامن جگہ رہے۔

اس سال کے مزید واقعات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی، ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر، اصحابِ صفہ کے لئے چبوترہ بنانا، مہاجرین وانصار میں مواخات (آپس میں بھائی چارہ قائم کرنا)، اور مدینہ منورہ کے یہودیوں سے معاہدہ وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

دو سنہ ہجری

اس سال کئی اہم واقعات رونما ہوئے، مثلاً ماہِ شعبان میں آں حضرت ﷺ کی آرزو کے مطابق بیت المقدس کے بجائے کعبۂ معظمہ زاداللہ شرفہا مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا جو دنیا میں سب سے پہلا خانۂ خدا ہے۔آں حضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں نماز پڑھتے وقت بیت المقدس وکعبۂ معظمہ دونوں قبلوں کو جمع فرماتے تھے، چناں چہ آپ ﷺ دونوں رکنوں، یعنی حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان ایسی جگہ نماز ادا فرماتے جہاں سے دونوں قبلے یعنی خانۂ کعبہ وصخرۂ بیت المقدس سامنے ہوتے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے آئے اور مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر فرمائی تو

۱۔ ماخوذ از سیرۃ النبی ﷺ۔ ورحمت عالم وغیرہ

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھا اور سولہ مہینے تک بیت المقدس کی جانب نماز ادا فرماتے رہے، لیکن یہاں دونوں قبلوں کو جمع کرنا متعذر ہو گیا تھا اور ہمیشہ آپ ﷺ کا یہ شوق رہا کہ کعبہ مکرمہ جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ رہا ہے وہی آپ کا بھی قبلہ مقرر ہو جائے، آپ ﷺ کمالِ شوق اور وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے۔ سولہ یا سترہ مہینے صرف بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ ایک روز جب کہ آپ ﷺ ظہر یا عصر کی نماز مسجد بنی سلمہ میں پڑھا رہے تھے اور دو رکعتیں پڑھ چکے تھے آیہ مبارکہ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ الیٰ قولہ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۱) الآیہ نازل ہوئی۔ پس آپ نماز ہی میں مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے اور میزاب کا استقبال کیا۔ اسی وجہ سے مسجد بنی سلمہ مسجد ذو قبلتین کے نام سے مشہور ہوئی اور اس وقت سے ہمیشہ کے لئے خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔ (۲)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قریش مکہ مسلمانوں کی روز افزوں بڑھتی ہوئی طاقت و شوکت کو دیکھ کر بہت برافروختہ ہوتے اور ان کو مٹانے کے لئے سرگرداں رہتے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے ماہ جمادی الاخریٰ ۲ھ میں ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ کافی تعداد میں مال و اسباب کے ساتھ ملکِ شام روانہ کیا تاکہ اس کا نفع حاصل کرکے وہاں سے سامانِ جنگ خرید کر لایا جائے پھر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے، ابوسفیان نے شام پہنچ کر ایک قاصد مکہ معظمہ بھیجا اور سردارانِ مکہ کو اطلاع دی کہ اس کو مدینے کے قریب مسلمانوں کے ہاتھوں لٹ جانے کا خطرہ ہے اس لئے وہ اس کی مدد کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اس اطلاع پر ابوجہل اور دیگر سردارانِ مکہ ایک ہزار نفوس کا لشکر جمع کرکے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضور ﷺ کو جب کفارِ مکہ کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ بھی خود بنفسِ نفیس مع تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ جن میں تراسی مہاجر اور باقی انصار تھے ۱۲ رمضان المبارک کو مقام بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ابوسفیان تو مع اپنے قافلہ کے راستہ بدل کر مکہ معظمہ پہنچ گیا لیکن قریشِ مکہ اپنے دل کی آگ بجھانے کے لئے لڑائی پر مصر ہو گئے اور مقامِ بدر میں فوجی اہمیت کے مورچوں پر پہلے ہی قبضہ جما لیا۔ بالآخر گھسان کی لڑائی ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، حق و باطل کی یہ جنگ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا کی تاریخ میں سب سے عجیب تھی جب

۱۔ البقرہ: ۱۴۴
۲۔ تفسیر ابن کثیر وغیرہ تصرفاً

دونوں لشکروں کا سامنا ہوا تو نہ جانے کتنے باپ اپنے جگر گوشوں کی تلوار کی زد میں تھے اور کتنے لختِ جگر اپنے والد و اقربا کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ لڑائی میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف وغیرہ ستر آدمی مارے گئے اور ان کا تکبر اور اصلی طاقت ٹوٹ گئی، ادھر صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ یہ غزوہ (۱) درحقیقت اسلام کا کھلا معجزہ تھا۔

اسی سال غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ کے قریب یہود کے قبیلۂ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی اور خود ہی اعلانِ جنگ کرنے کے بعد قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کے قلعے کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ وہ گھبرا گئے آخر انہوں نے آں حضرت ﷺ کے فیصلے پر رضامندی کا اعلان کر دیا ان کی مسلسل شر پسندی کے تدارک کے لئے حضور اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ساری قوم مدینہ منورہ اور اطرافِ مدینے کو چھوڑ کر نکل جائے، بنو قینقاع اس پر رضامند ہو گئے اور جان و مال کی امان حاصل کر کے زمین اور دیگر منقولہ جائیداد چھوڑ کر ملکِ شام چلے گئے۔ اس کے بعد بنو نضیر کے یہودیوں نے عہد شکنی کی تو ان پر حملہ کیا گیا آخرکار یہ لوگ بھی علاقہ خالی کر کے خیبر چلے گئے۔ پھر ماہِ ذی الحجہ میں غزوۂ سویق کا واقعہ پیش آیا۔

اسی سال ماہِ ذی الحجہ میں حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ یہی وہ مبارک سال ہے کہ جس میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں ادا کی گئیں اور قربانی واجب ہوئی۔ آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک میدان میں جماعت کے ساتھ عید الفطر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں صدقۂ فطر کی خوبیاں بیان فرمائیں اور صدقہ کا حکم دیا۔ (۲)

آں حضرت ﷺ نے نو سال رمضان المبارک کے روزے ادا فرمائے جن میں دو رمضان تیس تیس دن کے ہوئے اور باقی سات رمضان انتیس انتیس دن کے ہوئے۔ (۳)

۱۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جہاد بالسیف ہوا، اور جس میں آپ خود بہ نفسِ نفیس شریف ہوئے اس کو غزوہ (جمع غزوات) کہتے ہیں اور جس میں آپ نے کسی صحابیؓ کو سردار بنا کر بھیجا اس کو سریہ (جمع سرایا) کہتے ہیں۔ غزوات کی تعداد ستائیس ہے جن میں سے صرف نو میں جنگ کی نوبت آئی اور سرایا کی تعداد ۴۳ ہے۔

۲۔ ماخذ از سیرۃ النبیؐ۔ و رحمت عالمؐ۔ و سیرت خاتم الانبیا ﷺ۔

۳۔ عمدۃ الفقہ، کتاب الصوم ص ۲۲۶۔

تین سنہ ہجری

اس سال ماہِ شوال میں غزوۂ احد پیش آیا جس میں ایک جماعت کی غلط فہمی کی بنا پر کچھ دیر کے لئے فتح شکست میں بدل گئی اور مسلمانوں کا نہ صرف خاصا جانی نقصان ہوا بلکہ خود حضورِ اکرم ﷺ کے چار دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے جن مین زیادہ تر انصار تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے آں حضرت ﷺ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت کا بہت رنج ہوا۔ مشرکین کے بائیس آدمی مارے گئے۔

اسی سال حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما آں حضرت کے عقد میں آئیں۔ اور آں حضرت ﷺ کی صاحب زادی ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ مشرکہ عورتوں سے آج تک نکاح ہوتا تھا اب اس کی حرمت نازل ہوئی۔ ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ وراثت کا قانون نازل ہوا وغیرہ۔ (۱)

چار سنہ ہجری

ماہِ صفر میں ابو براء کلابی کی درخواست وضمانت پر آں حضرت ﷺ نے ستر انصاری صحابہ رضی اللہ عنھم کی ایک جماعت نجد کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجی، اُن صحابہؓ نے بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا اور حرام بن ملحانؓ کو آں حضرت ﷺ کا مکتوبِ گرامی دے کر عامر بن طفیل کلابی عامری رئیس قبیلے کے پاس بھیجا۔ عامر نے ان قاصد صحابی کو پہنچتے ہی شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل کا ایک لشکر تیار کر کے تمام صحابہؓ کو گھیر کر شہید کر دیا، صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا، کعب بن زیدؓ اس لئے بچ گئے کہ ان میں کچھ جان باقی تھی۔ آں حضرت ﷺ کو اس واقعے کا بڑا صدمہ ہوا اور ایک ماہ تک نمازِ فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قنوت کی یہ ابتدا تھی، یہ واقعہ بیر معونہ کہلاتا ہے۔ (۲)

اسی سال حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہما سے آں حضرت ﷺ نے عقد فرمایا، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا نکاح کے دو یا تین ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔

۵ شعبان کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ اور شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا وغیرہ۔ (۳)

۱۔ سیرۃ النبیؐ: ج ۱ ۲۔ ایضاً، واضح السیر: ص ۱۶۴
۳۔ سیرۃ النبیؐ

پانچ سنہ ہجری

مدینہ منورہ کے یہودی بہت مالدار تھے اس لئے وہاں ان کا کافی اثر تھا، آں حضرت ﷺ کے روز افزوں شوکت و غلبے کو دیکھ کر وہ بہت پیچ وتاب کھاتے تھے اور خفیہ طور پر مسلمانوں کے سخت بدخواہ تھے اور کفارِ قریش سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے جن کے نتیجے میں غزوۂ ذات الرقاع ۱۰ محرم کو، غزوۂ دومۃ الجندل ربیع الاول میں اور غزوۂ بنی المصطلق ۲ شعبان کو واقعہ ہوئے۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں ذی قعدہ میں واقعہ ہوا جو مسلمانوں کے لئے سخت امتحان کا موقع تھا کیونکہ رسد کی قلت اور بے سروسامان کی وجہ سے فاقوں کی نوبت پہنچ گئی تھی لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے امداد فرمائی اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

اسی سال حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت جویریہؓ بنتِ حارثؓ آں حضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ عورتوں کے لئے پردے کا حکم، تیمم کی مشروعیت اور دیگر متعدد دینی احکام نازل ہوئے۔ مدینہ منورہ میں زلزلہ کا آنا اور خسوفِ قمر بھی اس سال کے واقعات میں سے ہے۔ (۱)

چھ سنہ ہجری

ماہِ ذیقعدہ میں حضور اکرم ﷺ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کی جماعت ہمراہ لے کر عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل پہلے مقامِ حدیبیہ میں قیام فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ روانہ فرمایا تاکہ وہ کفارِ قریش کو آگاہ کر دیں کہ آں حضرت ﷺ صرف زیارت بیت اللہ شریف اور عمرے کے لئے تشریف لائے ہیں کوئی اور غرض نہیں ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ اس فواہ کی بِنا پر حضورِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے جہاد پر بیعت لی، اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے، بعد میں یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی اور کفارِ قریش سے چند شرائط پر صلح ہوگئی جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس وقت بغیر عمرہ کئے واپس لوٹ جائیں۔ مصالحت کے پیش نظر آں حضرت ﷺ اور تمام صحابہ کرامؓ نے احرام اتار دیئے اور تین دن تک حدیبیہ میں قیام فرمایا پھر واپس تشریف لے آئے۔ اگرچہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو فتح سے تعبیر کیا اور بعد میں یہ صلح واقعی فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

۱۔ سیرۃ النبی ﷺ: ج ۱

اب وقت آ گیا تھا کہ حضور انور ﷺ تمام امرا و سلاطین کو دینِ اسلام کی دعوت دیں، چناں چہ نجاشی بادشاہِ حبشہ کو دعوت نامۂ اسلام بھیجا گیا تو اس نے بہ خوشی اسلام قبول کرلیا، بادشاہِ روم ہرقل نے بھی اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا لیکن رعایا کی مخالفت کے ڈر سے باز رہا، ایران کے بادشاہ کسریٰ کو دعوت نامۂ اسلام بھیجا گیا تو اس نے گستاخی کی جس کی پاداش میں وہ جلد ہی مارا گیا۔ حکم رانِ مصر و عمان کو بھی اسلام کے دعوت نامے بھیجے گئے۔

اسی سال حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ آں حضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں اور حضرت ماریہ قبطیہؓ بھی آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔

اسی سال حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ مشرف بہ اسلام ہوئے (۱)

سات سنہ ہجری

اس سال یہودیوں کی بہت بڑی تعداد خیبر میں جمع ہوئی اور غزوۂ خیبر واقع ہوا جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ پھر اہلِ فدک سے صلح ہوئی۔ اسی سال آں حضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی بنا پر عمرہ ادا فرمایا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کا جمِ غفیر ساتھ تھا، عمرہ کی دیرینہ تمنا بڑے جوش کے ساتھ تکمیل پذیر ہوئی آپ ﷺ تین دن مکہ معظمہ میں قیام فرما کر واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کا یہ عمرہ احرام کے اعتبار سے دوسرا اور افعالِ عمرہ کے اعتبار سے پہلا عمرہ تھا۔ اسی سال حضرت صفیہؓ بنتِ حُیَی بن اخطب اور حضرت میمونہؓ بنتِ حارث حضورِ اکرم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ (۲)

آٹھ سنہ ہجری

ملکِ شام میں بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلے پر موتہ کے مقام پر تین ہزار صحابہؓ کا ڈیڑھ لاکھ رومیوں سے بہت بڑا معرکہ ہوا۔ زید بن حارثہؓ سالارِ لشکر شہید ہوئے تو آں حضرت ﷺ کی قبل از روانگی ہدایات کے بموجب حضرت جعفر طیارؓ نے علَم سنبھالا، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علَم ہاتھ میں لیا، وہ بھی شہید ہوگئے تو حضرت خالدؓ اپنی حسنِ تدبیر و انتظام سے لشکر کو دشمن کی زد سے صحیح سالم نکال لائے۔ (۳)

اسی سال کفارِ قریش نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ کر عہد شکنی کی جس کے نتیجے میں ۱۰ رمضان

۱، ۲، ۳۔ سیرۃ النبی ﷺ ج ۱

المبارک ۸ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز عصر آں حضرت ﷺ نے دس ہزار مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ کی جانب پیش قدمی کی۔ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مکتومؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ مقام قدید میں پہنچے تو آں حضرت ﷺ نے چھوٹے بڑے جھنڈے باندھے اور قبائل کو عطا فرمائے۔ مکہ معظمہ کے قریب مرالظہر ان پہنچ کر ۲۰ رمضان المبارک کو اسلامی لشکر کی ترتیب قائم فرمائی، خالد بن ولیدؓ کو میمنہ پر، زبیر بن العوامؓ کو میسرہ پر اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا۔ ایک لشکر حضرت سعد بن عبادہؓ کی سرکردگی میں تھا۔ اس نظم وضبط کے بعد آپ نے حکم دیا کہ سعد بن عبادہؓ کداء کے راستے سے، زبیرؓ مکہ کے بالائی جانب سے اور خالدؓ نشیبی سمت (مسفلہ) سے شہر میں داخل ہوں اور جب تک کوئی مزاحمت نہ کرے اس وقت تک جنگ نہ کریں۔(۱)

اسلامی فوج کی آمد کی اطلاع قریشِ مکہ کے کانوں میں پہنچ چکی تھی، انہوں نے مزید تحقیق کے لئے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا۔ خیمہ نبوی ﷺ کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں آکر عرض کیا کہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا۔ ابوسفیان کے تمام سیاہ کارنامے اظہر من الشمس تھے جن میں سے ہر ایک اس کے قتل کے متقاضی تھا، اس کی اسلام دشمنی، مدینہ منورہ پر بار بار حملہ، قبائلِ عرب کا اشتعال، آں حضرت ﷺ کو قتل کرانے کی سازشیں وغیرہ وہ مذموم حرکتیں تھیں جن سے بآسانی درگزر نہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جان بخشی کی درخواست کی اور خود ابوسفیان نے بھی گرفتار ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا اور سچے مسلمان بن گئے، غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا چناں چہ غزوۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوگئی اور یرموک میں وہ بالکل ہی جاتی رہی۔

لشکرِ اسلام جب مکہ معظمہ کی طرف بڑھا تو آں حضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیانؓ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواجِ الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا، یا دروازہ بند کر لے گا، یا خانۂ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو امن دیا جائے گا، غرض کہ اس شان سے اسلامی لشکر ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ (مطابق جنوری ۶۳۰ء) کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔(۲)

۱۔ طبقات ابن سعد، حصہ اول: ص ۴۷۵۔ سیرت النبی: ج ۱

۲۔ سیرۃ النبی ﷺ: ج ۱

مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر آں حضرت ﷺ نے اپنی سواری پر ہی بیت اللہ شریف کا طواف کیا اس وقت خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ جس بت کے پاس سے گزرتے اپنی کمان سے اس کو ٹھوکا دیتے اور فرماتے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ط وہ بت اوندھے منہ گر پڑتا۔ طواف کے بعد آپ مقام ابراہیم پر آئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد کے کنارے بیٹھ گئے، اس کے بعد خانۂ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے کعبۂ معظمہ کی کنجی لی اور دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی اور باہر تشریف لے آئے ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ اس وقت مسجد بیت الحرام قریش مکہ سے بھری ہوئی تھی۔ آں حضرت ﷺ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور حاضرین کو مخاطب کر کے ایک جامع خطبہ دیا (۱)

حضرت خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر نبوت و رسالت کے منصبِ جلیلہ سے خلافتِ الٰہیہ کی تفسیر میں جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس کا خطاب صرف اہلِ مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا:

> ایک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور دوسرے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔ خبردار! (آج کے دن) تمام مفاخر، تمام انتقامات اور جان و مال کے تمام دعوے میرے قدموں کے نیچے (ختم کر دیئے گئے) ہیں، صرف حرمِ کعبہ کی تولیت اور حجاج کو آب رسانی (زمزم پلانے کی خدمات) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قومِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا (حسب و نسب کے امتیازات مٹا دیئے گئے) تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ پھر قرآن مجید یہ آیت پڑھی:
>
> يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (۲)
>
> اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر گروہوں اور قبیلوں

۱۔ سیرۃ النبی: ج ۱۔ اصح السیر ۲۔ الحجرات: ۱۸

میں تقسیم کیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔
(سن لو) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی کی زیادہ عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، بے شک اللہ تعالیٰ علیم (جاننے والا) خبیر (واقف، دانا) ہے۔(۱)

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

یہ شہر (یعنی ساری زمین حرم) اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرام کردیا تھا جس روز اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردینے سے اب قیامت تک حرام رہے گا (لوگوں پر اس کی ہتک حرام اور تعظیم واجب رہے گی) مجھ سے پہلے کسی کے لئے (اس مقدس شہر میں) قتال حلال نہیں ہوا اس ساعت کے بعد پھر قیامت تک اللہ تعالیٰ کے حرام کردینے سے حرام کردیا گیا نہ یہاں کا کوئی خاردار درخت کاٹا جائے، نہ حرم کا شکار بھگایا جائے، نہ کوئی پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے، سوائے اس شخص کے جو اس کو شناخت کرکے اپنے استحقاق بتائے (کہ اس کا اٹھانا جائز ہے) نہ ہی یہاں کی گھاس کاٹی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مگر اذخر (ایک خوشبودار گھاس) کی اجازت دیجئے کہ یہ لوہاروں اور سناروں کی بھٹیوں اور لوگوں کے گھروں کی چھتوں کے لئے کام آتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اذخر اکھاڑنے کی اجازت ہے۔(۲)

آں حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد پندرہ دن مکہ معظمہ میں قیام فرمایا، واپسی پر حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مقرر کیا کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں، چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن و امان قائم نہیں ہوا تھا اس لئے اس سال مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کے ساتھ جو مکہ معظمہ کے امیر مقرر ہوئے تھے حج ادا کیا۔

اب وہ وقت آگیا کہ ہر طرف سے لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بہ گوش ہونے شروع ہوگئے۔ ابھی آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے کہ غزوۂ حنین پیش آگیا، ہوازن اور ثقیف کے قبیلے آمادۂ جنگ ہو کر مکہ معظمہ کی طرف بڑھے، آں حضرت ﷺ بھی مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج لے کر روانہ ہوئے جس میں بڑا حصہ قریش کے نومسلموں کا تھا، وادی

۱۔ سیرۃ النبی: ج ا ص ۵۱۷، ۵۱۸ ۲۔ مشکوۃ: ج ا ص ۶۵۵

حنین میں دشمن سے مقابلہ ہوا، چوں کہ مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد اور کثرتِ سامان پر ناز ہو گیا تھا اس لئے بطور تنبیہ عارضی پسپائی ہوئی جس پر مسلمان نادم و پشیمان ہوئے، بالآخر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور آں حضرت ﷺ نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر غنیم کی پھینکی جس سے دشمن مغلوب و مرعوب ہو کر بھاگا اور مسلمان فاتح ہو کر واپس ہوئے۔

اس کے بعد آپ طائف کی طرف متوجہ ہوئے اس لئے کہ حنین کی بقیہ فوج وہاں جا کر پناہ گزیں ہو گئی تھی پھر آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ واپسی پر جعرانہ میں عمرہ کا احرام باندھا مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا جو احرامِ عمرہ کے اعتبار سے تیسرا اور افعالِ عمرہ کے اعتبار سے دوسرا عمرہ تھا۔ پھر مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں ثقیف کے لوگ بھی آں حضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔

اسی سال حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت ہوئی۔ اور آپ ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینبؓ کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔ (۱)

نو سنہ ہجری

اس سال غزوۂ تبوک پیش آیا، آپ ﷺ تقریباً پندرہ بیس روز وہاں مقیم رہے لیکن کفار کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی بالآخر آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اسی سال مسیلمہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا جو بعد میں صحابیِ رسول ﷺ حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں جنگِ یمامہ میں مارا گیا۔ حضرت وحشیؓ وہی ہیں جنہوں نے حالتِ کفر میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ اس سال اطرافِ عالم سے جوق در جوق وفود آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان وفود کی تعداد ستر تک نقل کی جاتی ہے۔

اسی سال حضور اکرم ﷺ نے ماہِ ذیقعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تین سو مسلمانوں کے قافلے پر امیرِ حج بنا کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا اور قربانی کے لئے بیس اونٹ ساتھ کئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دی اور خطبہ دیا۔ حضرت علیؓ نے سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک مسجد الحرام میں داخل نہ ہونے دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس اعلان کی اس قدر زور سے منادی کی

۱۔ سیرۃ النبیؐ: ج۱

کہ آواز بیٹھ گئی۔

اسی سال جزیہ کی آیت اتری، زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور سود کی حرمت کا حکم بھی ہوا۔ اصحمہ نجاشی بادشاہِ حبشہ کا بھی اسی سال انتقال ہوا اور آپ ﷺ نے اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی (۱)

دس سنہ ہجری

اس سال آں حضرت ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؑ نے سترہ یا اٹھارہ مہینے کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آں حضرت ﷺ کو صاحب زادہ سے نہایت درجہ محبت تھی۔ جس دن حضرت ابراہیمؓ نے وفات پائی اسی دن سورج گرہن ہوا، آں حضرت ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی اور فرمایا:

سورج اور چاند تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں نہ کسی کے مرنے سے گرہن آتا ہے نہ کسی کے جینے سے، جب تم یہ گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو حتیٰ کہ گرہن چھٹ جائے۔ (۲)

حجۃ الوداع

اسی سال اعلان کیا گیا کہ حضورِ انور ﷺ حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں، یہ خبر دفعۃً پھیل گئی اور ہم رکابی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اکناف و اطراف سے تمام عرب اُمنڈ آیا۔ چناں چہ آپ شنبہ ۲۵ ذیقعدہ کو بعد نمازِ ظہر تمام ازواجِ مطہرات اور تقریباً ایک لاکھ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں شب کو آرام فرمایا اور دوسرے دن غسل فرما کر دو رکعت نماز (سنت الاحرام) ادا فرمائی اور اسی مقام (ذوالحلیفہ) پر احرام باندھ کر بلند آواز سے تلبیہ کے الفاظ ادا فرمائے جو آج تک ہر حاجی کی زبان پر ہیں یعنی:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لَا شَرِيْكَ لَكَ (۳)

میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، یا الٰہی میں تیرے حضور حاضر ہوں، میں تیرے

۱۔ سیرۃ النبیؐ: ج ۱ ۲۔ بخاری و مشکوٰۃ و سیرۃ النبیؐ

۳۔ حاشیہ مشکوٰۃ: ص ۸۰

حضور میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں تیرے حضور میں حاضر ہوں،
بے شک تعریف اور نعمت اور بادشاہت تیرے لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں بیان کرتی ہیں کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ آں حضرت ﷺ جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔ غرض کہ تلبیہ کی سرمدی نغموں کی گونج میں یہ مقدس قافلہ بڑھتا رہا اور آں حضرت ﷺ مع رفقا اتوار کے روز ۴ ذی الحجہ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر پھیلی تو خاندانِ بنو ہاشم کے لڑکے خوش ہو کر استقبال کے لئے دوڑ پڑے، آپ ﷺ نے بھی فرطِ محبت سے اپنی اونٹنی پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا، کعبہ معظمہ پر نظر پڑی تو فرمایا: ''اے اللہ! اس گھر کو اور زیادہ عزت وشرف عطا فرما'' کعبہ معظمہ کا طواف کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم پر دوگانہ ادا فرمایا، پھر آب زمزم نوش فرما کر صفا ومروہ کے مابین سعی کی۔ (۱) عمرہ سے فارغ ہو کر آپ نے اُن صحابۂ کرامؓ کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا ''اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔

جمعرات ۸ ذی الحجہ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر منیٰ میں تشریف لائے وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی (پانچ) نمازیں ادا فرمائیں۔

جمعہ ۹ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہوئے اور مقامِ نمرہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل جانے کے بعد اپنی اونٹنی قصویٰ (آپ کی اونٹنی کا نام) پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور اسی ناقہ پر بیٹھے ہوئے آپ ﷺ نے ایک جامع اور بسیط خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

> اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کسی سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے سبب سے، (بے شک) سب مسلمان

۱۔ آں حضرت ﷺ کا یہ عمرہ احرام کے اعتبار سے چوتھا اور افعالِ عمرہ کے اعتبار سے تیسرا عمرہ تھا۔ آپ نے کل چار عمرے ادا فرمائے۔ مؤلف

آپس میں بھائی بھائی ہیں۔تمہارے غلام (اگرچہ) تمہارے غلام ہیں (لیکن) تم جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ میں نے جاہلیت کی تمام رسمیں ختم کردیں اور جاہلیت کے تمام خون میں نے معاف کردیئے (یعنی اب نہ ان کا قصاص ہے نہ دیت نہ کفارہ) اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے خونوں میں سے) ربیعہ بن حارث (۱) کے بیٹے کا خون موقوف (معاف) کرتا ہوں..... (اسی طرح) میں نے جاہلیت کے تمام سود بھی موقوف کردیئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سودوں سے عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود موقوف (معاف) کرتا ہوں.....تمہارے خون اور تمہارے مال تم میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن (یومِ عرفہ) تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکۂ مکرمہ) میں حرام ہے.....عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو، تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ رکھنے کا عہد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام (حکم فانکحوا الآیہ) سے تم نے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لئے حلال بنایا، تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم پسند نہیں کرتے یعنی تمہارے ناموس کی حفاظت کریں زنا نہ کریں اور غیر کو اندر نہ آنے دیں لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں تادیب و سرزنش کا اختیار ہے لیکن سخت مار نہ لگائیں۔ اور تم پر عورتوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کی آسائش کا خیال رکھو، اپنی حیثیت کے مطابق کھانا اور کپڑا (اور مکان؟) دو۔ خبردار! عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر (کسی کو) کچھ دینا جائز نہیں.....اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں.....لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، زنا کار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے..... ہاں جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے..... قرض ادا کیا جائے،

۱۔ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ایک بیٹا ایاس نام قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا جس کو ہذیل کی قوم نے قتل کردیا تھا۔

عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمے دار ہے...... میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رہے (یعنی اس پر عمل کرتے رہے) تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔

یہ فرما کر آں حضرت ﷺ نے تمام مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا (اے لوگو! جب) تم سے اللہ تعالیٰ میری نسب دریافت کرے گا (کہ میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے یا نہیں؟) تو تم کیا جواب دوگے؟ ہر طرف سے آوازیں آئیں ہاں ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپ نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا پیغام بتمام وکمال ہم تک پہنچایا اور اپنا فرض ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی کی۔ یہ سن کر آپ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور اس کو لوگوں کی طرف جھکا کر تین بار فرمایا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (یاالٰہی! تو گواہ رہنا، تین بار)(۱)

خطبے سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی اور آں حضرت ﷺ نے (جماعت کے ساتھ قصر) نمازِ ظہر دو رکعت پڑھی (حالانکہ جمعہ کا دن تھا لیکن جمعہ ادا نہ فرمایا اس لئے کہ عرفات ایک غیر آباد میدان ہے کسی مستقل آبادی کا مقام نہیں ہے، علاوہ ازیں آپ اس وقت سفر میں تھے، مسافر پر یوں بھی جمعہ فرض نہیں ہے) اس کے فوراً بعد دوسری اقامت عصر کی نماز بھی قصر یعنی دو رکعت (جماعت کے ساتھ) پڑھی۔ دونوں کے درمیان سنت و نفل نماز کچھ نہیں پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے اور صحابہؓ کے ہم راہ موقف (میدانِ عرفات میں آپ کے ٹھہرنے کی جگہ) تشریف لائے اور وہاں رک کر اونٹنی پر بیٹھے ہوئے قبلے کی طرف روئے انور کئے ہوئے غروبِ آفتاب تک دعا وزاری میں مصروف رہے عین دعا وزاری کے موقع پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ سے یہ بشارت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (۲)

یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری

۱۔ سیرۃ النبیؐ: ج ۲، ص ۱۵۰ تا ۱۵۸۔ مشکوٰۃ باب قصۃ حجۃ الوداع، ج ۱، ص ۶۱۵ و ۶۱۶۔

۲۔ المائدہ: ۳

کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا۔

جب قرصِ آفتاب بالکل غائب ہو گیا اور شفق کی تھوڑی سی زردی بھی غائب ہو گئی تو آں حضرت ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے ناقے پر بٹھایا اور سُبک رفتاری سے چل کر مزدلفہ تشریف لائے، یہاں پہلے مغرب کی پھر فوراً عشا کی نماز ایک اذان اور ایک تکبیر سے اور ایک روایت کے مطابق دو تکبیروں سے ادا فرمائی، ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی کوئی سنت یا نفل نہیں پڑھی پھر بقیہ شب آرام فرمایا۔

ہفتہ ۱۰ ذی الحجہ کو آں حضرت ﷺ نے مزدلفہ میں طلوعِ فجر کے بعد اول وقت اذان و تکبیر و اقامت و جماعت کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی پھر اونٹنی پر سوار ہوئے اور مشعر الحرام (مزدلفہ کے ایک پہاڑ کا نام جس کو جبل قزح بھی کہتے ہیں) کے پاس سپیدیٔ سحر پھیلنے تک وقوف فرمایا اور قبلہ رو کھڑے ہو کر تکبیر و تہلیل اور دعا وغیرہ میں مشغول رہے یہاں تک کہ صبح خوب روشن ہو گئی، پھر سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ روانہ ہو گئے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کیا۔

آں حضرت ﷺ منیٰ میں پہنچے اور جمرۂ کبریٰ (جمرۂ عقبہ) کے پاس آ کر اونٹنی پر ہی سے آپ نے اس جمرہ پر سات کنکریاں ماریں اور تلبیہ موقوف کر دیا۔ پھر لوگوں سے ارشاد فرمایا:

دین میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئی ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا: تم مجھ سے حج کے افعال سیکھ لو کیوں کہ کیا پتہ شاید اس حج کے بعد مجھے دوسرے حج کا موقع مل سکے۔

اس کے بعد آپ ناقے پر ہی منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، شیدائیانِ اسلام کے عظیم الشان مجمع پر نظر پڑی تو مساعی جمیلہ کے ثمرات و برکات نگاہ کے سامنے آئے اور زمین سے آسمان تک اعترافِ نبوت اور قبولیت کے انوار دکھائی دیئے تو سرِ مبارک اظہارِ تشکر و فرطِ مسرت سے جھک گیا زبانِ مبارک سے والہانہ انداز میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے بعد ایک جامع خطبہ دیا جو ایک نئے نظام اور نئے عہد کا نقیب تھا۔

صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کا خطبہ گیارہ ذی الحجہ کو بھی دیا گیا، ۱۰ ذی الحجہ کا خطبہ وعظ و نصیحت کا ہو گا اور دوسرے دن یعنی گیارہ ذی الحجہ کا خطبہ مناسکِ حج میں سے ہے، جیسا کہ اب بھی مسنون ہے، آپ کے خطبہ کا مضمون یہ ہے:

بے شک زمانہ (یعنی سال) اپنی اسی ہیئت پر لوٹ کر پھر آ گیا ہے جس پر وہ اس دن

تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کیے (یعنی سال بارہ مہینے کا ہوگیا) سال کے مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے (لقولہ تعالیٰ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۱) ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں، تین تو مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ ذی الحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الاخریٰ وشعبان کے درمیان ہے...... بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو ایک دوسرے کے لئے (قیامت تک) اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں حرام ہے...... خبردار! میرے بعد کفار کی طرح (گم راہ) نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو...... (یاد رکھو!) عن قریب تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ (اے لوگو!) خبردار ہو جاؤ کہ مجرم اپنے جرم کا ذمے دار خود ہے۔ باپ کے جرم کے ذمے دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں...... اگر کوئی حبشی بنی بریدہ بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو تم اس کی اطاعت وفرماں برداری کرو...... ہاں بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب قیامت تک تمہارے اس شہر (مکۂ مکرمہ) میں اس کی پرستش کی جائے البتہ تم حقیر اعمال میں اس کی پیروی کروگے اور وہ اس سے خوش ہوگا پس تم حقیر اعمال میں اس کی پیروی کرنے سے اپنے دین کی حفاظت کرو (دو دفعہ فرمایا)...... اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو (دوسری روایت میں یہ بھی ہے) اپنے مال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ دیتے رہو اور خدائے تعالیٰ کے گھر کا حج کرو (تو) اللہ تعالیٰ تم کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

اس کے بعد آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ (آگاہ رہو، کیا میں نے پیغامِ خداوندی تم کو پہنچادیا؟) ہر طرف سے آوازیں آئیں، جی ہاں آپ نے پیغامِ خداوندی پہنچادیا۔ آپ نے فرمایا ''اے اللہ! (ان کے اقرار پر) گواہ رہو'' پھر آپ نے

۱۔ التوبہ: ۳۶

حاضرین کو تاکید فرمائی کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ (میری یہ باتیں) ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں شاید کہ وہ لوگ جن کو یہ باتیں پہنچائی جائیں ان سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے خود مجھ سے سنا ہے۔

خطبہ کے اختتام پر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔(۱)

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ قربان گاہ تشریف لے گئے اور تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے نحر (ذبح) کیے، باقی سینتیس اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ سب گوشت پوست خیرات کر دیا جائے اور قصاب کی مزدوری اس گوشت سے ادا نہ کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔ آپ ﷺ کے ارشاد سے قربانی کے ان اونٹوں کے گوشت میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں پکایا گیا آپ ﷺ نے اور حضرت علیؓ نے اس گوشت میں سے کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے معمر بن عبداللہؓ کو بلوایا اور سر کے بال مُنڈوائے، فرطِ محبت سے کچھ بال خود اپنے دستِ مبارک سے قریب کے لوگوں کو عنایت فرمائے اور باقی بال حضرت ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے احرام کھول دیا اور طوافِ زیارت کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، طواف سے فارغ ہو کر آبِ زمزم نوش فرمایا پھر منیٰ واپس تشریف لے آئے...... ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو آپ منیٰ میں ہی قیام پذیر رہے، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور واپس آ جاتے...... منگل ۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد رمیٔ جمار کی اور منیٰ سے روانہ ہو کر وادیٔ محصب میں قیام کیا، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز محصب میں پڑھی اور وہیں آرام فرمایا۔ شب کا کچھ حصہ وہیں گزار کر مکہ معظمہ تشریف لے آئے، اور خانہ کعبہ کا طواف وداع کر کے وہیں نمازِ فجر ادا کی...... بدھ کے دن ۱۴ ذی الحجہ کی صبح طلوع ہوتے ہی سارے قافلے اپنے اپنے مقام کے لئے روانہ ہو گئے، آں حضرت ﷺ بھی مہاجرین وانصار کے ایک جمِ غفیر کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہی وہ مبارک حجۃ الوداع ہے جو آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔

گیارھواں سنہ ہجری

اس سال جہادِ روم کے لئے ایک سریہ تیار فرمایا جس کا امیر حضرت اسامہؓ کو مقرر کیا اور یہ

ا۔ سیرۃ النبی: ج ۲، ص ۱۶۰ تا ۱۶۴۔ اصح السیر، ص ۵۳۰ تا ۵۳۲۔ مشکوۃ ۲۲۶تا ۲۲۵

آپ ﷺ کے زمانے کا آخر لشکر تھا جس کی روانگی کا انتظام آپ نے خود فرمایا تھا لیکن یہ ابھی روانہ نہ ہونے پایا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی علالت کا دور شروع ہو گیا۔ ۲۸ صفر چہار شنبہ کی شب کو آپ نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت کی۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو سر میں درد تھا پھر بخار ہو گیا جو صحیح روایت کے مطابق تیرہ یوم متواتر رہا اور اس میں وصال فرمایا۔ آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے برابر تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، عشا کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ سب کو حضور کا انتظار ہے۔ آپ ﷺ نے غسل فرما کر اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ افاقہ ہوا تو پھر فرمایا نماز ہو چکی؟ صحابہؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ تین مرتبہ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، آخر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں۔ چناں چہ کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وصال سے تین یا پانچ یوم قبل آں حضرت ﷺ، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، اس وقت آپ کی ہدایت کے بہ موجب حضرت صدیق اکبرؓ نماز پڑھا رہے تھے وہ آپ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور ان کے پہلو میں بائیں جانب بیٹھ کر اس طرح امامت فرمائی کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی تکبیر پر لوگ ارکانِ نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک مختصر خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا جس کے بعض کلماتِ طیبات درج ذیل ہیں:

> خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے۔ لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزوں کو قبول کیا۔ نیز فرمایا: ابو بکرؓ سب سے زیادہ میرے محسن ہیں اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد میں جتنے لوگوں کے دریچے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکرؓ کے دریچے کے۔ آگاہ رہو کہ تم سے پہلی قوموں نے

اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر رہا ہوں۔

وصال

آں حضرت ﷺ خطبے سے فارغ ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں تشریف لے آئے، مرض میں کی زیادتی ہوتی رہی، آخر پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بعد نماز ظہر تریسٹھ سال کی عمر میں آپ ﷺ اس عالم آب و گل سے مفارقت فرما کر رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ وصال کے وقت آپ ﷺ کا آخری کلام یہ الفاظ تھے: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ آرام فرما ہیں اور وہی ہمیشہ کے لئے زیارت گاہِ عالم ہے۔ اور اسی حجرہ شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آرام فرما ہیں۔

حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دوسرے حضرات کی مدد سے غسل دیا اور تکفین کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی گئی کہ لوگ انفرادی طور پر اندر جاتے اور نماز پڑھ کر واپس آ جاتے، مرد فارغ ہوئے تو عورتیں گئیں، عورتوں کے بعد لڑکے گئے لیکن آپ کے جنازہ کی امامت کسی نے نہیں کی۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے اہل بیت نے نماز پڑھی۔ حضرت ابوطلحہؓ نے قبرِ مبارک کھودی اور حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے آپ کو قبر میں رکھا، آپ کی قبر شریف ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔

شمائل شریفہ

حضور انور ﷺ میانہ قد تھے لیکن کسی قدر طول کی طرف مائل، رنگ سفید مائل بہ سرخی، کشادہ پیشانی، ابرو باریک دراز و خمدار (دونوں ابرو جدا جدا تھے) بینیٔ مبارک بلندی پر مائل پر نور، چشمِ مبارک نہایت سیاہ اور پلکیں دراز تھیں، آنکھوں کی سفید میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، رخسار نرم، دہن کشادہ، اور دندانِ مبارک نہایت چمک دار چھوٹے تھے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا۔ غرض کہ روئے انور نہایت روشن و چمک دار تھا۔ گردن اونچی سر بڑا اور سینہ

کشادہ و فراخ تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔

آپ کا جسدِ اطہر نہایت سجیلا، مضبوط اور متناسب تھا، آپ کے دونوں قدم مبارک ہتھیلیاں اور تمام اعضا پُر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو روزہ دار دیکھوں تو روزہ دار دیکھ لیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں کہ افطار کی حالت میں دیکھوں تو ایسا ہی دیکھ لیتا ہوں، اسی طرح رات کو جب آپ کو نماز میں کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں تو ایسا دیکھ لیتا ہوں اور جب آپ کو سوتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں تو سوتا ہوا دیکھ لیتا ہوں، اور میں نے آں حضرت ﷺ کی ہتھیلی کو مس کیا تو دیبا اور ہر قسم کے ریشم سے زیادہ نرم پایا اور آپ کی خوش بو سے زیادہ خوش بودار کسی مشک وعنبر کو نہیں سونگھا۔ (۱)

مہرِ نبوت

حضور اکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ گوشتِ مبارک کبوتر کے انڈے کی برابر ابھرا ہوا تھا جس کے چاروں طرف تل تھے اور اس کے چاروں طرف بال بھی تھے اور جسم کی رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی لئے ہوئے تھا، یہی مہرِ نبوت تھی جو خاتم الانبیاء ﷺ ہونے کی علامت ہے۔

رفتار و گفتار وغیرہ

آپ ﷺ کی رفتار بہت تیز تھی چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اُتر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی گفت گو نہایت شیریں اور دلآویز تھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفت گو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا۔ جس بات پر زور دینا ہو تو بار بار اس کا اعادہ فرماتے، اکثر خاموش رہتے اور بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ ﷺ کی ہنسی تھی۔

آں حضرت ﷺ لباس کے سلسلہ میں کسی قسم کا التزام نہ فرماتے، موٹے کپڑے پہنتے اور سفید لباس پسند فرماتے تھے۔ عام طور پر لباس میں عمامہ، چادر، کرتہ تہبند ہوتا تھا اور عمامہ کے نیچے سر سے چمٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ بعض اوقات شامی عبا استعمال فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کپڑوں میں خود پیوند لگاتے اور اپنا جوتا خود مرمت کر لیتے تھے۔ مزاج میں بہت نظافت تھی ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔''

۱۔ بخاری: کتاب الصوم، باب ما یذکر من صوم النبیؐ وافطارہ

آپ نے خطوط وغیرہ پر مُہر لگانے کی وجہ سے ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا جس کو آپ ﷺ داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔

ایثار وقناعت کی وجہ سے آپ کو پر تکلف کھانوں کی نوبت نہ آئی، آپ ﷺ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، سرکہ، شہد، حلوہ، روغنِ زیتون، کھجور، دودھ اور کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے اور تمام شیریں چیزوں سے طبعاً رغبت تھی، دعوت رد نہ فرماتے تھے، خوشبو کو پسند کرتے اور بدبو سے نفرت فرماتے تھے۔

ازواجِ مطہراتؓ

حضورِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلی خاتون ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں آپ ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور ان کے پہلے دو شوہر فوت ہو چکے تھے اور آں حضرت ﷺ کی عمر پچیس سال تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ام المؤمنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جن کی عمر پچاس سال تھی۔ پھر ام المومنین حضرت عائشہ بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما ہیں جن سے مکہ معظمہ ہی میں نکاح کیا تھا اور رخصتی شوال ۱ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ازواجِ مطہرات میں صرف یہی دوشیزہ محترم خاتون ہیں جن کی اسلامی خون سے ولادت اور اسلامی شیر سے پرورش ہوئی اور آپ کے فقیہانہ اجتہاد وعلم و تقوے کی وجہ سے امتِ محمدیہ کو بہت فیض پہنچا۔ آپ کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ ان کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے شعبان ۳ھ میں اور ام المساکین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ۳ھ میں، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ ہند بنتِ ابی امیہ رضی اللہ عنہا سے ۴ھ میں، اور ام المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے ۵ھ میں اور ام المؤمنین حضرت جویریہؓ بنتِ حارث خزاعیہ سے بھی ۵ھ میں اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے ۶ھ میں اور ام المؤمنین حضرت میمونہ بنتِ حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں نکاح کیے۔

ان کے علاوہ آپ کی ایک کنیز تھیں جو مصر سے آئی تھیں ان کا اسمِ گرامی ماریہ قبطیہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو کنیز ہونے کے باوجود ہمیشہ پردے میں رکھا۔ بعض علما کی رائے ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اُن سے نکاح کرلیا تھا اُن ہی کے بطن سے حضرت ابراہیم ۸ھ میں پیدا

ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہما دونوں کا آں حضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور باقی ازواج وصال کے وقت بقیدِ حیات تھیں۔

اولادِ اطہارؓ

سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے آں حضرت ﷺ کی تمام اولادِ اطہار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی جن میں دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں ہیں۔ صاحب زادوں میں ایک حضرت قاسم اور دوسرے حضرت عبداللہ ہیں، ان دونوں نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ حضرت قاسم سب سے پہلے صاحب زادے ہیں اور ان ہی کے نام پر آں حضرت ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ زاد المعاد میں ہے کہ آپ کے ایک صاحب زادے کا نام عبداللہ ہے اور طیب و طاہر دونوں لقب ہیں اور بعض نے کہا کہ طیب و طاہر دو اور صاحب زادے ہیں۔ واللہ اعلم۔

آپ کی صاحب زادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں جن کا نکاح ابو العاص بن ربیع بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوا۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۸ ھ میں ہوا، ان سے دو بچے ہوئے صاحب زادے کا نام علیؓ اور صاحب زادی کا نام امامہؓ، امامہ سے آں حضرت ﷺ کو بہت محبت تھی، آپ ﷺ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جدا نہ کرتے تھے، ان دونوں کا انتقال بھی بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔

دوسری صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان سے ایک فرزند عبداللہ پیدا ہوئے لیکن ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا اس کے بعد حضرت رقیہؓ کا بھی ۲ ھ میں انتقال ہو گیا۔

تیسری صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں جن کی شادی بھی حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ۳ ھ میں ہوئی اسی لئے ان کو ذوالنورین کا لقب ملا، ان کے اولاد نہیں ہوئی اور ان کا وصال ۹ ھ میں ہو گیا۔

سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا ہیں جن کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ۲ ھ میں ہوئی آپ کے بطنِ مبارک سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

۱۵ رمضان ۳ھ کو اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ۵ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان دونوں سے سلسلۂ سادات جاری ہے۔ نیز دو صاحب زادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینب پیدا ہوئیں۔ آں حضرت ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

اصحابِ کبارؓ

آں حضرت ﷺ کے حسنِ اخلاق، سعی و کاوش اور تبلیغ دین اسلام کے نتیجے میں آپ کی صحبتِ بابرکت سے فیض یافتہ حضرات، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے اور وہ امت میں سب سے افضل ہیں پھر ان میں بعض انفرادی طور پر خصوصی فضائل و بشارات کے حامل ہیں ان میں دس حضرات وہ ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کے معزز ترین لقب سے یاد کیا جاتا ہے ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق بن ابی قحافہؓ قریشی
۲۔ حضرت عمر بن الخطابؓ قریشی
۳۔ حضرت عثمان بن عفانؓ قریشی
۴۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ قریشی
۵۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ قریشی
۶۔ حضرت زبیر بن العوامؓ قریشی
۷۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ قریشی
۸۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قریشی
۹۔ حضرت سعید بن زیدؓ قریشی
۱۰۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ قریشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

ان حضرات کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بحیثیت ایک بہادر سپاہی کے، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بہ حیثیت ایک فاتح سپہ سالار کے، حضرت امیر معاویہؓ بہ حیثیت ایک سیاست دان کے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بہ حیثیت فقہا اور علما کے، حضرت

ابو ہریرہؓ بہ حیثیت راوی حدیث کے اور حضرت ابوذر غفاریؓ بہ سبب اپنے زہد کے مشہور ہیں، اسی طرح السابقون الاولون کا درجہ دوسرے صحابہؓ سے افضل ہے اور فتح مکہ سے پہلے جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے والے صحابہ کرامؓ فتح مکہ کے جہاد میں خرچ کرنے والے اصحابِ کرامؓ سے افضل ہیں، غرض کہ صحابہؓ کے بعد تابعین میں پھر تبع تابعین میں، ان کے بعد آج تک ہر دور میں ہر زمانے میں ہر ملک میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے حضورِ اکرم ﷺ کا فیض جاری وساری ہے اور آپ کی امت میں بزرگ ترین افراد پیدا ہوتے رہے ہیں اور ان سے تبلیغ دین واشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، اسی سلسلے کی ایک مہتم بالشان عظیم المرتبت ہستی امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی ہیں جن کی سیرت آپ کے پیش نظر ہے۔

معجزات

ہمارے آقا حضورِ اقدس ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے، چناں چہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود فرماتا ہے:

فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۱)

پس تم اس کی مثل ایک سورۃ ہی (بناکر) لے آؤ۔

نیز آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ (۲)

اور بے شک مجھ کو وحی کا معجزہ دیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کیا ہے۔

قرآن مجید ایک عظیم اور دائمی معجزہ ہے ہر زمانے میں باقی ہے اور قیامت تک آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر بہ طریق حق ویقین شاہد ہے۔ دوسرا معجزہ آپ کے اخلاق ہیں جس کے متعلق خود حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادہ ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ٥ (۳)

یقیناً آپ بہت بڑے اخلاق کے حامل ہیں۔

۱۔ البقرہ: ۲۳

۲۔ مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۳، ص ۱۳۱ و ۱۳۲۔

۳۔ القلم: ۴

اور حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے: ''کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھے اخلاق اور عمدہ افعال کی تکمیل و تتمیم کے لئے بھیجا ہے'' (۱) نیز ارشاد فرمایا: ''مجھے دوسرے انبیا پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے:

۱۔ مجھے کلماتِ جامع دیئے گئے ہیں (یعنی جو الفاظ میں کہتا ہوں وہ مختصر اور جامع ہوتے ہیں)۔

۲۔ دشمنوں پر رعب کے ساتھ مجھے فتح دی گئی۔

۳۔ مالِ غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔

۴۔ ساری زمین میرے لئے مسجد اور (تیمم کے لئے) پاک کرنے والی بنادی گئی۔

۵۔ مجھ کو تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا۔

۶۔ نبیوں کا بھیجنا میرے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ (۲)

اسی طرح معراج شریف بھی ایک بڑا معجزہ ہے نیز چاند کے دو ٹکڑے کرنا، دست مبارک سے پانی جاری ہونا، آپ کی دعا سے بارش کا ہونا اور دستِ مبارک کا اشارہ کرتے ہی بارش کا بند ہو جانا، ایک مٹھی خاک سے جنگ کا نقشہ بدل جانا اور خیر و برکت کے بکثرت واقعات بطورِ معجزات سیرت کی کتابوں میں درج ہیں، غرضکہ آپ ﷺ کے معجزات تعداد اور کیفیت کے اعتبار سے تمام انبیا علیہم السلام کے معجزات سے کہیں زائد ہیں۔ علاوہ ازیں جو جو خوبیاں دیگر انبیاء علیہم السلام میں فرداً فرداً پائی جاتی ہیں وہ سب بہ درجۂ اتم و اکمل آپ میں موجود تھیں۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کی کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو خالقِ ارض و سما نے آپ کو بدرجۂ اتم عطا نہ فرمائی ہو:

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ ﷺ کی بعثت سے دنیا کی تاریخ اور تہذیب میں قدیم و جدید کا فرق نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری دنیا کی تاریخ کا ایک ایسا سنہری باب ہے جس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ نوعِ انسانی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ گئی، دنیا جاہلیت کے قعرِ مذلت سے نکل کر ایمان اور معرفت کی بلندیوں پر جلوہ گر ہوگئی، یہ سب حضورِ اکرم ﷺ کا طفیل ہے اس سے بڑا معجزہ دنیا کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے کاش لوگ سمجھیں اور سبق حاصل کریں۔

۱، ۲۔ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۳، ص ۱۳۱، ۱۳۲

ہمارے آقا سردارِ دو عالم فخرِ بنی آدم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پیش کرنے کی جرأت کرنا مجھ جیسے بے مایہ ناچیز انسان کے لئے بہت مشکل کام تھا لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل وکرم شاملِ حال ہوا اور یہ مختصر مضمون تیار ہوگیا، اگرچہ آں حضرت ﷺ کی شان تو اس سے کہیں بالا، بہت ارفع اور نہایت درجہ اعلیٰ ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بَلَغَ الْعُلٰے بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

۱۔ حضرت امیر المؤمنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی عبداللہ، لقب صدیق اور عتیق، کنیت ابوبکر ہے۔ والد ماجد کا نام ابوقحافہ عثمان اور والدۂ ماجدہ کا نام سلمٰی تھا۔ آپ کا نسب مبارک ساتویں پشت میں حضورِ انور ﷺ کے سلسلۂ نسب سے اس طرح مل جاتا ہے: ابوبکر عبداللہ ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ

آپ کی ولادت واقعۂ فیل سے دو سال چار ماہ بعد ہوئی۔ بہ قول جمہور آپ حضورِ انور ﷺ سے اڑھائی برس یا کچھ کم و بیش چھوٹے تھے۔ سب سے پہلے ایمان لائے آپ خود بھی صحابی ہیں آپ کے والدین بھی صحابی اور اولاد بھی صحابی ہے، یہ فخر آپ کے سوا کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں۔ بالا جماع انبیا علیہ السلام کے بعد آپ سب سے افضل ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ ﷺ میں آپ کے فضائل بہ کثرت موجود ہیں:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۱)

اگر تم لوگ نبی (ﷺ) کی مدد نہ کرو گے تو (اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جیسا کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس وقت کی جب کہ کافروں نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا (اس وقت) دو آدمیوں میں سے ایک آپ (ﷺ) تھے اور دوسرے (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے) جس وقت کہ وہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے جب کہ آپ اپنے رفیق سے فرمارہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ (کی مدد) ہمارے ساتھ ہے۔

اسی طرح احادیث شریف میں بھی بکثرت آپ کے فضائل مذکور ہیں، مثلاً حضورِ انور ﷺ کا ارشاد ہے: میری ذات پر بہت زیادہ خرچ کرنے والے یعنی میری صحبت و خدمت گزاری میں اپنا وقت اور میری رضامندی و خوشنودی میں اپنا مال بہت زیادہ خرچ کرنے والے ابوبکرؓ ہیں اگر میں (سوائے اللہ تعالیٰ کے) کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت اور اسلامی مؤدت (یہی قائم و باقی ہے اور ابوبکرؓ کے ساتھ مجھے اسلامی اخوت و مؤدت سب سے زیادہ ہے) مسجد نبوی میں آئندہ کوئی کھڑکی یا روشندان باقی نہ رکھا جائے مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی اور روشن دان کو بند نہ کیا جائے۔ (۱)

نیز ارشاد فرمایا: ''جس کسی نے ہم کو کچھ دیا ہم نے اس کو اس کا بدلہ دے دیا ہے سوائے

۱۔ التوبہ: ۴۰

ابوبکرؓ کے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایسی نیکی اور بخشش کی ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ ہی دے گا اور کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو بے شک ابوبکرؓ کو خلیل بناتا بے شک تمہارے صاحب (یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے خلیل ہیں'' (۲)۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر! آگاہ ہو کہ میری امت میں سب سے پہلا شخص تو ہوگا جو جنت میں جائے گا۔'' (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ تمام آدمیوں سے محاسبہ کیا جائے گا مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا جائے گا (۴) اور بعض احادیث میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بطور اشارہ کے وارد ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اور لوگوں کے لئے عام تجلی فرمائے گا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص تجلی، اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے یا مثلاً حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے دو وزیر آسمان پر ہیں اور دو وزیر زمین پر۔ آسمان کے دو وزیر تو جبرائیل و میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین کے وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا علیین کے رہنے والے نیچے والوں کو ایسے نظر آتے ہیں جیسے تم ستاروں کو دیکھتے ہو اور بے شک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اہلِ علیین میں سے ہیں اور وہ اسی لائق ہیں۔ (۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حکم فرمایا کہ ہم کچھ مال صدقہ کریں، میں نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کرلیا کہ میں آج حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر صدقہ کروں گا پس میں اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اپنے اہل و عیال کے واسطے کتنا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا نصف چھوڑ آیا ہوں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ اپنا کل مال لئے ہوئے تشریف لائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اپنے اہل و عیال کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور رسول کافی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی حضرت ابوبکرؓ پر سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔ (۱) اقبال کے الفاظ میں:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

۱۔ بخاری و مسلم: کتاب المناقب ۲۔ ترمذی: ابواب المناقب
۳۔ ابوداؤد ۴، ۵۔ سیرۃ الصدیق: ص ۱۲۷، ۷۱

غرض کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقتِ ضرورت اپنا تمام مال جو تقریباً چالیس ہزار درہم اور بروایتِ دیگر اسی ہزار درہم تھا آں حضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا حتیٰ کہ اپنی کمسن صاحب زادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضورِ انور ﷺ کے نکاح میں دے دیں اور تقریباً سات مسلمان مرد وعورت کو جو غلامی کے سبب کفار کے ہاتھوں سخت تکلیف اٹھا رہے تھے نہایت معقول رقم دے کر آزاد کر دیا جن میں حضرت بلالؓ بھی ہیں۔ اور آں حضرت ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال میں اسی طرح حکم فرماتے جس طرح اپنے مال میں حکم فرماتے۔ آپ سفر و حضر میں آں حضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور تمام غزوات میں بھی آں حضرت ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ وہ اسلام میں آپ کے ثانی، ہجرت کے وقت غارِ ثور میں ثانی، بدر کے دن عریش میں ثانی اور وفات کے بعد قبر میں بھی ثانی۔ اقبالؒ نے فضائلِ صدیق کو صرف ایک مصرع میں سمو کر گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے وھو ھذا

ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنت کے علم میں بھی کامل دست گاہ تھی چناں چہ اکثر مرتبہ صحابۂ کرامؓ نے آپ کی طرف رجوع کیا کیوں کہ آپ نے احادیثِ شریفہ کو از بر کر رکھا تھا اور آپ سے بڑھ کر اور کون حافظ الحدیث ہو سکتا اس لئے کہ ابتدائے رسالت سے رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے تک آپ ہمیشہ آں حضرت ﷺ کی صحبتِ بابرکت میں رہے پھر آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا اور آپ حد درجہ فہیم اور ذکی واقع ہوئے تھے۔ متعدد احادیث ایسی ہیں جو آپ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ان تمام باتوں کے باوجود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہت کم احادیث مروی ہیں چناں چہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ایک سو بیالیس احادیث جمع کی ہیں جو آپ سے مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے وصال کے بعد آپ بہت کم مدت بقیدِ حیات رہے۔ اگر کچھ مدت زندہ رہتے تو آپ کی روایات تمام صحابہؓ سے زائد ہوتیں اور کوئی حدیث ایسی نہ ہوتی جس میں آپ کی سند نہ پائی جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کرنے کی اس لئے بھی ضرورت نہیں پڑی کہ وہ خود آں حضرت ﷺ کی صحبت بابرکت میں رہتے تھے اور احادیث سنتے تھے۔ باوجود قلتِ روایت کے امہاتِ مسائل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایتیں سند ہیں۔ (۱)

۱۔ ترمذی و ابوداؤد

حضور اکرم ﷺ نے خود آپ کو اپنی جگہ امامِ نماز مقرر فرمایا اور آں حضرت ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ ہی جانشین ہوئے اور تمام مہاجر و انصار صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے برضا آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے اس فنا ہونے والی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابۂ کرامؓ نے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی بیعتِ خلافت کی اور اس بیعت سے مقصود صرف دنیاوی کام ہی نہ تھے بلکہ باطنی خوبیوں کا حاصل کرنا بھی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تقوے کا یہ حال تھا کہ زمانہ خلافت میں آپ کی اہلیۂ محترمہ نے حلوا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ گنجائش نہیں ہے۔ اہلیہ صاحبہ نے کہا اچھا آپ روزمرہ کے خرچ کے لئے مجھ کو جو دیتے ہیں اب میں اسی میں سے پس انداز کروں گی جس سے کہ حلوا خریدا جا سکے۔ چناں چہ جب اہلیۂ محترمہ نے حلوا خریدنے کے لئے بچائی ہوئی رقم ظاہر کی تو آپ نے حلوا لانے کی بجائے اس رقم کو بیت المال میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ ''یہ ہمارے نفقے سے زائد ہے''۔ (۲)

ابن ابی ملیکہؒ کا بیان ہے کہ بسا اوقات چلتے چلتے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھوٹ کر گر پڑتی تو اونٹ کو بٹھا کر خود نکیل اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ہم کو حکم کیا کیجئے ہم اٹھا دیں گے۔ فرمایا ''میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔ (۳) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبے میں کبھی انسان کی پیدائش کا حال بیان فرماتے تو ارشاد فرماتے کہ انسان دو مرتبہ مقامِ نجاست سے نکلا ہے (یعنی ایک مرتبہ صلبِ پدر سے اور دوسری مرتبہ شکمِ مادر سے) اس وقت یہ کیفیت ہوتی تھی کہ ہر شخص اپنے آپ کو نجس سمجھنے لگتا۔ (۱) نیز آپ نے فرمایا کہ ''صالحین یکے بعد دیگرے اٹھا لئے جائیں گے حتیٰ کہ ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جو آٹے کی بھوسی کی طرح بالکل بے کار ہوں اور جن سے خدائے تعالیٰ کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ (۲) نیز فرماتے تھے ''تم میں کوئی شخص کسی مسلمان کی حقارت نہ کرے، کیوں کہ ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا رتبہ رکھتا ہے ہم نے بزرگی کو تقوے میں، بے نیازی کو یقین میں اور عزت

۱۔ سیرت الصدیق　　۲۔ ابن اثیر: ج ۲، ص ۲۹۱۔ بہ حوالہ صدیق اکبر: ص ۴۳۹

۳۔ مسندِ امام احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۱۱۔ بہ حوالہ صدیق اکبر: ص ۴۳۹

کو تواضع میں پایا۔'' (۳)

آپ کے نہایت شاندار کارنامے بہ کثرت ہیں جن سے آپ کی جلالتِ شان کا اندازہ ہوتا ہے لیکن طوالت کے باعث اختصار پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''تصوفِ صدیقی'' پر ایک طویل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کمالِ طریقت کے لئے جن اوصاف و ملکاتِ نفسانی کی ضرورت ہے، مثلاً توکل، ورع، احتیاط، کفِ لسانی، تواضع، شفقت بر خلقِ خدا، رضا، نفیِ ارادہ، زہد، خشیت، عبرت، عجز و انکسار، رقتِ قلب، تحمل، فقر و درویشی یہ سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بتمام و کمال پائے جاتے تھے اور اس بنا پر آپ طائفۂ اصفیا و اہلِ طریقت کے سرخیل و امام تھے۔ (۴)

ابو السفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرضِ وفات میں صحابہؓ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ اگر رائے عالی ہو تو کسی طبیب کو بلا کر آپ کو دکھائیں۔ آپ نے فرمایا ''طبیب نے مجھے دیکھ لیا'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ طبیب نے کیا کہا؟ فرمایا یہ کہتا ہے اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ یعنی جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں''۔ (۵)

دو سال تین ماہ نو دن سریر آرائے خلافت رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو وصال فرمایا اور اپنے حبیب ﷺ کے پہلو میں گنبدِ خضرا کے اندر دفن ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا چناں چہ حضرت عمرؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ اسی پلنگ پر اٹھائے گئے جس پر رسول اللہ ﷺ کو اٹھایا گیا تھا۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کے والد ماجد مکۂ مکرمہ میں زندہ تھے، جب ان کو اطلاع ہوئی تو فرمایا افسوس بہت بڑا سانحہ ہے۔ (۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چار شادیاں کیں دو زمانہ جاہلیت میں اور دو بعدِ اسلام، زمانۂ جاہلیت کی بیبیاں قتیلہ اور ام رومان ہیں اور زمانۂ اسلام کی بیبیاں اسماء بنتِ عمیس اور حبیبہ بنتِ خارجہ ہیں۔ اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے بڑے صاحب زادے حضرت

۱۔ سیرت الصدیق: ص ۱۸۳   ۲۔ ایضاً: ص ۱۸۵

۳۔ ایضاً: ص ۱۸۱   ۴۔ ازالۃ الخفا: ج ۲ ص ۲۱ بحوالہ صدیق اکبر: ص ۴۲۸

۵۔ سیرۃ الصدیق: ص ۱۷۷

عبدالرحمٰن جو امّ رومان کے بطن سے پیدا ہوئے دوسرے صاحب زادے حضرت عبداللہ جو قتیلہ کے بطن سے اور تیسرے صاحب زادے محمد جو حضرت اسماء بنتِ عمیس کے بطن سے حجۃ الوداع کے سفر میں ذوالحلیفہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ لڑکیوں میں بڑی صاحب زادی اسماءؓ قتیلہ کے بطن سے یعنی حضرت عبداللہؓ کی بہن ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اُمِ رومان کے بطن سے تھیں، یعنی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن۔ اور تیسری ام کلثومؓ حبیبہ بنت خارجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب لڑکوں میں صرف حضرت عبدالرحمٰن و حضرت محمد رضی اللہ عنہما سے چلا، حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ (۲)

آپ کے فرمودات میں سے ہے: ''انسان کا پیٹ مال سے نہیں بھرتا، اگر بھرتا ہے تو صرف دو چیزوں سے، یا قناعت سے یا قبر کی مٹی سے۔ نیز اپنے متعلق بہ طور کسر نفسی فرمایا:

رَجُلٌ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِلَی التُّرَابِ یَعُوْدُ ثُمَّ یَاْکُلُهُ الدُّوْدُ ثُمَّ هُوَ الْیَوْمَ حَیٌّ وَّ غَدًا یَّمُوْتُ

میں ایسا شخص ہوں جو مٹی سے پیدا ہوا اور آخر کار مٹی ہی میں لوٹ کر جانا ہے پھر کیڑے کھائیں گے پھر (زندگی کیسی ناپائیدار ہے کہ) آج زندہ ہے اور کل مرا ہوا ہے۔

۲۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام مابہ تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور ابوعبداللہ کنیت ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے باطنی انتساب رکھتے ہیں۔

آپ پہلے آتش پرست تھے، چوں کہ مذہبی جذبہ آپ کے اندر ابتدا ہی سے تھا اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں نہایت سخت مجاہدات کئے۔ ایک دن راستے سے گزر رہے تھے تو اتفاق سے گرجا پر نظر پڑی اور عیسائیوں کا طریقۂ عبادت دیکھا تو اس قدر پسند آیا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ''یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے''۔ چناں چہ ان عیسائیوں سے معلوم کیا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے انہوں نے ملکِ شام کا پتہ دیا تو آپ گھر بار سب چھوڑ چھاڑ کر شام پہنچ گئے اور وہاں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا بشپ سے ملاقات کر کے کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں، مجھے اس مذہب میں داخل کرلو۔ چناں چہ آپ مجوسیت کے آتش کدے

۱۔ سیرۃ الصدیق: ص ۳۴۰　　　　۲۔ ایضاً: ص ۳۴۴

سے نکل کر عیسائیت کی آسمانی بادشاہت میں آ گئے اور یکے بعد دیگرے کئی عیسائی عالموں کی خدمت وصحبت میں رہے۔ آخر ایک عیسائی عالم نے کہا کہ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں البتہ اب اس نبیؑ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستانِ عرب سے اٹھ کر دینِ ابراہیم کو زندہ کرے گا اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

چناں چہ اس عیسائی کے مرنے کے بعد آپ عرب تاجروں کے ہم راہ وادی القریٰ پہنچے لیکن ان عرب تاجروں نے آپ کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ آپ اس کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آخر وہ وقت آیا کہ حضور انور ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت سلمانؓ نے شرف باریابی حاصل کر کے اپنی ساری سرگذشت سنائی اور آں حضرت ﷺ نے آپ کی یہ داستان بہت دل چسپی سے سنی۔ غرض کہ اس طرح اتنے مرحلوں کے بعد آپ دینِ اسلام سے ہم آغوش ہو گئے اور گوہرِ مقصود سے دامنِ مراد بھر کر کام یاب و کامران ہوئے۔ پھر آں حضرت ﷺ کی امداد سے ۵ھ میں اس یہودی کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ آزادی کے بعد غزوہ خندق پیش آیا جس میں آپ ہی مشورہ سے خندق کھودی گئی اور اس کے بعد تمام غزوات میں آپ شریک رہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے ہیں۔ چوں کہ آپ کے وقت کا بڑا حصہ آں حضرت ﷺ کی خدمت وصحبت میں گزرتا تھا اس لئے آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے اور آپ صحابۂ کرامؓ کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہِ نبوی ﷺ سے مخصوص تقرب حاصل تھا۔ آپ کی شان میں مشہور حدیث سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ ہے۔ (یعنی سلمان ہمارے اہلِ بیت سے ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ''وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے''۔ چوں کہ آپ اسلام سے قبل عرصے تک نصرانی رہ چکے تھے اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں (کلام اللہ اور انجیل) کا علم رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں آپ کو مدائن کا گورنر بنا کر پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، آپ یہ رقم لے کر فقرا میں تقسیم کر دیتے اور بوریہ بافی اور رسیاں بنا کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اسی زمانے میں یعنی دورانِ گورنری میں بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص کو مزدور کی تلاش تھی اس نے آپ کو مزدور سمجھ کر کہا کہ یہ میرا بوجھ میرے گھر تک پہنچا دو آپ نے کہا بہت اچھا اور وہ سامان اٹھا کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ آگے چل کر جب اسے معلوم ہوا

کہ یہ تو حاکمِ وقت ہیں تو پاؤں پر گر پڑا اور معافی چاہی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے مال و دولت سے بہت نوازا تھا حضرت سلمانؓ نے ان کو نصیحت کی:

یاد رکھو مال والاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے بلکہ بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے، اسی طرح ارضِ مقدس کا قیام تم کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔

وصال سے قبل آپ بہت گریہ وزاری کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تو قیامت کے دن مجھ تک پہنچنا اور ملاقات کرنا چاہتا ہے تو دنیا سے دور رہنا اور میں اب دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن میرے پاس بہت مال واسباب ہے تو میں کہیں آپ کے جمال جہاں آرا سے محروم نہ رہ جاؤں۔

حال آں کہ وفات کے وقت آپ کے پاس پانی کا ایک تھیلا (مشک) بدھنا، پالان، پوستین اور ایک کمبل کے سوا کچھ نہ تھا۔ وقتِ آخر ہوا تو پانی کا تھیلا منگوایا اور خود اپنے چاروں طرف پانی چھڑکا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو مرغِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے شاخِ طوبیٰ پر پہنچ چکا تھا۔ آپ کا مزارِ مبارک مدائن میں ہے جس کو اب ''سلمان پاک'' کہتے ہیں، آپ ہی کے نام کی نسبت سے اس جگہ کا نام سلمان پاک ہوا، یہ جگہ بصرہ کے قریب ہے۔ کہتے ہیں کہ مدائن میں آج بھی آپ کی نسل موجود ہے اور سب صاحبِ علم و کمال ہیں۔

آپ کی عمر ڈھائی سو سال اور بعض اس سے بھی زیادہ بتاتے ہیں بہر حال آپ کی وفات ۱۰ رجب ۳۳ھ یا ۳۴ھ میں ہوئی اور بعض کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غسل و کفن و دفن کے امور انجام دیئے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہم

آپ کا نام قاسم، کنیت، ابومحمد اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے محمدؒ کے فرزند ہیں۔ علمِ باطن میں آپ کا انتساب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے اور اپنے جدِ محترم کی نسبت انہیں سے حاصل کی ہے، حضرت امام زین العابدینؒ آپ کے خالہ زاد بھائی ہیں، لہٰذا آپ نے

امام موصوف کی صحبت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بھی حاصل کی۔(۱)

ابھی آپ کی عمر بہت کم تھی کہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس لئے آپ کی تربیت و پرورش آپ کی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کی اور بڑے لاڈ و پیار سے پالا۔ حضرت عائشہؓ کی ذات سرچشمۂ حدیث تھی اور حضرت قاسمؒ تو گویا آپ کے محبوب فرزند تھے لہٰذا آپ کی تربیت نے ان کو علم و عمل کا مجمع البحرین بنایا تھا۔

حضرت قاسمؒ نے حضرت صدیقہؓ کے علاوہ دوسرے اساطینِ حدیث مثلاً حضرت ابن عباسؓ ابنِ عمرؓ اور ابوہریرہؓ سے بھی پورا استفادہ کیا تھا، ان بزرگوں کے فیض نے آپ کو ممتاز حافظ الحدیث بنا دیا تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ شب کو بعد عشا اپنے احباب کے ساتھ مل کر حدیث خوانی کرتے تھے اور روایتِ حدیث کے باب میں آپ اتنے محتاط تھے کہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز ائمہ حدیث تھے، مثلاً عبدالرحمٰن بن قاسم، امام شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ یحییٰ بن سعید انصاری، سعید بن ابی ملیکہ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، امام زہری، عبیداللہ بن عمرؓ، ایوب، ابن عون اور مالک بن دینار وغیرہ۔

فقہی کمال کے باوجود آپ حدیث کی طرح فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے اور بغیر علم کے کوئی بات کہنا یا کسی مسئلے کا جواب دینا نہایت برا سمجھتے تھے فرماتے تھے کہ خدا کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کہے۔ جو مسئلہ آپ کے علم میں نہ ہوتا اس کے جواب میں بلا تکلف لاعلمی ظاہر کر دیتے۔ آپ میں جس پایہ کا علم تھا اسی درجے کا عمل بھی تھا۔

مسجد نبویؐ میں حضرت قاسمؒ کا حلقۂ درس تھا آپ کی اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کی ایک ہی مجلس تھی، آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے عبدالرحمٰن اور سالم کے بھائی عبیداللہ بن

۱۔ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو یزدجرد کی تین لڑکیاں قید ہو کر آئیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو فروخت کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیر المؤمنین! آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی بزرگ ذلت کی حالت میں ہو جائے یا غنی فقیر ہو جائے تو اس کا اکرام کرو۔ بادشاہوں کی بیٹیوں کو دوسری عورتوں کی طرح نہ بیچا جائے بلکہ ان کو اپنے پاس رکھئے جو شخص چاہے آپ کے پاس سے خرید لے۔ پھر حضرت علیؓ نے ان کی قیمت دے دی اور ان تینوں کو حسین بن علی، محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ان تینوں سے اپنے زمانے کے تین نہایت بزرگ پیدا ہوئے یعنی امام زین العابدین بن امام حسین، امام قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہم (رشحات: ص ۱۲)

عبداللہ بن عمرؓ اس جگہ بیٹھتے تھے پھر ان دونوں کے بعد اس مقام پر امام مالکؒ کی مسندِ درس بچھی۔ یہ جگہ روضۂ نبویؐ اور منبر نبویؐ کے درمیان خوخۂ (دریچہ) عمرؓ کے سامنے تھی۔

غرض کہ حضرت قاسمؒ جلیل القدر تابعین میں سے اور مدینہ طیبہ کے سات مشہور فقہا میں سے ہیں۔ بہت کم گو، کم سخن اور خاموش طبیعت تھے۔ آپ امامِ زمانہ اور یکتائے عصر تھے، بہ کثرت صحابہؓ سے آپ نے روایت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ ہم نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کو قاسم بن محمد پر فضیلت دے سکیں۔ مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ قاسم اس امت کے سات فقہا میں سے ہیں۔ ابنِ سعد نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ثقہ، عالی مرتبہ، اور متقی ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ اگر امرِ خلافت میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں قاسم کے سپرد کر دیتا۔

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم بن عبداللہ بن عمرؓ؟ آپ نے فرمایا "سالم موجود ہیں ان سے جا کر پوچھ لو"۔ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔

ستر یا بہتر سال کی عمر میں ۲۴ جمادی الاولی ۱۰۸، ۱۰۷ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا، بعض نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقام قدید میں وفات پانا اور مدفن مشلل پہاڑی پر ہونا تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم (۱)

۴۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی جعفر، کنیت ابوعبداللہ لقب صادق ہے۔ آپ امام محمد باقر ابن زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہم کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی والدہ ام فروہ رضی اللہ عنہا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی صاحب زادی تھیں، یعنی حضرت ابوبکر صدیق کی پڑپوتی تھیں اور پرنواسی بھی۔ حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم آپ کے نانا تھے۔ علمِ باطن میں آپ کا انتساب اپنے نانا قاسم بن محمد ابن ابی بکرؓ سے ہے، اسی وجہ سے آپ فرمایا کرتے تھے وَلَدَنِي اَبُوْبَكْرٍ مَرَّتَيْنِ یعنی مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوہری اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے، ایک ولادتِ ظاہری دوم ولادتِ باطنی۔ نیز آپ کو اپنے والد امام محمد باقر سے اور ان کو اپنے والد امام زین العابدین سے ان کو اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ان کو اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی باطنی انتساب حاصل ہے، اس طرح آپ دونوں نسبتوں کے جامع ہوئے۔

۱۔ ماخوذ از تابعین۔ وحضرات القدس

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ اہل بیتِ کرام میں کوئی آپ کا ہم سر نہ تھا۔ حدیث آپ کے جدِ امجد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث ہے اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا۔ چناں چہ مشہور حفاظِ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

كَانَ كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ

حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلامِ حفاظ میں لکھتے ہیں۔ حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء، عروہ، قاسم بن محمد، نافع، زہری، وغیرہ سے فیض پایا تھا۔ شعبہ، سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ، ابن جریج، ابو عاصم، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔ امام مالکؓ کا بیان ہے کہ میں ایک زمانے تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، میں نے آپ کو ہمیشہ روزہ رکھے ہوئے نماز پڑھتے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے پایا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم لوگ خصومت سے بچو، اس لئے کہ وہ قلب کو پھنسا دیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے۔

آپ کے اخلاقِ حسنہ وفتوت ظاہری تفسیر قرآن بلکہ جملہ علوم میں اسرارِ جلیلہ و اشاراتِ جمیلہ ہیں، آپ صاحب زہد و ورع کامل تھے، شہوات ولذات سے نہایت مجتنب اور سراپا ادب تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ لوگوں کو افاضہ وافادہ فرماتے بعد ازاں عراق تشریف لے گئے وہاں ایک مدت تک قیام فرمایا مگر کبھی معترض امامت نہ ہوئے اس لئے کہ جو شخص دریائے معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اس کو ایک جو برابر بھی طمع نہیں رہتی۔ حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا اے ابو سلیمان تو خود اپنے زمانے کا عابد وزاہد ہے تجھ کو میری نصیحت کی کیا حاجت میں تو خود ہی اس خیال سے لرزاں ہوں کہ میرے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ گلہ نہ کریں کہ تو نے میری پیروی کیوں نہیں کی۔ اس بات کو سن کر داؤد زار و قطار رونے لگے اور کہا کہ جس کا خمیر انوارِ نبوت سے ہو جب ان کا یہ حال ہے تو داؤد کسی شمار میں ہے۔

ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر مکھی آکر بیٹھی وہ بار بار اس کو مارتا تھا لیکن مکھی پھر آبیٹھتی تھی منصور بھگاتے بھگاتے عاجز آ گیا مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں امام موصوف پہنچ گئے، منصور نے آپ سے کہا اے ابو عبد اللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے؟ آپ نے نہایت بے باکی سے فرمایا' جابرہ کو

ذلیل کرنے کے لئے''۔

آپ کا ارشاد ہے: جو شخص اپنی قسمت کے حصے پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے۔ جو اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ جو علما سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ نہیں رکھتا وہ پشیمانی اٹھاتا ہے۔ نیز فرماتے تھے اچھا کام تین باتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا یعنی جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو۔

۸ رمضان المبارک ۸۰ھ کو مدینے میں آپ کی ولادت ہوئی اور وہیں رجب یا شوال ۱۴۸ھ کو وصال فرمایا اور جنت البقیع قبہ اہلِ بیت میں آرام فرما ہیں۔(۱)

۵۔ حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی طیفور (ابن عیسیٰ بن آدم ابن شروسان) کنیت ابو یزید اور لقب سلطان العارفین ہے۔ آپ کے دادا آتش پرست تھے پھر مسلمان ہوئے۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے اویسی طریقے پر فیض یافتہ ہیں۔ بعض کتب میں آپ کی لقائے صوری اس طرح مذکور ہے ''عن الامام علی الرضا عن الامام موسیٰ الکاظم عن الامام جعفر الصادق''۔ اس طرح آپ حضرت معروف کرخی کے پیر بھائی ہیں۔ تذکرہ الاولیا میں ہے کہ آپ نے ایک سو تیرہ مشائخ کی خدمت کی اور ان سے مستفیض ہوئے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ مادر زاد ولی تھے بچپن ہی میں تلاشِ حق کی جستجو پیدا ہو گئی تھی چناں چہ آپ استاد سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (۲) ''شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا'' تو آپ استاد سے اجازت لے کر گھر آئے اور اپنی والدۂ ماجدہ سے عرض کیا کہ ''میں دو گھروں سے تعلق نہیں نبھا سکتا، یا تو آپ مجھے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیں کہ بالکل آپ ہی کی خدمت کروں یا اللہ تعالیٰ کو سونپ دیجئے کہ بس اس کا ہو رہوں۔'' والدۂ ماجدہ نے جواب دیا ''میں نے تجھ کو راہِ خدا کے لئے چھوڑ دیا اور اپنا حق معاف کر دیا۔'' پس آپ بسطام سے باہر نکلے اور تیس سال تک شام کے جنگلوں میں ریاضت و مجاہدے کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ آپ حج کے لئے پیدل تشریف لے گئے تو بارہ سال میں اس شان سے سفر تمام کیا کہ ہر قدم پر دو رکعت نماز ادا فرماتے جاتے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے

۱۔ ماخوذ از تابعین و حضرات القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ۲۔ لقمان: ۱۴

اور مدینہ منورہ روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے اور فرمایا مدینہ طیبہ کی حاضری کو سفرِ حج کے تابع کرنا ادب کے خلاف ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راہِ توحید کی سالکوں کی انتہا بایزید کی ابتدا کے برابر ہے۔ حضرت ابو سعید ابوالخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم بایزید سے بھرے ہوئے دیکھتا ہوں مگر بایزید ہم میں نہیں ہیں یعنی وہ حق میں محو ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بڑے مشائخ اور ولی اور عارفوں کے بادشاہ، صدیقوں کے برہان، خدا کی حجت اور خلیفۂ برحق اور قطب عالم اور اوتاد کے رئیس تھے۔ آپ کے ریاضات ومجاہدات ومقامات اور کرامات بہت ہیں۔ آپ کے استغراق کا یہ حال تھا کہ ایک مرید بیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن آپ روزانہ اس سے اس کا نام دریافت فرماتے۔ آخر ایک دن مرید نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ''میں تم سے مذاق نہیں کرتا بلکہ بات یہ ہے کہ جب سے اس (اللہ تعالیٰ) کا نام دل پر غالب آیا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں۔'' آپ فرماتے ہیں کہ نماز میں سوائے کھڑے رہنے کے اور روزہ میں سوائے بھوکا رہنے کے اور کچھ میں نے نہ دیکھا جو کچھ ملا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی فضل سے ملا ہے۔

۱۵ شعبان ۲۶۱ھ کو بعمر تہتر سال بسطام میں وفات پائی اور وہیں مرقدِ مبارک ہے۔ (۲)

۶۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی علی بن جعفر اور کنیت ابوالحسن ہے، آپ کا تصوف میں بطریق اویسیت حضرت بایزیدؒ سے انتساب ہے کیونکہ آپ کی ولادت حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا انتساب حضرت بایزیدؒ سے چند واسطوں سے اس طرح ہے کہ آپ کا انتساب ابوالمظفر مولیٰ ترک طوسی سے ان کا خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ سے اور ان کا خواجہ محمد مغربیؒ سے اور ان کا شیخ بایزید بسطامیؒ سے ہے۔ منقول ہے کہ حضرت بایزید قدس سرہٗ جب خرقان سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور اس طرح سانس لیتے جیسے کسی چیز کی خوشبو سونگھتے ہیں، دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس بستی میں مردِ خدا کی خوش بو پاتا ہوں جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے، اس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی:

۱۔ اس پر بارِ عیال ہوگا

۲۔ کھیتی کرے گا

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس ومشائخ نقشبندیہ مجددیہ

۳۔ درخت لگائے گا۔

اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کو حضرت بایزید بسطامیؒ سے اس درجے تعلق و عقیدت تھی کہ آغازِ شباب ہی سے آپ کا یہ معمول تھا کہ خرقان میں عشا کی نماز جماعت سے پڑھ کر حضرت بایزید کے مزار پُر انوار پر تشریف لے جاتے اور شیخ کی روح پر فتوح سے برکات استفادات کے منتظر اور مراقب رہتے اور درگاہِ رب العزت میں التجا کرتے کہ "خدایا جو تو نے بایزیدؒ کو دیا ہے اس میں سے ابوالحسن کو بھی عطا فرما" پھر وہاں سے ایسے وقت واپس آتے کہ خرقان میں پہنچ کر صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ اپنے زمانے کے قطب اور اپنے وقت کے غوث تھے آپ ہر دم دل سے باحضور اور مشاہدۂ حق میں مشغول اور حد درجے ریاضت اور مجاہدے میں مصروف، صاحبِ اسرار و حقائق، عالی ہمت اور بزرگ مرتبت شیخ تھے۔ بارگاہِ الٰہی میں ایسا قربِ عظیم رکھتے تھے کہ اس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔

سلطان محمود غزنوی (۱) کو آپ سے کمال درجے عقیدت تھی ایک مرتبہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ سے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا "اے محمود تیری عاقبت محمود ہو" اس کے بعد محمود نے اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی، حضرت شیخ نے جَو کی روٹی محمود کے آگے رکھی اور کہا کھاؤ۔ محمود نے کھانا شروع کیا لیکن گلے میں پھنسنے لگی۔ آپ نے فرمایا شاید گلا پکڑتی ہے، محمود نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری اشرفیوں کی تھیلی بھی اسی طرح میرا گلا پکڑتی ہے، اس کو لے جاؤ

سلطان محمود غزنوی بن سلطان ناصر الدین سبکتگین ۹۷۱ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے، باپ کے انتقال کے بعد ۹۹۷ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھے، آپ بڑے دیندار فرمانبرواں تھے پوری زندگی کافروں کے خلاف جہاد کرتے گزری، اپنی اسی خوبی کی بنا پر آپ کو "بت شکن" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے، آپ نے فتوحات کے دائرے کو کافی وسیع کیا اور افغانستان کی چھوٹی سی سلطنت کو وسعت دے کر مغرب میں دجلہ، مشرق میں گنگا اور شمال میں آمو دریا کے کناروں تک پہنچادیا۔ آپ نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے جن میں سب سے اہم سومنات کا حملہ تھا اس کو سلطان محمود کا ایک عظیم کارنامہ قرار دینا بے جا نہ ہوگا۔ آپ نے سندھ میں قرامطہ کی ریشہ دوانیوں کو بھی کچل ڈالا۔ آپ کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں جن میں سے اکثر بے بنیاد ہیں۔ محمود علم اور علما کے بڑے قدردان تھے چناں چہ آپ نے اپنے زمانے میں غزنین کو علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز بنا دیا تھا۔ ۳۳ سال نہایت کامیابی اور نیک نامی سے حکومت کر کے اس مجاہد سلطان کا ۶۵ سال کی عمر میں ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء بمقام غزنین انتقال ہوا۔

کہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے۔ پھر محمود نے تبرک مانگا تو آپ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ جس کی برکت کے وسیلے سے سلطان محمود نے سومنات فتح ہونے کی دعا کی اور فتح پائی۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کون سی چیز بہتر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ ''وہ دل جس میں خدا کی یاد ہو''۔ نیز آپ کا ارشاد ہے، ''صوفیوں کی عادتیں اور رسوم اختیار کر لینے سے صوفی نہیں ہوتا بلکہ صوفی وہی ہے جو کچھ نہ ہو اور فنافی اللہ ہو۔ یہ بھی آپ کا ارشاد ہے: رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے یہ معنی ہیں کہ ہر فعل میں آپ کی پیروی کی جائے نہ کہ کاغذ سیاہ کئے جائیں۔'' نیز آپ فرماتے ہیں کہ ''فرشتے تین مقام پر اولیاً اللہ سے ہیبت کھاتے ہیں، کراماً کاتبین اعمال لکھتے وقت، ملک الموت جان نکالتے وقت اور منکر نکیر سوال کرتے وقت۔'' آپ کا ارشاد ہے ''میں نے عافیت تنہائی میں پائی اور سلامتی خاموشی میں۔''

نقل ہے کہ جب شیخ کی وفات کا زمانہ آیا تو وصیت کی کہ میری قبر گہری کھودنا کہ شیخ بایزیدؒ کی قبر سے اونچی نہ ہو۔ آپ نے ۱۵ رمضان المبارک یا شب عاشورہ ۴۲۵ھ کو خرقان میں وصال فرمایا۔ خرقان بسطام کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔

۷۔ حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی فضل اللہ بن محمد ہے اور کنیت ابو علی، اور وطن فارمد، طوس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔ اگرچہ آپ کو حضرت ابو القاسم گرگانی سے بیعت حاصل ہے مگر بہ طورِ اویسیت حضرت ابو الحسن خرقانی سے فیض حاصل کیا ہے اسی لئے شجروں میں حضرت ابو القاسم کا نام درج نہیں ہے۔ آپ علم باطن میں بڑا کمال رکھتے تھے۔

آپ نوجوانی میں حصولِ علم کے لئے نیشاپور تشریف لے گئے وہاں شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کی تعریف سنی تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا اور بہت عجیب حالات و واردات ظاہر ہوئے۔ جب شیخ ابو الخیر نیشاپور سے تشریف لے گئے تو آپ امام ابو القاسم قشیریؒ (۱) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ حالات جو آپ پر وارد ہوئے تھے بیان کئے، امام ابو القاسمؒ نے فرمایا

۱۔ ایک سلسلہ یہ بھی ہے کہ خواجہ ابو علی فارمدی کو خواجہ ابو القاسم قشیریؒ سے ان کو خواجہ ابو علی دقاقؒ سے ان کو خواجہ ابو القاسم نصیر آبادیؒ اور ابو الحسن حضریؒ سے، ان دونوں کو خواجہ ابو بکر شبلیؒ سے ان کو سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے، ان کو شیخ سری سقطیؒ سے ان کو شیخ معروف کرخیؒ سے ان کو شیخ داؤد طائیؒ سے ان کو خواجہ حبیب عجمیؒ سے ان کو امام الاولیا حضرت حسن بصریؒ سے ان کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو سرورِ دو عالم ﷺ سے اجازت حاصل ہے۔

''اے لڑکے جا تحصیلِ علم میں مشغول ہو۔''

چناں چہ آپ حصولِ علم میں تین سال تک مشغول رہے لیکن اس دوران میں بھی وہ حالات و واردات بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن آپ نے دوات میں قلم ڈال کر نکالا تو وہ سفید تھا۔ آپ نے یہ واقعہ امام ابوالقاسمؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ امام موصوف نے فرمایا جب علم نے تجھ سے ہاتھ اٹھالیا تو بھی اس سے ہاتھ اٹھالے اور طریقت کے کام میں لگ جا۔ آخر آپ مدرسے سے خانقاہ میں آگئے اور امام ابوالقاسم قشیریؒ کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ ایک دن امام موصوف حمام میں گئے آپ بھی ساتھ ہولئے اور امام موصوف کے غسل کے لئے چند ڈول پانی حمام میں ڈال دیئے جب امام موصوف غسل سے فارغ ہوکر حمام سے باہر آئے تو فرمایا یہ کون شخص تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا۔ آپ اس خوف سے نہ بولے کہ کہیں مرضی کے خلاف نہ ہوا ہو۔ آخر امام موصوف نے دوبارہ اور سہ بارہ فرمایا تو ڈرتے ہوئے عرض کیا خادم تھا۔ امام موصوف نے فرمایا اے ابوعلی! جو کچھ ابوالقاسم قشیریؒ (یعنی میں) نے ستر سال میں حاصل کیا تھا تو نے پانی کے چند ڈول میں پالیا۔ پھر آپ مجاہدے میں مشغول ہوگئے، ایک دن آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس میں گم ہوگئے آپ نے وہ کیفیت امام قشیری کی خدمت میں عرض کی، امام موصوفؒ نے فرمایا ای ابوعلی! میری رسائی اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ ابوعلی فارمدیؒ نے حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی اور تکمیلِ سلوک کے بعد خلافت حاصل کی آخر حضرت شیخ کی شفقت اتنی بڑھی کہ انہوں نے آپ کو اپنی دامادی کا شرف بھی عطا فرمایا۔

شیخ ابوالقاسم گرگانی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے خلیفہ ہیں، ان کی وفات ۲۳ صفر ۴۵۰ھ کو ہوئی اور طوس میں مزار مبارک ہے، چند واسطوں سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ سے بھی آپ کا سلسلۂ بیعت اس طرح مل جاتا ہے کہ شیخ گرگانی کو شیخ عثمان مغربیؒ سے ان کو ابوعلی کاتبؒ سے اور ان کو ابوعلی رودباریؒ سے اور ان کو سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے، اس طرح یہ سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

حضرت شیخ ابوعلی فارمدی قدس سرہٗ نہایت متقی پرہیزگار اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی سے بیعت و تربیت یافتہ ہیں، آپ کی ولادت ۴۳۴ھ اور وفات ۵۱۱ھ میں طوس میں ہوئی۔ (۱)

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ

۸۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی یوسف، کنیت ابو یعقوب ہے۔ علم تصوف میں آپ کا انتساب شیخ ابو علی فامدیؒ سے ہے لیکن شرح وصایا خواجہ عبد الخالق غجد وانیؒ میں مذکور ہے کہ آپ بلا واسطہ حضرت شیخ ابو الحسن فرقانی ۔کے مرید ہیں آپ نے شیخ عبد اللہ جوینی سے خرقہ پہنا اور شیخ حسن سمنانیؒ کی خدمت میں بھی حاضر رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے بغداد و اصفہان، عراق و خراسان اور سمرقند و بخارا میں بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا اور علمِ حدیث اختیار فرمایا۔ آپ کی پند و نصیحت سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی آپ کو فتاویٰ دینیہ اور احکامِ شرعیہ میں پوری دست گاہ حاصل تھی اور علوم و معارف میں قدمِ راسخ رکھتے تھے اور کشف و کرامات میں پورا تصرف حاصل تھا، علما و فقہا کا ایک جمِ غفیر آپ کی مجلس میں رہتا تھا۔ چناں چہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ (۱) سے (جو ابھی نوجوان تھے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو نصیحت کیا کرو۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ میں مردِ عجمی ہوں فصحائے بغداد کے سامنے کس طرح بات کروں۔ آپ نے فرمایا:

> تم کو علمِ فقہ اور اصولِ فقہ، اختلافِ مذاہب اور لغت و تفسیر قرآن میں کمال حاصل ہے اور وعظ و نصیحت کی صلاحیت رکھتے ہو اس لئے ارشاد و ہدایت شروع کرو، کیوں کہ میں تم میں ایک ایسا پودا دیکھ رہا ہوں جو عن قریب پورا درخت ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ اپنے وقت کے غوث اور پانچویں صدی کے مجدد تھے ساٹھ سال سے زیادہ سجادہ نشینی اور مسندِ ارشاد پر فائز رہے۔ آپ کی تصانیف میں زینت الحیات، منازل السالکین اور منازل السائرین ہیں۔

آپ کی ولادت ۴۴۰ھ اور وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی مزارِ مبارک شہر مرو میں ہے۔

۹۔ حضرت خواجہ عبد الخالق غجد وانی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی عبد الخالق، لقب خواجۂ جہاں، والد ماجد امام عبد الجلیل اکابر اولیا و اعاظمِ

۱۔ آپ کا لقب محی الدین اور غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں، حسنی الحسینی سید ہیں ۲۹ رشعبان ۴۷۱ھ کو جیلان میں ولادت ہوئی جملہ علوم میں کمال حاصل کیا۔ بکثرت تصانیف کیں۔ آپ کشف و کرامات میں بہت زیادہ مشہور ہیں اور آپ کا فیض بھی اس قدر پھیلا کہ باید و شاید۔ آپ کا وصال بعد نمازِ عشا ۹ ریا ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۲ھ کو بغداد میں ہوا۔

اتقیا سے تھے اور آپ امام مالکؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے شیخ امام عبدالجلیلؒ کو بشارت دی تھی کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کو میں فرزندی میں قبول کرتا ہوں اور اپنی نسبت سے اس کو حصہ دوں گا، اس کا نام عبدالخالق رکھنا۔ حوادثِ روزگار کی وجہ سے جب امام عبدالجلیل روم سے دیارِ ماوراء النہر کی طرف نکلے تو غجدوان میں جو توابعِ بخارا سے ایک بڑا شہر ہے، سکونت اختیار کی، چناں چہ خواجہ عبدالخالق وہیں پیدا ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ عبدالخالقؒ اپنے استاد مولانا صدرالدین علیہ الرحمہ سے تفسیر پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

اُدْعُوْ رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۱)

تم لوگ اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارتے رہو، بے شک حق سبحانہٗ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

تو آپ نے استاد سے پوچھا وہ کون سا طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ بیان کر رہا ہے، کیوں کہ ذکرِ جہر پر غیر شخص واقف ہو جاتا ہے اور دل سے ذکر کرے تو شیطان جو کہ انسان کی رگوں میں خون بہنے کی جگہ میں جاری ہوتا ہے وہ ذکر سے واقف ہو جاتا ہے۔ استاد نے فرمایا کہ یہ علمِ لدنی ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو کوئی ولی مل جائے گا اور سکھا دے گا۔

اس کے بعد آپ اولیائے عظام کی تلاش میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن آپ اپنے باغ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بزرگ آ نکلے، آپ ان کی تعظیم و تکریم بجالائے۔ انہوں نے فرمایا ''اے جوان میں تمہارے اندر بزرگی کے آثار پاتا ہوں اس لئے ایک سبق بتاتا ہوں تاکہ تم پر اسرار کھل جائیں، لہٰذا تم حوض میں اتر کر پانی میں غوطہ لگاؤ اور دل سے کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور فرمایا:

اے جوان! میں خضر ہوں اور تم کو اپنی فرزندی میں لینا چاہتا ہوں۔

پس آپ نے اسی طرح کیا اور اس کے بعد بہت سے عجیب و غریب اسرار آپ پر کھلنے لگے۔ کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ بخارا تشریف لائے تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیض حاصل کیا۔ اس طرح آپ کے پیرِ سبق حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور پیرِ

۱۔ الاعراف: ۵۵

صحبت وخرقہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی ہیں۔اگر چہ خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ کی طریقے میں ذکر جہری تھا لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے ذکرِ خفی تلقین فرمانے کی وجہ سے آپ نے ان کو جہر کا حکم نہ فرمایا اور فرمایا کہ جس طرح آپ کو حضرت خضرؑ نے حکم دیا ہے اسی طرح ذکر میں مشغول رہیں۔

غرض کہ آپ حلقۂ خواجگان کے سرِ دفتر اور سلسلۂ اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے سردار ہیں، طریقت میں آپ کا کلام حجت ہے اور حقیقت میں برہان، آپ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور مجتہد رئس الرئیس اور قطب زمانہ تھے۔آپ کی ولایت اس مرتبے کی تھی کہ ایک وقت کی نماز کے لئے خانۂ کعبہ کو جاتے اور واپس آجاتے تھے۔ملکِ شام میں آپ کے بہت آدمی مرید ہوئے اور وہاں خانقاہ بنائی لیکن آپ بظاہر غجدوان میں رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ کے خوف سے آپ کا یہ حال تھا کہ ہر وقت مجرم کی سی کیفیت رہتی تھی اور لرزاں و ترساں رہتے تھے،کمال درجے متبع سنت تھے اور بدعات سے سخت نفرت فرماتے تھے۔کم کھانے،کم سونے،کم بولنے اور کم ملنے کی خصوصیت سے ہدایت فرماتے تھے۔کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ نماز میں خشوع کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نمازی کے اوپر حق تعالیٰ شانہٗ کا اس قدر خوف اور ڈر غالب آجائے کہ اگر اس کے تیر ماریں تو خبر نہ ہو۔

آپ کے احوال و واقعات بہت کثرت سے ہیں من جملہ ان کے وہ آٹھ کلماتِ طیبات جن پر طریقۂ نقشبندیہ کی بنیاد ہے آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ہوش در دم یعنی خیال رکھنا کہ کوئی سانس اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے۔

۲۔نظر بر قدم: یعنی چلنے پھرنے میں نظر قدم پر رکھے تاکہ سوائے حق تعالیٰ کی حضور کے کوئی اور خیال نہ آئے۔

۳۔سفر در وطن: یعنی بری عادتوں سے صفاتِ ملکوتی کی طرف ترقی حاصل کرے۔

۴۔خلوت در انجمن: یعنی ذکر خیال ایسا پختہ ہو جائے کہ خواہ کیسی ہی مجلس میں ہو، دل مولیٰ کی یاد اور حضوری میں رہے۔

۵۔یاد کرد: یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرے۔

۶۔بازگشت: یعنی ذاکر خیال وتصور سے نفی اثبات (کلمہ طیبہ) کو طاق کی رعایت کے ساتھ چند بار ذکر کرنے کے بعد نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ زبانِ خیال سے کہے "اے خدا میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا مطلوب ہے پس مجھ کو اپنی محبت و معرفت عطا فرما۔

۷۔نگہداشت: یعنی سالک نفس کے وسوسوں اور خطروں کو ہر لحہ دور کرتا رہے اور دل کو ذکر

اللہ اور حق تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق رکھے۔

۸۔ یادداشت: یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی حضور میں دوامِ آگاہی حاصل ہو جائے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یادداشت سے آگے پنداشت و وہم ہے

یہ آٹھ کلمات حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ سے منقول ہیں ان کے علاوہ تین اصطلاحیں اور ہیں جو حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ سے مروی ہیں:

۱۔ وقوفِ زمانی: یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہوشیار و واقف رہے اور یہ ہوش دردم ہی کے معنی میں ہے۔

۲۔ وقوفِ عددی: نفی اثبات حبسِ دم کے ساتھ کرنے میں ہر سانس میں طاق عدد کی رعایت کے

۳۔ وقوفِ قلبی: ذکر کے وقت قلب پر پوری طرح توجہ رہے، یعنی ذکر کے وقت دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے طرف متوجہ نہ ہونے پائے اور بیرونی خطرات کا دل میں دخل نہ ہو۔

حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ کے وصال کے وقت جب کہ تمام اصحاب واحباب فرزند و مرید سب آپ کے گرد جمع تھے تو آپ نے فرمایا دوستو! تم کو مبارک ہو کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ مجھ سے راضی ہے اور رضامندی کی مجھ کو خوشخبری دی ہے۔ یہ سن کر سب رونے لگے اور ہر ایک نے دعا کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا دوستو! تم کو مبارک ہو کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ اس طریقہ کو جو لوگ اختیار کریں اور اخیر تک اس پر قائم رہیں ان سب کو بخش دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد غیب سے آواز آئی:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (۱)

اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف آ، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

دیکھا تو آپ رحلت فرما چکے تھے، یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ کا ہے بعض نے ۶۱۶ یا ۶۱۷ھ تاریخ وصال لکھی ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار غجدوان میں ہے۔ (۲)

۱۰۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی عارف اور وطن ریوگر جو بخارا سے اٹھارہ میل پر واقع ہے اور غجدوان سے ایک فرسنگ۔ آپ خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے اجل خلفا میں سے ہیں جو کارخانہ عرفان کے خدیو ہیں۔ خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ کے چار خلیفہ ہیں ان میں سے پہلے خلیفہ آپ ہی ہیں دوسرے خواجہ

۱۔ الفجر: ۲۷، ۲۸

۲۔ ماخوذ از حضرات القدس و حالات مش ... یہ نجذ دیہ اور نفحات الانس

احمد صدیق، تیسرے خواجہ اولیاء کبیرؒ چوتھے خواجہ سلیمان کرمیٔ۔

خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد خواجہ احمد صدیقؒ سجادہ نشین ہوئے جب تک آپ زندہ رہے خواجہ عبدالخالقؒ کے تمام خلفا اور مریدین آپ کی اتباع اور موافقت میں کوشش کرتے رہے۔ جب خواجہ احمد صدیقؒ کی وفات کا وقت آ پہنچا تو آپ نے تمام اصحاب کو خواجہٗ عارف قدس سرہٗ کی صحبت کے لئے وصیت فرمائی۔ چناں چہ حضرت خواجہ عارف ریوگری مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ متابعتِ سنت، علم وحلم اور زہد وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔ تصوف میں آپ کا ایک رسالہ ''عارف نامہ'' موسیٰ زئی (ڈیرہ اسماعیل خاں) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ آپ کا وصال یکم شوال ۶۱۶ کو قصبہ ریوگر میں ہوا۔ (۱)

۱۱۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی محمود اور مقام ولادت انجیر فغنہ ہے جو شہر بخارا سے نو میل پر واقعہ ہے اور انجیر فغنہ بخارا کے قصبہ اُمکنہ کا ایک گاؤں ہے، آپ نے قصبہ امکنہ میں اقامت فرما کر گل کاری کا پیشہ اختیار فرمایا۔ آپ کا انتساب خواجہ عارف ریوگری قدس سرہٗ سے ہے اور آپ خواجہ موصوف کے تمام اصحاب وطلبہ میں افضل واکمل ہیں۔ جب خواجہ عارفؒ کا وقت اخیر ہوا تو آپ نے حضرت خواجہ محمودؒ کو اپنا سجادہ نشین اور خلیفہ مقرر فرمایا اور ہدایت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ چناں چہ آپ سے بہت مخلوق فیض یاب ہوئی۔

حضرت خواجہ محمود قدس سرہٗ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر طالبانِ سلوک کو ذکرِ جہر کی تعلیم دینے لگے تھے چناں چہ آپ کے سلسلہ میں ذکرِ جہر کا رواج ہو گیا تھا لیکن جب حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کا زمانہ آیا اور امام الطریقہ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیعت کی تو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ آپ کو ذکرِ جہر سے منع کریں۔'' چناں چہ علمائے کرام نے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت (۲) ہے آپ ایسا نہ کریں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم آئندہ

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس وعمدۃ السلوک

۲۔ اس مسئلے میں علما کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ ذکر جہر جائز ہے، جب کہ شرائط کا لحاظ رکھے اور جہر مفرط کو قربت مقصودہ نہ سمجھے بل کہ جو مصلحتیں مشائخ نے بتائی ہیں ان کی بنا پر بغرضِ علاج کرے اور بدعت سے ان حضرات کی مراد غالباً بدعتِ طریقت ہوگی۔ مؤلف

نہیں کریں گے(۱)'' اس کے بعد بدستورِ قدیم ذکر خفی کی تعلیم جاری ہوگئی۔

خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ اس زمانے کے مشائخ میں کون ایسا بزرگ ہے جو استقامت کا مرتبہ رکھتا ہوتا کہ دستِ ارادت سے اس کا دامن پکڑوں اور اس کی پیروی کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس صفت کے بزرگ خود خواجہ محمود انجیر فغنویؒ ہیں۔ خواجہ عزیزانِ علیؒ کے بعض اصحاب نے کہا کہ وہ درویش خود خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ تھے مگر اس وجہ سے اپنا نام نہیں بتایا کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ آپ نے حضرت خضر سے علیہ السلام سے ملاقات کی ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز خواجہ عزیزانِ علی رامیتنی قدس سرہٗ خواجہ محمودؒ کے اصحاب کے ساتھ ذکر میں مشغول تھے کہ یکا یک ایک مرغ سفید رنگ ہَوا میں اڑتا ہوا اوپر سے گزرا اور بزبانِ فصیح کہا 'اے علی مردانہ رہ'' اس مرغ کو دیکھتے ہی اور اس کلمے کو سنتے ہیں تمام اہلِ مجلس غایتِ فیض سے بے ہوش ہوگئے۔ جب افاقہ ہوا تو خواجہ عزیزانِ علی سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ آپ نے فرمایا یہ مرغ روح پرفتوح حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ کی ہے اس وقت خواجہ دہقان قلتیؒ جو خواجہ اولیاء کبیرؒ کے خلیفہ ہیں ان کے سرہانے تشریف لے گئے تھے کیوں کہ ان کا وقت اخیر تھا اور انہوں نے دعا کی تھی کہ بارِ الٰہا میرے اس اخیر وقت میں اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج کہ اس کی برکت سے ایمان سلامت لے جاؤں۔ چناں چہ ان کا خاتمہ بالخیر ہوگیا۔ چوں کہ میرے حال پر فرطِ محبت تھی اس لئے اس راہ سے گزرتے ہوئے تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ محمودؒ کی وفات ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ کو ہوئی بروایت دیگر ۷۱۷ھ۔(۲)

۱۲۔ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی علی تھا چوں کہ آپ اپنے نفس کو عزیزان کہا کرتے تھے اس لئے آپ کا لقب عزیزان ہوگیا۔ آپ کا وطن قصبہ رامیتن ہے بخارا سے دو کوس پر واقع ہے۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی حاصل تھی اور ان ہی کے ارشاد پر حضرت خواجہ محمود قدس سرہٗ کے مرید ہوئے۔ خواجہ محمودؒ نے اپنے آخری زمانے میں اپنی خلافت وسجادہ نشینی آپ کے سپرد فرما دی تھی، آپ صاحبِ مقامات وکمالات اور کشف وکرامات تھے۔

۱۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ: ج ۱، ص مکتوب ۲۶۶

۲۔ حضرات القدس

شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ کے ہمعصر تھے۔ شیخ موصوف نے ایک درویش کو حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور تین سوالات کئے ایک یہ کہ میں اور آپ دونوں آنے جانے والوں کی خدمت کرتے ہیں آپ کا دستر خوان سادہ ہوتا ہے اور میرا پر تکلف مگر لوگ آپ کی تعریف کرتے ہیں اور میرے شاکی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ احسان رکھ کر خدمت کرنے والے بہت ہیں اور ان کا احسان اپنے اوپر رکھ کر خدمت کرنے والے کم ہیں، پس کوشش کیجئے کہ دوسری قسم والوں میں آپ کا شمار ہو جائے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ میں نے سنا ہے آپ کی تربیت حضرت خضر علیہ السلام نے کی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے عاشق ہوتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام ان کے عاشق ہو جاتے ہیں۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ذکر جہر کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ذکر خفی کرتے ہیں پس آپ کا ذکر بھی جہری ہوا اس لئے مسموع ہوا۔

نقل ہے کہ ایک شخص آپ کے مکان پر آیا، اتفاقاً اسوقت آپ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی اس نے کھانے کا انتظار کر کے اجازت چاہی، مہمان داری کا احساس کر کے آپ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ فوراً ہی آپ کے معتقدین میں سے ایک باورچی کھانے کا خوان لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ کو اس باورچی کا اس وقت کھانا لے کر آنا بہت پسند آیا اور نہایت خوشی خوشی مہمان کو کھانا کھلایا، اس کے بعد اس باورچی کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آج میں تجھ سے بہت خوش ہوں لہٰذا تیری جو مراد ہو وہ مانگ ان شاء اللہ تعالیٰ پوری ہو گی۔ باورچی نہایت ہوشیار تھا اس نے کہا کہ میری مراد یہ ہے کہ آپ جیسا ہو جاؤں۔ آپ نے باورچی کو ہر چند سمجھایا کہ ایسی آرزو نہ کر، یہ ایک بار عظیم ہے جس کے اٹھانے کی تجھ میں طاقت نہیں۔ لیکن اس نے عاجزی سے یہی عرض کیا کہ میری مراد تو صرف یہی ہے کہ آپ جیسا ہو جاؤں۔ آخر آپ اس کو خلوت میں لے گئے اور اس پر توجہ ڈالی، جب باہر تشریف لائے تو وہ باورچی صورت و سیرت ظاہر و باطن حضرت عزیزان علیؒ کے مشابہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کم و بیش چالیس دن تک وہ باورچی زندہ رہا بالآخر اس بار گراں کی تاب نہ لا کر انتقال کر گیا۔ (۱)

ایک مرتبہ آپ بہ اشارۂ غیبی بخارا سے خوارزم آئے اور شہر کے باہر ٹھہر گئے اور ایک درویش کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ فقیر تمہارے شہر کے دروازہ پر آیا ہے اگر تمہاری مصلحت

۱۔ بالکل اسی طرح کا واقعہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے حالات میں بھی درج ہے: مؤلف

مانع نہ ہو تو شہر میں داخل ہو ورنہ واپس ہو جائے اور درویش کو ہدایت کردی کہ اگر بادشاہ اجازت دے دے تو اجازت نامہ دستخطی مہر شدہ بادشاہ سے لیتے آنا۔ چناں چہ اس درویش نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض مدعا کیا تو بادشاہ مع درباری ہنسنے لگے کہ یہ لوگ کیسے سادہ طبیعت ہیں اور مذاق کے طور پر اجازت نامہ لکھ کر مہرِ شاہی ثبت کر کے درویش کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے شہر میں قدم رکھا اور ایک گوشے میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور روزانہ صبح کے بہ وقت دو ایک مزدوروں کی تلاش کر کے گھر لے آتے اور ان سے فرماتے کہ وضو کرو اور نماز پڑھو اور شام تک ہمارے پاس بیٹھ کر ذکر کرو، بعد ازاں مزدوری دے کر ان کو رخصت کر دیتے، لوگ بہت خوش ہوتے چناں چہ ایک ہی دن کی صحبت اور کمالِ تصرف و کرامت کی وجہ سے ان کو دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے بغیر چین نہ آتا۔ آخر کار رفتہ رفتہ اس قدر اژدہام خلائق ہوا کہ بادشاہ کو ملک میں فتنے و فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اس وہم کے تحت اس نے آپ کو اخراج کا حکم دے دیا۔ آپ نے اسی درویش کو شاہی اجازت نامہ دے کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ ہم تو آپ کی اجازت سے شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں اگر عہد کو توڑتے ہو تو ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ اور ارکانِ سلطنت بہت شرمندہ ہوئے اور آپ کی دور بینی و کمالات کے بہت معتقد ہوئے اور سب حاضرِ خدمت ہو کر مرید ہو گئے۔

نقل ہے خواجہ عزیزان علی قدس سرہٗ شہر خوارزم میں شام کے وقت سوت بیچنے والوں کے بازار میں تشریف لے جاتے اور جن لوگوں کا سوت نہ بکتا ان سے سارا سوت خرید کر گھر لے آتے اور چالیس گز کرباس (ایک کپڑے کا نام) اس طرح بُن لیتے تھے کہ خود گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر مراقبے میں مشغول ہو جاتے اور وہ چالیس گز کپڑا بغیر آپ کا ہاتھ لگے خود بہ خود تیار ہو جاتا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب نساج بھی پڑ گیا تھا۔ حضرت خواجہ موصوف اس کپڑے کو فروخت کر کے اس سے جو نفع حاصل ہوتا اس کو تین حصے کرتے، ایک حصہ علما پر صرف کرتے دوسرا حصہ فقرا پر تیسرا حصہ اپنے اہل و عیال پر۔

ایک شخص نے تمسخر کے طور پر آپ کی شان میں کہا کہ ''عزیزان علی'' ایک بازاری ہے'' یعنی سوت کی خرید و فروخت کے لئے بازار میں پھرتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یارِ عزیزان حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو زاری بہت پسند ہے پس عزیزان کیوں کہ بازاری نہ بنے۔

ایک مرتبہ چند علما خواجہ عزیزانؒ کی ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے۔ دورانِ گفتگو ایک عالم نے کہا علما پوست ہیں اور فقرا مغز۔ آپ نے فرمایا: مغز پوست کی حمایت میں رہتا ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ بالغِ شریعت کون ہے اور بالغِ طریقت کون؟ آپ نے فرمایا

کہ بالغِ شریعت وہ شخص ہے جس سے منی (مادۂ تولید) نکلے اور بالغِ طریقت وہ ہے جو منی یعنی خودی سے نکل جائے۔ یہ سن کر سائل نے عاجزی سے زمین پر سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا زمین پر سر رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو چیز سر میں ہے یعنی خودی اس کو زمین پر رکھ۔

سالک آپ کی ایک ہی صحبت میں حقیقت کو پہنچ جاتا اور حضورِ قلب حاصل کر کے واپس آتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''سالک اپنے نیک عمل کو نہ کیا ہوا خیال کرتا رہے اور ہر عمل میں اپنے قصوروار جانے۔'' نیز ارشاد فرمایا کہ ''مردہ ہے جس کو کاروبارِ دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر سکے۔'' یہ بھی فرمایا کہ بندے کو چاہئے کہ خدا سے خدا کے سوا اور کچھ نہ مانگے۔''

حضرت خواجہ عزیزان علی قدس سرہ کے خلفا میں آپ کے صاحب زادے ۱۔ خواجہ خوردؒ، ۲۔ خواجہ بابا سماسی، ۳۔ خواجہ محمد کلاہ دوز خوارزمی، ۴۔ خواجہ محمد صلاح بلخی اور ۵۔ خواجہ محمد باوردی خوارزمی ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم۔

حضرت خواجہ عزیزان علی قدس سرہٗ کا ایک سو تیس سال کی عمر میں دوشنبہ ۲۸ ذی الحجہ ۷۱۵ھ کو شہر خوارزم میں انتقال ہوا اور وہیں مزار مبارک ہے۔ (۱)

۱۳۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی محمد، لقب بابا سماسی آپ کا وطن سماس ہے جو رامیتن سے ایک کوس اور بخارا سے نو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ آپ حضرت خواجہ عزیزان علیؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں، بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ جذبات وارداتِ الٰہی کے غلبہ سے اکثر وارفتگی طاری رہتی تھی۔ جب آپ کا گزر ہوتا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کا مولد تھا تو فرماتے ''زود باشد کہ ایں قصرِ ہندواں قصرِ عارفاں گردد۔'' چناں چہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی ولادت کے تین دن بعد آپ کے جد امجد حضرت خواجہ نقشبندؒ کو لے کر حضرت خواجہ بابا سماسی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی نظرِ کیمیا اثر سے توجہ ڈالی اور فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے اور ہم نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ عن قریب یہ لڑکا اپنے وقت کا مقتدا ہوگا۔ پھر آپ نے حضرت امیر کلال قدس سرہٗ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میرے فرزند بہاؤالدین کی تربیت کرنے میں کوئی کمی نہ کرنا ورنہ تم کو معاف نہ کروں گا خواجہ امیر کلال قدس سرہٗ نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ میں اس میں حتی المقدور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب میری شادی کا زمانہ قریب آیا تو میرے جدِ بزرگوار نے مجھ کو حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا، تاکہ آپ کی قدم بوسی کی برکت سے یہ کام سرانجام ہو۔ حضرت کی خدمت میں پہنچا تو حضرت کی یہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ اسی رات مجھ میں تصرف پیدا ہوگیا تھا۔ میں رات کو اٹھا اور آپ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور سر سجدہ میں رکھا تو میری زبان سے یہ نکلا کہ اے خدا اپنی بلاؤں کے اٹھانے کی طاقت مجھ کو عطا فرما اور اپنی محبت کی محنت کی برداشت مجھے دے۔

جب میں صبح کو حضرت بابا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے فرزند یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے خدا جو کچھ تیری مرضی ہو اس پر قائم رہنے کی اس بندہ ضعیف کو اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرما۔ اور خدائے بزرگ و برتر کی مرضی بھی یہی ہے کہ بندہ بلاؤں میں مبتلا نہ ہو، اور اگر اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنی حکمت سے اپنے کسی دوست پر کوئی بلا نازل کرتا ہے تو اس کو برداشت کی طاقت بھی عطا فرماتا ہے اس کی مصلحت کو بھی ظاہر کر دیتا ہے، اپنی خواہش سے بلا کو طلب کرنا بہت بڑی گستاخی ہے۔

حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ کے خلفا میں حضرت بابا صاحب موصوف کے صاحب زادے ۱۔ خواجہ محمود سماسیؒ، ۲۔ حضرت امیر کلالؒ، ۳۔ خواجہ صوفی سوخاری اور ۴۔ مولانا علی دانشمند ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم۔

حضرت بابا صاحب کا ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ کو موضع سماس میں وصال ہوا۔

۱۴۔ حضرت خواجہ شمس الدین امیر کلال قدس سرہٗ

آپ عالی نسب سیّد تھے اور آپ کا نسب حضرت امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے، آپ کا مولد و مدفن قریۂ سوخار (۱) ہے جو بخارا سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کا پیشہ

۱۔ بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کا مزار مبارک سمرقند میں بتایا ہے اور لکھا ہے کہ آپ ہی کے گنبد میں امیر تیمور کی قبر ہے واللہ اعلم اور حضرات القدس کے حاشئے پر آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح درج ہے: سید شمس الدین خواجہ امیر کلاں قدس سرہٗ ابن امیر یعقوب بن اسمٰعیل بن محمد غوث بن عبدالسنان بن قیام الدین بن رکن الدین بن نور الدین بن عبدالخالق بن علیم اللہ بن شیخ بقا بن عبدالوہاب بن شمس الدین بن ابو اسحٰق بن ابوالحسن بن صدر الیدن بن حامد بن محمود بن احمد بن عبدالقادر بن حسین احمد بن قاسم بن زین العابدین ثانی بن محمد صالح بن امام جواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہم

زراعت تھا لیکن کوزہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ بخارا کی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں اس لئے امیر کلال کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت امیرؒ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ میرے پیٹ میں تھے اگر اتفاقاً کبھی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں چلا جاتا تو سخت درد پیدا ہوتا تھا۔ جب یہ کیفیت کئی بار گزری تو میں سمجھ گئی کہ اس درد کا سبب یہ بچہ ہے جو حمل میں ہے۔

حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کو ابتدائے جوانی میں کشتی کا شوق تھا ایک دن آپ کشتی میں مشغول تھے کہ حضرت بابا سماسیؒ کا گزر اس اکھاڑے پر ہوا اور وہ دیر تک معرکۂ کشتی کو ملاحظہ کرتے رہے، آپ کے اصحاب نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت باباؒ نے فرمایا کہ اس اکھاڑے میں ایک مرد ہے جس کی صحبت سے بہت لوگ معرفتِ حق حاصل کریں گے، میں چاہتا ہوں کہ اس کو شکار کروں اس اثنا میں امیر کی نظر حضرت باباؒ کے روئے انور پر پڑی، حضرت بابا سماسیؒ کی توجہ جاذبہ اور تصرف نے امیر کو مسخر کرلیا وہ اسی وقت ان کے ساتھ ہولئے۔ حضرت خواجہ نے اپنے گھر پہنچ کر امیر کلالؒ کو اپنی خلوتِ خاص میں لے جاکر طریقہ عالیہ کی تلقین فرمائی اور اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ بیس سال تک حضرت بابا صاحب کی خدمت میں رہ کر فیضِ صحبت حاصل کیا اور تکمیل و ارشاد کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ حضرت بابا کی وفات کے بعد بہت مخلوق آپ سے فیض یاب ہوئی۔ آپ کی وفات بروز جمعرات ۱۱ جمادی الاخریٰ ۷۷۲ھ کی فجر کی نماز کے وقت ہوئی۔

واضح ہو کہ حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کے چار فرزند اور بکثرت خلفا تھے، یہ سب صاحب حال بزرگ تھے، فرزندوں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: خواجہ برہان الدینؒ، خواجہ امیر حمزہؒ، خواجہ امیر شاہؒ، اور خواجہ امیر عمرؒ، چند خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ، مولانا عارف دیگ گرانی، شیخ یادگار اور شیخ جمال الدین دہستانی قدس اللہ اسرارہم (۱)

۱۵۔ امام الطریقہ حضرت خواجہ سیّد بہاء الدین نقشبندی بخاری قدس سرہٗ (۲)

آپ کا اسمِ گرامی محمد بن محمد ن البخاری کنیت بہاالدین اور لقب نقشبند ہے۔ ساداتِ عظام

۱۔ از حضرات القدس

۲۔ صاحب عمدۃ المقامات نے آپ کا شجرۂ نسب اس طرح تحریر فرمایا ہے" محمد بن محمد البخاری بن سید محمد بن سید جلال الدین بن سید برہان الدین خال ابن سید زین العابدین بن سید قاسم بن سید سفیان بن سید برہان بن سید قلیج بن سید محمود بن سید ایلال سید نقی بن سید صوفی بن سید محی الدین بن سید علی اکبر بن سید امام حسن عسکری علیہ وعلیٰ آباۂ الکرام والتحیۃ والرضوان۔ لیکن بعض تذکروں میں آپ کا سید ہونا درج نہیں ہے۔ واللہ اعلم

میں امام حسن عسکریؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ کمخواب بافی کے پیشے کی وجہ سے یا پہلی ہی صحبت میں سالک کے دل سے ماسوٰی کا نقش مٹا کر اللہ تعالیٰ کا نقش دل پر جمانے کی وجہ سے آپ اس لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۴ محرم ۷۱۸ھ قصرِ ہندواں میں ہوئی جو بعد میں قصرِ عارفاں کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ قصرِ عارفاں بخارا سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بچپن ہی سے آثار ولایت اور انوارِ کرامت آپ کی جبینِ مبارک سے ظاہر و آشکارا تھے۔ حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ نے ولادت کے تین دن بعد ہی آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا اور آپ کی تربیت حضرت امیرؒ کے حوالہ کر دی تھی، اس طرح بہ ظاہر حضرت امیر کلال سے فیض یافتہ تھے لیکن بہ طریق اویسیت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے مستفیض ہوئے، اس لئے آپ نے اس طریقے میں دوبارہ ذکرِ خفی جاری فرمایا۔ اگرچہ بزرگانِ سلسلہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ سے حضرت امیر کلالؒ تک ذکرِ خفی کو ذکرِ جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے۔ آپ سے پہلے بڑی بڑی ریاضتوں پر نسبت کا حصول موقوف تھا لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے نقشبندیہ طریقہ جو بالکل سہل واقرب ہے اور صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہے آپ کے ذریعے جاری ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ولایت بڑی نعمت ہے، ولی کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے تا کہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی محفوظ ہوتا ہے عنایتِ الٰہی اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفت سے اس کو محفوظ رکھتی ہے، خوارق وکرامات کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہیں کرنا چاہئے، معاملہ استقامت سے متعلق ہے، اس لئے استقامت کا طالب بن امت کا طالب نہ بن، کیوں کہ استقامت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نفس کرامت کا طالب ہے۔

نیز فرمایا کہ ہمارا طریقہ سب سے ملے جلے رہنے کا ہے، کیوں کہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے اور خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے اور خلوت وصحبت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے، کھانے پینے، کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے، قرآن شریف پڑھنے، کتابت کرنے، سبق پڑھنے، وعظ کہنے، غرض کہ پلک مارنے میں بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے تا کہ مقصود حاصل ہو۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی

شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ایک پلک مارنے کی مقدار بھی اس دوست سے غافل نہ ہو مبادا وہ نظرِ لطف کرے اور تجھ کو خبر نہ ہو۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے"(۱) نیز فرمایا کہ "میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بے شک مُوصل (اللہ تعالیٰ سے ملانے والا) ہے" اور حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ جو آپ کے پہلے خلیفہ ہیں اس معنی میں ایک بیت فرماتے ہیں

گر نشکستے دل دربان راز
قفل جہاں را ہمہ بکشادمے
اگر نہ ٹوٹتا دل رازداں کا
جہاں کے قفل میں سب کھول دیتا

رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ "یہ طریقہ اقرب اور موصل کیوں نہ ہو جب کہ انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہے۔" "وہ شخص بہت بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نہایت درجہ مستجاب الدعوات اور روشن ضمیر بزرگ تھے آپ کے حالات وواقعات اور کشف وکرامات بہت کثرت سے ہیں۔

شیخ شادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی نظر قبولیت سے مشرف ہوا تو فدائیت اور ایثار کا عالم مجھ پر آسان ہوگیا۔ میرے پاس سو دینار عدلی تھے جن کے متعلق میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ ان دیناروں کو چھپا کر رکھنا تا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ یقین کی کمزوری کی بنا پر میں نے اس رائے سے اتفاق کرلیا اور بخارا چلا گیا، وہاں سے گھر کے لئے ہر قسم کی چیزیں خریدیں۔ اس کے بعد قصرِ عارفاں حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوگیا۔ آپ نے فرمایا بخارا کیوں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کچھ کام تھا۔ فرمایا اچھا جو کچھ تم نے خریدا ہے حاضر کرو۔ میں نے سب چیزیں پیش کردیں پھر فرمایا، وہ سو دینار عدلی جو تم نے چھپا کر رکھے ہیں وہ بھی حاضر کرو۔ میں نے وہ بھی پیش کر دیئے۔ تب آپ نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا اگر تو

۱۔ مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ: ج ۱، مکتوب نمبر ۲۲۱۔

دینار چاہتا ہے تو عنایتِ الٰہی سے پہاڑ کو تیرے لئے سونا بنا دوں، لیکن ہم عالمِ فقر میں ایسی چیزوں پر نظر نہیں ڈالتے، فقیروں کی جماعت کا کارخانہ اس عالم سے الگ ہے تم کو کسی چیز کی کمی نہ ہوگی پھر کیوں جمع کرتے ہو۔

ایک درویش کا بیان ہے کہ میرے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہوتی تھی میں نے دعا کے لئے عرض کیا، حضرت خواجہؒ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک لڑکا عطا کیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑکے کے لئے آپ کا ملبوس مانگا۔ آپ نے ملبوس دینے سے انکار فرما دیا۔ آخر میں گھر واپس آیا تو دیکھا کہ لڑکا فوت ہو چکا ہے۔ میں پھر حضرت خواجہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو گزرا تھا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تو نے لڑکا مانگا وہ ہو گیا، اچھا اب حق سبحانہٗ وتعالیٰ تجھ کو دو لڑکے عطا کرے گا جن کی عمر بہت ہوگی۔ اس کے بعد میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا، کچھ عرصہ بعد وہ بیمار ہو گیا میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحت کی درخواست کی، آپ نے فرمایا اس کی علالت سے فکر نہ کرو، بیماری اور صحت تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد دوسرا لڑکا بھی تولد ہوا۔

حضرت خواجہ علاو الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے انتقال کے وقت آپ کے سرہانے سورۂ یٰسین پڑھ رہا تھا، جب نصف کے قریب پہنچا تو انوار ظاہر ہونے لگے ہم کلمہ پڑھنے میں مشغول ہوئے کہ خواجہ صاحبؒ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ تہتر سال کی عمر میں دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو وفات پائی۔ ''قصرِ عرفاں'' / ۷۹۱ھ کے اعداد سے سالِ وصال برآمد ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کے آگے یہ رباعی پڑھی جائے:

مفلسانم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمالِ روئے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر بازوئے تو

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے مریدوں میں باکمال حضرات تو بہت ہیں لیکن خلفا چار ہیں ۱۔ خواجہ علاء الدین عطارؒ، ۲۔ خواجہ محمد پارساؒ، ۳۔ خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ، ۴۔ مولانا یعقوب چرخی قدس اللہ اسرارہم۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھیں۔ (۱)

۱۔ از حضرت القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ (۱)

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد بخاری ہے، آپ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے اجل خلفا میں سے ہیں، بچپن ہی سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی نظرِ عنایت آپ پر تھی حتیٰ کہ طالب علمی کے زمانے میں ہی حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنی صاحب زادی کا آپ سے عقد کر دیا تھا اور تکمیلِ سلوک کے بعد اپنی زندگی ہی میں طالبانِ حق کی تعلیم و تربیت آپ کے حوالے کر دی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ علاؤالدین نے ہمارے بار کو بہت ہلکا کر دیا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی وفات کے بعد حضرت موصوف کے تمام مریدوں نے حتیٰ کہ حضرت خواجہ محمد پارسا نے بھی آپ کی رفعتِ شان کی وجہ سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ علمِ شریعت میں بھی کامل تھے اور اتباعِ سنت اور عزیمت پر عمل میں تو ایک خاص شان رکھتے تھے۔ علامہ سید شریف جرجانیؒ (۲) جو جامع علومِ عقلیہ و نقلیہ تھے جن کی تصانیف ہر علم و فن میں موجود ہیں فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو جیسا چاہئے تھا نہیں پہچانا جب تک کہ میں حضرت علاء الدین عطار بخاریؒ کی خدمت میں نہیں پہنچا۔''

آپ کا ارشاد ہے ''اہل اللہ کی صحبت کا دوام عقلِ معاد کی زیادتی کے باعث ہوتا ہے۔'' نیز ارشاد فرمایا کہ ''صحبت سنتِ مؤکدہ ہے ہر روز یا ایک روز کے فاصلے سے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا چاہئے اور آدابِ صحبت کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے۔'' آپ فرماتے ہیں:

> آدمی کی خاموشی تین صفتوں سے خالی نہیں ہونی چاہئے: ۱۔ اس میں خطرات سے نگہداشت ہو، ۲۔ دل کے ذکر کا مطالبہ ہو، ۳۔ ان حالات کا مشاہدہ ہو جو دل میں گزرتے ہیں۔

۱۔ چوں کہ حضرت مولانا یعقوبؒ چرخی کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے براہِ راست بیعت و خلافت حاصل ہے غالباً اسی وجہ سے مکاشفات عینیہ میں نقشبندیہ کے شجرے میں حضرت خواجہ علاء الدین کا اسم گرامی درج نہیں ہے۔

۲۔ علامہ سیّد شریف جرجانی، حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ کے خصوصی حضرات میں سے تھے ابتدا میں مدرسہ تیموریہ میں علومِ ظاہری میں معروف رہے، بعد ازاں حضرت خواجہ عطارؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے اور بلند مقامات حاصل کئے۔ آپ پر بے خودی و استغراق بہت غالب تھا۔ آپ کا انتقال ۸۲۵ھ میں ہوا۔

ایک روز علما میں دیدارِ الٰہی کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں مباحثہ ہوا اور سب نے بالاتفاق حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کو فیصلے کے لئے ثالث بنایا۔ حضرتؒ نے منکرینِ دیدار سے فرمایا کہ تم تین دن تک باوضو ہماری صحبت میں رہو۔ انہوں نے ارشاد کی بہ موجب تعمیل کی۔ تیسرے روز ان کو ایسی کوئی کیفیت ظاہر ہوئی کہ بے خود ہوگئے، نہ معلوم اس حال میں انہوں نے کیا دیکھا جس کی وجہ سے وہ ہوش میں آنے کے بعد نیاز مندی کرنے لگے اور کہا کہ کو یقین ہوگیا کہ رویتِ باری تعالیٰ حق ہے۔

آپ کے فنافی الشیخ ہونے کا یہ حال تھا کہ آپ مرض الموت میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کو موجود دیکھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کی باتوں کو سنتے تھے۔

آپ نے مرض الموت میں فرمایا حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت بشریت کے رسوم اور عادات کو مٹا دینے اور سنت کی عادت ڈالنے کے لئے تھی۔ تمام کاموں میں احتیاط اور عزیمت پر عمل کرو اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرو۔ یہ باتیں کرتے کرتے آپ نے بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھنا شروع کیا اور رحلت فرمائی بعد نماز عشا چہار شنبہ ۲۰ رجب ۸۰۲ھ کو وفات پائی۔ مزارِ پرانوار موضع جغانیاں علاقہ ماوراء النہر میں ہے اور مادۂ تاریخ ''مقرب درگاہِ باری بودہ'' ہے

۱۶۔ حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی یعقوب ہے، چرخ کے رہنے والے ہیں جو ولایتِ غزنی میں ایک گاؤں ہے۔ ابتدائی تعلیم مواضعاتِ حصار میں حاصل کی اس کے بعد جامع ہرات اور دیارِ مصر میں تحصیلِ علوم میں مشغول رہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے سلسلے میں منسلک ہونے سے پہلے ہی مجھ کو حضرت کے ساتھ اعتقاد اور خلوص تھا، تحصیلِ علوم کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے روانہ ہوا، راستہ میں ایک مجذوب ملا اس نے کہا اے یعقوب! جلد جلد قدم اٹھاؤ، وہ وقت آ گیا ہے کہ تو مقبولوں میں سے ہوگا۔ آخر میں نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو فرمایا کہ ہم خود کسی کو قبول نہیں کرسکتے اگر بارگاہِ ایزدی میں تجھ کو قبول کرلیا جائے تو ہم بھی قبول کرلیں گے۔ پس میں انتظار میں تھا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے، آخر دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا ''مبارک ہو قبولیت کے لئے اشارہ ہوگیا ہے'' اور بیعت

فرمایا۔ کچھ مدت خدمت میں رہنے کے بعد حضرت خواجہ نے اجازت عطا فرمائی اور فرمایا جو کچھ تجھ کو ہم سے ملا ہے بندگانِ خدا کو پہنچا اور تین مرتبہ یہ فرمایا ''تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔'' اس کے کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ کا انتقال ہو گیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خواب میں زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ قیامت کے دن کس عمل کی برکت سے آپ کا قرب حاصل کروں؟ فرمایا ''شریعت پر عمل کرنے سے۔''

غرض کہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کی بیعت و اجازت حضرت خواجہ نقشبندؒ سے ہے مگر تکمیلِ سلوک حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ سے ہوئی اور بہت لوگوں نے آپ سے فیوضِ باطنی کے علاوہ فیوضِ علمی بھی حاصل کیا، آپ طریقۂ نقشبندیہ کے ایک بڑے رکن تھے اور آپ سے طریقے کی بہت اشاعت ہوئی۔ علم تفسیر اور دوسرے علومِ دینیہ میں بھی آپ کی تصانیف موجود ہیں اور آپ کی فارسی تفسیر مشہور ہے جس کا قلمی نسخہ بعض لوگوں کے پاس موجود ہے۔ آپ کی وفات ۵ صفر ۸۵۱ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک موضع ہلغون مضافِ حصار علاقہ ماوراء النہر میں ہے۔ (۱)

۱۷۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی عبید اللہ ہے، ناصر الدین اور احرار لقب ہے۔ لغوی اعتبار سے احرار، حُر کی جمع ہے، اہل اللہ کے نزدیک ''حُر'' وہ ہے جو عبودیت میں درجۂ کمال پر فائز ہو اور اغیار (غیر اللہ) کی غلامی سے نکل جائے۔ بچپن ہی سے رشد و سعادت کے آثار اور قبول و عنایتِ الٰہی کے انوار آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے۔ آپ خواجہ علاء الدین عطارؒ کی خدمت میں بہت عرصہ رہے اور دوسرے مشائخ سے فیضِ صحبت حاصل کیا لیکن حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ سے تکمیل سلوک کے بعد خلافت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ اس صدی کے مجدد تھے۔ بادشاہِ وقت (۲) بھی آپ کا مرید تھا اور حضرت مولانا جامیؒ جو آپ کے خلفا میں سے ہیں وہ اپنے ایک شعر میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس۔

۲۔ حضرات القدس دفتر اول: ص ۱۹۲ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کا نام سلطان ابو سعید تھا۔

جب فقر شاہی قبا میں آیا یعنی بادشاہ نے فقر حاصل کیا تو یہ حضرت خواجہ عبید اللہؒ کی ہی تدبیر سے وقوع میں آیا۔

مگر اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ کاشت کاری پر گزارا کیا۔ آپ کے اوصاف و حالات بے حد اور کرامات و خرقِ عادات بے شمار ہیں۔ آپ کے زمانے میں شریعت و طریقت کو بہت عروج حاصل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بعض اکابر کی صحبت میں مجھ کو یہ بات حاصل ہوئی کہ جو کچھ میں لکھوں وہ نئی ہو، پرانی (قدیم) نہ ہو، اور جو کچھ کہوں مقبول ہو مردود نہ ہو۔

آپ کے پاس دنیاوی اسباب اور مال و دولت بہت تھا، چناں چہ گھوڑے باندھنے کی میخیں سونے چاندی کی تھیں لیکن آپ کے دل کو ان سے بال برابر بھی تعلق نہ تھا اور آپ فرماتے تھے کہ میخیں مٹی میں گاڑی جاتی ہیں نہ کہ عارف کی دل میں۔ نیز فرماتے ہیں کہ ذکر کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ ہمیشہ دل حاضر رہے اور وہ اس حضور سے وابستہ ہو جائے تو اس کا شمار ابرار میں ہوگا، اور اس کو حاضر مع اللہ کہہ سکتے ہیں مگر واصل مع اللہ نہیں کہہ سکتے، واصل مع اللہ اس وقت ہوگا جب اس حضور کی نسبت بھی اس سے منتفی ہو جائے اور حق سبحانہٗ کو بذاتِ خود موجود سمجھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ سیّد الطائفہ قدس سرہٗ نے کہا ہے "مرید صادق وہ ہے کہ بیس برس تک اس کی کوئی برائی کاتبِ شمال نہ لکھ سکے۔" اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرید معصوم ہو جائے اور اس مدت میں اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ فرشتہ اس کا گناہ لکھنے پائے وہ اس کی مکافات میں مشغول ہو جائے یعنی توبہ استغفار کر لے۔ (۱)

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں شیخی کروں تو جہان میں کسی شیخ کا کوئی مرید نہ رہے لیکن میرے متعلق کچھ اور کام ہے اور وہ شریعت کا رواج دنیا اور مذہب کی تائید کرنا ہے۔" اسی واسطے بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع کرتے تھے اور ان کے ذریعے شریعت کو رواج دیتے تھے۔ (۲)

نیز حضرت خواجہ احرارؒ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دیدیے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے اور اگر تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں لیکن ہماری حقیقت کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد سے نوازش فرمائیں تو ہم کچھ خوف نہیں رکھتے۔ (۳)

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس ۲۔ مکتوبات از حضرت مجدد الف ثانیؒ: ج ۱، ۶۵
۳۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ: ج ۱، مکتوب ۱۹۳

آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند میں ہوئی اور وفات شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو سمرقند میں ہوئی۔ آپ کی اولاد امجاد نے آپ کے مزار شریف پر عالیشان عمارت تعمیر کی ہے۔

۱۸۔ حضرت مولانا محمد زاہد قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی محمد زاہد ہے اور حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ کے اقربا میں سے ہیں بل کہ کہتے ہیں کہ نواسے تھے۔ آپ بچپن ہی سے اس سلسلے کے ذکر واشغال میں مشغول رہتے تھے جب آپ نے حضرت خواجہ احرارؒ کی شہرت سنی تو آپ اپنے گاؤں وخش سے جو ملک حصار میں تھا سمرقند تشریف لے گئے وہاں محلہ دانسرا میں اتر کر صاف ستھری پوشاک پہن کر حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے، ادھر اتفاقاً حضرت خواجہؒ پر ظاہر ہوا کہ مولانا زاہد ملاقات کے لئے آرہے ہیں، لہٰذا آپ بھی اسی وقت دوپہر کی گرمی کی شدت کے باوجود اونٹ پر سوار ہو کر مع مریدین مولانا کے استقبال کے لئے نکلے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں کا عزم ہے اونٹ از خود مولانا کی قیام گاہ پر پہنچ کر رک گیا۔ مولانا حضرت خواجہؒ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو بے اختیار دوڑ کر حضرت خواجہ احرارؒ کا استقبال کیا۔ حضرت خواجہؒ نے اسی پہلی ملاقات میں مولانا کو بیعت کیا اور اپنی خاص توجہ سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک کی تکمیل کرا کر خلافت کی سعادت سے نوازا۔ حضرت خواجہ کے بعض اصحاب کو آپ پر بہت رشک ہوا لیکن حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مولانا زاہد، چراغ، بتی اور تیل تیار کر کے آئے تھے ہم نے اس کو روشن کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ بندگانِ خدا کو آپ سے بہت فیض پہنچا ہے۔

آپ کی وفات غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ کو موضع وخش میں ہوئی وہیں آپ کا مزار پر انور ہے۔(۱)

۱۹۔ حضرت مولانا درویش محمد قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا محمد زاہدؒ کے بھانجے یعنی حقیقی ہمشیر زادے ہیں اور مولانا زاہدؒ کے خلیفۂ اعظم اور سجادہ نشین بھی، آپ اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھے اور علومِ ظاہری تفسیر وحدیث وفقہ وغیرہ کے نہایت فاضل تھے، اپنے حالات اور کشف وکرامات چھپانے کا بڑا التزام فرماتے

۱۔ ماخوذ از حضرات القدس

تھے، اسی لئے بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیا کرتے تھے تا کہ کسی کو آپ کے حال و کمال سے آگاہی نہ ہو۔

آپ کی شہرت کا سبب یہ ہوا کہ ایک دفعہ کامل بزرگ شیخ نور الدین خوانی قدس سرہٗ کا آپ کی بستی میں گزر ہوا جب آپ نے شیخ کے قیام کی خبر سنی تو آپ کچھ ہدیہ لے کر شیخ کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، شیخ موصوف اس وقت سادہ لباس میں بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے مولانا کو دیکھتے ہی اٹھے اور معانقہ کیا اور بہت دیر تک بغل گیر رہے، اس کے بعد مولانا کو نہایت احترام سے بٹھایا اور دستار و عبا طلب کی اور پہن کر نہایت ادب کے ساتھ دوزانو مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ مراقبے سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نے اجازت چاہی تو شیخ نے چند قدم ساتھ چل کر احترام سے رخصت کیا، اس کے بعد شیخ نے حاضرین سے پوچھا کہ طالبانِ طریقت کی ان بزرگ کے پاس بہت کچھ آمد و رفت ہوتی ہوگی؟ لوگوں نے کہا یہ تو کوئی شیخ نہیں ہیں بل کہ ایک مُلّا ہیں اور بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ سن کر شیخ نور الدینؒ کو بہت افسوس ہوا اور فرمایا یہاں کے لوگ عجب نابینا اور مردہ دل ہیں کہ ایسے درویش کامل و مکمل سے فیض حاصل نہیں کرتے۔'' اس واقعے کی شہرت کے بعد ہر طرف سے طالبانِ طریقت حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے اور کمالات کی تحصیل کرنے لگے۔

نقل ہے کہ شیخ حسین خوارزمی کُردی قدس سرہٗ زمانے کے مشائخ میں سے تھے ان کی عادت تھی کہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہاں کے مشائخ میں سے جس شیخ سے ملاقات ہوتی اس کی نسبت سلب کر لیتے، ایک مرتبہ ان کا گزر آپ کے شہر میں ہوا تو وہاں کے مشائخ ان کی ملاقات کو گئے، مولانا نے فرمایا ہم کو بھی شیخ حسین کی ملاقات کے لئے چلنا چاہئے۔ شیخ نے مولانا کے ساتھ بھی وہی عمل کرنا چاہا لیکن حضرت مولاناؒ نے شیخ مذکور کی نسبت اپنے باطن میں اندر ہی اندر سلب کر لی۔ شیخ خوارزمیؒ نے جب اپنے آپ کو خالی پایا تو بہت پریشان ہوئے اور نہایت عاجزی و انکساری سے آپ سے نسبت واپس کرنے درخواست کی اور آئندہ لوگوں کی نسبت سلب کرنے سے توبہ کی تو آپ نے ان کے حال پر رحم فرمایا اور نسبت واپس کر دی۔

آپ کی وفات بروز پنجشنبہ ۱۹ محرم الحرام ۹۷۰ھ کو موضع اِسفرہ متصل شہر سبز علاقہ ماوراء النہر میں ہوئی اور وہیں مزار مبارک ہے۔

۲۰۔ حضرت خواجہ محمد املنکی قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا درویش محمدؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ ہیں، آپ اصل طریقہ نقشبندیہ کی بہت سختی سے پابندی فرماتے تھے اور اس طریقہ میں نئی باتیں جو بعض نقشبندی بزرگوں کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھیں مثل ذکر بالجہر اور جماعتِ نمازِ تہجد وغیرہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ حضرت شاہِ نقشبندؒ کے بالکل قدم بقدم تھے۔ تیس سال تک اپنے والد کی مشیخت پر جلوہ افروز رہے۔

مہمانوں کی خدمت آپ خود کیا کرتے تھے حال آں کہ بڑھاپے کی وجہ سے دستِ مبارک میں رعشہ آگیا تھا۔ ظاہر میں بھی شانِ عظیم اور دولت وحشمت آپ کو حاصل تھی اور باطن میں بھی آپ کے فضل وکمال کا یہ عالم تھا کہ علما وفضلا اور امرا وفقرا فائدہ وفیض حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں جوق در جوق حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے کشف وکرامات آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ امرا وسلاطین آپ کے آستانے کی خاک کو سرمۂ چشم بناتے اور آپ کے حکم کے مطیع وفرماں بردار رہتے تھے چناں چہ عبداللہ خاں والیٔ توران آپ کا بہت معتقد ومرید تھا۔

نقل ہے کہ ایک شب خواجہ املنکی قدس سرہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور بہت سے خادم آپ کے ہم رکاب تھے، ایک خادم کے پاؤں میں جوتا نہ ہونے کی وجہ سے کانٹا چبھ گیا، خادم کو خیال ہوا کہ اگر حضرت مجھ کو جوتا عنایت فرماتے تو کیا اچھا ہوتا۔ حضرت خواجہؒ خادم کے اس خیال سے آگاہ ہوگئے اور فرمایا اے برادر جب تک پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا پھول ہاتھ نہیں آتا۔

نقل ہے کہ تین طالب علم مختلف ارادوں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے دو طلبہ کی حاجتیں جائز تھیں وہ حضرت نے پوری کردیں، لیکن تیسری کی حاجت ناجائز کام کے لئے تھی، اس لئے آپ نے اس سے فرمایا کہ ''درویشوں کو جو کمالات حاصل ہیں وہ صرف اتباعِ سنت کی بنا پر ہیں لہٰذا ان سے کوئی کام خلافِ شریعت صادر نہیں ہوتا۔'' اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے پاس امرِ مباح کے لئے بھی نہیں آنا چاہئے اس لئے کہ درویش ان کاموں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور آنے والے کا اعتقاد برگشتہ ہوجاتا ہے اور وہ درویشوں کی صحبت کے برکات سے محروم رہ جاتا ہے درویشوں کے نزدیک کرامتوں کا کوئی اعتبار نہیں، ان کے پاس خالصتاً لوجہ اللہ آنا چاہئے تاکہ فیضِ باطنی کا کچھ حصہ مل سکے۔(۱)

۱۔ حضرات القدس

آپ کی ولادت ۹۱۸ھ اور وفات ۱۰۰۸ء میں موضع امکنہ میں ہوئی جو بخارا سے تین میل پر واقع ہے

۲۱۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی رضی الدین محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی باللہ ہے اور آپ کو خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں۔ آپ کے والد قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی قریشی کابل کے مشہور عالم باعمل اور صاحب وجد و حال بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء (۱) میں کابل میں پیدا ہوئے، آپ کے نانا صاحب کا سلسلۂ نسب شیخ عمر یاغستانی تک پہنچتا ہے جو حضرت خواجۂ احرار کے نانا تھے اور آپ کی نانی صاحبہ خاندانِ سادات سے تھیں (۲) بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کو صحیح النسب سیّد لکھا ہے۔ (۳)

بچپن ہی سے بزرگی و تقدس اور ہمت و تفرید کے آثار آپ کی پیشانی نورافشاں سے ظاہر تھے، جب پانچ سال کی عمر ہوئی تو خواجہ سعد کے مکتب میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے گئے، آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ فرمالیا اور اس عرصہ میں نماز روزے کے ضروری مسائل بھی یاد کرلئے، پھر دس سال کی عمر میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کر کے مولانا صادق حلوائی سے جو کابل کے مشہور علما میں سے تھے تلمذ اختیار کیا، ان ہی کے ہمراہ ماوراالنہر تشریف لے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے شاگردوں میں ممتاز درجہ حاصل کرلیا اور تیس سال کی عمر میں کمالِ علمی حاصل کر کے اہلِ علم میں شہرت حاصل کرلی۔

زمانۂ طالب علمی میں بھی آپ اولیائے وقت کی صحبت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب کمالاتِ باطنی فرماتے تھے اور اسی طلب و جستجو میں تمام ماوراالنہر، بلخ، بدخشاں اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔ اکثر گوشۂ خلوت میں مراقب ہو کر تمام تمام دن متوجہ الی اللہ رہتے، لاہور کے قیام میں آپ کی وارفتگی انتہائی درجے تک پہنچ گئی، یہاں آپ جنگلوں، پہاڑوں،

۱۔ بعض نسخوں میں ۵ ذی الحجہ ۹۷۱ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۵۶۴ء درج ہے۔

۲۔ حضرات القدس

۳۔ حیاتِ باقی میں آپ کا شجرۂ نسب اس طرح درج ہے: حضرت خواجہ باقی باللہؒ بن قاضی عبدالسلام بن قاضی عبداللہ بن قاضی اکبر بن حسین بن حسن بن محمد بن احمد بن محمود بن عبداللہ بن علی اصغر بن جعفر زکی خلیل بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

ویرانوں اور قبرستانوں میں 'مردِ کامل' کی تلاش میں پھرتے رہتے، آپ کیچڑ، دلدل اور ایسے ناقابلِ عبور مقامات سے گزرتے تھے جہاں کوئی آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اسی صحرانوردی میں آپ کو ایک مجذوب ملا جس کو آپ نے پسند فرمایا اور اس کی صحبت میں رہنے کی کوشش کی مگر وہ آپ سے دور بھاگتا تھا اور آپ کو دیکھ کر سب وشتم پر اتر آتا، کبھی آپ پر پتھر پھینکتا اور کبھی ناراض ہو کر کسی اور جگہ بھاگ جاتا مگر خواجہؒ اس کے تنفر سے قطعاً نہ گھبراتے اور اس کے پیچھے لگے رہتے، آخر کار ایک دن اسے رحم آیا اور حضرت خواجہؒ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو اپنے پاس بلا کر آپ کے حصولِ مقصد کے لئے دعا کی۔ آپ کو اس مجذوب کی دعا و نظر توجہ سے بہت فوائد حاصل ہوئے۔

آپ کی بے قراری کا احساس کر کے آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کے لئے دن رات دعائیں کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے روحانی مقصد کی جلد تکمیل فرمائے۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں اگرچہ ہم نے اتنی ریاضاتِ شاقہ نہیں کی جتنی کہ بعض اولیائے کرامؒ نے کی ہیں لیکن انتظار، بے قراری ور بے تابی بہت برداشت کی ہیں جو بہت سی ریاضتوں پر مشتمل ہیں۔

آپ کا ایک مخلص بیان کرتا ہے کہ قبل ازیں کہ آپ ہندوستان سے ماوراءالنہر روانہ ہوں، ایک روز لاہور کی ایک مسجد میں نمازِ فرض ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے، اثنائے نماز میں آپ کے سینے سے ایک رقت انگیز آواز سنائی دی، اہلِ صف حیران ہو گئے کہ یہ کیسی آواز ہے، نماز سے جلد فارغ ہو کر آپ گھر چلے آئے اور پھر دو تین آدمیوں کو جمع کر کے گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ نیز اسی مخلص کا بیان ہے کہ چوں کہ اکثر آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں نے نماز میں دیکھا کہ آپ باوجودے کہ رو بہ قبلہ ہیں لیکن پیچھے سے ہماری طرف بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس حالت کے مشاہدے سے میرے بدن میں رعشہ طاری ہو گیا اور جلدی جلدی نماز پوری کی۔ بعد نماز جو کچھ مشاہدہ ہوا تھا وہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کسی سے افشائے راز نہ کرنا۔ مولانا ہاشم کشمی قدس سرہٗ ان دونوں واقعات کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ یہ دونوں مذکورہ بالا واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ کو خواجۂ عالم سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کمال مناسبت و تبعیت حاصل تھی، کیوں کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نماز میں جوشِ سینۂ انور ﷺ کی آواز دور تک سنائی دیتی تھی اور یہ آں حضرت ﷺ کے خصائص سے تھا کہ آپ پیچھے بھی اس طرح دیکھتے تھے جس طرح آگے دیکھتے تھے۔ (۱)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۲۰،۱۱

ان حالات وکمالات کے باوجود آپ اپنی عالی ہمتی اور تجرید وتفرید کی وجہ سے مسندِ مشیخت پر نہیں بیٹھے بلکہ تصحیح احوال کے لئے ماوراء النہر اور بلخ وبدخشاں تشریف لے گئے۔

خواجہ امکنگیؒ سے بیعت

اگر چہ مختلف بزرگوں سے آپ تصوراور روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکے تھے اور آپ کو اویسی طریقے پر بہ راہِ راست حضرت رسالت مآب ﷺ کی روحانیت سے تربیت حاصل تھی اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی روحانیت سے بھی تربیت وفیض حاصل ہورہا تھا، تاہم منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے کسی بزرگ کے دست حق پرست پر ظاہری بیعت حاصل کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے آپ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ نہایت محبت اور تواضع سے پیش آئے اور آپ سے تمام گذشتہ حال واحوال دریافت فرما کر بیعت فرمایا، پھر ہر دو خواجگان رحمہم اللہ تین شبانہ روز خلوت میں رہے اور آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچا کر خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور بعض مزید فوائد پر آپ کو مطلع فرما کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی روحانیت سے آپ کا مقصد پورا ہوگیا، اب آپ پھر ہندوستان جائیں تاکہ وہاں آپ کے ذریعے اس سلسلۂ عالیہ کی ترویج پوری رونق کے ساتھ ہو اور وہاں کے استفادہ کرنے والے عالی قدر حضرت آپ کی برکت وتربیت سے مستفید ہوں۔

حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب مجھے ہندوستان جانے کا حکم ہوا تو میں نے اپنے آپ کو اس کام کے لائق نہ پاکر عاجزی ظاہر کی اور اپنی خامی کے عذرات پیش کئے گئے مگر حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ نے اصرار فرمایا اور استخارہ کرنے کا حکم دیا، چناں چہ استخارہ بھی آپ کے حکم کے مطابق نکلا۔ یعنی جب میں نے استخارہ کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ٹہنی پر طوطا بیٹھا ہے میں نے خیال کیا کہ اگر یہ طوطا خود بخود میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جائے تو میں اپنا یہ سفر بامراد سمجھوں گا، اس خیال کے آتے ہیں وہ طوطا اڑ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھا۔ میں نے اپنا آب دہن اس کی چونچ میں ڈالا اور اس طوطے نے میرے منہ میں شکر ڈال دی۔

جب صبح کو یہ واقعہ میں نے حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا آپ کو ہندوستان جلدی جانا چاہئے، کیوں کہ طوطا ہندوستان کا پرندہ ہے یقیناً کوئی مردِ

خدا ہندوستان میں آپ کے دامنِ تربیت سے فیض حاصل کرے گا اس سے ایک عالم منور ہوگا آپ کو بھی اس سے باطنی فائدہ پہنچے گا۔ اس واقعے سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ حضرت مجدّ الف ثانی علیہ الرحمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۱)

حضرت خواجہ کا سفرِ ہند

غرض کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اپنے شیخ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کابل ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے اور ایک سال تک لاہور میں قیام فرمایا وہاں بہت سے علما وفضلا وامرا آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے، پھر وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ لاہور سے دہلی تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں ایک عاجز ودرماندہ شخص پر آپ کی نظر پڑی جو کہ پیدل جارہا تھا آپ نے گھوڑے سے اتر کر اس شخص کو گھوڑے پر بٹھادیا اور خود منزل تک پیدل سفر کیا اور چادر سر پر ڈال لی تاکہ کوئی جاننے والا آپ کے اس عملِ خیر سے واقف نہ ہوجائے۔ جب منزل کے قریب پہنچے تو پھر گھوڑے پر سوار ہوگئے تاکہ یہ کارِ خیر پردۂ خفا میں رہے۔(۲)

دہلی میں قیام

چوں کہ سارے ہندوستان میں دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور یہ شہر ہمیشہ سے اولیائے کرامؒ کا مستقر رہا ہے اس لئے آپ دہلی پہنچ کر قلعۂ فیروز آباد میں مقیم ہوگئے جو اس زمانے میں دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا اور نہایت دلکش اور پرفضا مقام تھا اس قلعے کی مسجد نہایت عظیم الشان تھی مگر اب ویران ہوگئی ہے، آپ نے خاص اس مسجد میں قیام فرمایا اور وفات تک وہیں سکونت پذیر رہے۔(۳)

دہلی پہنچنے کے بعد روحانی حلقوں میں بہت جلد آپ کی شہرت ہوگئی اور دور دراز سے طالبانِ حقیقت آپ کے پاس رشد وہدایت کے لئے حاضر ہونے لگے۔ بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے معتقد ہوگئے تھے، چناں چہ شیخ فرید بخاری، عبدالرحیم خانخاناں، مرزا قلیچ خاں، صدر جہاں وغیرہ آپ کے معتقد ونیاز مند تھے، لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ کے مکتوبات میں صرف شیخ فرید بخاری

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۰۴، ۱۴۱ ۲۔ زبدۃ: ص ۲۰، ۲۱

۳۔ زبدۃ المقامات

نواب مرتضیٰ خاں کا ذکر ہے اور بس۔ان سب امرا کے ذریعے آپ اکبر بادشاہ کی ملحدانہ پالیسی کے برے اثرات دور کرنے کی کوشش فرماتے تھے آپ اپنے مکتوبات میں ان امرا کو شریعت اور سنتِ نبویؐ کی پابندی کی بار بار نصیحت فرمائی ہے اور انہیں اسلامی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔

آخر وہ وقت آیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۵۹۹ء میں سرہند شریف سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے، جب آپ دہلی پہنچے اور آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے روحانی بلند مقامات کا علم ہوا تو آپ حضرت خواجہٗ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت خواجہ صاحب نہایت بشاشت اور مہربانی سے پیش آئے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی درخواست پر آپ کو بیعت فرمالیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو دہلی آنے کے بعد رشد و ہدایت کی تبلیغ کے لئے صرف پانچ چھ سال ہی میسر آئے، اس تھوڑی سی مدت میں آپ نے بندگانِ خدا میں ایسا تصرف فرمایا کہ ہزاروں انسان آپ سے فیض یاب ہوئے اور اکثر مشائخ وقت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درجاتِ ولایت میں مزید ترقیاں حاصل کیں، اس طرح آپ کے انوار و برکات تمام روئے زمین پر جلد پھیل گئے۔ جب حضرت مجددؒ الفِ ثانیؒ آپ سے فیض یاب ہوگئے تو آپ نے اپنے تمام مریدوں کی تعلیم و تربیت حضرت مجددؒ الفِ ثانیؒ کے سپرد فرمادی اور آخری سال میں بالکل گوشہ نشین ہوگئے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی غلبہ عشقِ الٰہی کا یہ حال تھا کہ جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگتا اگر ہوش میں رہتا تو اشکباری کرتا ورنہ بے ہوش ہو جاتا اور اس کو دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہتی۔ایک مرتبہ ایک فوجی افسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا گھوڑا دروازے کے باہر خادم کے سپرد کر کے اندر آ گیا، آپ اس وقت کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے تھے جب اندر آنے لگے تو آپ کی نظر اس خادم پر پڑ گئی جو گھوڑا سنبھالے ہوئے تھے۔ آپ کی نظر پڑتے ہی اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ گھوڑے کو چھوڑ کر کپڑوں کو پھاڑ کر چیختا چلاتا دیوانوں کی طرح نکل گیا، تھوڑی دیر کے بعد اسے تلاش کیا گیا مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں آپ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے، اس وقت خطیب منبر پر گیا تو اتفاقیہ اس کے چہرے پر آپ کی نظر پڑ گئی اور نظر سے نظر مل گئی بس وہ اسی وقت کلیجہ تھام کر رہ گیا اور بے قرار ہو کر نیچے گر پڑا، اس کے بعد اس میں خطبہ پڑھنے کی طاقت نہ رہی

دوسرے خطیب نے خطبہ پڑھا اور آپ نے نماز پڑھائی۔(۱)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی کشف و کرامات بہت زیادہ ہیں اور آپ کی توجہ نہایت پر تاثیر تھی چناں چہ اس سلسلے میں نانبائی والا واقعہ بہت مشہور اور زبان زدِ ہر خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر عزیزی پارۂ عم میں سورۂ اقرأ کی تفسیر میں اس واقعے کو اس طرح تحریر فرمایا ہے:

از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ منقول است کہ روزے در خانۂ ایشاں چند کس مہمان شدند و ماحضر موجود نہ بود، اوقاتِ حضرت خواجہ در فکرِ ضیافتِ مہماناں مشوش شدہ در تلاشِ ماحضر شدند، اتفاقاً نانوائی متصل بخانۂ ایشاں دوکان داشت، بریں تشویش مطلع شدہ ایک قرص نان خوب پختہ با نہاری مکلف و مرغن بخدمتِ ایشاں آورد، وقت ایشاں بایں سلوکِ او بسیار خوش شد، فرمودند بخواہ چہ میخواہی، او عرض کرد کہ مرا مثلِ خود سازید، فرمودند تحمل ایں حالت نمی تواں کرد چیزے دیگر بخواہ، او بر ہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض فرمودند، تا آنکہ لجاج او بسیار شد، ناچار اورا در حجرہ بردند تاثیرِ اتحادی بروے کردند، چوں از حجرہ برآمدند درمیانِ خواجہ و درمیانِ نانوائی درصورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود و مردم امتیاز مشکل افتاد، ایں قدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و آں نانوائی مدہوش و بے خود، آخر بعد سہ روز ہمیں حالتِ سکر و بے ہوشی قضا کرد، رحمہ اللہ علیہ۔ (۲)

آپ نہ صرف انسانوں پر رحمت و شفقت فرماتے تھے بلکہ جانوروں پر بھی بے حد شفیق تھے چنانچہ ایک شب آپ تہجد کے لئے اٹھے تو ایک بلی آ کر لحاف پر سوگئی۔ جب آپ نے نمازِ تہجد سے فارغ ہوکر بستر پر تشریف لائے تو بلی کو لحاف پر سوتے دیکھا اس وقت آپ نے ازراہِ شفقت بلی کو نہیں جگایا اور خود صبح تک بیٹھے موسم سرما کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں کہ یہ ذہن نشین رہے کہ دل کو اطمینان، یکسوئی اور حضور قلب اس وقت

۱۔ حیات باقی

۲۔ اس نانبائی کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مزار مبارک کے قریب ہے اور لوح مزار پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:۔ ''مزار خواجہ حسن، خلیفہ و نانبائی حضرت خواجہ باقی باللہؒ۔ بالکل اسی طرح کا واقعہ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی کے حالات میں کتاب ہذا میں ص ۱۰۷ پر درج ہے۔

حاصل ہوتا ہے جب بہ قدرِ ضرورت صرف پاکیزہ اور حلال کھانا کھایا جائے اور بیہودہ گو اور دنیا کے طالبوں سے میل جول ترک کر دیا جائے۔ اگر تم ہزار سال ذکر کرتے رہو اور تمہارا کھانا حلال مال کا نہیں ہے تو تمہارا روحانی مقصد کبھی حاصل نہیں ہوگا۔

وصال

بروز شنبہ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ عصر کے بعد اپنے مکان واقع کوٹلہ فیروز شاہ میں آپ بلند آواز کے ساتھ اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور دو تین گھڑی کے بعد عالمِ قدس میں پہنچ گئے۔ ''نقشبند وقت'' اور ''بحرِ معرفت بود'' سے تاریخِ وفات نکلی ہے آپ کا مزار پرانوار قبرستانِ قد شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، وصیت کے مطابق آپ کے مزار پر چھت یا گنبد نہیں بنایا گیا صرف جالی کی چاردیواری ہے

آپ کی دو ازواجِ مطہرات تھیں اور دونوں سے ایک ایک صاحب زادے کی ولادت ہوئی، بڑے صاحب زادے حضرت خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں اور چھوٹے صاحبزادے خواجہ عبداللہ عرف خواجہ خورد تھے۔ غالباً دو صاحب زادیاں بھی ہوئیں۔ لیکن مولانا نسیم احمد امروہوی نے ماہنامہ ''الفرقان'' بماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۲ھ میں ''اسراریہ'' کے حوالے سے تمام تذکرہ نویسوں کے خلاف خواجہ عبید اللہ کو خواجہ خورد اور خواجہ عبداللہ کو خواجہ کلاں ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم

آپ کے خلفا میں حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، شیخ تاج الدین سنبھلیؒ خواجہ حسام الدین احمدؒ مشہور ہیں۔ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کی
حیاتِ مبارکہ

ولادت باسعادت

منقول ہے کہ حضرت امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ السامی نے بوقتِ مسعود شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء برج حمل سے مطلع شہر سرہند میں طلوع فرمایا اور اپنے انوارِ جہاں آرا سے عالم و عالمیان کو منور فرمایا۔ آپ کا سنہ ولادت لفظ ''خاشع'' سے نکلتا ہے۔ لقب بدالدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔

سیاسی اور ملکی حالات کا جائزہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ہندوستان میں مغلیہ خاندان کے دو بادشاہوں کا دور دیکھا ہے، پہلا بادشاہ شہنشاہ اکبر (عہد حکومت از ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ تا ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) دوسرا شہنشاہ جہانگیر (عہد حکومت از ۱۰۱۴/۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) نیز اس وقت دکن کے علاقے میں پانچ چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں بیدر کا حکمران خاندان برید شاہی سے تھا برار میں عماد شاہیوں کی حکومت تھی، احمد نگر میں نظام شاہی خاندان حکمران تھا، گولکنڈہ اور بیجاپور میں علی الترتیب قطب شاہیوں اور عادل شاہیوں کا سکہ چلتا تھا۔

علاوہ ازیں بیرون ہند اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت خلافت عثمانیہ تھی جو ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچی ہوئی تھی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک رشتے میں منسلک کئے ہوئے تھی۔ اس میں یورپ کا بہت بڑا حصہ، مصر و شام، عراق و فلسطین اور جزیرہ نما عرب شامل

تھے۔ البتہ صرف ایران میں اس وقت صفوی خاندان حکمران تھا۔

ولادت سے متعلق واقعات

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت بعض عجیب واقعات ظہور میں آئے، جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں:

آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند شیخ احمدؒ کی ولادت کے بعد مجھ پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ بہت سے اولیائے امت میرے گھر میں تشریف فرما ہیں اور مجھے مبارک باد دے رہے ہیں۔ نیز آپ کے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے فرزند کی ولادت کے دن حالتِ کشف میں دیکھا کہ حضور انور ﷺ تشریف فرما ہیں اور شیخ احمد نومولود کے کانوں میں اذان اور تکبیر کہہ رہے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ شیخ عبدالعزیزؒ آپ کی ولادت کے دن سرہند شریف میں موجود تھے آپ نے وہاں کشفی حالت میں ملائکہ کا ہجوم دیکھا۔(۱)

بچپن کی بعض خصوصیات

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو شروع ہی سے کمال درجے اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائی تھی، چناں چہ آپ سنت کے مطابق مختون پیدا ہوئے اور عام بچوں کی طرح کبھی ننگے نہ ہوتے اگر بول و براز کے موقع پر اتفاقاً کبھی آپ کا بدن ننگا بھی ہو جاتا تو بڑی جلدی بدن کو ڈھانپ لیتے، آپ کبھی نہ روتے ہر وقت خوش و خرم اور خنداں رہتے۔(۲)

حضرت شاہِ کمالؒ سے کسبِ فیض

ایک مرتبہ آپ زمانۂ رضاعت میں علیل ہوگئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ کو دعا کرانے کی غرض سے لے کر آئے انہوں نے دم کرنے بعد بہت دعائیں دیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کرے، یہ تو عالمِ باعمل عارفِ کامل ہے، بزرگوں کی بڑی تعداد اس سے فیض حاصل کرے گی اور تا قیامِ قیامت اس

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۵۴ تا ۵۸۔ سیرت امامِ ربانی

۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۵۹

کی ہدایت و ارشاد کا نور روشن رہے گا، یہ بدعت و گمراہی دور کرے گا اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو زندہ کرے گا وغیرہ۔ بعد ازاں حضرت شاہ کمالؒ نے فرطِ محبت ہی اپنی زبانِ مبارک آپ کے دہنِ مبارک میں دے دی تو حضرت مجددِ الف ثانیؒ نے شاہ صاحبؒ کی زبان کو خوب چوسا اور اپنے منہ میں دبائے رکھا، آخر حضرت شاہ کمالؒ فرمانے لگے کہ بابا بس کرو اتنا ہی کافی ہے کچھ ہماری اولاد کے لئے بھی چھوڑ دو تم نے تو ہماری نسبت ساری ہی کھینچ لی۔(۱)

زمانۂ تعلیم

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو ابتدا میں جب مکتب میں بٹھایا گیا تو آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ بعد ازاں اپنے والد ماجد سے تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے اور یہ علوم بھی جلد ہی حاصل کر لئے۔ حضرت مخدومؒ کی توجہ کی برکت سے ایسی فتح و کشادگی حاصل ہوئی کہ بڑے بڑے دقیق مسائل کو آپ بآسانی حل فرمایا کرتے اور جہاں کہیں دقیق عبارت ہوتی تو آپ اسے نہایت وضاحت کے ساتھ حل کر کے حاشئے پر تحریر فرما دیتے، غرض کہ اکثر علوم تو آپ نے اپنے والد ماجد ہی سے پڑھے اور بعض اس زمانے کے علما کبار سے بھی حاصل کئے ہیں، چناں چہ مولانا کمال الدین کشمیری (۲) کی خدمت میں معقولات کی چند مشکل کتب عضدی وغیرہ پڑھیں، جو کہ اپنے زمانے کے اکابر علما میں سے تھے اور صاحبِ تحقیق و تدقیق و صاحبِ ورع و تقویٰ تھے نیز مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے استاد بھی تھے۔ اور بعض کتب احادیث شیخ یعقوب کشمیریؒ (۳) کی خدمت میں پڑھیں اور یہ شیخ یعقوب کشمیری، شیخِ معظم وقطبِ مکرم شیخ حسین خوارزمی کے خلفا

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۵۹

۲۔ حضرت مولانا کمال کشمیری متوفی ۱۰۱۷ھ علوم ظاہری اور کمالاتِ باطنی میں اسم بامسمّٰی تھے، سیالکوٹ اور لاہور میں عرصے تک آپ کا درس جاری رہا، اور بکثرت مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہری و باطنی علوم سے مستفید ہوتی تھی حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور علامی سعد اللہ (وزیر شاہ جہاں بادشاہ) آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۳۔ مولانا شیخ یعقوب کشمیری کے والد خواجہ حسن عاصمی کشمیر کے امرائے سلطنت میں سے تھے ۹۲۸ھ میں شیخ یعقوب پیدا ہوئے حفظِ قران اور تحصیل علوم کے بعد تلاش مرشد میں شیخ حسین خوارزمی کی خدمت میں سمرقند حاضر ہوئے۔ شیخ نے آپ کو بعد تکمیل خرقۂ خلافت عطا فرما کر کشمیر رخصت کر دیا۔ پھر اکبر بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بعد ازاں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے بکثرت تصانیف کیں۔ جمعرات ۱۲ ذیقعد ۱۰۰۳ھ کو بمقام کشمیر وفات پائی۔ خزینۃ الاصفیا: ص ۹۷۵

میں سے تھے اور انہوں نے حرمین محترمین کے کبار محدثین امام ابنِ حجر مکی و عبدالرحمٰن بن فہد مکی وغیرہ سے حدیث پڑھی تھی کہا گیا ہے کہ حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ نے ان سے طریقہ کبرویہ میں بیعت کر کے طریقہ بھی حاصل کیا۔اور تفسیر واحدی و دیگر مؤلفاتِ واحدی مثل بسیط و وسیط و اسبابِ نزول اور تفسیر بیضاوی و دیگر مصنفاتِ بیضاوی مثل منہاج الوصول و غایۃ القصویٰ وغیرہ اور صحیح بخاری و دیگر مصنفاتِ امام بخاریؒ مثل ثلاثیاتِ امام بخاریؒ و ادب المفرد و افعال العباد و تاریخ وغیر ذالک اور مشکوٰۃ تبریزی، شمائلِ ترمذی، جامع صغیر سیوطی، قصیدۂ بردہ شیخ سعید بوصیری اور حدیثِ مسلسل کی روایت و اجازت مع اسناد جس کی سند آگے آتی ہے عالمِ ربانی قاضی بہلول بدخشانیؒ سے حاصل کی۔ اور قاضی بہلول بدخشانیؒ نے ان کتابوں کی اجازت مع حدیثِ مسلسل شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد سے حاصل کی تھی۔ شیخ عبدالرحمٰن بن فہد اور ان کے آباؤ اجداد اس بلاد کے کبارِ محدثین میں سے تھے اور ان کا گھر اَباً عن جدٍّ بیت الحدیث تھا۔ چوں کہ ان تمام کتابوں کی اسانید کا ذکر کرنا موجبِ تطویل ہے اس لئے صرف مشکوٰۃ شریف اور حدیثِ مسلسل کی اسناد لکھی جاتی ہیں۔

اسناد الحدیث المسلسل

اما الحديث المسلسل بالا ولية قال الشيخ عبدالرحمن بن فهد سمعه من لفظ سيده و والدى عبدالقادر بن عبدالعزيز بن فهد وهو اول حديث سمعه منه قال حدثنى به جدى الحافظ الرحلة تقى الدين بن محمد بن فهد الهاشمى العلوى وهو اول حديث سمعه منه قال حدثنى به جمع من المشائخ الاعلام اجلّهم العلامة برهان الدين الابناسى سماعامن لفظ قاضى القضاة ابو الحامد المطرى بقراء تى عليه بالحرم لاشريف بمكة وهواول حديث سمعة منه قال اخبرنا به الخطيب صدرالدين ابو الفتح محمد بن المبردى قال الانباسى وهو اول حديث سمعة منه و قال المطرى و هو اول حديث رويت عنه قال اخبرنا به الشيخ نجيب الدين عبدللطف الحرانى وهواول حديث سمعة منه قال اخبرنا به الحافظ ابو الفرج ابن الجوزى و هو اول حديث سمعة منه قال اخبرنا به ابو سعيد اسمعيل بن ابى صالح النيشابورى و هو اول حديث سمعة منه قال اخبرنا ابو صالح احمد بن عبدالملك المؤذن و هواول

حدیث سمعة منه قال حدثنا به ابو طاهر محمد بن محسن الزمادني و هو اول حدیث سمعة منه قال حدثنا به ابو حامد احمد البزاز و هو اول حدیث سمعة منه قال حدثنا به عبدالرحمن بن بشیر بن الحکیم الصدری و هو اول حدیث سمعة من قال حدثنا به سفیان بن عیسیٰ و هو اول حدیث سمعة من سفیان عن عمرو بن دینار عن ابی قابوس مولی عبد الله عمرو بن العاص عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الراحمون یرحمهم الرحمن تبارك و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء

اسنادِ مشکوٰۃ المصابیح

آپ کی اسنادِ مشکوٰۃ شریف شیخ عبدالعزیز بن فہد تک تو وہی ہے جو حدیث مسلسل میں مذکور ہوئی۔ اور شیخ عبدالعزیز بن فہد شیخ تقی الدین بن فہد الہاشمی سے بھی اجازت رکھتے ہیں اور شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی سے بھی۔

قال الشیخ تقی الدین اخبرنا به عالیاً الشیخ الامام شرف الدین عبدالرحیم ابن عبدالکریم الحرهی قال اخبرنا به العلامة امام الدین علی بن مبارك شاه الصدیقی الساؤجی عرف بخواجه و قال شیخ الاسلام ابن حجربه اخبرنامه العلامة البغوی قاضی الاقضیه المجد بن محمد بن یعقوب الفیروز ابادی الشیرازی الصدیقی الشافعی قال اخبرنا الحافظ جلال الدین حسین والحجة الهمام شمس الدین محمد المقدسی قالا والصدیقی الساؤجی اخبرنا به مولفه ناصر السنة ابو عبد الله محمد بن عبدالله الخطیب قال الساؤجی قرأة و اجازة و قال الاخران اذنا فقط (۱)

درس وتدریس

مذکورہ بالا کتابوں کی اجازت حاصل کر لینے کے بعد ایک دن آپ نے فرمایا کہ محسوس ہوتا ہے کہ مجھے طبقۂ محدثین میں داخل کیا گیا ہے۔ غرض کہ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۲۸ تا ۱۳۰

ہونے کے بعد مسندِ افادہ پر متمکن ہو گئے اور مختلف ممالک سے صدہا طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ رات دن درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا اور حلقہ حدیث و تفسیر گرم رہتا تھا، چناں چہ آپ کی درس گاہ سے بہت لوگ فارغ التحصیل ہوئے۔

سندِ مصافحہ

مولانا بدالدین سرہندیؒ صاحب حضرات القدس فرماتے ہیں کہ "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو چار شخصوں کے واسطے سے حضور اکرم ﷺ کا مصافحہ نصیب ہوا جس کی ترتیب یہ ہے: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے حاجی عبدالرحمٰن بدخشی کابلی معروف بہ حاجی رمزی رحمہ اللہ سے مصافحہ کیا اور انہوں نے حافظ سلطان ادھمی رحمہ اللہ سے جن کی عمر ایک سو دس سال کی تھی انہوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے شرف مصافحہ حاصل کیا ہے، اس کی تفصیل کتاب سنوات الاتقیا میں بیان کی گئی ہے (۱) لیکن جواہر مجددیہ میں شیخ سعید کی بہ جائے شیخ عبد معمن حبشی نام درج ہے اور یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک صاحب جن ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اکبر آباد کا سفر (۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا عین شباب تھا اور ابھی علم کی تحصیل سے فارغ ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ آپ کو اکبر آباد کے علما و فضلا کی شہرت کا علم ہوا جو اکبر بادشاہ کا پائے تخت اور دارالحکومت تھا اس لئے حضرت موصوف نے وہاں جانے کا ارادہ کیا، جب وہاں تشریف فرما ہوئے تو چند ہی روز میں آپ کے علم و فضل کی وہ شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے علما حدیث و تفسیر کی کتابوں کی سند آپ سے حاصل کرنے میں اپنی سعادت سمجھنے لگے اور آپ کی شاگردی پر فخر کرنے لگے۔ غرض کہ آپ کے درس میں بہت سے علما و فضلا حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے اور آپ کو مجتہد زمانہ مانتے۔ اس طرح حضرت کے علم و فضل اور اجتہاد کا شہرہ اس درجے ہوا کہ عوام و خواص حیران رہ گئے۔

۱۔ حضرات القدس: ص ۹۔ و روضۃ القیومیہ: ص ۶۱۔

۲۔ اندازہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ بائیس سال کی عمر ۹۹۳ھ اکبر آباد تشریف لائے ہوں گے۔

ابو الفضل و فیضی سے ملاقات (۳)

جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شہرت علماء و مشائخ سے ارا کینِ سلطنت اور وزرا تک پہنچی تو وہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضری دینے لگے، چناں چہ ابو الفضل و فیضی بھی آپ کی شہرت سن کر مشتاقِ ملاقات ہوئے اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح حضرت ان کے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی صورت کارگر نہ ہوئی، آخر یہ دونوں بھائی خود حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بہت اخلاص ظاہر کیا۔ حضرت موصوف، سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ان کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے، انہوں نے دعوت قبول فرمانے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے بھی قبول فرمالیا۔ چناں چہ دوسرے دن حضرتؒ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان دونوں بھائیوں نے حسبِ دستور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ مراسمِ ضیافت ادا کئے اور شاگردوں کی طرح خدمت بجالاتے رہے۔ بعد ازاں آمد و رفت اور تحفہ تحائف کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

تفسیر بے نقط کا حال

اسی زمانے میں ابو الفیض فیضی نے تفسیر بے نقط جس کا نام ''سواطع الالہام'' ہے لکھنی شروع کی۔ اتفاق سے ایک مقام پر پہنچ کر یہ دونوں بھائی عاجز ہوگئے اور کچھ بن نہ آیا۔ کیوں کہ اس تفسیر میں جس صفت (یعنی بے نقط الفاظ) کا التزام کیا تھا اس صفت میں مضمون مرتب نہیں ہو رہا تھا، بہت سے علما کو بلایا لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے، آخر مجبور ہو کر حضرت مجددؒ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنی عاجزی اور مضمون کی ترتیب کی درخواست کی۔ اگر آپ کو بے نقط عبارت لکھنے کی مشق نہیں تھی لیکن اس کی درخواست پر آپ نے بقدر ایک صفحہ اس مقام کے مناسب تفسیر نہایت فصیح و بلیغ بے نقط عبارت میں قلم برداشتہ تحریر فرمادی۔ حضرت مجددؒ کی عربی عبارت پر یہ قدرت و مہارت دیکھ کر فیضی حیران رہ گیا۔

۳۔ فیضی و ابو الفضل بن شیخ مبارک ناگوری شیعہ تھے۔ فیضی ۹۵۴ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا، بیس سال کی عمر میں اکبری دربار میں پہنچ گیا اور ملک الشعرا کا خطاب پایا تفسیر بے نقط ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء میں مکمل کی اور ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ میں فوت ہوا۔ ابو الفضل ۹۵۸ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ فیضی کی وجہ سے دربار اکبری میں پہنچا اور جلد ہی بادشاہ کا منظورِ نظر بن گیا، اکبر نامہ اور آئینِ اکبری لکھی۔ ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا۔

غرض کہ اس طرح کی متعدد واقعات اور کشف و کرامات کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی کے علم وفضل کا سکہ عوام وخواص کے علاوہ اراکینِ سلطنت کے دلوں میں بھی بیٹھتا چلا گیا، اور آپ نہایت درجہ مقبول اور معزز و مکرم ہو گئے۔

ابوالفضل وفیضی سے نفرت

جب حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی ابوالفضل وفیضی سے اس طرح اکثر ملاقاتیں ہوئی تو حضرت کو ان کے عقائدِ باطلہ کا علم ہو کر ان سے اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف آہستہ آہستہ نفرت میں بدل گیا۔ ظاہر ہے کہ اپنے پیارے اور محترم بزرگوں کی شان میں گستاخی کون برداشت کر سکتا ہے، پھر اگر کوئی شخص اس سے بڑھ جائے اور دینِ اسلام اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف بکواس اور کفر کی حمایت کرنے لگے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذاتِ گرامی ''جو کامل ومکمل محیٔ سنت اور ماحیٔ بدعت تھی'' کس طرح برداشت کر سکتی تھی، چناں چہ حضرت موصوف کا ابوالفضل وفیضی سے مناظرہ بھی ہوا، جس میں حضرتِ والا کو بالکل واضح کامیابی اور فتحِ مبین حاصل ہوئی۔

ایک اہم واقعہ

اسی زمانے کے اہم واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ عبدالمؤمن خاں ابنِ عبداللہ خان ازبک والیٔ توران (م ۱۰۰۶ھ) نہایت نیک اور صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت سے تھے سوئے اتفاق کہ اس وقت ایران پر شاہ عباس صفوی حکمراں تھا، اس نے لوگوں کو جبراً شیعہ بنا کر ملک کی یہ حالت کر دی تھی کہ کوئی شہر یا قصبہ یا گاؤں ایسا نہ تھا کہ جہاں شیعوں کی اکثریت نہ ہو گئی ہو اور وہاں کے لوگ اپنی عادت اور دستور کے مطابق ہر چھوٹی بڑی تقریب اور جلسوں میں سبِّ صحابہ اور تبرا کیا کرتے تھے۔ ماوراء النہر کے عوام نے عبدالمؤمن خاں ابنِ عبداللہ خاں ازبک کی خدمت میں تفصیلی حالات پیش کر کے درخواست کی کہ وہ شاہِ ایران کو سمجھائیں تاکہ وہ ان حرکات سے باز آئے۔ چناں چہ ابنِ عبداللہ خاں نے شاہِ عباس صفوی کو سمجھانے کے لئے خطوط لکھے لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ حتی کہ دونوں طرف سے اپنے اپنے دلائل میں رسائل لکھے گئے لیکن بات بڑھتی چلی گئی۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق دونوں طرف سے فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور ۱۰۰۱ھ میں خوب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بالآخر حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابن عبداللہ خان ازبک کو فتح عطا فرمائی اور شاہ عباس بھاگ نکلا۔

اس کے بعد ابنِ عبداللہ خاں نے شاہِ ایران کو بلوایا اور کہا کہ میں نے یہ جنگ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی تھی کسی دنیوی لالچ یا ذاتی غرض کے لئے نہیں کی تھی اس لئے تمہارا ملک تم کو واپس دیتا ہوں لیکن آئندہ ان حرکتوں سے باز رہنا۔ چناں چہ شاہِ عباس سے قول و قرار لینے کی بعد ابنِ عبداللہ خاں اپنے واطن واپس چلے آئے۔ ان حالات کا جب حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کو علم ہوا تو آپ نے رسالہ ردِ روافض لکھ کر ابنِ عبداللہ خاں کے پاس بھجوایا اور انہوں نے اس کو شاہِ ایران کے پاس بھیج دیا۔ علمائے شیعہ اس رسالے سے بہت متاثر ہوئے اور کسی کو اس کے خلاف قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، بل کہ بہت سے اپنے باطل عقائد سے تائب ہو گئے۔ اس رسالے کی وجہ سے اس علاقے میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا تعارف اور شہرت ہوگئی اور اس کے بعد اثرات بڑھتے ہی رہے حتیٰ کہ وہاں کے عوام وخواص آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔(۱)

اس دور کے یہی حالات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے رسائل ''اثبات النبوۃ'' ''تہلیلیہ'' اور ''ردروافض'' کی تصنیف کی محرک بنے۔(۲)

حضرت مخدومؒ کی آگرہ تشریف آوری

چوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اکبر آباد میں اقامت پذیر ہوئے ایک عرصہ گزر گیا تھا، اس لئے حضرت کے والد ماجد مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ آپ کے اشتیاقِ محبت میں آگروہ تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر شہر کے اکثر علماو فضلا اور ارا کینِ سلطنت آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، ان میں سے بعض نے عرض کیا کہ ضعفِ پیری اور بُعدِ مسافت کے باوجود آپ نے بہت تکلیف فرمائی، حضرت مخدومؒ نے فرمایا ''کیا کروں فرزند شیخ احمد کی محبت کھینچ لائی ہے۔''(۳)

اکبر آباد سے واپسی

چوں کہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کو حضرت مجدد الفِ ثانی سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لئے مزید مفارقت گوارا نہ فرمائی اور ان کو اپنے ساتھ لے کر

۱۔ روضۃ القیومیہ۔ ص ۱۳۲، ۱۳۳

۲۔ اندازہ ہے کہ اثبات النبوۃ ۹۹۴ھ میں، ردّ روافض ۱۰۰۲ میں اور رسالہ تہلیلیہ ۱۰۰۸ھ میں مکمل ہوا۔

۳۔ روضۃ القیومیہ۔ ص ۶۷

سرہند شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ میں دہلی اور سرہند کے درمیان جب شہر تھانیسر سے گزر ہوا تو وہاں کے رئیس شیخ سلطان (۱) نے جو بادشاہ کے بڑے مقرب اور علاقۂ تھانیسر کے حاکم تھے نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے ہاں مہمان رکھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شادہ خانہ آبادی

منقول ہے کہ ان ہی دنوں شیخ سلطان عالمِ رؤیا میں حضور انور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تمہاری بیٹی اس زمانے میں سب سے زیادہ نیک خاتون ہے تم اس کا نکاح میری فرزند اور نائب شیخ احمدؒ سے کر دو، اس میں تمہارے لئے اور تمہاری بیٹی کے لئے بڑی سعادت ہے''۔ جب تین مرتبہ اسی طرح کے خواب دیکھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حلیہ شریف بھی دکھایا گیا، اس وقت سے شیخ سلطان، حضرت موصوف کی تلاش میں کوشاں تھے۔ حسنِ اتفاق کہ جب یہ دونوں آفتاب و ماہتاب وہاں پہنچے تو شیخ سلطان نے ان کو پہچان لیا اور اپنے ہاں مہمان رکھا اور جب ان حضرات کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے متاثر ہو کر یقین ہو گیا کہ واقعی یہی وہ بزرگ ہیں جن کے لئے حضورِ اکرم ﷺ نے بشارت دی ہے تو شیخ سلطان نے

۱۔ آپ کتبِ تاریخ میں حاجی سلطان تھانیسری کے نام سے معروف ہیں اواس زمانے کے علما و فضلا میں ممتاز تھے حج بیت اللہ و زیارتِ مدینہ منورہ کی سعادت سے بھی مشرف تھے۔ آپ کو علومِ نقلیہ میں کافی مہارت حاصل تھی اسی بنا پر عرصہ دراز تک شاہی خدمت پر مامور رہے۔ چار سال تک ''مہابھارت'' کا ترجمہ کرنے پر جو ''رزم نامہ'' کے نام سے تیار ہوا تھا مصروف رہے اکبر بادشاہ آپ کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا اس بنا پر آپ مقربِ شاہی بن گئے، پھر مزید شاہی عنایات کی بنا پر آپ کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا گیا، کچھ عرصے بعد تھانیسر کے ہندوؤں نے بادشاہ سے شکایت کی آپ گاؤ کشی کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، بادشاہ نے آپ کو جلاوطن کر کے بھکر (سندھ) کی طرف بھیج دیا۔ حسنِ اتفاق کہ اس زمانے میں صوبۂ بھکر کا نظم و نسق خان خاناں کے ہاتھ میں تھا وہ آپ کے ساتھ بڑی محبت و التفات کے ساتھ پیش آئے اور ہر طرح آپ کی امداد کا وعدہ کیا۔ چناں چہ خان خاناں رحمہ اللہ جب وہاں کی فتوحات سے فارغ ہوئے تو آپ کو اپنے ساتھ لے آئے، اس طرح آپ پوشیدہ طور پر اپنے وطن تھانیسر آ گئے۔ برہان پور کی فتح کے بعد خان خاناں نے بادشاہ سے آپ کی جلاوطنی کے حکم کی تنسیخ اور سابقہ عہدہ بحال کرنے کی سفارش کی، بادشاہ نے خانخاناں کی سفارش منظور کر کے حکم صادر کر دیا کہ آپ کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا جائے۔

ایک عرصے بعد سابقہ کشمکش تازہ ہو گئی اور ہندوؤں نے بادشاہ سے آپ کی شکایت کی۔ اکبر ان دنوں کروڑیوں کے ساتھ خاص طور پر سختی کر رہا تھا چناں چہ اس نے آپ کی سزائے موت کا حکم دے دیا اور یکم جنوری ۱۵۹۹ء مطابق ۲ جمادی الاخری ۱۰۰۷ ہجری کو شیخ سلطان کو پھانسی دے دی گئی۔ (منتخب التواریخ و رود کوثر)

حضرت مخدومؒ سے اُس خواب اور اپنے ارادے کا تذکرہ کیا حضرت مخدومؒ نے بڑی خوشی سے منظور فرمالیا۔ چناں چہ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ شاہانہ انداز سے شادی کی تقریب مسنون طریقے پر انجام پائی۔(۱) اور دلہن کو لے کر سرہند تشریف لے آئے۔ (اندازہ ہے کہ تقریب شادی ۹۹۸ھ میں انجام پذیر ہوئی)

مال کی فراوانی

شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پاس ظاہری مال و دولت کی بہت فراوانی ہوگئی۔ اپنی جدی حویلی کو چھوڑ کر ایک اور حویلی بنوائی جہاں اب حضرت موصوف کا روضہ پرنور ہے یہی آپ کی اولاد کا محلہ تھا۔ حویلی کے قریب ہی ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جب کبھی اپنے بھائیوں کو یاد فرماتے تو پرانی حویلی والے فرمایا کرتے، اسی وجہ سے آپ کے بھائیوں کی اولاد کا لقب پرانی حوالی والے پڑ گیا۔ اس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے شادی کے بعد مالدار ہونے کی سنت بھی ادا ہوگئی۔ یعنی جب حضرت خدیجہ رضی عنہا نے آں حضرت سے نکاح کرلیا تو اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں حاضر کردیا اس طرح آپ کو ظاہری غنا حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى

اور ہم نے آپ کو مفلس پایا پس غنی کردیا۔

باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ہی جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کرسکتا ہے۔(۲)

اکبرآباد سے واپسی اور شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے والد ماجد حضرت مخدومؒ ہی کی خدمت میں رہے اور باطنی کمالات کا فیض حاصل کیا حتیٰ کہ جب مخدومؒ کی رحلت کے وقت قریب آیا تو آپ نے فرزند و اصحاب کے سامنے خرقۂ خلافت جو سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے آباواجداد سے حاصل تھا اور وہ خرقۂ خلافت جو سلسلۂ چشتیہ میں شیخ رکن الدین گنگوہیؒ سے حاصل کیا تھا اور وہ خرقۂ خلافت جو سلسلہ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلیؒ سے حاصل ہوا تھا سب کچھ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو عنایت فرما کر اپنا قائم مقام اور جانشین قرار دیا۔(۳)

چناں چہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ رسالہ ''مبدأ و معاد'' میں فرماتے ہیں کہ ''اس فقیر

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۶۸ ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۶۸، ۶۹

۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۷۰

کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد (مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد ماجد کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ) سے جو جذبۂ قوی کے مالک تھے اور کرامات و خوارقِ عادات میں مشہور تھے حاصل ہوئی تھی ...... نیز اس فقیر کو عباداتِ نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والدِ ماجد کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور میرے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے صاحب زادے شاہ رکن الدین قدس سرہما) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔"(۱)

۱۰۰۰ھ میں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ اور ماہ شوال ۱۰۰۵ھ میں حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ اور ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ صاحبزادگان کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کا عزمِ سفرِ حج

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کو اگرچہ شروع ہی سے حج بیت اللہ (زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً) کی سعادت حاصل کرنے اور حضورِ اکرم ﷺ کے روضۂ منورہ کی زیارت کا شوق شب و روز بے چین رکھتا تھا، لیکن اپنے والد بزرگوار کو بڑھاپے اور ضعف کے حالت میں چھوڑ کر سفرِ حجاز اختیار کر کے آں موصوف کی خدمت سراپا برکت سے طویل عرصے کے لئے جدا ہونا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بالآخر جب حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ ۱۰۰۷ھ میں رحلت فرما گئے تو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ ۱۰۰۸ھ میں سفرِ حجاز کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچے تو وہاں کے علماو فضلا ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے جو حضرت موصوف کے پرانے احباب میں سے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے۔ انہوں نے دورانِ گفتگو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مناقب اور کرامات بیان کیں اور کہا کہ اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت جیسا کثیر البرکت کوئی اور نظر نہیں آتا، آپ کی ایک نظر و توجہ میں طالبانِ حق کو وہ فیض حاصل ہوتا ہے جو دوسرے طریقوں میں چلوں اور ریاضتِ شاقہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا (۲) چنانچہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اسی تحریک کے شکریے میں

۱۔ مبدأ و معاد: ص ۱۱، ۱۲

۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۷، ۱۳۸۔ حضرات القدس: جلد دوم، ص ۱۱

مولانا حسن کشمیریؒ کی جانب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

فقیر آپ کی رہنمائی کا شکریہ ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اعتراف کرتا ہے، یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب دید و داد اسی احسان پر وابستہ ہے آپ کے حسنِ توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے کم ہی دیکھا ہے اور آپ کے توسل کی یمن و برکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ جس کا مزہ کسی نے کم ہی چکھا ہے۔ خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کو اس قسم کے عام عطیے بھی حاصل نہیں ہوئے۔ احوال و مقامات اور اذواق و مواجید اور علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو راہِ عروج کے زینے بنا کر فقیر کو قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا۔

قرب و وصول کا لفظ میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے نہ اشارہ، نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ زمان نہ مکان، نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ
کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم
ز مرغِ من بود آں نام ہم گم

چوں کہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اس اظہار میں جس کا ظہور عالمِ اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر ہوا ہے آپ کی نعمت کا لشکر بھی شامل تھا اس لئے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا، تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکریہ ادا ہو جائے۔(۱)

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے ملاقات

چوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجدؒ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بہت تعریف اور اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات سنے تھے اور والد ماجد کا ذوق و شوق اس سلسلۂ عالیہ کے متعلق مشاہدہ فرمایا تھا اور کتابوں میں بھی اس سلسلے کے اوصاف ملاحظہ فرمائے تھے اور خود آپ اس نسبتِ بلند کے ساتھ استعداد بوجہ اتم و اکمل رکھتے تھے اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ۲۷۶

تحریک پر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ فرمایا اور فرمایا کہ اس سفرِ حجاز کا تحفہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میں اس مقتدا سے ان بزرگوں کا ذکر و مراقبہ حاصل کر کے اس پر عمل کروں۔ (۱)

چناں چہ آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی شرفِ ملاقات کا کمال درجے اشتیاق ہوا اور آپ مولانا کے ہمراہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا حسن کشمیری نے تعارف کرایا اور حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے ارادۂ سفرِ حجاز کے متعلق بھی عرض کیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اگر چہ حضرت خواجہؒ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ خود کسی سے اخذِ طریقہ والتزامِ صحبت کے لئے اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی بلند استعداد اور اعلیٰ قابلیت ملاحظہ فرما کر آپ سے ارشاد فرمایا اگر چہ آپ اس مبارک سفر کا ارادہ رکھتے ہیں تاہم چند روز ہمارے مہمان رہیں، کم از کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ ہی سہی کیا حرج ہے؟ حضرت خواجہؒ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت مجددؒ الف ثانیؒ نے ایک ہفتے خانقاہ شریف میں قیام کا ارادہ کر لیا اور رفتہ رفتہ یہ قیام دواڑھائی ماہ تک طویل ہو گیا۔ (۲)

حضرت خواجہؒ سے شرفِ بیعت

ابھی خانقاہ شریف میں دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ پر حضرت خواجہ قدس سرہٗ العزیز کے تصرف وکشش کے آثار اور اخذِ طریقۂ حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے ذوق و شوق نے غلبہ کیا، یہاں تک کہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بیعتِ توبہ اور اخذِ طریقہ کی درخواست کی۔ بغیر اس کے کہ جانبین استخارہ فرمائیں حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر (ماہِ ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ میں) بیعت کیا، اور ذکر تلقین فرما کر توجہاتِ عالیہ سے ایسا مشرف فرمایا کہ اسی وقت آپ کا قلب ذکرِ الٰہی سے جاری ہو گیا اور ذکرِ قلبی میں عجیب و غریب لذت وحلاوت اور آرام محسوس ہونے لگا، پھر یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً ترقیاتِ عالیہ میں عروج اور فیوضاتِ متعالیہ کا ظہور ہوتا رہا، چناں چہ تھوڑے ہی عرصے میں تمام گزشتہ اور آئندہ اولیائے امت سے سبقت لے گئے، مثلاً قطبیت، فردیت، قیومیت، خلت، ظنیت، اصالت، محبوبیتِ ذاتی، سابقیت اور تجدید الف ثانی سب کچھ حاصل کر لیا۔ غرض کہ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۹

۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۹۔ مکتوبات: دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۶

یا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خانہ کعبہ کے طواف کا ذوق و شوق تھا یا راہ میں ہی خود صاحب خانہ مل گیا اور روضہ منورہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کے انوار سے نور و ضیا حاصل کرنے جارہے تھے کہ اثنائے سفر ہی میں اقتباسِ انوارِ صاحب روضہ مطہرہ نصیب ہو گیا (۱) سبحانہ اللہ فسبحان اللہ۔

آپ کے منازلِ سلوک طے کرنے کے حالات خود آپ کے قلم سے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے منازلِ سلوک طے کرنے کے حالات مختصر طور پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

ماہ ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ کے آخری دنوں میں یہ فقیر ایک بزرگ (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی خدمت سے شرف اندوز ہوا جو اس بزرگ خاندانِ (نقشبندیہ) کے خلیفہ تھے اور ان بزرگوں کے طریقے کو حاصل کر کے اسی سال نصف ماہِ رجب میں اس فقیر کو (نقشبندی سلسلے کے) حضورِ (قلب) کی سعادت نصیب ہوئی، اس مقام میں، آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی (اندارج نہایت در بدایت) کا منظر درپیش ہوتا ہے۔ ان بزرگ (خواجہ صاحبؒ) نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت دراصل اسی حضورِ (قلب) کا نام ہے اور پورے دس سال اور چند ماہ کے بعد ماہِ ذیقعدہ کے نصفِ اول میں وہ انتہا (نہایت) جو ابتدا (بدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں (بدایات) اور درمیانی درجوں (اوساط) کے بے شمار پردوں کے پیچھے جلوہ گر ہوئی تھی نقاب چاک کر کے عیاناً جلوہ گر ہوگئی اور یہ یقین حاصل ہو گیا کہ آغاز (بدایت) میں جو تجلی نظر آئی تھی وہ اسی اسم کی صورت تھی (جس کی حقیقت اب سامنے آئی ہے) اور وہ اسی پیکر کا سایہ یا پرچھائیں تھی اور اس مسمیٰ کا ایک اسم تھا، ان دونوں (یعنی ابتدا و انتہا) میں بہت بڑا فرق ہے، حقیقتِ حال اس مقام پر پہنچ کر منکشف ہوئی اور معاملہ کا راز یہاں پہنچ کر ظاہر ہوا۔ جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں وہ اسے ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ (۲)

نیز آپ اپنے حصولِ سلوک کے تفصیلی حالات اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، جو مولانا ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے اور جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۹۰ میں درج ہے وہ یہاں تبرکاً

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۴۰۔ روضۃ القیومیہ: ص ۷۷

۲۔ مبدا و معاد: ص ۱۶

درج کیا جاتا ہے:

اے بھائی! خدا تجھے سیدھے راستے کی ہدایت دے، تجھے جاننا چاہئے کہ جب اس درویش کو اس راہ کی ہوس پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے ہادیٔ راہ ہوکر ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، اندراج النہایت فی البدایت کے طریقے کی ہدایت کرنے والے، اور درجاتِ ولایت تک پہنچانے والے، راستے کے والی اور پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ آقا اور امام خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا جو سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس سرہم کے ایک بہت بڑے خلیفہ تھے۔

تعلیمِ ذکرِ اسمِ ذات

انہوں نے اس درویش کو ذکرِ اسمِ ذات تعلیم فرمایا اور مقررہ طریق سے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ کو کمال لذت حاصل ہوئی اور کمالِ شوق سے گریہ شروع ہوا۔

بےخودی وفنائیت

پھر ایک روز کے بعد بےخودی کی کیفیت جوان بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے اور غیبت سے موسوم ہے مجھ پر طاری ہوئی، اس بےخودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ ایک محیط سمندر ہے جس میں تمام عالم کی صورتیں اور شکلیں اس طرح نمایاں ہیں جیسی پانی میں چیزوں کے عکس نظر آتے ہیں، یہ بےخودی آہستہ آہستہ غالب آتی گئی اور دیر تک رہنے لگی، کبھی ایک پہر اور کبھی دو پہر تک اور بعض مرتبہ رات بھر یہی حالت رہتی۔

فنائے فنا

جب میں نے یہ حالت حضرت پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا ”تھوڑی سی فنا حاصل ہوگئی ہے۔“ پھر آپ نے مجھے ذکر سے منع فرمایا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا، دو دن کے بعد مجھے فنائے اصطلاحی حاصل ہوگئی۔ جب اس کی کیفیت حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا ”اپنے کام میں لگے رہیں“۔ بعد ازاں فنائے فنا حاصل ہوئی۔ پھر عرض کی تو آپ نے فرمایا ”کیا آپ تمام جہان کو ایک دیکھتے ہیں اور ذاتِ واحد کے ساتھ متصل پاتے ہیں“ میں نے عرض کیا حضور ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ حضرت خوجہؒ نے فرمایا ”فنائے فنا

میں قابلِ اعتبار یہ بات ہے کہ اتصال کے دیکھنے کے باوجود بے شعوری حاصل ہو" چناں چہ اسی شب اس قسم کی فنائے فنا حاصل ہوگئی۔ میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں اس کی کیفیت بھی عرض کی کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی نسبت علمِ حضوری پاتا ہوں (یعنی علمِ حصولی پالینے کے بعد بلاتوسط حصول صورت علمِ حضوری پاتا ہوں)۔ اور جو اوصاف میری طرف منسوب تھے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف منسوب پاتا ہوں۔

مرتبۂ علمی

پھر ایک سیاہ رنگ کا نور ظاہر ہوا جو تمام اشیائے عالم کو گھیرے ہوئے تھا میں سمجھا کہ حق تعالیٰ یہی ہے۔ میں نے عرض کیا تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا "حق جل سلطانہ مشہود ہے لیکن نور کے پردے میں۔" نیز فرمایا کہ "یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے (دراصل) علم میں ہے کیوں کہ ذاتِ حق جل شانہٗ کا تعلق متعدد اشیا کے ساتھ ہے جو کہ اوپر نیچے واقع ہوئی ہیں، اس لئے منبسط اور پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اس انبساط کی بھی نفی کرنی چاہئے۔" اس کے بعد وہ پھیلا ہوا سیاہ نور سکڑنے اور کم ہونے لگا حتیٰ کہ ایک نقطہ سا بن گیا۔

مقامِ حیرت وحضورِ نقشبندیہ

حضرت نے فرمایا "اس نقطے کی بھی نفی کرنی چاہئے اور مقامِ حیرت میں آجانا چاہئے"۔ میں نے ایسا ہی کیا وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے زائل ہوگیا اور مقامِ حیرت حاصل ہوگیا کہ جس مقام میں حق تعالیٰ کا شہود (پردۂ نور کے بغیر) خود بخود ہے۔ جب میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا کہ "یہی حضور حضراتِ نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبتِ نقشبندیہ اسی حضور کو کہتے ہیں اور اس حضور کو حضورِ بے غیبت بھی کہتے ہیں اور بدایت میں نہایت کا مندرج ہونا اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے اور اس طریقے میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ویسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں طالب کا اپنے پیر سے اذکار و اوراد اخذ کرنا، تاکہ ان پر عمل کر کے مقصود تک پہنچے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

فنائے حقیقی

اس خاکسار کو یہ عزیز الوجود نسبت ذکر کی تعلیم کی ابتدا سے دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہو گئی تھی اور اس فنا کے حاصل ہونے کے بعد ایک اور فنا حاصل ہوئی جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں اور دل کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکزِ زمین تک تمام عالم (موجودات) کی اس وسعت کے مقابلے میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی قدر نہ تھی۔

مرتبۂ حق الیقین و مرتبۂ جمع الجمع

بعد ازاں میں اپنے آپ کو اور ہر فرد عالم کو بلکہ ہر ذرے کو دیکھتا تھا کہ یہ سب حق تعالیٰ ہے، اس کے بعد دنیا کے ہر ذرے کو الگ الگ اپنا عین دیکھا اور اپنے آپ کو ان سب کا عین پایا یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرے میں گم پایا اس کے بعد اپنے آپ کو بل کہ ہر ذرے کو اس قدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بل کہ اس سے کئی گنا اور عالم اس میں سما سکیں بل کہ اپنے آپ کو ہر ذرے کو ایسا پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں گھل مل گئی اور فنا ہو گئی ہیں۔ بعد ازاں اپنے آپ کو بل کہ ہر ایک ذرے کو تمام جہان کے قائم رہنے کا باعث معلوم کیا۔ جب یہ کیفیت حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے اور جمع الجمع اسی مقام کو کہتے ہیں۔

بعد ازاں جہان کی تمام صورتیں اور شکلیں جن کو پہلے حق تعالیٰ معلوم کرتا تھا اب وہ وہمی اور خیالی دکھائی دینے لگیں، پہلے ہر ذرے کو بغیر کسی فرق و تمیز کے حق تعالیٰ پاتا تھا اور اسی ذرے کو موہوم پایا، نہایت حیرت حاصل ہوئی۔ اور اس اثنا میں فصوص الحکم کی وہ عبارت جو میں نے اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے سنی تھی یاد آئی وہ یہ کہ صاحب فصوص نے فرمایا ہے:

اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهٗ اَیِ الْعَالَمَ حَقٌّ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهٗ خَلْقٌ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهٗ حَقٌّ مِنْ وَجْهٍ وَ خَلْقٌ مِنْ وَجْهٍ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَیْرَتِ لِعَدَمِ التَّمِیْزِ بَیْنَهُمَا.

اگر تو چاہے تو کہے کہ عالم حق ہے اور اگر چاہے تو کہے عالم خلق ہے اور اگر چاہے تو کہے کہ یہ ایک اعتبار سے حق اور ایک اعتبار سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کہے یعنی یہ سب بجا ہے۔

اس عبارت سے اس اضطراب کو کسی قدر تسکین ہوگئی۔اس کے بعد میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حالت عرض کی تو

مرتبہ فرق بعد الجمع

''ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہیں، حتیٰ کہ موجود اور موہوم میں تمیز ہو جائے۔'' میں نے فصوص کی وہ عبارت عرض کی جس سے عدم تمیز ظاہر ہوتی تھی۔حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ''شیخ ابنِ عربی قدس سرہٗ نے اپنی اس عبارت میں کامل شخص کا حال بیان نہیں کیا عدمِ تمیز بھی بعد بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے۔'' حسب الارشاد میں اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض آں جناب (پیرو مرشدنا) کی توجہ شریف سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان تمیز ظاہر فرمادی یہاں تک کہ میں نے موجودِ حقیقی کو موہوم خیالی سے ممتاز پایا اور ان صفات وافعال وآثار کو جو موہوم دکھائی دیتے تھے میں نے حق سبحانہ سے دیکھا اور ان صفات وافعال کو بھی محض موہوم پایا اور خارج میں بجز ایک ذات کچھ موجود نہ دیکھا۔جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو ارشاد فرمایا کہ ''مرتبہ فرق بعد الجمع یہی ہے اور سعی کوکوشش کی انتہا یہیں تک ہے اسے مزید جو کچھ کسی کی فطرت واستعداد میں مقدر کیا گیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس مرتبے کو مشائخ طریقت نے مقامِ تکمیل کہا ہے۔

سکر وصحو

جاننا چاہئے کہ اس درویش کو جب اول مرتبے میں سکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے میں نظر کی تو حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ پایا اور ہر ذرے کو اس کے شہود کا آئینہ معلوم کیا۔اس مقام سے پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے کے ساتھ پایا نہ کہ ہر ذرے میں۔اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا۔پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبے میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو نہ عالم کے متصل پایا، نہ اس سے منفصل اور نہ عالم میں داخل اور نہ اس سے خارج معلوم کیا۔معیت اور احاطہ اور سریان کی نسبت جس طرح کہ اول پاتا تھا بالکل مختفی ہوگئی، باوجود اس کے اسی کیفیت پر مشہود ہوا بلکہ اس طرح پر کہ گویا محسوس ہے اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ سے کچھ نہ رکھتا تھا۔پھر

حیرت میں لے گئے، جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت ہے اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ مجہول الکیفیت نسبت سے مشہود ہوا۔

پھر حیرت میں لے گئے اس مرتبے میں ایک قسم کا قبض طاری ہوگیا، پھر جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا نہ ہی معلوم الکیفیت اور نہ ہی مجہول الکیفیت، اور اس وقت عالم اسی خصوصیت سے مشہود تھا۔ اس وقت ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو شہود کے حاصل ہونے کے باوجود خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی، اس وقت مجھے بتایا گیا کہ اس صفت و تنزیہ کا مشہود ذاتِ حق نہیں ہے، حق تعالیٰ اس سے برتر ہے بل کہ یہ اس کے تکوین کے تعلق کی صورتِ مثالی ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ تعلقاتِ کونی سے بالاتر ہے خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت ہیہات ہیہات۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَ دُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ (۱)

میں اپنی محبوبہ تک کس طرح پہنچوں جب کہ اس کے راستے میں پہاڑ کی چوٹیاں اور بڑے بڑے غار حائل ہیں۔

نسبتِ مرادیت و محبوبیت

الحاصل آپ نے دقائق علیہ، وارداتِ مرضیہ اور احوال شریفہ بہت ہی کم مدت میں حاصل فرمائے جو اور سالکوں کو برسوں میں بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی اندر نسبت محبوبیت و مرادیت ہے اور اس نسبت والوں کو مریدیت و محبیت کی نسبت والوں کے مقابلے میں بلا محنت و مشقت بہت جلد سلوک طے ہو جاتا ہے۔ چناں چہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

حضور نے ایک دن واقعات میں سے کسی واقعے میں فرمایا تھا کہ اگر خاکسار میں

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۹۰

محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو مقصود تک پہنچنے میں بہت توقف ہوتا اور اس نسبت کو بھی جو خاکسار کی محبوبیت کو حضور کی عنایت کے ساتھ ہے بیان فرمایا تھا اس سے بڑی بھاری امید وابستہ ہے اور یہ جرأت و گستاخی اسی وجہ سے ہے۔(۱)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اسی دوران میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے سابقہ حالات استخارہ اور طوطا دیکھنے کی کیفیات بیان فرمائیں، نیز فرمایا کہ جب میں تمہارے شہر سرہند پہنچا تو واقعے (خواب) میں مجھے دکھایا گیا کہ میں قطب کے پڑوس میں اترا ہوا ہوں اور مجھے اس قطب کا حلیہ بھی دکھایا گیا، اسی صبح کو اس شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا ہر ایک جماعت کو دیکھا لیکن کسی کو اس حلئے کے مطابق نہیں پایا اور نہ ہی کسی میں قطب ہونے کے آثار و حالات دیکھنے میں آئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس شہر کا کوئی شخص جو اس بات کی قابلیت رکھتا ہو آئندہ ظاہر ہونے والا ہوگا۔ پھر جس روز آپ کو دیکھا تو آپ کا حلیہ اس کے موافق پایا اور اس قابلیت (قطبیت) کی نشانی بھی آپ کے اندر مشاہدہ ہوئی ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا تھا کہ میں نے ایک بہت بڑا چراغ روشن کیا ہے اور مشاہدہ ہوتا تھا کہ ساعت بساعت اس چراغ کا نور بڑھتا جاتا تھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر لئے ہیں، اور جب میں سرہند کے نواح میں پہنچا تو میں نے اس جگہ کے جنگل وصحرا کو مشعلوں سے پر دیکھا، اس کو بھی میں آپ ہی کے متعلق اشارہ سمجھتا ہوں۔(۲)

حضرت خواجہؒ کی رائے عالی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں ابھی چند ہی روز گذرنے پائے تھے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے ایک دوست کے خط میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرمایا:

اہل سرہند سے ایک بزرگ شیخ احمد بڑے عالم فاضل ہیں جو کہ قوتِ عمل سے متصف ہیں، فقیر نے چند روز ان کی صحبت میں نشست و برخاست کر کے بہت سے عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا، وہ ایک چراغ ہیں جو بہت عالم کو منور کریں گے، اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے۔ ان کے کامل احوال کا مجھے یقینِ واثق ہو گیا ہے۔ شیخ موصوف

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۴ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۴۱

اور طالبوں کی ایک جماعت کو میرے حوالے کیا تو اس وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا آپ نے فرمایا کہ تردد کا کوئی مقام نہیں ہے کیوں کہ مشائخِ عظام نے اس مقام کو کمال و تکمیل کا مقام فرمایا ہے اگر اس مقام میں تردد کریں تو مشائخ کی کمالیت میں تردد لازم آتا ہے۔ حسب ارشاد طریقت کی تعلیم کو شروع کیا اور طالبوں کے کام میں توجہات کو مدِ نظر رکھا اور طالبوں میں اس کا بڑا اثر محسوس ہوا یہاں تک کہ سالکوں کا سالوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا۔ کچھ مدت تک اس کام کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کرتا رہا۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

آخر کار اپنے نقص کا علم پیدا ہوا اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو مشائخِ کبار نے نہایت کہا ہے اس راہ میں کوئی پیدا نہیں ہوئی اور نیز معلوم نہیں ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا چیز ہے۔ پس اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے اس وقت اپنے نقص کا علم روشن ہو گیا۔ وہ طالب جو میرے پاس جمع تھے سب کو اکٹھا کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا لیکن طالب اس بات کو کسرِ نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے۔ کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے طفیل احوالِ منتظرہ (یعنی تجلی ذاتی برقی و معنی سیر الی اللہ فی اللہ) کو بھی عطا فرما دیئے۔(۱)

بعض اہلِ غرض و اصحابِ رشک نے گوشہ نشینی کے اس معاملے کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں دوسرے انداز سے بیان کیا جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اس کی بابت معلوم ہوا تو آپ نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

> جس روز سے خادم حضور کی خدمت سے واپس آیا ہے فوق کی طرف رغبت ہونے کے سبب مقام ارشاد کے ساتھ چنداں مناسبت نہیں رکھتا۔ کچھ مدت تک یہ ارادہ رہا کہ گوشہ نشین ہو جائے کیوں کہ لوگ صحبت میں شیرِ ببر کی طرح نظر آتے تھے، گوشہ نشینی کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا لیکن استخارہ اس کے موافق نہیں آتا تھا۔ قرب کے مدارج میں اگرچہ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے تاہم انتہا درجے تک عروج حاصل ہوا اور

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ۲۹۰

کبھی اوپر لے جاتے ہیں کبھی نیچے لے آتے ہیں۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَانٍ ''اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔ تمام مشائخ کے مقامات پر عروج میسر ہوا اِلَّا مَاشَآءَ اللہ

گلے برند زیں دہلیزۂ پست
بداں درگاہِ والا دست بر دست

اس اثنا میں اگر مشائخ کی روحانیات کے واسطے در واسطے ہونے کو گننے لگوں تو بات لمبی ہو جائے، مختصر یہ ہے کہ تمام مقاماتِ اصلی سے ظلی مقامات کی مانند گزر کر آیا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا کیا بیان کرے قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ (جو شخص قبول ہوا ہے بلا سبب و وسیلہ قبول ہوا) اتنی قسم کی ولایت اور ان کے کمالات ظاہر کیئے کہ بندہ کیا عرض کرے۔

ماہِ ذی الحجہ (۱) میں نزول کے درجوں میں مقامِ قلب تک نیچے لے آئے اور یہ مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے لیکن ابھی اس مقام کے لئے تمام کمال تک پہنچانے والی چیزیں درکار ہیں دیکھیے کب حاصل ہوتی ہیں یہ کام آسان نہیں ہے۔ مراد ہونے کے باوجود اس قدر منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں کہ مریدوں کو عمرِ نوح میں بھی ان کا طے کرنا میسر نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کے کمالات مرادین ہی کی ساتھ مخصوص ہیں، مرید اس جگہ قدم نہیں رکھتے افراد کا نہایتِ عروج مقامِ اصل کی ابتدا تک ہے (بل کہ) بہت سے افراد کا بھی گزر نہیں ہے

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔

تکمیل و ارشاد کے مراتب میں توقف کی وجہ یہی ہے اور نورانیت کا نہ ہونا ظلمتِ غیب کا نور ظاہر ہونے کے سبب سے ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق کئی باتیں بناتے ہیں ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے:

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید و السلام

اس قسم کی ظنی باتوں کے اندیشے میں ضرر کا احتمال غالب ہے آپ ان لوگوں کو فرمادیں کہ اس خستہ دل کے حالات سے اپنی خیالی نظر کو بند کرلیں نظر ڈالنے کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں:

۱۔ غالباً ماہِ ذی الحجہ ۱۰۰۸ھ مراد ہے۔

من گم شدہ ام مرا مجوئید
با گم شدگان سخن مگوئید

اللہ تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔ جس امر کو اللہ تعالیٰ کامل کرنا چاہتا ہے اس میں نقص نکالنے اور عیب لگانے کی گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔(۱)

اس کے بعد ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "چند روز ہوئے کہ اشیا میں سیر واقع ہوئی اور طالب علموں اور مریدوں نے پھر ہجوم کیا ہے (لہٰذا) ان کا کام شروع کر دیا گیا ہے لیکن ابھی اپنے آپ کو اس مقام کے قابل نہیں پاتا صرف لوگوں کے اصرار سے مروت وحیا کے باعث کچھ نہیں کہتا۔(۲)

دہلی کا دوسرا سفر

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اپنے مرشدِ کامل حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی زیارت کا اشتیاق مالایطاق موجزن ہوا تو آپ سرہند (۳) سے دہلی تشریف لائے، حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے مع اپنے خلفا ومریدین آپ کا استقبال کیا اور نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ خانقاہ شریف میں ٹھہرایا۔

اس مرتبہ آپ نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں مدت تک قیام کیا اور حضرت خواجہؒ کی صحبت بابرکت سے مقام ومرتبے کو مزید بلند کیا اور پہلے کی نسبت بہت ترقی حاصل کی۔ ان مقاماتِ بلند اور فضائلِ ارجمند کے باوجود آپ اپنے پیر بزرگوار کے ادب کی رعایت اس درجے کرتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔

چناں چہ صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ حسام الدینؒ نے خود مجھ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بہت تعریف وتوصیف کرنے کے بعد فرمایا کہ آپ (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) باوجود علوِ مرتبت وکثرتِ فضیلت، اپنے پیر دستگیر کے ادب کی کمال رعایت کرتے تھے اور خواجہ علیہ الرحمہ کے مریدوں میں آپ جیسا کوئی شخص نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اوروں سے پہلے آپ کو برکات نصیب ہوئے۔ نیز آپ (خواجہ حسام الدینؒ) نے اس فقیر (خواجہ ہاشم کشمی) سے یہ بھی فرمایا کہ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۳
۳۔ یہ واقعات غالباً ۱۰۰۹ھ کے اواخر کے ہیں

جن دنوں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ ان خلیفۂ عالی درجات یعنی تمہارے شیخ پر نہایت التفات رکھتے تھے اور ان کی توقیر و احترام میں کمال مبالغہ کرتے تھے، مجھے آپ کے بلانے کے لئے بھیجا جوں ہی میں نے آپ سے کہا کہ آپ کے پیر دستگیر آپ کو طلب کرتے ہیں، آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور خوف و بیم سے اس قدر مضطرب ہوئے کہ قریب تھا کہ رعشہ پیدا ہو جاتا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ جو میں نے سنا تھا کہ اہلِ قرب کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے، تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔(۱)

خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بھی رسالہ مبدأ و معاد میں اس کا ذکر کیا ہے کہ "ہم چار آدمی اپنے خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی دوستوں کی نسبت میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ حضرت خواجہؒ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا۔ یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یک جائی اور اس طرح کی تربیت اور ہدایت آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے زمانے کے بعد سے کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا (چند سطور کے بعد) چناں چہ ہم میں سے ہر ایک کو اس کے اعتقاد کے اندازے کے مطابق ہی حصہ ملا۔(۲)

بہر کیف آپ کو آدابِ مرشد کی رعایت اور صحبتِ بابرکت کی وجہ سے بڑا عروج حاصل ہوا، یہاں تک کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے ایثار کر کے جس قدر نسبت ہائے عالیہ تھیں آپ کو عطا کیں، اور تاجِ تربیت و ارشاد آپ کے سر پر رکھا اور تمام کاروبارِ تربیت آپ کے حوالے کر دیا۔(۳)

واپسی سرہند شریف

اس کے بعد آپ بہ کثرت مزید انعامات کے ساتھ اپنے وطنِ مالوف سرہند تشریف لے آئے جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں "باز آمدیم باصد ہزار خلعت وفتوح" اور مدت تک سالکوں کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے رہے اور اسی ضمن میں اپنے احوالِ عظیمہ اور اپنے دوسروں اور پیر بھائیوں کی ترقی کے حال احوال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۴۸　　　۲۔ مبدأ و معاد: ص ۷۶

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۰

رہے۔ خود حضرت خواجہ قدس سرہٗ بھی اپنے ان دوستوں کے حالات آپ سے دریافت کرتے رہتے تھے، جو دہلی سے آپ کے ہمراہ گئے تھے کہ آپ سرہند سے ان کی ترقی اور قابلیت معلوم کر کے لکھتے رہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے بعض دقائق علوم اور درجات و مقاماتِ اربابِ معرفت و تحقیق بھی آپ سے استفسار فرمائے اور جو کچھ آپ نے اس کے متعلق عرض خدمت کیا موجب اطمینان خاطرِ شریف ہوا۔(۱)

۱۰۱۰ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چوتھے صاحب زادے خواجہ محمد فرخ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۰

تجدید کا پہلا سال

از جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ (۱)

علاماتِ تجدید

حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ پر تجدیدِ الفِ ثانی کی پہلی علامت ونشانی یہ ظاہر ہوئی کہ آپ سے عین شرعی امور کے مطابق مشاہدات، تجلیات، ظہورات، احوال، معارف اور علوم ظاہر ہونے لگے، اور وحدتِ وجود کے متعلقہ حالات جو اس سے پیشتر آپ پر ظاہر ہوئے تھے مفقود ہو گئے، کیوں کہ وہ حالات ولایتِ صغریٰ میں سے ہیں جو

۱۔ صاحب روضۃ القیومیہ نے تجدید وقیومیت کا جلیل القدر منصب عطا ہونے کی تاریخ اس طرح تحریر فرمائی ہے:
''حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ پر ''تجدید الف ثانی'' کی خلعت کا نزول بروزِ جمعہ دسویں ماہ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو ہوا۔'' (ص ۹۳۔
اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر تحریر فرماتے ہیں: ''یہ واقعہ سوموار کے روز ۱۵ شعبان ۱۰۱۵ھ کو تجدید قیومیت کے دوسرے سال عصر اور مغرب کے درمیان ظہور میں آیا۔'' روضۃ القیومیہ: ص ۱۱۱۔
اس تضاد کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد کوئی تنقیص کرنا نہیں بلکہ ہم تو صاحب روضۃ القیومیہ کے ممنونِ احسان ہیں کہ انہوں نے سالانہ واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کر کے ایک راہ متعین فرما دی، چناں چہ ہم نے بھی سالانہ واقعات آں موصوف ہی کی پیروی میں پیش کیے ہیں الا ماشاء اللہ۔ بعض جگہ اتفاق نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تاریخ کا تعین نہ تو خود حضرت مجدد صاحبؒ نے کیا، نہ صاحب زبدۃ المقامات نے اور نہ صاحب حضرات القدس نے، لہٰذا آں موصوف کے حساب میں سہو ہو جانا یا کتابت میں غلطی ہو جانا ممکن ہوا۔ پھر ہمارے سامنے روضۃ القیومیہ کا اردو ترجمہ ہے، ممکن ہے کہ اصل فارسی نسخے میں اسی طرح ہو جیسا کہ ہم نے پیش کیا ہے۔ غرض کہ ہم نے جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کو تجدیدِ الف ثانی کے منصب عطا ہونے کا دن اس لئے قرار دیا ہے کہ اول تو اس تاریخ پر حضور اکرم ﷺ کے زمانے کو پورے ایک ہزار سال ہو جاتے ہیں، دوم یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو جاتے ہیں، سوم یہ کہ آئندہ بھی زندگی کے تیئس سال بن جاتے ہیں، چہارم یہ کہ اس حساب سے حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف اور تبلیغ کے سال کی سنت پوری ہو جاتی ہے۔ پنجم یہ کہ تقویم کے حساب سے بھی تاریخ و دن صحیح ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اولیا کی ولایت ہے۔(۱)

جب حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے ولایتِ صغریٰ سے ترقی کر کے ولایتِ کبریٰ و ولایتِ علیا اور کمالاتِ نبوت حاصل کیے تو آپ پر علوم و معارفِ شرعیہ جو معارفِ انبیاءؑ ہیں ظاہر ہونے لگے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تجدیدِ الفِ ثانی کی خلعت سے آپ کو نوازا فسبحان اللہ وبحمدہٖ (۲)

نزولِ خلعتِ تجدید

بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ صبح کے وقت حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہٗ حلقہ و مراقبہ فرما رہے تھے تو حالتِ کشفی میں دیکھتے ہیں کہ حضورِ انور سرورِ کائنات ﷺ مع اولیائے کرامؒ کی ایک جماعت کے تشریف فرما ہوئے ہیں اور خود اپنے دستِ مبارک سے نہایت فاخرہ خلعت جو گویا محض نور تھی حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدیدِ الفِ ثانی کی خلعت ہے۔(۳)

تو گوئے عارفاں را ز میداں ربودۂ
تجدیدِ الف را تو سزاوار بودۂ

چناں چہ خود حضرت موصوف قدس سرہٗ نے اپنے مکتوباتِ شریفہ میں متعدد جگہ صراحتاً و اشارتاً تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے مجدد الف ثانی ہونے کا ذکر فرمایا ہے، لہٰذا ان عبارات کا اردو ترجمہ ''مجددیت'' کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

نزولِ خلعتِ قیومیت

پھر چند ماہ بعد بروز پیر ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۱۱ھ کا واقعہ ہے کہ نمازِ ظہر کے بعد آپ مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک حافظ صاحب آپ کی مجلس میں قرآن مجید نہایت خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ یکایک ایک اعلیٰ درجے کی نوری خلعت آپ نے اپنے اوپر مشاہدہ کی، ساتھ ہی القاہوا کہ یہ قیومیت کی خلعت ہے جو حضورِ انور ﷺ کے کمالِ اتباع کی وجہ سے آپ کو عطا کی گئی ہے۔(۴)

چناں چہ خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قیومیت کی حقیقت اور اس منصب پر فائز

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۸۶
۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۸۸
۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۸۹
۴۔ ایضاً

ہونے کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱) اور دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا o (۲) ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے لیکن ہم وہ تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوئی ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (۳)

جاننا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ "اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے" حق سبحانہٗ وتعالیٰ شکل وصورت سے پاک اور منزہ ہے پس حق تعالیٰ کا آدم کو اپنی صورت پر پیدا کرنا اس معنیٰ میں ہوسکتا ہے کہ اگر عالمِ مثال میں مرتبۂ تنزیہ کی کوئی صورت فرض کی جائے تو بے شک یہی مثال صورتِ جامع ہوگی جس پر یہ انسانِ جامع موجود ہوا ہے، دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں ہے کہ اس مرتبۂ مقدسہ کی تمثال ہوسکے اور اس کا آئینہ بن سکے، یہی وجہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے، کیوں کہ خلیفہ جب تک شئے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اسے شئے کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا، اس لئے کہ شئے کا خلیفہ شئے کا قائم مقام اور نائب ہوتا ہے اور جب انسان رحمٰن تعالیٰ شانہٗ کا خلیفہ ہوا تو امانت کا بوجھ اس کے واسطے متعین ہوگیا لا تحمل عطایا الملک الامطایاہ (بادشاہوں کے عطیات کو ان ہی کے باربردار اٹھا سکتے ہیں) آسمان، زمین اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے پائیں تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صورت پر پیدا ہوں اور اس سبحانہٗ تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوں اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھا سکیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس بارِ امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے حوالے کرتے تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا اور وہ امانت اس حقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیا کی قیومیت ہے جو انسانِ کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسانِ کامل کا

۱۔ الفاطر: ۳۲ ۲۔ الاحزاب: ۷۲

۳۔ البقرہ: ۲۸۶

معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو بحکمِ خلافت تمام اشیا کا قیوم (۱) بنا دیتے ہیں، اور تمام مخلوق کو تمام فیضانِ وجود و بقا اور تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی اسی کے واسطے سے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر انسان اور جن ہے تو وہ بھی اس کا (دامن) پکڑنے والا ہے اور درحقیقت تمام اشیا کی توجہ اس کی طرف ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہیں، خواہ وہ اس حقیقت کو جانیں یا نہ جانیں، حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا یعنی انسان اپنے نفس پر اس قدر زیادہ ظلم کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود اور توابع وجود (یعنی صفاتِ ثمانیہ) میں (کیوں کہ انسان بھی حق تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ کا ظلال ہے) ان کا کچھ بھی نام و نشان اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور (واقعی) جب تک وہ اپنے اوپر اس طرح ظلم نہیں کرے گا بارِ امانت اٹھانے کے لائق نہیں ہوگا۔ جَهُوْلًا یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب (مقصود) کا علم و ادراک نہیں بلکہ وہ مطلوب کے ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہے یہ عجز و جہل اس مقام میں کمالِ معرفت ہے کیوں کہ اس مقام میں جو ان میں سب سے زیادہ جاہل وہ سب سے زیادہ عارف ہے اور اس میں شک نہیں جو ان میں سب سے زیادہ عارف ہوگا وہی بارِ امانت کے اٹھانے کے لائق ہوگا۔ یہ دونوں صفتیں ظلوماً جھولاً گویا بارِ امانت کو اٹھا لینے کی علت ہیں۔ یہ عارف جو کہ اشیا کی قیومیت کے منصب سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ تمام مخلوقات کے اہم کام اور معاملات اس کی طرف راجع کر دیئے جاتے ہیں، انعامات اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا پہنچنا وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس دولت کے سردار ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ منصب عالی اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور ان بزرگواروں کی تبعیت و وراثت کے طور پر جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمائیں:

با کریماں کارہا دشوار نیست

وارثانِ کتاب (یعنی جن تین گروہوں کا ذکر آیۂ مبارکہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الآیہ میں مذکور ہے، اس میں پہلا گروہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی لوگ ظالم لنفسہٖ ہیں جو کہ منصب وزارت و قیومیت سے مشرف ہیں، ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد (میانہ رو) سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولتِ خلت

۱۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی قیومیت کی طرف اشارہ ہے۔

سے مشرف ہوئے ہیں اور صاحب سرّ اور اہلِ مشورہ ہیں اگرچہ بادشاہت کا معاملہ اور کاروبار وزیر سے وابستہ ہے، لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشین وغمخوار اور انیس ہوتا ہے یہ (خلیل) اپنی فرحت کے لئے اور وہ (وزیر) دوسروں کے معاملات کے لئے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے (یعنی خلیل پہلے گروہ سے بڑا ہے) اور اس مقام عالی یعنی خُلّت کے سرِ حلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جس کو چاہیں اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں۔ مقامِ خلّت کے اوپر مقامِ محبت ہے جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات ہیں مشرف ہوئے ہیں۔ یار وندیم اور ہوتا ہے اور محب ومحبوب اور، وہ اسرار و معاملات جو محب ومحبوب کے درمیان ہوتے ہیں یار وندیم کا اس میں کچھ دخل نہیں، اگرچہ کمال الفت وانس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اس کو محب ومحبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔ محبوں کے سرحلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا ان بزرگواروں کی وراثت اور تبعیت سے جس کسی کو ان دونوں مقاموں سے مشرف فرمائیں اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں اس فقیر کے کسی مکتوب میں مذکور ہو چکے ہیں ان میں بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں۔ (۱)

نیز دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۴ میں تو بالکل واضح طور پر فرماتے ہیں ''واین خلعتِ زائلہ کنایت از معاملۂ قیومیت بودہ است'' یعنی اس خلعتِ زائلہ سے مراد (جو وصال سے قبل آپ سے جدا ہوگئی اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو مرحمت فرمائی گئی جیسا کہ اس مکتوب شریف میں اوپر مذکور ہے) معاملہ قیومیت ہے جو کہ تربیت وتکمیل سے تعلق رکھتا ہے الخ۔

مجتہد کا خطاب عطا کرنا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ''مبدأ و معاد'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰات والتسلیمات نے واقعے میں اس فقیر سے فرمایا تھا کہ ''تو علمِ کلام کے مجتہدین میں سے ہے۔'' (۲)

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۴۷

۲۔ مسائلِ اجتہادیہ کے لئے ''تعلیمات'' کا باب ملاحظہ فرمائیں

اسی سال ''خزینۃ الرحمۃ'' کا خطاب بھی بارگاہِ ایزدی سے آپ کو عطا ہوا۔

حضرت خواجہؒ کا مکتوب

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اور حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا نہایت شفقت و محبت سے لبریز ایک مکتوبِ گرامی موصول ہوا جو درجِ ذیل ہے:

حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو کمال کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچائے، بزرگوں کے پیالے میں زمین کا حصہ بھی ہوتا ہے، اس میں سرِ مو تکلف نہیں جو حقیقت حال ہے لکھی جاتی ہے، پیر انصار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا مرید ہوں لیکن اگر وہ اس وقت موجود ہوتے تو باوجود پیر ہونے کے میرے مرید ہوتے۔ جب کہ ان بے صفتوں کی یہ صفت ہو تو پھر کیوں کہ ان آثار و صفات کا گرفتار طلب گاری کے لوازمات پر جان کو فدا نہ کرے اور جہاں سے خوشبو دماغ میں آئے کیوں اس کے پیچھے نہ جائے، اب ہماری سستی اور دیر کوئی بے نیازی یا استغنا کی وجہ سے نہیں ہے بل کہ اشارے پر موقوف ہے:

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

ہم نے اپنی موجودہ حالت اور دلی خواہش ظاہر کر دی ہے اب جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اس کی ہدایت کرے اور غرور و خود پسندی سے نجات دے۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب گرامی کا نہایت عاجزی اور انکساری سے جواب دیا جو مکتوبات شریف کے دفتر اول میں موجود ہے۔ اس کے تین ماہ بعد پھر حضرت خواجہؒ نے مزید مندرجہ ذیل گرامی نامہ ارقام فرمایا:

حضرت خواجہؒ کا دوسرا مکتوب گرامی

اللہ تعالیٰ نے فقرا و مساکین کو اپنے برگزیدوں کی برکات سے منزلِ مقصود پر پہنچائے، مدت سے میں نے درگاہِ ولایت میں اپنی نیازمندی عرض نہیں کی۔ اس کلّے کو بھیجے نامہ برضرور خدمتِ

۱۔کلیاتِ باقی باللہ: مکتوب ۸۳، ص ۱۴۰

والا میں عرض کردیں گے الحمد اللہ، ایسی صورتیں خود ہی نکل آیا کرتی ہیں اور زیادہ کیا لکھوں۔ درویشوں کی باتیں آپ کی خدمت میں لکھنا نہایت بے شرمی ہے اور ظاہری وضع کی باتیں لکھنا بہت ہی بے جا ہے الغرض ہمیں اپنی حد کو مدنظر رکھ کر فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔ والدعا(۱)

یہ استفسارات ونوازشیں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی حضرت مجدد الف ثانیؒ پر اس حد تک ہوئیں کہ آپ کے وفورِ تعطش واشتیاق کا مندرجہ ذیل اشعار سے اندازہ ہوسکتا ہے:

بس تشنہ و بس خرابم اے دوست

در حسرت یک دم آبم اے دوست

ہر جا کہ ترشح تو بینم

در العطش آیم و نشینم

دہلی کا تیسرا سفر

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مکتوبات ونوازشات نے حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کو زیارت وملاقاتِ شیخ کے اشتیاق نے بے چین کردیا اور آپ بے اختیار دہلی روانہ ہوگئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو جب آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو پاپیادہ مع خلفاومریدین شہر سے باہر استقبال کے لئے تشریف لائے اور بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ آپ کو خانقاہ شریف میں لائے اور قیام کا انتظام فرمایا۔ یہ تیسرا سفر ۱۰۱۲ھ کے ابتدائی مہینوں کا معلوم ہوتا ہے۔

اس مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت میں مزید عروج وکمال حاصل ہوا۔ بسا اوقات حضرت خواجہ علیہ الرحمہ اپنی موجودگی میں آپ کو برسرِ حلقہ بٹھاتے اور صبح وشام مراقبے کے حلقوں کا مقتدا مقرر فرماتے اور خود بھی آپ کے حلقے میں مستفیدانہ شرکت فرماتے۔ اور جب حضرت خواجہؒ حلقہ سے اپنی قیام گاہ تشریف لے جاتے تو نہایتِ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے چند قدم تک الٹے پاؤں واپس ہوتے تھے اور دوستوں کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ جو استقبال ومتابعت ہم ان کے ساتھ کرتے ہیں آپ بھی کیا کریں اور ان کے ساتھ دوستانہ سلوک اختیار کریں، بل کہ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ ان کی موجودگی میں

۱۔ کلیاتِ باقی باللہؒ: مکتوب ۸۵

اپنے باطن کو ہماری طرف متوجہ نہ رکھا کریں۔(۱)

حضرت خواجہ میر محمد نعمانؒ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی تواضعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت مجدد علیہ الرحمہ اپنے حجرے میں تخت پر آرام فرمارہے تھے کہ اتفاقاً حضرت خواجہ باقی باللہؒ بہ نفس نفیس آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ خادم نے آپ کو بیدار کرنا چاہا لیکن حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے نہایت مبالغے کے ساتھ اس کو بیدار کرنے سے منع فرمادیا اور خود حجرے کے دروازے کے باہر نہایت ادب و نیاز کے ساتھ آپ کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ آپ حال آں کہ گہری نیند میں سو رہے تھے لیکن ایک لمحہ بھی نہ گذرا تھا کہ فوراً اٹھ بیٹھے اور دریافت فرمایا کہ باہر کون صاحب ہیں؟ حضرت خواجہؒ نے نہایت ادب (۲) کے ساتھ فرمایا: فقیر محمد باقیؒ۔ آپ فوراً اپنے تخت سے مضطرب ہو کر اٹھے اور باہر آکر نہایت فقر و انکساری کے ساتھ آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔(۳)

ان ہی ایام میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ عبیداللہؒ و خواجہ محمد عبداللہؒ کو جو اس وقت شیر خوار تھے آپ کے روبرو پیش کر کے ان دونوں کے حق میں توجہ کے لئے ارشاد فرمایا، آپ نے حسب الامر توجہ فرمائی جس کے آثار اسی وقت ظاہر ہو گئے۔ اور حضرت خواجہؒ کے ارشاد کے مطابق ہر دو صاحبزادگان کی والدات کے حق میں بھی غائبانہ توجہ فرمائی (۳) چناں چہ مکتوبات شریف میں جو دو صاحبزادگان کے نام صادر رہا ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشان یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا آخر دفعہ حضور نے اس فقیر سے فرمایا کہ بدن کی کمزوری کمال درجہ مجھ پر غالب آ گئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے بچوں کے احوال سے خبر دار رہنا ہوگا اور اسی وقت

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۳

۲۔ سلطان اورنگ زیب کے زمانے میں ''مرأۃ العالم'' اور ''مرأۃ جہاں نما'' جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان میں بطور عجائب روزگار ان آداب کا ذکر ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجددؒ الفِ ثانیؒ کے لئے بجالاتے تھے۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۱۶

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۳، ۱۵۴

اپنے حضور میں آپ کو بلایا آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے اور فقیر سے فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی والدات کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو، حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصور نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال امر اور حضور کی وصیتِ لازمہ میں کسی قسم کی سستی یا غفلت واقع ہوئی ہو، ہرگز نہیں، بلکہ آپ کے اشارے اور اذن کے منتظر ہیں۔ (۱)

صاحبِ روضۃ القیومیہ تحریر فرماتے ہیں ''بعد ازاں حضرت خواجہ نے حضرت مجددؒ الف ثانیؒ سے فرمایا کہ ہم پر بھی توجہ کریں، پہلے تو آپ نے بڑی ادب و انکساری سے معافی چاہی کہ کہیں ترکِ ادب نہ ہو جائے لیکن آخر کار جب حضرت خواجہؒ مصر ہوئے تو خطرہ پیدا ہوا کہیں عدم تعمیلِ ارشاد کے مرتکب نہ ہو جائیں، اس لئے مجبوراً آپ نے دعا اور توجہ باطنی کی، حتیٰ کی عنایتِ الٰہی سے ان (حضرت خواجہؒ) کا مقصود حاصل ہو گیا۔ خواجہ ہاشم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ شیخ تاجؒ کی زبانی سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ہم شیخ احمدؒ کی توجہ مبارک سے ان مقامات میں پہنچے جو ہم نے پہلے کبھی دیکھے نہ تھے۔ ان کی توجہ نے ہمیں توحیدِ وجودی کے مقام سے نکال کر مقاماتِ شرعیہ میں پہنچا دیا۔

نیز صاحب روضۃ القیومیہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے جو مکتوبات اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے ہیں ان میں سے بعض میں تحریر فرمایا ہے کہ ''میں نے، عزیزِ متوقف، کو فلاں مقام تک پہنچا دیا اور فلاں مقام سے فلاں مقام تک ترقی کرائی۔'' جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بعض احباب نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ ''عزیز متوقف سے کون صاحب مراد ہیں؟'' تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا ''میں ہی عزیز متوقف ہوں، مجھے ہی اشارتاً عزیز متوقف لکھتے ہیں۔ (۲)

۱۔ ایضاً: ص ۱۵۵ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

واپسی سرہند

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کچھ عرصے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس سے فیض یاب ہو کر سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد پھر آپ کو حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی صحبت میسر نہ ہو سکی۔

اس سال دیگر حضرات کے علاوہ ملا عبدالرحمٰن ایک جید عالم آپ کے مرید ہوئے۔(۱)

خانۂ کعبہ کا نزول

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ہمیشہ کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کا بہت شوق رہا لیکن بعض موانعات کی وجہ سے وہ شوق پورا نہ ہو سکا، اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہو گیا اور بے قراری زیادہ بڑھ گئی، ایک روز اسی بے قراری میں کشفی حالت میں کیا دیکھتے ہیں کہ جن وانس اور ملائکہ وغیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہے اور آں جناب کی طرف رخ کر کے سجدہ کر رہی ہے، جب آپ نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ کعبۂ معظمہ کی مثالی صورت نے آپ پر نزول فرمایا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرتا ہے اس کا رخ آپ ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی اثنا میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبے کے مشتاق رہتے تھے ہم نے کعبے کو تمہاری ملاقات کے لئے بھیجا ہے، بعد ازاں کعبۂ معظمہ نے حضرت کی خانقاہ میں حلول کیا اور خانقاہ شریف اور مسجد کی زمین کو بیت اللہ شریف کی زمین سے پوری پوری فنا و بقا حاصل ہو گئی، چناں چہ بعد اس متبرک جگہ کو جہاں کعبۂ معظمہ کی مثالی صورت نے حلول کیا تھا نشان دہی کے طور پر باقی حصے سے اونچا کر کے ممتاز کر دیا گیا تھا آج تک وہ صفہ زیارت گاہِ عام و خاص ہے۔(۲)

اس کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو ظاہر طور پر فریضۂ حج ادا کرنے کا شوق بے چین و بے قرار رکھتا تھا جس کا اندازہ مندرجہ ذیل مکتوب سے بہ خوبی ہو سکتا ہے:

> اگر چہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقتِ کعبہ کے ساتھ الحاق یعنی وصول میسر ہو چکا ہے اور اس الحاق کے بعد بے شمار ترقیاں حاصل ہو چکی ہیں مگر صورت کو صورتِ کعبہ کی ملاقات کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے اور راستے کا امن بھی غلبۂ سلامتی کے باعث ثابت ہو چکا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجے کا ہے

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۱۵، ۱۱۶ ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۰۱، ملخصاً

لیکن دیر پر دیر ہوتی جارہی ہے، سفر کا استخارہ بھی موافقت نہیں کرتا اور اگرچہ اچھی طرح سے متوجہ ہوتا ہوں پھر بھی چلنے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبے تک پہنچنا نظر نہیں آتا کیا کیا جائے، ادائے فرض کی تاخیر میں یہ تمام عذرات فائدہ مند نہیں ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فریضہ حج ادا کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلنا چاہیے اور سر اور آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہیے، اگر پہنچ گئے تو نعمتِ عظمیٰ ہے اگر راہ ہی میں رہ گئے تو بھی بڑی بھاری امیدواری ہے۔(۱)

اس قدر شوق و بے قراری اور کثرتِ اشتیاق کے باوجود آپ کو آخر عمر تک فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی بہت بڑی شرعی رکاوٹ آپ کے اس سفر کی مانع رہی ہے، ورنہ آپ ضرور فریضہ حج اور زیارتِ روضہ رسول اللہ ﷺ سے مشرف ہوتے۔

ا۔ دفتر دوم: مکتوب ۷۲

تجدید کا دوسرا سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ

لاہور کا سفر

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ تیسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں فیضِ صحبت حاصل کر کے سرہند شریف واپس تشریف لے آئے، چند روز وہاں گزار کر پیر بزرگوار کے اشارہ و ارشاد کے بموجب تبلیغ دین کے لئے لاہور تشریف لے گئے، چناں چہ لاہور کے چھوٹے بڑے علماء و مشائخ نے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر پرجوش استقبال کیا اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ مولانا طاہر لاہوری، مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی، خان خاناں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ بکثرت عوام و خواص آپ کے حلقۂ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے اور حلقۂ ذکر و مراقبہ بہت وسیع ہو گیا مجلسِ صحبت ہر وقت گرم رہنے لگی۔ علاوہ ازیں شیخ خواجہ فرخ حسین ماوراء النہر سے اور سید صفر احمد رومی روم سے بہت تلاش و جستجو کے بعد لاہور ہی میں حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ (۱)

حضرت مولانا ہاشم کشمی قدس سرہٗ زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جمال تلوی علیہ الرحمہ کے ایک فاضل تلمیذ نے احقر سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ جب لاہور میں قیام پذیر تھے تو ہمارے استاذ مولانا جمال تلویؒ آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ نے چاہا کہ چند قدم چل کر آپ کو رخصت کریں، جب آگے بڑھے تو مولانا نے آپ کے نعلین اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیئے، شاگردوں پر آپ کا یہ افراطِ تواضع گراں گزرا کیوں کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق مولانا موصوف علم و ورع اور تقویٰ و

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۱۷

صفائے باطن کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ جب ہم باہر آئے تو گستاخی کر کے ہم نے عرض کیا کہ آپ کی اس تواضع وتذلل کی کوئی وجہ نہیں؟ فرمایا یہ علما باللہ ومحرمانِ اسرارِ لی مَعَ اللہ ہیں ان کا احترام ہم پر لازم ہے لہٰذا اس باب میں مجھے معذور سمجھو بلکہ ماجور ومصاب جانو۔(۱)

نیز مولانا جمال تلویؒ کے ایک اور تلمیذ بیان کرتے ہیں کہ مولانا نے ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ آپ اس وقت علمِ احکام وعلمِ اسرار کے جامع ہیں مسئلہ وحدت الوجود چنداں ظاہر شرع سے موافقت نہیں رکھتا، آپ کے نزدیک اس مسئلے کا حل کیونکر ہے آپ نے سرگوشی کر کے مولانا موصوف سے چند کلمات فرمائے، اسی وقت مولانا موصوف کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور ارباب حال کی طرح چہرہ متغیر ہوگیا، دیر تک خاموش بیٹھے رہے اور آخر خاموش ہی رخصت ہوگئے اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے کیا کہا اور مولانا نے کیا سنا:

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی
کہ گفتی و از دیدہ خوں ریختی(۲)

حضرت خواجہؒ کا وصال

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ابھی لاہور ہی میں مقیم اور سرگرم حلقۂ ذکر وشغل تھے کہ حضرت پیر بزرگوار باقی باللہ قدس سرہٗ کے انتقال پُر ملال کی اطلاع آپ کو ملی کہ چند یوم کی علالت کے بعد ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں وصال ہوگیا ہے۔

اس جاں کاہ حادثہ کی خبر پاتے ہی آپ کا آرام دل بے آرامی میں تبدیل ہوگیا، بدن پر لرزہ طاری ہوکر ہوش وحواس گم ہوگئے اور ایک آہِ سرد کھینچ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے بے اختیار بہ حالتِ اضطرار دہلی کی جانب روانہ ہوگئے۔ اگرچہ راستے میں سرہند شریف تھا لیکن گھر نہ گئے۔ دہلی پہنچ کر مرشد برحق کے مزار پُر انوار کی زیارت کی، مخدوم زادوں اور پیر بھائیوں کی تعزیت کی اور صبر و دلاسا دیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اصحاب نے آپ کی صحبت وتربیت کی برکت سے اپنے شکستہ دلوں کے علاج کی درخواست کی، آپ نے اپنے پیر بزرگوار کے امر ووصیت کے مطابق اور دوستوں کی خواہش پر ان کے شکستہ دلوں کی تسلی وتشفی کے لئے چند روز دہلی میں قیام کرنا منظور فرمالیا اور احباب کے احوال کی جستجو اور ارشاد وافاضہ اور حلقۂ ذکر میں مشغول

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۷　۲۔ ایضاً

ہو گئے۔ چناں چہ نئے سرے سے تربیت وارشاد کی اس محفل میں سرگرمی و تازگی پیدا ہو گئی اور طالبوں کے باطن میں آثارِ توجہات و انوارِ جذبات جلوہ گر ہو گئے۔(۱)

اسی اثنا میں شیطان نے بعض کو ورغلا کر آپ کا مخالف بنا دیا، آپ نے ہر چند پند و نصیحت کی اور سمجھانا چاہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا آخر آپ دہلی سے روانہ ہو کر سرہند شریف تشریف لے آئے۔ اس کے بعد صرف ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے عرس پر دہلی تشریف لے گئے اور دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا، البتہ اخیر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ بعض شہروں پر آپ کا گزر ہوا تو وہاں کے اکثر حضرات آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔(۲)

حضرت غوث الاعظمؒ کا خرقہ پیش ہونا

اس سال وہ خرقہ شریف جو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادے سید تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہٗ کو تفویض فرما کر ارشاد فرمایا تھا، کہ ایک زمانہ آئے گا جس میں ایک بزرگ وحیدِ امت پیدا ہو گا جو دینِ اسلام کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا اور شرک والحاد کو نابود کر دے گا یہ خرقہ اس بزرگ کو عنایت کرنا۔ چناں چہ وہ خرقہ سید صاحب کے جانشینوں میں یکے بعد دیگرے امانتاً چلا آتا تھا، حتیٰ کہ جب حضرت مجدد قدس سرہٗ کو تجدید و قیومیت کی خلعت سے نوازا گیا تو حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ نے عالمِ رؤیا میں اپنے پوتے حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ (۳) سے فرمایا کہ یہ خرقہ قیومیت مآب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو پہنچا دو۔ جب دو تین بار ایسا ہی خواب دیکھا تو شاہ سکندرؒ خرقۂ مبارک لے کر کیتھل سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۴) آپ اس وقت دوستوں کے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۸ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۸

۳۔ حضرت شاہ سکندر بن شاہ عماد الدین بن حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس اللہ اسرارہم کی کیتھل میں ولادت ہوئی بچپن ہی میں اپنے جدِ امجد کی صحبت میں روحانی اور باطنی علوم کی تکمیل کی۔ آپ کو احوال و مواجید اور خرقِ عادات میں حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ کا ورثہ حاصل تھا اور ایک مدت تک جذبات و حالتِ عظمیہ کا فیض جاری رہا۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آفتاب کو دیکھنا آسان ہے لیکن حضرت شاہ سکندر کے قلب کو نورانیت کے غلبہ کے سبب نگاہ کو دیکھنے کی تاب نہیں ہے، آپ کی وفات ۱۰۲۳ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار پر انوار قصبہ کیتھل ضلع کرنال میں ہے۔ (زبدۃ المقامات و دربار قادری)

۴۔ روضۃ القیومیہ رکن اول: ص ۱۰۸

ساتھ مراقب تھے۔ شاہ سکندرؒ نے خرقۂ مبارک آپ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ جب آنکھ کھولی اور شاہ سکندر کو دیکھا تو تواضع کے ساتھ معانقہ فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے وصال کے وقت یہ جبۂ مبارکہ بطورِ امانت میرے سپرد کیا تھا اب چند مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جُبہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ چناں چہ آپ نے اس جبۂ متبرکہ کو پہن لیا پھر اس کو پہنے ہوئے زنان خانے میں تشریف لے گئے۔

جب کچھ دیر بعد باہر تشریف لائے تو آپ نے اپنے کسی محرمِ اسرار دوست سے فرمایا کہ اس خرقۂ مبارکۂ حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ کو پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا کہ مجھ پر قادریہ نسبت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ نقشبندیہ نسبت پر غالب آ گئی۔ پھر ذرا وقفے کے بعد نقشبندیہ نسبت اس پر غالب آ گئی، چند مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ کبھی وہ نسبت غالب آ جاتی اور کبھی یہ اتنے میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ حضرت شاہ کمال رحمہم اللہ تک اپنے تمام خلفا حضرات کے ہمراہ تشریف لائے، میرے دل کو اپنے تصرف میں کیا اور اپنے انوار و اسرار اور نسبت ہائے خاصہ سے مجھے نوازا، میں ان انوار و احوال میں غرق ہو کر اس دریائے نور میں غواصی کرنے لگا، جب کچھ دیر اسی حالت میں گذر گئی تو مجھے خیال آیا کہ میں تو اکابرِ نقشبندیہ کا پروردہ ہوں اب یہ صورت کیا ہوگئی ہے؟ اس خیال کے آتے ہی مشائخ نقشبندیہ کے خلفا حضرات بھی حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ کے ہمراہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک تشریف لے آئے اور حضرت خواجہ سید بہاؤالدین قدس سرہٗ نہایت ادب کے ساتھ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے پہلو میں بیٹھے اور دونوں سلسلوں کے حضرات میں تکرار ہونے لگی۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارا پروردہ ہے اور ہماری تربیت سے اس ذوق و حال اور کمال و اکمال کو پہنچا ہے آپ حضرات کو اس پر کس طرح حق حاصل ہے۔ اکابرِ قادریہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ایامِ طفولیت ہی سے ہماری نظر اس پر رہی ہے اور یہ ہمارے ہی خوانِ نعمت کی چاشنی چکھے ہوئے ہے اور اب بھی ہم نے اس کو اپنا خرقہ پہنایا ہے:

زبہرِ آں بتِ چوں شمع و چوں گل
گرفتہ جنگ با پروانہ بلبل

یہ مباحثہ جاری تھا کہ مشائخِ کبرویہ و مشائخ چشتیہ رحمہم اللہ کی جماعت بھی آ پہنچی اور انہوں نے مصالحت کرا دی اس کے بعد میں نے ان دونوں نسبتوں سے کامل و وافر حصہ اپنے باطن میں

پایا۔'' الغرض آپ سلسلۂ قادریہ میں بھی مرید کرتے تھے اور ان مشائخ کا شجرہ وکلاہ ودامنی بھی دیتے تھے، اور اگر کوئی طالب اس سلسلہ کا ذکر طلب کرتا تھا تو اس کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی نسبت سے طالب کی تربیت کرتے تھے۔ آپ کو سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے اجازتِ ارشاد حاصل تھی۔ (۱)

حضرت خواجہ ہاشم کشمی اور مولانا بدر الدین سرہندی علیہما الرحمہ اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں کہ اس دن اس قدر اولیائے امت کی روحیں سرہند شریف میں تشریف لائیں کہ ہر جگہ ہر طرف وہی نظر آتی تھیں اور صبح سے ظہر تک یہی مناظرہ ومذاکرہ ہوتا رہا، آخر سب نے حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ آں حضرت ﷺ نے ازراہ لطف وکرم ہر ایک کو تسلی ودلاسا دیا اور فرمایا کہ تم سب اپنی اپنی نسبتیں اس عزیز کو دے دو جو شخص اس سلسلے میں داخل ہوگا اس کا اجر تم کو بھی مل جائے گا اور اس کے ذریعے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت زیادہ ہوگی، کیوں کہ اسے نسبتِ معہود اسی سلسلے سے حاصل ہوئی ہے اور اس سلسلے کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں، نیز اس طریقے میں اتباعِ سنت اور امورِ بدعت سے کنارہ کشی حد درجے ہے۔ (۲) یہ واقعہ پیر کے دن ۱۵ شعبان ۱۰۱۲ھ کو تجدید وقیومیت کے دوسری سال پیش آیا۔ (۳)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی وفات کے بعد آپ کے مسوّداتِ مکاشفۂ خاصہ میں سے ایک مسودہ ملا جس میں چار دائرے بنے ہوئے تھے، ایک دائرے میں ولایت بالفتح لکھی ہوئی تھی اور دائرہ چہارم میں کمال مطلق لکھا ہوا تھا اور اربابِ دوائرِ اربعہ میں آپ کو بعد صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اخص لخواص سے شمار کیا تھا، ان دائروں کے حاشیے پر مراتب ومقامات لکھے تھے جو آپ نے اپنے مکاشفے میں معائنہ کئے تھے اور ان دائروں کے درمیان مشائخِ طریقت کے دس بارہ نام لکھے ہوئے تھے۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کا نام بھی آپ نے ان ہی دس بارہ شخصوں کے درمیان تحریر فرمایا تھا۔ (۴)

اسی سال کے دوران سید صدر جہاں اور خانِ اعظم جو اکبر بادشاہ کے مقرب وزرا میں سے تھے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مرید ہوئے۔

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۴، ۱۳۵　　۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۰۹

۳۔ ایضاً: ص ۱۱۱　　۴۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۵۶

تجدید کا تیسرا سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۴ھ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے وصال پر حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ تعزیت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بعض حضرات کی مخالفت کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہو کر سرہند تشریف لے آئے۔ اس کے نتیجے میں مخالفین کے باطنی حالات و کیفیات میں فرق آ گیا تو یہ حضرات بہت گھبرائے اور خواجہ حسام الدین احمدؒ اور مولانا محمد قلیچ خاںؒ کو جو حضرت باقی باللہ کے برادرِ نسبتی تھے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی غلطی سے آگاہ کیا اور استدعا کی کہ آپ ہماری طرف سے مجدد صاحبؒ کی خدمت میں معافی کی درخواست کریں، چناں چہ ان کی درخواست پر حضرت تحریر فرماتے ہیں:

> بعض دوستوں کے بارے میں (آپ نے) تحریر فرمایا تھا، اس فقیر نے ان کے قصوروں کو معاف کیا، اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے معاف فرمائے، لیکن دوستوں کو نصیحت کریں کہ حضور و غیبت میں آزار و تکلیف کے در پے نہ ہوا کریں۔ خاص کر میاں اللہ داد کے بارے میں لکھا ہوا تھا فقیر کو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن مشارٌ الیہ کے لئے اپنی وضع کے بدلنے سے نادم ہونا ضروری ہے۔ معاف کرنا اس تقدیر پر مطلوب و متصور ہے کہ وہ لوگ اپنی وضع کو برا جانیں اور اس سے پشیمان ہوں ورنہ عفو کی گنجائش نہیں ہے۔ میرے مخدوم! وہ سلب کرنا اختیار میں نہ تھا جیسا کہ بالمشافہ تذکرہ آ چکا ہے، وہ سلب اب بھی بدستور ہے زائل نہیں ہوا۔ آگ کے انگارے کو جب سرد کرتے ہیں اور آگ اس سے دور ہو جاتی ہے تو پانی ڈالنے کے بعد بھی اس میں آواز باقی رہتی ہے، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابھی آگ اس میں پوشیدہ ہے، واقعات کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یہ بات اگر آج پوشیدہ ہے تو منتظر رہیں ان شاء اللہ تعالیٰ کل

ظاہر ہو جائے گی۔(۱)

اسی سال خان خاناں اور شیخ فرید الملقب بہ مرتضیٰ خاں نے جو پہلے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے مرید تھے حضرت مجددّ الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تجدیدِ بیعت کی۔

اندازہ ہے کہ اسی سال حضرت مجددّ علیہ الرحمہ نے اپنے پیر بزرگ وار کی یاد میں ان کی دو رباعیوں کی شرح فرما کر اپنے خستہ و غمگین دل کے لئے تسکین کا سامان مہیا کیا۔

۱۔ دفتر مکتوب ۳۲

تجدید کا چوتھا سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۴ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۵ھ

جیسا کہ ولادتِ باسعادت کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں اکبر بادشاہ کا دور دورہ تھا جس کی وجہ سے نہایت درجے بے دینی پھیلی ہوئی تھی، بادشاہ رعایا کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے ہٹا کر اپنی چوکھٹ پر جھکنے اور سجدہ کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس ظلم وستم اور جبر وتشدد کا منظر دیکھ کر حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی رگوں میں اسلامی خون جوش زن ہوا، آپ نے خان خاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ کے ذریعے بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے۔ یہ حضرات اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے اور حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی روحانی قوت سے خوف دلایا۔ غرض کہ بہت قیل وقال کے بعد بادشاہ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ

> لوگوں کو اختیار ہے خواہ دینِ اسلام پر رہیں یا بادشاہ کے اختراعی طریقے میں شامل ہو جائیں اور کسی پر سجدۂ تعظیمی کرنے کے لئے بھی جبر نہ کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں بادشاہ نے اپنے درباریوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک دن مقرر کیا جس میں سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے والوں کا خیمہ الگ تھا جو معمولی درجے کا تھا اور شاہی معتقدین کا خیمہ الگ تھا جو نہایت شاندار طریقے پر پُرتکلف کھانوں سے آراستہ کیا گیا تھا، اکبر بادشاہ میدان میں ایک غرفے میں بیٹھا ہوا درباریوں کی آمد ورفت ملاحظہ کر رہا تھا کہ اتفاقاً عین دربار کے وقت نہایت تند وتیز ہوا چلی جس کی وجہ سے شاہی ذریات کا خیمہ اکھڑ گیا اور لوگوں کو بہت چوٹیں آئیں، خود بادشاہ بھی نہ بچ سکا اس کے بھی کسی چیز کے لگ جانے سے چوٹ آئی، لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چلنے والوں کا خیمہ جوں کا توں اپنی آب و تاب سے کھڑا رہا اور کسی کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ (۱)

۱۔ روضۃ القیومیہ رکن اول: ص ۱۲۶

اس واقعے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد بروز سہ شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو اکبر بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

اکبر بادشاہ کی موت (۱)

خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی مرحوم (۲) تحریر فرماتے ہیں کہ اکبر نے ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی اور ملا عبدالقادر کی تاریخ ۱۰۰۴ھ پر ختم ہو جاتی ہے، ابوالفضل کی موت ۱۰۱۱ھ میں واقع ہوئی اور اکبر کے مرنے سے اس کی آئینِ اکبری اور اکبر نامہ ختم ہو گئے اس لئے اکبر کے مذہبی خیالات کے تغیرات کا ذکر آخر کے دس سال میں کسی مورخ نے نہیں لکھا، شہنشاہ اکبر

۱۔ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بن ہمایوں بن بابر بن عمر بن سلطان ابوسعید بن سلطان محمد بن میران شاہ بن قطب الدین صاحب قران امیر تیمور گورگان بروز اتوار ۵ رجب ۹۴۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو حمیدہ بانو کے بطن سے قلعہ عمر کوٹ ضلع تھر پارکر سندھ میں اس وقت پیدا ہوا جب ہمایوں، شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ آخر ہمایوں ایران چلا گیا اور اکبر کابل میں اپنے چچا مرزا عسکری کے زیر سایہ پرورش پاتا رہا۔ جب ہمایوں نے چار سال بعد شاہ طہماسپ صفوی کی مدد سے کابل فتح کیا تو اکبر اپنے ماں باپ سے ملا۔ ہمایوں نے اپنے وزیر بیرم خاں کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا جس کی نگرانی میں اس نے فنونِ جنگ اور طرزِ جہانبانی تو سیکھ لئے لیکن تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کر لی لیکن تقریباً چھ ماہ بعد ۱۵۵۶ء میں جبکہ اکبر کی عمر بمشکل چودہ سال ہو گی ہمایوں کتب خانہ کے زینے سے گر کر فوت ہو گیا، اور بروز جمعہ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کو کلانور ضلع گورداس پور پنجاب میں اکبر کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا، چار سال تک وہ اپنے اتالیق بیرم خاں کی نگرانی میں حکومت کرتا رہا بعد ازاں تمام انتظامات اس نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ شروع میں اس نے فتوحات پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور تمام شمالی ہندوستان اپنے زیرِ نگیں لے آیا۔ اس کی سلطنت میں کشمیر، افغانستان، سندھ اور گجرات شامل تھے، اس نے انتظامِ سلطنت میں نمایاں کامیابی حاصل کی، وہ نہایت ذہین اور ذکی الطبع انسان تھا، ناخواندہ ہونے کے باوجود اس نے جو تجربات کئے اور جو اصلاحات نافذ کیں وہ پڑھے لکھوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہیں، شروع میں وہ مذہب اسلام کا بڑا پابند تھا علما کی قدر کرتا اور بزرگانِ دین سے عقیدت رکھتا تھا بعد میں شیخ مبارک ناگوری اور اس کے لڑکوں فیضی و ابوالفضل کے اثر سے نہ صرف آزاد خیال ہو گیا بلکہ اس نے دینِ الٰہی کے نام سے ایک دین بھی رائج کیا تھا جس کو نہ اس کی زندگی میں مقبولیت حاصل ہوئی اور نہ وہ اس کے انتقال کے بعد جاری رہ سکا، بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آخر عمر میں اکبر اپنے غلط عقائد سے تائب ہو کر پھر ایک سچا مسلمان بن گیا تھا واللہ اعلم، تقریباً پچاس سال حکومت کر کے منگل ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۷/۱۸ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو انتقال کیا۔ آگرہ سے چار میل فاصلے پر سکندرہ میں مزار ہے۔

۲۔ تاریخ ہندوستان: ج ۵، ص ۸۶۳

کے مذہبی خیالات ہمیشہ بدلتے رہتے تھے معلوم نہیں کہ ان آخری دس سال میں اس میں کیا تغیر پیدا ہوا۔ جہانگیر کی توزکِ جہانگیر کا ترجمہ انگریزی زبان میں میجر پرائس نے کیا ہے، ترجمے میں یہ فقرہ ہے ''شہنشاہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر جنتی مسلمانوں کی طرح وہ اس دنیا سے رخصت ہوا'' مگر اس مضمون کا کوئی فقرہ اس توزکِ جہانگیری میں نہیں ہے، جو ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر نے ۱۲۸۱ھ ۱۸۶۴ء میں چھپوایا ہے۔ شمس العلماء موصوف نے جلد ششم میں تحریر فرمایا ہے کہ جہانگیر نے چھوٹی توزک میں اپنے باپ کے مرنے کا حال بہت دل چسپ لکھا ہے (اس میں درج ہے) روز سہ شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو میرے باپ و مرشد کا سانس تنگ ہوا اور وقتِ رحلت نزدیک آ گیا فرمایا'' بابا (جہانگیر کو خطاب کیا) کسی آدمی کو بھیج کر میرے کل امرا اور مقربوں کو بلا لو، تاکہ میں تجھ کو ان کے سپرد کروں اور اپنا کہا سنا ان سے معاف کراؤں، انہوں نے برسوں میری ہم رکابی میں جاں فشانی کی ہے۔ امرا حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ان کی طرف منہ کر کے اپنا کہا سنا معاف کرایا اور چند فارسی اشعار پڑھے، میران صدر جہاں حاضر ہوئے اور دوزانو ادب سے بیٹھ کر کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا۔ بادشاہ نے خود بھی اپنی زبان سے بلند آواز کے ساتھ کلمۂ شہادت پڑھا اور میران صدر جہاں سے فرمایا کہ سرہانے بیٹھ کر سورۂ یٰسین اور دعائے عدیلہ پڑھیں جب میران صدر جہاں نے سورۂ یٰسین پڑھ کر دعاءِ عدیلہ ختم کی تو بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور جان جان آفریں کو سپرد کی۔ (۱)

۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص ۱۰۱ بہ حوالہ خلاصہ: ص ۲۸ تا ۲۸۶۔ جلد ہشتم تاریخ ہندوستان

تجدید کا پانچواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۵ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ

اس سال حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں دور دراز ممالک کے بہت سے مشہور علما و مشائخ داخل ہوئے۔ مثلاً شیخ طاہر بدخشی نے شاہِ بدخشاں کی رفاقت چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ راستے میں مولانا صالح کولابی، طالقان کے ایک جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، شیخ احمد برکی، مولانا یار محمد اور مولانا شیخ یوسف بھی ساتھ ہو گئے، بالآخر یہ سب حضرات سفر کی دشوار گذار منزلیں طے کرتے ہوئے سرہند شریف پہنچے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر شرفِ زیارت و بیعت سے مشرف ہوئے آپ نے سب پر شفقت و عنایت کی نظر فرمائی۔

شیخ احمد برکیؒ کو ایک ہفتے اپنی خدمت میں رکھا اور خلعتِ خلافت و قطبیت سے سرفراز فرما کر وطن کو رخصت کر دیا، چناں چہ شیخ احمد برکی کو اپنے وطن میں بڑی قبولیت نصیب ہوئی، خراساں، بدخشاں اور توران کے ہزارہا اشخاص آپ کے مرید ہوئے۔

اسی زمانے میں شیخ حسن کو اور شیخ یوسف کو بھی خلافت عطا فرما کر واپس کیا۔

مولانا صالح کولابی کو کچھ عرصے اپنی خدمت میں رکھ کر خلافت عطا فرما کر طالقان کی طرف روانہ فرمایا۔

مولانا قاسم علی کو بھی خلافت عطا فرما کر ماوراء النہر روانہ کیا۔

ان سب حضرات نے ان علاقوں میں دینِ اسلام کی بہت تبلیغ کی۔ (۱)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۲۸، ۱۲۹۔ اندازہ ہے کہ اس سال معارف لدنیہ کی تکمیل ہوئی۔

تجدید کا چھٹا سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے طریقۂ علیہ مجددیہ کی اشاعت خراسان و بدخشان اور توران میں اس قدر ہوئی کہ وہاں کا کوئی شہر، گاؤں یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلۂ عالیہ کے خلفا نہ پہنچ گئے ہوں اور وہاں کے بڑے بڑے آدمی ان کے معتقد نہ ہو گئے ہوں۔

شیخ طاہر بدخشی کو بھی اسی سال خلافت سے مشرف فرمایا۔

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خوش خبری دی گئی کہ آپ کا تمام سلسلہ قیامت تک جتنا ہوگا سب بخش دیا جائے گا، چناں چہ آپ اس نعمت کے شکر کا اظہار اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور جو کچھ تیرے پروردگار کا (تجھ پر) انعام ہو تو اسے بیان کر دیا کر) یہ فقیر اپنے دوستوں کے حلقے میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور اپنی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ فکر اس حد تک غالب آ چکی تھی کہ اپنے آپ کو (درویشی کی) اس وضع میں بغیر کامل مناسبت کے محسوس کر رہا تھا اسی عرصے میں بمصداق مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو اللہ کے لئے انکساری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور بلند فرما دیتا ہے) (کارکنانِ قضا و قدر نے) اس دور افتادہ کو ذلت کی خاک سے آٹھایا (اور مزید بلند کر دیا) اور میرے باطن میں یہ ندا دی کہ غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ اِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (میں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیری وسیلے سے مجھ تک پہنچیں، خواہ یہ وسیلہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ)...... اس کی بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس واقعے کو ظاہر کردوں۔(۱)

۱۔ مبدأ و معاد: منہا نمبر ۵، رکن اول، ص ۱۲۴

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے عرس پر دہلی تشریف لے گئے تو مخالفین حضرات ننگے سر اپنی اپنی دستاروں کو گلے میں ڈالے شہر سے کئی میل باہر استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور بالمشافہ بھی اپنے قصوروں کی صدق دل سے معافی چاہی، آپ نے سب کو معاف فرما دیا۔(۱)

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۲۴

تجدید کا ساتواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ

اس سال حضرت مجددؒ کو ایسا مرض لاحق ہوا کہ نصیبِ دشمنان زندگی کی امید باقی نہ رہی، اس لئے حضرت مجددؒ نے اپنے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ اور میر محمد نعمان کو بلا کر اپنی نسبتِ خاصہ القا کی بعد ازاں حضرتؒ کو پوری طور پر صحت نصیب ہوئی۔ (۱)

شیخ فضل اللہ علیہ الرحمہ برہان پوری اپنے زمانے کے بڑے مشائخ میں سے تھے جب ان کو حضرت مجددؒ کی تجدید و قیومیت کا علم ہوا اور انہوں نے آپ کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنی چاہی تو بعض حاسدین نے آپ کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا۔ چوں کہ شیخ صاحب کمال بزرگ تھے اس لئے انہوں نے اس معاملے کی تحقیق کے لئے ایک ذی استعداد مرید کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں بھیجا، چناں چہ وہ تین ماہ خانقاہ شریف میں رہ کر حضرتؒ کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہا اور آپ کا معتقد ہو گیا۔ واپسی کے وقت اس نے اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی تو آپ نے اس کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس مرید کے واپس پہنچنے پر شیخ فضل اللہ بھی حضرت کے معتقد ہو گئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اطراف سرہند سے آپ کے پاس مرید ہونے کی غرض سے آتا تو فرماتے کہ "آفتاب کو چھوڑ کر ستاروں کی طرف رجوع کرنا برا ہے"۔ (۲)

اسی سال حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خواجہ میر محمد نعمانؒ کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا۔ اس علاقے میں میر صاحب کے ارشاد و ہدایت نے یہاں تک ترقی کی کہ مراقبے کے لئے خانقاہ میں کئی سو سوار اور بے شمار پیادے حاضر ہوا کرتے تھے، یہ زمانہ چوں کہ جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے ابتدائی دور کا تھا اور وہ اپنی کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے ایسے مجمع کو خطرے سے خالی نہ سمجھتا تھا اس لئے اس نے میر صاحب موصوف کو دکن سے بلا کر اپنے پاس رکھا۔ (۳)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۴۴۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ: ص ۸۳

۲۔ ایضاً ۳۔ حضرات القدس: ص ۲۶۹

تجدید کا آٹھواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ

شیخ حسن غوثی علیہ الرحمہ بھی ہندوستان کے بلند پایہ علما میں سے تھے، ان کو بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مدارجِ کمالات میں شبہ تھا لیکن تحقیق کے بعد انہوں نے توبہ کی اور آپ کے تمام کمالات کا اعتراف کیا اور اولیا کے احوال میں جو تذکرہ لکھا ہے اس میں حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے احوال میں یہ عبارت درج ہے:

بالانشینِ مسندِ محبوبیت، صدر آرائے محفلِ وحدانیت، خدیو مقامِ فردیت وقطبیت، صاحبِ مرتبۂ قیومیت وتجدیدِ الف۔

ہندوستان کے ایک رئیس تربیت خاں کے ہاں کسی تقریب کے موقع پر چند علما بھی مدعو تھے رئیس موصوف نے ان سے حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے بارے میں دریافت کیا تو ایک عالم نے کہا کہ حضرت کے اوضاع واطور دیکھ کر نہ صرف یہ کہ حضرتؒ سے میری عقیدت بڑھ گئی بلکہ گزشتہ اولیاؒ کی عظمت بھی میرے دل میں قائم ہوگئی۔ دوسرے عالم نے کہا کہ کتابیں تصنیف ہوتی ہیں یا تالیف، ایک عرصے سے تصنیف کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا صرف تالیف رہ گئی تھی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مجددؒ کے تمام مکتوبات و رسائل تصنیفات ہیں جو آپ کی علوِ شان کی شاہد ہیں، کیوں کہ میں نے ان کا بغور مطالعہ کیا ہے آپ نے کسی دوسرے کی عبارت کا کہیں حوالہ نہیں دیا، بلکہ صرف اپنے حاصل کردہ علوم واسرار بیان فرمائے ہیں۔ ایک اور عالم نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو شخص ایک ادب کے ترک کو اپنے لئے حرام سمجھتا ہو اس کا کلام کس طرح شریعت سے ہٹا ہوا ہوسکتا ہے، ان کے کلام اور شریعت میں بال برابر بھی فرق نہیں لیکن بات یہ ہے کہ اہلِ زمانہ کا مزاج ان کے حقائق سمجھنے کے لائق نہیں ہے وغیرہ۔ ان حقائق کو سن کر تربیت خاں اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوا اور باقی عمر آپ کی خدمت میں گزار دی اور مرنے کے بعد بھی حضرتؒ کے روضۂ شریفہ کے بالکل قریب دفن ہوا۔(۱)

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۳۶

تجدید کا نواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ

اس سال کے حالات میں صاحب روضۃ القیومیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت سیّد المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے از راہِ لطف و کرم حضرت مجددّ الف ثانیؒ قدس سرہٗ کو اپنا مکون و مزور بنایا۔'' ''مُکَوَّن'' اور ''مُزَوَّر'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جب شیخ کامل چاہے کہ اپنے کمالاتِ خاصہ کو مرید میں القا کرے تو مرید اس کے تصرف و توجہ سے شیخ کی رنگت اختیار کر جائے اور اس کے حقائق و دقائق سے متحقق ہو جائے حتیٰ کہ مرید کی صورت بھی شیخ کی صورت ہو جائے۔(۱) اس بات کو سمجھنے کے لئے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی توجہ شریفہ سے نانبائی کا حضرت خواجہ کے ہم شکل بن جانا مثال کے لئے کافی ہے۔

علاوہ ازیں اس سال حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ سے بعض کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اسی سال خواجہ محمد اشرف کابلی اور شیخ میرک حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ شیخ میرک شہزادہ داراشکوہ (۱) کے استاد تھے۔ چناں چہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں اپنے استاد کا آپ سے بیعت ہونا لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''میرے استاد بہت چھان بین کے بعد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔''(۲)

اسی سال رسالۂ مبدأ و معاد کے مضامین مکمل ہوئے۔

ا۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۳۸

تجدید کا دسواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ

اس سال شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ کے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰنؒ رؤیائے صادقہ کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے بیعت کے لئے بدخشاں سے حاضر ہوئے۔ آپ نے کمال شفقت و مہربانی سے ان کو حلقہ ارادت میں داخل کرلیا۔(۱)

اسی سال شیخ بلخی بھی جو اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں سے تھے آپ کے مرید ہوئے انہوں نے اپنے مرید ہونے کا یہ سبب بتایا کہ ایک رات میں نمازِ تہجد کے بعد خواجہ محمد زاہد بلخیؒ کے خلیفہ خواجہ صدرالدین کی روحِ پرفتوح کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی کہ آپ تو اس دار فانی سے

۱۔ داراشکوہ، شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا، اس کی ولادت ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۶۱۵ء میں ہوئی، وہ فارسی، عربی اور سنسکرت زبان میں تبحر رکھتا تھا، مذہب اسلام کے ساتھ ساتھ اس نے ہندو مذہب کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس میں کچھ ایسی رواداری پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اسلام کے ساتھ دیگر مذاہب کی بھی حق سمجھنے لگا تھا۔ اسلامی شریعت سے زیادہ وہ ایک ایسے تصوف کا قائل تھا جس میں ایمان اور کفر کا فرق مٹ جاتا ہے، وہ پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے ویسی ہی عقیدت رکھتا تھا جیسی مسلمان اولیاء و صوفیہ سے۔ اس کے ان عقائد اور خیالات نے سنی مسلمانوں کو اس سے بدظن کردیا تھا اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ اگر اس کو حکومت مل گئی تو ایک مرتبہ بھی دورِ اکبری مع اپنے الحاد و بددینی کے لوٹ آئے گا۔ اورنگ زیب عالمگیر بھی جو شریعت کے بے حد پابند تھے اسی لئے داراشکوہ کے مخالف تھے ان مخالفتوں کے باوجود شاہجہاں، داراشکوہ کا اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے ۱۶۵۸ء میں بادشاہ بیمار ہوئے، دارا نے ان کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر امور سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ عالمگیر کو اطلاع ہوئی تو انہیں مجبوراً مقابلے میں آنا پڑا۔ پہلے ساموگڑھ کے مقام پر دارا کو شکست دی اور دارالحکومت پر قبضہ کرکے امور مملکت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اجمیر کے قریب دارا نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور میدان جنگ سے فرار ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد گرفتار کرلیا گیا اور ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۶۵۹ کو قتل کردیا گیا۔ اس کا جسدِ خاکی ہمایوں کے مقبرے میں دفن کردیا گیا، اس کی تصنیفات میں سفینۃ الاولیاء مشہور ہے۔

۲۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ: ص ۸۴

تشریف لے گئے اور میرا کام تا حال سرانجام نہیں ہوا لوگ مجھے شیخ سمجھ کر مرید ہونے کے لئے آتے ہیں، آپ کسی ایسے بزرگ کا پتہ دیں جو اس زمانے میں فائق تر ہو تا کہ میں اس سے تکمیل کروں۔ آپ نے فرمایا ''حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں سرہند شریف جاؤ۔'' چناں چہ شیخ بلخی (۲) حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ (۳)

بروز جمعہ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے صاحبزادۂ اعظم حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ (۴)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۴۱
۲۔ میر مومن بلخی کے نام مکتوب صادر ہوا ہے شاید یہی ہوں۔ واللہ اعلم
۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۴۲
۴۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۹۱

تجدید کا گیارہواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ

اس سال حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے ایک روز مجددِ الف ثانی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اپنے آپ کو ایک ایسا نور پاتا ہوں کہ تمام عالم اس سے منور ہے اور وہ نور عالم کے ہر ذرہ میں ساری ہے جیسا کہ آفتاب کا نور، کہ اس نے تمام عالم منور ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ''اے فرزند! تم اپنے وقت کے قطب ہوگے، میری اس بات کو یاد رکھنا۔'' چناں چہ مخدوم زادہ علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت عالی منقبتؒ نے مجھ کو چودہ سال کی عمر میں قطبیت کی بشارت دی تھی اور الحمد للہ کہ قیومیت کی خلعت کے عطا ہونے سے دس گیارہ سال پہلے یہ خوش خبری پوری ہوگئی اور اس بشارت کے اثرات حاصل ہوئے۔''(۱)

حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے معتقدین و مریدین کی تعداد میں جہاں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا وہاں کچھ حاسدین و ناقدین بھی پیدا ہوگئے تھے، حتیٰ کہ وہ آپ کی اہانت وخفت کے درپے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ فی الواقع قیوم و مجددِ الف ثانی ہیں تو ہمیں کوئی کرامت دکھائیں جس طرح کہ پیغمبر اپنے زمانے میں معجزہ دکھاتے تھے۔ حضرتؒ کو ان لوگوں کی باتوں کا علم ہوا تو فرمایا ''ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارا دل یہی چاہتا ہے تو آؤ مباہلہ کرلو''۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ حضرتؒ مباہلے کے لئے تیار ہیں تو وہ مباہلہ سے خائف ہوکر طالب کرامت ہوئے اور حسب منشا کرامت کے ظاہر ہونے پر توبہ کی اور حاضرِ خدمت ہوکر مرید ہوگئے۔(۲)

☆☆☆

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۳۳ ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۴۴ تا ۱۴۷، ملخصا

تجدید کا بارہواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ

اس سال مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ جو علما کے سرتاج اور تصانیف عالیہ کے مصنف تھے اور بہت سی کتابوں پر حواشی و شروح بھی لکھی ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تصانیف دیکھ کر معتقد ہو گئے اور پھر حاضرِ خدمت ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کو ''امام ربانی، محبوب سبحانی، مجدّد الف ثانی'' تحریر کیا تھا۔ (۱) اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ مسمّی بہ دلائل (۲) التجدید لکھا ہے جس میں نہایت قوی دلائل اور براہین سے آپ کو مجدّد الف ثانی ثابت کیا ہے۔ (۳)

اسی سال شیخ حمید جو ایک کامل صاحب استعداد بزرگ تھے اور اکبر آباد میں رہتے تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اکبر آباد تشریف لے جانے پر مرید ہوئے۔ حضرتؒ نے کچھ عرصہ بعد آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر بنگالہ کی طرف جانے کی اجازت فرمائی، جہاں آپ کو شہرتِ عامہ نصیب ہوئی اور آج تک شیخ حمیدؒ کا طریقہ اس ملک میں رائج ہے۔ (۴)

میر یوسف سمرقندیؒ نے جو پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مرید تھے بعد میں حضرت مجددؒ سے تجدید بیعت کی پھر کسی کام سے اپنے وطن چلے گئے تھے، اسی سال واپس آئے تو مرض الموت میں مبتلا ہو گئے، آخر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کی درخواست پر سلوک طے کرا دیا بعد ازاں آپ نے وفات پائی۔ (۵)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۵۰

۲۔ آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک اور مستقل اور بے نظیر کتاب بھی تالیف ہو چکی ہے جس کا نام شواہد التجدید ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مخدومی حضرت مولانا حافظ ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی کے کتب خانے میں موجود ہے، نیز بھوپال کی خانقاہ عالیہ مجددیہ میں بھی اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۳۔ ۵۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۴۹، ۱۵۱

صاحبِ روضۃ القیومیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شب صاحب زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ حجرے میں آرام فرما رہے تھے کہ جنات نے آ کر صحن میں کھیلنا شروع کر دیا اور شرارت کے طور پر دروازے کھٹکھٹانے لگے اور چاہتے تھے کہ اندر داخل ہو کر صاحب زادہ موصوف کو پریشان کریں ان کے اس شور و غوغا سے صاحب زادہ محمد سعیدؒ کی آنکھ کھل گئی، ساتھ ہی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی بیدار ہو گئے اور آپ نے زور سے کھنکار کر فرمایا '' محمد سعید دروازہ نہ کھولنا ''۔ جنات نے جوں ہی آپ کی آواز سنی تو آپس میں کہنے لگے کہ حضرت بیدار ہو گئے ہیں بس بھاگ چلو ورنہ ہلاک کر دیں گے، چناں چہ وہ سب جنات بھاگ گئے۔ بعد ازاں حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جنات کے بادشاہ کو بلایا وہ حاضرِ خدمت ہوا تو اس نے آپ سے معافی مانگی اور جو جنات صاحب زادہ موصوف کو ستانے کا ارادہ رکھتے تھے ان کو ہلاک کر دیا اور جس قدر جنات خانقاہ کے گرد و نواح میں آباد تھے ان کو وہاں سے نکال دیا۔ پھر شاہِ جنات نے مرید ہونے کے لئے منت و سماجت کی تو آپ نے جنات کے بادشاہ کو مع اس کے لشکر کے مرید فرما لیا۔ (۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ جنات سے متعلق مبدأ و معاد میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن جنات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔ اس فقیر نے دیکھا کہ جنات گلی کوچوں میں انسانوں ہی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے وہ جن اس فرشتے کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا اور اپنے دائیں بائیں دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مقید اور محبوب (قیدیوں) کی طرح گھوم رہے تھے اور قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے۔ اور اس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مؤکل (مقرر فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے اگر وہ جن سے ذرا سی بھی مخالفت کا احساس کرے تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دے

خدائے کہ بالا وُ پست آفرید
زبردستِ ہر دست، دست آفرید (۲)

خدا نے بنایا ہے بالا و پست
زبردست بالائے ہر زیر دست

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۵۲، ۱۵۳ ۲۔ مبدأ و معاد: منہا نمبر ۵۶، ص ۸۵

تجدید کا تیرہواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ

اس سال بلخ میں ایک شیخ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خواب میں قطب الاقطاب کے مرتبے پر فائز دیکھا تو حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح ایک سیدزادے اور سلسلۂ چشتیہ کے ایک سجادہ نشین کا بیعت ہونا روایت میں درج ہے لیکن ان بزرگوں کے نام کو کسی نے ظاہر نہیں کیا، اس لئے ہم بھی مجبور ہیں۔

اسی سال حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے جد امجد بانی سرہند شریف حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد تمام قبرستان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ الہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتے کے لئے اس قبرستان سے عذاب اٹھالیا۔ آپ نے الحاح وزاری کے ساتھ مزید درخواست کی کہ اے پروردگار تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں اور زیادہ مغفرت فرما۔ بار بار درخواست کے بعد الہام ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔

پھر ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کے مزار پر فاتحہ اور زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت موصوف کے دل میں حدیث شریف کے اس مضمون کا خیال آیا کہ جب کسی عالم کا قبر پر گزر ہوتا ہے تو چالیس روز تک صاحبِ قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا اور آئندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل و کرم سے بخش دیں گے۔ شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر واقع ہے۔(۱)

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۵۴، ۱۵۵

تجدید کا چودھواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ

اس سال ۱۰۲۵ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کی پہلی جلد مکمل ہوئی اس کے جامع شیخ یار محمد بدخشی طالقانی ہیں۔ اور اس کی نقلیں ایران، توران اور بدخشاں وغیرہ ممالک میں بھیجی گئیں۔(۱)

اسی سال کئی الم ناک حادثات پیش آئے۔ خصوصاً سرہند شریف میں طاعون کی وبا ایسی پھیلی کہ روزانہ ہزارہا آدمی اجل کا شکار ہونے لگے، چناں چہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے صاحب زادے شیخ محمد عیسیٰؒ پھر دوسرے صاحب زادے شیخ محمد فرخؒ ان کے چند دن بعد آپ کی صاجزادی ام کلثومؒ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بھی رحلت فرما گئیں۔ ان کے بعد حضرتؒ کے سب سے بڑے فرزند حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کا بھی ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو مرض طاعون میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی دعا کی برکت سے یہ وبا دور ہوئی۔(۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں مرض طاعون کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''اس وبا میں ہماری شومئ اعمال سے اول چوہے ہلاک ہوئے جو ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے تھے، اس کے بعد عورتیں، جن کے وجود پر نوعِ انسانی کی نسل و بقا کا دار و مدار ہے مردوں کی نسبت زیادہ مر گئیں۔ اور جو اس وبا میں مرنے سے بھاگا اور سلامت رہا اس نے اپنی زندگی پر خاک ڈالی اور جو شخص نہ بھاگا اور مر گیا اس کو موتِ شہادت کی مبارکبادی اور خوش خبری ہے۔''(۳)

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۶۳ ۲۔ ایضاً: ص ۱۵۹

۳۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب، ص ۲۹۹

یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں تریاقات اور مرہم ہیں۔ وہ ثمرات ونتائج جو اس دنیا میں ان مصیبتوں پر مرتب ہوئے ہیں وہ ان ثمرات کا سواں حصہ ہیں جن کے لئے ملنے کی امید وتوقع حق تعالیٰ کی عنایت سے آخرت میں ہے۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے زندگی میں بھی ان سے فائدے اور منافع ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات ونتائج مترتب ہیں۔

چند سطور کے بعد

حدیث شریف میں ہے کہ "طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لئے شہادت ہے۔" واقعی وہ لوگ جو اس وبا سے مرتے ہیں عجیب حضور وتوجہ سے مرتے ہیں، حرص آتی ہے کہ کوئی شخص ان دونوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہوجائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے۔ یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں:

جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔

ہاں جب ان گزشتہ لوگوں کے حال پر نظر کی جاتی ہے تو حالاتِ غریبہ اور معاملاتِ عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید شہدائے فی سبیل اللہ ان خصوصیات سے ممتاز ہوں۔

میرے مخدوم! فرزندِ عزیز (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو لیکن وہ صبر وشکر جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے بڑی اعلیٰ نعمت اور عظیم انعام ہے۔ یہ فقیر حق سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزا آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو، حال آں کہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینے کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى۔ (دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔(۱)

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر دوم، مکتوب ۱۷

تجدید کا پندرہواں سال

از ۲ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ

اس سال وبا کے دور ہونے کے بعد ایک دن حضرت مجدد الف ثانیؒ کا شہر سرہند سے باہر جنوب مشرق کی طرف چند میل کے فاصلے پر ایک مقام موضع براس سے گزر ہوا اس گاؤں کے متصل شمالی جانب ایک بلند ٹیلہ ہے آپ نے اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا، وہیں نمازِ ظہر ادا فرمائی پھر دیر تک مراقبہ کرنے کی بعد ہمراہیوں سے فرمایا کہ نظر کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹیلے پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں مجھے ان بزرگوں کی روحانیت سے ملاقات بھی حاصل ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات وتنزیہ وتقدیس کی نسبت جو کچھ اہل ہنود کے مذہبی پیشواؤں نے لکھا ہے وہ ان ہی انبیا علیہم السلام کے علوم سے حاصل کیا ہے یہ مقام انبیا علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے۔(۱)

اسی سال حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت مجدد الف ثانیؒ پر قرآنی حروف مقطعات کے اسرار ظاہر فرمائے اور آپ نے صرف اپنے خلفِ ارشد حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو کئی دن تک خلوت میں ان اسرارِ مقطعاتِ قرآنی سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کے ان اسرار کا اظہار فرماتے وقت مجھ پر بے ہوشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔(۲)

اس سال بہت سے خلفا ہدایت اور اشاعتِ اسلام کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے گئے۔ ستر حضرات مولانا محمد قاسمؒ کی سرداری میں ترکستان کی طرف روانہ کئے، اور چالیس حضرات عرب، یمن، شام اور روم کی طرف مولانا فرخ حسین کی ماتحتی میں بھیجے گئے۔ مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت دس معتبر حضرات کاشغر کی طرف بھیجے گئے اور تیس خلفا مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراساں گئے، اور ان لوگوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔(۳)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۶۲، ۱۶۳، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: دفتر اول، مکتوب ۲۵۹، ص ۵۰۲

۲۔ ایضاً: ص ۱۶۴

۳۔ ایضاً: ص ۱۶۶، ۱۶۷

تجدید کا سولھواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ

اب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی بزرگی اور ارشاد و ہدایت کا شہرہ تمام عالم میں بلند ہو چکا تھا، تجدیدِ ملت کی نوبت ہر چہار طرف بجنے لگی تھی، زمانے بھر کے بڑے بڑے اولیا حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی خدمت کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ غرض ہر طرف سے لوگ جوق در جوق زیارت اور شرفِ بیعت کے لئے آنے لگے۔ حتیٰ کہ عرب وعجم، ماوراء النہر، بدخشاں، کابل اور ہندوستان میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں آپ کے خلفا موجود نہ ہوں۔ آپ کی عظمت و دبدبے کی یہ شان تھی کہ بڑے بڑے متکبروں کو بھی آپ کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور آپ خلافِ شریعت کاموں پر ہدایت وتنبیہ فرمانے میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔

چناں چہ اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خبر پہنچی کہ شہر سامانہ کے خطیب نے عیدالاضحیٰ کے خطبے میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی نہیں ادا کئے تو آپ نے مکتوب نمبر ۱۵/ جلد ۲ میں جو شہر سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں و رئیسوں کے نام صادر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں:

> سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے خطیب نے عیدِ قرباں کے خطبے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر کو ترک کیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں لیا۔

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

> خلفائے راشدینؓ کا ذکر اگرچہ خطبے کے شرائط میں سے نہیں لیکن اہلِ سنت کا شعار تو ضرور ہے اور اس شخص کے سوائے جس کا دل مریض ہو اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص عمداً اور بغیر سرکشی کے اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا مگر مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ کا کیا جواب دے گا اور اتقوا من مواضع التھم کے موافق تہمت کے موقع سے کس طرح بچ سکے گا الخ

اس سال کا ایک اہم واقعہ سلطان جہانگیر کا حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ سے منحرف ہونا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اکبر بادشاہ فوت ہوا تھا تو رعایا بہت خوش تھی اور شکرادا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ملحدانہ عقائد والے بادشاہ سے نجات دلائی اور جہانگیر بادشاہ کے اخلاق وعادات اور عدل وانصاف سے لوگوں کو توقع تھی کہ وہ دینِ اسلام کی اشاعت میں ممد ومعاون ہوگا اس لئے مزید خوش تھے۔ اسی طرح حضرت مجددؒ الف ثانیؒ بھی جہانگیر کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے چناں چہ آپ خواجہ میر نعمان کو ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ کے مکتوب شریف میں سلطانِ وقت کی خدا پرستی اور احکامِ شریعت کے موافق عدل وانتظام کا حال لکھا ہوا تھا اس کا مطالعے سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور کمال ذوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بادشاہِ وقت (جہانگیر) کو عدل وعدالت کے نور سے منور کیا ہوا ہے اسی طرح ملتِ محمدیہ کو بھی بادشاہ کے حسنِ اہتمام سے نصرت وعزت بخشے۔ (۱)

لیکن جب لوگوں نے دیکھا کہ حکومت میں اہلِ تشیع کا غلبہ ہو رہا ہے تو بہت گھبرائے اور حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں اس فتنے کے دفیعے کے لئے توجہ بلیغ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا جب تک ہم اپنے نفس پر تکلیف گوارا نہ کریں گے مخلوقِ خدا اس فتنے سے خلاصی نہیں پائے گی۔ بعدازاں آپ نے شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عنایت فرما کر شاہی لشکر آگرہ میں بھیج دیا اور رخصت کے وقت شیخ بدیع الدین سے فرمایا کہ تمہیں شاہی لشکر میں قبولیت عامہ نصیب ہوگی، اگر کسی وجہ سے تم کو تکلیف بھی پہنچے تو مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے حرکت نہ کرنا، اگر مستقل مزاج نہ رہو گے تو خود بھی تکلیف اٹھاؤ گے اور ہمیں بھی تکلیف پہنچے گی۔

چناں چہ شیخ بدیع الدین کو لشکرِ شاہی میں قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ اکثر ارکانِ سلطنت نے شیخ صاحب موصوف سے رجوع کیا اور لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہو گئے ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امرا کو بڑی مشکل سے شیخ کی زیارت نصیب ہوتی۔ اس دوران میں آپ سے بہت کشف وکرامات بھی ظاہر ہوئیں، آخران احوال کی اطلاع آصف الدولہ شیعہ وزیرِ اعظم کو ہوئی تو وہ بہت برہم ہوا اور موقع پا کر جہانگیر بادشاہ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف بھڑکایا،

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۹۲

طرح طرح کے الزامات لگائے اور کہا کہ سرہند کے ایک مشائخ زادے نے جو علوم عربیہ میں ماہر ہے اور مختلف درویشوں سے خلافت پائی ہے مجددیت کا دعویٰ کیا ہے، اس نے صدہا خلفا مختلف دور دراز ملکوں میں بھیج دیئے اور لاکھوں آدمی اس کے اور اس کے خلفا کے مرید ہو گئے ہیں۔ کئی غیر ممالک کے بادشاہ خود اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ہیں اور ہمارے لشکر میں بھی اس کا ایک خلیفہ مقیم ہے اکثر امرائے سلطانی مثلاً خانخاناں، سید صدر جہاں، خان جہاں، خان اعظم، مہابت خان، تربیت خاں، سکندر خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں وغیرہ سب اس کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں۔ خوف ہے کہ غفلت میں کوئی اور شکل ظہور پذیر نہ ہو جائے۔ نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض نازک معارف جنہیں عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے وہ جہانگیر کو دکھائے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ شاہی احکام کے ذریعے فوجی لوگوں کو شیخ بدیع الدین کے پاس جانے پر سخت پابندی لگا دی گئی اور شیخ کو ان کے کشف و کرامات کی وجہ سے جادوگر وغیرہ مشہور کر دیا گیا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر بعض ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی خدمت میں آمد و رفت سے رک گئے، بعض خفیہ طور پر آتے جاتے رہے اور بعض راسخ العقیدہ بے تکلف شیخ بدیع الدین کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے لیکن جس کے حاضر ہونے کی اطلاع ہو جاتی موردِ عتابِ شاہی ہوتا۔ اس بنا پر شیخ موصوف خود بھی لوگوں کو اپنے پاس آنے سے منع کرتے کہ تم کو میرے پاس آنے سے تکلیف پیش آنے کا خطرہ ہے۔ ساتھ ہی شیخ موصوف ان تمام حالات و واقعات کی اطلاع حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں ارسال کرتے رہے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی ان کو تسلی اور اطمینان دلاتے رہے۔

اس دوران میں وزیر اعظم جہانگیر بادشاہ کو برابر بھڑکاتا رہا۔ آخر دربارِ شاہی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قتل یا جلاوطنی یا قید کے مشورے ہونے لگے اور روزانہ نئی سے نئی افواہیں پھیلائی گئیں، جب ان مشوروں اور افواہوں کی اطلاع شیخ بدیع الدین کو ہوئی تو وہ گھبرا کر اکبر آباد سے روانہ ہو گئے اور اپنے وطن سہارنپور ہوتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو شیخ موصوف کی آمد کی اطلاع ہوئی تو شیخ پر بہت ناراض ہوئے کہ میں نے تم کو تاکیداً منع کر دیا تھا کہ وہاں سے میری اجازت کے بغیر نہ آنا پھر تم کیوں چلے آئے، تم شاہی لشکر میں خلیفہ بنا کر بھیجنے کے قابل نہیں ہو، اب تم آگرہ ہرگز واپس نہ جانا۔ شیخ نے خیال کیا کہ حضرت موصوف نے غصے میں واپس جانے سے منع فرمایا ہے اصل مقصد

نہیں ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جلد واپس چلا جاؤں۔ چناں چہ شیخ صاحب اس غلط فہمی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اجازت کے بغیر پھر آگرہ شاہی لشکر میں پہنچ گئے۔

اب مخالفین کو اور موقع ملا اور بادشاہ کو شیخ کے واپس آنے کی اطلاع کے ساتھ یہ پٹی بھی پڑھائی کہ حضرت مجددؒ دالف ثانیؒ شیخ کے ذریعے فوج سے ساز باز کر رہے ہیں اور اب وہ کوئی خصوصی پروگرام شاہی لشکر کے لئے لے کر آئے ہیں اور بغاوت کا سخت اندیشہ ہے اس لئے جلد کوئی کاروائی کرنی چاہیے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ضروری سمجھا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خصوصی مریدین جو اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ان کو دور دراز ملکوں میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ مزید فتنہ برپا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ خان خانان کو دکن، خان جہاں لودھی کو مالوہ، خان اعظم کو گجرات اور مہابت خاں کو کابل کی صوبہ داری پر بھیج دیا اور اسی طرح باقی حکام کو بھی جو آپ کے خاص معتقد تھے دور دراز صوبوں کا حاکم بنا کر بھیج دیا گیا۔(۱)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۴۷ تا ۳۵۰۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۷۰ تا ۱۷۵ ملخصاً

تجدید کا سترہواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۸ھ

جب جہانگیر بادشاہ کو حکام کے اپنے اپنے تبدیل شدہ مقامات پر پہنچنے کی اطلاع مل گئی اور اس کو اطمینان ہو گیا کہ اب اگر حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے تو یہ لوگ بے خبر رہیں گے اور سلطنت میں کسی قسم کا نقصِ امن نہیں کر سکیں گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک فرمان حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے نام جاری کیا جس میں آپ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے آپ کو مع جملہ صاحب زادگان و مریدین دعوت دی گئی اور حاکمِ سرہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے مجدّد الف ثانیؒ کو یہاں بھجوا دو۔

جب حکم نامہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اپنے صاحب زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو پوشیدہ طور پر پہاڑی علاقہ کی طرف بھیج دیا اور اہل و عیال کو دلاسا و تسلی دے کر خود حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہم راہ لے کر روانہ ہو گئے، رخصت کے وقت اہل و عیال اور معتقدین نے گھبراہٹ و بے چینی ظاہر کی لیکن حضرت موصوف نے سب کو تسلی دی اور صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ تکلیف صرف ایک سال کے لئے بعد ازاں آرام ہی آرام ہے۔

بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امرا کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا اور نہایت احترام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے آپ کا خیر مقدم کیا، اپنے محل کے قریب آپ کا خیمہ نصب کرایا اور آپ کے ہم راہیوں کے لئے بھی خیمے لگوا دیئے۔ آخر بادشاہ نے ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا، آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آدابِ شاہی جو خلافِ شرع شریف تھے آپ نے ادا نہ کئے۔ بادشاہ کی جوں ہی حضرت مجدّدؒ صاحب پر نظر پڑی تو وہ اس درجہ متاثر ہوا کہ آدابِ شاہی بجا نہ لانے پر ذرا بھی معترض نہ ہوا۔ یہ حال دیکھ کر شیعہ وزیر حیران رہ گیا اور بادشاہ سے کہا ''حضور یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو تمام انبیا سے افضل بتاتا ہے

اور حضرت موصوف کا وہ مکتوبِ گرامی بھی پیش کیا جو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنے تفصیل احوال کے سلسلے میں تحریر کیا تھا۔ وھو ھذا۔

دوسری عرض یہ ہے کہ دوبارہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقامات ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے نیاز وعاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے، اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے وہ مقام بھی جن کا ذکر اب ہوتا ہے تکمیل وارشاد کے مقام ہیں، اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا ہے کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے، اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے، سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے، اور اس مقام کے اوپر سوائے آں حضرت ﷺ کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا ظاہر ہوا، اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا جس طرح کہ صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں، اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور مقام رنگین اور منقش تھا اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔ اس کے بعد اسی کیفیت میں اپنے آپ کو لطیف پایا اور ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح اطراف میں پھیل گیا اور بعض اطراف کو گھیر لیا اور حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام میں ہیں، بندہ اپنے آپ کو اس کیفیت کے ساتھ جو عرض کی گئی ہے اس مقام کے مقابل مقام میں پاتا ہے۔ (۱)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۱

حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ نے فرمایا کہ وہ شخص جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق سے افضل جانے اہلِ سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے۔ حالانکہ اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے۔ (۱)

اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب سمجھے ہیں وہ سیرِ عروج کا حال ہے کہ اکثر صوفیہ کو ابتدائے حال میں بڑے بڑے مقامات کی سیر حاصل ہوتی ہے اور پھر اپنے اصلی مقام پر آ جاتے ہیں، مثلاً دربارِ شاہی میں کہ ہر ایک امیر وزیر شاہ زادے کی جگہ مقرر ہے، اگر سلطان کسی شخص کو مصلحتاً اپنے پاس ذرا سی دیر کے لئے طلب فرمائے اور اس سے سرگوشی کر کے پھر اس کو واپس کر دے، چوں کہ وہ شخص تمام ارا کینِ سلطنت کے مقام سے گزرتا ہوا آئے گا تو اس سے یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص ان کا ہم رتبہ و ہم درجہ ہو گیا، یہی حال اس عروجِ باطنی کا بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس مکتوب میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے تیئں اس مقام کے عکس سے رنگین پایا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی چیز آفتاب کے عکس سے روشن مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ زمین آفتاب ہو گئی، زمین ہر روز آفتاب کے عکس سے روشنی ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ زمین آفتاب ہو گئی۔ غرض کہ حضرت کے معقول جوابات سے بادشاہ کو ایسی تسلی ہوئی کہ اس کا غصہ دور ہو گیا۔ (۲)

اور بادشاہ نے کہا واقعی ہمارا خیال بھی ایسا ہی تھا کہ آپ جیسے بزرگ صالح اور متقی سے کیوں اہلِ حق کی مخالفت ظاہر ہو گی۔ جب شیعہ وزیر نے دیکھا کہ یہ داؤ بھی نہ چل سکا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! شیخ صاحب نے آدابِ سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی۔ اس پر بادشاہ نے آپ سے وجہ دریافت کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا اور رسول کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے، بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا مجھے سجدہ کرو۔ آپ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا۔ بادشاہ نے کہا نہیں تم کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ حضرت نے فرمایا تم مجھ سے ہرگز سجدہ نہیں کرا سکتے۔

کہتے ہیں کہ اس واقعے سے پہلے شہزادۂ دین پناہ شاہجہاں کہ حضرتؒ سے خلوص کامل رکھتا تھا علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو کتبِ فقہ کے ساتھ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۰۲ ۲۔ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۱۱

خدمت میں بھیج چکا تھا کہ سجدۂ تحیۃ سلاطین کے لئے آیا ہے اگر آپ سجدہ کرلیں تو آپ کو بادشاہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں ضامن اور ذمے دار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

یہ حکم بہ طور رخصت ہے اور بہ طورِ عزیمت حکم یہ ہے کہ غیر حق کو کبھی سجدہ نہ کریں۔(۱)

جب بادشاہ کو اندازہ ہوگیا کہ آپ کسی طرح اس کو سجدہ نہیں کریں گی تو کہا اچھا آپ کا سجدہ صرف اتنا ہے کہ سر کو ذرا خم کردیں باقی آداب میں نے معاف کردیئے کیوں کہ مجھے آپ سے شرم آتی ہے اور یہ کہ میری زبان سے ایک بات نکل گئی ہے اس کو پورا ہونا چاہئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس بات کے لئے سر بھی نہ جھکاؤں گا۔ بادشاہ نے اپنے مقربین سے کہا کہ شیخ صاحب کے سر کو پکڑ کر ذرا جھکا دو اور پھر ان کو تحفے اور انعام دے کر رخصت کردو کیوں کہ مجھے ان سے شرم آتی ہیں۔ چناں چہ چند قوی ہیکل امرا نے حضرتؒ کے سرِ مبارک کو خم کرنا چاہا اور بہت زور لگایا کہ کسی طرح ذرا خم کردیں لیکن ممکن نہ ہوا، حتیٰ کہ زور آزمائی کی وجہ سے حضرت موصوف کی بینیِ مبارک سے خون جاری ہوگیا، بعدازاں بادشاہ نے کہا اچھا شیخ صاحب کو چھوٹے دروازے سے جو قدِ آدم سے چھوٹا تھا لے کر آؤ تا کہ اس سے گزرتے وقت تو سر جھکانا ہی پڑے، لیکن حضرتؒ نے اس دروازے گذرنے کے لئے پہلے اپنا قدم نکالا اور پھر سر کو پچھلی طرف جھکا کر داخل ہوئے۔ شیعہ وزیر نے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو اور بھڑکایا کہ شیخ صاحب جب آپ کے حضور میں اس قدر تکبر کرتے ہیں تو باہر نکل کر نہ جانے کس قسم کی شورش کا موجب ہوں، ایسا موقع پر ہاتھ نہیں آئے گا، شیخ صاحب کو ابھی قید کرلیں ورنہ بعد میں بڑی پریشانی ہوگی اور اس وقت پچھتانا کچھ مفید نہ ہوگا۔ آخر بادشاہ شیعہ وزیر کے اصرار کرنے پر حضرت کو قید کرنے پر رضامند ہوگیا اور گوالیار کے قلعے میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔(۲)

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی جہانگیر سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور دوسری ملاقات میں اس نے آپ کو گوالیار کے قلعے میں قید کرنے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم۔

چناں چہ جہانگیر نے خود بھی توزک جہانگیری میں حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی قید و بند کے بارے میں نہایت مغرورانہ انداز میں لکھا ہے:

دریں ایام (۱) بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سہرند دام زرق و سالوس فرو چیدہ بسیارے از ظاہر پرستاں بے معنی را صید خود کردہ بہر شہرے و دیارے یکے از

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم: ص ۹۰ ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۷۹، ۱۸۰

مریدانِ خودرا کہ آئین دکان آرائی دمعرفت فروشی ومردم فریبی راازدیگراں پختہ تر
دانند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ ومزخرفاتے کہ بہ مریداں ومعتقدان خودنوشتہ کتابے فراہم
آوردہ مکتوباتے نام کردہ ودراں جنگِ مہملات بسا مقدمات لا طائل مرقوم گشتہ کہ
بکفر وزندقہ منجری شودازاں جملہ درمکتوبے نوشتہ کہ دراثناءِ سلوک گذارم بمقام ذی
النورین افتاد، مقامے دیدم بغایت عالی وخوش بصفا زانجا درگذشتم بمقام فاروق
پیوستم وازمقامِ فاروق بمقامِ صدیق عبورکردم وہرکدام راتعریفے درخورِ آں نوشتہ
وازانجا بمقامِ محبوبیت واصل شدہ مقامے مشاہدہ افتاد بغایت منور وملون کود را
بانواع انوار والوان منعکس یافتم یعنی استغفراللہ ازمقام خلفا درگذشتہ بعالی مرتبت
رجوع نمودم ودیگر گستاخی ہا کردہ کہ نوشتن آن طولے دارد وازادب دوراست بنا
بریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند، حسب الحکم بملازمت پیوست
وازہرچہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود وباعدم خردودانش بغایت
مغرور وخود پسند ظاہر شد صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزندان
ادب محبوس باشدتاشوریدگی مزاج وآشفتگی وماغش قدرے تسکین پذیرد وشورش عوام
نیزفرونشیند، لاجرم بانے رائے سنگدلان حوالہ شدکہ درقلعۂ گوالیار مقید دارد۔

شہنشاہ جہانگیر نے اگرچہ مندرجہ بالا عبارت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی مدح میں نہیں لکھی بلکہ اس عبارت کا انداز منہ چڑانے کے مترادف ہے، اس کے باوجود اس عبارت میں بعض حقائق پنہاں ہیں۔ مثلاً یہ جہانگیر خود اس بات کا اعتراف کررہا ہے کہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور آں موصوف کے خلفاومریدوں نے ہرشہرو ہرقصبے میں معرفت کی دکان کھولی ہے، یعنی آپ کی مقبولیت اس قدر عام ہوگئی تھی کہ ہرشہرو ہرقصبے میں آپ کی تعلیمات کے مدارس اور ذکرواشغال کی مجالس قائم ہوگئی ہیں۔ اس سے زیادہ حضرت کی مدح وستائش اور کیا ہوسکتی ہے، سچ ہے''جادو وہ جوسر

۱۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قلعۂ گوالیار میں قید کرنے کی تاریخ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ توزک جہانگیری کے ص ۲۶۵ پر چودھویں جشن نوروز کے حالات شروع ہوتے ہیں جو بروز ہفتہ ۴ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کو منایا گیا تھا۔ اس سال کے ماہِ خورداد (مطابق جمادی الاخریٰ ۱۰۲۸ھ مطابق مئی ۱۶۱۹ء) میں جو حالات وواقعات پیش آئے ان کی تفصیلات کے ضمن میں ص ۲۷۲، ۲۷۳ پر یہ عبارت درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی ماہ کے وسط میں آپ کو قید کیا گیا، واللہ اعلم۔

چڑھ کر بولے۔

دیگر یہ کہ چوں کہ جہانگیر تصوف اور سلوک کی منازل و درجات سے ناواقف تھا، اس لئے وہ ان مقامات کو نہ سمجھ سکا جس کی بنا پر اس نے آپ کو قید کی سزا دی اور یقیناً وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے جذبۂ اخلاص واتباع سنت کے اثر سے متاثر اور آپ کی ولایت و کرامت کا ضرور تھا اور آپ کی عظمت وجلال کا رعب و دبدبہ بدرجۂ اتم اس کے دل پر ضرور چھا چکا تھا ورنہ جب کہ اس نے اپنی شہزادگی کے زمانے میں ابوالفضل جیسے وزیر اعظم کو قتل کرا دیا تھا تو وہ اپنی مطلق العنان بادشاہی کے دور میں آپ کے ساتھ کیا کچھ نہ کر سکتا تھا۔

چوں کہ ان واقعات کے سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو الہام ہو چکا تھا اسی لئے آپ قید ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ ابھی تک میری تربیت جمالی طوز سے ہوئی ہے اب حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ جلالی طور سے ہو، اور مجھ پر ایک مصیبت آنے والی ہے جو میرے مدراجِ قرب کی ترقیات کا موجب ہوگی۔ چناں چہ آپ نے ان قید و بند کی تکالیف کو بہ خوشی قبول فرما لیا۔

دفتر سوم مکتوب نمبر ۲ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابوں کو ضبط کر لیا گیا تھا اور سب متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا۔

نقل ہے کہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ گوالیار کے قلعے میں پہنچے تو حاکم قلعہ شاہی حکم کے مطابق نہایت سختی سے پیش آیا، یہ دیکھ کر آپ کے احباب میں سے ایک صاحب نے پاسبانوں سے کہا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ بادشاہ نے ہمیں یہاں قید کر رکھا ہے؟ یاد رکھو کہ ہم حکمِ الٰہی سے یہاں آئے ہیں اگر ہم چاہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہاری آنکھوں میں خاک ڈال کر ایک دم باہر جا سکتے ہیں۔ اتنا کہہ کر اچھلے اور قلعے کی دیوار پر جا بیٹھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب یہ حرکت دیکھی تو جھڑک کر فرمایا کہ کیا مجھ میں اظہارِ کرامت کی قدرت نہیں جو تم کر رہے ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس جفا کو برداشت کرنے کے لئے مامور ہیں:

تو سمجھتا ہے حوادث ہیں ستانے کے لئے
یہ ہُوا کرتے ہیں ظاہر آزمانے کے لئے
تُندیٔ بادِ مخالفت سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب پاسبانوں نے یہ حالت دیکھی تو بہت نادم و پشیمان ہوئے اور حاضرِ خدمت ہو کر معافی مانگی (۱)۔ نقل ہے کہ جب حضرتؒ قلعۂ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کئی ہزار غیر مسلم قیدی بھی تھے آپ نے ان کو تبلیغ دین کر کے مشرف بہ اسلام کیا اور سیکڑوں قیدیوں کو ارادت سے سرفراز فرما کر درجاتِ ولایت پر پہنچا دیا۔ (۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمادی الاخری ۱۰۲۸ھ میں جب حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کو قلعۂ گوالیار میں نظر بند کر دیا تو مکتوبات شریف کے دفتر دوم کو اسی واقعے کی یادگار کے طور پر ختم کر کے مکمل کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

اسی سال آپ کے خلیفہ شیخ احمد برکی کا وصال ہوا۔ جب اس کی اطلاع حضرتؒ کی ہوئی تو بہت افسوس کیا۔

ا۔ سیرت امام ربانیؒ: ص ۱۲۷، ۱۲۸ ۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی: ص ۲۵۲

تجدید کا اٹھارواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۸ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۹ھ

اس سال کے اہم واقعات میں جہانگیر کے خلاف امرا کی بغاوت حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی رہائی اور لشکر میں قیام، بادشاہ سے ملاقاتیں اور دینِ اسلام کی تبلیغ و ترویج وغیرہ ہیں۔

ہندوستان کے امرا اور اراکین سلطنت مثلاً عبدالرحیم خان خاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں، خان جہاں لودھی اور مہابت خاں وغیرہ جو حضرت مجدّد صاحبؒ کے مرید و معتقد تھے، آپ کی نظر بندی کی خبر سن کر آگ بگولا ہو گئے اور جنگ کرنے کے لئے باہمی خط و کتابت شروع کردی، آخر یہ طے پایا کہ کابل کے حاکم مہابت خان کو اپنا سردار مقرر کیا جائے، مگر اسی اثنا میں حضرت مجدّد صاحبؒ کی جانب سے ہدایات موصول ہوئیں کہ میری یہ کیفیت اپنی رضامندی سے ہے، خبردار آپ لوگ کوئی جنبش یا حرکت نہ کریں۔(۱)

صاحب روضۃ القیومیہ نے ان واقعات کو اس طرح قلم بند کیا ہے کہ مہابت خان نے جب ہر طرح کے انتظامات مکمل کر لئے تو خطبے اور سکے سے بادشاہ کا نام نکال کر کابل سے ہندوستان کی طرف چلا، جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو بہت پریشان ہوا اور سوائے اس کے کوئی چارا نظر نہ آیا کہ مہابت خاں کا مقابلہ کیا جائے، چناں چہ بادشاہ خود ایک جرار لشکر لے کر نکلا، آخر دریائے جہلم پر جہانگیر اور مہابت خاں کا مقابلہ ہوا۔ جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہی لشکر میں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے مریدوں کی کثرت تھی اور سب کو معلوم تھا کہ مہابت خان حضرت موصوف کو قید کرنے کی وجہ سے بادشاہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہوا ہے، اس لئے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں لشکر نے مہابت خاں پر حملہ صرف دکھانے کے لئے کیا۔ بادشاہ غصے میں بھرا ہوا تو تھا ہی اس نے آگا دیکھا نہ پیچھا بڑھتا چلا گیا۔ مہابت خاں جنگی چال دے کر پیچھے ہٹتا چلا گیا، حتیٰ کہ

۱۔ سیرت امام ربانی: ص ۱۳۰، ۱۳۱

بادشاہ کو گھیرے میں لے کر گرفتار کرلیا۔ وزیر اور باقی لشکر کو جب بادشاہ کی گرفتار کا علم ہوا تو بہت گھبرائے اور صلح کی پیشکش کی، اور وزیر نے مہابت خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت خوشامد کی اور معافی مانگی۔

بادشاہ تین یا سات دن مہابت کے پاس نظر بند رہا، اس دوران میں بعض امرا نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو تخت پر بٹھانا چاہا لیکن حضرت نے تخت پر بیٹھنا تو درکنار قید سے نکلنا بھی پسند نہ کیا بلکہ آپ نے امرا کے ذریعہ مہابت خاں کو پیغام بھیجا کہ ''فتنہ اور فساد فرو کرو، اور بادشاہ کی اطاعت کرو۔

جب مہابت خاں نے جہانگیر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا پیغام سنایا تو وہ حیران ہوا اور حضرتؒ کی عظمت و ہیبت سے تھرا گیا۔ چناں چہ مہابت خاں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی کا عہد و پیان لے کر بادشاہ کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا اور آداب سلطنت بجالایا۔ بادشاہ نے بھی اس کا قصور معاف کیا اور حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی رہائی کا حکم دیا۔ آپ کی نیک نیتی اور اخلاص کے اس عظیم مظاہرہ سے متاثر ہو کر بادشاہ نے آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے تشریف لانے کی دعوت دی۔ (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے چند شرطیں حاضر ہونے کے لئے پیش کیں، جن کو بادشاہ نے بہ خوشی منظور فرمایا۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بڑی عزت واحترام سے رہا کیے گئے۔ تین یوم سرہند شریف قیام فرما کر آپ شاہی لشکر آگرہ میں تشریف لے گئے۔ ولی عہد شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو شاہی مہمان خانے میں نہایت احترام کے ساتھ ٹھہرایا گیا۔

بادشاہ نے آپ کی پیش کردہ شرطوں کو پورا کیا چناں چہ:

۱۔ سجدۂ تعظیمی بالکل موقوف کر دیا گیا۔

۲۔ گاؤکشی میں آزادی دی گئی، گائے کا گوشت برسرِ بازار فروخت ہونا شروع ہوا۔

۳۔ بادشاہ اور ارکانِ دولت نے ایک ایک گائے دربارِ عام کے دروازے پر اپنے اپنے ہاتھ سے ذبح کی اور کباب تیار کرا کر کھائے۔

۴۔ ملک کے جس جس حصہ میں مساجد شہید کی گئی تھیں، دوبارہ تعمیر کی گئیں۔

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۸۸، ۱۸۹۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی: ص ۸۹

۵۔ دربارِ عام کے قریب ایک خوش نما مسجد تعمیر ہوئی، تیار ہونے پر بادشاہ امرا سمیت اس مسجد میں آیا اور حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی امامت میں نماز ادا کی۔

۶۔ ہر شہر اور قصبے میں دینی تعلیم کے لئے مکتب اور مدرسے قائم کیے گئے۔

۷۔ شہر بہ شہر محتسب، شرعی مفتی اور قاضی مقرر ہوئے۔

۸۔ کفار پر جزیہ مقرر ہوا۔

۹۔ جس قدر قوانین خلاف شرع جاری تھے سب یک قلم منسوخ کیے گئے۔

۱۰۔ جملہ بدعات اور رسومِ جاہلیت بالکل مٹادی گئیں۔ اس طرح دینِ اسلام میں نئے سرے سے رونق اور تازگی پیدا ہوئی، مسلمانوں کے قلوب مسرت سے لب ریز ہو گئے، اور شبانہ روز کفار اپنی رضا و رغبت سے حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ (۱)

صاحب روضۃ القیومیہ رقم طراز ہیں کہ بادشاہ گزشتہ گستاخیوں کی بابت بہت شرمندہ تھا، ہر روز اپنے خاتمہ بالخیر اور مغفرت کے لئے آں جناب (حضرت مجددؒ الف ثانیؒ) سے التجا کرتا۔ آں حضرت" فرماتے کہ خاطر جمع رکھو میں اس وقت بہشت میں داخل ہوں گا جب تم کو اپنے ساتھ لے لوں گا۔ (۲)

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی لکھنوی علیہ الرحمۃ قید سے رہائی کے واقعات کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

> قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا، خواب کیا قسمت جاگ اٹھی، دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیاء ﷺ بہ طور تاسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرمارہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔

اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوادیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز حضرت کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکی کر دیا پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے ایسی بے تعلقی اختیار کی کہ باید و

۱۔ سیرت امامِ ربانی: ۱۳۲، ۱۳۳   ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۹۷

شاید۔(۳)

جہانگیر اپنی توزک میں رہائی کے واقعات کو اپنے شاہی رعب و جلال کے ساتھ اس طرح لکھتا ہے:

دریں تاریخ (۱) شیخ احمد سرندی را کہ بجہت دکان آرائی و خود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند در زندان ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ در رفتن و بودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتے و کفایتے بود نقش مراد در ملازمت خواہد بود۔

جہانگیر کی یہ عبارت بھی اپنے شاہی متکبرانہ انداز میں ہے لیکن اس عبارت سے واضح طور پر یقین ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے جذبۂ اخلاص سے ضرور مرعوب ہو چکا تھا جب ہی تو اس نے خلعت اور ہزار روپیہ کی رقم عنایت فرمائی اور اس کا بھی اختیار دیا کہ خواہ وہ اپنے وطن واپس تشریف لے جائیں یا میرے ساتھ رہیں۔ آپ نے شاہی لشکر میں قیام کو قبول فرمالیا اور فرمایا ''میرا مقصد اسی سے پورا ہوگا''۔ یعنی اس سے بادشاہ کی اصلاح ہوگی اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

اس کے بعد بھی ایک دوسرے موقع پر جہانگیر نے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کو دو ہزار روپے عنایت فرمائے، چناں چہ توزک جہانگیری میں درج ہے کہ از اں جملہ بشیخ احمد سہرندی دو ہزار روپیہ عنایت شد۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جب گوالیار کے قلعے سے باہر تشریف لائے اور لشکر میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں کے حالات مخدوم زادوں کے نام تحریر فرماتے ہیں:

۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۲۵۶

۱۔ قید سے رہائی کے سلسلے میں عرض ہے کہ توزک جہانگیری میں صفحہ ۲۹۲ پر پندرہویں جشن نوروز کے حالات شروع ہوتے ہیں جو کہ بروز جمعہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۲۹ کو منایا گیا تھا۔ اس سال خورداد کے مہینے (مطابق جمادی الاخریٰ ۱۰۲۹ھ و مطابق ۲۱ مئی ۱۶۲۰ء) میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان کے ضمن میں صفحہ ۳۰۸ پر یہ عبارت درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی ماہ کی کسی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو پورے ایک سال بعد قید سے رہا کیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ فرزندانِ گرامی اگر چہ ہماری دائمی صحبت کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور و ملاقات کے آرزو مند ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں کیوں کہ تمام امیدیں میسر نہیں:

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَالَا تَشْتَھِی السُّفُنُ

ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس عرصے کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سے ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے جیسا ارشاد فرمایا تھا کہ ''میرا مقصد اسی سے پورا ہوگا'' یعنی لشکر کے دورانِ قیام بادشاہ سے ملاقات کی سہولت اور اس کو تبلیغ دین کرنے کے مواقع حاصل ہو سکیں گے، چناں چہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی شاہی دربار میں آمد و رفت شروع ہوگئی جس تذکرہ مخدوم زادوں کے نام ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر ہونا چاہئے۔ (۲)

شاہی مجلس سے متعلق ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

فرزندان گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا لکھا ہوں اچھی طرح سماعت کریں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا اور تین سیپارہ قرآن مجید حافظ سے سنا، دو پہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔ (۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف میں ایک مکتوب جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ہے، چوں کہ شہنشاہ جہانگیر سے متعلق گفتگو کا سلسلہ جاری ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب ۴۳ ۲۔ ایضاً: دفتر سوم ۱۰۶

۳۔ دفتر سوم: مکتوب ۷۸

کہ وہ مکتوب یہاں درج کردیا جائے وھوھذا:

کم ترین دعا گویان احمد معلّٰی بارگاہ کے حاضرین اور بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت میں عاجزی اور نیاز مندی ظاہر کرتا ہے اور اس امن و آرام کی نعمت کا شکر بجالاتا ہے جو جناب کے غلاموں کی دولت و اقبال سے عوام وخواص کے شامل حال ہے اور دعا کی قبولیت کے گمان کردہ وقتوں اور فقرا کی جمعیت کے زمانوں میں فتح حاصل کرنے والے لشکر کے لئے فتح ونصرف کی دعا مانگتا ہے کیوں کہ:

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ہر کسی کو دے دیا ہے ایک کام

اس لئے کہ کارخانہ خداوندی میں کوئی چیز عبث نہیں ہے، وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر پر موقوف ہے اس میں دولت وسلطنتِ قاہرہ کی تائید اور تقویت ہے جس پر شریعتِ روشن کی ترقی منحصر ہے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلشَّـرْعُ تَـحْـتَ السَّيْفِ ''شرع تلوار کے نیچے ہے'' اور یہی بڑا معتبر کام لشکرِ دعا (دعا کرنے والے حضرات) سے بھی وابستہ ہے جو ارباب فقر و احباب بلا ہیں، کیوں کہ فتح ونصرت دو قسم کی ہے، ایک وہ قسم ہے جس کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا اور وہ فتح و نصرت کی صورت میں ہے جو غزا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے، دوسری قسم فتح ونصرت کی حقیقت ہے اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے آیت کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللهِ (نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ لشکرِ دعا سے تعلق رکھتی ہے، پس لشکرِ دعا اپنی ذلت وانکساری کے باعث لشکرِ غزا پر سبقت لے گیا اور سبب سے مسبب کی طرف دلالت فرمائی

بردند شکستگاں ازیں میدان گوے

لے گئے کمزور اس میدان سے گیند

نیز دعا قضا کو رد کردیتی ہے، جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے لَا يَرُدُّ الْقَضَآ اِلَّا الدُّعَاءُ (۱) ''سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی'' تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو رد کرسکے، پس لشکرِ دعا ضعف و عاجزی کے باوجود

۱۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ عن سلمان والحاکم وابن حبان عن ثوبان

لشکرِ غزا کے لئے لشکرِ دعا کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ جسم بغیر روح کے تائید ونصرت کے لائق نہیں ہوتا، اسی لئے (راویوں نے) کہا ہے: (۲) کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكَ الْمُھَاجِرِیْنَ ''رسول اللہ ﷺ لشکرِ غزا اور جہاد کرنے والوں کو غلبہ کے باجود فقرائے مہاجرین کے وسیلے سے فتح ونصرت طلب کیا کرتے تھے''۔ پس فقرا جو دعا کا لشکر ہیں خواری اور زاری اور بے اعتباری کے باوجود ضرورت کے وقت کام آتے ہیں اگر چہ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ ''فقر دونوں جہان میں روسیاہی کا باعث ہے'' کہا گیا ہے، اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار حاصل کرتے ہیں اور سب سے آگے قدم لے جاتے ہیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علما کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے تو سیاہی والا پلہ غالب آجائے گا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ یہی سیاہی اور روسیاہی ان کی عزت وسرخ روئی کا باعث ہوگئی اور ان کے مرتبے کو پستی سے بلندی تک پہنچادیا۔ ہاں

بتاریکی دروں آبِ حیات است
چھپا ظلمت میں آبِ زندگی ہے

کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے
سیاہ رویِٔ من کرد عاقبت کارے

میرے حبیب نے مجھ کو اپنا غلام کہا۔ میری سیاہ روئی نے آخر میرا کام بنادیا۔

یہ کم ترین اگر چہ اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکرِ دعا کے شمار میں داخل کرے لیکن تاہم صرف فقر کے نام اور دعا کی قبولیت کے احتمال پر اپنے آپ کو دولتِ قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا اور حال وقال کی زبان سے سلامتی کی دعا وفاتحہ میں مشغول رہتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (۱)

۲۔ رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ)

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب ۴۷

تجدید کا انیسواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۹ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ

اس سال کے اہم واقعات میں جہانگیر اور شہزادہ خرم کی جنگ، شہزادہ کا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونا اور سلطنت کی بشارت پانا۔

اس سال ولی عہد شہزادہ خرم (شاہجہاں) جو بہت نیک طینت اور فرشتہ خصلت تھا، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بہت معتقد تھا اور آصف الدولہ برادرِ نور جہاں کا داماد تھا۔ حضرتؒ کے قید کے زمانے میں حضرت کے لئے کئی بار باپ سے لڑا جھگڑا بھی تھا اور رہائی کے لئے سفارش بھی کی تھی۔ بادشاہ کی تلون مزاجی اور آئے دن ان فتنوں کے بپا ہونے سے سخت نالاں تھا۔ اسی اثنا میں شہزادے کو خفیہ طور پر معلوم ہوا کہ اس کو ولی عہدی سے محروم کر کے شہریار کو ولی عہد بنانے کی سازش ہو رہی ہے تو مجبور ہو کر باپ کے ساتھ آمادۂ پیکار ہو گیا، شہزادے کے ساتھ فوج کی کثرت تھی اس پر طرہ یہ ہوا کہ عین جنگ کی حالت میں کچھ فوجی دستے بادشاہ سے جدا ہو کر شہزادے سے جا ملے۔ غرض بڑے زور سے باپ بیٹے کا مقابلہ ہوا۔

جہانگیر پریشان ہو کر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے فتح و نصرف کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ کی دعا کی برکت سے دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ برعکس ہو گیا اور شہزادہ کو شکست اور جہانگیر کو فتح حاصل ہوئی۔

شہزادہ خرم شکست کے بعد چھپتا چھپاتا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں تو ہمیشہ بادشاہ سے آپ کے لئے لڑتا بھڑتا رہا اب آپ میری مدد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا:

> مجھے حق تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ عن قریب تم تخت پر بیٹھو گے اور تمہارا لقب شاہجہاں ہو گا اور عرصے تک تمہاری نسل میں سلطنت رہے گی۔

یہ سن کر شہزادہ بہت خوش ہوا اور بہ طورِ تبرک حضرتؒ کی ایک دستار لے گیا جو عرصے تک

شاہانِ مغلیہ کے خزانے میں رکھی رہی۔(۱)

بعض حضرات نے اس جنگ کے اسباب اس طرح بیان کئے ہیں کہ نور جہاں اگرچہ سنجیدہ، قابل اور دانش مند عورت تھی، اس کے رحم و کرم اور دستِ فیض سے ہزاروں بے کس اور نادار عورتیں اپنی جملہ مشکلات سے نجات پاتی تھیں لیکن بسا اوقات وہ اپنے ذاتی منشا کو پورا کرنے کے لئے تباہ کن فتنہ بھی کھڑا کر دیا کرتی تھی۔ اسی طرح شہزادہ خرم سے جہانگیر اتنا خوش تھا کہ عہدِ شاہزادگی ہی میں اس کو ''شاہجہاں'' (۲) کا خطاب دے کر چتر وغیرہ شاہانہ امتیازات اس کو مرحمت کر دیئے تھے۔ لیکن جب نور جہاں اس کی مخالف ہوئی تو جہانگیر کو اس فرزندِ عزیز سے زیادہ نفرت کسی سے نہیں تھی۔ شاہزادہ موصوف نے غلط فہمی کے ازالے کے لئے اپنا وکیل بادشاہ کی خدمت میں بھیجا تو اس کو بات کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ مجبوراً اس عزیز فرزند کو اپنی جان بچانے کے لئے شاہی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور جہانگیر کی عمر کے آخری سال ان ہی خرخشوں کی نذر ہو گئے۔

بات صرف یہ تھی کہ نور جہاں شہزادہ شہریار کو جہانگیر کا جانشین بنانا چاہتی تھی، کیوں کہ شہریار سے شیر افگن کی لڑکی منسوب تھی جو نور جہاں کے بطن سے تھی۔ شاہ جہاں کی مشہور اور مسلم قابلیت کے مقابلے میں شہریار طفلِ مکتب تھا مگر داماد کی محبت میں اس نے مفادِ سلطنت حتیٰ کہ خاندانی مصلحت کا بھی خیال نہ کیا اور پورے ملک میں ایک فتنہ برپا کر دیا۔

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۰۳ تا ۲۰۵۔ سیرت امام ربانیؒ: ص ۱۳۴

۲۔ شاہجہاں بادشاہ یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ مطابق ۷ ادسمبر ۱۵۹۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ جہانگیر کے مرنے کے بعد ۷ جمادی الاخری ۱۰۳۷ھ م ۱۲ فروری ۱۶۲۸ء کو تخت نشین ہوئے اور شہاب الدین شاہجہاں لقب اختیار کیا۔ ان کے زمانے میں سلطنت میں کافی وسعت ہوئی۔ اگرچہ قندھار کا علاقہ مغلیہ سلطنت سے نکل گیا لیکن دکن کا بہت سا علاقہ اس میں شامل ہو گیا۔ شاہجہاں کا دور ملک کی خوش حالی اور ترقی کی وجہ سے سلطنت مغلیہ کا عہد زرین کہلاتا ہے۔ فنِ تعمیرات میں قدرت نے ان کو سب سے زیادہ عمدہ مذاق عطا کیا تھا، انہوں نے اپنی بیوی ارجمند بانو بیگم کی قبر پر جو مقبرہ تعمیر کرایا تھا وہ آج بھی تمام دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے، دنیا کے تمام مبصرین کا فیصلہ ہے کہ ''تاج محل'' سے زیادہ خوب صورت عمارت روئے زمین پر آج تک تعمیر نہیں ہوئی، علاوہ ازیں دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ، اور بکثرت مساجد ان کی یادگار ہیں، نہایت دیندار، رعایا پرور، نیک اور عادل بادشاہ تھے۔ تقریباً اکتیس سال ۱۰۶۸ھ تک حکومت کی مزید آٹھ سال نظر بندی میں گزرے اور شب دوشنبہ ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ م یکم فروری ۱۶۶۶ء میں وفات پائی اور تاج محل آگرہ میں دفن ہوئے۔

نورجہاں کا بھائی آصف الدولہ شاہجہاں کا حامی اور نورجہاں کے مقابل کہ پر تھا، کیوں کہ آصف الدولہ کی لڑکی ارجمند بانو بیگم شاہجہاں سے منسوب تھی جس کا لقب ممتاز محل تھا، یہ رشتہ شاہجہاں کی حمایت کا باعث تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شاہجہاں کی ذات ستودہ صفات ہر ایک بہی خواہِ ملک اور مدبر کو اپنے حمایت پر مجبور کر دیتی تھی (۱) اسی سال حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے صاحب زادوں کو کوہستان سے اپنے پاس لشکر میں بلا لیا۔

۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص ۱۴۴

تجدید کا بیسواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ

اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہمراہ جہانگیر کا سرہند آنا۔ اجمیر شریف حاضر ہونا، حضرتؒ کی لشکر سے خلاصی وغیرہ حالات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اخلاص وکرامات کی وجہ سے جہانگیر اس درجے گرویدہ ہوا کہ اب ایک ساعت کے لئے بھی آپ کو اپنے سے جدا ہونا پسند نہ کرتا تھا حتیٰ کہ سفر وحضر میں بھی اپنے ساتھ رکھتا۔ اس طرح ساتھ رہنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جو لوگ اپنی مجبوریوں کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور حصولِ فیض کے متمنی تھے ان کو حضرت سے فیض حاصل کرنے کا موقع مل گیا اور جن علاقوں میں دینی مدارس نہ تھے وہاں حضرت کے حکم سے مدارس قائم کئے گئے اور جو مساجد غیر آباد یا منہدم ہوگئی تھیں وہ آباد وتعمیر کی گئیں اس طرح دین کا چرچا عام ہوگیا اور عوام کی دینی واخلاقی اصلاح بھی ہوگئی۔

جب حضرت مجدد علیہ الرحمہ لاہور پہنچے تو اس شہر کی قطبیت شیخ طاہر کو عنایت فرمائی اور سرہند کی طرف روانہ ہوئے، جب شاہی خیمے سرہند میں نصب ہوئے تو حضرتؒ نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی، کھانا کھانے کے بعد بادشاہ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ ایسا لذیذ کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا آپ اپنے باورچیوں سے فرمائیں کہ وہ ہماری باورچیوں کو کھانا پکانا سکھائیں، حضرتؒ نے فرمایا تمہارے باورچیوں سے ایسا کھانا نہیں پک سکے گا۔ چناں چہ جتنے دن بادشاہ سرہند شریف میں مقیم رہا حضرتؒ کی خانقاہ سے اس کے لئے کھانا جاتا رہا۔ ایک روز حضرت علیہ الرحمہ نے بادشاہ سے فرمایا کہ مجھے اب سرہند ہی رہنے دو لیکن بادشاہ نے آپ کی جدائی گوارا نہ کی اور آپ کی خاطر کچھ عرصے سرہند میں قیام کیا۔ بعد ازاں بادشاہ دہلی روانہ ہوا اور حضرت کو بھی ہم راہ لیا، حضرتؒ وہاں سے بنارس تک بادشاہ کے ہم راہ تشریف لے گئے، پھر بادشاہ اجمیر کی طرف روانہ ہوا حضرتؒ بھی اس کے ہم راہ اجمیر تشریف لے گئے اور وہاں کافی عرصے قیام پذیر رہے۔(۱)

۱۔ روضہ قیومیہ: ص ۲۰۷ تا ۲۰۹

تجدید کا اکیسواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ

اس سال کے اہم واقعات میں شیخ نور الحق پسر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی طرف مکتوب گرامی اور حضرتؒ کا خصوصی مکاشفہ وغیرہ حالات ہیں۔

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحب زادگان خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو لشکر شاہی سے سرہند شریف روانہ کیا۔

اسی سال شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے صاحب زادے مولوی نور الحقؒ کی معرفت چند اسرارِ باطنی کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے استفسار کیا۔ حضرت نے نہایت تسلی بخش جواب دیا، جو مکتوب نمبر ۱۰۰ دفتر سوم میں شیخ نور الحقؒ کے نام ہے، یہ ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ وسلام کی گرفتاری کے سرّ کو منکشف فرمایا ہے اور بعض اسرارِ غریبہ اور علومِ عجیبہ بیان فرمائے ہیں۔ اس مکتوبِ گرامی کی ابتدا اس طرح پر ہے:

الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، فضائل وکمالات کے پناہ والے برادرم شیخ نور الحق نے اس گرفتاری کی نسبت جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ و السلام کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی بڑے شوق و اہتمام کے ساتھ دریافت کیا تھا اور فقیر کو بھی مدت سے اس انکشاف کا شوق تھا جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور ان کا حسن و جمال اس عالم دنیا کے خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہاں کے ان کا حسن حور وغلمان کے حسن کی مانند ہے اب اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم سے اس بارے میں مفصل طور پر جو کچھ فائض ہوا ہے تحریر کر کے ارسال کیا جاتا ہے، سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا، الیٰ آخر المکتوب الشریف۔(۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس جواب کو دیکھ کر آپ کے معتقد ہو گئے اور ملاقات کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ہی دنوں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت خواجۂ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ شیخ حسام الدینؒ کی طرف ایک مکتوب لکھا جو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ شیخ عبدالحقؒ حضرت مجددؒ کی تجدید و قیومت کے معترف تھے۔(۲)

ایک عالم نے جو تصوف کے خلاف تھے جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک مکتوب پڑھا جس میں تحریر تھا ''حقیقت و طریقت دونوں شریعت کی خادمہ ہیں۔'' تو اس عالم نے حضرت کے کے اس جملے سے بہت لطف اٹھایا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ اللّٰھم سلّم ھذا الشیخ المعظم ''اے پروردگار! اس شیخ معظم کو سلامت رکھ'' پھر فرمایا کہ آج میرے دل سے وہ کدورت رفع ہو گئی جو مشائخ کی طرف سے تھی۔(۳)

اسی سال ۱۰۳۱ھ میں حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے امر و طلب پر آپ کی خدمت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور آپ نے حضرت علیہ الرحمۃ کی ہدایت کے بہ موجب مکتوباتِ شریفہ کا دفتر سوم مرتب و مدوّن کیا جس کا سالِ تدوین لفظِ ''ثالث'' ومعرفت الحقائق'' / ۱۰۳۱ھ سے ظاہر ہے، یہ دفتر ۱۱۴ مکتوبات پر ختم ہوا تھا لیکن اس کی تدوین کے بعد کے دس مکتوبات بھی اس میں اضافہ کر دیئے اور اب یہ دفتر ۱۲۴ مکتوبات پر مشتمل ہے۔(۴)

اسی سال اجمیر ہی میں شیخ آدم بنوریؒ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور باطنی کمالات میں بہت جلد ترقی کی، چند ماہ بعد جب حضرت علیہ الرحمۃ نے شیخ کو لوگوں کی تربیت کے قابل پایا تو سرہند شریف میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔(۵)

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۰۰

۲۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا وہ مکتوب ''مجددیت'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ سیرت امام ربانی: ص ۱۳۸ ۴۔ دیباچہ دفتر سوم

۵۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۱۴

تجدید کا بائیسواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ

اس سال کے اہم واقعات میں آثارِ رحلت، سرہند شریف میں ورودِ مسعود، حضرت خواجہ محمد معصوم کا مسند ارشاد پر فائز ہونا وغیرہ حالات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض مخلص احباب آپ کے مکتوبات شریف کی پہلی اور دوسری جلد بدخشاں، خراسان اور ماوراء النہر لے گئے وہاں کے بعض علما و مشائخ جو اپنے حلقے کے سردار بھی تھے ابھی تک کسی کے مرید نہیں ہوئے تھے جب انہوں نے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا تو حضرت کے معتقد ہو گئے، چناں چہ وہاں کے جید علما میں سے مولانا ربانی حسن قادانی اور مولانا نولک نے ایک صالح شخص کے ہاتھ اپنے اپنے نیاز مندانہ عریضے آپ کی خدمت اقدس میں بھیجے، جو اس صالح شخص نے اجمیر شریف میں حاضر خدمت میں ہو کر آپ کے حضور میں پیش کئے اور ان بزرگوں کی طرف سے وفورِ محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔ ان عریضوں میں تحریر تھا کہ اگر کبر سنی، ضعفِ جسمانی، بُعدِ مسافت اور صعوبتِ سفر وغیرہ امور مانع نہ ہوتے تو ہم خود خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بقیہ لمحات درِ دولت پر گزارتے لہٰذا ہم نیاز مندوں کو اپنے مخلصوں اور مریدوں میں شمار کر کے غائبانہ افاضت سے ہمارے احوال پر توجہ فرمائیں۔ چناں چہ آپ نے ان میں سے ہر ایک عرض گزار کی طرف سے اس شخص کو مرید کیا۔ رخصت ہوتے وقت اس شخص نے درخواست کی کہ وہاں کے بزرگوں نے مکتوبات شریف کے تیسرے دفتر کی بھی درخواست کی ہے۔ آپ نے تیسرے دفتر کا ایک جز اس شخص کو عنایت فرمایا۔ (۱)

آثارِ رحلت وجانشینی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ابھی اجمیر شریف ہی میں تشریف فرما تھے کہ ایک دن فرمایا:

آثار بتاتے ہیں کہ اب کوچ کا زمانہ قریب ہے۔ (۲)

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۲۱۶ و ۲۱۷ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۲

چناں چہ سرہند شریف اپنے صاحب زادوں حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو مندرجہ مکتوب تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ وَسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مدت گزری کہ فرزندانِ گرامی نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا شاید دیر تک جدا رہنے کے باعث مجھ دور افتادہ کو بھول گئے ہوں، ہم بھی ارحم الرحمین رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ اَلَیْسَ اللہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں'' نامراد غریبوں کی تسلی بخشنے والی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تمہاری اس قدر لاپروائی کے باوجود دل ہمیشہ تمہارے احوال کی طرف متوجہ ہے، اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے۔ کل صبح کی نماز کے بعد مجلسِ سکوت یعنی مراقبے و خاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے جدا ہو گئی اور بجائے اس کے اور خلعت مجھے پہنائی گئی، دل میں آیا کہ یہ خلعتِ زائلہ (میری اتاری ہوئی خلعت) کسی کو دیتے ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعتِ زائلہ میرے فرزند محمد معصوم کو دے دیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحے کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے یہ خلعتِ زائلہ معاملۂ قیومیت سے مراد ہے جو تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے عرصۂ مجتمع کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اس خلعتِ جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ عاجزی کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزند عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے

با کریماں کارہا دشوار نیست
کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

استعداد ہے تو وہ بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست
نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے

مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَّ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (۱) ''اے آلِ داؤد عمل کرو اور شکر بجا لاؤ، میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں'' تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطنی اعضاء و جوارح اور قویٰ کو جس جس غرض کے لئے خدائے تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ان میں صرف کرے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو شکر بھی ادا نہ ہو۔ وَاللہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں، اگرچہ احتیاط کے ساتھ کہے جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے، تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو درپیش تھی شاید وہ معاملہ عالمِ مثال میں سے تھا ان دنوں میں وہ بھی حل ہو گئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی، شاید اس امر میں خواجہ معین الدینؒ کی روحانیت کا بھی دخل ہو گا، محمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہو گا۔ والسلام (۲)

خواجہ ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اسی سال ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں فرمایا کہ آج عجیب معاملہ پیش آیا کہ میں اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا مجھے محسوس ہوا کہ اسی تخت پر میرے ساتھ کوئی اور آکر بیٹھ گیا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ آں حضرت ﷺ تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہاری واسطے اجازت نامے لکھنے کے لئے آیا ہوں جو آج تک میں نے کسی کے واسطے نہیں لکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامہ کے متن میں وہ الطافِ عظیم درج فرمائے تھے جو اس جہان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی پشت پر وہ عنایاتِ کثیرہ رقم فرمائی تھیں جو عالمِ آخرت کے متعلق تھیں، چناں چہ یہ بات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات کی تیسری جلد میں تحریر فرمائی ہے۔ (۳)

فرزندانِ گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں (پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) دوپہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔ صبح

۱۔ السبا: ۱۳ ۲۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب ۱۰۲

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۸۰

کے حلقے کے بعد چوں کہ رات کا تھکا ماندہ تھا سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے جس طرح مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفا کے لئے لکھتے ہیں۔ اور فقیر کے مخلص دوستوں میں سے ایک دوست بھی اس معاملے میں ہم راہ ہے۔ اسی اثنا میں گویا ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامے کے اجرا میں ایک طرح کا فتور ہے، اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہوگئی۔ وہ دوست جو اس خدمت کا پیش کار ہے گویا دوبارہ اس اجازت نامے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامے کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے، یہ تشخیص نہیں ہوا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت معلوم ہے اور لکھنے کے بعد اپنی مُہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس اجازت نامے کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامے کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقامِ شفاعت میں نصیب وحصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت بڑا ہے اور اس میں بہت سی سطریں لکھی ہیں۔ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کون سا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کون سا ہے۔ اور مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہم ایک ہی جگہ میں باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت کا حضور مجھ سے اجنبی نہیں ہے اور میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں، اُمہات المؤمنین (مومنوں کی ماؤں) میں سے بڑی ماں (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بعض خدمات کے لئے بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی، اور اس طرح کرنا چاہئے، اسی اثنا میں افاقہ ہوگیا۔ یہ بات دل سے دور ہوگئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو (اس وقت) معلوم نہیں ہوتی تھی، جوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی اس واقعے کی خصوصیتیں دل سے نکلتی جاتی تھیں۔

تمہیں یاد ہوگا کہ میں اس بارے میں پہلے بھی یہ بات کہا کرتا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے موافق ظاہر نہیں ہوتی، دل میں یہ بات آتی تھی کہ اس

کا ظہور ظاہراً آخرت کے لئے ذخیرہ رکھا ہے اور اس کا نعم البدل میسر ہوگا، اس واقعے کی وجہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں، کہاں خیریت کجا نورانیت، شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافتِ ظاہر کی تائید پا کر اس کو رواج دیں گے، اور اس نعمت کے شکریے میں ہم نے حکم دیا ہے کہ قسم قسم کے کھانے (پکا کر) آں حضرت ﷺ کی روحانیت کو ہدیہ کریں اور خوشی کی مجلس قائم کریں۔ شاید اس مکتوب کے اٹھانے والے بھی ان کھانوں سے تناول فرمائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی مکتوب میں ایک واقعے کے بیان میں جو ظاہر ہوا تھا لکھا تھا کہ تیسرے دوست کو نوکری میں قبول نہ کیا، کچھ عرصے کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرمایا، اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے۔ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَلٰی جَمِيْعِ النَّعْمَآءِ (اس نعمت پر بلکہ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) ان دنوں معارفِ غریبہ اور علومِ عجیبہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ گویا وہ ورق مرقوم ہوا ہے اور ہر ایک کا معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے، ''فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہوتا جاتا ہے'' اَلْخَيْرُ فِيْمَا صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰی (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (۱) (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (۲)

اس نامۂ مبارک کی پہنچتے ہی دونوں صاحب زادے یعنی حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہما بے اختیار خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ چند روز کے بعد ایک دن خلوت میں دونوں صاحب زادوں سے فرمایا کہ اب مجھے اس جہان سے مطلق دل چسپی نہیں رہی اس جہان میں جانا چاہئے، کیوں کہ کوچ کی علامات نمایاں ہو رہی ہیں، چناں چہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے اپنے مخلصوں میں سے ایک درویش کو خلعتِ قیومیت سے نوازا اور اس کو اس امرِ عظیم سے سرفراز

۱۔ الکہف: ۱۰
۲۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب ۱۰۶

فرمایا۔ اس درویش کو خلوت میں طلب کر کے فرمایا کہ اس مجمع گاہ (دنیا) کے ساتھ میری ارتباط کا تعلق یہی قیومیت کا معاملہ رہا ہے جو کہ تجھ کو عطا کر دیا گیا ہے اور مکونات (موجودات) پورے شوق کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہو گئے ہیں، اب میں اس فانی دنیا میں اپنے رہنے کا کوئی سبب نہیں پاتا ہوں۔ اور اس پر آشوب دنیا سے اپنے رحلت فرمانے کا وقت قریب ہونے کی بابت فرمایا۔ وہ زخمی دل درویش اس مذکورہ بشارت کے سننے کے باوجود جگر سوختہ اور چشم پرنم ہو کر اپنے اندر نہایت غم واندوہ میں ڈوب گیا، نہ زبان کو کہنے کی طاقت رہی اور نہ ہی کانوں کو سننے کی تاب رہی۔ جب حضرت عالیؒ نے اس تبدیلی کو اس مسکین میں ملاحظہ کیا تو نہایت مہربانی سے فرمایا غم مت کر، اللہ تعالیٰ کی سنت (طریقہ) اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ کسی ایک کو اپنے پاس بلاتا ہے اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ بٹھاتا ہے۔

(چند سطور کے بعد) اس درویش نے چوں کہ اس معنی کی کوئی قابلیت اپنے اندر نہیں پائی اور مذکورہ رنج وغم بھی اس کے دل میں چھپا ہوا تھا، ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہا اور جن امور کا انکشاف ضروری تھا درمیان میں نہ لایا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عالیؒ نے فرمایا کہ اشیا میری قیومیت سے تیری قیومیت کے ساتھ زیادہ راضی وخوش ہیں (یہ درویش) اس کی لم وعلت کو پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

وحشی گذشت یار و نکردی حکایتے
اے خان و مان خراب زبانِ تو بستہ بود

اے وحشی! یار گزر گیا اور تو نے کوئی بات بھی نہ کی۔ اے خانماں برباد کیا تیری زبان بندھی ہوئی تھی؟

جب حضرت مجددؒ نے اس درویش کا غم بہت ہی زیادہ دیکھا تو فرمایا کہ "میرے رحلت کرنے میں قدرے مہلت (تاخیر) ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کیا تعلق درمیان میں ہے۔" متوجہ ہو کر ایک لمحے کے بعد فرمایا "میرے انتقال کے دن تک تیرا قیام میرے ساتھ ہوگا اور افرادِ عالم کا قیام تیرے ساتھ ہوگا۔" یہ ارشاد اس مسکین کے غم گین دل کے قدرے تسکین دینے والا ہو گیا۔ اس واقعے کے ایک سال اور چند روز کم تین ماہ بعد حضرت مجددؒ (کی رحلت) کا واقعہ پیش آیا کیوں کہ یہ گفت گو ۱۰۳۲ھ کے ماہ ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں ہوئی تھی اور اس ہادیٔ انام کا

ارتحال اٹھائیس صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوا تھا۔(۱)

اس کے بعد آپ نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو اپنے حضور میں مسندِ ارشاد پر بٹھایا اور تمام خلفا اور مریدین کو حکم دیا کہ ان سے بیعت کریں۔ سب نے حسب الارشاد بیعت کی اور خانقاہ کے تمام معاملات بھی ان کے سپرد ہوئے۔ سب کو حکم دیا کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے حلقے میں بیٹھا کریں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی آپ کے پاس مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا آپ اسے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیج دیتے اور خود مرید نہ فرماتے۔(۲)

۱۔ مکتوبات معصومیہ: دفتر اول، مکتوب ۸۶ ۲۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۲۲۲

تجدید کا تیئیسواں سال

از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۴ھ

اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سرہند واپس تشریف لانا، تمام تعلقات سے انقطاع کر کے خلوت اختیار فرمانا اور وفات حسرت آیات وغیرہ حالات ہیں۔

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی عمر شریف کا تقریباً ایک سال باقی رہ گیا تو آپ نے بڑی کوشش کے بعد بادشاہ سے رخصت حاصل کی (۱) اور حسبِ معمول حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیر تک مرقدِ مبارک کے محاذ میں مراقب رہے جب وہاں سے اٹھے تو فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حقِ مہمانی ادا کیا اور طرح طرح کی ضیافتیں فرمائیں اور بہت سے پوشیدہ باتوں کا اظہار فرمایا۔ اتنے میں مزار کے خادموں نے حضرت خواجہؒ کا قبر پوش جو ہر سال نیا چڑھا کر پرانا بادشاہوں کو دیا جاتا تھا، حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے قبول فرما کر خادم کے سپرد کر دیا۔

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ زیارت روضۂ خواجہؒ کے بعد اجمیر سے اپنے وطن مالوف کو روانہ ہو گئے اور ۱۹ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ مطابق ۹ فروری ۱۶۲۴ء کو اپنے وطن تشریف لے آئے۔ جب اس سفر سے دار الارشاد سرہند شریف تشریف لائے تو اہلِ سرہند نے آپ کے شایانِ شان استقبال کیا اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے بے حد شکر بجا لائے:

دیوار و درش سجود کردند
شکرانہ ایں ورود کردند (۲)

۱۔ جیسا کہ خود حضرت مجددؒ دفتر سوم مکتوب ۱۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہو گئی۔"

۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۲۴، ۲۲۵۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۳، ۲۸۴

سرہند شریف پہنچ کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے تمام تعلقات سے کلی انقطاع کر کے خلوت اختیار کر لی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین خادموں کے اور کوئی آپ کی خدمت میں جانے کا مجاز نہ تھا۔

خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ان ہی خلوت کے ایام میں ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضور! ملکِ دکن کے امورِ سلطنت میں آج کل سخت بدنظمی ہے اگر اجازت ہو تو اپنے اہل و عیال کو لے آؤں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ پھر آستانہ پر حاضر ہو کر قدم بوسی نصیب ہو۔ آپ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا:

دعا کنم کہ در آخرت باہم یکجا جمع شویم

دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں پھر ہم ایک جگہ جمع ہوں۔

اسی طرح شعبان المعظم ۱۰۳۴ھ کی پندرہویں شب کو جب آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آج کس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے اور کس کا باقی رکھا گیا ہے۔'' یہ سن کر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ تم تو شک وشبہ میں یہ بات کہہ رہی ہو لیکن اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو بہ چشمِ خود دیکھتا ہو کہ اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے(۱) اس میں اپنی جانب اشارہ تھا۔

حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکان میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے فرمایا کہ میں آئندہ جاڑے کے موسم میں اس مکان میں نہ ہوں گا۔ لوگوں نے عرض کیا شاید اس مکان میں جو خلوت کے واسطے درست کرایا ہے قیام فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ اس جگہ بھی نہیں۔ پھر خدام نے دوبارہ عرض کیا کہ پھر کہاں رونق افروز ہوں گے؟ فرمایا کہ ان مکانوں میں سے کسی میں بھی نہیں، دیکھو خود بخود کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتفاقاً موسمِ سرما آنے سے پہلے ہی اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف آپ رحلت فرما ہو گئے۔(۲)

اِن ہی دونوں مخدوم زادوں سے منقول ہے کہ ہم نے حضرت اقدس قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ آپ نے اہل و عیال سے اس قدر بے رغبتی اور خلق سے بے تعلقی کس لئے اختیار فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے انتقال کا زمانہ بہت ہی نزدیک اور نہایت ہی قریب ہے۔ پس

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۵ ۲۔ وصالِ احمدی: ص ۹، ۱۰

جس آدمی کو یہ معلوم ہو تو اس کو لازم ہے کہ اپنے کو بہ زور عبادت میں مشغول کرے اور تسبیح و استغفار اور درود و تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر وغیرہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہو اور غیر حق سے بالکل علیحدگی اختیار کرے، اس لئے تم سب بھی مجھ کو خدا پر چھوڑ دو۔ حق سبحانہ وتعالیٰ تم سب سے زیادہ دوست ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ میری توجہ اور اعانت تم لوگوں کے لئے رحلت کے بعد قبلِ رحلت کی بہ نسبت اور زیادہ ہو جائے گی، اس لئے کہ تعلقِ بشری بعض وقتوں میں اعانت اور توجہ کو مانع ہے اور بعد انتقال کے چوں کہ فراغت اور تجرد ہے، کوئی مانع نہیں۔ (۱) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس مدت میں ظاہر و پوشیدہ دن اور رات بہت خیرات کی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے عید الاضحیٰ ۱۰۳۳ھ کی نماز کے بعد ایک مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ ''لوگو! میں نے تمہیں پہلے ہی اطلاع دے دی ہے کہ میں عن قریب دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں، آثار مجھے بتا رہے ہیں کہ میری عمر بھی حضور انور ﷺ کی سنت کے مطابق تریسٹھ سال ہوگی۔ اب تریسٹھواں سال شروع ہو چکا ہے لہٰذا عنقریب تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا اور اپنے مولیٰ کا دیدار حاصل کروں گا۔ خدا کے بندو! جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف سے حاصل ہوا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ یہ بھی تم سے مخفی نہیں کہ میں نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کس قدر کوششیں کیں، کتنے ظلم سہے، کتنی جفائیں برداشت کیں، کتنے سخت سے سخت مصائب اٹھائے حتیٰ کہ قید تک منظور کی، لشکر میں رہنا اختیار کیا لیکن اپنے کام میں کوتاہی نہیں کی، آہ! اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں اور تم کو اپنے پروردگار کے سپرد کرتا ہوں، میری اور تمہاری ملاقات اب قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے تلے ہوگی جہاں آں حضرت ﷺ تم سے پوچھیں گے کہ شیخ احمدؒ نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کیا کچھ کیا تھا۔

یہ سن کر حاضرینِ مجلس تڑپ گئے، بے اختیار رونے لگے اور سب نے یک زباں ہو کر کہا: یا امام الاولیاء واقعی آپ نے شریعت کو رواج دینے میں مذہب و ملت کی تجدید میں حد درجے کوشش فرمائی ہے اور اس دوران میں جو جو مصائب و تکالیف آپ کو پیش آئیں ان پر آپ نے صبر سے کام لیا اور شکرِ الٰہی بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ ہم قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور خانقاہ شریف میں تشریف لے آئے۔ (۲)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۸ ۲۔ روضۃ القیومیہ: ۲۶۲

۱۰۳۴ھ کا آغاز ہوا تو ۱۲ محرم کو گوشہ نشینی سے اٹھ کر والدِ ماجد کے مزار شریف پر تشریف لے گئے، اور دیر تک مراقبہ فرمایا اور تمام اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت فرمائی پھر وہاں سے جدِ اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ کے مزار شریف پر تشریف لے گئے وہاں بھی مراقبہ فرمایا اور دعائے مغفرت کے بعد دولت خانے پر تشریف لے آئے۔(۱)

چھ سات ماہ کی گوشہ نشینی کے بعد یہ آخری بار زیارتِ قبور کا اتفاق تھا اس کے بعد ضیق النفس کا دورہ عارض ہو گیا جو ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن اس سے کسی طرح افاقہ نہ ہوا بلکہ مرض شب و روز بڑھتا چلا گیا، ۱۳ صفر کو اس کے ساتھ بخار بھی شروع ہو گیا۔ ان سب کے باوجود آپ نماز با جماعت ادا فرماتے رہے اور اوراد و وظائف اور ذکر و مراقبے میں کسی قسم کی کوتاہی واقعہ نہیں ہوئی۔ ۲۳ صفر پنجشنبہ کے دن کچھ افاقہ ہوا لیکن پھر مرض کا زور ہو کر بڑھنا شروع ہو گیا حتیٰ کہ بہ روز منگل بوقتِ چاشت ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت مجددؒ الفِ ثانیؒ کے وصایا

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وصال سے قبل، زندگی کے آخری ایام میں صاحب زادوں، خلفا اور مریدوں کو بہت سی وصیتیں فرمائیں جن میں چند درج کی جاتی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنا، دینِ حق کے مجتہدوں کی فرماں برداری کرنا، خلافِ شرع مشائخ سے بچنا، جو فقرا وحدتِ وجود کے قائل ہیں اور رقص و سماع کو کام میں لاتے ہیں وہ جھوٹے مدعی ہیں، کیوں کہ جو احوال سالک پر ان امور سے وارد ہوئے میں نے انہیں حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے ان سے منع فرمایا۔ شریعت اور طریقت پر ثابت قدم رہنا، عزیمت پر عمل کرنا، کرامت اور رخصت کو اعمال میں داخل نہ کرنا ذکر و شغل اور مراقبہ بہ کثرت کرنا، اپنا سارا وقت یادِ الٰہی میں صرف کرنا تاکہ باطنی احوال کشادہ ہو جائیں۔ باطنی ترقی شریعت پر ثابت قدم رہنے اور سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کے بغیر محال ہے۔ اگر کوئی شخص شریعت کا مخالف ہو اور اس سے خوارقِ عادات یا کرامات ظاہر ہوں تو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے۔ یہ باتیں میں نے اپنے کلام (مکتوبات) میں مفصل لکھ دی ہیں، ان پر عمل کرنا تاکہ تمہیں نجات حاصل ہو اور علمِ باطنی

۱۔ سیرت امام ربانی: ص ۱۴۶

سے حصہ ملے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام مریدوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا ہے جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے، امتِ محمد ﷺ کے اکثر نیک لوگ مجھے اپنے سلسلے میں معلوم ہوئے۔

نیز میرے فرزندوں کی عزت کرنا، ان سے دعا و توجہ کے لئے التماس کرنا، سختی اور مصیبت میں ان سے مدد طلب کرنا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری پوری معرفت اور مکمل قرب عطا فرمایا ہے، وہ تمام جہان میں شریف و کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہماری نسبتِ خاصہ اور تمام جہان کی قطبیت قیامت تک ہمارے فرزندوں میں رہے گی، وغیرہ۔(۱)

مذکورہ بالا وصیتوں کے بعد حضرت مجدؒد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحب زادوں کو وصیت کی کہ میری تجہیز و تکفین میں اتباعِ سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری رعایت رکھنا، میری قبر کو خام رکھنا، میری قبر کو کسی گمنام جگہ بنانا۔ اس تیسری وصیت پر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ ہماری قبر صاحب زادہ محمد صادقؒ کے گنبد میں ہوگی اور قبر کی جگہ بھی آپ نے معین فرمادی تھی اور اس جگہ کی شرافت اور برکت و انوار بھی بیان فرمائے تھے۔ فرمایا ہاں میں نے کہا تھا لیکن اس وقت مجھے یہی شوق ہے، اگر تم کو یہ منظور نہ ہو تو والد بزرگ وار کے نزدیک یا باغ میں دفن کرنا۔ جب مخدوم زادہ نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا اچھا جو مناسب ہو کرنا۔ اور مخدوم زادگان کی والدہ ماجدہ کو وصیت فرمائی کہ میری تجہیز و تکفین اپنے مہر سے کرنا۔(۲)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۶۲ و ۲۶۳ ۲۔ زبدۃ المقامات: ۲۹۰

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کی
وفاتِ حسرت آیات

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے چھ سات مہینے گزرے تھے کہ بتاریخ ۱۷ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ آپ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا، اگر چہ یہ دورے ہر سال ہوا کرتا تھا، لیکن اس سال زیادہ شدت کے ساتھ مع بخار لاحق ہوا، جس کی وجہ سے اعزا کو صحت سے مایوسی ہوئی۔ ایک روز آپ نے مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ آج شب میں نے حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ میرے حال پر نہایت مہربانی اور عنایت فرماتے ہیں اور اپنی زبانِ مبارک کو میرے منہ میں ڈال کر فرماتے ہیں کہ میرے اس شعر

اَفَـلَـتْ شُـمُـوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَـمْـسُـنَـا
اَبَـدًا عَـلَـی اُفُـقِ الْعُلٰـی لَا تَـغْـرِبُ

گزشتہ تمام بزرگوں کے آفتاب غروب ہو چکے ہیں، لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ افقِ اعلیٰ پر (چمکتا رہے گا اور) غروب نہ ہوگا۔

اور میرے اس قول میں کہ

قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ

میرا یہ قدم، اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔

لوگ حیران ہیں، اس کا حل لکھو (اس کی برکت سے) تم کو اس ضعف سے صحت حاصل ہوگی۔ چناں چہ مرضِ موت میں آپ نے حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو وصیت فرمائی کہ مذکورہ بالا شعر کا حل ضرور لکھنا اور خود زبانِ مبارک سے اس کی تشریح فرمادی۔ حضرت خواجہ محمد

معصوم علیہ الرحمۃ نے حضرت کی وصیت کو آپ کی عزاداری کے دنوں میں پورا کیا اور مکتوبات شریف کی تیسری جلد میں داخل کر دیا ہے، جو جلد سوم کے آخر میں مکتوب ۱۲۳، شیخ نور محمد بہاری کے نام لکھا گیا ہے۔ (۱) اور چوں کہ اس ضعف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ملاقات کا شوق کمال درجے غالب تھا اس لئے آپ پر گریہ وزاری طاری ہوا، حتی کہ کلمہ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کے ساتھ دم بدم رطب اللسان تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کوئی طبیب کہے کہ تمہاری بیماری کا علاج نہیں ہے تو سو روپیہ بہ طور شکرانہ خیرات کروں۔

نیز ۱۲ محرم ۱۰۳۴ھ کو ارشاد فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تمہاری قبر بن جائے گی۔ سننے والوں کو گمان ہوا شاید اسی ضعف میں آپ کا وصال ہو جائے گا لیکن بہ موجب بشارت حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ حضرت موصوف کو صحت حاصل ہو گئی اور ضعف بھی جاتا رہا۔ طبیبوں نے صحت کی خوش خبری سنائی حتیٰ کہ آپ نماز کے لئے مسجد میں جانے لگے، تمام عزیزوں کو آپ کی صحت کا یقین ہو گیا اور آپ کا وہ فرمانا کہ چالیس پچاس روز کے درمیان گزر جاؤں گا لوگوں کے خیال سے نکل گیا اور اس مشہود کو واقعے اور خواب پر محمول کرنے لگے اور اس کی تاویلات وتعبیرات کر کے اپنے دلوں کو اطمینان وتسلی دینے لگے۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ برابر دن گنتے اور وصال کے منتظر تھے۔

ان ایام صحت میں آپ سے صدقات وخیرات بہ کثرت ظہور میں آئے۔ آپ کے مخلصین میں سے ایک شخص جس نے آپ کے اندر رفیقِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے وصال کا شوق کی کثرت کو مشاہدہ کیا تھا اور اس دنیا کی زندگی سے آپ کی ناامیدی کو دیکھا تھا وہ ان صدقات وخیرات کو بلیات کا دفعیہ گمان کر کے حیرت میں تھا، یہاں تک کہ ایک روز اس نے عرض کیا کہ آپ میں زندگی سے ناامیدی اور اس دارِ فانی سے رحلت کے آثار ظاہر ہیں اور رفیقِ اعلیٰ کی ملاقات کا شوق نمایاں ہے پھر یہ سب صدقات وخیرات جو دافعِ بلیت ہیں کس لئے ہیں؟ آپ نے اس کے جوب میں یہ ہندی مصرع پڑھا۔

آج ملاوا کنت سوں سکھی سب جب دیؤں وار (۲)

آج دوست سے ملنے کا دن ہے اے راز دار دوست! میں اس نعمت کی خوشی میں تمام دنیا کو قربان کرتا ہوں۔

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۶۷ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۷۔ وصالِ احمدی: ص ۸

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں کہ ان ہی ایامِ صحت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا:

جو کمال کہ کسی انسان کے واسطے مخصوص اور ممکن الحصول ہو سکتا ہے بہ طفیل حضور انور ﷺ مجھ کو اس سے ایک حصہ عطا کیا گیا ہے۔

حضرت مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے میرا دل سخت پریشان ہوا اور سمجھا کہ شاید اب حضرتؒ اس عالم سے کوچ فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیۂ شریفہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ○ (۱) کے نزول سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب سرور عالم ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہے۔ یہاں تک کہ جمعرات ۲۳ صفر کو عصر کے وقت صوفیوں کو قبائیں تقسیم فرما رہے تھے اور اس وقت آپ صرف فرجی (از قسمِ قبا) پہنے ہوئے تھے اور فرجی قبا کے نیچے کوئی دوسری قبا عادت کے موافق نہ تھی جس کی وجہ سے سردی لگ کر بخار ہو گیا اور آپ صاحبِ فراش ہو گئے، اس کے باوجود آپ اس رات تہجد کے لئے اٹھے اور بعد نمازِ تہجد فرمایا ''یہ ہماری آخری تہجد ہے۔'' حضرت مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ اس بات کے سنتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ بیماری سے صحت پا کر پھر بیمار ہونا اور اس عالم سے رحلت فرمانا گویا اس معنی میں بھی آپ کو آں حضرت سرور کائنات ﷺ کی پیروی نصیب ہوئی۔ (۲)

اس ضعف و ناتوانی کے باوجود حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کوئی نماز جماعت کے بغیر نہ پڑھی اِلّا ماشاء اللہ۔ قومہ اور جلسہ بھی جیسا کہ چاہئے ادا فرماتے تھے، بلکہ جو دعا اور وظیفہ معمول تھا سب ادا فرماتے تھے، کوئی دقیقہ دقائقِ شریعت سے اور کوئی ادب آدابِ اعمال سے ترک نہ فرماتے اور کسی جزئیاتِ شریعت میں حالتِ صحت کی طرح بال برابر بھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔

اسی حالتِ ضعف میں آپ نے حافظ عبدالرشید سے فرمایا کہ دو روپے کے کوئلے انگیٹھی کے لئے لے آؤ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایک ہی روپے کے لے آؤ اس لئے کہ کوئی واعظ دل میں کہتا ہے کہ اس قدر وقت کہاں ہے جو دو روپے کے کوئلے جل سکیں۔ شیخ حبیب خادم نے عرض کیا کہ حضرت سلامت سردی کا زمانہ ہے کام آئیں گے۔ اس پر فرمایا مُلّا حبیب اس قدر وقت اور زندگی کی امید کہاں مگر ایسا ہی کرو۔ جب کوئلے آ گئے تو ان میں سے ایک روپیہ کے کوئلے جدا

۱۔ المائدہ:۳　۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۸، ۲۸۹۔ وصال احمدی: ص ۱۶، ۱۸

کئے اور فرمایا اتنے کوئلے ہماری واسطے کافی ہیں اور باقی اندرونِ خانہ بھجوا دیئے۔ اپنے لئے جو کوئلے رکھے تھے وہ وصال کے وقت تک کافی ہو گئے اور کچھ نہ بچے۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر اس مرض میں حالت صحت سے بھی زیادہ علوم و معارف کا نزول ہوا، جن کو آپ نے مخدوم زادوں پر ظاہر فرمایا۔ چناں چہ ایک روز معارف و حقائق کے بیان میں ایسے سرگرم ہوئے کہ ضعف و ناتوانی ہو کر طاقتِ گویائی نہ رہی تھی۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ کو بہت ضعف ہو گیا ہے اس لئے ان معارف کو صحت کے وقت پر موقوف رکھئے۔ ارشاد فرمایا: اے عزیز! آئندہ وقت کہاں ہے اور فرصت کس کو ہے، میں جانتا ہوں کہ دوسرے وقت زبان کو اتنا بھی یارائے سخن نہ ہوگا۔(۲)

آخر منگل کی شب کو وصالِ حق جل و علا کے اشتیاق میں آپ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا اِصْبَحُ یَالَیْل (صبح ہو اے رات!) اور جو خدام تیمارداری و خدمت گزاری کے لئے حضور میں حاضر تھے انؓ سے فرمایا کہ تم نے بہت تکلیف اٹھائی اب (صرف) یہی رات محنت کی ہے۔ اس پر سب کو گریہ طاری ہو گیا اور آپ پر بھی ضعف کی وجہ سے بے ہوشی اور استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت سلامت یہ غیبت آپ کو استغراق کی وجہ سے ہے یا خواب کی وجہ سے؟ ارشاد فرمایا استغراق کی وجہ سے ہے، بعض معاملات و حقائق در پیش ہیں اس لئے توجہ کرتا ہوں کہ (پوری طرح) ظاہر ہو جائیں اور اختتام کو پہنچیں، اور ان معاملات کو مخدوم زادوں کو بھی بیان فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لطیف اسرار تھے۔

اس بیماری میں بھی اکثر اوقات وصیت فرماتے اور سنتِ عالیہ کی پیروی اور پسندیدہ ملت کے التزام پر رغبت دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ شریعت کو مضبوطی سے اختیار کرو اور یہ بھی فرمایا کہ الدین هی النصیحة (دین نصیحت ہی ہے) کے مصداق صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصیحت کی باریکیوں میں سے کوئی باریکی (بیان کئے بغیر) نہیں چھوڑی۔(۳)

اس کے بعد پیشاب کرنے کے لئے طشت منگایا، اتفاقاً آپ کے خادم مولانا محمد ہاشم نے طشت پیش کیا لیکن اس میں ریت ڈالا ہوا نہ تھا اس لئے فرمایا اس میں ریت نہیں ہے احتمال ہے کہ پیشاب کے قطرے اُچٹ کر لباس پر گریں، لہٰذا پیشاب کا ارادہ ترک فرما دیا۔ آخر ریت والا

۱۔ ایضاً ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۹۔ وصال احمدی: ص ۲۰

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۹۰۔ وصال احمدی: ص ۲۰، ۲۲

طشت حاضر کیا، تو فرمایا اب اتنی فرصت کہاں کہ پیشاب کے بعد وضو کرسکوں، اس کو لے جاؤ اور مجھے بستر پر لٹادو۔ چناں چہ آپ کو تکیہ کے سہارے لٹا دیا گیا تو آپ نے بہ طریق مسنون قبلہ رخ کر کے رخسار کے نیچے اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ چوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نمازِ فجر سے باطہارت تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ رحلت کا وقت بہت قریب ہے اور پیشاب کے بعد استنجا اور وضو کرنے کی مہلت نہیں ملے گی، اس لئے آپ نے پیشاب کا ارادہ ترک فرمایا تا کہ پہلا وضو نہ ٹوٹے اور طہارت کے ساتھ اس دارِ فانی سے انتقال فرمائیں۔ جب مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے دیکھا کہ سانس تیز آنا شروع ہو گیا ہے تو گھبرا کر پوچھا حضرت سلامت مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ ''میں بہت اچھا ہوں، دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی وہ کافی ہے۔'' اس میں بھی آپ کو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع نصیب ہوا، کیوں کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا آخری کلام نماز کی بابت ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی بات نہیں کی اور ایک لمحے بعد اللہ اللہ کہتے ہوئے عالمِ قدس میں پہنچ گئے، آہ! وہ آفتابِ حقیقت جس کے فیضان کی شعاعوں سے ایک عالم منور تھا دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً و اسعۃً (۱) یہ حادثہ بوقت چاشت بروز منگل ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء پیش آیا۔

اس حادثۂ عظیمہ کے واقع ہوتے ہی گھر میں ایک کہرام مچ گیا اور آناً فاناً یہ خبر دور دور تک پہنچ گئی، اور ہر شخص اپنے اپنے تعلق کے مطابق رنج وغم میں مبتلا تھا۔ مخدوم زادوں نے انتہائی رنج و غم کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالا اور تجہیز و تکفین کے انتظام کیا۔ اس وقت آپ کے متعلقین، اعزاو احباب اور خلفاو مریدین و معتقدین کا رنج والم سے کیا حال ہوا ہوگا، اس کا بیان کس طرح کیا جاسکتا ہے، جب کہ آج چار سو سال بعد ہم پڑھنے اور لکھنے والوں کے دل اس حادثے کے تصور سے اثر پزیر ہو رہے ہیں۔

غرض کہ جب غسال نے غسل دینے کے لئے آپ کو تختہ پر لٹایا اور بدنِ مبارک سے کپڑے اتارے تو حاضرین نے دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بہ طریق نماز باندھے ہوئے تھے، بائیں ہاتھ کی کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے تھے۔ حالانکہ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے انتقال کے بعد آپ کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے کر دیئے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۹۳۔ وحضرات القدس: ص ۱۷۹

تھے۔ تختے پر لٹاتے وقت آپ نے تبسم کیا اور تک متبسم رہے، چناں چہ حاضرین آہ وفغاں کرنے لگے۔ یہ قطعہ آپ کے اور حاضرین کے اس وقت کے مناسب حال ہے:

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو
ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
ہمچناں زی کہ وقتِ مردنِ تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

غسال نے آپ کو وضو کرایا اور آپ کے دونوں ہاتھ کھول کر سیدھے کر کے بائیں کروٹ پر لٹایا اور داہنی جانب غسل دیا، اس کے بعد داہنی کروٹ پر لٹا کر بائیں جانب غسل دیا۔ جب بائیں جانب بھی غسل دے چکے تو حاضرین نے مشاہدہ کیا کہ آپ کے دونوں دستِ مبارک پھر بہ طریقِ سابق ایک ضعیف حرکت کے ساتھ حالتِ نماز کی طرح بندھ گئے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا نے بائیں ہاتھ کے پہنچے پر حلقہ کر لیا۔ حالاں کہ جب داہنی جانب لٹایا جائے تو سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر ہرگز نہ ٹھیرتا مگر آپ نے اپنے اختیار وقوت سے ایسا پکڑ لیا کہ نہ گرا، باوجودیکہ آپ کے اعضائے شریفہ موم سے بھی زیادہ نرم اور برگِ گل سے زیادہ ملائم تھے۔ اسی طرح کفن پہناتے وقت بھی ہاتھوں کا باندھنا ظہور میں آیا اور اس طرح جب آپ کو غسل کے تختے سے اٹھایا اس وقت بھی ہاتھوں کا پکڑنا اسی طرح واقع ہوا۔ حاضرین مشاہدہ کر رہے تھے کہ آپ کے دستِ مبارک سیدھے کر دیے جاتے ہیں اور آپ بہ طریقِ مذکور حالتِ نماز کی طرح باندھ لیتے ہیں۔ جب دو تین دفعہ ایسا ہی واقع ہوا تو یقین ہوا کہ اس امر میں کوئی پوشیدہ بھید اور مخفی راز ہے اس لئے پھر تعرض نہیں کیا اور آپ کے دستِ مبارک ویسے ہی بندھے رہنے دیے۔ اس وقت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مرضی یہی ہے کہ آپ کے دستِ مبارک اسی طرح رہنے دیے جائیں صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ (آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس طرح زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے) ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ O(۱)

حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے کہ احقر غسل کے وقت حاضر تھا حضرت کے بھتیجے شیخ بہاؤ الدین غسل دے رہے تھے اور میں پانی ڈال رہا تھا میں نے آپ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۹۳، ۲۹۴

کے پاؤں مبارک کو چوما اور اپنی آنکھوں سے ملا، دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو بہ طریقِ نماز باندھے ہوئے ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں جیسا کہ زندگی میں مسکرایا کرتے تھے۔ جو دیکھتا تھا تعجب کرتا تھا۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ لفافہ، قمیص اور تہبند۔ نمازِ جنازہ آپ کے فرزند خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے پڑھائی اور بعد نمازِ جنازہ دعا کے لئے توقف نہیں کیا، اس لئے کہ سنت یہی ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کی قبر سے مغرب کی جانب آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی قبر ایک بالشت بلند مثلِ کوہانِ شتر بنائی گئی۔(۲)

روایت ہے کہ مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی قبر شریف گنبد کے وسط میں مائل بقبلہ واقع ہوئی تھی جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے وفات پائی تو آپ کی قبر شریف مخدوم زادہ کی قبر سے جانبِ قبلہ کھودی گئی اور اس میں حضرتؒ کو خزانے کی طرح سپرد کیا گیا اور قبر بنائی گئی، مولانا بدر الدین سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ یکا یک مخدوم زادہ کی قبر شریف بہ تعظیم والد بزرگوار و پیر دستگیر کسی قدر (بقدر ایک ہاتھ) شرقی دیوار کی جانب ہٹ گئی ہے۔ اب تک اسی حالت میں ہے یہ واقعہ جس نے دیکھا حیران رہ گیا۔(۳) اب بھی زائرین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ مخدوم زادہ کی قبر تقریباً ایک ذراع (ہاتھ) شرقی دیوار کی جانب ہٹی ہوئی ہے۔(۴)

پھر جب حضرت خواجہ محمد سعید ''خازن الرحمۃ'' قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو ان کو بھی اسی گنبد میں صاحب زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کے پہلو میں شرقی جانب دفن کیا گیا۔ اب اس گنبد میں تین مزار مبارک ہیں، مغربی سمت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ درمیان میں صاحب زادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادقؒ اور مشرقی سمت میں صاحب زادۂ دوم حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے وصال کے دن آسمان کے چاروں طرف کنارے سرخ ہوگئے تھے جیسا کہ ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' میں حدیث شریف مذکور ہے کہ مومن کی موت پر آسمان وزمین روتے ہیں اور آسمان کا رونا اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا ہے۔(۵)

آپ کے وصال کے بعد مخدوم زادوں اور دیگر حضرات نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا

۱۔ حضرات القدس: ص۱۷۹ ۲۔ وصال احمدی: ص۳۲

۳۔ حضرات القدس: ۱۹۸ ۴۔ زبدۃ المقامات: ص۲۹۶

۵۔ زبدۃ المقامات: ص۲۹۶

مکاشفات میں معلوم ہوا وہ واقعات بہ کثرت ہیں ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی وفات کے رنج وغم کے زمانے میں ایک شب میں اس حجرہ میں جو روضۂ مبارک کے صحن میں ہے بستر پر لیٹا تھا، اسی ماتمِ فراق و دردِ اشتیاق کی حالت میں سوگیا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت صحنِ روضہ میں ٹہل رہے ہیں پھر واقع میں دیکھا کہ حضرت حجرہ کے دروازہ کی طرف مڑے اور اندر تشریف لے آئے اور میرے بستر پر بیٹھ کر مجھ کو گود میں دبالیا جس طرح کہ مشائخین بوقت عطاءِ نعمت باطنی معانقہ کیا کرتے ہیں اس امر سے مجھ پر ہیبت غالب ہوگئی اور تمام جسم میں لرزہ طاری ہوگیا۔ اتنے میں آپ میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ علاوہ ازیں میں نے مختلف راتوں میں دیکھا کہ حضرتؒ روضہ شریف کے صحن میں چہل قدمی فرمارہے ہیں۔(۱)

شیخ پیر محمد سلطان پوری جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مرید ہیں نقل کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی رحلت کے چار پانچ یوم بعد میں حضرت کی مسجد میں ظہر کی نماز کے لئے آیا۔ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ امامت کے لئے آگے بڑھے اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوا اس وقت میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ میرے برابر کھڑے ہیں اور اپنے دستِ مبارک سے مجھ کو پکڑ کر اپنے قریب کرلیا، تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے، آپ ایک سبز شال اوڑھے ہوئے اور پاؤں میں موزے پہنے ہوئے تھے۔ آخر نماز تک میں نے آپ کو بغور دیکھا کہ شاید وہم وخیال ہو، معلوم ہوا کہ بلاریب وشک حضرت مجددؒ الف ثانیؒ ہی ہیں لیکن جوں ہی نماز ختم ہوئی آپ کو نہ پایا۔(۲)

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ حضرت سلامت منکر نکیر کے سوال کا حال کیسا گزرا فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے کمال رحمت کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ اگر تو اجازت دے تو یہ دونوں فرشتے تیری قبر میں آئیں اور تیری قدم بوسی کریں۔ میں نے عرض کیا کہ بارِ الٰہا یہ دونوں تیری ہی بارگاہ کے دروازے پر رہیں یہاں نہ آئیں، چناں چہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے مہربانی فرما کر ان فرشتوں کو میرے پاس نہ بھیجا۔ اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ حضرت سلامت ضغطۂ قبر (قبر کی تنگی) کی کیا حالت ہوئی؟ فرمایا ہوئی مگر نہایت کم۔ اور گویا آپ کے خادم محمد ہاشم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں

۱۔ حضرات القدس: ص ۱۸۰ ۲۔ وصال احمدی: ص ۴۴

اور کہتے ہیں کہ آپ یہ تواضع کے طور پر فرماتے ہیں ورنہ اصلا تنگی نہیں ہوئی۔(۱)

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ان انعاماتِ الٰہی کو بیان فرما رہے ہیں۔ جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے بعد وصال آپ پر عنایت فرمائے ہیں اور آپ ان پر شکر ادا فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو مقامِ شکر سے بھی کچھ حصہ عطا فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں مجھے بھی شکر گزاروں میں شمار فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ جو وارد ہوا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ صرف پیغمبروں کی جماعت ہوگی یا پیغمبروں کے کامل ترین صحابہ کرامؓ ہوں گے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہے مگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اس جماعت میں داخل کرلیا ہے۔(۲)

مولانا بدر الدین سرہندیؒ رقم طراز ہیں کہ آپ کی رحلت کے پانچ چھ دن کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں راستے میں شیخ فرید فاروقی مل گئے میں نے ان سے حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا کہ خلوت خانے میں تشریف رکھتے ہیں اور حضرت خواجہ حسام الدینؒ کو خط تحریر فرما رہے ہیں، فقیر بھی اندر پہنچا دیکھا کہ (واقعی) خط تحریر فرما رہے ہیں۔ میں نے خط کا مطالعہ کیا اس کا عنوان تھا کہ ''ہم خود اس جہان کے نگہبان ہیں، ہم (اس) جہان سے گزر گئے اور اس جہان میں آ گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن (بیشک ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) بہت سا حصہ یاد نہیں رہا، اس کے بعد خط کو لپیٹ کر اس کے اوپر یہ عبارت لکھی ''یہ خط مرزا کا بمہرِ خاص ہے''۔(۳)

حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے ایک شخص عبد العلیم بن شیخ احمد برکی مرحوم نے مخدوم زادگان کی خدمت میں نقل کیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصال کی خبر ابھی ہم تک نہیں پہنچی تھی اور ان دنوں میرا لڑکا بیمار تھا اور شدتِ مرض کے سبب تڑپ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے حضرت مجددؒ کو دیکھا تھا کیا اب آپ کی صورت مبارک تجھے یاد ہے؟ اس نے کہا آپ کا حلیہ مبارک اور ریش شریف (ڈاڑھی) میری نظر میں ہے۔ میں نے کہا پس اسی کو نظر میں رکھ تاکہ وسوسے دور ہو جائیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ حضرتؒ کے تصور کے خیال سے تجھ کو صحت عطا

۱۔ زبدۃ المقامات: ۲۹۷۔ وصال احمدی: ص ۳۶ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۹۷، ۲۹۸۔ وصال احمدی: ص ۳۸

۳۔ ایضاً

فرمائے۔اچانک اس کو غنودگی طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ حضرتؒ موجود ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے اور بہشتِ اعلیٰ میں آگئے ہم نے پہلے دایاں پاؤں بہشت میں رکھا اس کے بعد سرپھر بایاں پاؤں اندر لائے اور ہم خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔میں نے عرض کیا حضرت سلامت مجھ کو بھی بہشت اور دیدارِ خدا تک پہنچا دیجئے۔آپ نے فرمایا ابھی تیرا اور میرے فرزندوں کا وقت نہیں آیا ہے جب وہ خواب سے بیدا ہوا تو صحت یاب ہو چکا تھا اور ضعف و وسواس کا کچھ اثر باقی نہ رہا تھا۔یہ واقعہ حضرتؒ کے وصال سے دس روز بعد کا ہے۔(۱)

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تاریخ وصال اکثر حضرات نے بہ کثرت کہی ہیں چناں چہ حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے بھی ۶۳ مادے بعدد عمر شریف آپ کی وفات کے نکالے ہیں مگر یہاں مندرجہ ذیل آیت پیش کی جاتی ہے جس سے آپ نے سنہ وفات نکالا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ (۲)

۱۰۳۴ھ

حضرت مولانا محمد صادق علیہ الرحمۃ نے حدیث شریف اَلْمَوْتُ ھُوَ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ میں لفظ ھُوَ کو موت اور جسر کے درمیان اضافہ کر کے آپ کا سنہ وفات نکالا ہے۔(۳) از حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ

زیں جہانِ پر ملا چوں شاہِ عرفاں نقل کرد
ظل را بگذاشت در رہ، رو باصل الاصل کرد
جسم از تاریخ نقلِ او ز دارالابتلا (۴)
گفت ہاتف "احمد الثانی باوّل نقل کرد"

ھ ۱ ۰ ۳ ۴

۱۔وصال احمدی: ص ۳۶۔زبدۃ المقامات ص ۲۹۸ ۲۔زبدۃ المقامات: ص ۳۰۰
۳۔ایضاً ۴۔عمدۃ المقامات: ص ۲۱۵

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کا حلیہ شریف

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کا حلیہ شریف اس لئے بیان کیا جاتا ہے، تا کہ سالکانِ راہِ طریقت اور مسافرانِ منازلِ حقیقت اس کو وصول الی اللہ اور فیوض و برکات کا ذریعہ بنائیں۔

آپ کا رنگ گندم گوں مائل بہ سفیدی اور پیشانی کشادہ تھی، آپ کی پیشانی اور رخسارے پر ایک نور درخشاں رہتا تھا، آپ کے ابرو کشادہ، قوس کی طرح باریک دراز اور سیاہ تھے، آنکھیں کشادہ اور بڑی تھیں ان کی سیاہی زیادہ سیاہ اور سفیدی زیادہ سفید تھی، بینیٔ مبارک بلند اور باریک تھی، آپ کا دہنِ مبارک نہ دراز تھا نہ کوتاہ، دندانِ مبارک ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور لعلِ بدخشاں کے مثل درخشاں تھے، آپ کی ریشِ مبارک خوب گھنی، دراز اور مربع تھی، ریش مبارک نے رخسارۂ مبارک پر تجاوز نہ کیا تھا۔ آپ دراز قد اور نازک اندام تھے، آپ کے جسمِ مبارک پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی، آپ کی ایڑیاں صاف اور چکنی تھیں، آپ کے پسینے سے کبھی بدبو نہ آتی تھی جس طرح عموماً موسم گرما میں پیدا ہو جاتی ہے۔

غرض کہ آپ کا حسن، حسن یوسفی کی یاد اور آپ کی وجاہت شوکتِ خلیلی کو تازہ کرتی تھی۔ جو شخص آپ کو دیکھتا بے اختیار اس کی زبان پر مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (۱) آ جاتا یہ انسان نہیں بلکہ یہ ایک بزرگ فرشتہ ہیں۔

اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَهٰذَا وَلِيُّ اللّٰهِ جاری ہو جاتا۔ حدیث

اِذَارُ اُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ

ان کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔

گویا آپ کی شان میں وارد ہوئی تھی۔ ضعفِ اسلام اور غلبۂ کفر کے باوجود ہزاروں کافر آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے اور فساق و فجار کی ایک کثیر جماعت آپ کے اخلاق و معاملات سے متاثر ہو کر تائب ہو گئی اور صلاح و تقویٰ اور خدا ترسی و حق پرستی میں مشغول ہو گئی۔

۱۔ یوسف: ۳۱

اطراف واکناف عالم سے ایک جم غفیر واقعات اور خوابوں میں آپ کا حلیۂ مبارک دیکھ کر اور رابطہ حاصل کر کے آپ کی خدمت شریف میں آتا اور شرف ملازمت کے بعد آپ کی شکل و صورت کو واقعے اور خواب کے مطابق پاتا تھا۔ بہت سے علما و صلحا و فقرا اور تونگروں نے آپ کا حلیۂ شریفہ عالم خواب میں مشاہدہ کر کے خواب ہی میں آپ سے ذکر اور شغل حاصل کیا اور ان کے قلوب ذاکر ہو گئے، پھر بہ کمال شوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا تو وہی ذکر و شغل پایا جو خواب میں آپ سے حاصل کیا تھا۔(۱)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۲۷، ۱۲۸

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کے
معمولات

کتاب ہذا کی پہلی اشاعت کے موقع پر اسی عنوان کے تحت ہم نے عرض کیا تھا کہ زبدۃ المقامات ص ۲۱۲ پر مذکور ہے کہ ایک عزیز نے آپ کے شبانہ روز کے وظائف کو جمع کیا ہے اور ان میں سے اکثر کی تصریح کی ہے، اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ الحمد للہ کہ وہ نایاب قلمی رسالہ مخدومی ومحترمی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ نے ازراہِ کرم عنایت فرمایا ہے، لہٰذا اب اس اشاعت میں اس مخطوطے کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ نیز مزید وضاحت کے لئے زبدۃ المقامات اور حضرات القدس وغیرہ کی وہ عبارتیں بھی قوسین میں درج کردی گئی ہیں جو اس مخطوطے کے علاوہ ہیں، تاکہ مضمون زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہوسکے۔ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ والطاھرین اجمعین امّا بعد واضح ہو کہ جب درگاہِ عالیہ کے ایک آستانہ نشین نے حضرت حجۃ الاولیاء الصدیقین، برہان الاتقیاء المحبوبین، قبلۃ الاصفیاء والمسترشدین امام وقبلہ شیخ احمد فاروقی نقشبندی سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ الیٰ یوم الدین کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حضور اجازت دے دیں تو آں جناب کے دن رات کے وظائفِ شریفہ یا بعض احوال واوضاعِ شریفہ کو تحریر کرلیا جائے، تاکہ تمام طالبانِ طریقت اس کے برکات وفیوض سے بہرہ یاب ومستفید ہوسکیں۔ حضرت موصوف

نے فرمایا کہ کیا ضرورت ہے، جو عمل کہ مقبول اور پیروی کے لائق ہے، وہ آں حضرت ﷺ کا عمل مبارک ہے، اس کے لئے حدیث شریف کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور وہاں سے انتخاب کر لینا چاہئے، پھر دوبارہ خدمتِ عالیہ میں عرض کیا گیا کہ آں جناب کا ہر عمل آں حضرت ﷺ کے اس عمل کے مطابق ہے، جو معتبر کتابوں سے ثابت ہے، پس اولیٰ وانسب یہ ہے کہ ہم آں جناب کے مطابق عمل اختیار کریں، تا کہ مستند عمل کے ساتھ موافقت کرنے والے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تحریر کر لیں، لیکن اچھی طرح خیال رکھیں کہ میرا جو عمل سنت کے مطابق ہو خواہ وہ قولی ہو یا فعلی اس کو عمل میں لایا جائے اور جو ایسا نہ ہو اس کو موقوف رکھا جائے۔ اس بنا پر اس درگاہِ عالی کا یہ کم ترین خاک نشین جو اس لائق نہیں ہے کہ یہاں اس کا نام لیا جائے لیکن بھائیوں سے اِن اعمال کی توفیق کے وقت دعائے خیر کی التماس کے ساتھ اس امید پر اپنے نام کو درج کر رہا ہے کہ جو شخص ان معمولات پر عمل کرے محمد صالح کولابی کو دعا و فاتحہ سے یاد و شاد کرے۔

اس رسالے کو تین فصل اور ایک خاتمے پر ترتیب دیا ہے: فصل اول میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے احوال و اوضاعِ شریفہ اور عقائد کا بیان ہے، دوسری فصل میں دفعِ شرِ جن کے لئے دعائیں ہیں اور تیسری فصل میں وہ دعائیں ہیں جو مختلف اوقات میں پڑھتے تھے اور بعض بلند معارف و حقائق جو کہ مکتوبات و رسائل شریفہ میں درج نہیں ہیں اور وہ معارف بھی جو کہ آخرِ زمانے میں صادر ہوئے اور عجیب و غریب (۱) علوم پر مشتمل ہیں۔ درج کیے جاتے ہیں:

فصل اول: آپ کے دن رات کے معمولات

آپ ہمیشہ سفر ہو یا حضر، موسمِ گرما ہو یا سرما، نصف شب کے بعد بیدار ہوتے اور یہ دعا پڑھتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ الْبَعْثُ وَالنُّشُوْرُ اور یہ آیت بھی پڑھتے تھے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ O اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ O هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ O وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ O (۲)

۱۔ افسوس کہ اس قلمی رسالے میں معارف و حقائق اور عجیب و غریب علوم والا حصہ اور خاتمۂ کتاب کا باب موجود نہیں ہے۔ مؤلف

۲۔ الانعام: ۱تا۳

آپ کے آدابِ بیت الخلا

بعدازاں بیت الخلا تشریف لے جاتے تو پہلے بایاں پاؤں رکھتے، اس کے بعد داہنا اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. جب بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر زور رکھتے، بعد فراغت بکلوخ طاق استنجا کرتے، اس کے بعد پانی سے استنجا کرتے اور بیت الخلا سے باہر نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں نکالتے۔

آپ کے آدابِ وضو

وضو کرنے کے لئے قبلہ رو بیٹھتے اور بلا کسی کی مدد کے وضو کرتے اور آفتابہ (لوٹا) بائیں جانب رکھتے) اور ابتدا میں ہاتھ دھونے میں یہ دعا پڑھتے: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ ۔ اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ وَالْکُفْرُ بَاطِلٌ (پہلی داہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر بائیں پر، بعدازاں دونوں ہاتھ جمع کر کے دھوتے اور انگلیوں میں کفِ دست کی طرف سے خلال کرتے، بوقتِ مضمضہ مسواک استعمال فرماتے، پہلے داہنی طرف کے اوپر کی دانتوں پر پھر نیچے کے دانتوں پر، بعدازاں بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں پر پھر نیچے کے دانتوں پر پھیرتے، اس طرح تین دفعہ کرتے پھر زبان پر کرتے اگر تین دفعہ سے زیادہ کرتے تو عددِ وتر (طاق) کی رعایت کرتے اور ہر وضو میں مسواک کا التزام رکھتے تھے، مسواک استعمال فرمانے کے بعد اکثر خادم کے سپرد کرتے اور وہ اس کو اپنی پگڑی کے پیچ میں رکھ لیتا، آپ کلی کے پانی کو دور ڈالتے تھے اور تین مرتبہ کرنے کی رعایت رکھتے تھے)۔ بہ وقتِ مضمضہ (کلی کرتے ہوئے) یہ دعا پڑھتے تھے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَعَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَعَلٰی صَلٰوۃِ حَبِیْبِکَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اور تین دفعہ استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) بھی تازہ پانی سے جدا جدا کرتے) اور بہ وقت استنشاق یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ اَرْضَ عَنِّیْ غَیْرَ غَضْبَانَ ۔ اور ناک میں ڈالے ہوئے پانی کو جھاڑتے وقت یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ وَاٰلِہِ الْاَبْرَارِ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۔ (اور اس کے بعد منہ مبارک پر کمال آہستگی و سہولت سے بالائے پیشانی سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ داہنے رخسار پر اور بایاں ہاتھ بائیں رخسار پر گذارتے اور داہنے کو بائیں پر مقدم کرتے تا کہ ابتدا داہنے سے

ہو) اور منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے: نَوَیْتُ اَنْ اَتَوَ ضَّأَ لِرَفْعِ الْحَدَثِ وَلِاِسْتِبَاحَۃِ الصَّلٰوۃِ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِكَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَاءِكَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِكَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (اس کے بعد داہنے ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر ہاتھ پھیرتے تاکہ قطرات ٹپکنے بند ہو جائیں اور اسی طرح سے بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھوتے اور انگلیوں کی جانب سے پانی ڈالتے) داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْرًا وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تُوْتِیَنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْمِنْ وَّرَآءَ ظَھْرِیْ وَلَا تُحَاسِبْنِیْ حِسَاباً عَسِیْرًا، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (بعد ازاں داہنے چلو میں پانی لے کر بائیں کفِ دست اور انگلیوں پر ڈال کر اس طرح زمین پر ڈالتے کہ چھینٹے نہ اڑیں اور تمام سر کا مسح کرتے اس طرح پر کہ وسطِ سر پر دونوں انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی (انگشتِ شہادت) کے علاوہ باقی چھ انگلیاں وسطِ سر پر رکھ کر آگے سے پیچھے لے جاتے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اطراف سر پر پیچھے سے آگے تک پھیرتے ہوئے لاتے) اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ (اس کے بعد اسی تری سے کانوں کے اندر کی طرف کا مسح انگشتِ سبابہ (شہادت کی انگلی) سے اور کانوں کی پشت (باہر کی طرف) کا مسح انگشتِ نر (انگوٹھا) سے کرتے) اور دونوں کانوں کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّسْتَمِعُ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُ اَحْسَنَہٗ اَللّٰھُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّۃِ مَعَ الْاَبْرَارِ۔ اور گردن کا مسح انگلیوں کی پشت کی تری سے کرتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ وَرِقَابَ اٰبَائِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ پھر داہنا پاؤں دھوتے (تو تین مرتبہ ٹخنوں سے اوپر تک دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر اس طرح ہاتھ پھیرتے کہ خشک کرے قریب ہو جاتا) اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ وَقَدَمَ وَالِدَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ یَوْمَ تُثَبِّتُ مَعَ اَقْدَامِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ بِہٖ اَقْدَامَا الْمُؤْمِنِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا

اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام ط
اور اسی طرح سے بایاں پاؤں دھوتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ وَقَدَمُ وَالِدَیَّ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيْهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِی النَّارِ بِحُرْمَةِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اور پاؤں دھوتے وقت قدرے جنوب یا شمال کی طرف مڑ جاتے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے سے خلال کرتے اور دائیں پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرتے) اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد (گوشۂ چشم حق آسمان کی طرف متوجہ کر کے) یہ دعا پڑھتے (اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً اَوْظَلَمْتُ نَفْسِیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ فَاغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O وَاجْعَلْنِیْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ اَنْ اَذْكُرَكَ كَثِيْرًا وَّاُسَبِّحَكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا O اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ تا آخر پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اشْفِنِیْ بِشِفَآئِكَ وَدَاوِنِیْ بِدَوَآئِكَ وَعَافِنِیْ مِنَ الْبَلَآءِ وَاعْصِمْنِیْ مِنَ الْاَهْوَالِ وَالْاَمْرَاضِ وَالْاَوْجَاعِ (اور آپ اعضائے وضو کپڑے سے نہ پونچھتے)۔

آپ کی نماز تہجد وتر اور مراقبہ

اس کے بعد لطیف ونفیس لباس زیب تن فرماتے اور تجمل ووقار کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور دو رکعت خفیف ادا فرماتے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھتے وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ O اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (۱) (دوسری رکعت میں بعد فاتحہ یہ آیت پڑھتے) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

۱۔ آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (۱)(وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً اَوْيَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا O)(۲) باقی نماز تہجد کو بہ طولِ قرأت سے ادا فرماتے، لیکن ہر بعد کے دوگانے کی قرأت پہلے دوگانے سے کم ادا کرتے۔ آپ اکثر اوقات نماز تہجد بارہ رکعت پڑھتے کبھی دس اور کبھی آٹھ پر اکتفا فرماتے (اکثر ان میں قرآن مجید کے دو تین سیپارے پڑھتے تھے، کبھی کبھی حالت محویت میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت میں گذار دیتے اور جب خادم عرض کرتا کہ صبح ہونے والی ہے، تب دوسری رکعت تخفیفِ قرأت کے ساتھ ادا فرما کر سلام پھیر دیتے) اکثر نمازِ تہجد میں سورۂ یاسین پڑھتے اور فرماتے کہ اس کی قرأت میں بہت زیادہ نفع ہے اور بے شمار نتائج وثمرات پائے گئے ہیں۔ کبھی نماز تہجد میں سورۂ الم سجدہ، سورۂ ملک، سورۂ مزمل، سورۂ واقعہ اور چہار قل بھی پڑھتے تھے۔ بعد ازاں اگر اول شب میں وتر نہ پڑھے ہوتے تو تین رکعت وتر پڑھتے اور فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ سبح اسم اور دوسری میں قل یا اور تیسری میں قل ھو واللہ پڑھتے۔ تیسری رکعت میں قل ہو اللہ کے بعد قنوتِ حنفی کے ساتھ قنوتِ شافعی ضم کرتے، جیسا کہ حنفیوں کی کتاب میں موجود ہے اور وہ قنوت یہ ہے: اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْ مَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّمَا قَضَيْتَ ط اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَيَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّمَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ط اگر وتر اول شب میں پڑھ لیتے تو نماز تہجد کے بعد وتر نہ پڑھتے، کیوں کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا مشروع نہیں ہے، پھر سورۂ آل عمران کا آخری رکوع پڑھتے یعنی اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ بعد ازاں ستر مرتبہ استغفار پڑھتے اور کبھی کبھی آیتِ کریمہ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ستر مرتبہ پڑھتے (بعدہٗ صبح تک مراقبہ کرتے یا کلمۂ طیبہ پڑھتے یا قبل از نمازِ فجر موافق سنت سو جاتے، تا کہ تہجد بین النوم واقع ہو۔)

آپ کی نمازِ فجر

پھر صبح سے قبل بیدار ہوتے اور تازہ وضو فرما کر سنتِ فجر گھر پر پڑھتے، ان میں فاتحہ کے بعد اکثر پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ (سنت وفرض کے

۱۔ النساء: ۶۴
۲۔ النساء: ۱۱۰

درمیانی وقت میں تسبیح وتہلیل کرتے تھے، یعنی سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ ۔ آہستہ آہستہ پڑھتے تھے، بعد ازاں قبلے کے جانب (داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے لیکن آخر میں یہ اضطجاع (کروٹ پر لیٹنا) ترک کر دیا تھا) پھر مسجد تشریف لے جاتے، مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت اس طرح کرتے: نَوَیْتُ اَنْ اَعْتَکِفَ مَادُمْتُ فِی الْمَسْجِدِ ۔ اگر مکروہ وقت نہ ہوتا تو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتے، ان کو کبھی ترک نہ کرتے، بعد ازاں نمازِ فجر جماعتِ کثیر کے ساتھ اَسفار (اجالے) میں ادا کرتے، اور طوالِ مفصل پڑھتے بعد ادائے فرض اسی جلسے میں دس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ۔ اس کے بعد یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرماتے: اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ج لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۔ پھر حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ سے اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ (۱) تک اور آیۃ الکرسی اور آیہ کریمہ فَسُبْحَانَ اللہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ سے تُخْرَجُوْنَ ۔ (۲) تک پڑھتے (پھر مقتدیوں کے دائیں یا بائیں جانب رجوع ہو کر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے، بعد دعا دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیرتے۔)

آپ کا حلقۂ ذکر وتوجہ

بعد ازاں آپ اپنے احباب کے ساتھ حلقۂ ذکر ومراقبہ فرماتے، شغلِ باطنی میں تا بلندیٔ آفتاب بہ قدر یک نیزہ مشغول رہتے (حلقے میں کبھی کبھی کسی حافظ سے قرآن شریف بھی سنتے)

آپ کی نمازِ اشراق واستخارہ

بعدہٗ دو یا چار رکعت نمازِ اشراق پڑھتے، اول رکعت میں بعد فاتحہ آیت الکرسی و سورۂ یٰسٓ تا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ اور دوسری رکعت میں بقیہ سورۂ یٰسٓ آخر تک و سورۂ والشمس، پھر دو رکعت بہ نیتِ استخارہ پڑھتے، کبھی اول رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللہُ، اور کبھی پہلی میں سبح اسم، الم نشرح اور سورہ کافرون اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللہُ تین مرتبہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھتے اور سلام کے بعد استغفار اس طرح پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا

۱۔ المومنون: ۱ تا ۳ ۲۔ الروم: ۱۷ تا ۱۹

اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔اس کے بعد یہ دعائے استخارہ پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اُرِيْدُ مِنْ اَيِّ عَمَلٍ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيَ الْيَوْمَ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اُرِيْدُ مِنْ اَيِّ عَمَلٍ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ و دُنْيَايَ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيَ الْيَوْمَ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْلِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

بوقتِ شب بھی نوافلِ اوابین ادا کرنے کے بعد یہی دعائے استخارہ پڑھتے اور اَلْيَوْمَ کی بجائے اَللَّيْلَ پڑھتے، چوں کہ بعد نمازِ فجر مجلس سکوت (مراقبہ) فرماتے تھے اس لئے بعض دعواتِ یومیہ اشراق کے بعد پڑھتے، وہ دعائیں یہ ہیں: اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ. اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ لِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ ۔اور تین مرتبہ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اور تین مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔اور سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ اور سات مرتبہ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰهُمَّ نَبِّهْنِيْ قَبْلَ اَنْ يُّنَبِّهَنِيَ الْمَوْتُ ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ اور سات مرتبہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ اور سات مرتبہ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ ۔اور سات مرتبہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ اور سات مرتبہ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ۔ اور سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ۔اور تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰهِ اور تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تینتیس مرتبہ اللّٰهُ اَكْبَرُ ۔اور ایک مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ

اَلْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اور ان میں سے بعض دعاؤں کو نمازِ اوابین کے بعد بھی پڑھتے اور ان چاروں کلمات کو ہر فرض نماز کے بعد اعداد مذکورہ بالا کے موافق پڑھتے، اور اگر اشراق کے بعد اورادِ یومیہ مذکورہ کے پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تو دن رات میں جس وقت فرصت میسر آتی ان اوراد کو پڑھ لیتے تھے۔

آپ کی خلوت اور صحبت

بعد ازاں خلوت میں تشریف لے جاتے اور بمقتضائے حال کبھی قرآن شریف پڑھتے اور کبھی کلمۂ طیبہ کا تکرار کرتے اور گاہ گاہ طالبانِ خدا کو جدا جدا طلب کر کے احوال پرسی فرماتے اور ہر ایک کے حال کے موافق ارشاد فرماتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے اگلے پچھلے احوال تفصیل و شرح کے ساتھ خود بیان فرماتے اور مقامات و کیفیات سے آگاہ فرماتے اور کبھی خاص خاص اصحاب کو طلب فرما کر اسرارِ خاصہ و معارفِ مکشوفہ بیان فرماتے اور کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے۔ معارف بیان کرتے وقت محسوس ہوتا کہ گویا القاوا عطائے حال کرتے ہیں۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ جس وقت طالبانِ سلوک کوئی معرفت حضرت کی زبان سے سنتے صرف سننے کے اس معرفت سے حضرت کی توجہ کے ساتھ متحقق ہو جاتے، ہر ایک کو اس کے حال اور استعداد کے موافق ذکر و فکر تعلیم فرماتے اور سب کو علوِ ہمت و اتباعِ سنت و دوامِ ذکر و حضور مراقبت اور اخفائے حال کی تاکید فرماتے اور تکرارِ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی نہایت ترغیب دلاتے اور فرماتے کہ اس کلمۂ معظم کے مقابلے میں تمام عالم کی مثال ایسی ہے جیسے دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ، اور فرماتے کہ اس کلمۂ طیبہ جامعِ کمالاتِ ولایت و نبوت ہے، اور فرماتے کہ فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ کہنے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش رکھتا ہے، اور فرماتے کہ اس سے زیادہ کوئی آرزو دل میں نہیں ہے کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمے کے تکرار سے متلذذ و محظوظ ہوں، مگر کیا کیا جائے کہ یہ آرزو میسر نہیں، اور مریدوں کو کتبِ فقہ کے مطالعے کی تاکید فرماتے، تاکہ معلوم ہو کہ کون سا مسئلہ مفتیٰ بہ ہے اور کون سا مسنون و معمول بہا اور کون سا مسئلہ بدعت و مردود ہے۔ حضرت کی احباب سے خاموشی کی صحبت ہوتی اور اصحاب پر اس قدر ہیبت و جلال غالب تھا کہ مجالِ انبساط و دم زدن نہ تھی۔ اور حضرت کی تمکین اس درجے کی تھی کہ وارداتِ متنوعہ و متلونہ کے متواتر و بہ کثرت وارد ہونے کے باوجود ہرگز

کبھی اثرِ تلوین ظاہر نہیں ہوا، البتہ چشم پُر آب ہو جاتی اور گاہ گاہ اثنائے بیانِ حقائق میں رخسارۂ دیدہ کا رنگ متلون ہو جاتا اور رخسارے سرخ و عرق آلود ہو جاتے)

آپ کی نمازِ چاشت

بعدہٗ نمازِ ضحیٰ یعنی نماز چاشت کی آٹھ رکعت ادا کرتے، اگرچہ وہ چار رکعت جو اول پڑھتے تھے داخل ضحیٰ تھیں، پس حاصل یہ کہ نمازِ ضحیٰ بارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی وقت کم ہونے کی وجہ سے ان ہی چار رکعتوں پر جو کہ اول بہ نیتِ اشراق پڑھتے تھے اکتفا فرماتے اور کبھی اول کی دو ہی رکعت پر اور قرأتِ نماز چاشت میں بعد فاتحہ سبح اسم اور والشمس اور واللیل اور والضحیٰ اور چہار قل پڑھتے تھے (اوائلِ حال نمازِ تہجد و نمازِ ضحیٰ و فی الزوال میں اکثر تکرارِ قرأتِ سورۂ یاسین فرماتے حتیٰ کہ کبھی کبھی اس سورۂ مبارکہ کا دن رات میں اسی اسی مرتبہ پڑھنے کا اتفاق ہو جاتا۔ آپ نمازِ ضحیٰ خلوت میں ادا فرماتے تھے)۔

آپ کا طعام وقیلولہ

بعدہٗ محل سرا میں تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور کھاتے وقت فرزندان اور درویشوں کو طعام تقسیم فرماتے اور اگر فرزندان و درویشوں اور خادموں میں سے کوئی شخص اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کے حصے کا کھانا رکھ چھوڑنے کے واسطے ہدایت فرماتے۔ حضرت کے گھر کا کھانا بہت لذیذ ہوتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت حضرت داہنا زانو کھڑا کر لیتے، اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے اور بعض اوقات یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ اللَّطِیْفَ الْمَلِیْحَ بِغَیْرِ حَوْلٍ وَّلَاقُوَّةٍ، اگر طعام شریں ہوتا تو هٰذَا الطَّعَامَ اللَّطِیْفَ الْحُلْوَ فرماتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَاَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط اور اگر کسی کی دعوت نوش فرماتے تو یہ بھی پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاٰکِلِهٖ وَلِبَاذِلِهٖ وَلِمَنْ کَانَ لَهٗ شَیْءٌ فِیْهِ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔ اگر صاحب طعام موجود ہوتا تو فرماتے جَزٰکُمُ اللّٰهُ عَنَّا خَیْرًا ۔ اگر صاحب طعام موجود نہ ہوتا تو جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا کہتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْهَا عَوْنًا عَلٰی مَاتُحِبُّ (مگر کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر فاتحہ نہ پڑھتے تھے، جیسا کہ عام لوگوں میں رواج ہے، کیوں کہ یہ فعل احادیثِ صحیحہ میں وارد نہیں ہے۔ اور تین انگلیوں

سے لقمہ لیتے اور اس نیت سے تناول فرماتے کہ کھانا سنت ہے۔ آپ کی غذا نہایت قلیل دو چپاتی گیہوں کی ہوتی تھی، اور بکری کا گوشت اور مغز (بھیجا بہت مرغوب تھا، کباب بھی دسترخوان پر ہوتے تھے، روزانہ صرف ایک بار دوپہر سے کچھ پہلے کھانا تناول فرماتے اور وہ بہت قلیل، اس کے باوجود فرمایا کرتے ''کیا کیا جائے کہ بہ حکم اقتضا آخر زمانہ بھوک میں آں حضرت ﷺ کا کمال اتباع میسر نہیں ہوتا'' اور کھانا نہایت خشوع وخضوع سے تناول فرماتے اور اس امر کی مریدوں کو بھی نہایت تاکید فرماتے۔ اور آپ کے ارشادات میں ہے کہ عارف کو کوئی چیز مَلَکیت سے بشریّت کی طرف لانے والی کھانے سے زیادہ نہیں۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر بطریقِ سنت قیلولہ فرماتے تھے۔ اور آپ کا مؤذن ظہر کی اذان اول وقت میں کہا کرتا تھا جیسے ہی اذان ہوتی اَللّٰہُ اَکْبَرُ سنتے ہی آپ بے اختیار بہ عجلت اٹھ بیٹھتے اور تخت سے زمین پر اتر آتے۔

آپ کی نماز ظہر

جس وقت آپ اذان سنتے اس کا جواب دیتے اور بہ وقت حَیْعَلَتَیْن (۱) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ فرماتے اور فی الفور وضو کر کے مسجد میں تشریف لے جاتے، پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت سنتِ زوال (سنتِ مؤکدہ) بہ طولِ قرأت ادا کرتے اور فرماتے کہ رسولِ خدا ﷺ نے زمانِ بعثت سے تا زمانِ رحلت سنتِ زوال (سنت مؤکدہ) ترک نہیں فرمائیں ور ان میں طوالِ مفصل (بڑی سورتیں) پڑھتے اور کبھی بہ مقتضائے عدمِ گنجائش قصار (چھوٹی سورتیں) پڑھتے۔ پھر تکبیرِ اقامات کے بعد خود امامت فرماتے اور ظہر کے فرض ادا کرتے اور قرأت میں طوالِ مفصل سورتیں پڑھتے (نمازِ فرض سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْـــرَامِ پڑھ کر کھڑے ہو جاتے) بعد ازاں دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھتے اور پھر چار رکعت سنت زائد پڑھتے اس کے بعد ظہر کے بعد کی ماثورہ دعائیں پڑھتے۔

آپ کا حلقہ ذکر و توجہ تعلیم دین اور نمازِ عصر و ختمِ خواجگان

اس کے بعد لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے اور احباب کے ساتھ حلقہ کرتے۔ حافظ صاحب قرآن شریف پڑھتے اور آپ سماعت فرماتے کبھی ایک جز اور کبھی نصف جز پڑھا جاتا اور

۱۔ یعنی حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح

حضرت مریدوں کو مراقبہ کراتے اور فارغ ہونے کے بعد دینی کتب کا درس فرماتے، اور اگر حافظ موجود نہ ہوتا تو خود تلاوتِ قرآن مجید کرتے) اور مثلین کے بعد وقتِ عصر ہو جاتا تو (تجدیدِ وضو کے بعد چار رکعت سنتِ عصر ادا کرتے اور یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے سنتوں کو ترک کیا ہو، بعد ازاں خود امامت فرماتے اور) اول وقت میں جماعتِ کثیرہ کے ساتھ فرض ادا کرتے، اس کے بعد ادعیۂ ماثورۂ وقتِ عصر پڑھ کر احباب کے ساتھ پھر بیٹھتے اور ختم خواجگان پڑھتے اور حلقہ کراتے، حافظ صاحب قران کریم پڑھتے اور حضرت اور آپ کے احباب مراقب بیٹھتے اکثر اوقات خلوت میں درویشوں سے احوال دریافت فرماتے اور ہر ایک کی مناسبت کے مطابق اس کی رہنمائی فرماتے۔ (اور ان کی ترقی کے لئے ہمت فرماتے، کبھی کچھ اور عملِ صالح کرتے)۔

آپ کی نماز مغرب اور صلوٰۃ اوابین

بعد ازاں اگر ابر و غبار وغیرہ نہ ہوتا تو مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، اور فرض نماز ادا کرنے کے بعد اسی جلسے میں دس مرتبہ لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَـهٗ لَـهُ الْـمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ پڑھتے اور سات دفعہ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ پڑھتے۔ بعد ازاں دو رکعت سنت اور چھ یا چار رکعت نماز اوابین پڑھتے اور اکثر اوقات اس میں سورۂ واقعہ و سورۂ اخلاص پڑھتے (اس کے بعد اس وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھتے)

آپ کی نمازِ عشاء و وتر

بیاضِ اُفق کے زوال کے بعد امام اعظمؒ کے نزدیک شفق اسی سے مراد ہے اور وہ عشا کا متفق علیہ وقت ہے مجسد میں تشریف لاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت یا دو رکعت سنت پڑھتے اور پھر فرض ادا فرماتے اور بغیر اس کے کہ ادعیہ پڑھیں صرف اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ مذکور پڑھ کر اٹھ جاتے، اور دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھتے، بعد ازاں اکثر چار رکعت اور مستحب پڑھتے اور ان چار رکعت مستحب میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ تبارک و قل یا قل ھو اللہ پڑھتے اور کبھی ان چار رکعت میں چاروں قل والی سورتیں پڑھتے اور اگر ان چار رکعت میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ الملک نہ پڑھتے تو وتروں کے بعد ان دونوں سورتوں کو مع سورۂ دخان پڑھتے تھے، اور دوستوں کو بھی اس وقت میں ان سورتوں کے پڑھنے کی ترغیب فرماتے، بعد ازاں وتر پڑھتے اور وتروں کی

پہلی رکعت میں اکثر سبح اسم ربک اور دوسری رکعت میں قل یا اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور قنوتِ حنفی کے ساتھ قنوتِ شافعی کو بھی ملاتے یعنی دونوں کو پڑھتے۔ اس کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، اول رکعت میں اذا زلزلت الارض اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون پڑھتے، اور آخر میں ان دو رکعت کو ترک کر دیا تھا شاذ و نادر ہی پڑھتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ (اور نماز وتر کے بعد جو دو سجدے کرنے کا رواج ہے آپ ادا نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علما نے اس کی کراہت پر فتویٰ دیا ہے، اور وتر کی نماز کبھی اول شب میں ادا فرماتے اور کبھی نماز تہجد کے بعد، اور جب اول شب میں وتر ادا فرماتے تو نمازِ تہجد کے بعد ان کا اعادہ نہ فرماتے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک شب میں دو وتر نہیں ہیں۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ وتر اخیر میں ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سونے لگے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وتر آخر شب میں ادا کرے گا تو اس کے وتر ادا کرنے تک کراماً کاتبین تمام شب اس کے اعمال نامے میں حسنات لکھتے رہتے ہیں۔ پس جہاں تک ممکن ہو وتر آخر شب میں ادا کرنا بہتر ہے، اس کے باوجود یہ بھی فرماتے تھے اور تحریر بھی فرمایا ہے کہ وتر کی تعجیل و تاخیر میں آں حضرت سرور کائنات ﷺ کی متابعت کے سوا اور کچھ مدِ نظر نہیں ہے، اور کوئی فضیلت آں حضرت ﷺ کی متابعت کے برابر نہیں ہو سکتی، اور آں حضرت رسالت مآب ﷺ اول سب میں وتر پڑھتے تھے اور کبھی آخر شب میں، اور یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں جانتا ہے کہ کسی امر میں آں سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ تشبہ حاصل ہو جائے اگرچہ یہ تشبہ بہ حسب صورت ہی ہو)

استراحت

آپ نمازِ عشا کے بعد جلدی بسترِ استراحت پر تشریف لے جاتے اور سونے سے قبل سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی و امن الرسول تا آخر اور آیہ کریمہ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تامِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (۱) اور آیہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ (۲) اور چہار قل پڑھتے اور جس وقت لیٹتے پہلوئے راست پر تکیہ کرتے اور داہنے ہاتھ کو داہنے رخسارِ مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ

۱۔ الاعراف: ۵۴ تا ۵۶ ۲۔ بنی اسرائیل: ۱۱۰

اَمۡسَکۡتَ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡلَهَا وَاِنۡ اَرۡسَلۡتَهَا فَاحۡفَظۡهَا بِمَا تَحۡفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِیۡنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡلَمۡتُ نَفۡسِیۡ اِلَیۡكَ وَوَجَّهۡتُ وَجۡهِیۡ اِلَیۡكَ وَفَوَّضۡتُ اَمۡرِیۡ اِلَیۡكَ وَاَلۡجَاۡتُ ظَهۡرِیۡ اِلَیۡكَ رَغۡبَةً وَّرَهۡبَةً اِلَیۡكَ لَا مَلۡجَاَ وَلَا مَنۡجیٰ مِنۡكَ اِلَّا اِلَیۡكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اٰمَنۡتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیۡ اَنۡزَلۡتَ وَبِرَسُوۡلِكَ الَّذِیۡ اَرۡسَلۡتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَحۡمَدُكَ بِكُلِّ لِسَانٍ وَّ اَسۡتَعِیۡذُبِكَ مِنَ الۡبَلَایَا وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ ط اَعُوۡذُ بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنۡ شَرِّمَا خَلَقَ تین مرتبہ اسی کلمے کی تکرار فرماتے پھر تینتیس مرتبہ سُبۡحَانَ اللّٰهِ اور تینتیس مرتبہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ اور تینتیس مرتبہ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ اور مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ بِیَدِهِ الۡخَیۡرُ وَهُوَ حَیٌّ لَا یَمُوۡتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُو الۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ، پڑھتے۔ اور سو مرتبہ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ پڑھتے، اور نیز اس کلمہ کو روزانہ بلاناغہ سو مرتبہ پڑھتے اور سو مرتبہ بعد تہجد بھی پڑھتے۔

آپ کی نمازِ جمعہ وعیدین اور تراویح وغیرہ

آپ نماز جمعہ مسجدِ جامع میں جس طرح کہ علمائے حنفیہ نے فرمایا ہے اسی طرح ادا کرتے اور بعد ادائے فرضِ جمعہ سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور سات مرتبہ معوذتین مع بسم اللہ پڑھتے اور بعد ادائے نمازِ جمعہ صلوٰۃ ظہر احتیاطاً ادا فرماتے کہ کل شرائطِ جمعہ بقول بعض فقہا اس وقت نہیں پائی جاتی تھیں اور اس طرح نیت کرتے: نَوَیۡتُ اَنۡ اُصَلِّیَ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَرۡبَعَ رَكَعَاتٍ اٰخِرَ فَرۡضِ الظُّهۡرِ اَدۡرَكۡتُ وَقۡتَهٗ وَلَمۡ اُؤَدِّهٖ (میں نے چار رکعت آخر فرضِ ظہر کی نیت کی جس کا وقت میں نے پایا اور اس وقت تک ادا نہ کیا تھا) اور جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے ادا نہ فرماتے اگر کبھی کچھ بیماری وغیرہ ہوتی اور نمازِ ظہر کے لئے نہ جاسکتے تو منفرد نمازِ ظہر ادا فرماتے اور اسی طرح سے سفر میں بھی طریقہ جاری رکھتے، حال آں کہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے پر بہت حریص تھے، فرماتے تھے کہ ہم مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تابع ہیں انہوں نے جس کام کا امر کیا ہے وہ کرنا چاہئے اور جس سے منع کیا ہے وہ نہیں کرنا چاہئے۔
(آخر عشرۂ رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرتے اور عشرۂ ذی الحجہ عزلت اختیار کرتے اور ان عشرات میں طاعات واذکار وصیام کی طرف بہت راغب ہوتے اور درود شریف بہ کثرت پڑھتے، خصوصاً شب جمعہ وروزِ جمعہ وشب دوشنبہ وروزِ دوشنبہ میں بہ کثرت درود شریف پڑھتے اور آخر

زمانے میں شب جمعہ کو دوستوں کو جمع کر کے ہزار بار درود شریف پڑھتے اور اس کے بعد نہایت انکساری کے ساتھ کچھ دیر مراقبہ کرتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس پر مامور تھے، اور آپ بلاناغہ رسالہ صلوٰتِ ماثورہ جو ایک جزء سے زیادہ ہے اور دلائلِ قادریہ جو حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کا ترتیب دیا ہوا رسالہ درود ہے کبھی بعد ظہر اور کبھی بعد عشا پڑھا کرتے تھے۔)

عیدین کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے جاتے اور اس روز کی جمعیت کو غنیمت سمجھتے، مسلمانوں کی جماعت کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے، عید الاضحیٰ کے لئے جاتے ہوئے راستے میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے اور کبھی کتاب مضمرات کی فتوے کی بنا پر پست آواز سے کہتے اور ذی الحجہ کے اول عشرے میں حاجیوں کے ساتھ تشبہ کی غرض سے بال و ناخن نہ کترواتے، کیوں کہ ایسا کرنا مستحب ہے لیکن دیگر افعال جن کو اہلِ عرفات کے تشبہ کی غرض سے لوگ یہاں پر کرتے ہیں وہ افعال آپ نہیں کرتے تھے اور مکروہ جانتے تھے، البتہ بعض ادعیۂ ماثورہ پڑھا کرتے تھے، اور اس عشرۂ ذی الحجہ میں ہر روز نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ والفجر پڑھتے بلکہ اس ماہ کے آخر تک اسی طرح اس پر عمل فرماتے، ذکرِ جہر کو سوائے چند مواقع کے جائز نہ رکھتے۔

کسوف و خسوف و نمازِ تراویح کو سفر و حضرت میں ترک نہ فرماتے اور پوری دل جمعی کے ساتھ ادا کرتے تھے، رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی بیس رکعات جماعت سے بقراءتِ جہر ادا کرتے اور اس ماہِ مبارک میں تراویح کے اندر تین قرآن سے کم ختم نہ کرتے (اور ہر چہار رکعتِ تراویح کے بعد تین مرتبہ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ ط سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ ط سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ ط سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ ط اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ط پڑھتے، اور ہر دو رکعت کے بعد یہ دعا پڑھتے: يَا كَرِيْمَ الْمَعْرُوْفِ يَا قَدِيْمَ الْاِحْسَانِ اَحْسِنْ عَلَيْنَا بِاِحْسَانِكَ الْقَدِيْمِ يَا اَللّٰهُ۔ اور ختمِ کل تراویح یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الرِّضْوَانَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ. اَللّٰهُمَّ يَا خَالِقَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ بِرَحْمَتِكَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ يَا كَرِيْمُ يَا سَتَّارُ يَا رَحِيْمُ يَا بَارُّ اَجِرْنَا يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ بِعِزَّتِكَ وَفَضْلِكَ رَبِّیْ. اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِی الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ چوں کہ خود حافظ قرآن تھے اس لئے دیگر ایام میں بعد ظہر ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور حلقات میں استماعِ قرآن

شریف ہمیشہ جاری تھا اور نماز وغیرہ میں اس طرح قرأت پڑھتے تھے گویا الفاظ کے ضمن میں معنی ادا فرماتے جاتے ہیں اور سامعین کو بدیہی طور سے معلوم ہوتا تھا کہ اسرارِ قرآنی اس مقربِ سبحانی پر وارد ہو رہے ہیں۔ بہت لوگ جو کہ مرید بھی نہ تھے کہتے کہ حضرت قرآن کریم اس طرح پڑھتے ہیں گویا کہ الفاظ آپ کے دل سے نکل رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آواز بنا بنا کر ہرگز نہ پڑھتے، اور نمازِ تراویح میں اکثر سامعین کو غنودگی طاری ہو جاتی تھی لیکن حضرت کو کبھی کچھ بھی نہ ہوتی تھی اور اسی طرح کھڑے کھڑے قرآن کریم سنتے رہتے۔ مولانا بدرالدین سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے حضرت سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کو کبھی غنودگی نہیں ہوتی، فرمایا: شناوریٔ دریائے اسرارِ قرآنی فرصت نہیں دیتی کہ پلک بھی جھپکاؤں۔ سفر میں منزل پر پہنچنے تک تلاوتِ قرآن فرماتے اور جس وقت آیتِ سجدہ آتے ہی الفور سواری سے اتر کر زمین پر سجدہ کرتے روزہ افطار کرنے کے لئے اگر کھجور موجود ہوتی تو اس سے ورنہ پانی سے روزہ افطار فرماتے، اور افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھتے) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ اَللّٰهُمَّ ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ اور روزے کی نیت اس طرح کرتے وَبِصَوْمِ غَدٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَرِيْضَةً نَوَيْتُ۔

کیفیت نماز و دیگر مسائل

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بہ وقت تکبیرِ تحریمۂ نماز ہر دو انگوٹھے کان کی لو تک لے جاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کے بغیر اس کے کھلی ملی ہوئی متوجہ قبلہ رکھتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کے نیچے لاتے اور زیرِ ناف داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھتے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر (چھنگلیاں) اور ابہام (انگوٹھا) سے حلقہ ہو جاتا اور تین انگلیاں کلائی پر لمبی لمبی رکھی جاتیں اور دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہوتا اور دونوں پاؤں پر برابر زور رکھتے ایک پاؤں پر زور دے کر دوسرے کو آرام نہ دیتے، اور قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھتے اور نہایت تجوید و تعمقِ معانی و اسرارِ قرآنی سے قرأت پڑھتے، بعد ازاں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدموں پر نظر رکھتے، اور سر پشت کے ساتھ برابر کرتے اور گھٹنوں کو انگلیاں کھول کر بہ قوت پکڑتے اور زانو ٹیڑھا نہ ہونے دیتے، پھر قومہ بہ مقدارِ تسبیح کرتے اور بہ حالتِ انفراد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ

حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بہ قدرِ تسبیح جلسہ کرتے اور سجدے میں ناک کی نرمہ پر نگاہ رکھتے، اور پیٹ کو زانو سے اور زانوں کو بازو سے جدا رکھتے، اور بہ وقتِ سجدہ تمام اعضا پر برابر زور دیتے، اور تشہد میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلے کی جانب متوجہ رکھتے اور کنار (گود) پر نظر رکھتے اور حضرت کے تمام احباب نماز میں حضرت کی تقلید کرتے، آپ تشہد میں انگشتِ شہادت نہ اٹھاتے تھے، اور حالتِ انفراد میں تسبیحاتِ رکوع وسجود پانچ یا سات بلکہ نو یا گیارہ مرتبہ پڑھتے اور کبھی تین مرتبہ پر اقتصار فرماتے یعنی حسبِ موقع ادا فرماتے، اور فرماتے تھے کہ شرم آتی ہے کہ قوت استطاعت کے باوجود حالتِ انفراد میں اقل تسبیحات پر اقتصار کیا جائے، اور حالتِ امامت میں اس قدر کہتے کہ مقتدی بہ فراغت تین مرتبہ کہہ سکیں۔ نماز میں سنن و مندوبات و آداب کی پوری پوری رعایت کرتے اور فرماتے کہ لوگ بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس رکھتے ہیں حالانکہ آدابِ نماز کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت ومجاہدہ نہیں ہے خصوصاً نمازِ فرض وواجب وسنن کو جن آداب کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس طرح ادا کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (نماز بہت مشکل ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر مشکل نہیں ہے)۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور پرہیز گار لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دوسری باتوں میں رعایت اور احتیاط کو مدنظر رکھتے۔

آپ دوگانہ نمازِ تحیۃ المسجد کبھی ترک نہیں کرتے تھے اور سننِ مؤکدہ کی طرح سننِ زائدہ کی ادائیگی پر حریص تھے اور ان کو بھی سفر وحضر میں ادا کرتے تھے ترک نہ کرتے تھے، اور سوائے تراویح وکسوف کے نمازِ نفل کو جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتے تھے، بلکہ مکروہ جانتے اور منع فرماتے تھے، جیسا کہ مکتوبات شریف میں بھی آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ نمازِ خسوف (چاند گہن کی نماز) منفرداً ادا فرماتے، روزِ عاشورہ وشبِ برأت وشبِ قدر میں لوگ جماعت سے نوافل ادا کرتے ہیں، آپ اس کو مبالغہ کے ساتھ منع فرماتے اور اس اجتماع کو خلافِ شریعت وممنوع جانتے تھے۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے اور اس فعل کو اچھا نہیں جانتے تھے، ہر فاجر کے پیچھے نماز کو جائز جانتے اور پڑھ لیتے تھے۔ ہر اہم کام کے لئے استخارہ کرتے خواہ کلی ہو جزئی اور کبھی چند اہم کاموں کا ایک ہی استخارہ کرتے اور ان کاموں کو دعائے استخارہ میں ظاہر کرتے۔ اور کبھی ہر مہم کے لئے الگ الگ استخارہ کرتے بلکہ نفل وسنتِ نماز کے بعد دعائے استخارہ پڑھتے اور اس پر اکتفا

فرماتے تھے اور اگر کبھی کوئی مہم پیش آتی اور کراہت وقت یا عدیم الفرصتی کی وجہ سے نمازِ استخارہ پڑھنے کا وقت نہ ہوتا تو صرف دعائے استخارہ پر اکتفا فرماتے اور اگر کبھی اس مہم کے شروع میں استخارہ کرنا بھول جاتے تو درمیان میں یا اس کام کے آخر میں اس کی تلافی کرتے تھے اور اس تقصیر کا تدارک کرتے۔ آں حضرت ﷺ سے جو فعل بھی صدور پذیر ہوا اور احادیث میں وارد ہے آپ اس کی متابعت پوری احتیاط کے ساتھ کرتے اور اگر ایک ہی وقت میں متعدد افعالِ مسنونہ جمع ہو جاتے اور سب کا بہ یک وقت عمل میں لانا ممکن نہ ہوتا تو خوب احتیاط برتتے اور افعالِ مسنونہ کے اعداد کی تعیین میں پوری پوری رعایت فرماتے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے اور جو شخص مرنے کے قریب ہوتا اس کے پاس تشریف لے جاتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اس کے حال پر امداد کرتے، اہلِ قبور کی زیارت کے جاتے اور اموات کے لئے دعا و استغفار کرتے، اور قبروں پر قرآن مجید پڑھنے میں کبھی توقف کرتے کہ بڑے بڑے فقہا اس کی کراہت کے قائل ہیں اور کبھی اس لحاظ سے کہ امام محمدؒ اس کے جواز کے قائل ہیں اور فتویٰ آپ کے قول پر ہے حضرت مجدد علیہ الرحمہ بھی سورۂ فاتحہ و آیاتِ قرآنی پڑھتے تھے اور جب قبور کے پاس پہنچتے تو کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ اَھْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَنْتُمْ لَنَا سَابِقُوْنَ وَاِنَّا اِلَیْکُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاحِقُوْنَ اور یہ بھی پڑھتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ عَلَیْهِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَنْ لَّا تُعَذِّبَھُمْ ۔ اور مردوں کے حال پر خاص توجہ فرماتے۔ اور جب اپنے والد ماجد کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے، اپنے روئے مبارک کے سامنے قبرِ مبارک پر ہاتھ ملنے اور قبروں کو بوسہ دینے اور ان کا طواف کرنے کو مستحسن نہیں جانتے تھے اور اموات سے استعانت چاہنے کو جائز فرماتے تھے۔ کھانے کی دعوت قبول فرماتے، سماع و رقص کو مکروہ جانتے اور ایسی مجلس میں جہاں سرود ہوتا حتی الامکان تشریف نہ لے جاتے، اس وقت صوفیوں کے رقص و سماع کے لئے جمع ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کا انکار کرتے اور لوگوں کو اس عمل سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، تمام حلال و حرام کے بارے میں جو کچھ علما کے نزدیک مختار ہے اس پر عمل کرتے اور عالم کی رائے کو صوفیہ کے عمل و رائے پر مقدم رکھتے اور نجات کو مجتہدین دین کے اقوال کے ساتھ وابستہ جانتے، جس حال کو اہلِ شریعت جائز نہیں کہتے اس کو معتبر نہیں کہتے تھے اور اس حال سے بے اعتنائی فرماتے تھے، سنن و اہلِ سنن کی خلاف بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تھے اور جو کشف ان

بزرگوں کی رائے کے خلاف ہوتا اس کو ردّ فرماتے تھے اور احوال کو ظاہر شریعت کے تابع رکھتے، شریعت کو احوال کے تابع نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے چوں کہ شریعت قطعی ہے اور وحی سے ثابت ہوئی ہے، احوال ظنی ہیں اور کشفِ احوال سے پیدا ہوئے ہیں پس ظنی کو قطعی تابع رکھنا چاہئے اور قطعی کو ظنی کے تابع نہیں کرنا چاہئے۔ علمائے اشاعرہ کی رائے پر علمائے ماتریدیہ کی رائے کو مقدم رکھتے تھے، کیوں کہ صحیح کشف سے معلوم ہو چکا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے یہ حضرات ''انا مومن حق'' کہتے ہیں اور استثناء سے منع کرتے ہیں (یعنی یہ کہنا جائز نہیں سمجھے انا مومن ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ واجبہ آٹھ جانتے اور تکوین کو صفاتِ حقیقیہ میں شمار کرتے ہیں، خواصِ بشر کو خواصِ ملک سے افضل جانتے، نبوت کو ولایت سے افضل کہتے اگرچہ وہ نبی کی ولایت ہو، صحو کو سکر پر ترجیح دیتے، ولی عشرت (لوگوں کے ساتھ رہ کر زندگی گذارنے والے ولی) کو ولی خلوت (تارک الدنیا ولی) سے بہتر جانتے تھے، ادنیٰ و اعلیٰ تمام اصحابِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اولیائے امت پر ترجیح دیتے، اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ جو کہ تابعین میں بہتر ہیں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبے سے کم جانتے، غیر صحابی کا سونے کے پہاڑ جتنا صدقہ کرنا اصحابِ کرامؓ کے ایک مُدّ جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں جانتے تھے اور حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کا شرف سب شرفوں سے بڑھ کر کہتے تھے اور صحابۂ کرامؓ کے باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں کو نیک نیتوں پر محمول کرتے تھے اور اجتہاد و رائے کی رو سے جانتے تھے، انسانی نفسانی دشمنیوں اور ہوا و ہوس سے نہیں جانتے تھے، کیوں کہ یہ ان بلند شان بزرگوں کے حال کے مناسب نہیں ہے، اور اپنے بعض مریدوں کو تکمیل و کمال کے درجے تک پہنچنے سے پہلے تعلیمِ طریقت کی اجازت دیتے تھے اور اس کا راز یہ فرماتے تھے کہ مقصود یہ ہے کہ اطرح کی ظلمت و گمراہی کے گرداب (بھنور) میں لوگوں کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب رہنمائی کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، نیز اس لئے کہ ان کو بھی ساتھی بہم پہنچانے چاہئیں تاکہ یہاں سے جدائی کے وقت ان کے ساتھ مل کر (ذکر و مراقبے میں) مشغول رہیں اور تمام مریدوں سے بارہا اظہار فرماتے کہ ایسا نہ ہو اس اجازت سے اپنے اپ کو کامل خیال کرنے لگو اور فرماتے تھے کہ ہمارے گزشتہ مشائخ کرام نے اس قسم کی اجازت کو جائز رکھا ہے۔ حضرت خواجۂ نقشبندیہ قدس سرہٗ نے حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کو فرمایا تھا کہ جو کچھ تم کو ہم سے پہنچا ہے وہ لوگوں کو پہنچاؤ حالانکہ مولانا (موصوف) کا کام حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ کے مریدوں میں دکھایا ہے، اور مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ

تعالیٰ اسرار ہم کے طریقے کو مشائخ کے تمام طریقوں سے بہتر جانتے تھے اور اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کو اندراج النہایت فی البدایت کے تعلق کی بنا پر بعینہٖ اصحاب کرامؓ طریقہ کہتے تھے، اور اس سلسلے کے متاخرین نے اپنے اکابر کے طریقے کے برخلاف جو بدعتیں پیدا کر لی ہیں ان کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اچھا نہیں سمجھتے تھے، شیخ محی الدین العربی قدس سرہٗ کو نیکی کی ساتھ یاد کرتے تھے، شیخ موصوف کی نسبت اپنی چند در چند محبت کا اظہار کرتے اور فرماتے تھے کہ اس تمام محبت کے باوجود جو کہ ہم کو شیخ موصوف کے ساتھ ہے مجھے ان کے اکثر کشفی علوم پسند نہیں ہیں اور حق کو اس کے خلاف جانتا ہوں، لیکن چوں کہ یہ خطا کشفی ہے اس لئے مواخذے سے دور ہے بلکہ یک درجہ ثواب کا احتمال رکھتی ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ہے، اور معقولات و منقولات کے درس ظاہری کو بے تخلل و فتور کہتے تھے اور طلبہ کو علوم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے اور تحصیلِ علوم کو طریقۂ صوفیہ کے سلوک طے کرنے پر مقدم جانتے تھے۔

بعض ادعیۂ مختلفہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جنات کے دفعیہ کے لئے یہ کلمات پڑھتے تھے: اَعُوْذُ بِوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ الَّتِىْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَ اَلَّا يَطْرُقَ طَارِقٌ اِلَّا بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ جب کسی شخص پر جن کا اثر ہو جاتا اور وہ ہوش و حواس میں نہ رہتا تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوش میں آجاتا تھا۔ دیگر سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ جن کو کذا با تک پڑھ کر پانی پر دم کر کے آسیب زدہ کو پینے کے لئے دیتے، اس وقت شفائے کاملہ حاصل ہو جاتی۔ دیگر یہ دعا بھی پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کرتے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفا پاتا تھا۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط بِسْمِ اللهِ اَمْسَيْنَا وَ اَصْبَحْنَا بِاللهِ الَّذِىْ لَيْسَ شَىْءٌ مُمْتَنِعٌ يُمْتَنَعُ بِهٖ مِنْ دُوْنِهٖ وَبِعِزَّةِ اللهِ الَّتِىْ لَا تَرَامُ وَلَا تُضَامُ وَبِحَبْلِ اللهِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ نَعْتَصِمُ بِهٖ وَبِاَسْمَائِهِ الْحُسْنٰى عَائِذًا مِنَ الْاَبَالِسَةِ مِنْ شَرِّ شَيَاطِيْنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ مُعْلِنٍ وَّمُسِرٍّ وَّ مِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ بِاللَّيْلِ وَ يَكْمُنُ بِالنَّهَارِ وَيَكْمُنُ بِاللَّيْلِ وَيَخْرُجُ بِالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ

رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَاَعُوْذُ بِمَا اسْتَعَاذَبِهٖ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ اِبْرَاهِیْمُ الَّذِیْ وَفّٰی مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ وَذَرَاَوَبَرَاَمِنْ شَرِّ مَا بَقِیَ اَعُوْذُبِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا تا طِیْنٍ اَلَّازِبٍ ۔ اور جب سفر پر روانہ ہوتے دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھتے اور اس کی پہلی رکعت میں کافرون اور دوسری قل ھو اللہ پڑھتے اور دعائے استخارہ بھی پڑھتے۔ اور گھر سے نکلتے وقت سورہ فاتحہ و آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھتے۔ مسنون دنوں میں سفر پر روانہ ہوتے اور کسی دن کو منحوس نہ سمجھتے اور فرماتے تھے کہ آں حضرت ﷺ کی ولادت سے نحوسات اٹھا لئے گئے ہیں، چناں چہ حدیث اَلْاَیَّامُ اللّٰهِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ اس کی مؤید ہے۔ اور جب سوار ہوتے تو تکبیر کہتے اور اٰیہ کریمہ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔(۱) اور جب کسی شہر یا گاؤں میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِیْ خَیْرِ هٰذَا الْمُقَامِ وَ خَیْرَ مَنْ لَهٗ اور جب کسی منزل پر اترتے یہ دعا پڑھتے رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۔ اور دورانِ سفر جب کہیں قیام کرتے تو بھی یہی آیہ کریمہ پڑھتے۔ اور یہ دعا بھی پڑھتے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ چوں کہ اس دعا کی خاصیتوں میں لکھا ہے کہ جو شخص اس دعا کو تین دفعہ پڑھے اس کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاتی یہاں تک کہ اس منزل سے کوچ کرے اور دو رکعت نماز بھی پڑھتے اور سفر میں لوگوں کو سورہ قریش کی تلاوت کرنے کی ترغیب دیتے۔ اسی طرح جب کسی منزل پر اترتے تو منزل کی خیر و شر کے لحاظ سے دعائے استخارہ پڑھتے تھے۔ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور پھر کسی منزل کی طرف تشریف لے جاتے تو دوبارہ دعائے استخارہ پڑھتے۔ اور تیز ہوا چلنے کے وقت یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِیَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِیْحًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ ۔ اور بجلی کی کڑک اور چمک کے وقت یہ آیہ کریمہ پڑھتے: سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَآئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۔ اور جب کسی شخص کو کسی مصیبت میں مبتلا دیکھتے تو یہ پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور جب کسی کافر یا بت پرست کو دیکھتے تو بھی یہی دعا پڑھتے۔ اور جب آئینہ دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ

۱۔ الزخرف: ۱۴

فَحَسِّنْ خُلُقِیْ وَحَرِّمْ وَجْهِیْ عَلَی النَّار ۔اگر بازار سے گذرنے کا اتفاق ہوتا تو یہ پڑھتے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام ۔دولت خانے سے باہر تشریف لاتے تو کہتے تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم ۔جب چاند دیکھتے تو یہ پڑھتے اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاَمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالسَّلَام رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ اور اپنے دست مبارک کی انگلیوں سے اللہ کا نقش بنا کر ظاہر کرتے۔اور جب مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ کہتے عَافَاكَ اللّٰهُ۔جب نیا لباس پہنتے تو یہ کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذِهِ الْعِمَامَةَ اور اگر قمیص پہنتے تو کہتے ہیں هٰذَا الْقَمِیْصَ اور اگر کوئی دوسرا شخص لباس پہنتا تو کہتے اِلْبَسْ جَدِیْدًا عِشْ حَمِیْدًا وَمُتْ شَهِیْدًا o

تمام شد بعون اللہ تعالیٰ

حضرت مجدّد الف ثانی قدّس سرِّہٗ
کے
کشف و کرامات و خوارق اور تصرفات

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی کرامت تو آپ کا کلام ہے جس میں آپ نے ذات و صفاتِ الٰہی کے معارف و حقائق بالکل نئے انداز سے شریعت کے مطابق بیان فرمائے ہیں جو گزشتہ اولیائے کرامؒ کی بیان کردہ حقائق و معارف سے بدرجہا بڑھ کر اور واضح تر ہیں۔ آپ نے فرمایا کرتے تھے کہ تمام کراماتِ اولیا اس امت کے پیغمبر کے معجزات ہیں، کیونکہ جس طرح معجزات ترویج و تقویتِ دین کے لئے تھے اسی طرح خوارقِ اولیا بھی اسی مقصد کے لئے ظہور میں آتے ہی، ان خوارق کے اظہار سے ان کا مقصد حصول جاہ و مال اور شہرت وغیرہ نہیں ہوتا بلکہ اس نیت کے باوجود وہ آخرِ عمر میں ظہورِ خوارق سے نادم بھی ہوئے ہیں۔(۱)

حضرت امامِ ربانی محبوبِ صمدانی مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس السامی کی ذاتِ اقدس اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے کہ آپ کے کشف و کرامات اور خوارقِ عادات بیان کر کے موصوف کا وصف بیان کیا جائے، لیکن چونکہ اولیائے کرام کے حالات قلم بند کرنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ان حضرات کے بعض خوارق عادات بھی درج کیا کرتے ہیں اور سیرت کا یہ بھی ایک جزو اعظم سمجھا جاتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشف و کرامات جو معتبر کتابوں میں درج ہیں ان میں سے چند بطور تبرک پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

ایصالِ ثواب کے وقت ملائکہ و ارواح کا نزول

حاجی حبیب جو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے خاص خادموں میں سے تھے اور بڑے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۵۵

صاحبِ ریاضت و مجاہدہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں اجمیر شریف میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے ہمراہ تھا۔ ستر ہزار مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے ستر ہزار بار کلمۂ طیبہ پڑھا ہے اس کا ثواب آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت نے فوراً دستِ مبارک اٹھا کر دعا دی۔ پھر دوسرے دن فرمایا کہ کل جس وقت میں تمہارے لئے دعا کر رہا تھا فرشتوں کی اس قدر جماعت اس کلمۂ طیبہ کا ثواب لے کر آسمان سے آئے کہ زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا اس پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں، میرا خود اپنا یہ حال تھا کہ ہر شب نمازِ تہجد کے بعد پانچ سو مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر اپنے مرحوم بچوں محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور ام کلثوم کی ارواح کو بخشتا تھا۔ اس کے بعد ہر روز محمد عیسیٰ کی روح تہجد کے وقت آتی اور مجھ کو بیدار کر کے چلی جاتی، تاکہ ختم کلمۂ طیبہ کروں۔ اس کے بعد وہ محمد فرخ اور ام کلثوم کی ارواح کو بلا کر لاتی کہ پدر بزرگوار بیدار ہو گئے ہیں۔ میں جب تک وضو کر کے نمازِ تہجد ادا کرتا اور ختم کلمۂ طیبہ کرتا وہ میرے گرد و پیش رہتے جس طرح کہ ماں روٹی پکاتی ہے اس کے چھوٹے بچے اس کے گرد رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کو روٹی دے۔ پس کلمۂ طیبہ کا ثواب ان کو بخشتا اس کی بعد وہ چلے جاتے۔ مگر اب وہ بہ کثرت ثواب پانے کی وجہ سے معمور ہو گئے اس لئے نہیں آتے۔(۱)

اموات کو ثواب پہنچنے کی کیفیت مکشوف ہونا

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ اپنے مرحوم صاحب زادگان کی فاتحہ کے لئے کھانا تیار کرایا۔ توجۂ کثیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کھانا مقبول ہوا ہے اور ایسا مکشوف ہوا کہ ملائکہ کرام کھانے کے خوان لے جا رہے ہیں اور ان کی ارواح کو پہنچانے کے لئے بہشت کے ایک چمن میں جمع کر رہے ہیں، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے فرزند اس کھانے کے پاس گئے اور کھانا ان کے اندر چلا گیا اور پھر ان میں فوق کی استعداد پیدا ہوئی اور عروج میں مصروف ہوئے اور عروجِ کثیر کے بعد ایک بہشت ظاہر ہوئی جو نہایت رفیع المنزلت اور پر بہار تھی، پس وہ اس میں داخل ہو گئے۔ چوں کہ حضرت قدس سرہٗ نے فاتحہ دینے کے وقت سب مؤمنین و مؤمنات اور ملائکہ عالیات کو بھی اس میں شریک فرمایا تھا، اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی مؤمن اور

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۷۰

مؤمنہ کی قبر ایسی نہ پائی جس میں وہ کھانا نہ گیا ہو اور کوئی بہشت ایسی نہ تھی جو اس ضیافت سے خالی ہو اور یہ بھی دیکھا کہ ملائکہ میں بھی خوان ہائے گوناگوں بھیجے گئے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ کی گئی۔(۱)

میر سعد الدین کے خیالِ فاسد کا کشف

مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کے بڑے بھائی میر سعد الدینؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خانقاہ شریف میں رہتا تھا، حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے نہایت عجیب وغریب احوال منکشف ہونے لگے، بسا اوقات سجدے کی حالت میں زمین وآسمان کے طبقات اور ان کے سب حالات دکھائی دیتے اسی اثنا میں ایک کثیر الخدشہ دوست کی ہم صحبتی کے باعث خیال گزرا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس بزرگی اور کثرتِ علم وعمل اور عرفان کے باوجود حضرتؒ سے اس عالمِ کون وفساد کے متعلق بہت کم خوارق دیکھی گئی ہیں۔ اس خیال نے اس قدر غلبہ کیا کہ میرے احوال میں قبض اور بستگی آگئی جب میں قبض سے عاجز آگیا تو سمجھا کہ یہ اس خیالِ فاسد کی شامت ہے۔ میں نے اپنی پگڑی گلے میں ڈال کر (مجرموں کی طرح) حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت نے ایک لمحے بعد میرا سر اٹھا کر فرمایا ''تم طالبِ کرامت ہو اور یہ فلاں شخص کی صحبت کا نتیجہ ہے۔'' اس کے بعد آپ نے سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''جو شخص کرامت کی خواہش رکھتا ہے وہ کسی دوسرے شیخ کی تلاش کر لے اور جو شخص رسول اکرم ﷺ کی متابعت، فنا وبقا کا اقتباس اور ذات وصفات کی معرفت کا خواہاں ہے وہ میرے پاس چند روز گزارے۔'' میر سعد الدین بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ کے اس عتاب میں کرامت ظاہر ہوئی کہ مجھے اس خطرے سے بالکل خلاصی ہو گئی۔(۲)

ایک صاحبِ دل کے عُجب کا علاج

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک صاحب دل سید صاحب حاضر ہوئے، ان کا دل ایسا ذاکر تھا کہ پاس بیٹھنے والے بھی ذکر کی آواز سنتے تھے، خصوصاً جب وہ سوتے تھے تو دور دور تک ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی اور ان کو بعض مشائخ سے خلافت بھی حاصل تھی، حضرتؒ کی خدمت میں بھی اسی توقع سے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ صاحب

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۸۴

۲۔ ایضاً: ص ۱۳۸۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۵۴، ۲۵۵

استعداد ہیں مگر غلبۂ ذکر اور خلافتِ مشائخ نے ان کو عجب وغرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کی راہِ ترقی مسدود ہوگئی ہے، لہٰذا ان کا علاج ان کے حالات سلب کر لینے سے ہوگا۔ چناں چہ دو روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت نے ان کے حالات سلب کر لئے۔ سیّد صاحب نے جب اپنے کو بے حال پایا تو بہت پریشان ہوئے، گریہ وزاری شروع کی اور اشکِ حسرت آنکھوں سے جاری ہوگئے، لیکن حضرت نے ان کے حال پر ذرا التفات نہ کی۔ جب چند روز کے بعد ان کے دماغ سے عجب و پندار نکل گیا اور روتے روتے بری حالت ہوگئی تو حضرت نے ان کو خلوت میں طلب فرما کر ایسے مقاماتِ عالیہ پر پہنچا دیا کہ اس کا پہلا ذکر ان کے مقابلے میں زینۂ اول کی حیثیت بھی نہ رکھتا تھا، وہ سیّد صاحب خود بھی اپنی پہلی حالت کے نقص کے معترف ہوگئے۔(۱)

مسلکِ اہلِ سنت کی پابندی اور دلی خطرہ پر آگاہی

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رقم طراز ہیں کہ جن دنوں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس کم ترین کو طریق رابطہ میں مشغول کرایا تھا ان دنوں بندے پر حضرت قدس سرہٗ کی محبت کا بہت غلبہ تھا، ایک روز میں نے یہ رباعی نظم کر کے آپ کی خدمت میں پڑھی

اے آنکہ ملائک مگسِ قند تو اند
دل سوختگانِ عشق اسپندِ تو اند
کانِ نمک از لعلِ تو آوارہ بکوہ
عالم ہمہ در شورِ شکرخندِ تو اند

حضرتؒ نے اس رباعی کے سنتے ہی فوراً فرمایا ''کسی کی مدح اس طرح نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے کسی دوسرے بزرگ کی قدح لازم آئے، ملائکہ بہت زیادہ بزرگ ہیں، جمہور اہلِ سنت کا مسلک یہی ہے کہ عوام ملائکہ عوامِ بشر یعنی اولیا اور ان سے کم درجے کے مسلمانوں سے افضل ہیں ان کو مگسِ قند (شہد کی مکھی) کہنا نازیبا ہے۔'' اس وقت مجھے مولانا روم کا حسبِ ذیل شعر یاد آیا لیکن خلافِ ادب سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا بلکہ خاموش رہا۔ حضرت نے خود فرمایا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے مولانا روم کے بیت

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق

ا۔ز۔۔ ۃ المقامات: ص ۲۷۸۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۶

گر ملک باشد سیاہش شد ورق

پر بھروسہ کیا ہو؟ کیوں کہ خاصانِ حق سے غالباً مولانا رومؒ کی مراد انبیا علیہ السلام ہوں گے بفرضِ محال مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہوگا اور یا یہ کہ حالتِ سکر میں ان سے صادر ہوا ہوگا۔(۱)

علامہ میرک کے سوالات کا کشف اور ان کا جواب

شہزادہ داراشکوہ کے استاد علامہ شیخ میرک فرماتے ہیں کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے لکھا ہے میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے، اس لئے مجھ کو آپ سے کدورتِ خاطر تھی میں جس زمانے میں ہندوستان آیا اور سرہند سے گزر ہوا تو میری ملاقات ایک قدیم دوست سے ہوئی دیکھا کہ صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھا، حالانکہ اس سے پہلے وہ چنداں پابندِ شریعت نہ تھا۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت وارادت اور سعادتِ حضوری سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے کہا انہوں نے تو اپنی کتاب میں ایسا لکھا ہے ان کی صحبت میں کیا اثر ہوگا۔ اس نے کہا کہ خبردار بے سمجھے انکار نہ کرو، ان کی صحبت میں بیٹھو تو حقیقت معلوم ہو جائے گی اور ملاقات کے لئے بہت اصرار کیا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر وہ (یعنی حضرت مجددؒ صاحب) بغیر پوچھے تین باتوں کے جواب سے مجھ کو مشرف فرمائیں تو میں معتقد ہو جاؤں گا، اول یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کریں، تا کہ میرے دل کی کدورت دور ہو، دوم یہ کہ میرے آباؤ اجداد کا ذکر کریں، سوم یہ کہ خواجہ خاوند محمود کے حالات کا بھی ذکر کریں۔ غرض کہ میں اس دوست کے ہمراہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی میں نے حضرت کو دور سے دیکھا تھا کہ میرے بدن میں رعشہ طاری ہو گیا اور میرے دل پر دہشت غالب ہو گئی، ترساں و لرزاں حضرت کی دست بوسی سے مشرف ہوا، پھر آپ نے تکیے کے نیچے سے ایک جزو نکال کر مجھے دیا، یہ وہی مکتوب تھا جس سے لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر آپ کی فوقیت کا توہم کرتے تھے۔ آپ نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا کہ میرے دل میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہ رہا۔ پھر فرمایا "اے مولانا میرک! تمہارے والد کا نام فلاں تھا اور وہ ایسے تھے اور تمہارے دادا ایسے اور پر دادا ایسے تھے۔" ہر ایک کا نام اور ان کے فضائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت نے مجلس برخاست

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۵

فرمائی اور چاہا کہ مجھ کو رخصت کریں تو مجھے خیال آیا کہ آپ نے خواجہ محمود کا ذکر نہ فرمایا۔ آپ نے اسی وقت فرمایا کہ خواجہ خاوند محمود ہمارے پیر زادے ہیں اور جذبہ موروثی رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے یہ تین کرامتیں حضرت سے ایک ہی مجلس میں مشاہدہ کیں۔(۱)

ختمِ حصنِ حصین سے بلیات کا دفع ہونا

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں کہ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی بیاض میں میں نے لکھا ہوا دیکھا کہ ایک دفعہ طاعون کا زور ہوا، لوگوں نے ایک عزیز کے بارے میں خواب ہائے ناخوش دیکھے اور حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیے۔ آپ نے ان عزیز کو حصنِ حصین کا ختم پڑھنے کے لئے فرمایا: چناں چہ انہوں نے ختم پڑھ کر آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے فاتحہ پڑھی اس کے بعد فرمایا کہ اثنائے فاتحہ خوانی میں نے تمہارے گرداگرد ایک قلعہ دیکھا ہے لیکن بعض اطراف سے کچھ شکستہ معلوم ہوتا ہے شاید تمہارے ختم میں کچھ کوتاہی وقصور واقع ہوا ہوگا۔ اس شخص نے جا کر ایک اور ختم پڑھا تو آپ نے فرمایا یہ قلعہ نزدیک نظر آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے میں نے دیکھا کہ پہلا قلعہ تمہارے پاس سے منتقل ہوا، میں نے گمان کیا کہ میرے گرد آ گیا لیکن وہ تمہارے برادر زادے کے گرداگرد ہو گیا اور اچھی طرح اس کا احاطہ کر لیا۔ ان کا برادر زادہ امراضِ شدیدہ میں مبتلا تھا اور اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے تھے ان ہی دنوں اس نے بھی صحت پائی اور خود یہ عزیز بھی بعافیت رہے۔(۲)

آپ کی بتائی ہوئی دعا کی برکت سے آگ سے محفوظ رہنا

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کے کئی مخلص احباب نقل کرتے ہیں کہ ایک سفر میں حضرت ایک سرائے میں فروکش ہوئے آپ نے اچانک احباب سے فرمایا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج اس سرا میں کوئی بلا نازل ہوگی اور تمام اہلِ سرا پر اس کا اثر ہوگا۔ پس تم لوگ ایک دوسرے کو خبردار کر دو کہ ہر شخص اس دعائے ماثورہ کا ورد رکھے: بِسْمِ اللہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اور اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ اور جو کوئی اس دعا کا ورد رکھے گا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ آپ کے اس فرمانے

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۵۶ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۲

کے بعد ابھی ایک ساعت نہ گزری تھی کہ اس سرائے میں بہت شدت کی آگ لگی، ہر چند اس کو بجھانے کی کوشش کی مگر کچھ سود مند نہ ہوئی بہت سے مکانات اور بہت کچھ مال و متاع جل گیا۔ مولانا عبدالمؤمن لاہوریؒ کا اسباب بھی جل گیا جو آپ کے مخلصوں میں سے تھے۔ جب وہ جلا ہوا اسباب اٹھا کر حضرت کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں دعائے ماثورہ پڑھنے کی کسی نے خبر نہیں کی۔ انہوں نے عرض کیا جی نہیں۔ چناں چہ آپ دوستوں پر ناراض ہوئے۔ غرض کہ جس نے دعائے ماثورہ کا ورد رکھا اس کا سامان جلنے سے محفوظ رہا۔(۱)

آپ کی دعا سے لڑکے کا دراز عمر ہونا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایک عزیز کے ہاں اولاد تو ہوتی تھی لیکن بچپن ہی میں انتقال کر جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ پریشان رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو انہوں نے لڑکے کو حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہے اور بڑا ہو تو حضرت کی غلامی میں رہے گا۔ حضرت نے توجہ کے بعد فرمایا کہ اس کا نام عبدالحق رکھو ان شاء اللہ زندہ رہے گا اور عمر پائے گا۔ چناں چہ حضرت کے ارشاد کی برکت سے وہ لڑکا زندہ رہا اور معمر ہوا۔(۲)

آپ کی برکت سے اہلِ قبور سے ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھ جانا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک روز اپنے والد ماجد کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے وہاں خیال آیا کہ حدیثِ نبوی علیٰ مصدرہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ جب کوئی عالم کسی مقبرہ پر گزرتا ہے تو اس مقبرہ سے چالیس روز تک کے لئے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ فوراً الہام ہوا کہ آپ کے آنے کی وجہ سے ہم نے قیامت تک اس مقبرے سے عذاب اٹھالیا۔(۳)

ایک امیر زادی کی عتابِ سلطانی سے خلاصی

ایک امیر زادے کو سلطانِ وقت نے بہ وجہ ناراضی لاہور سے طلب کیا اور اس قدر ناراضی کا اظہار کیا کہ بس آتے ہی اس کو ہاتھی کے پاؤں تلے روند دیا جائے گا۔ وہ امیر زادہ اپنے وطن سے روانہ ہو کر سرہند شریف سے گزرا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عاجزی و

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۶۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۶۳

۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۷۶ ۳۔ ایضاً: ص ۶۷

انکساری سے اپنی جاں بخشی کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضرت تھوڑی دیر مراقب رہے اور ارشاد فرمایا کہ "اطمینان رکھو بادشاہ سے کچھ تکلیف تم کو نہ پہنچے گی بلکہ الطاف شاہانہ سے سرفرازی پاؤ گے"۔ چند روز کے بعد خبر ملی کے بادشاہ امیرزادے کو دیکھ کر مسکرایا، چند کلماتِ نصیحت اس سے کہے اور بالطافِ خسروانہ خلعتِ خاص عطا کر کے خدمتِ مقررہ پر روانہ کر دیا۔(۱)

خانخاناں سے عتابِ شاہی کا دور ہونا

نواب خانخاناں دکن کے صوبہ دار تھے اور مملکتِ دکن کو تصرف و تملیک میں لانے پر مامور تھے لیکن کسی طرح فتح حاصل نہ ہوتی تھی ایک مدت یونہی گزر گئی، حاسدوں نے بادشاہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا کہ خانخاناں بظاہر جنگ میں مشغول ہے لیکن پوشیدہ طور پر غنیم سے صلح کر لی ہے، بادشاہ نے خانخاناں کو فوراً معزول کر دیا اور بہت ناراض ہوا۔ خان موصوف علما و صلحا اور عارفوں سے بہت محبت رکھتے تھے خواجہ میر نعمانؒ کی خدمت میں برہان پور حاضر ہوئے اور میر صاحب موصوف نے عاجزی اور التجا کے ساتھ سارا واقعہ تحریر کر کے حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ عالی میں توجہ کی درخواست کی۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "در وقتِ مطالعہ کتابتِ شما آں خان در نظر بس عالی شان نمود خاطر شریف از معاملہ اُو جمع دارند" (۲) (آپ کا مکتوب مطالعہ کرتے وقت خانخاناں بہت عالی شان نظر آئے آپ ان کے معاملے میں خاطر جمع رکھیں) میر صاحب نے حضرت کا عنایت نامہ خانخاناں کے پاس بھیج دیا، وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور شکریہ بجالائے اور کہنے لگے کہ رہائی بہت دشوار معلوم ہوتی ہے کہ سلطان میری طرف سے سخت بدگمان ہو گیا ہے اور حاسدوں نے بھی اس معاملہ کو بہت اشتعال دیا ہے تاہم بزرگوں کی توجہ و برکت سے میری علوِ شان عجب نہیں۔ چناں چہ دس بارہ دن بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ سلطان نے خانخاناں کے حال پر شفقت کی اور پھر ان کو صوبہ داری پر بحال کیا اور الطاف و عنایات کیں۔(۳)

ایک درویش کی نورانیت کا کشف

ایک درویش جو حدودِ دکن میں مقیم تھا اور ابھی تک حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۶۸۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۳

۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۲

۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۵۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۷

زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا لیکن غائبانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت مشتاق و آرزو مند تھا۔ چناں چہ کمالِ اشتیاق سے اس نے ایک عریضہ خدمت میں ارسال کیا جس میں زمانہ دراز سے آستانہ عالیہ کی حاضری سے محرومی کا ذکر تھا۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا'' دروقتِ مطالعہ کتابتِ شما انبساطِ نورانیت شما دراں نواحی بسیار بنظر در آمد امیدوار ساخت الحمدللہ والمنۃ علیٰ ذلک انتہی'' (تمہارا خط پڑھتے وقت تمہاری نورانیت کی وسعت اس نواح میں بکثرت نظر آئی اور امیدوار کیا الخ) اس بشارت نامے کے پہنچنے کے ایک سال بعد وہ درویش حضرت کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا اور کچھ عرصے رہ کر الطاف و عنایات دیکھیں اور پھر وطن واپس چلا گیا۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت کے ارشاد کے مطابق ہزاروں آدمی اس درویش کے ذریعے نقشبندی سلسلے میں داخل ہوئے اور ایک جم غفیر صاحب ذوق و حال ہوا اور بہت لوگ فسق سے نیکی کی طرف آ گئے۔(۱)

قاسم قلیج خانی کے منصب ہزاری پر فائز ہونے کا کشف

خواجہ قاسم قلیج خانی نے جن کا لقب عقیدت خان تھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مقبولِ نظر تھے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ بھی اخلاص و عقیدت رکھتے تھے، ایک مرتبہ حضرت سے عرض کیا کہ آپ ایسی توجہ فرمائیں کہ میں دولت مند ہو جاؤں۔ حضرت نے ایک لحظے کے بعد فرمایا'' تم کو منصب ہزاری تک ترقی حاصل ہوگی۔ خان موصوف آداب بجالائے، حالانکہ اس زمانے میں ان کا کوئی عہدہ نہ تھا، مگر چند ہی دنوں میں منصب ہزاری پر پہنچے اور مدت العمر اسی عہدے پر برقرار رہے۔(۲)

آپ کی توجہ کا اثر

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ابھی حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا، میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے یہ راز دریافت کیا'' کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت میں غیر صحابی کامل اولیا سے افضل ہوئے کیا اسی ایک صحبت میں ان پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام اولیا سے افضل ہو گئے۔'' آپ نے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۶ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۵۵

جواب میں تحریر فرمایا ''اس سوال کا حل صحبت و خدمت سے تعلق رکھتا ہے۔'' اس درویش کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوا، اول ہی صحبت میں مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس کی شرح بیان میں نہیں آسکتی۔ آخر اسی روز حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا ''آج ہی تمہاری صورت حال کچھ اور ہوگئی ہے اسی سے اپنے سوال کا حل سمجھ سکتے ہو''۔(۱)

خواجہ حسام الدین احمدؒ کا مع اہل وعیال سفر حج نہ کر سکنے کا کشف

خواجہ حسام الدین احمد دہلوی علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ ''زیارتِ حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً وتکریماً کا مصمم ارادہ ہوگیا ہے چاہتا ہوں کہ متعلقین کے ہمراہ سفر کروں اور حرمین شریفین میں سے کسی ایک مقام پر متوطن رہوں اور مدفون ہوں، اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں کہ سفر ہوگا یا نہیں اور پسندیدۂ خدا ہے یا نہیں۔'' حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''متعلقین کا جانا نظر نہیں آتا بلکہ تقریباً ممانعت ظاہر ہوتی ہے، اگر آپ تنہا جانا چاہیں تو پسندیدہ نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامت پہنچ جائیں گے والامر الی اللہ سبحانہٗ''۔ (۲) چوں کہ خواجہ حسام الدینؒ احمد کا شوق بے حد تھا اس لئے بہت کوشش فرمائی کہ اہل وعیال کے ساتھ سفر کریں، بادشاہ جہانگیر سے بھی اظہار کیا مگر اجازت نہ مل سکی، یہاں تک کہ ۱۰۴۳ھ میں ہندوستان (دہلی) ہی میں رحمتِ حق سے واصل ہوگئے۔(۳)

ایک شخص کی قسمت میں حج سے محرومی کا کشف

ایک صوفی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر سفرِ حج پر روانہ ہونے کے لئے اجازت چاہی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ایک لمحہ سکوت فرما کر مراقب ہوگئے پھر ارشاد فرمایا کہ میں تم کو حج کے میدان میں نہیں پاتا۔ صوفی صاحب مذکور کہتے ہیں کہ میں اس ارشاد کو آج تیس سال گزر گئے جب بھی میں نے سفرِ حج کا ارادہ کیا فسخ ہوگیا اور جانے کا سامان نہ ہوسکا۔(۴)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۸
۲۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۱۵
۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۷۰
۴۔ ایضاً: ص ۱۴۹

دِلی منشا کا کشف ہونا

حضرتؒ کے ایک مخلص کا بیان ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا طریقہ یہ تھا ہر خورد و کلاں اور یگانہ و بیگانہ کو سلام کرنے میں سبقت کرتے تھے۔ایک روز مجھے خیال آیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں اچانک پہنچ کر سلام میں ابتدا کروں گا، چناں چہ حاضر خدمت ہوا، ابھی حضرت کے درِ دولت سے اتنے فاصلے پر تھا کہ اگر دو تین قدم آگے بڑھتا تو حضرت کے روبرو پہنچ جاتا، مگر حضرتؒ نے اندر ہی سے بلند آواز سے کہا ''السلام علیکم یا فلاں! آخر میں نے آگے بڑھ کر وعلیکم السلام کہا اور سلام عرض کرنے میں سبقت کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو آپ مسکرائے۔(۱)

بغض معاویہؓ کا دل سے نکلنا

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جوان طالب علم ساداتِ کرام میں سے میرا دوست تھا، اس نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں آپ کے ایک جملے پر نظر پڑی کہ '' حضرت امام مالکؒ حضرت امیر معاویہؓ کو برا کہنا حضرت صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہنے کے برابر جانتے تھے اور جو حد حضرت صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے وہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے۔'' چوں کہ میرے دل میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے کینہ تھا اس لئے میں اس تحریر کو دیکھ کر بہت آزردہ ہوا اور حضرتؒ کے مکتوبات کو زمین پر ڈال کر سو گیا۔شب کو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ غصے کی حالت میں تشریف لائے ہیں اور میرے دونوں کانوں کو پکڑ کر فرمارہے ہیں اے طفلِ نادان تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پٹکتا ہے اگر تجھے میری تحریر کا اعتبار نہیں ہے تو میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلتا ہوں۔آپ اسی طرح کشاں کشاں مجھ کو ایک باغ میں لے گئے اور اس کے ایک گوشے میں مجھے بٹھادیا، اس باغ میں ایک عالی شان عمارت تھی جس میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے آپ اندر تشریف لے گئے اور نہایت ادب و تواضع سے سلام کیا انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور ملاقات کی، پھر آپ ان بزرگ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور کچھ گفتگو کی، آپ اور وہ بزرگ دور سے میری طرف دیکھتے اور کچھ اشارات

۱۔حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۵۸

کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف فرما ہیں سنو کیا فرماتے ہیں۔ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے زبانِ گوہرفشاں سے فرمایا:

خبردار ہرگز ہرگز اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کبھی کینہ نہ رکھنا اور ان بزرگوں کی ملامت میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا، اس بات کو ہم اور ہمارے بھائی ہی جانتے ہیں کہ کن نیک نیتوں کے ساتھ ہماری منازعت واقع ہوئی تھی، پھر حضرت مجددصاحبؒ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے کلام کا بھی انکار نہ کرنا۔

شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ باوجود اس نصیحت کے میرا دل کدورت سے پاک نہ ہوا تو حضرت امیرؓ نے آپ کو حکم دیا کہ اس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے اور تھپڑ مارنے کا اشارہ فرمایا۔ حضرت مجددؒ نے زور سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا۔ تب میں نے اپنے دل کو اس کدورت سے پاک صاف پایا اور اس جواب و خطاب کی لذت آج تک میرے دل میں موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارف کے اعتقاد بہت زیادہ ہو گیا۔(۱)

فتح قلعۂ کانگڑہ

کانگڑہ کا قلعہ جو ہندوستان کے مستحکم قلعوں میں مشہور تھا جہانگیر نے اس کو فتح کرنے کے لئے نواب سید مرتضٰی خاں کو مقرر کیا تھا، نواب موصوف حضرت مجددؒ کے مخلصین میں سے تھے اس لئے انہوں نے حصولِ فتح یابی کی دعا کے لئے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ حضرتؒ نے جب اس معاملے کی طرف توجہ فرمائی تو منکشف ہوا کہ قلعہ مذکور نواب موصوف کے ہاتھوں فتح نہ ہوگا، چناں چہ چند روز کے بعد نواب صاحب کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد اس مہم کے لئے راجہ بکرماجیت کو بھیجا گیا۔

جب راجہ سرہند شریف پہنچا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد عجز و نیاز اور حد درجہ ادب و تواضع بجالایا اور باطنی طور پر اپنے اسلام کے دعوے میں بعض حالات بیان کئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے قلعۂ کانگڑہ کی مہم پر مجھ کو متعین فرمایا ہے جو بہت سخت دشوار ہے مگر یہ کہ حضرت دستگیری فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کفار دار الحرب کے ساتھ جنگ کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے لیکن چوں کہ تم اس واجب کو ہماری طرف سے ادا کر رہے ہو اس لئے ہم تمہارے

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۱۴۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۶۵

لئے ضرور دعا کریں گے۔ راجہ نے جب حضرت کو اپنے اوپر مہربان پایا تو مزید عجز و انکساری سے عرض کیا کہ جب تک حضرت فتح کی بشارت نہ دیں گے میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ حضرت نے مزید اطمینان دلایا اور فرمایا:

فتح شماست خاطر جمع داشتہ بروید۔

پس راجہ مذکور بہزار انکسار و تواضع اجازت لے کر رخصت ہوا اور حضرت کی دعا کی برکت سے ۱۰۲۹ھ میں قلعہ کانگڑہ راجہ کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔ (۱)

نمازِ تہجد سے مقامِ محمود کی برکات کا حاصل ہونا

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں سورۂ بنی اسرائیل تلاوت کر رہا تھا جب اس آیت فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۲) پر پہنچا تو دل میں خطرہ گزرا کہ شاید ادائے نمازِ تہجد کو مقامِ محمود کی برکات حاصل ہونے میں جو کہ شفاعت کا مقام ہے کوئی دخل نہیں ہے آپ سے پوچھنا چاہئے۔ چناں چہ میں اس ارادے سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے از خود فرمایا کہ نماز تہجد کو لازم رکھو۔

میں نے عرض کیا جی ہاں ادا کرتا ہوں۔ فرمایا جو شخص تہجد پڑھتا ہے مقامِ محمود سے بہرۂ تمام حاصل کرتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، میں نے عرض کیا کہ میں اسی بات کا حل معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا الحمد للہ کہ حضرت کی توجہ سے بلا استفسار کے مطلب حاصل ہوگیا۔ (۳)

تراویح میں تین ختمِ قرآن تک بارش کا رک جانا

جس زمانے میں حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف میں تشریف فرما تھے برسات کا موسم تھا کہ رمضان المبارک شروع ہوگیا۔ حضرت حسبِ عادت قرآن مجید کے ختم میں مشغول ہوگئے، بارش کا وہ زور ہوا کہ دن رات مسلسل ہوتی رہی اس لئے حضرت کو اور حضرت کے درویشوں کو نماز تراویح کے لئے مسجد میں آنے جانے کی بہت تکلیف تھی۔ ایک رات تراویح کے بعد حضرت مسجد سے نکلے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا اگر تین ختمِ قرآن تک جو ہماری دائمی

۱۔ حضرت القدس: دفتر دوم، ص ۱۷۸ ۲۔ الاسرا: ۷۹

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۵

عادت ہے شب میں بارش فرصت دے تو کیا اچھا ہو، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ ستائیسویں شب تک کہ تین ختمِ قرآن تمام ہو گئے شب میں بارش بند رہی اس کے بعد اٹھائیس تاریخ سے اتنی بارش ہوئی گویا دہانہ مشک بند تھا اب کھول دیا گیا ہے۔(۱)

آپ کے قیام تک مسجد کی خستہ دیوار کا قائم رہنا

کہتے ہیں اجمیر شریف کی اس مسجد کی جس میں حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نماز ادا فرماتے تھے جنوبی دیوار اس قدر بوسیدہ ہو گئی تھی گویا کہ بس گرنے والی ہے، آپ کے مریدوں کو بھی اس دیوار کا خطرہ رہتا تھا ایک روز حضرت مجددؒ نے بطورِ مذاق فرمایا کہ جب تک ہمارے فقرا یہاں ہیں ان کی خاطر سے یہ دیوار نہ گرے گی۔

چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ جب تک حضرت کا وہاں قیام رہا دیوار بھی قائم رہی جب وہاں سے تشریف لے آئے دیوار بھی گر گئی حالانکہ برسات کا موسم بھی نہ تھا۔(۲)

مکان گر جانے کا کشف

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جن دنوں لاہور میں تشریف فرما تھے، ایک روز نمازِ عشا کے بعد آپ نے اس مکان کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ کوئی شخص ہرگز اس دیوار کے نزدیک نہ بیٹھے اور اس میں نہ سوئے، حالانکہ اس کی گرنے کا کوئی سبب بارش وغیرہ نہیں تھا۔ ایک شخص نے خوش طبعی کے طور پر مولانا ہاشم کشمیؒ سے کہا بعض مکان تو اس سے بھی زیادہ شکستہ اور پرانے ہیں پھر اس مکان کو کیا ہوا کہ آج شب کو گر جائے گا۔ تقریباً دو حصے رات گزری تھی کہ ناگہاں یہ مکان گر پڑا۔ ایک خادمہ اسی دالان کے اندر سو رہی تھی وہ دب گئی، دوسری خادمہ جو اس کے قریب سو رہی تھی اس کے پاؤں پر بھی کچھ ڈھیلے آ کر گرے۔

آپ نے غصے ہو کر فرمایا کہ کیا ہم نے رات کو نہیں کہہ دیا تھا کہ اس مکان کے نزدیک کوئی نہ رہے لیکن جب اس خادمہ کو مکان کے نیچے سے نکالا تو اس کے بالکل کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔(۳)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۷۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۹

۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۷۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۰

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۸۰

سخت گرمی میں دفعۃً ابر کا آ جانا

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ چند احباب کے ہمراہ سیر و تفریح کی غرض سے جنگل کی جانب پیادہ پا تشریف لے گئے۔ گرمی اور گرد و غبار کی وجہ سے مخدوم زادۂ بزرگ اور احباب پر تشنگی اور تکان کا غلبہ ہو گیا، لیکن حضرت کی عظمت و جلال کی وجہ سے کسی کو عرض حال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ حضرت نے مولانا یوسف سمرقندی سے جو کہ آپ کے پرانے اصحاب میں سے تھے بلکہ آپ کے پیر بھائی بھی تھے فرمایا ''ہمانا حرارتِ آفتاب و تراکم غبار یاراں را آزاری دہد'' (گرمی شدید ہے اور گرد و غبار الگ دوستوں کو تکلیف دے رہا ہے) مولانا نے عرض کیا کہ حضور کو سارا حال خود معلوم و مکشوف ہے، حضرت نے تبسم فرمایا اور گوشۂ چشم حق میں آسماں کی طرف کر کے منہ ہی منہ میں کچھ کہا۔ ابھی چند قدم نہ چلے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہو کر حضرت اور آپ کے احباب پر سایہ فگن ہو گیا اور صرف اس قدر پھوار پڑی کہ گرد و غبار دب گیا اور بادِ شمال نہایت اعتدال کے ساتھ چلنے لگی جس سے راستے کی کوفت اور ہوا کی گرمی اور گرد و غبار کی تکلف دور ہو گئی، حالانکہ ابر و باراں کا موسم نہ تھا۔ ابر کا سایہ اور بارش دیکھ کر رفیقوں کو مزید عقیدت حاصل ہوئی۔ (۱)

تراویح میں غنودگی کا نہ آنا

صاحب حضرات القدس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے رمضان المبارک میں ہمیشہ تین قرآن مجید سنا کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر حضرات کو نیند اور غنودگی بہت ستاتی تھی مگر حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کو تراویح میں قرآن شریف سنتے وقت ذرا بھی غنودگی نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے عرض کیا کہ حضرت سلامت! کیا وجہ ہے کہ سب لوگوں کو غنودگی ستاتی ہے لیکن حضرت کو کبھی بھی نیند نہیں آتی؟ فرمایا کہ معارف قرآن کریم کی شناوری مہلت ہی نہیں دیتی لہٰذا غنودگی کو کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے۔ (۲)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۶۵۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۰

۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۷۰ ۳

منقیٰ کے دانوں کا شفائے ہر مرض بن جانا

ایک مرتبہ کسی بیماری میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر ضعف کا غلبہ ہوا تو چند دانے منقیٰ کے تناول فرمانے کے لئے طلب فرمائے۔ خادم نے پیش کیے تو آپ نے مراقبہ فرمایا اور تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا عجیب بات ظاہر ہوئی، ان تمام دانوں نے مناجات اور دعا کی:

> خداوندا! تیرے دوست نے تناول کرنے کے لئے ہمیں منگوایا ہے ہم میں صحت اور نفع کی ایسی تاثیر عطا فرما کہ جو شخص ایک دانہ بھی کھالے اس کا ہر مرض صحت سے بدل جائے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان دانوں کی یہ دعا قبول فرمائی، یہ واقعہ بہ خوبی محسوس ومشہود ہوا ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر ان میں چند دانے حضرت نے تناول فرمائے چناں چہ آپ کی بیماری فوراً صحت میں تبدیل ہوگئی اور جس بیمار نے بھی ان میں ایک دانہ کھالیا صحت مند ہوگیا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کاش ان دانوں کی مقدار زیادہ ہوتی، تاکہ جماعتِ کثیر ان سے صحت حاصل کرسکتی۔ (۱)

پیراہنِ مبارک سے مریض کا شفا پانا

مولانا محمد امین ابتدا میں خواجہ سورتی کے مرید تھے کسی شدید مرض میں مبتلا ہوگئے، دعا اور دوا نے بھی اثر کرنا چھوڑ دیا۔ آخر ایک شخص کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا اور بصد نیاز وانکسار توجہ فرمانے کے لئے عرض کیا اور کوئی کپڑا بھی تبرکاً عنایت فرمانے کی درخواست کی۔ حضرت کو ان کے حال پر رحم آیا عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ضعف کی شدت سے اندیشہ نہ کرو، ہمارا دل تمہاری طرف سے مطمئن ہے ان شاء اللہ ضرور صحت پاؤ گے۔ فقیر کا کپڑا تم نے طلب کیا تھا اس لئے ایک پیراہن بھیجا جاتا ہے پہنو، اور اس کے نتائج وثمرات کے امیدوار ہو کہ کثیر البرکت ہے۔ مولانا نے پیراہن پہنا اور برسوں کی بیماری سے فوراً رہائی پائی، مرید صادق بنے اور تمام عمر جمعیت واستقامت سے حضرت کی خدمت میں بسر کرکے فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہوکر اصحابِ خاص میں داخل ہوئے۔ (۲)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۳۸۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۶۱

۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۴۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۲

مرضِ قولنج سے شفا

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک دولت مند پیرزادہ کو جو ماں کی طرف سے شاہی خاندان سے بھی تھا مرضِ قولنج لاحق ہوا۔ بہت علاج کرائے لیکن مطلق فائدہ نہ ہوا۔ اس نے اپنے ایک دوست کے ذریعے اس فقیر کو پیغام بھیجا کہ میں اس کے لئے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ سے درخواست کروں۔ چناں چہ میں نے حضرتؒ سے اس کی صحت کے لئے توجہ کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں توجہ کرنے میں کوتاہی نہیں کروں گا، دوسرے دن صبح آپ نے تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ تہجد کے بعد میں ان کی دفع بلیہ کی طرف متوجہ ہوا اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی چناں چہ بہ عنایتِ الٰہی ان کی تکلیف دور ہوگئی تم جا کران کو خوش خبری سنا دو۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھے اور دوڑ کر مجھ سے ملے اور کہا کہ حضرت کی دعا کی برکت سے اب میرا درد موقوف ہوگیا ہے۔(۱)

آپ کی دعا کی برکت سے اسلام لانا

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عبدالمومن نومسلم موجود تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ ''مانگ کیا مانگتا ہے جو مانگے گا ملے گا''۔ اس نے سرکار میری ماں اور بھائی سخت قسم کے کافر ہیں میں نے ہر چند کوشش کی کہ مسلمان ہو جائیں مگر وہ نہیں ہوئے آپ دعا فرمائیں کہ مسلمان ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کچھ اور بھی چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت کی توجہ سے مجھے سب کچھ حاصل ہو جائے گا مگر بالفعل ان کے اسلام کی تمنا ہے۔ فرمایا بہت اچھا وہ جلد ہی مسلمان ہو جائیں گے۔ چناں چہ تیسرے دن اس کی ماں اور بھائی سامانہ سے سرہند آئے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے۔(۲)

ایک مرید کے دل سے غیر عورت کی محبت کا دور ہونا

خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صاحبزادے خواجہ جمال الدین حسین اپنے والد بزرگوار کے حکم سے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہوئے۔ فرماتے تھے کہ جب میں خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور حضرت نے مجھ کو ذکر کی تعلیم دے کر توجہ فرمائی تو تھوڑی دیر

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۰ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۷۵

کے بعد ارشاد فرمایا:

میں تمہاری دل میں کسی عورت کی محبت کا نقش ایسا جما ہوا پاتا ہوں جس طرح کہ پتھر مٹی میں، سچ کہو کیا بات ہے جب تک کہ اس کی محبت کا نقش تمہارے دل سے نہ نکل جائے گا خدا کی محبت سے تم مستفیض نہیں ہو سکتے۔

میں نے کہا کہ پھوپھی کی کنیز سے میرا تعلق ہے اور میں اس کا شیفتہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے توجہ فرمائی اور اس کے تعلق سے میرے دل کو پاک کر دیا اس کی محبت میرے دل سے اس طرح جاتی رہی گویا کبھی اس سے الفت ہی نہ تھی۔ (۱)

دوسری بیوی سے اولاد کی بشارت

ایک امیر نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ جوانی گزر کر بڑھاپے کو پہنچ گیا مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی، اللہ میرے حال پر توجہ فرمایئے۔ حضرت کچھ دیر مراقب رہے اور فرمایا کہ لوحِ محفوظ میں اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں پائی جاتی اگر دوسری شادی کرو تو بے شک اس سے اولاد ہوگی اور وہ تمہارے بعد تمہاری یادگار رہے گی اتفاقاً اس کی بیوی نے بہ قضائے الٰہی وفات پائی اس کے بعد اس شخص نے دوسری شادی کی اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ (۲)

بچھڑے ہوئے مسافر کو قافلے میں پہنچانا

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی کے چچا شیخ محمد یامین بیان کرتے ہیں کہ اصفہان کے سفر سے واپسی پر گھوڑے سے میری خرجین (گونی) گر گئی۔ اس کی تلاش میں اتنا وقت لگ گیا کہ قافلہ نظر سے غائب ہو گیا۔ قافلے کی جدائی سے میں سخت حیران و پریشان ہوا۔ ہر طرف دوڑا مگر قافلے کا کہیں پتہ نہ چلا، مایوس ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور چشمہ کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا کی اور تصور میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔

تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ حضرت اسپ عراقی پر سوار میرے سامنے آ موجود ہوئے، فرمایا کہ اپنا ہاتھ مجھ کو دو۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھوڑے پر مجھ کو بھی سوار کر کے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ چناں چہ ایک گھڑی بعد قافلہ نظر آنے لگا تب مجھ کو گھوڑے سے اتار دیا

۱۔ ایضاً: ص ۱۴۷، ۱۴۸ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۶۷

اور فرمایا اب تم قافلے میں چلے جاؤ۔ میں قافلے کی جانب روانہ ہوا تو آپ میری نظروں سے غائب تھے۔(۱)

وفات کا کشف ہونا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص معتقدین میں سے ایک صاحب تے حاضر ہوکر اپنے لڑکے کی صحت کے لئے درخواست کی اور کچھ نذرانہ بھی پیش کیا۔ حضرت نے اس کا نذرانہ قبول نہ فرمایا، حالانکہ اس نے نذرانہ قبول کرنے کے لئے بہت کچھ التجا کی مگر قبولیت نہ ہوئی۔ چوں کہ آپ کا طریقہ ردِ فتوح کا نہ تھا اس لئے سب کو یقین ہوگیا کہ اس کا لڑکا بچنے والا نہیں ہے چناں چہ وہی ہوا کہ اسی روز شام کو لڑکے کا انتقال ہوگیا۔(۲)

ایک عالم جو حضرت کے مخلصوں میں سے ہیں بیان کرتے تھے کہ میرا ایک عزیز تھا جس سے مجھ کو بے حد محبت تھی وہ بیمار ہوگیا، حکیموں کے علاج اور عزیزوں کی دعاؤں سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ میں نے حضرت کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس کی مغفرت کے لئے فاتحہ پڑھ دی ہے۔ میں بہت متعجب ہوا اور اس کی خبر گیری کے لئے روانہ ہوا۔ جب اس کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ لوگ اس کے دفن سے فارغ ہوچکے ہیں۔(۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بھائی شیخ مسعودؒ بہ غرضِ تجارت قندھار جانے کے لئے ایک قافلے کے ہم راہ روانہ ہوئے۔ ایک روز صبح کے وقت حضرت نے محرمانِ اسرار سے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے آج میں شیخ مسعود کے احوال کی طرف متوجہ ہوا، ہر چند میں نے چشمِ مکاشفہ سے ان کے احوال کی جستجو کی لیکن زمین پر ان کو کہیں نہ پایا۔ اس کے بعد پھر میں نے بغور ان کی طرف توجہ کی تو ان کی قبر بلدۂ قندھار کے اطراف میں نظر آئی، غالباً آج ہی وفات ہوئی ہے سامعین نے دن اور تاریخ لکھ لی۔ ایک مدت بعد جب قافلہ واپس آیا اور تحقیق کی تو آپ کا ارشاد حرف بہ حرف صحیح پایا۔(۴)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۵۰ ۲۔ ایضاً: ص ۱۴۸

۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۸۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۳

۴۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۴۹۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۷۹۔ ایضاً: ص ۱۴۹

ایک متوفی کو سلسلے میں داخل کرنا

مولانا مرتضٰی نائب جو کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضرت کی خدمت میں لے جاکر عرض کرنا کہ مجھ کو اپنے طریق میں داخل کرلیں۔ میں حسب وصیت نماز کے لئے جنازہ حضرت کی خدمت میں لے گیا اور مرحوم کی درخواست بھی پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ کل حلقۂ ذکر میں تم کو معلوم ہوجائے گا۔ چناں چہ دوسرے دن جب میں آپ کے حلقۂ ذکر میں بیٹھا تو ایک کیفیت پیدا ہوئی اور میں نے دیکھا کہ حضرت تشریف فرما ہیں اور والد مرحوم حلقۂ ذکر میں آپ کی خدمت میں تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر میں مشغول ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔(۱)

ا۔حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۶۹

ملفوظات

اسم اللہ کی تعظیم کی برکات

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ قضائے حاجت کے لئے بیت الخلا تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں مٹی کا ایک پیالہ پڑا ہوا ہے اور اس پر اسم اللہ منقوش ہے آپ نے اس پیالہ کو وہاں سے اٹھایا اور واپس تشریف لائے اور پانی منگا کر اپنے دستِ مبارک سے اس کو دھویا اور اچھی طرح پاک کیا۔ خدام نے ہر چند عرض کیا کہ ہم اس کو پاک کر دیں مگر قبول نہ فرمایا پھر اس پیالہ کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر اونچی جگہ رکھ دیا اور جب پانی پینا چاہتے تو اسی پیالہ میں پیتے۔ چنانچہ اس تعظیم کی برکت کی وجہ سے جنابِ باری عز اسمہ کی جانب سے ندا آئی کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معظم بنا دیا۔ اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جس قدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔ (۱)

کلمۂ طیبہ کے فضائل و برکات

ایک روز بہ تقریب تکرار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ اے کاش تمام عالم اس کلمۂ طیبہ کے مقابلے میں دریائے محیط کے ساتھ قطرے ہی کی مناسبت رکھتا۔ یہ کلمہ مقدسہ جامع کمالاتِ ولایت ہے لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمۂ طیبہ کہنے والا کیونکر جنت میں داخل ہو جائے گا اور جہنم کے خلود سے کس طرح رہائی پالے گا۔ اور مجھ کو تو ایسا محسوس و مشہود ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم صرف ایک دفعہ کلمۂ طیبہ کہنے پر بخش دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو عین ممکن ہے۔ اگر اس کلمۂ طیبہ کی برکات تقسیم کی جائیں تو اس سے تمام عالم ابد الآباد تک معمور اور سیراب ہو جائے لیکن اس کلمے کی برکت پڑھنے والوں کو علیٰ قدر مراتب پہنچتی ہے۔ (۲)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم ص ۸۷ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم ص ۸۷۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۰۰

اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ایک شب بھولے سے بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتدا دائیں پہلو سے کرنا سنتِ اجماعی ہے جو ترک ہوگئی۔ نفس نے کاہلی سے ظاہر کیا کہ سہو اور نسیان سے جو چیز سرزد ہوجائے وہ معاف ہے لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر دائیں پہلو پر لیٹ گیا جس کے بعد بکثرت فیوض و برکات اور اسرار و عنایات مجھ پر ظاہر ہوئے اور ندا آئی کہ اس سنت کی رعایت کی برکت سے آخرت میں تجھ کو کسی طرح کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔(۱)

ادنیٰ درجہ کے ادب کی رعایت

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمیؒ لکھتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضرت تحریر معارف میں مصروف تھے کہ یکایک پیشاب کے سخت تقاضے سے بیت الخلاء تشریف لے گئے اور جلد ہی واپس آگئے، آتے ہی پانی کا لوٹا منگایا اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا پھر بیت الخلاء تشریف لے گئے۔ جب آپ فارغ ہو کر آئے تو فرمایا کہ میں پیشاب کے تقاضے سے جلدی میں چلا گیا تھا اور پاخانہ میں بیٹھا ہی تھا کہ میری نظر ناخن کی پشت پر پڑی کہ وہ سیاہی کا نقطہ جو قلم کا امتحان کرتے وقت انگوٹھے پر لگ گیا تھا چونکہ وہ اسبابِ کتابتِ حروفِ قرآنی سے تھا اس کے ساتھ وہاں بیٹھنا رعایتِ ادب کے خلاف تھا، اگرچہ پیشاب کا غلبہ اور تقاضا سخت تھا مگر وہ تکلیف اس ترکِ ادب کی تکلیف سے کم درجہ کی تھی فوراً باہر آیا اور اس سیاہی کے نقطے کو دھو کر پھر گیا۔(۲)

مستحبات کی رعایت

از حضرت مولانا محمد ہاشم کشمیؒ۔ یہ بندہ خدمتِ عالی میں حاضر تھا کہ حضرتؒ نے مولانا صالح ختلانی سے فرمایا کہ تھیلی میں سے چند لونگیں نکال کر لاؤ۔ وہ چھ لونگیں نکال کر لائے۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ یہ صوفی ہیں جنہیں ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اَللّٰہُ وِتْرٌ وَیُحِبُّ الْوِتْرَ ہے لئے وتر کی رعایت مستحبات میں سے ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے مستحب کو کیا سمجھ رکھا ہے اجی یہ مستحب اللہ تعالیٰ کا پسند کیا ہوا ہے، اور فرمایا کہ میں استحباب کی رعایت اس درجہ رکھتا ہوں کہ منہ

۱۔ زبدۃ المقامات، ص ۱۸۰
۲۔ ایضاً: ۱۹۳

دھوتے وقت بھی یہ کوشش کرتا ہوں کہ پہلے دائیں رخسارے پر پانی پہنچے کیونکہ تیامن بھی مستحبات سے ہے۔(۱)

ایضاً منقول ہے کہ ایک دن آپ اپنے بستر پر تشریف فرماتے تھے کہ یکایک گھبرا کر نیچے اتر آئے اور فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ بستر کے نیچے کوئی کاغذ ہے۔ ہر چند یہ معلوم نہ تھا کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے مگر آپ نے اس پر بیٹھنے کو بھی ترکِ ادب خیال فرمایا۔(۲) نیز ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں نے بیت الخلاء جاتے ہوئے بھولے سے اول داہنا پاؤں رکھ دیا جس کی وجہ سے اس دن کئی احوال مجھ پر بستہ ہو گئے(۳)

ایضاً ایسا ہی ایک اور وقت دیکھا گیا کہ ایک حافظ قرآن مجید پڑھ رہا تھا آپ نے خیال کیا کہ میرے نیچے فرش وغیرہ زیادہ ہے اور اس کلام مجید پڑھنے والے کے نیچے کم ہے پس جلدی سے اپنے نیچے سے اس فرش کو ہٹا دیا۔(۴)

تہجد کے لئے اٹھایا جانا

حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ مجھ کو نمازِ تہجد کے لئے ہمیشہ اذان یا اعلام یا کسی آواز کے ذریعے سے بیدار کر دیا جاتا ہے اور کبھی اپنے اختیار سے نہیں اٹھتا مگر ایک دفعہ صاف اور واضح طور سے آواز نہ آئی تھی کہ میں بیدار ہو گیا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ میں کون ہوں جو اپنے اختیار سے اٹھوں اور اس کی بندگی و طاعت میں مصروف ہوں لہذا پھر سو گیا۔ ایک لحظہ نہ گزرا تھا کہ ہر طرف سے اذان و اعلام کی آواز آنے لگی اس وقت میں اٹھا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔''(۵)

لیلۃ القدر کی زیارت ہونا

ایک مرتبہ ستائیسویں شب ماہِ رمضان المبارک میں آپ نے فرمایا کہ آج شب قدر ہے اور تراویح سے فراغت پانے کے بعد فرمایا کہ لیلۃ القدر کی ساعت شریفہ میں مجھ پر غیبت طاری ہوئی اور اس ساعت کا آخری حصہ نصیب ہوا جس طرح کہ ایک لشکر آگے چلا جائے اور بچے ہوئے لوگ آہستہ چلنے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ایسا ہی میں نے اسے دیکھا۔(۶)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۹۴ ۲۔ ایضاً: ص ۱۸۰
۳۔ ایضاً: ۱۹۳ ۴۔ ایضاً: ص ۱۹۵
۵۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۷۳ ۶۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۸۱

آخر شب میں وتر پڑھنے کی فضیلت

آپ نے فرمایا کہ ایک شب ہم پر منکشف کیا گیا کہ گر کوئی نمازی نمازِ وتر کو تہجد کے وقت ادا کرنے کے ارادے سے سو جائے اور یہ نیت رکھے کہ آخر شب میں وتر پڑھوں گا تو کاتبینِ اعمال تمام شب اس کے نام پر نیکیاں لکھتے ہیں یہاں تک کہ وتر ادا کرے۔ (۱)

مصاحبت کو خلوت پر فضیلت

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ کسی مقامِ خلوت میں جا کر گوشہ نشین ہو جاؤں اور سب سے خلوت اختیار کرلوں میں نے استخارہ کیا اور بارگاہِ رب العزت سے اجازت طلب کی۔ خطابِ مستطاب آیا کہ طریقہ محبوب و پسندیدہ و مناسب و لائق یہی ہے جس پر اس وقت تم قائم ہو نہ کہ طریق گوشہ نشینی اور تنہائی۔ (۲)

آپ کے سینے سے خناس کا نکلنا

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ ایک دن ظہر کے وقت حلقہ میں حافظ قرآن شریف پڑھ رہا تھا اس وقت قرآن شریف کے بارے میں بعض وساوس و خطرات پیش آئے۔ میں متفکر ہوا کہ نفس مطمئنہ ہو چکا، ولایت محقق ہوگئی اور فنا و بقا حاصل ہو چکی اب یہ خطرات کہاں سے آئے ہیں۔ جب نہایت الحاح و زاری کے ساتھ متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک مرغ عظیم الجثہ میرے سینے سے نکلا اور اڑ کر چلا گیا۔ میں نے پھر غور کیا کہ یہ کیا چیز تھی۔ آواز آئی کہ یہ خناس تھا جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور آنحضرت علیہ والصلوٰۃ والسّلام کو بھی اسی خناس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (۳)

قصورِ اعمال کی دید پر انعامِ الٰہی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ چند روز تک مجھ پر قصورِ اعمال کی دید اس درجہ غالب ہوئی کہ جب میں نماز اور سورۂ فاتحہ میں لفظ اِیَّاكَ نَعْبُدُ پڑھتا تو حیران رہ جاتا کہ کیا کرنا چاہیے اگر پڑھتا ہوں تو آیہ شریفہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (تم وہ بات کیوں کہتے

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۷۷ ۲۔ ایضاً: ص

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۸۲

ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے) کا مصداق ہو جاتا ہوں اور اگر نہیں پڑھتا تو واجب ترک ہو جاتا ہے۔ ندا آئی کہ ہم نے تجھ سے شرک فی العبادات اٹھالیا۔ اس وقت آیہ کریمہ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (یاد رکھو! خالص دین اللہ ہی کے لئے ہے) کا مطلب ظاہر ہوا۔ (۱)

آپ کی قبر مبارک جنت کا باغ ہے

آپ فرماتے تھے کہ مجھ کو میرے فرزند خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی قبر کی مقابل دفن کیا جائے، میں نے وہاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔ (۲)

آپ کے معارف بارگاہِ مہدی موعود میں مقبول ہوں گے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھ پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے تحریر کردہ معارف و حقائق حضرت مہدی موعود کی نظرِ مبارک سے گزریں گے اور ان کی بارگاہ میں مقبول ہوں گے۔ (۳)

حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کی عظمتِ شان

ایک روز حضرت قدس سرہٗ نے بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ جب نظرِ کشفی سے غور کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ (۴)

حدیث القبر روضۃ من ریاض الجنۃ کی تشریح

حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ (قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے) پس قبر کا روضۂ جنت ہونا یہ ہے کہ قبر اور جنت کے درمیان جو حجب و مسافت ہے وہ اٹھالیا جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی حجاب و مانع نہیں رہتا گویا وہ بقعۂ فنا جنت کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے فافہم۔ آں حضرت ﷺ کے قول مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۸۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۴۲

۲۔ حضرات القدس: ص ۷۶ ۳۔ ایضاً: ص ۷۷

۴۔ ایضاً: ص ۶۸

رِیَاضِ الْجَنَّۃِ (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) کے یہی معنی ہیں۔ روضہ کی یہ قسم اخص الخواص کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں پر بھی اگر ایمان کی نورانیت کی وجہ سے جنت کا پرتو اس بقعہ (قبر) میں چمکے تو ہوسکتا ہے۔"(۱)

بلا و مصیبت ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں

اگر کوئی بلا و مصیبت پہنچتی تو فرماتے یہ ہمارے شامتِ اعمال سے ہے اور اس کا تدارک آپ خیر خیرات سے کرتے اور اسے ترقی کا زینہ سمجھتے۔

ایک روز ایک شخص نے پوچھا کہ سلطانِ وقت نے ترکِ ادب کر کے آپ کے ساتھ جو ایذا رسانی کا معاملہ کیا اس کا سبب کیا تھا؟ فرمایا اس کا باعث یہی ہمارے اعمال و افعال تھے اور یہ آیۂ شریفہ تلاوت فرمائی وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (۲) "جو کچھ مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے"۔

باوجود کثرتِ عمل کے دیدِ قصورِ اعمال آپ پر غالب تھا، اور دوستوں کو بھی آپ اسی کی ہدایت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عُجب (خود پسندی) عمل صالح کو اس طرح نابود کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو، اور عُجب پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ عامل کی نظر میں اس کا عمل اچھا معلوم ہو، اس لئے چاہئے کہ اس وقت اپنی برائیوں کو یاد کرے اور حسنات کو ان سے متہم کرے اور اس پر شرمندہ ہو۔ اور فرماتے کہ ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ قصورِ اعمال کی دید اس پر اس قدر غالب ہے کہ وہ اپنے کاتبِ یمین کو بیکار و معطل سمجھتے ہیں اور کاتبِ شمال کو ہمیشہ کام میں مشغول جانتے ہیں۔"(۳)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۹ ۲۔ الشوریٰ: ۳۰

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۲

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کی
دعوت وتجدید کا پس منظر

امامِ ربانی حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کی فنی نکتہ طرازیوں اور شریعت وطریقت و حقیقت کی صوفیانہ معرکہ آرائیوں میں کچھ اس طرح رل مل گئے ہیں کہ آج حضرت مجدّد قدس سرہٗ کو مجدّد الفِ ثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر کسی اور اہم امر پر مبنی نہیں معلوم ہوتا بلکہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے حضرت مجددؒ کو کسی خاص وقت میں اس خطاب سے مخاطب کیا تھا جس نے رفتہ رفتہ عام لقب کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ان اصلاحی کوششوں اور کارناموں سے جن کا تعلق علم وعمل اور اخلاص سے ہے نہ صرف ہندوستان کے مسلمان بلکہ تمام اسلامی ممالک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ سلسلۂ مجدّدیہ کی ایک بڑی شاخ ''خالدیہ سلسلہ'' کے نام سے عراق وشام وعرب خصوصاً ترکی وغیرہ ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہے، نیز آپ کے فارسی مکتوباتِ شریفہ کے ترجمے اردو، عربی اور ترکی زبان میں ہوکر تمام ممالک میں شائع ہو چکے ہیں۔

مکتوباتِ شریفہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے مکاتیب شریفہ کی اشاعت کے بعد حدیث وتفسیر کی جتنی اچھی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی متعدد کتابیں مل سکتی ہیں جن میں مکتوباتِ شریفہ کے مضامین نقل کئے گئے ہیں۔ خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر ''روح

المعانی'' جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم خلیفۂ ترکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام رکھا ہے کہ جہاں بھی آپ کی تحریرات کے ذکر کا موقع میسر آئے وہاں قال المجدد الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات و تعبیرات کو بڑے فخر و ناز کے ساتھ سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ بھی شہرۂ آفاق تفسیرِ مظہری میں بہت جگہ قال المجدد رحمہ اللہ لکھ کر آپ کی عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ نمایاں امتیازات ہیں جو آپ کے لئے سرمایۂ افتخار بن سکتے ہیں۔ لیکن کیا آپ کی ''مجددیت'' صرف ان ہی چند باتوں تک محدود ہے، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس مقصد کے لئے ہمیں اس زمانے کے تمام حالات کا جائزہ لینا ہوگا کہ اس وقت بادشاہ کے عقائد و اعمال کیا تھے اور اس وقت علما کے حالات کیا تھے، صوفیہ کس رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور بے چارے عوام کس کسمپرسی میں مبتلا تھے، تب کہیں آپ کی دعوتِ اسلام اور تجدیدی کارناموں کا اندازہ ہو سکے گا۔

امام ربانی حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ السامی ایک ایسے پر آشوب دور میں اسلام کے حامی بن کر کھڑے ہوئے جبکہ شجرِ اسلام کی شاخوں کو ہی نہیں بلکہ جڑوں کو کاٹنے کے لئے متعدد قسم کے تیشے چل رہے تھے، عہدِ نبوت کو گزرے ایک ہزار سال کا زمانہ ہو چکا تھا اور اسلام کی عمر کے دوسرے ہزار سال کا آغاز تھا، اعدائے اسلام ایک منظم سازش میں لگے ہوئے تھے اور دشمنوں کے یہ حملے کسی ایک سمت سے نہیں ہو رہے تھے بلکہ ایک طرف مبتدعین کا گروہ تھا جو دینِ اسلام میں نئی نئی بدعتیں اور رسوم پیدا کر رہا تھا، دوسری طرف ملحد و بے دین صوفیوں کی جماعت عقائدِ اسلام کی صورت بگاڑنے میں مصروف تھی تیسری جانب دشمنانِ اصحابِ رسول ﷺ اکابر صحابہ اور خلفائے راشدین پر طعن و ملامت کے تیر چلا رہے تھے چوتھی سمت سے ہنود و نصاریٰ وغیرہم مذاہب باطلہ نے احکامِ اسلام کو منسوخ کرانے پر کمر باندھ رکھی تھی، ان تمام گروہوں نے آپس میں کچھ ایسا گٹھ جوڑ کر رکھا تھا اور دربارِ شاہی میں اتنا اثر رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ بادشاہِ وقت جلال الدین اکبر غازی کو جو ابتدائے عہد میں علما و مشائخ کی صحبت میں رہ کر راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا اور اس وقت واقعی وہ ان خطابات کا مستحق تھا اسلام سے برگشتہ ہی نہیں بلکہ احکام و رسوم کفریہ کا رائج کرنے والا بنا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب سلطنت کا دل یعنی بادشاہ ہی بگڑ جائے تو جسم یعنی سلطنت کیسے درست رہ سکتی ہے۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے تجدیدی کارناموں کو بیان کرنے

سے پہلے اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت کا جائزہ لینا ضروری ہے اس لئے اس دورِ پُر آشوب کے حالات چند عنوانات کے تحت ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، گویا یہ حضرت مجددؒ قدس سرہ کے فقرے کی وضاحت ہے جو مکتوب نمبر ۶۵ دفتر اول میں خان اعظم کے نام ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے:

پہلی سلطنت (دورِ اکبر) میں دینِ مصطفوی ﷺ سے عناد مفہوم ہوتا تھا اور اس سلطنت (عہد جہانگیری) میں ظاہر طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے، ڈر یہ ہے کہ یہ سلسلہ عناد تک نہ پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے۔

اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی

اکبر اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں علماء و مشائخ کی صحبت میں رہ کر ایک راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا، اکبر کو اولیائے کرامؒ کے ساتھ جو عقیدت تھی وہ اسے اپنی والدہ حمیدہ بانو بیگم کی جانب سے ورثے میں ملی تھی جو مشہور صوفی و شاعر شیخ احمد جام ژندہ پیل کی اولاد سے تھیں، یہ شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ وہی بزرگ ہیں جن کا یہ مشہور شعر:

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

محفلِ سماع میں سن کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اکبر کئی بار پاک پٹن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے مزار پرانوار پر خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس سرہٗ کے روضہ اطہر پر سالانہ حاضری تو اس کا معمول بن چکی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ وہ خواجہ بزرگ سے اظہارِ عقیدت کی خاطر اجمیر تک پاپیادہ گیا، خان زمان کی بغاوت پر اس کے مقابلے کے لئے نکلنے سے پہلے دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بغرضِ دعا حاضر ہوا۔ سلیم کی ولادت کے بعد بزرگانِ دہلی کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لئے گیا تھا۔ اس کے والد ہمایوں بادشاہ کے مقبرے میں سیکڑوں درویش اور حفاظ مقیم تھے جن کے خورد و نوش کا انتظام سرکار کی طرف سے ہوتا تھا۔ شیخ نظام نارنولی قدس سرہ جو ان دنوں حیات تھے اکبر ایک بار اجمیر جاتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے ہانسی میں حضرت قطب جمال قدس سرہٗ

کے مزار پرانوار پر بھی حاضری دی ہے۔ شیخ سلیم چشتی کے ساتھ اکبر کو جو عقیدت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، شیخ موصوف کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتح پور سیکری ہی کو دارالسلطنت بنالیا تھا۔ شیخ موصوف کا روضہ اکبر نے تعمیر کرایا جو فنِ تعمیر کا شاہکار اور شیخ موصوف سے اس کی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے، شیخ موصوف ہی کی دعا سے اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے فرزند عطا فرمایا تھا جس کا نام شیخ کے نام پر ''سلیم'' رکھا گیا۔ شہزادہ سلیم کی بسم اللہ خوانی اس عہد کے مشہور محدث مولانا میر کلاں ہرویؒ سے عمائدینِ سلطنت کی موجودگی میں کرائی گئی اور پھر شہزادہ سلیم کی تعلیم وتربیت قدوۃ المحدثین میرک شاہ بن میر جمال الدینؒ محدث کے سپرد کی گئی پھر شہزادہ کو حکم دیا کہ شیخ عبدالنبیؒ کے گھر جاکر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے خود بھی اکثر ان کے گھر جاکر درسِ حدیث میں شرکت کیا کرتا تھا، بادشاہ کو جو عقیدت ان سے تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرت محمد غوث گوالیاری قدس سرہٗ سے چوں کہ ہمایوں بادشاہ کو بہت عقیدت تھی اس لئے اکبر کو بھی ان سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی اور اکبر نے ان کے گزارہ کے لئے ایک کروڑ (دام) سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کردی تھی۔ اکبر کے آباواجداد کو نقشبندیہ سلسلے کے گلِ سرسبد خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرار کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، ان کی اولاد میں سے خواجہ یحییٰ ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے اخراجات کے لئے ایک جاگیر پیش کی۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری کا ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ شیخ سری کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا، کشمیر پر لشکر کشی کے بعد پندرہ سو بیگہ زمین بطور نذرانہ پیش کی۔ سید محمد میر عدل کا بھی اکبر پر کافی اثر تھا۔ ان علماء ومشائخ کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوگیا تھا، نماز با جماعت کا اتنا اہتمام کرتا تھا کہ اس نے ہفتے کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کئے ہوئے تھے جو باری باری مقررہ دنوں میں نماز کی امامت کرتے تھے، بدھ کے روز کی امامت مُلّا عبدالقادر بدایونی کے متعلق تھی، ہر پانچ وقت بر سر دربار جماعت کے متعلق تاکید کرتا تھا، سفر میں نماز کے لئے ایک خاص خیمہ ہوتا تھا جس میں بادشاہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا، ہر سال حج کے لئے ایک امیر حاج مقرر کرکے سرکاری اخراجات پر بھیجتا اور اس کے ہاتھ شریفِ مکہ کے لئے گراں قدر تحائف اور اہلِ حرم کے لئے نقد وجنس روانہ کرتا، حجاج کے قافلے کی روانگی کا منظر قابلِ دید ہوتا تھا اس دن بادشاہ حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال قصر کراتا اور تکبیر کہتا ہوا سرو پا برہنہ انہیں رخصت کرنے کے لئے دور تک ان کے ہم راہ جاتا تھا غرض کہ اکبر کے ابتدائی مذہبی خیالات بہت

اچھے تھے لیکن بعد میں ہندوستان میں مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کی تلافی نہ ہوسکی اور اس کی پاداش میں وہ اکبر کی بجائے اکفر کے نام سے مشہور ہوا۔(۱)

بادشاہی عبادت خانہ

جب اکبر بادشاہ کو بڑی بڑی فتوحات نصیب ہوئیں اور روز بروز ملک کی حدود میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ملک کا سارا نظم ونسق حسب منشا قائم ہوگیا اور دنیا میں کوئی مخالف اور دشمن نہ رہا تو اس کا رجحان زیادہ تر عبادت اور ریاضت کی طرف ہوگیا چناں چہ اجمیر کی درگاہِ معینیہ کے مجاوروں اور درویشوں کے ساتھ صحبتیں رہنے لگیں اور اس کے زیادہ تر اوقات اللہ ورسول کے تذکرے میں گذرنے لگے، راتیں بھی اللہ کی عبادت میں گزارنے لگا وہ عموماً راتوں کو''یاھو'' اور ''یا ھادی'' کا وظیفہ پڑھتا تھا، ان دنوں اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بڑا اثر تھا، حاکمِ بنگالہ سلیمان کررانی کے متعلق اس نے سن رکھا تھا کہ وہ پچھلی رات کو اٹھ کر ڈیڑھ سو مشائخین اور علما کے ساتھ تہجد کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا اور فجر کی نماز تک ان عالموں کی مجلس میں تفسیر وتذکیر میں مصروف رہتا تھا فجر پڑھنے کے بعد ملکی معاملات، فوج اور لشکر کے حساب کتاب میں وقت گزارتا تھا اس کے اس معمول میں کبھی فرق نہ آتا تھا اسی طرح اکبر نے اپنے اوقات تقسیم کر رکھے تھے، ان دنوں مرزا سلیمان (حاکمِ بدخشان) کے آنے کی بھی خبر تھی مرزا سلیمان صوفی منش صاحب حال بادشاہ تھا صاحب بیعت بھی تھا لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کیا کرتے تھے، ان باتوں سے اکبر کے دل میں فطری طور پر ایسا بننے کی تحریک پیدا ہوئی چناں چہ اس نے ۹۸۳ھ میں فتح پور سیکری میں شیخ عبداللہ نیازی کے حجرۂ عبادت کی جگہ ایک بڑی عبادت گاہ تعمیر کرائی اس عبادت گاہ کے چاروں طرف عمارتیں بنائی گئیں اور انوپ تلاؤ نامی حوض تیار کرایا گیا اور اس حجرے کو عبادت خانہ کا نام دیا گیا جو بعد میں عبادت خانہ ہوگیا۔ بادشاہ اپنی ابتدائی زندگی کے دور میں آبادی سے دور اسی مقام پر جہاں اب یہ عبادت خانہ تعمیر کرایا اس پرانے حجرے کے پتھر پر بیٹھ کر مراقبے میں مشغول رہتا تھا اور صبح کا فیض حاصل کیا کرتا تھا۔ اکبر کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو نماز کے بعد شیخ الاسلام کی جدید خانقاہ سے اس عبادت خانہ میں آ کر مجلس منعقد کرتا تھا اس محفل میں نامی گرامی علما و مشائخین اور چند خاص مصاحب اور ندیم ہی شریک ہوا کرتے تھے دوسروں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس محفل میں علمی

۱۔ از دین الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً: ص ۳۰ تا ۳۶

مباحث اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، مذکورہ عبادت خانے میں ہر جمعہ کی رات کو بھی محفل منعقد ہوتی تھی جس میں سادات، مشائخ علما وامرا سب ہی حاضر رہتے تھے، بادشاہ ساری رات اس محفل میں گزار دیتا، اس موقع پر طرح طرح کی خوشبوؤں سے پوری مجلس مہک اٹھتی تھی۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کو آگرہ سے بلوا کر اسی عبادت خانے میں ان کے قیام کا انتظام کرادیا۔ بادشاہ کے قریب نشستیں لینے کے لئے تقدیم وتاخیر کا جھگڑا شروع ہوا تو اکبر نے باقاعدہ نشستوں کا تعین کردیا کہ امرا مشرقی جانب بیٹھیں، سادات مغربی جانب علما کی نشست جنوبی حصہ میں ہو اور مشائخین شمال میں بیٹھا کریں، اکبر باری باری ہر ایک نشست گاہ میں جاکر ان کے مباحثوں میں حصہ لیا کرتا تھا۔(۱)

بدایونی کی تحریر سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ عبادت خانے کی تعمیر سے اکبر کا مقصد قال اللہ وقال الرسول کے سوا اور کچھ نہ تھا اور دینی مسائل خواہ اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے ہمیشہ ان کی تحقیق سے سروکار تھا اسی جذبے کے تحت اس نے علما ومشائخ کو وہاں آنے کی دعوت دی بحث ومناظرہ کرنے والے علما خواہ محقق ہوں یا مقلد ان کی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی۔(۲)

علمائے سو

جلوس کے چوبیسویں سال ۹۸۶ھ میں فتح پور واپس آنے کے بعد بادشاہ کے اکثر اوقات عبادت خانہ میں علما کی محفل میں گزرتے تھے خاص طور پر جمعہ کی راتیں شب بیداری میں گزرتی تھیں اور دینی مسائل کی تحقیق اور اصول وفروع کی بحثیں گرم رہتی تھی، ان مجلسوں میں علما ایک دوسرے کے مقابلے میں زبان کی تلواریں نکالتے ایک دوسرے کی نفی وتردید اور مقابلے میں مصروف رہتے تھے مذہب ومسلک کے اختلافات اتنے شدید ہوگئے کہ ایک دوسرے کی تکفیر وتضلیل کرنے لگے۔ سُنی، شیعہ حنفی، شافعی وفقیہ وحکیم کے موازنے ومقابلے سے گزر کر اصول ومہمات دین پر بھی زبانوں کی چھریاں بے باکی سے چلنے لگیں، انہی دنوں مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری نے شیخ عبدالنبی کی مخالفت میں ایک رسالہ لکھ مارا کہ اس نے خضر خاں سروانی کو جس پر حضور اکرم کے خلاف بدزبانی کا الزام لگایا تھا اور میر حبش کو جس پر رفض کا الزام تھا ناحق قتل کرادیا، لہٰذا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی، اس لئے بھی کہ اس کو اس کے باپ نے عاق کردیا تھا

۱۔ منتخب التواریخ اردو ترجمہ: ص ۳۴۴، ۳۴۵ ملخصا

۲۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۴۸۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۸۵ ملخصا

اور وہ خود خونی بواسیر کے عارضے میں مبتلا ہے۔ شیخ عبدالنبی نے بھی اس کی جہالت اور گمراہی ثابت کرنے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ درباری ملاؤں میں سے کچھ اس طرف اور کچھ اس طرف ہوگئے اور ایک دوسرے کو گمراہ اور خبطی بنانے لگے، علما کے ان اختلافات اور جھگڑوں کی وجہ سے اہلِ بدعت کو خوب کھل کھیلنے کا موقع ملا، انہوں نے حقائق کو مسخ کر کے بادشاہ کو جو کہ اخلاص کے ساتھ طالبِ حق تھا لیکن اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر تھا اور علما کے ان مباحث کی وجہ سے عالمِ حیرت میں مبتلا تھا اس کو اصل دین ہی سے پھیر دیا اور اس نے دین و شریعت کی بنیادوں پر ایسی ضرب لگائی کہ ان پانچ چھ سالوں میں اسلام کا نام تک نہ رہا اور وہ ساری بساط چوپٹ ہوکر رہ گئی۔ بدایونی نے ایک مباحثے کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے ''رگِ گردنِ علمائے زمان برآمدہ آوازہائے بلند ودمدمۂ بسیار ظاہر شد ایں معنی برخاطر اشرف گراں آمد الخ'' (یعنی علمائے زمانہ کی گردنوں کی رگیں پھولنے لگیں، شور وغل ہونے لگا اور سخت ہلڑ مچ گیا، بادشاہ کی طبع نازک کو یہ بات ناگوار گزری اور برہم ہوکر مجھ سے کہا اس کے بعد جو شخص بھی ناشائستہ بات کرے اس کو وہاں سے اٹھادے۔(۱)

اکبر کے دربار میں کس قسم کے علما جمع تھے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان میں ایک ملا عبداللہ سلطانپوری تھے جن کا عہدہ مخدوم الملک تھا، اس نے محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا۔ ملا بدایونی رقمطراز ہے کہ ''ایک مرتبہ اسی شبینہ محفل میں خان جہان نے کہا مخدوم الملک نے فتویٰ دیا ہے کہ ان دنوں حج پر جانا فرض نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے گناہ ہے جب لوگوں نے وجہ دریافت کی تو اس نے یہ دلیل دی کہ حج کے لئے خشکی کا راستہ تو گجرات اور عراق کا ہے جو قزلباشوں کی لوٹ مار سے پرخطر ہے اور اگر سمندر کے راستے جائیں تو فرنگیو سے پروانۂ راہداری لینے کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے ان کے پروانۂ راہداری پر صلیب کا نشان اور حضرت عیسیٰ وحضرت مریم علیہما السلام کی تصویر چسپاں رہتی ہے جو بت پرستی کی ایک شکل ہے اس لئے یہ دونوں راستے حج کے لئے بند ہیں اور ان دونوں صورت کے علاوہ اور کسی طریقے سے حجاز پہنچنا ممکن نہیں اس لئے فریضۂ حج ساقط ہوچکا ہے۔ اس کے متعلق خان زماں نے ایک بات یہ بھی بتائی کہ وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کرتا ہے کہ ہر سال کے اختتام سے قبل اپنا سارا مال ومتاع اپنی بیوی کے نام ہبہ کردیتا ہے اور اسی طرح دوسرے سال کے ختم ہونے سے پہلے وہ نیک بخت سارا مال و

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۳۵

متاع اس کے نام منتقل کر دیا کرتی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جو کامل سال گزرنے کی شرط ہے
چوں کہ اس طرح ہیر پھیر میں یہ شرط پوری نہ ہوتی تھی اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی۔ غرض
خان زماں نے مخدوم الملک کی کنجوسی، رذالت، خباثت، مکاری اور دنیاداری کے بہت سے قصے
سنائے۔ پھر کیا تھا بہت سے لوگوں کی زبانیں کھل گئیں اور لوگ اس کی اہانت اور مذمت کے لئے
ایک سے ایک بڑھ کر قصے سنانے لگے آخر یہ طے پایا کہ اسے حج کے لئے زبردستی مکہ معظمہ بھیج
دیا جائے۔ جب بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم پر حج فرض ہے تو اس نے جواب دیا نہیں۔(۱)

مخدوم الملک کے انتقال کے متعلق ملا بدایونی لکھتے ہیں: ''۹۹۰ھ میں مخدوم الملک کا احمد
آباد میں انتقال ہو گیا اس کے مال واسباب کی تحقیقات کے لئے فتح پور سے قاضی علی کو مقرر کیا گیا
اس نے لاہور آ کر چھان بین کی تو مخدوم الملک کے اتنے خزانے اور دفینے برآمد ہوئے کہ ان کا
شمار ممکن نہ تھا۔ مخدوم الملک کے خاندانی قبرستان سے بھی سونے کی اینٹوں سے بھرے ہوئے کئی
صندوق نکلے جو اس نے میتوں کے بہانے سے دفن کرا رکھے تھے، اس کے علاوہ اس نے جو مال
لوگوں کے پاس رکھوا دیا تھا اس کی مقدار تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، سونے کی اینٹیں اور اس کی
تمام کتابیں خزانۂ عامرہ میں داخل کر لی گئیں، اس کی اولاد مصیبتوں میں گرفتار ہو کر روٹی تک کو
محتاج ہو گئی۔(۲)

دربار اکبری کے ایک ممتاز عالم مولانا شیخ عبدالنبی محدث ہیں جو حضرت شیخ عبدالقدوس
گنگوہیؒ کے پوتے ہیں، بادشاہ نے ان کو صدر الصدور کے عہدہ پر مقرر کیا اور انہیں یہ اجازت دی
کہ مظفر خاں کی مدد سے لوگوں کے روزینے اور معاش مقرر کیا کریں۔ چند دن بعد ہی وہ مستقل
صدر الصدور بن گئے، اول اول انہوں نے لوگوں کو اس قدر انعامات اور روزینے عطا کئے کہ اگر
سابقہ بادشاہوں کے تمام عطیوں کو بھی جمع کیا جائے تو اس کے برابر نہ ہوں بعد میں ان کا طرز عمل
بالکل برعکس ہو گیا۔ (۳) جب مخدوم الملک کا ستارہ زوال میں آ چکا تھا تو دربار سرکار میں شیخ
عبدالنبی کا سورج چمکنے لگا چناں چہ بادشاہ انتہائی تعظیم و احترام کی وجہ سے کبھی کبھی حدیث سننے کے
لئے اس کے گھر چلا جاتا تھا۔ ایک دو مرتبہ تو اکبر نے شیخ کی (پہننے کے لئے) جوتیاں بھی اس کے
آگے رکھیں، بڑے شہزادے کو بھی تعلیم کے لئے اسی کے حجرے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ عموماً مولانا

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۳۳۵، ۳۳۶۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۵۰، ۵۱

۲۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۲ ۳۔ ایضاً: ص ۳۶۱

عبدالرحمٰن جامیؒ کی چہل حدیث کا درس دیا کرتا تھا۔ جب شیخ عبدالنبی کرسی صدارت پر بیٹھا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ جب تک ممالکِ محروسہ کے تمام ائمہ اپنے وظائفِ اوقاف اور معاش کے فرامین پر صدر (شیخ عبدالنبی) کی مہر نہ لگوائیں کروڑی ان کی رقمیں اجرا نہ کریں تو ہندوستان کے مشرقی کنارے سے لے کر بکھر تک اہلِ غرض علما شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے جن کی سفارش کسی امیر یا مقرب نے کر دی تو اس کا کام حسب منشا تکمیل پا گیا ورنہ شیخ کے کارندوں کے پاس دھکے کھاتے رہے اور نہ صرف ان کو بلکہ شیخ کے فراشوں، دربانوں، سائیسوں اور حلال خوروں تک کو بھاری بھاری رشوتیں دے کر ان غریبوں نے اپنا کام بنایا اور جو یہ بھی نہ کر سکے وہ دربانوں کے ڈنڈے کھاتے رہے، بہت سے بدنصیب اس ہجوم میں گرمی کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے۔ جس وقت وہ اپنی مسندِ جاہ وجلال پر متمکن رہتا تھا تو اس کی تیور بس دیکھنے کے لائق ہوتی تھے، اہلِ علم کی تعظیم وتکریم کا کیا سوال وہ ہر ایک کو بُرا بھلا کہنے اور ڈانٹنے ڈپٹنے پر اتر آتا اور جب بیچارہ بڑی عاجزی اور خوشامد کرتا تو ان عالموں کے لئے جو ہدایہ اور دوسری منتہی کتابیں پڑھا سکتے تھے سو بیگھ کے لگ بھگ اراضی منظور کر کے باقی زمین کو جس پر وہ ایک مدتِ دراز سے قابض تھے قلم زد کر دیتا اس کے مقابلے میں جاہل کمینوں بلکہ ہندوؤں تک کو اچھی اچھی زمینیں از خود عطا کر دیتا تھا اس طرح اس کے ہاتھوں علم اور عالموں کی قدر وقیمت روز بروز گھٹتی چلی گئی، اپنے اجلاس پر دوپہر کے بعد جب وہ نہایت غرور وتکبر سے چوکی پر بیٹھ جاتا اور ایک خادم اسے وضو کراتا تو مستعمل پانی کے چھینٹے اڑ کر امرا ومصاحبین وعلما کے سروں اور کپڑوں پر گر رہے ہوتے اس کو اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہ ہوتا تھا وہ لوگ بھی اہلِ علم وفقرا کا کام نکالنے کے لئے سب کچھ برداشت کرتے رہتے اور خوشامد چاپلوسی اور اس کی دل جوئی کی خاطر طرح طرح کی ذلتیں اٹھاتے رہتے پورے شاہی عہد میں کسی صدر الصدور کا یہ اثر اور دبدبہ نہیں رہا جتنا شیخ عبدالنبی کو حاصل ہو گیا تھا۔ (۱) مخدوم الملک کی طرح اس نے بھی ادائیگی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کتاب الحیل سے کوئی حیلہ تلاش کر لیا تھا بالآخر اس کا انجام بھی مخدوم الملک جیسا ہی ہوا۔ (۲)

جب شوال ۹۸۶ھ میں حاجیوں کا قافلہ اجمیر سے روانہ کیا گیا تو شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو بھی جن کے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے اکبر اسلاف سے متنفر اور احکامِ دین سے منحرف ہو گیا تھا اسی قافلے کے ساتھ حج کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے اس سال حج کا فریضہ ادا

۱۔ منتخب التواریخ: ۲: ۴۳۶، ۴۳۷ ملخصاً ۲۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۵۲

کیا۔ جب مخدوم الملک واپس لوٹے تو یہ بھی ہندوستان چلے آئے۔ مخدوم الملک کو تو دارالحکومت پہنچنا نصیب ہی نہ ہوا، شیخ عبدالنبی کو ان کی قضا دربار میں لے آئی، شیخ جب فتح پور پہنچ گیا اور اکبر کے روبرو ہوا اس نے سخت باتیں کیں اور اسے خوب برا بھلا کہا تو اکبر کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے شیخ عبدالنبی کے منہ پر پوری قوت سے ایک گھونسہ مارا۔ شیخ نے چلا کر کہا کہ ایک ہی بار چھری مار کر میرا کام کیوں نہیں تمام کر دیتے۔ اکبر نے اس کو ابوالفضل کے حوالے کر دیا کہ اسے زندان میں ڈال کر اس سے ستر ہزار روپے کا حساب لیا جائے جو مکہ معظمہ جاتے وقت دیا گیا تھا، کروڑیوں نے اس کو کچہری کے حوالات میں طویل عرصے تک مقید رکھا۔ آخر ایک رات گلا گھونٹ کر اس کی زندگی کی قید سے رہائی دے دی گئی۔ عبرت کی بات ہے کہ شیخ عبدالنبی جیسا مقتدر آدمی اس کا یہ حشر ہوا کہ قتل کے دوسرے دن مناروں والے میدان میں اس کی لاش نماز ظہر تک بے گور وکفن پڑی رہی، یہ واقعہ ۹۹۲ھ میں رونما ہوا۔ ان کی وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابوالفضل نے اگلے پچھلے بدلے لینے کی خاطر انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر مروا ڈالا۔(۱)

اکبر کی بے دینی کا آغاز

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے علما کی باہمی اختلاف اور ملحدوں کی دراندازی کی وجہ سے بادشاہ کی نظر میں اسلام اور علمائے اسلام کی وقعت گھٹتی چلی گئی۔ کچھ تو اکبر کی افتادِ طبع اور کچھ حالات کا تقاضا، بہر حال نتیجہ یہی نکلا کہ بادشاہ نے بہت جلد سارے مسلمہ اعتقادات سے منکر ہو کر الحاد و بے دینی کی راہ اختیار کر لی، بچپن سے عہدِ جوانی اور جوانی سے اس پختہ عمری تک اکبر کی کچھ ایسی ہی ڈانواڈول روش تھی کہ وہ ایک نظریہ اور اعتقاد کا پابند نہیں رہا، طبیعت میں تحقیق و تجسس کا جذبہ تھا چناں چہ اسی جذبے کے تحت اکبر ہر دین اور مذہب کے معتقدات اور ان کی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کیا کرتا تھا لیکن اس وقت کے درباری علما بادشاہ کو صراطِ مستقیم پر لے جانے کے لئے حق پسندی کا رویہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے اعزاز اور مرتبہ کو بڑھانے کی خاطر ایک دوسرے کی تکفیر و تذلیل کرنے لگے۔ ایک ہی مسئلے کو جب علما کا ایک گروہ حرام اور دوسرا حلال کہنے لگا تو بادشاہ شک میں پڑ کر نہایت حیران و حیرت زدہ اور ان بحثوں سے دل برداشتہ ہو گیا اور مقصود جاتا رہا۔ علما کا یہ اختلاف کہ ان میں ایک عالم ایک ہی فعل کو حرام کہتا تھا اور دوسرا کسی حیلے سے اس کو حلال ثابت کرتا تھا بادشاہ کے انکار کا سبب بن گیا۔ دربار میں مختلف مذاہب و مسالک کے جو گمراہ کن عناصر جمع ہو گئے تھے انہوں نے

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۴۷۵، ۵۰۳۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۵۳

اس سے خوب ہی فائدہ اٹھایا اور دن کے معتقدات کو خلافِ عقل ثابت کر کے اکبر کے ذہن کو انحراف کی طرف مائل کر دیا۔ (۱) ملا مبارک ناگوری اور اس کے شہرۂ آفاق صاحب زادوں ابو الفضل وفیضی نے اکبر کی بے دینی کے رجحان کو بامِ بلند کی انتہائی چوٹی تک پہنچا دیا۔

شیخ مبارک ناگوری اور اس کے دونوں بیٹوں ابوالفیض فیضی اور ابوالفضل (جسے علامی بھی لکھا جاتا ہے) نے جب مرزا عزیز کوکہ کے توسل سے اکبر تک رسائی حاصل کی تو انہوں نے جلد ہی زمانہ سازی، بددیانتی، مزاج شناسی اور خوشامد کے ذریعے بادشاہ کا بہت زیادہ تقرب حاصل کرلیا پھر ابوالفضل نے جو بادشاہ کا وزیر اعظم ہوگیا تھا اپنے مخالفین سے ایک ایک کر کے انتقام لیا، اس انتقام کی لپیٹ میں صرف اس کے مخالف ہی نہیں آئے بلکہ وہ خاص وعام ہر ایک کی ایذا رسانی پر اتر آیا چناں چہ اس کی وجہ سے کتنے ہی مشائخینِ صالحین اور صاحبِ احتیاج اشخاص کی معاش اور وظیفے بند ہوگئے، وہ ان لوگوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا، بحث ومباحثہ کے وقت اگر کسی مجتہد کا قول پیش کیا جاتا تو وہ نہایت جسارت سے کہا کرتا تھا کہ فلاں حلوائی فلاں موچی اور فلاں چرم فروش کا قول ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ غرض علما کا انکار اور ان کی توہین اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ (۲)

ملا بدایونی ابوالفضل کے ساتھ اپنی ایک گفتگو کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''آخر میں نے اس سے پوچھا کہ ان مشہور مذہبوں میں سے تمہارا میلان کس مذہب کی طرف ہے؟ اس نے کہا میں ابھی چند دن الحاد کی وادی میں سیر وسیاحت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے مذاقاً چھیڑتے ہوئے کہا کہ نیک ارادے ہیں بشرطیکہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ میری بات پر وہ ہنس پڑا اور بات آئی گئی ہوئی۔'' یہ دیرینہ سال بوڑھے عالموں کو بڑی جسارت سے چھیڑ چھیڑ کر بحثیں کیا کرتا اور ان کی بے عزتی کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتا تھا، بادشاہ اس کی لن ترانیوں کو سن کر خوش ہوتا تھا۔ بوڑھے علمانے عاجز آ کر ایک مرتبہ آصف خاں میر بخشی کے ذریعہ خفیہ طور پر ابوالفضل کو کہلوایا کہ تم آخر کس وجہ سے ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ ''میں بیگن کا نہیں بادشاہ کا نوکر ہوں'' غرض اس نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنی ذہانت، باپ کی معاونت اور بادشاہ کی پشت پناہی اور بخت کی یاوری سے ان سب عالموں کو ایک ایک کر کے ذلیل وخوار کیا اور اہلِ علم کی ساری بساط الٹ کر رہ گئی۔ (۳)

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۶۶ ۲۔ منتخب التواریخ: ص ۴۳۳، ۴۳۴

۳۔ منتخب التواریخ: ص ۴۷۲، ۴۷۳

اکبر کی بے دینی کے اسباب و محرکات (وحدتِ ادیان کا تصور)

اس زمانے میں دربار شاہی میں تقریباً ہر ملک کے اہلِ علم اور مفکر موجود تھے اور مختلف مذاہب کے عالم و رہنما بھی جمع ہو گئے تھے اور بادشاہ کی ہم کلامی سے شرف یاب ہوتے تھے، یہ لوگ رات دن مختلف علوم و نظریات پر تبادلۂ خیالات اور طرح طرح کی نکتہ سنجیوں میں مصروف رہتے تھے، بادشاہ کو بھی فتوحات و مہمات کی طرف سے پوری فرصت تھی اس لئے وہ بھی ان ہی مشغلوں میں اپنے اوقات صرف کیا کرتا تھا اور تحقیق و تفتیش کے بعد جو اصول و کلیات اسے پسند آجاتے خواہ وہ مسلمانوں کے معتقدات کے موافق ہوتے یا مخالف انہیں وہ بدل و جان قبول کر لیتا تھا اور جو باتیں اس کی نگاہ میں نہ جچتی تھیں ان کو وہ ترک کر دیتا تھا اس طرح اس نے ترک و اختیار اور رد و قبول کے ایک شعور اور جدگانہ معرفت کو اپنا معیار بنالیا اور عجیب طرح کے ہیولانی اعتقادات نے اس کے ذہن پر غلبہ پالیا۔

مجموعی طور پر ایک خیال اس کے ذہن پر پتھر کی لکیر بن گیا تھا کہ اصحابِ علم و دانش تمام مذاہب میں موجود ہیں اور قوم و ملت میں عبادت گزار صاحبانِ کشف و کرامت کی کمی نہیں رہی ہے۔ حق ہر مذہب اور ہر قوم میں یکساں طور پر موجود ہے اس لئے حق کو ایک ایسے دین اور ایک ایسی ملت میں محدود و منحصر کر دینا ضروری نہیں ہے جو نسبتاً نیا اور نو پیدا شدہ ہے اور اس کے نزول پر ابھی ایک ہزار سال بھی نہیں گزرے ہیں، اور ایک مذہب کو صحیح خیال کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا بلا وجہ کی ترجیح ہے۔ بادشاہ کے اس خیال کو وہ ملحد اور برہمن حسب موقع پختہ اور اٹل بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے جو ان دنوں شاہی محفلوں اور خلوتوں میں پیش پیش نظر آتے تھے اور بلحاظِ علم و دانش علومِ رسمی اور انسانی احوال و نفسیات پر ان کی گہری نظر تھی وہ بڑی خوبی اور مہارت کے ساتھ اپنے مذاہب و نظریات پر عقلی و نقلی استدلال کر کے دوسروں کی تکذیب کرتے رہتے تھے ان لوگوں نے بادشاہ کی خام خیالیوں کو راسخ اعتقادات کی شکل دیدی اور نظریات کو اس طرح بدیہیات بنا کر پیش کیا کہ ان سے پھر جانا اکبر کے لئے ممکن نہ رہا۔ اس نقطۂ نظر کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ حشر و نشر اور دوسرے دینی اصول و معتقدات جن کا ماخذ حکمتِ نبوی ﷺ ہے معتبر اور قابلِ قبول نہ رہیں (۱) اور وہ ساری چیزیں جن کا تعلق نبوت سے ہے ان کا نام تقلیدات رکھا گیا یعنی سب غیر معقول ٹھہرائی گئیں اور مذہب کی بنیاد عقل پر رکھی گئی نہ کہ نقل پر۔ (۲)

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۶۶، ۲۶۷ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۵۴

ہندو مذہب اور اکبر

دیوی برہمن جو کہ مہا بھارت کی کتھا کہنے والا تھا جب خلوتِ شاہی میں باریاب ہوا تو اس سے مذاکرات کے لئے ایک خاص انتظام کیا گیا تھا کہ ایک چارپائی کو رسیوں سے اوپر کھینچ کر بادشاہ کی خواب گاہ کے جھروکے کے برابر لگا دیا جاتا تھا اور وہ راتوں میں اسی معلق چارپائی پر بیٹھا ہوا اپنی دیو مالا کے ہندوستانی قصے سنایا کرتا تھا۔ ان نشستوں میں اس نے بادشاہ کو ہندو مذہب کے اسرار بت پرستی کے طریقے آگ اور آفتاب کی پوجا اور ستاروں کی تعظیم کے رموز بتائے، مشرک بادشاہوں اور کافروں کے خیالی دیوتاؤں جیسے برہما، مہادیو، بشن، کشن، رام اور مہامائی (جن میں سے بعض کو ہندو خدا اور بعض کو فرشتہ کہتے ہیں) کی عظمت واحترام پر دلیلیں پیش کیں، اسی کے اپدیش بادشاہ کے دل پر اثر کر گئے اور وہ عقیدۂ تناسخ پر ایمان لے آیا۔ بھلا خوشامدی درباری کہاں پیچھے رہتے وہ بھی تناسخ کے اثبات وصحت پر رسائل لکھ لکھ کر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں دوڑ لگانے لگے، بادشاہ ہندوؤں کے مذاہب کی تحقیق کی طرف بہت زیادہ مائل ہو گیا اور اس کے نتائج روز بروز منظرِ عام پر آنے لگے۔ (۱) اسی طرح پرکوتم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل مل گیا تھا ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''دینِ اکبری'' میں ان ہی لوگوں کے عقائد واعمال و رسوم وطریقوں کو جگہ ملی۔'' (۲)

آفتاب پرستی وغیرہ کا آغاز

بیر بر ملعون ایک دس کی گانٹھ تھا اس نے آفتاب پرستی سے اکبر کی آنکھوں کو اس طرح خیرہ کیا کہ آفتاب ہی مظہرِ کامل اور سرچشمۂ سعادت ہے اسی کی تاثیر سے غلہ پکتا ہے، کھیتیاں لہلہاتی ہیں پھلوں میں رس اور سبزے میں تراوت پیدا ہوتی ہے دنیا کی روشنی اور دنیا والوں کی زندگی آفتاب ہی سے وابستہ ومتعلق ہے اس لئے وہی ایک ایسا وجود ہے جس کی عبادت اور تعظیم ہونی چاہئے پرستش کے لئے اسی کے طلوع کی طرف رخ کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ غروب کی طرف جو زوال کی نشانی ہے۔ آفتاب پرستی کے ذیل میں اس نے آگ پانی پتھر درخت اور تمام مظاہرِ عالم یہاں تک کہ گائے اس کے گوبر، قشقہ اور زنار کے تقدس کو بھی خوب بڑھا چڑھا کر بتایا، بادشاہ جب ان باتوں کی طرف مائل نظر آیا تو دربار کے بدبخت حکما وفضلا بھی چراغ دکھانے لگے کہ آفتاب نیرِ

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۶۷، ۲۶۸ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۶۳

اعظم ہے عطیہ بخشِ ہمہ عالم ہے مربی بادشاہاں ہے۔ غرض آفتاب پرستی کو دربار میں خوب فروغ ہوا اور نوروز جلالی کی تعظیم بڑے اہتمام سے کی جانے لگی۔ چناں چہ ہر سال اس دن اکبر ایک بڑا جشن منعقد کرتا تھا۔ گائے کا ذبیحہ بند کر دیا، اس کے گوبر کو پاک سمجھنے لگا اور گائے کا گوشت حرام قرار دے دیا۔ گاؤکشی کی سزا میں اچھے اچھے آدمیوں کو قتل کرا دیا گیا۔ (۱)

پارسی مذہب اور اکبر۔ آتش کدے کا قیام

ولایتِ گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرستوں کا ایک گروہ دینی خراج لینے کے لئے دربار پہنچ چکا تھا انہوں نے زردشت کے دین کو حق بنا کر پیش کیا اور آگ کی تعظیم کو سب سے بڑی عبادت بتایا، کیانی بادشاہوں کی راہ وروش کے قصے بیان کر کے اکبر کو اپنے معتقدات کی طرف جھکا لیا۔ چناں چہ اکبر نے حکم دیا کہ محل میں بھی شب وروز آگ جلتی رہے کیوں کہ آگ بھی خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے انوار کا ایک پرتو ہے اس آتش کدے کا انتظام شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا گیا۔ اکبر اپنی جوانی کے زمانے ہی سے ہندوستانی راجاؤں کی لڑکیوں کی صحبت میں ہَوَن کیا کرتا تھا جو ہندوؤں کی آتش پرستی کی ایک پوجا ہے۔ (۲)

عیسائیت اور اکبر۔ عقیدۂ تثلیث کا اثبات

اسی زمانے میں دربار میں عیسائیوں کی بھی آمد ورفت ہونے لگی تھی، یورپ کے عالمِ دین کو پادری کہا جاتا ہے اور ان کے مجتہد کامل کو پاپا کہتے ہیں جسے مصلحتِ وقت کے لحاظ سے امورِ دین میں تغیر وتبدل کا اختیار حاصل رہتا ہے اور بادشاہِ وقت بھی اس سے روگردانی نہیں کر سکتا، جب عیسائی پادری بھی بادشاہ کی نظرِ التفات سے نوازے گئے تو انہوں نے انجیل پیش کی اور عقیدۂ تثلیث کے حق ہونے پر مباحثے کرتے رہے، اکبر نے ان کی عیسائیت کی بھی تصدیق کی اور عیسوی مذہب پھیلانے کی ہمت افزائی کی۔ حسب الحکم شہزادہ مراد نے عیسائی پادری سے انجیل کے چند سبق پڑھے، ان ملعون عیسائیوں کی جسارت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے دجال ملعون کے حالات اور حضور اکرم ﷺ کے اوصاف میں مشابہت پیدا کرنے تک سے دریغ نہ کیا (العیاذ باللہ) (۳)

اللہ اکبر! اتنی ملعونیت اور بدبختانہ بیہودگی سن کر بھی اکبر کی پیشانی پر ذرا بل نہیں پڑتا تھا۔

جب مناظروں میں مسائل ودلائل کی جگہ کج بحثی اور ٹھٹھہ مذاق نے لے لی تو اکثر راسخ

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۷۱ ۲۔ ایضاً ملخصاً: ص ۲۷۱

۳۔ منتخب التواریخ: ص ۲۷۰

العقیدہ علما و مشائخ نے عبادت خانہ میں جانا چھوڑ دیا۔ شیخ چشتی کے صاحب زادے مولانا بدر الدین نے دارالحکومت سے گجرات کی راہ لی اور ایک روز چپکے سے جہاز میں بیٹھ کر جدہ روانہ ہو گئے اور بقیہ عمر حرم میں گزاری، اکبر نے ناراض ہو کر اکثر و بیشتر علما کو دور دراز علاقوں میں بھیج دیا، ان کے عبادت خانے سے نکلتے ہی میدان خالی دیکھ کر سب سے پہلے شیعہ ان کے بعد ہندو پارسی جینی وہاں آ دھمکے، پرتگیز بھی انجیل مقدس لے کر دربار میں آ پہنچے اور بچے کھچے علماء کو مناظرے کی دعوت دی، علما میں اب قابل کوئی نہ تھا جو ان سے مناظرہ کرتا اور ان کے اعتراضات کے مسکت جواب دیتا۔ علما کو بے بس دیکھ کر شیخ قطب جلیسری نام کے ایک مجذوب الحال درویش مستانہ نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور پادریوں کو مباہلے کی دعوت دی۔ اکبر نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے پادریوں سے کچھ دیر تبادلۂ خیال کیا اور ان پر بعض بڑے کڑے سوال کیے۔ اس طرح بادشاہ نے مباہلے کی نوبت ہی نہ آنے دی، بادشاہ نام نہاد علما سے پہلے ہی نالاں تھا اب پادریوں کے مقابلے میں ان کی بے بسی دیکھ کر اس نے علما کی اکثریت کو قندھار بھیج دیا اور وہاں کے حاکم کو لکھ دیا کہ وہ قندھار کے نخاس میں ان کا تبادلہ گھوڑوں سے کر کے وہ گھوڑے حضور میں بھیج دے، اکبر علما کے اثر سے آزاد ہونا چاہتا تھا اس لئے اس نے کچھ علما اس طرح ٹھکانے لگا دیے اور بقیہ کے اختیارات محضرنامے کی رو سے سلب کر لئے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔(۱)

جینی اور اکبر

جب عبادت خانے کے دروازے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لئے کھلے تو اکبر نے جینی پنڈتوں کو بھی وہاں آنے کی باقاعدہ دعوت دی، یہاں کے ابتدائی مباحثوں میں جینی پنڈتوں نے اکبر کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے ۱۵۸۲ء میں ہندوستان میں جینیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما ہیراو جیا سوری سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور آگرہ کے جینیوں کی وساطت سے اسے دارالحکومت آنے کی دعوت دی جب یہ دارالحکومت کے قریب آیا تو اکبر بادشاہ جینیوں کے دستور کے مطابق سڑسٹھ سادھوؤں کے ایک قافلے کے ہمراہ پاپیادہ فتح پور سیکری کی طرف چل پڑا اور آگرہ سے اس کے استقبال کو آئے ہوئے جینیوں نے اس کا بڑا شاندار جلوس نکالا اور ایک آشرم میں اس کے قیام کا انتظام کیا، چند روز بعد جب ہیراو جیا سوری اکبر کے دربار میں پیش ہوا تو پہلی ہی ملاقات میں اکبر اس کی علمیت، نیک نفسی اور تقویٰ سے بے حد متاثر ہوا۔ دو سال اس کا

۱۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۶۳، ۶۴

قیام دارالحکومت میں رہا اور اکبر نے مختلف ملاقاتوں میں اس سے بہت کچھ سیکھا اور اس کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے ''جگت گرو'' کا خطاب دیا، اور اس کے کہنے پر اہمسا کے نظریے کو فروغ دیا اور سال کے کئی مہینوں اور ہفتے کے مختلف دنوں میں ہر قسم کے ذبیحے پر پابندی لگادی، صیاد، ماہی گیر، جلاّد وقصاب، مقہور ومعتوب قرار پائے حتیٰ کہ عوام کو چوہے مارنے سے بھی منع کردیا۔ مذکورہ جینی پنڈت کی واپسی کے بعد دوسرے جینی پنڈت اکبر کے مصاحب رہے اور ان کی صحبتِ دوام نے اکبر پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ جین مت کی حقانیت کا قائل ہوگیا، اور جینیوں کے زیرِ اثر اکبر نے ان کے بہت سے طور طریقے اپنا کر لوگوں کو اس شبہ میں ڈال دیا تھا کہ اس نے جین مت اختیار کرلیا ہے۔(۱)

بھگتی تحریک اور اکبر

بھگت کبیر وگرونانک وغیرہ سادھوؤں اور بھگتوں کی تحریکات سے بھی اکبر بہت متاثر تھا اکبر اور جہانگیر دونوں پر ہندو جوگیوں اور سناسیوں کا بڑا اثر تھا اور وہ ان کی بات رد نہیں کرتے تھے، اکبر بادشاہ کی صلح کل پالیسی نے ملک میں ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ مسلمان غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا سنگ بنیاد رکھتے تھے اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے ترجے فارسی میں کیے جاتے تھے جن کے مطالعے سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا تھا جسے ملا بدایونی ''مسلمانانِ ہندو مزاج'' لکھتا ہے، اور ہندو بھی رام اور رحیم کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے۔ اس طرح بادشاہ نے بھگت کبیر اور گورونانک کے نقشِ قدم پر چل کر صلح کل پالیسی اختیار کی اور مسلمانوں کی برتری ختم کرکے ہندوستان کو دارالاسلام سے ایک سیکولر اسٹیٹ (لادینی مملکت) میں تبدیل کردیا اور ہر مذہب و ملت کے رہنماؤں سے بڑی فراخ دلی سے ملنے لگا۔ اکبر کی اس حکمت عملی سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو جو نقصان پہنچا اس کی تلافی آج تک نہیں ہوسکی۔(۲)

جوگیوں سے بادشاہ کی عقیدت

بادشاہ نے شہر سے باہر ہندو اور مسلمان فقیروں کو کھانا کھلانے کے لئے دو سرائیں تعمیر کرائیں ایک کا نام خیر پورہ اور دوسری کا نام دھرم پورہ رکھا گیا ان کے انتظام پر ابوالفضل کے چند

۱۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً: ص ۱۵۲ تا ۱۵۶

۲۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً: ص ۱۴۹ تا ۱۵۱

ادمی متعین تھے جو شاہی خرچ پر فقرا کو کھانا کھلاتے تھے، جوگیوں کی ٹولیاں بھی بہت آتی تھیں ان کے لئے ایک الگ سرائے بنوا کر اس کا نام جوگی پورہ رکھا گیا، اکبر راتوں کو اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ ان جوگیوں کی صحبت میں جایا کرتا تھا اور ان سے مختلف جاہلانہ معلومات اعتقادات، مراقبے، مشغلے، آسن، کیمیا، ہیمیا اور ریمیا جیسے عجیب وغریب علوم سیکھا کرتا تھا جوگی ہر سال ایک مقررہ رات میں جسے وہ شیورات کہتے تھی ہر طرف سے آکر جمع ہوتے اس رات اکبر بڑے بڑے جوگیوں کے ساتھ کھانا کھاتا اور ان سے تگنی چوگنی عمر کی بشارت حاصل کرتا تھا، کچھ ان کی دعاؤں اور بعض دوسرے قریوں سے اکبر کو اپنی درازیٔ عمر کا پورا یقین ہو گیا تھا بعض حکیموں نے بھی اس کی تائید کی۔(۱)

نقطوی تحریک اور اکبر

اکبر کے مریدوں میں ابوالفضل سرِ فہرست تھا اور بدایونی نے ایک موقع پر اسے ''مجتہدِ دین ومذہب نو'' کے لقب سے ملقب کیا ہے، جن لوگوں نے اکبر کو گمراہ کیا ان میں بھی ابوالفضل کا نام سب سے اوپر تھا ابوالفضل فطرۃً الحاد کی طرف مائل تھا ''فزادھم اللہ مرضا'' کے مصداق اسلام کے متعلق اس کے شکوک دن بدن بڑھتے گئے اور آخر کار وہ مبدأ ومعاد کے انکار کر کے ملحد ہو گیا۔

گیلان کے ایک گاؤں پسخوان کے رہنے والے ایک شخص محمود نے پہلے حروفی فرقے میں شمولیت اختیار کی پھر کسی مسئلے پر اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے ان سے الگ ہو کر ۸۸۰ھ میں نقطوی فرقے کی بنیاد رکھی۔ شریف آملی نقطوی فرقہ کا ایک مبلغ تھا جب اکبر کے دربار میں آیا تو اکبر نے ہزاری منصب دے کر اس کو اپنے مقربین کے زمرے میں شامل کر لیا۔ یہیں سے اس کی دوستی ابوالفضل سے شروع ہوئی اور اس کے توسط سے ابوالفضل نے ایران کے نقطویوں کے ساتھ نامہ وپیام شروع کر دیا، بہت سے پڑھے لکھے ایرانی نقطویوں نے شریف آملی کے توسط سے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی۔ نقطویوں کے چند عقائد یہ ہیں: عالم قدیم ہے، حشر ونشر کو نہیں مانتے، نیک وبد اعمال کی جزا اور جنت ودوزخ کو دنیاوی زندگی میں خوشحالی اور تنگ دستی پر محمول کرتے ہیں، نظریۂ ارتقا کے قائل ہیں، اُگنے میں خدا کی قدرت کو کوئی دخل نہیں۔ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) نبی اکرم ﷺ کی تصنیف سمجھتے ہیں، مسائلِ شریعت کو اہل الرائے کے بنائے ہوئے کہتے ہیں، نماز کا مذاق اڑاتے ہیں، سعی وصفا مروہ وغیرہ مناسک حج کا تمسخر اڑاتے ہیں، قربانی کے منکر

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۵۱۱

ہیں، ماہِ رمضان کو ماہِ گرسنگی و تشنگی کہتے ہیں، خروجِ منی سے غسل فرض ہونے کے منکر ہیں، ماں بہن کی حرمت کے قائل نہیں۔ محمود پسیخوانی بانی فقۂ نقطوی کو پیغمبر کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجمیوں میں ہی پیدا ہوا کریں گے، تناسخ کے قائل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اکبر کے دینِ الٰہی (جس کا ذکر آگے آتا ہے) کی بنیاد میں نقطویوں کا بھی کافی حصہ ہے۔ ابو الفضل اور فیضی دونوں بھائی نقطوی تحریک کے پیروکار تھے اس لئے اکبر کے دینِ الٰہی میں ان کے عقائد شامل ہوگئے جیسا کہ آگے آتا ہے کہ اکبر بھی تناسخ کا قائل ہوگیا تھا حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا عقائد اسلامیہ، اصول وفروع کا تمسخر واستہزا کرتا تھا، قرآنِ حکیم حضور انور ﷺ کی تصنیف سمجھتا تھا جیسا کہ خود جہانگیر کا بیان مآثر الامراء جلد دوم/ص ۲۱۷ پر درج ہے، اکبر بھی دینِ اسلام کی میعاد ختم ہونے اور ایک نئے دین کی ضرورت کا قائل تھا اکبر نے بھی غسلِ جنابت منسوخ کردیا تھا حجاج پر پابندی لگادی تھی، اکبر بھی نقطویوں کی طرح عقلیات کا قائل اور نقلیات کا منکر تھا، نقطوی، شریعت کے مسائل کو اہل الرائے کے بنائے ہوئے کہتے ہیں اکبر بھی جس سے ناراض ہوتا تھا تو اسے فقیہ کہہ کر پکارا کرتا تھا، فیضی جامِ شراب ہاتھ میں لے کر کہا کرتا تھا کہ ایں پیالہ را بکوریٔ فقہامی خورم، نقطوی شعائرِ اسلام کا مذاق اڑاتے تھے، ابو الفضل اپنی تحریروں میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے انہیں پیروانِ احمدی کیش، کوتاہ بیں، گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت، سادہ لوحانِ تقلید پرست اور گرفتارِ زندانِ تقلید کے تحقیر آمیز کلمات سے یاد کرتا ہے۔ نیز اس نے اسلامی عبادات کے خلاف رسائل بھی لکھے تھے، نقطوی ماہِ رمضان کو ماہِ تشنگی وگرسنگی کہا کرتے تھے، اکبر بھی درباریوں کو رمضان میں روزے رکھنے سے منع کرتا تھا اس کا حکم تھا کہ ماہِ رمضان میں اس کے درباری اس کے سامنے کھایا پیا کریں ورنہ کم از کم پان کا بیڑا ہی منہ میں رکھ لیا کریں، ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ اکبر اور اس کے حواریوں کے نقطویوں کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے اور دینِ الٰہی کی بنیاد میں نقطوی مذہب کو کافی دخل تھا۔ (۱)

شیعیت اور اکبر

ہمایوں بادشاہ نے شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد شاہ طہماسپ صفوی کے ہاں پناہ لی اور اس سے مدد طلب کی تھی وہ غالی شیعہ تھا۔ شیعیت اختیار کرلینے کے شرط پر مدد کا وعدہ کیا مجبوری اور مصلحتِ وقت کی بنا پر ہمایوں نے شیعی مسلک اختیار کرلیا جس سے شیعوں کو ہندوستان

۱۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً: ص ۱۷۳ تا ۱۸۸

میں بہت سی مراعات مل گئیں، اور عراق وعجم وایران کے بہت سے شیعی علما وشعرا دربارِ ہمایوں میں اعزاز واکرام سے نوازے گئے، یہ دستور اکبر کے دور بھی میں بھی بدستور جاری رہا بلکہ اکبر کے دور میں ہمایوں کے عہد سے بھی زیادہ رسوخ حاصل کرلیا۔(۱) اور سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ایک سیلاب تھا جو مسلسل انقراض دولتِ مغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا۔(۲) خلوتِ معلق کے بلند پروازوں میں ملا یزدی بھی تھا وہ اپنے عقائد کے مطابق خلفائے ثلاثہ کے خلاف طنز وطعن کرکے اور عمومِ صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، صلحائے سلف، علمائے خلف سب کو کافر بناتا اور بادشاہ کی نظر میں اہلسنت وجماعت کا درجہ گھٹانے کی فکر میں لگا رہتا تھا، اس نے بجز شیعہ کے سب کو گمراہ دکھایا اور اکبر کے خیالات پر شیعیت کی اچھی خاصی چھاپ پڑگئی۔(۳)

صوفیائے خام

اس دور کے تمام صوفیہ وحدت الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے ان کا اکثر وبیشتر وقت سکر کی حالت میں گذرتا تھا اور وہ اٹھتے بیٹھتے وحدت الوجود کے نظریہ کا پرچار کرتے رہتے تھے، اس نظریہ کو قبول کرنے سے اکبر پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ "خدا کی پرستش کے بہت سے طریقے ہیں اور تمام مذاہب حقیقت پر مبنی ہیں، جب تمام موجودات مظاہرِ الٰہی ہیں تو بچھڑے اور ستارے کی صورت میں بھی خدا ہی کی پرستش ہوگی" تمام ہندوستان اس عہد میں روحانی طور پر دیوالیہ ہوچکا تھا اس وقت ملک بھر میں کوئی مردِ خدا اس قابل نہ تھا کہ وہ عوام کی رہنمائی کرسکتا۔ تاریخ شاہی اور مخزنِ افغانی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اکبر کے عہد میں صحو پر سکر غالب آگیا تھا اور ملک میں مجذوبوں کی بھرمار تھی۔ نعمت اللہ ہروی نے ایسے بے شمار مجذوبوں کے نام گنوائے ہیں جو اس عہد میں میں ملک کے طول وعرض میں بے اولادوں کو اولاد اور نامرادوں کو مرادیں دیتے پھرتے تھے۔ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ عوام جن مجاذیب کو قطب اور غوث سمجھتے تھے ان کی اکثریت عشقِ مجازی میں گرفتار تھی۔ تاریخ شاہی کے مصنف نے ان کے عشق کی داستانیں بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہیں، دو چار نہیں بلکہ ایسے عشق باز مجاذیب کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا، اکبر اگرچہ علما سے بدظن ہوچکا تھا لیکن صوفیہ پر وہ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ طبقہ تو ہمیشہ یادِ حق میں مشغول رہتا ہے اور ماسوا کا تصور ان

۲۔ مقدمہ رد روافض وتذکرہ، ص ۲۶ ۳۔ تذکرہ، ص ۳۶

۴۔ منتخب التواریخ، ص ۲۰۷

کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اس کے اس حسنِ ظن سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے چند نام نہاد اور پیشہ ور پیروں نے فتح پور سیکری آ کر دکانِ تصوف آراستہ کر لی۔ سب سے پہلے شیخ عبدالعزیز کے خلیفہ اعظم شیخ چاںیلدہ فتح پور سیکری پہنچے اور انہوں نے عبادت خانے میں نماز معکوس شروع کر دی ان کو پیشین گوئیوں کا بڑا شوق تھا اس نے بادشاہ کے حرم میں لڑکا ہونے کی پیشین گوئی بارہا کی مگر ہر بار ان کی پیشین گوئی جھوٹ ثابت ہوئی، اس نے بادشاہ کے اعتقادات کو بہت ٹھیس پہنچائی۔ سید ہاشم نامی ایک بزرگ زادے نے جو فیروز آباد کے رہنے والے تھے فتح پور سیکری میں آ کر اپنی دکان سجائی۔ اس کی بعض نازیبا حرکات سے بادشاہ مشائخ سلف سے بھی بد اعتقاد ہو گیا۔ اکبر کے عہد میں بگڑے ہوئے معاشرے میں سجادہ نشینوں اور نام نہاد روحانی پیشواؤں کی حالت عوام کی نسبت کہیں زیادہ ناگفتہ بہ تھی، اس کے ایک ہم عصر بزرگ اخوند درویزہ اپنی مشہور تصنیف ارشادِ طالبین فارسی میں تحریر فرماتے ہیں، اس کا ترجمہ یہ ہے "خاص طور پر اس زمانہ فساد میں اکثر انسان صورت اور شیطان سیرت لوگ اپنے باپ اور دادا کی مسندوں پر براجمان ہیں"۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی ایسے ہی صوفیوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اکثر جہلائے صوفی نمائے ایں زمانہ حکمِ علمائے سوء دارند فسادِ ایں ہا نیز فسادِ متعدی است (۱)

یعنی اس زمانے کے اکثر صوفی نما جہلا علمائے سو کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

یہ تھی اس وقت کی مذہبی فضا جس میں اکبر دینِ اسلام سے برگشتہ ہوا اور اس نے بھی اس ماحول کو سازگار دیکھتے ہوئے دوسروں کی دیکھا دیکھی ایک نئے دین کی طرح ڈالی۔ (۲)

وحدۃ الوجود کا اثر

شیخ تاج الدین ولد شیخ زکریا اجودھنی دہلوی شیخ امان پانی پتی کا شاگرد اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا علمِ تصوف اور علمِ توحید میں وہ ثانیٔ شیخ ابن عربی سمجھا جاتا تھا راتوں میں معلق چارپائی پر اوپر جا کر رات رات بھر اہلِ تصوف کے شطحیات اور مزعومات سنایا کرتا تھا، وہ چوں کہ شرعی پابندیوں کا قائل نہیں تھا اور اس نے وحدت الوجود کا نظریہ اور فصوص الحکم کے دوسرے مسائل مثلاً "ترجیح رجا بر خوف" "فرعون دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوا وغیرہ بخوبی بادشاہ کے ذہن نشین کرا دیے، چناں چہ اس کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ کافر دوزخ کی آگ میں ڈالے تو ضرور جائیں گے

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۴۷

۲۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً: ص ۶۶ تا ۸۴

لیکن یہ عذاب ان کے لئے دائمی نہیں بلکہ عارضی ہوگا۔(۱)

انسانِ کامل کا تصور

اور جب شیخ تاج الدین مذکور نے بادشاہ کو تصوف کی ان بھول بھلیوں میں اچھی طرح سرگشتہ کردیا تو اس نے اپنی تعلیم وتلقین کا آخری اور اہم نکتہ جو سب سے زیادہ خطرناک تھا نکال کر سامنے رکھا یعنی ''انسانِ کامل'' کا ایک تصور پیش کیا اور اس انسانِ کامل کو خلیفۂ وقت سے تعبیر کر کے خود اکبر کو اس کا مصداق قرار دیدیا۔ انسانِ کامل کے بعد تو صرف عینِ واجب (ذاتِ خداوندی) کا ہی درجہ ہے اس لئے شیخ کی کمند انسانِ کامل سے گزر کر عین واجب تک جا پہنچی۔

بادشاہ کے لئے سجدہ

حوالی موالی نے خوب خوب شگوفے چھوڑے طرح طرح کی خرافات واختراعات شروع ہوگئیں چناں چہ بادشاہ کے لئے سجدۂ تعظیم تجویز کیا گیا اور اس کا نام ''زمین بوس'' رکھا گیا، بادشاہ کے ادب واحترام کو اتنا بڑھایا گیا کہ اسے ''فرضِ عین'' اور ''چہرۂ شاہی'' کو ''کعبۂ مرادت'' و ''قبلۂ حاجات'' قرار دیا گیا۔ کسی نے زبان ہلائی بھی تو اس کا منہ بند کر دیا گیا۔(۲)

اکبر کی بے دینی

اکبر کے حقِ اجتہاد کے لئے علماء کا محضر نامہ

ان حالات سے پہلے اکبر کے دل پر علما کا بڑا اثر تھا یہاں تک کہ وہ ان کو بلحاظِ رتبہ وعظمت امام غزالی وامام رازی رحمہما اللہ سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر سمجھتا تھا لیکن جب ان عالموں کی رکیک حرکتیں اس کی نظر میں آئیں اور ان کے تحریم وتکفیر کے مناقشوں سے وہ سخت متنفر ہوا تو اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ جھگڑالو عالموں اور قاضیوں کی عظمت ہی گر گئی بلکہ ان پر قیاس کر کے وہ بزرگانِ سلف کا بھی منکر ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں اکبر پر دنیاوی اقتدار کے ساتھ دینی سیادت پر قبضہ جمانے کی دھن سوار ہوگئی اور اسے کسی کی پیروی گراں گزرنے لگی۔ بادشاہ کی بداعتقادی کو دیکھ کر لوگوں کی

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۶۸ ۲۔ ایضاً

جرأتیں بڑھ گئیں، اسلامی عقائد اور فروعی مسائل کا اعلانیہ مضحکہ اڑانے لگا، چند بد بخت ہندو اور ہندو مزاج مسلمان آں حضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں صراحتاً زبان درازیاں کرنے لگے۔ علمائے سُوٓ اپنی تصانیف کے خطبہ میں نعت لکھنے سے پرہیز کرنے لگے اور توحید کے ذکر کے بعد وہ حسب قاعدہ نعت لکھنے کی بجائے بادشاہی القاب کے ذکر پر اکتفا کرنے لگے، ان کی مجال نہ تھی کہ بے ایمان کذابین کے مقابلے میں آں حضرت ﷺ کا اسمِ مبارک (زبان وقلم پر) لاتے۔ ان باتوں سے عوام میں بڑی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگوں میں بادشاہ اور بادشاہ پرستوں کی بدنامی و رسوائی ہوگئی ملک میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا، آخر بادشاہ کی سیادت کو تسلیم کرانے کے لئے ان دنوں یعنی ماہ رجب ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا گیا جس میں مجتہدِ شرع پر امامِ عادل کی فضیلت ثابت کی گئی تھی اور امامِ عادل (حکمرانِ وقت) کو اس بات کا حق دیا گیا تھا کہ وہ اختلافی مسائل میں کسی روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دے سکتا ہے اور اس کے مطابق تجویز و فیصلہ کرسکتا ہے۔ اس محضر نامے پر مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی صدر الصدور، قاضی جلال الدین ملتانی قاضی القضاۃ، صدر جہاں، مفتی اعظم، مشہور عالم شیخ مبارک اور غازی خاں بدخشی نے جو معقولات کا بہت بڑا عالم تھا اپنے دستخط کئے تھے اور اس پر ان کی مہریں لگی ہوئی تھی۔ اس محضر نامے کا مسودہ شیخ مبارک نے مرتب کیا تھا دوسرے علما سے طوعاً و کرہاً اس پر دستخط کرائے گئے۔ شیخ مبارک نے بڑے انشراحِ قلب کے ساتھ محضر نامہ کے ذیل میں یہ فقرہ لکھا کہ "میں اس بات کا دل و جان سے خواہشمند تھا اور سالہا سال سے اس کا منتظر تھا۔" اس محضر نامے کے چند جملے درج ذیل ہیں:

"ہندوستان جیسا وسیع ملک سلطانِ جہاں پناہ کے عدل و انصاف و تدبر و انتظام سے دار الامن بن چکا ہے اور ہر جگہ کے خواص و عوام خصوصاً عرب و عجم کے علما و فضلا یہاں آ کر مقیم ہو چکے ہیں، آیۂ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اور حدیثوں اور عقلی و نقلی دلائل و شواہد کی بنا پر ہم یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سلطانِ عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبے سے بڑھ کر ہے لہٰذا سلطان الاسلام جلال الدین اکبر بادشاہ غازی اگر عوام کی سہولت اور مملکت کے انتظامی مصالح کی خاطر دین کے ان مسائل میں جو مجتہدین کے نزدیک اختلافی ہوں کسی بھی ایک صورت کو تجویز کر کے اس کی مطابق احکام کا اجرا فرمائیں تو ان کی تجویز و حکم متفق علیہ متصور ہوگا اور اس کی اطاعت و پیروی تمام رعایا پر لازم اور قطعی ہوگی اور جس وقت سلطانِ عالم پناہ کوئی بھی ایسا قانون اور حکم نافذ فرمائیں جو عوام کے لئے باعثِ سہولت ہو اور نصوصِ شرع کے مغائر نہ ہو، اس پر عمل

درآمد ہر شخص پر لازم وقطعی ہوگا اور اس کی مخالفت عذابِ اخروی اور خسرانِ دینی ودنیوی کا موجب ہوگی''۔ اس محضر کی صورت میں بادشاہ کو فتویٰ دینے کے کلی اختیارات مل گئے، پھر کیا تھا جلد ہی اجتہاد کا دروازہ کھل گیا اور کسی کو کسی قسم کی مخالفت کی مجال نہ رہی، تحلیل وتحریم کا جھگڑا مٹ گیا اور شریعت کے مقابلے میں امام کی رائے کو فوقیت حاصل ہوگئی۔ بادشاہ نے کھلم کھلا اسلام کو تقلید کا نام دیکر پسِ پشت ڈال دیا، غالباً اسی کے بعد بحیثیت مجتہد وامامِ عادل ہونے کے اکبر کو جمعہ میں خطبہ پڑھنے کا خیال آیا۔ بظاہر اسلاف کی پیروی میں لیکن درحقیقت اپنے حقِ اجتہاد کو مضبوط کرنے کے لئے یکم جمادی الاولیٰ ۹۸۷ھ کو فتح پور کی جامع مسجد میں جو بادشاہی محل کے قریب تھی جمعہ سے پہلے اکبر نے خطبہ پڑھانا چاہا، خطبے کو فیضی نے فارسی اشعار میں تیار کیا تھا لیکن جب بادشاہ (جس کی تلوار میدانِ جنگ میں سروں کو اڑاتی تھی) منبر پر چڑھا تو گھبرا گیا اور لرزنے لگا بڑی مشکل سے تین شعر وہ بھی ادھورے پڑھ کر منبر سے اتر آیا، یہ شعر بھی اس طرح پر ادا ہوئے کہ برابر سے دوسرے لوگ بتاتے جاتے تھے۔ اس خطبے کے بعد حافظ محمد امین کو امامت کا حکم دیا۔ (یہ تھی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے ہٹا کر اکبر کو اجتہاد کے درجے تک پہنچایا گیا)

مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی ہزار بے وقعت سہی لیکن ان کے ہوتے ہوئے دینی معاملات میں اکبر کی جسارتیں رکی رکی اور سہمی سہمی رہیں ان کے جانے کے بعد گویا پاؤں کی بیڑیاں کٹ گئیں اور اس نے دھڑلے سے عقائد ومسائل میں نئی نئی اختراعات شروع کردیں، چناں چہ قرآن کو مخلوق قرار دیدیا، وحی کو امرِ محال کہا، نبوت وامامت کے بارے میں شکوک پیدا کئے، جن، فرشتے اور دوسرے تمام غیبی امور اور معجزوں وکرامتوں کا صریح انکار کردیا۔ قرآن کے تواتر اور اس کے کلامِ الٰہی ہونے پر بھی اعتراضات وارد کئے۔ مرنے کے بعد بقائے ارواح اور عذاب وثواب کو امرِ محال کہا اور صرف تناسخ پر منحصر کردیا۔(۱)

امامت ونبوت کا ادّعا

دربار کے کمینے اور ذلیل علما نے جو دراصل جاہل محض تھے من گھڑت دلیلیں دے کر بادشاہ کو یہ یقین دلادیا کہ اس عہد کے صاحبِ زماں خود آپ ہیں کہ آپ کا ظہور مسلمانوں اور ہندوؤں کے بہتر فرقوں کے اختلافات ختم کرنے کے لئے ہوا ہے۔ ایک نقطوی عالم ملا شریف آملی نے محمود پسیخوانی کے رسالوں سے جو تیموری عہد کا ایک سطح نویس مصنف گزرا ہے یہ شہادت نکال دکھائی کہ

۱۔ منتخب التواریخ ملخصاً: ص۲۷۶ تا ۲۷۹

اس نے صراحتاً کہا ہے کہ ۹۹۰ھ میں باطل کو ختم کرنے والے ایک شخص کا ظہور ہوگا، اور "صاحبِ دینِ حق" کے کلمے سے اس کی تعبیر کی گئی کہ جمل کے قاعدے سے اس کے ۹۹۰ عدد ہوتے ہیں اس لئے اس کے مصداق آپ ہی ہیں۔ یہ باتیں اس کی نبوت کے دعوے کا سبب بنیں اور اکبر نے صراحتاً ولفظاً تو نہیں لیکن مجملاً ومعناً نبوت کا دعویٰ کر دیا۔(۱)

الف ثانیؒ کا نظریہ اور دینِ الٰہی کا نفاذ

اکبر کے عہد میں اس بات کا پروپیگنڈا بڑے زور وشور سے کیا گیا کہ دینِ اسلام کی میعاد صرف ایک ہزار سال تک ہے اور اس کے بعد ایک نئے دین کی ضرورت ہوگی۔ خواجہ مولانا شیرازی ملحد نجومی مکہ معظمہ کے معززین کی طرف سے ایک رسالہ لے کر آیا جس میں درج تھا صحیح حدیث کے بہ موجب دنیا کی مدت سات ہزار سال پوری ہو چکی ہے اور اب مہدی موعود کے ظہور کا وقت آ گیا ہے، اس خصوصیت کے بارے میں خود اس نے بھی اپنا ایک رسالہ مرتب کر کے پیش کیا۔ ایسی ہی خرافات شیعوں نے بھی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب کر کے پیش کیں۔ ہجرت پر ابھی پورے ہزار سال نہیں ہوئے تھے مگر بادشاہ نے اپنے زعم میں یہ خیال پکایا کہ ہجرت سے نہ سہی حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے تو پورے ہزار سال ہو چکے ہیں جو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے دین کی مدت تھی اس لئے وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم ایک نئے دین کے آغاز کا اعلان کر دیں۔ اس وقت ایسے کسی دعوے کے اظہار اور اعلان کے لئے جو بادشاہ کے دل میں تھا کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ سب سے بڑی رکاوٹ علما اور مشائخ کی تھی جو کہ اثر واقتدار اور رعب داب رکھتے تھے۔ اب ان سے بھی بساط خالی ہو چکی تھی اس لئے نہایت اطمینان وجسارت کے ساتھ اکبر نے اسلامی ارکان واحکام کی منسوخی اور اپنے ساختہ پرداختہ ایک نئے دین کے قواعد وضوابط کے نفاذ کا فیصلہ کر کے اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ صادر کیا کہ اب سکے پر الفی تاریخ ہزارواں سن) ثبت کیا جائے اور اس سنِ ہزار کو سنِ ہجرت سے نہیں بلکہ بعثت سے موسوم کیا جائے۔(۲)

دینِ الٰہی کے عناصر

یہ تو معلوم ہو چکا کہ سلبی طور پر اسلامی عقائد وعبادات ورسوم کا بتدریج خاتمہ ہو چکا تھا لیکن ان کی جگہ جو چیزیں اس جدید دین میں بھر گئیں ان میں ممتاز چیزیں یہ ہیں:

۱۔ منتخب التواریخ تصرفاً: ص ۲۸۷ تا ۲۸۸ ۲۔ منتخب التواریخ: ص ۲۹۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۴۴

سنِ الٰہی کا اجرا

اکبر نے عربی کے سنِ ہجری کو موقوف کرادیا اور اس کی جگہ تاریخ کو اپنے جلوس کے سن سے شروع کرایا جو ۹۶۳ھ میں ہوا تھا مہینوں کا تعین عجمی بادشاہوں کے طریقے پر کیا گیا۔ زرتشتیوں کے مذہب کی طرح سال میں چودہ عیدیں مقرر کی گئیں، مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی البتہ جمعہ کا التزام باقی رہا اس خیال سے کہ جمعہ کا خطبہ بادشاہ کے نام سے پڑھا جاتا تھا اور اس میں بھی بس بوڑھے لوگ ہی شریک ہوا کرتے تھے، نئی تقویم میں سال اور مہینوں کو سنِ الٰہی اور ماہِ الٰہی کہا جانے لگا تنکے اور مُہر (ٹکوں اور اشرفیوں) پر تاریخ الف ثبت کرائی گئی اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ دینِ محمدی کی مدت جو ایک ہزار سال تھی ختم ہو چکی ہے۔ (۱)

ظاہر ہے کہ سکہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کو ہر خاص و عام تک رسائی ناگزیر ہے، کتابوں اور اخباروں رسالوں سب سے زیادہ اشتہار کی کارگر تدبیر اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے تمام سکے اور خود اپنے زمانے کے دوسرے سکوں کو سخت ترین احکام و فرامین کے ذریعے اکبر نے گلوادیا تھا صرف ایک ہی سکہ باقی رکھا تھا۔

تاریخ الفی کی تصنیف

لیکن بات اسی پر ختم نہیں کی گئی بلکہ ایک کتاب بھی ''تاریخ الفی'' کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی جس کی تدوین و ترتیب کا کام چند علما کے سپرد ہوا جن میں ملا بدایونی بھی شامل ہیں، چنانچہ ملا صاحب لکھتے ہیں (۲): ''اسی سال بادشاہ نے حکم دیا کہ چوں کہ ہجرت کے ہزار سال ختم ہو چکے ہیں اب تک لوگ ہجری تاریخ ہی لکھتے آئے ہیں، اب ایک تاریخ مرتب ہونی چاہئے جس میں ابتدا سے آج تک کے تمام مسلمان بادشاہوں کے واقعات مندرج ہوں، یہ تاریخ دوسری تاریخوں کے غلط واقعات کی تردید و تنسیخ کرنے والی ہو اس کا نام ''تاریخ الفی'' رکھا جائے اس میں سنوں کے ذکر کے ساتھ ہجرت کی بجائے رحلت کا لفظ لکھا جائے، چناں چہ حضور اکرم ﷺ کی وفات سے اس زمانے تک کے حالات لکھنے کے لئے سات اشخاص مامور کئے گئے، سن چھتیس تک کے حالات لکھے جا چکے تو اکبر نے حکم دیا کہ اب صرف ملا احمد تاریخ الفی کے بقیہ حالات لکھے گا۔ ملا احمد نہایت متعصب آدمی تھا اپنے اعتقاد کے مطابق جو کچھ جی میں آیا لکھ دیا، اس نے چنگیز کے دور

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۴۵

۲۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۰

تک اس تاریخ کو دو جلدیں پوری کر دیں، مرزا فولاد برلاس کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا اس لئے اس نے اسے قتل کرا دیا اور مرزا فولاد کو بھی قصاص میں سزائے موت دی گئی۔ تاریخ الفی کے بقیہ حالات لکھنے کی ذمہ داری اب آصف خاں کے سپرد کی گئی، اس نے یہ واقعات ۹۹۷ھ تک پورے کر دیئے۔ ۱۰۰۰ھ میں بادشاہ نے ملا بدایونی کے سپرد یہ کام کیا کہ مسودات کا مقابلہ اور تصحیح کرے اور سنوں میں جو تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے درست کر دے، ایک سال تک اس نے یہ خدمت انجام دی اور پہلی دو جلدوں کو مکمل کر دیا، تیسری جلد کا کام آصف خاں کے حوالے کر دیا گیا۔ (۱)

مقصد یہ تھا کہ اپنے زمانے کی حد تک تو ''سکہ'' کا طریقہ اشتہار کے لئے مفید تھا لیکن اس کے بعد پھر اس کی یاد دہانی کا ذریعے کوئی اور ہونا چاہئے اس کے لئے ''تاریخ الفی'' کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔ (۲)

بہرکیف اکبر کے زمانے میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گزرنا ایک ایسا واقعہ بنالیا گیا جس پر ''الف ثانی'' کے نظریے کے یار لوگوں نے بڑی بڑی تعمیریں کھڑی کر دیں اور مستقل طور پر طے کر دیا گیا کہ ''محمدی اسلام'' کی عمر پوری ہوگئی اور شیخ مبارک وغیرہ نے یہ بات بادشاہ کے ذہن نشیں کر دی کہ ہمارے مذہب میں بھی بکثرت تحریفیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہیں رہا، لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے جو ہندو مسلم وغیرہ سب ادیان کا جامع ہو۔ (۳)

بہرحال آخر یہ طے کر لیا گیا کہ جدید ملت کی بنیاد رکھ دی جائے، ظاہر ہے کہ اکبر کی تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف دامانِ نبوت تک پہنچی تھی الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہنچا تھا اس کا دماغ میں ''الٰہ'' کا عقیدہ ابھی تک باقی تھا، اسی لئے اس نے اس جدید دین کا نام ''الٰہی مذہب'' رکھا۔ (۴)

عبادت میں بجائے توحید کے صریح شرک

اکبر نے ہر روز چار مرتبہ یعنی صبح، دوپہر، شام اور نصف شب کو آفتاب کی پرستش شروع کر دی اور آفتاب کے ایک ہزار ایک ہندی ناموں کا وظیفہ پڑھنے لگا، یہ وظیفہ دوپہر کے وقت حضورِ دل کے ساتھ پڑھتا تھا، اس وظیفے کے وقت اپنے دونوں کان پکڑ کر گھومتا اور کانوں کی لو پر (توبہ کے طور پر) مکے مارتا، اسی طرح کی اور بہت سی حرکتیں کرتا رہتا تھا، قشقہ لگاتا اور نوبت ونقارہ

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۷، ۵۰۸
۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۴۶
۳۔ ایضاً: ص ۵۰، ۵۱
۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۵۲

ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت اور ایک مرتبہ طلوع آفتاب کے وقت بجانے کا حکم دیا۔ مسجدیں اور خانقاہیں ہندوؤں کے فراش خانے اور چوکی خانے بن گئیں اور وہاں بجائے جماعت کے جماع ہونے لگا اور ''حی علی'' کی جگہ ''یلّلا تللّا'' ہونے لگی شہر میں جو قبرستان تھے ان کو مسمار کردینے کا حکم دیا گیا۔ (۱)

گاؤکشی کی ممانعت

بادشاہ بچپن ہی سے رند مشرب ہندوؤں سے تعلقِ خاطر وابستگی رکھتا تھا ان ہی کی صحبت میں گائے کی تعظیم اس کے ذہن نشین ہوگئی تھی اس لئے گائے کے ذبیحے کی بھی ممانعت کردی گئی، ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کی لڑکیاں حرمِ شاہی میں تھیں وہ بادشاہ کے مزاج پر حاوی تھیں، ان کے پاسِ خاطر سے اکبر گائے کا گوشت لہسن پیاز کھانے اور ڈاڑھی رکھنے سے احتراز کرتا تھا اور اپنی مجلس میں ہندوؤں کی رسومات کی پابندی کیا کرتا تھا، ان تمام باتوں کو ترک کردیا جن سے ہندوؤں کو کراہت ہوتی تھی۔ (۲)

کتے اور سور کی پاکی

احکام اسلام کی مخالفت میں سور اور کتے کو پاک قرار دے دیا گیا نہ صرف یہ بلکہ ان ناپاک جانوروں کو شاہی محل کے نیچے رکھا گیا اور بادشاہ ہر صبح ان کے دیدار کو عبادت سمجھتا تھا کیوں کہ ہندوؤں نے یہ ذہن نشین کرادیا تھا کہ سور ان دس مظاہرین میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے۔ کتے کے متعلق بعض عارفوں کا یہ قول سند تھا کہ کتے میں ایسی دس عمدہ صفتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک صفت کسی آدمی میں مل جائے تو وہ ولی بن جائے۔ دربار کے بعض مقرب اور ملک الشعراء فیضی تو اپنے دسترخوان پر کتوں کو ساتھ لے کر بیٹھا کرتا تھا اور عراق و ہندوستان کے بعض مردود شاعر اس کی پیروی کرتے تھے بلکہ بڑے فخر کے ساتھ کتوں کی زبان اپنے منہ میں لے کر پیار کرتے تھے۔ (۳)

شراب کی حلت

ایک حکم یہ دیا گیا کہ اگر جسمانی صحت اور بدن کی اصلاح کے لئے طبی طور پر شراب پی لی

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۹ ۲۔ ایضاً: ص ۴۹۸

۳۔ منتخب التواریخ: ص ۴۹۹

جائے اور اس کے پینے سے فتنہ وفساد پیدا نہ ہو تو وہ جائز ہوگی، اگر اتنی پی لی جائے جس سے حد سے زیادہ نشہ ہو جائے اور لوگ جمع ہو کر شور وغوغا مچائیں تو یہ منع ہوگی، اگر بادشاہ کو اس کی خبر ہو جاتی تھی تو سخت سزا دیتے تھے۔ حسب الحکم دربار کے دروازے پر شراب فروشی کی ایک دکان بھی قائم کی گئی تھی جس کی منتظم دربان کی عورت مقرر کی گئی تھی جو کسی شراب فروش کی بیٹی تھی، بادشاہ نے خود شراب کے نرخ مقرر کئے۔(۱) اس دکان سے ہر شخص علاج کے نام سے منشی کے پاس اپنا اور اپنے باپ دادا کا نام لکھوا کر شراب خرید سکتا تھا۔ لوگ فرضی نام لکھوا کر شراب مول لے جاتے تھے ان کی تحقیق کرنے والا کون تھا؟ اس طرح شاہی سرپرستی میں نشہ بازوں اور متوالوں کے لئے باقاعدہ سرکاری دکان کھل گئی، لوگوں کا بیان ہے کہ اس شراب میں سور کے گوشت کا عرق بھی شامل کیا جاتا تھا (واللہ اعلم) اس احتیاط وسختی کے باوجود لوگ پی پی کر وہاں شور وغوغا مچانے لگے اور ہر روز جھگڑا فساد ہونے لگا، سپاہی روزانہ بدمستوں کو پکڑ پکڑ کر سزائیں دیتے تھے لیکن ان کی مستی اتارے نہیں اترتی تھی، بادشاہ اس دکان کو بند بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور ان ہنگاموں سے عاجز بھی تھا۔(۲)

غسل جنابت کی تحریم

اس نئے دین کی شریعت میں ناپاکی کے غسل کی فرضیت بھی کلی طور پر منسوخ کر دی گئی اور کہا کہ پیشاب اور پاخانے کے اخراج پر تو غسل واجب نہیں ہوتا اس پاکیزہ لطیف مادے کے اخراج پر جو کہ نیک اور پاک لوگوں کی آفرینش کا تخم ہے غسل کو واجب کر دینا عجیب بات ہے بلکہ مناسب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے غسل کریں اس کے بعد جماع کریں۔(۳)

قانونِ نکاح۔

چچا، ماموں اور دیگر قریبی رشتہ داروں کی لڑکیوں سے نکاح حرام کر دیا گیا کیوں کہ ان لڑکیوں کی طرف مرد کی رغبت کمزور رہتی ہے۔ نکاح کے لئے عمر مقرر کی گئی مرد کے لئے سولہ سال کی عمر سے اور عورتوں کے لئے چودہ سال کی عمر سے پہلے نکاح روا نہیں، کیوں کہ چھوٹی عمر کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے۔(۴) (گویا سارڈا ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانے میں ہو گیا تھا) نکاح ہی کے سلسلے میں

۱۔ گویا ہندوستان میں ''محکمۂ آبکاری'' کی یہ پہلی بنیاد تھی۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۷۱
۲۔ ایضاً: ص ۲۹۷
۳۔ منتخب التواریخ: ص ۲۹۹
۴۔ منتخب التواریخ: ص ۲۹۹، ۵۱۸

ایک قانون یہ بھی تھا کہ ایک سے زیادہ نکاح نہ کریں بجز اس کے کہ عورت بانجھ نکلے گویا تعداد ازواج کا قصہ اسی وقت اٹھ چکا تھا۔ دلیل میں کہا جاتا کہ ''خدا یکے وزن یکے'' یعنی خدا بھی ایک ہے اور عورت بھی ایک ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ آئسہ عورت (جس کے ایام بند ہوں) نکاح نہیں کر سکتی۔(۱)

اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو مرد اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا حکم چوں کہ یہ تھا کہ جب تک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ نہ کرالیا جائے اور عمر کا صداقت نامہ حاصل نہ کرلیا جائے ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بہانے عہدہ داروں کو کمانے کا خوب موقع ملا خصوصاً کوتوال اور خانوے کلال کے آدمیوں اوران کے دوسرے مددگاروں، ماتحتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں اس قانون سے جو نفع پہنچا اس کا اندازہ حدِ وہم وخیال سے باہر ہے۔(۲) حکم دیا کہ جو نوجوان عورت شہر کی گلیوں اور بازاروں میں بے پردہ گھومتی نظر آئے یا ایسی مکار عورت جو شوہر سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہو فاحشہ عورتوں کے محلے میں بھجوادی جائے۔(۳)

زنا کی تنظیم اور قحبہ خانہ شیطان پورہ کی آبادکاری

شروع زمانے میں اکبر نے علماء سے ایک دفعہ یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ کتنی آزاد عورتیں نکاح میں رکھنا درست ہے، علما نے کہا بیک وقت چار سے زائد آزاد عورتوں کو نکاح میں رکھنا منع ہے۔ اکبر نے کہا ہم تو جوانی میں اس کے پابند نہیں رہے جتنی عورتوں کو چاہتے تھے نکاح میں لے لیتے تھے خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام، اب اس کی تلافی کیسے ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف لوگوں نے مختلف باتیں بنائیں اور اکبر کے کانوں تک یہ بات پہنچائی کہ بعض مجتہدین نو اور بعض اس سے بھی زیادہ بیویوں کے قائل ہیں، آخر یہ فتویٰ دیدیا کہ متعہ کے طریقے پر جتنی عورتیں چاہے نکاح میں رکھنا مباح ہے، اس مسئلے پر کافی بڑی بڑی بحثیں اٹھیں جن کا قصہ طویل ہے۔ بادشاہ نے کہا ہم اس مسئلے میں قاضی حسین عرب مالکی کو قاضی بناتے ہیں اور قاضی یعقوب کو آج سے معزول کرتے ہیں، اسی وقت قاضی حسین کو وکیل بنایا گیا اور اس نے متعہ کا جواز کا حکم دیدیا۔ اسی روز سے تمام بوڑھے عالموں صدر سے لے کر مخدوم الملک اور قاضی وغیرہ کا زوال ہوگیا۔(۴)

بعضوں نے اکبر کے الحاد کا نقطۂ آغاز اسی مسئلے کو قرار دیا ہے لیکن یہ باتیں اس وقت کی ہیں

۱۔ ایضاً: ص ۵۲۸

۲۔ منتخب التواریخ: ص ۵۵۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۲۷،۴۷

۳۔ منتخب التواریخ: ص ۵۵۱ ۴۔ منتخب التواریخ: ص ۴۳۸، ۴۳۹ ملخصاً

جب تک کہ مولویوں کو ''فقیہ کور'' کا خطاب نہ ملا تھا۔ دینِ الٰہی کی تدوین کے بعد تو ایک سے زائد بیویوں تک کی حرمت کا قانون بن گیا تھا، البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی۔ ایک طرف تو یہ حال تھا اور دوسری طرف بغیر نکاح ومتعہ کے بھی اس فعل کی اجازت ہوگئی تھی گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا، صرف اس کو منظم کرنے کے لئے ایک دستور بنادیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں: ''اس زمانہ میں پایۂ تخت فتح پور میں سارے ملک سے کھینچ کھینچ کر بہت سی طوائفیں اور فاحشہ عورتیں جمع ہوگئیں ان کی تعداد حساب وشمار سے باہر تھی۔ حکمِ شاہی سے ان عورتوں کو شہر سے باہر بسایا گیا اور ان کی بستی کا نام ''شیطان پورہ'' رکھا گیا اور وہاں بھی محافظ وداروغہ ومنشی مقرر کیے گئے تاکہ جو شخص بھی ان عورتوں کے ساتھ صحبت رکھے یا اپنے گھر لے جائے تو پہلے وہ اپنا نام ونسب رجسٹر میں درج کرائے اس کے بعد ان ملازموں کے اتفاق سے جماع وغیرہ جو کچھ چاہے کرے۔ اس دفتری اندراج کے بغیر کوئی شخص کسی عورت کو رات کے وقت اپنے گھر نہیں لے جاسکتا تھا (اس سے زیادہ اہم قانون کا یہ حصہ تھا کہ) ان میں سے کنواری لڑکیوں کے ساتھ پہلی شب باشی کی اجازت صرف نامی گرامی امراہی کو حاصل تھی وہ بھی داروغہ باقاعدہ بادشاہ کی خدمت میں عرض کرکے بارگاہِ شاہی سے اجازت حاصل کرے ورنہ نہیں۔ بدمعاشوں نے یہاں بھی فرضی ناموں سے اپنا دھندا بے روک ٹوک شروع کردیا، لوگ بدمست ہوکر جھگڑے فساد کرنے لگے اور عورتوں کی خاطر ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ قصاص میں پکڑے جاتے اور سزا بھی پاتے تھے لیکن ان کی جگہ دوسرے لوگ بڑے فخر ومباہات کے ساتھ یہ جرائم کرنے کے لئے آجاتے (بادشاہ کو اس مسئلے سے اتنی دل چسپی تھی کہ) ان فاحشہ عورتوں میں سے جو مشہور اور نامی گرامی تھیں بادشاہ نے ان کو پوشیدہ طور پر اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا کہ سب سے پہلے کس شخص نے ان کا کنوار پن توڑا ہے، ان عورتوں نے جن امرا کے نام لئے ان کو سخت سزائیں دیں اور کافی عرصے کے لئے قید بھیج دیا، ان ہی میں سے ایک نے راجہ بیربر کا بھی نام لیا جو کہ ''مراتب چہارگانہ'' میں سب کا پیشرو اور مخلص مرید تھا۔ بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے اپنی بیٹیوں تک کو نہیں چھوڑا ہے، وہ اس زمانے میں اپنی جاگیر کورہ میں گیا ہوا تھا جب اس کو افشائے راز کی خبر ملی تو اس نے جوگی بن جانے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر بادشاہ نے عنایت آمیز فرمان لکھ کر اس کو دربار میں بلالیا۔ (۱)

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۹۷

سود اور جوئے کی حلت

سود اور جوا حلال کر دیا گیا۔ دوسری حرام چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے، اکبر نے دربار میں ایک جوا خانہ (قمار خانہ) بھی بنوایا، جواریوں کو شاہی خزانے سے سود پر قرض دیا جاتا تھا اس طرح بادشاہ کی دولت میں اضافے کی ایک صورت نکل آئی۔ (۱)

مسلمان شدہ ہندوؤں کو ہندو بننے اور اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی آزادی

وہ ہندو جو بچپن میں یا بہ جبر مسلمان بنالئے گئے ہوں انہیں اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو دوبارہ اپنے آبائی مذہب کو اختیار کر لیں، تبدیلِ مذہب پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے، جو شخص جس مذہب کو چاہے اختیار کر سکتا ہے، اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں کا مذہب اختیار کر لے تو اس عورت کو جبراً وقہراً (زبردستی سے) پکڑ کر اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے۔ بت خانہ وگرجا وآتش کدہ کسی بھی عبادت گاہ کی تعمیر میں کافروں پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے۔ (۲)

بھوک واضطرار میں اپنے بچوں کو بیچنے کی اجازت

بھوک اور اضطرار کی حالت میں ماں باپ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے بچوں کو فروخت کر دیں اور جب ان کی تنگی رفع ہو جائے وہ روپیہ دے کر اپنے بچوں کو چھڑا لیں۔ (۳)

اکبر کے نزدیک ہندوؤں کی مذہبی کتابیں صحیح اور نصِ قاطع ہیں

اکبر کو خیال آیا کہ اب ہندی کتابوں کو جو کہ مرتاض عبادت گزار دانشمندوں کی تصنیف میں اور وہ سب صحیح اور نصِ قاطع ہیں اور اس گروہ (ہندوؤں) کے دین اور اعتقادات وعبادات کا سارا دارومدار ان ہی کتابوں پر ہے میں کیوں نہ ان کو ہندی سے فارسی زبان میں ترجمہ کرا کر اپنے نام سے منسوب کروں۔ یہ کتابیں اس وقت تک فارسی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھیں اس لئے غیر مکرر اور تازہ معلومات والی ہوں گی اور یہ سب دنیوی ودینی سعادتوں کا موجب لازوال شان وشوکت اور کثرتِ اولاد واموال کا باعث ہوں گی (اس کے بعد ایک دفتر قائم کر دیا گیا علما مقرر ہوئے جو ان کتابوں کی اشاعت دائرہ وسیع کرنے کے لئے فارسی زبان میں ان کو منتقل کرنے لگے) اکبر نے

۱۔ ایضاً: ص ۵۱۸ ۲۔ ایضاً: ص ۵۵۲

۳۔ ایضاً: ص ۵۵۱

خود بھی ذاتی طور پر وقت دینے کا فیصلہ کیا اہلِ علم ہندوؤں کو جمع کر کے حکم دیا کہ وہ مہابھارت کی تعبیر وترجمانی کریں اور چند راتوں تک خود اس کے مضامین سمجھ کر فارسی میں لکھواتا رہا پھر دوسروں کے حوالے کر دیا۔(۱)

جزیہ کی منسوخی

اسی سال بادشاہ نے تمغا اور جزیے کا قانون منسوخ کر دیا جس کے ذریعے کروڑہا روپے کی آمدنی ہوتی تھی۔ اور اس کے لئے تاکیدا فرامین صادر کیے گئے۔(۲)

پردے کی ممانعت

حکم دیا کہ ہر جوان عورت جو کوچہ و بازار میں گھومتی پھر رہی ہو وہ اس حالت میں یا تو پردہ نہ کرے یا چہرہ کھلا رکھے۔(۳)

عزت و ناموس کی بربادی کے لئے نوروزی کی دکانوں کو کبھی کبھی مردوں سے خالی کرا دیا جاتا (یعنی مینا بازار بنا دیا جاتا) اور بیگماتِ اہلِ حرم اور خاص و عام پردہ نشیں عورتوں کو سیر وتفریح کے لئے بلایا جاتا تھا۔ اس میلہ میں بادشاہ لوگوں کو روپیہ پیسہ انعام دیتا تھا، باہر سے آنے والی عورتوں کے قضیے بھی طے کیے جاتے تھے اور لڑکوں لڑکیوں کے نکاح بھی کرائے جاتے تھے۔ بادشاہ نے نکاح کی قید کو بھی ختم کرا دینے کی کوشش کی لیکن ہندو اس کے لئے راضی نہیں تھے اس لئے کچھ نہ کر سکا۔ اس زمانے میں ہندوؤں کا بڑا زور تھا آدھا ملک ان کے قبضے میں تھا وہ فوج میں بھی پچاس فیصد تھے۔ مغل اور ہندوستانی امراء سے وہ کہیں زیادہ مقتدر اور با اختیار تھے اس لئے نکاح کے معاملہ میں اکبر کی کچھ پیش نہ گئی، رہ گئیں دوسری قومیں تو ان کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی ان میں نہ غیرت تھی نہ اتفاق اس لئے بادشاہ نے ان کو جس طرح چاہا نچایا۔(۴)

معلوم ہوتا ہے کہ شاید قانوناً پردہ بھی اٹھا دیا گیا تھا، ہو گیا وہ ساری روشن خیالیاں اور جدت طرازیاں جن پر ''عہدِ جدید'' کو ناز ہے نہایت افسوس ناک سانحہ ہے کہ تقریباً ان میں اکثر روشنی جدید نہیں بلکہ قدیم ہے کاش اس کو کہنگی و قدامت ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بن جائے (۵)

۱۔منتخب التواریخ: ص ۵۰۸ ۲۔ایضاً: ص ۴۸۱

۱۳۔تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۴۷ بحوالہ منتخب التواریخ: ص ۲۹۱

۴۔منتخب التواریخ: ص ۵۱۸، ۵۱۹ ۵۔تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۴۷

ڈاڑھی منڈانے کا جواز

شراب کی حلت کے بعد دینِ الٰہی میں جس چیز پر زیادہ زور دیا جاتا تھا وہ ریش تراشی کا مسئلہ تھا ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے تھے بادشاہ ان کو زیادہ پسند کرتا تھا اس وجہ سے ڈاڑھی منڈانے کا عام رواج ہوگیا اور ڈاڑھی منڈانے کے متعلق بڑی عجیب وغریب دلیلیں پیدا کی گئیں۔(۱) دربارِ اکبری کے بڑے بڑے فضلا وعلما روزمرہ اپنی اپنی ڈاڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔(۲)

اکبر کے مرید شجرہ کی بجائے اس کی تصویر رکھتے تھے

جو لوگ اکبر کی مریدی اختیار کر کے نئے دین میں داخل ہوتے تھے اکبر ان کو شجرے کی بجائے اپنی تصویر اخلاص اور رشد وہدایت کی علامت کے طور پر عطا کرتا تھا۔(۳)

سونے اور ریشم کا جواز اور دیگر حلال وحرام کا اجرا

سونا اور ریشم پہننا فرضِ عین قرار دیا گیا، شیر اور جنگلی سور کا گوشت اس بنا پر حلال کر دیا کہ اس سے آدمی میں بہادری کی صفت پیدا ہوتی ہے۔(۴)

میت کے لئے ضابطہ

میتوں کے مال پر ایک داروغہ مقرر کرنے کا حکم دیا تاکہ تحقیقات کے بعد اگر اس کے ذمے کچھ سرکاری بقایا ہو یا مرنے والا کروڑی عمل دار ہو تو اس کا مال ضبط کر لیا جائے ورنہ اس کا مال اس کے وارثوں کو دے دیا جائے جب تک بیت المال کے داروغے سے اجازت نہ مل جائے میتوں کو دفن نہ کیا جائے، آفتاب کی تعظیم کے قبرستان کا دروازہ شہر کے مشرقی جانب رکھا جائے اگر کوئی ''درشنی مرید'' (یعنی دینِ الٰہی کا پیرو) مر جائے تو خواہ مرد ہو یا عورت کچھ کچا اناج اور چند پکی اینٹیں اس کی گردن میں باندھ کر اس کو دریا کے پانی میں بہادیں اور جہاں پانی نہ ہو وہاں اس کی میت جلادی جائے یا جنیوں کی طرح اس مردہ کو کسی درخت پر باندھ دیا جائے۔(۵)

شاید ڈبونے یا جلانے یا درخت پر لٹکانے کا حکم بعد میں ہوا ہو ورنہ پہلے جو حکم تھا اس میں دفن

۱۔منتخب التواریخ:ص ۴۹۸ ۲۔تذکرہ:ص ۶۷
۳۔منتخب التواریخ:ص ۵۱۸ ۴۔منتخب التواریخ:ص ۴۹۹
۵۔منتخب التواریخ:ص ۵۵۱

کرنے کی مخالفت نہیں کی گئی تھی البتہ یہ ترمیم کی گئی تھی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ''مردے کا سر مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب رکھ کر اس کو دفن کیا جائے۔(۱)

سلطان خواجہ جو کہ اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا جب مرا تو اکبر نے مذکورہ بالا سمت میں دفن کرانے کے علاوہ اس کی قبر میں شرقی جانب سورج کے سامنے جالی دار ایک کھڑکی لگوائی تھی تا کہ ہر صبح کو سورج کی روشنی اس کے چہرے پر پڑتی رہے کیوں کہ (اس کے نزدیک) سورج گناہوں کو پاک کرنے والا ہے، کہتے ہیں کہ اس کے منہ کو آگ سے جھلسایا بھی گیا تھا۔(۲)

یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرونِ ہند سے توڑ لیا گیا تھا اور ٹھیک جس سمت ہندوستان سے کعبہ ہے مردہ کی ٹانگ اسی جانب رکھی جاتی تھی اور ضد کی یہ حد تھی کہ ''سوتے وقت بادشاہ اسی ہیئت سے سوتا تھا'' (یعنی ٹھیک جانبِ قبلہ پاؤں کرتا تھا) کہاں تک لکھا جائے اس نے تو ابتدائے زندگی سے آخر زندگی تک کے سارے قوانین کو الٹ پلٹ کر دیا تھا، یہ تھا اس دین کا ایک اجمالی نقشہ جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جز کو ان لوگوں کی عقل نہ رد کرتی تھی نہ اس میں خرابی نظر آتی تھی، کیوں کہ اسلام کے ساتھ جہاں ان کا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور ان کے رسومِ کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت یہ نہ تھی۔ یہی عقلی بادشاہ تھا جو اپنے ہاتھ میں راکھی باندھتا تھا شیوراتری میں رات بھر جوگیوں کے ساتھ جاتا تھا لیکن اسلام کا کوئی جز قابلِ انتخاب و پسندیدگی نہ تھا۔ ایک طرف حرام جانوروں شیر اور بھیڑیے کے گوشت کی حلت کا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف حلال جانوروں گائے بھینس بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ کا گوشت حرام قرار دے دیا تھا، اور اسی کے ساتھ یہ بھی ایک قانون تھا کہ ''جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ ذبح کرنے کا ہے تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اگر اس کی بیوی اس کے ساتھ کھائے تو کھانے کی انگلیاں اس کی بھی تراش لی جائیں'' جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ہندوستان سے ''لحمی غذا'' کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا اور اس ہندی قومیت کی تعمیر میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ ضرور تھا جو اگر کچھ نہیں پشتینی مسلمان ضرور تھا اور وہ مسلمان ماں باپ سے پیدا ہوا تھا۔(۳)

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۷۶ ۲۔ منتخب: ص ۵۲۰۔ تذکرہ: ص ۷۶

۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۷۶ تا ۷۸

تثلیث پرستی

ہندوؤں کی رسومات کے علاوہ نصاریٰ کی ناقوس نوازی بھی ہونے لگی اوران کے تین خداؤں کی تصویروں کی زیارت بھی کی جانے لگی، طرح طرح کے لہوولعب شروع ہو گئے۔(۱)

جشنِ نوروز کی محفلیں

شاہ کوشراب کے مسئلے میں جس قدر غلو تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ''جشن نوروز کی مجلسوں میں اکثر علما وصلحا بلکہ قاضی اور مفتی تک شراب نوشی کی وادی میں اتارے جاتے تھے نئے دین کے مجتہد، خاص طور پر ملک الشعرا فیضی تو یہ کہہ کر پیتے کہ ''ہم یہ پیالہ فقیہوں اور عالموں کی اندھی تقلید کے نام پر پیتے ہیں''۔(۲)

مجلسِ چہل گانہ

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی شبانہ محفلوں میں چہل تن کے عدد کے مطابق چالیس مقربین شرکت کیا کریں، ان چالیس عقل مندوں میں سے ہر شخص کو جو کچھ جانتا ہے کہےاور جو کچھ چاہے پوچھا کرے اورسوال و جواب کا سلسلہ جاری رہتا۔ اگر کوئی شخص کسی علمی (مراد دینی) مسئلے کے متعلق سوال اٹھاتا تو اس سے کہا جاتا کہ ایسی باتیں ملاؤں سے پوچھی جائیں اور جو مسائل عقل و حکمت پر مبنی ہوں وہ ہمارے سامنے لائے جائیں۔ ان محفلوں میں جب سیرت کی کتابیں پڑھی جاتیں تو بادشاہ اور یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں ایسی ایسی بے ادبانہ باتیں کرتے خاص طور پر خلفائے ثلثہ کی خلافت، قضیۂ فدک اور جنگِ صفین وغیرہ کے سلسلے میں ان کی زبانیں اس بے باکی سے چلتی تھیں کہ کان ان کے سننے سے بہرے ہو جائیں، اوران کو زبان پر نہیں لایا جاسکتا۔ شیعوں کو بڑا غلبہ اور اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور سنی عاجز و مغلوب ہو گئے تھے جتنے خدا کے نیک بندے تھے وہ خوف زدہ رہنے لگے تھے اور شر پسند عناصر کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا تھا، ہر روز کوئی نہ کوئی نیا حکم، ایک نہ ایک نئی ممانعت نکلتی طرح طرح کے اشکال واوہام سامنے لائے جاتے، بادشاہ اوراس کے حواری اپنے معتقدات ونظریات کے حق ہونے کے لئے کوئی دلیل اور ثبوت تو کیا لاتے صرف دوسروں کی نفی اور تردید کرتے اور اپنی بات منوانے کی فکر

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۹۸ ۲۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۱، ۵۰۲۔ تذکرہ: ص ۷۱

میں رہتے تھے، بے دینوں کی بن آئی تھی، اچھے لوگ مردود ہو گئے تھے اور مردود مقبول بن گئے تھے، جو نزدیک تھے انہیں دھتکار دیا گیا تھا اور جو دور تھے ان کو قریب کر لیا گیا تھا، دربار کے اس رنگ کو دیکھ کر ساری ملک میں شور وغوغا مچا اور بادشاہ کی ان حرکتوں پر لوگ اللہ اکبر کہہ کر کان پکڑنے لگے۔ ملا شیری نے اس پُر آشوب زمانے میں ایک قطعہ کہا، اس کا شعر یہ ہے:

بادشہ امسال دعوائے نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن (۱)

مسائلِ دینی کا تمسخر

غرض اکبر نے ارکانِ دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدے کے متعلق خواہ وہ اصول سے متعلق ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، کلام، روٴیتِ باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر ونشر کے متعلق تمسخر واستہزاء کے ساتھ طرح طرح کی شبہات وارد کئے۔ اگر کوئی شخص جواب دینے یا تنقید کرنے پر آمادہ ہوتا تھا تو اس کو جواب دینے سے روک دیا جاتا تھا اور کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا، بحث میں تو دونوں فریق کے مساوی ہونے کی شرط لازمی ہے اور یہاں ذرے اور آفتاب کا معاملہ، کون کس سے بحث کرتا اور بحث کا کس کو یارا تھا چناں چہ اس مباحثے کی قربان گاہ پر کتنے ہی خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ مباحثہ نہیں بلکہ "مکابرہ" ہوتا تھا جس میں دین فروش علما خوشامد کے لئے طرح طرح کے متروکات ومشتبہات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بہ طور تحفہ پیش کرتے تھے۔ (۲)

یہی نہیں کہ صرف بادشاہ ہی شک میں مبتلا ہو گیا تھا بلکہ اہلِ دربار سے بھی ان مسائل میں بحث کرتا اور سب کو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا (۳)

اذان اور نماز کی موقوفی

محل میں پہلے پانچ وقت جماعت کے ساتھ نماز بھی ہوتی تھی اور اذان بھی دی جاتی تھی لیکن اِن دنوں سب کچھ موقوف کر دی گئی۔ (۴)

معراجِ نبوی سے انکار

ایک رات اکبر نے شاہ فتح اللہ کی موجودگی میں بیربر سے کہا کہ اس بات کو عقل کس طرح

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۱
۲۔ ایضاً: ص ۵۰۰
۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۸
۴۔ منتخب التواریخ: ص ۵۰۵

مان سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے جسمانی بوجھ کو لئے پلک جھپکنے میں نیند سے بیدار ہو کر آسمان پر جائے اور اللہ تعالیٰ سے نوے ہزار باتیں کر کے اتنی جلدی لوٹ آئے کہ اس کا بستر واپسی تک گرم ہی رہے اور لوگ بھی اس دعویٰ کی تصدیق کرنے لگ جائیں، اسی طرح شق القمر اور دوسرے معجزے بھی عقل کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اکبر نے اپنا پاؤں اٹھا کر سب کو دکھایا اور کہا دوسرا پاؤں نکائے بغیر آخر ہمارا کھڑا رہنا کس طرح ممکن ہے، آخر لوگوں نے یہ کیا قصے بنا رکھے ہیں۔ بیر بر بد بخت اور دوسرے گمراہوں نے بادشاہ کی خوب ہاں میں ہاں ملائی اور بڑا سراہا، اکبر رہ رہ کر شاہ فتح اللہ کو دیکھتا جاتا تھا اس ساری گفتگو کی غرض بھی یہ تھی کہ وہ نیا آیا ہوا ہے اس کے خیالات معلوم کریں لیکن وہ بندۂ خدا سر جھکائے کھڑا رہا کچھ نہیں بولا۔(۱) گویا خلاف عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اٹھی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔(۲)

عربی زبان کی مخالفت

عربی پڑھنا اور عربی جاننا عیب ہو گیا، فقہ، حدیث اور تفسیر اور ان کے پڑھنے والے مطعون ومردود ٹھہرائے گئے۔ نجوم، حکمت، طب، ریاضی، شعر، تاریخ وافسانے کی تحصیل فرض ہوگئی بادشاہ نے عربی زبان کے خاص حروف جیسے ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ، کو بول چال سے نکال دیا، چناں چہ اگر کوئی شخص عبد اللہ کو بگاڑ کر ابداللہ، احدی کو اہدی کہتا تو بادشاہ بہت خوش ہوتا۔(۳)

علومِ عربیہ پر پابندی

حکم نافذ ہوا کہ لوگ علومِ عربیہ کا پڑھنا ترک کر دیں اور علومِ نادرہ یعنی نجوم، حساب، طب اور فلسفے کے علاوہ کچھ نہ پڑھا جائے۔(۴)

آں حضرت ﷺ کے اسمائے مبارکہ سے نفرت

بیرونی کافروں اور حرم کی کافر زادیوں (وہ کافر عورتیں جن سے اکبر نے شادی کی تھی) کی خاطر اکبر کو اب تو احمد، محمد اور مصطفیٰ جیسے نام بھی گراں گزرتے تھے آخر کچھ دن کے بعد اس نے اپنے چند خاص لوگوں کے نام بدل دیئے مثلاً یار محمد و محمد خان کو وہ رحمت خان ہی کے نام سے پکارتا اور لکھتا تھا، بے دینی کی یہ آگ آگرہ سے اٹھی اور اس نے چھوٹے بڑے ہر ایک کو جلا کر راکھ کر دیا

۱۔ ایضاً: ص ۵۰۶ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۹

۳۔ منتخب: ص ۵۰۰ ۴۔ ایضاً: ص ۵۳۲

آخر اس کی لپٹوں سے آگ لگانے والے فسادی بھی نہ بچ سکے۔(۱)

دینی شعائر کی ہجو

دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گائے جاتے تھے جن میں کے بعض اشعار ملا صاحب نے بھی نقل کئے ہیں۔

مذہبی شعائر کا نام ''تقلیدیات'' رکھا

بے دینی کے ساری اسباب جمع ہوگئے تو اکبر نماز روزہ اور دوسرے مسائل سے منحرف ہوگیا اور ان کا نام ''تقلیدیات'' رکھ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ ساری باتیں غیر معقول ہیں، پھر دین کو ''نقل'' کی بجائے ''عقل'' پر منحصر سمجھ لیا، اسی زمانہ میں فرنگیوں کی آمد ورفت ہونے لگی بادشاہ نے ان کے بعض عقلی اعتقادات کو بھی قبول کرلیا۔(۲)

ختنے کا ضابطہ

حکم دیا کہ بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کو ختنہ نہ کرایا جائے، بارہ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا خواہ کرائے یا نہ کرائے۔(۳) ظاہر ہے کہ بارہ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوسکتا تھا خصوصاً جبکہ سلطنت کی جانب سے اس کی ہمت شکنی بھی ہوتی ہو گویا (ہندوؤں کی خاطر) سنتِ ختنہ کو مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی۔(۴)

بعض دیگر احکامات

حکم دیا کہ جب بادشاہی مرید ایک دوسرے سے ملیں تو سلام کی بجائے ایک ''اللہ اکبر'' کہے اور دوسرا ''جل جلالہٗ'' کہہ کر جواب دے، کم حیثیت لوگوں کو شہروں میں تحصیل علم سے روکنے کا حکم بھی نافذ ہوا کیوں کہ بادشاہ کے خیال میں یہی لوگ پڑھ لکھ کر فتنہ وفساد مچایا کرتے ہیں، ایک نیا ضابطہ بنا کر ہندوؤں کے معاملات کا فیصلہ مسلمانوں کا قاضی نہیں کرے گا بلکہ وہ اس غرض کے لئے کسی دانا برہمن کے پاس رجوع کریں گے ایک اور حکم دیا کہ مردہ کو دفناتے وقت اس کا سر مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی طرف رکھے جائیں، سونے کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔(۵)

۱۔منتخب التواریخ: ص ۵۰۵ ۲۔منتخب التواریخ: ص ۴۴۰

۳۔ایضاً ص وتذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۷۵ ۴۔تذکرہ: ص ۷۵

۵۔منتخب: ص ۵۲۸ ملخصاً

اخلاص کے چار درجے

ان دنوں بادشاہ کے ساتھ اخلاص کے چار درجے قرار دیئے گئے تھے ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس، ترکِ دین، جو شخص ان چاروں مدارج کو طے کر لیتا اس کا چہارگانہ اعزاز ہوتا اور جو کسی ایک درجہ تک پہنچتا اس کا اعزاز اسی مناسبت سے متعین ہوتا، ویسے سب کے سب بادشاہ کے مرید سمجھے جاتے۔(۱)

دینِ الٰہی کے اقرار نامے

دس بارہ سال کے اندر اندر یہ صورت ہوگئی کہ اکثر گمراہ جیسے مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ اور دوسرے مرتد امراء نے اپنے ہاتھ سے اقرار نامے لکھے کہ ''میں فلاں بن فلاں اپنی خواہش اور مرضی سے مجازی اور تقلیدی دینِ اسلام سے جسے میں اپنے باپ دادا سے دیکھتا اور سنتا چلا آیا ہوں انکار کرتا ہوں اور اب میں دینِ الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوگیا ہوں اور اخلاص کے مراتب چہارگانہ یعنی ترکِ مال وترکِ جان وترکِ ناموس وترکِ دین کو قبول کرتا ہوں۔'' یہ اقرار نامے اس نئے دین کے مجتہدین کے سپرد کر دیئے جاتے تھے اور بادشاہ اقرار کرنے والوں کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کیا کرتا تھا۔(۲)

اکبر پر ایک کیفیت کا ظہور

بادشاہ نے پٹن میں حضرت گنج شکر (قدس سرہ) کے مزار پر حاضری دی اور نندنہ (پنجاب) کے نواح میں ہانکے کے شکار کا ارادہ کیا چار دن تک برابر جانوروں کو ہانکا گیا جس وقت دونوں طرف سے ہانکے کے جانور شکار گاہ میں آکر جمع ہوگئے اور بادشاہ شکار کے لئے چلے تو اچانک بادشاہ پر ایک درخت کے نیچے ایک عجیب غیر معمولی حالت طاری ہوگئی اور ایک عظیم جذبہ وارد ہوا اور اس کی ظاہری حالت کچھ اس طرح متغیر ہوگئی کہ اس کی تعبیر کسی طرح ممکن نہیں، لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنے لگے، اس وقت بادشاہ نے شکار بند کرنے کا حکم دے دیا، جس درخت کی نیچے یہ کیفیت وارد ہوئی تھی بادشاہ نے وہاں فقیروں اور مسکینوں کو دل کھول کر بہت سا روپیہ وخیرات دیا اور وہاں ایک عمدہ عمارت اور وسیع باغ کی بنیاد رکھنے کا حکم دیا، سر کے بال

۱۔ ایضاً ص ۴۹۰ ۲۔ منتخب: ص ۴۹۸، ۴۹۹

ترشوائے، بہت سے مصاحبین اس کیفیت وحالت کی بڑھ چڑھ کر تصدیق وتائید کرنے لگے۔ جب یہ خبر مشرقی ہندوستان میں پھیلی تو لوگوں میں طرح طرح کے عجیب وغریب گپیں اور افواہیں پھیل گئیں اور رعایا میں بڑی ہلچل سی پیدا ہوگئی لیکن کچھ ہی عرصے بعد حالات اعتدال پر آ گئے۔(۱)

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں ''کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ''گیا'' کے ہولی ٹری (Hoy Tree) کی نقل نہ تھی، کیا اکبر کو پیپل کے اس درخت کی خبر نہ تھی جس کے نیچے ہندوستان کے مشہور بانی مذہب ''بدھا'' کے ساتھ کچھ اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا؟ لیکن باوجود ''عمارتِ عالی'' اور ''باغِ وسیع'' بنانے کے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بہ ہر حال جہاں تک میری محدود معلومات کا تعلق ہے اکبر نے نبوت کا صریح اور صاف دعویٰ کبھی نہیں کیا جس کی شہادت ملا صاحب بھی دیتے ہیں۔(۲)

ہوسکتا ہے اکبر نے ہندوؤں کو باور کرانے کے لئے کہ وہ خدا کا اوتار ہے یہ سوانگ رچایا ہو اور اس طرح اس ظہور کو اپنی طرف منسوب کیا ہو جس کے یہود وعیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ ظہور کے اور مسلمان ان کے آسمان سے نزول اور امام مہدی کے ظہور کے اور ہندو کنہیا جی کے دوبارہ اوتار ہونے کے منتظر ہیں۔(۳)

اکبر پرمیشور کا اوتار

مکار اور چالاک برہمنوں نے خود اکبر کے ایک ہزار ایک نام ترتیب دے کر کہا کہ رام اور کرشن کی طرح آپ بھی ایک اوتار ہیں اور پرمیشور نے آپ کی صورت میں حلول کیا ہے، اکبر نے یہ بھی باور کرلیا۔ پنڈت ہندوستان کے قدیم علما کے ہندی دوہے نقل کر کے پیش کرتے رہتے تھے، ان کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ ہندوستان میں ایک بڑا بادشاہ ہوگا جو برہمنوں کا محافظ ہوگا۔ گائے کی حفاظت کرے گا اور ساری دنیا پر عدل وانصاف سے حکومت کرے گا، یہ ساری خرافات پرانے کاغذوں پر لکھ لکھ کر پیش کی جاتی تھیں اکبر ان تمام باتوں پر اعتقاد لے آتا تھا۔ مختلف فرقوں میں جن سے سچے اعتقاد کا اکبر کو یقین ہو جاتا تھا ان کو وہ ''احدی'' کہا کرتا تھا اور یہ گمان تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو وقت پڑنے پر آگ اور خون کے سمندر میں بے جھجک کود پڑیں گے۔(۴)

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۶۴ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۵۴،۵۳

۳۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۱۹۶ ملخصاً ۴۔ منتخب التواریخ: ص ۵۱۲

مہابلی اکبر کے درشن

بادشاہ نے اپنے مسلک کا نام ''توحید الٰہی'' رکھا اور اپنے خاص گروہ کے مریدوں کو جوگیوں کی اصطلاح میں ''چیلہ'' کا نام دیا۔ عام لوگ جن میں زیادہ تر رذیل اور مکار شامل تھے چوں کہ بارگاہِ شاہی میں نہیں جاسکتے تھے اس لئے ہر روز صبح کو سورج پوجا کے وقت جھروکے کے سامنے جا کر کھڑے ہوجاتے تھے اور جب تک بادشاہ کا دیدار نہیں کر لیتے تھے ان پر مسواک اور کھانا پینا حرام رہتا، رفتہ رفتہ بادشاہ کے تقدس کا یہ رنگ جما کہ ہر رات ہندو مسلمان عورتیں اور مرد تندرست اور بیمار اپنی اپنی حاجتیں پوری کرانے نیاز مندانہ حضور میں حاضر ہوتے تھے اس وقت ہر ایک کو حاضری کی عام اجازت ہوتی تھی، لوگوں کا بہت بڑا ہجوم جمع ہوجاتا تھا اور جیسے ہی بادشاہ آفتاب کے ایک ہزار نام کا ورد کر کے پردہ کے پیچھے سے نمودار ہوتا یہ لوگ سجدے میں گر پڑتے۔(۱)

علما وائمہ کی بدحالی اور مدارس ومساجد کی ویرانی

قاضی علی بغدادی کو شیخ عبدالنبی کی جگہ مدِ معاش اور اراضیات کی تحقیق وضبطی کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہزاری، پانصدی اور صدی مرتبہ رکھنے والے ائمہ کو بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کرتا تھا ان کی اکثر زمینیں ضبط کر لی جاتی تھی، کٹ کٹا کر بہت تھوڑی سی اراضی ان کے پاس رہ گئی اس طرح بڑے بڑے علماء ائمہ اور مشاہیر کے خاندانی اعزاز واعتبار کو گھٹا دیا گیا، مدرسے اور مسجدیں ویران ہوگئیں اکثر علما جلاوطن ہوگئے ان کی ناقابل اولاد جو اس ملک میں رہ گئی وہ ''پاجی گردی'' آوارہ گردی میں نام پیدا کر رہی تھی۔(۲)

علما کا اخراج وتبادلے

ملا یزدی نے بادشاہ کے خلاف بغاوت وخروج کے جواز کا فتویٰ دیا، بادشاہ نے اس کو دریا میں غرق کرادیا، قاضی یعقوب کو بھی اسی طرح ختم کرادیا، اس طرح اکبر نے ان تمام علما کو جن کے بارے میں اسے اندیشے تھے ایک ایک کر کے راستے سے ہٹادیا اور لاہور کے علما کو جلاوطن کر کے منتشر کر دیا صرف مولانا معین کے پوتے شیخ معین جو مشہور واعظ تھے رہ گئے بادشاہ نے ان کو کبرسنی کی وجہ سے نظرانداز کر دیا۔(۳) اہل علم کے لئے ان کا علم ہی وبال بن گیا تھا، آئے دن

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۵۱۱، ۵۱۲ ۳۔ ایضاً: ص ۴۸۰
۲۔ منتخب التواریخ: ص ۴۸۱

ان بیچاروں کو طرح طرح کی سرکاری کاروائیوں کا سابقہ رہتا تھا، بادشاہ نے ممالکِ محروسہ کے تمام علما ومشائخین کو فرمان بھیج کر دربان میں بلالیا اور خود ان کی مدد معاش، انعام و وظائف کی تحقیق کی سب علما کو درباری آئین کے مطابق تعظیم وتسلیمات بجالانا پڑتا تھا، بادشاہ ان عالموں سے خلوت و جلوت میں گفتگو کر کے اپنے حسب مرضی ہر ایک کے لئے مختصر سی اراضی مقرر کر دیتا تھا اور جس کسی کے متعلق یہ رپورٹ ہوتی کہ وہ پیری مریدی کا سلسلہ قائم کئے ہوئے یا مجلسِ سماع منعقد کرتا ہے یا اسے کسی نہ کسی طرح کا اعزاز حاصل ہے اس کے مشغلوں کو دکانداری کا نام دے کر اسے یا تو قلعے میں قید کر دیا جاتا تھا یا بنگال اور بھکر کی طرف جلاوطن کر دیا جاتا تھا، علما کے خلاف یہ کاروائیاں برابر ہوتی رہتی تھیں، بوڑھے اور معمر پیروں اور شیوخ کا حال اور بھی برا تھا، اہلِ ذوق صوفیوں کی معاش کے فرامین کی جانچ پڑتال ہندو کارندوں کے ذمے تھی اور ان کا اجرا اس وقت تک نہیں ہوتا تھا جب تک ہندوؤں کی مہر نہ لگ جاتی۔ اس معاشی بدحالی کی وجہ سے بیچارے صوفی اپنا حال و قال فراموش کر بیٹھے اور وطن چھوڑ کر کسی نہ کسی جائے پناہ میں جا چھپے، ان ظاہر پرست صوفیوں کی بے روح مجلسوں ان کی بے حسی وجمود، شرمناک اعمال اور بے جا تکلیفات کا یہی خمیازہ ہونا تھا۔(۱)

مفتی صدر جہاں دینِ الٰہی کا پیرو

اسی مہینے مفتی ممالکِ محروسہ صدر جہاں کو ہزاری منصب مرحمت ہوا اور وہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ مریدانِ خاص میں شامل ہو گیا ہزاری کا منصب اسی مریدی کا معاوضہ تھا۔ مرید ہونے کے بعد اس نے پوچھا ''میری ڈاڑھی کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے، بادشاہ نے کہا ''رہنے دو''۔

عرضِ حال

یہ اقتباسات زیادہ تر ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور کتاب منتخب التواریخ سے لئے گئے ہیں، ملا صاحب نے اپنی اس تاریخ میں واقعات کو منتشر صورت میں پیش کرنے کے بعد ایک موقع پر یہ لکھا ہے: ''جو واقعات کہ حزم واحتیاط کی وادی سے بہت دور تھے میں نے ان کے لکھنے پر دلیری کی ہے، خدائے عزوجل گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے کہ ان کے لکھنے سے اس کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں ہے کہ ملتِ مرحومۂ اسلام پر جو کہ عنقا کی طرح غریب الدیار ہو چکی ہے اور اس نے اپنے ہما کے بازو کا سایہ پستی دنیا کے خاک نشینوں سے دور کر لیا ہے دردِ دین ودل سوزی

۱۔ منتخب التواریخ: ص ۲۸۲، ۲۸۳

کا اظہار کروں اور میں حد سے تجاوز کرنے اور کینہ و حسد و تعصب سے خدا تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈتا ہوں (۱) یہ گویا ملا صاحب کا حلف نامہ ہے اور ملا صاحب جیسے راست باز بزرگ کی اس حلفی شہادت کے بعد ان کے تحریر کردہ واقعات پر عدم اعتماد کی گنجائش مشکل ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ (۲)

اس کے باوجود ابوالفضل جو کہ اکبر کا وزیر اعظم اور مرید خاص ہے خود آئینِ اکبری میں اکبر کے مذہبی حالات کے متعلق وہ سب کچھ لکھتا ہے جو ملا بدایونی کے اقتباسات سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں جابجا آفتاب پرستی، آگ کی تعظیم، چراغ کی عظمت، مسئلہ تناسخ، گئو درشن، نکاح نابالغاں اور ایک سے زائد شادی پر پابندی، قریبی رشتہ داروں میں نکاح کی مخالفت بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کی ختنے پر پابندی، سن ہجری کی منسوخی، ذبحۂ گاؤ پر پابندی اور ترکِ لحمیات کا ذکر کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے بزرگ عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات: ص ۳۶ میں اکبر کی ان مشرکانہ حرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کسی بت کے آگے جھکے یا زنار باندھے وہ یقیناً کافر ہے۔ (۳)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کے زمانہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی اور سلطنت اپنے پورے جاہ و جلال پر تھی، آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہدِ سلطنت میں گزرا اس کے بعد نورالدین جہانگیر کا زمانہ آپ نے پایا۔ پہلی سلطنت گو لامذہبیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی مگر ہندو مذہب کے ساتھ صلح و آشتی رکھتی تھی۔ چناں چہ جہانگیر لکھتا ہے:

> میرے والد اکثر اوقات ہر ایک دین اور مذہب کے دانشمندوں اور ماہرین سے بالخصوص پنڈتوں اور دانایانِ ہند سے صحبت رکھا کرتے تھے اور باوجودیکہ اُمّی (قطعاً ان پڑھ) تھے مگر داناؤں اور اربابِ فضل کی مجالست اور رات دن کی صحبت کے باعث ان کی گفتگو سے بظاہر کوئی شخص بھی معلوم نہیں کرسکتا تھا کہ یہ اُمّی (ان پڑھ) ہیں نظم و نثر کی ان باریکیوں تک پہنچ جاتے تھے کہ اس سے زیادہ میں تصور نہیں کرسکتا۔ (۴)

جو کچھ عناد یا مخالفت تھی وہ دینِ اسلام کے ساتھ تھی، آج بھی مسلمانوں میں جو لوگ لا مذہب ہیں وہ دیگر مذاہب کے ساتھ تو بڑی رواداری برتتے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ

۱۔ منتخب التواریخ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۴۳

۳۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۲۴۷ ۴۔ توزکِ جہانگیری: ص ۱۴

اچھی خاصی دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں، تاکہ لوگ ان کو آزاد خیال اور غیر متعصب سمجھیں، دوسری سلطنت (جہانگیری عہد) کو نفسِ اسلام کے ساتھ کوئی عناد نہ تھا مگر سلطنت و بادشاہت کا نشہ بہت بڑھ گیا تھا اور نئے بادشاہ (جہانگیر) پر ''الشباب شعبۃ من الجنون'' کا جن بھی سوار تھا حتیٰ کہ شاہی دربار کی تعظیم یہ تھی کہ لوگ بادشاہ کو سجدہ کریں، سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ بھی بزورِ سلطنت حاصل کر لیا گیا تھا۔

جہانگیر، اکبر کا بیٹا تھا اور مرید بھی، اکبر اور جہانگیر دونوں نے بزرگانِ چشت کو دیکھا تھا اور وہ ان ہی کے معتقد تھے، اکبر کے خیالات جہانگیر کی فطرت میں داخل تھے جو بے اختیار موقع بموقع رونما ہوتے رہتے تھے۔ آفتاب کے لئے وہ ہمیشہ ''نیّرِ اعظم نزولِ اجلال ارزانی داشت'' کے الفاظ استعمال کرتا ہے، نجومیوں کا معتقد ہے بارہ برجوں کے بموجب بارہ سکے بنوائے، وہ ستاروں کو مؤثرِ حقیقی نہیں مانتا مگر مؤثر ضرور جانتا ہے اور ان کو نورِ الٰہی کا مظہر قرار دے کر ان کی تعظیم ضروری سمجھتا ہے اور اس کی تلقین کرتا ہے۔ باپ کی طرح مرید کرتا ہے اور اس کی تلقین یہ ہوتی ہے کہ کسی مذہب کی دشمنی سے اپنے وقت کو گندا مت کرو، تمام مذاہب والوں کے ساتھ صلح کُل کا طریقہ ملحوظ رکھو، کسی جان دار کو اپنے ہاتھ سے مت مارو۔ اس کا عقیدہ ہے کہ آگ خدا کا نور ہے، دسہرہ دیوالی وغیرہ ہندو تہواروں کے وقت جشن ہوتا تھا، ہندو برہمن اس کی کلائی پر راکھی باندھ دیا کرتے تھے۔ سیاست یہ تھی کہ ہندو اور مسلمانوں کے مشترک بادشاہوں کو دونوں قوموں کے مذہبی جذبات کا مظہر بننا چاہئے۔ اکبر سال میں صرف تین مہینے گوشت کھاتا تھا، جہانگیر اتنا مرتاض تو نہیں تھا البتہ اپنی باپ کی پیروی میں ہفتے میں دو روز ذبح کی ممانعت ضرور کردی تھی، اس کے نزدیک شراب نوشی اچھی نہیں مگر جس قدر مفید ہو اس میں مضائقہ نہیں، چناں چہ ۱۰ جلوس کے واقعات میں لکھتا ہے:

> ۲۵ ماہ آذر جمعہ کو شاہزادہ خرم شاہجہاں کا جشنِ وزن ہوا اس کی عمر چوبیس سال ہوچکی، شادیاں ہوچکی ہیں، صاحبِ فرزند ہوگیا ہے مگر اب تک خود کو شراب نوشی سے آلودہ نہیں کیا تھا۔ آج میں نے اس سے کہا بابا صاحب فرزند ہوگیا ہے بادشاہوں اور شاہزادوں نے شراب پی ہے آج تیرے جشنِ وزن کا دن ہے میں تجھ کو شراب پلاتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جشن کے ایام میں اور اسی طرح بڑی بڑی تقریبات کے موقعوں پر شراب پی لیا کرو، البتہ طریقۂ اعتدال ضرور ملحوظ رکھو،

کیوں کہ اتنی شراب پینا جو عقل کو زائل کر دے عقلا نے جائز نہیں رکھی۔شراب نوشی سے نفع اور فائدہ پیشِ نظر رہنا چاہیے۔(۱)

جہانگیر نے جس دایہ کا دودھ پیا تھا اس کی صحبت نے جہانگیر کو خود پرست اور توہمات میں مبتلا کر دیا اور دنیا سے بے خبر رکھا۔(۲)

ان سب باتوں پر طرہ یہ تھا کہ بادشاہ کی محبوبہ بیوی ملکہ نور جہاں بیگم جس کی ہاتھ میں بادشاہ نے سلطنت کی باگ دے رکھی تھی نہایت غالی شیعہ تھی۔(۳) اس نے متعصب ماں باپ کی آغوش میں پرورش پائی تھی اس کے باپ دادا متعصب شیعہ فرماں رواؤں کے عہد کی کارگزاریوں کو دیکھے ہوئے تھے، اہلِ تسنن سے بُغض اور اصحابِ رسول ﷺ سے عداوت ان کا خمیر مایہ تھا نور جہاں بھی اسی تنورِ عداوت کا ایک پرکالۂ آتش تھی حسن کی سحر کاریوں سے بادشاہ کو پہلے ہی مسحور کر چکی تھی، باپ بھائی اور دیگر اقربا کو بڑے بڑے عہدے دلوائے، باپ نے اعتماد الدولہ لقب پایا تو بھائی خانسامانی کے عہدے پر سرفراز ہوئے حتیٰ کہ اس خاندان کے غلاموں تک، کو خانی اور ترخانی کے خطاب مل گئے، جہانگیر نا ؤ نوش میں مست رہنے لگا اور مسندِ شاہی اور سکۂ شاہی پر نور جہاں کا قبضہ ہو گیا، فرمانوں پر نور جہاں کے نام کا طغرا لگنے لگا، سکہ کا نقش یہ تھا، بحکم شاہِ جہانگیر یافت صد زیور۔ بنامِ نور جہاں بادشاہ بیگم، زر، اور طغرے کی عبارت یہ تھی، حکم العلّیۃ العالیۃ نور جہاں بیگم بادشاہ(۴) خود جہانگیر کا اعتراف ہے:

> در دولت شاہی من حال در دستِ این سلسلہ است، پدر دیوانِ کل، پسر وکیل مطلق و دختر ہمراز و مصاحب

یعنی میری سلطنت کا دوراب اس خاندان (نور جہاں اور اس کے گھر والوں) کے ہاتھ میں ہے باپ دیوانِ کل ہے، بیٹا (آصف خاں) وکیل مطلق ہے، اور بیٹی (نور جہاں ہمراز و ہم صحبت ہے)

جب بادشاہ اور ارکانِ سلطنت پر شیعیت کا تسلط اس درجے ہو چکا تو ظاہر ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) کے طبعی اصول کے تحت عوام میں بھی رفض و شیعیت کا اثر ہو گیا چناں چہ تعزیہ داری، سوز خوانی، ماتم و سینہ کوبی سنیوں میں بھی رائج ہو چکی تھی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیتِ مطلقہ کا عقیدہ اور خلافت و مشاجرتِ صحابہ کے سلسلے میں

۱۔تو زکِ جہانگیری: ص ۱۵۰ ۲۔علماء ہند کا شاندار ماضی

۳۔تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۲۴۳ ۴۔تو زکِ جہانگیری: ص ۲۱ دیباچہ

خلفائے ثلاثہ اور امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض وعداوت اور لعن طعن کے اثرات اور اس قسم کے دوسرے شیعی مبادیات بھی وبائے عام کی طرح سینوں میں کافی پھیل چکے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اکبر اور جہانگیر دونوں کے زمانہ کی زبوں حالی اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائی ہے، چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں، آپ ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

بادشاہ کی نسبت جہان کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ کہ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے اور اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے، اسی طرح جہان کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑ جانے سے جہان کا بگڑ جانا وابستہ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں اہلِ اسلام کے سر پر کیا گزرا ہے، سابقہ صدیوں میں باوجود انتہائی غریب وقلیل ہونے کے اہل اسلام پر اس قسم کی خرابی اور تباہی نہیں گزری تھی کیوں کہ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنے طریق پر لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ O اسی مضمون کا بیان ہے اور گزشتہ صدی میں کافر غلبہ پاکر دارِ اسلام میں برملا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے، اگر کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے۔

کس قدر مصیبت اور حسرت وغم ہے کہ حق تعالیٰ کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار ہو رہے تھے اور ان کے منکر عزت واعتبار میں تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی ٹھٹھا کرکے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گم راہی کے پردہ میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آ گیا تھا۔(۱)

حضرت مجددؒ قدس سرہٗ ایک مکتوب میں خان اعظم کو تحریر فرماتے ہیں:

اسلام کی غربت وکسمپرسی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور نڈر ہوکر ہر کوچے وبازار میں کفر کے احکام جاری کرتے اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں، اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیئے گئے ہیں اور شرائع کے بجالانے میں ان کی مذمت اور طعن وتشنیع کی جاتی ہے:

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۷

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سبحان اللہ وبحمدہٖ، داناؤں نے کہا ہے:

اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ

شرع تلوار کے نیچے ہے۔

اور انہوں نے شرع شریف کی رونق کو پادشاہ پر وابستہ کیا ہے، لیکن اب قضیہ برعکس ہوگیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے، ہائے افسوس! وائے حسرت وندامت!"(۱)

ایک اور دوسرے مکتوب میں لالہ بیگ کو تحریر فرماتے ہیں:

تقریباً ایک صدری سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھارہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں کھلم کھلا (صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامیہ احکام بالکل مٹ جائیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کا کچھ نشان نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلامی کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے۔(۲)

اور خواجہ میر محمد نعمان کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اے محبت کے نشان والے! اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ (شرع تلوار کے نیچے ہے) کے حکم کے موافق روشن شریعت کی ترقی و رواج شاہانِ بزرگ کے حسنِ انتظام پر وابستہ ہے۔ کچھ عرصے سے یہ امر ضعیف ہوگیا ہے اس لئے اسلام بھی ضعیف ہوگیا۔ کفارِ ہند بے خوف وخطر مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں چناں چہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے، نیز کفار اپنی اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجالا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں اور بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن بازار میں نان وطعام نہ پکائے اور نہ بیچے، اور ماہِ مبارک رمضان میں برملا نان وطعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۶۵ ۲۔ ایضاً: مکتوب ۸۱

ہونے کے باعث کوئی اس سے روک نہیں سکتا۔ افسوس! صد ہزار افسوس کہ بادشاہِ وقت ہم میں سے ہے اور پھر ہم فقیروں کا حال اس طرح خستہ اور خراب ہے۔ بادشاہوں کے اسلام کی قدر وعزت کرنے ہی سے اسلام کو رونق تھی، اور انہی کی بدولت علما وصوفیہ معزز ومحترم تھے اور انہی (بادشاہوں) کی تائید سے شریعت کے احکام کو جاری کرنے میں کوشش کرتے تھے۔(۱)

حضرت مجددؒ ایک مکتوب میں خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرماتے ہیں:

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ انہیں دنوں میں دارالحرب کے کفار نے نگر کوٹ کے گردونواح میں مسلمانوں اور مسلمانوں کے شہروں پر کیا کیا ظلم وستم کئے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو خوار کرے، اس قسم کے بدبودار پھول زمانے کے آخر ہونے کے باعث بہت کھلیں گے۔(۲)

حکومت کی بے راہ روی، ہندو نوازی، ضالین پروری کی وجہ سے اسلام اور فرزندانِ اسلام پر اس وقت جو کچھ گزر رہی تھی اور ہندوستان کی زمین اس وسعت کے باوجود جس قدر تنگ کر دی گئی تھی اس کا کافی اندازہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی انہی اجمالی بیانات سے ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جیسے ''ثقہ'' و ''حجت'' کی ان کھلی کھلی شہادتوں کے بعد بھی ملا عبدالقادر بدایونی کے بیانات میں کوئی شک کر سکتا ہے۔ سچ پوچھئے تو ملا عبدالقادر نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ نے لکھا ہے فرق صرف تفصیل واجمال کا ہے اور خود ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں اکبری عقائد ونظریات کو فرمودند کے عنوان سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔(۳)

کیا اکبر بادشاہ نے نیا دین جاری کیا؟

یہ مسئلہ تاریخ دانوں میں آج تک متنازعہ فیہ چلا آ رہا ہے کہ آیا اکبر نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی تھی یا اس کا ایجاد کردہ دینِ الٰہی صرف ایک طریقہ اور مسلک (Cult) تھا، ہمارے آزاد خیال مؤرخین جو مستشرقین یورپ سے متاثر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اکبر نے کسی نئے دین کی بنیاد نہیں ڈالی اور نہ ہی نبوت وامامت کا دعویٰ کیا بلکہ بدایونی جیسے تنگ نظر ملا نے اکبر کو ہدفِ ملامت بنانے کی نیت سے یہ ایک شوشہ چھوڑ دیا ہے اور یار لوگ اسے لے اڑے، لیکن مذکورہ بالا اقتباسات اور

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۹۲　　۲۔ ایضاً: مکتوب ۶۸

۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر

دیگر تاریخی مواد کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ اکبر کا ایجاد کردہ دینِ الٰہی محض ایک مسلک وروش (Cult) نہیں بلکہ باقاعدہ ایک مذہب تھا۔ ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر کے عہد میں اس بات کا پروپیگنڈا بڑے زور وشور سے کیا گیا کہ دینِ اسلام کی میعاد ایک ہزار سال تک ہے اور اس کے بعد ایک نئے دین کی ضرورت ہوگی۔ محققین نے اسے عقیدۂ الفی کا نام بھی دیا ہے اس عقیدے کی نشر واشاعت کی غرض سے ہزار سالہ جشن پر نئے سکے ڈھالے گئے جن پر سن الف مضروب تھا، اکبر کے حکم سے تاریخِ الفی بھی لکھی گئی جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اسلام کی تاریخ اب مکمل ہو چکی ہے اور اب نئے ظہور کے ساتھ نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ ملا شیرازی، شریف آملی وغیرہ نے اکبر کو اس بات کا یقین دلایا کہ ۹۹۰ھ میں مہدی کا ظہور ہوگا اور وہ اکبر بادشاہ ہی ہے۔ شیعی علما نے بھی امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے اس وقت کو ظہورِ مہدی کا وقت ثابت کیا، ان کی دیکھا دیکھی برہمن بھی اس کی تائید میں کرم خوردہ پوتھیاں نکال کر لائے اور اکبر کے متعلق پیشین گوئی دکھائی کہ ہندوستان میں ایک عظیم بادشاہ پیدا ہوگا جو برہمنوں کا احترام اور گائے کی حفاظت کرے گا اور دنیا میں عدل کے ساتھ حکومت کرے گا، اور باور کراتے تھے کہ اکبر رام اور کرشن کا اوتار ہے، ابراہیم سرہندی بھی ایک پرانا کرم خوردہ مخطوطہ اٹھا لایا جس میں ابنِ عربی قدس سرہٗ کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا تھا کہ صاحبِ زماں بہت عورتیں رکھے گا اور ڈاڑھی منڈا ہوگا۔ اکبر کے مصاحب اس کو صاحبِ زماں کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ شیعہ سنی دونوں کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام دنیا میں خلافتِ الٰہیہ قائم کریں گے اکبر نے جو کلمہ رائج کیا تھا وہ یوں تھا ''لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ'' ابوالفضل بھی اکبر کو ''خلیفۃ اللہ'' اور ''ہادی علی الاطلاق'' اور ''مہدی باستحقاق'' لکھتا ہے (ملاحظہ ہو دیباچہ مہابھارت وغیرہ) محضر نامہ تیار ہوا جس کی رو سے اکبر کو اعدل واعقل واعلم تسلیم کرا لیا گیا، ہوتے ہوتے وہ عملاً نبوت کا مدعی ہو گیا یعنی اکبر نے ایک پیغمبر کی تمام تر ذمے داریاں سنبھال لی تھیں لیکن احتیاط کے طور پر وہ خود کو نبی نہیں کہتا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ نبوت کا دعویٰ ملک میں اس کے خلاف ایک شورش بپا کر دے گا اور غیر ممالک میں بھی اس کی رسوائی ہوگی اس لئے اس نے باقاعدہ دعویٰ تو نہیں کیا لیکن وہ کام نبیوں اور اوتاروں جیسے ہی کرتا رہا۔ ایک دفعہ جب اکبر پنجاب میں نندنہ کے نواح میں شکار میں مصروف تھا تو ایک درخت کے نیچے اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی اس نے فوراً شکار سے ہاتھ کھینچ لیا اپنا سر منڈوایا غربا و مساکین میں نقد وجنس تقسیم کئے اور اس مقام پر

عمارت بنانے اوراس کے گرد ایک باغ لگانے کا حکم دیا۔ مولانا مناظر احسن مرحوم کا خیال ہے کہ اکبر نے مہاتما بدھ کے ایک درخت کے نیچے گیان حاصل ہونے کے واقعے کی نقالی کی تھی۔ اکبر نے نئے نئے قوانین بنائے جو شریعتِ اسلامیہ سے ٹکراتے تھے، اپنے ظہور کا نیا سن (سنِ الٰہی) سرکاری طور پر رائج کیا، شعائر اسلام کا مذاق اڑاتا تھا، اس کی جدید شریعت میں گائے کا درشن، سورج، آگ اور چراغ کی تعظیم، قشقہ لگانا، زنار پہننا، الٰہی پرستش کہلاتا تھا، جب اس کی عبادات اسلامی عبادات سے مختلف تھیں تو ظاہر ہے کہ اس کا دین بھی اسلام سے الگ دین تھا، شادی بیاہ کا طریقہ بھی الگ قائم کیا جس میں دولھا دلہن کو آگ کے گرد پھیرے دیئے جاتے تھے، قتل مرتد و تقلیدِ ائمہ کی مخالفت کی، اس زمانے کے لوگ ابوالفضل کو مجتہدِ دین و مذہبِ نو کہتے تھے، شیخ مبارک کی تاریخِ وفات اس وقت کے کسی منچلے نے ''شریعت جدید'' سے نکالی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکبر کے ہم عصر دینِ الٰہی کو مذہبِ نو اور شریعتِ جدید سمجھتے تھے، جب اکبر کا دینِ الٰہی نیا مذہب تھا تو پھر اس دین کا بانی بھی ایک نیا پیغمبر ہوا، اکبر خود کو ''روحانی پزشک'' کہلاتا تھا اور اس نے ایک ''آئینِ رہنمونی'' بھی بنایا ہوا تھا اسی آئین کے تحت وہ لوگوں کو مرید کر لیا کرتا تھا، اس لئے اس کے مرید الٰہیان کہلاتے تھے(۱)۔ علومِ اسلامیہ کی تدریس پر پابندی لگادی تھی، دینِ الٰہی کے اقرارنامے کی تحریر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی قبول کرنے سے پہلے دینِ اسلام ترک کرنا ضروری تھا، اکبر ایسا ان پڑھ نہیں تھا جیسا کہ اسے ظاہر کیا گیا ہے چوں کہ اکثر نبی امی ہوئے ہیں اس لئے اکبر کو بھی امی ظاہر کر کے نئے دین کی بنیاد رکھوائی گئی، ابوالفضل دینِ الٰہی کو نو آئینِ الٰہی کہتا ہے(۲)

دینِ الٰہی کا ردِ عمل ﷺ

''صلح کل'' بادشاہ کے عہد میں کفار کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ مسلمانوں کی زندگی اجیرن بن گئی تھی، ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالیاں اس نوبت تک پہنچ چکی تھیں کہ ان کے چھوٹے بڑے سب بگڑ چکے تھے، آدے کا آوا بگڑ چکا تھا اوراس آدے کا کوئی برتن سالم نہیں رہا تھا اور تن کا کوئی حصہ داغ سے خالی نہیں تھا، اس صنم کدۂ ہند کے عام جاہل مسلمان کافروں کے دیوتاؤں کی دہائی دیتے تھے ان کے آگے صحت وتندرستی کے لئے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے تھے ان کی عورتیں

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں آئینِ اکبری ومنتخب التواریخ

۲۔ ملاحظہ ہو آئینِ اکبری جلد ۳: ص ۲۹۲

ہندوؤں کی وہی دیویوں کی پوجا کرتی تھی سیتلا مائی کی منت مانتی تھیں ، اللہ کے باغیوں رسول کے دشمنوں کے تہواروں کو اپنی اسلامی عیدوں کی طرح منایا جاتا تھا، مسلمان خواتین بیبیوں اور دیویوں کے نام سے روزی رکھتی تھیں، قبروں پر بکرے چڑھائے جاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

یہ عامیوں اور جاہلوں کا حال تھا اور جو دین کی پابندی کے مدعی تھے وہ اپنے آپ کو اس امر کا مختار ٹھہراتے تھے کہ فرض کو نفل اور نفل کو فرض کا درجہ عطا کریں، رہے مشائخ وعلمائے سوان کے نزدیک شریعت اس مغز کی چھلکا تھی جو ان کے دماغ کے ''بھیجے'' کے بخارات سے تیار ہوا تھا، جس قانون کی پابندی رسالت مآب ﷺ نے آخری سانس تک کی تھی اس کی پابندی ان کے لئے غیر ضروری تھی، جمال کی تلاش میں شیطان نے جس جال میں ان کو پھانسا تھا یہی گندہ وبال ان مشائخِ سو کا انتہائی وصال تھا اور علماءِ سوء نے تو اپنے ''علمی ودینی'' کاروبار سے شیطان کے لئے فراغت و تعطیل (Holiday) کا موقع بہم پہنچایا تھا۔ اس زمانہ میں بھی پڑھے لکھوں اور تعلیم یافتوں کی ایک جماعت تھی جو خواندہ واہلِ کتاب ہونے کی باوجود ''علماء'' کے لفظ سے موسوم نہ تھی، ان کے علم و فضل اور فکر وغور نے ان میں بھی وہی چیز پیدا کردی تھی جس کی بنیاد پر وہ اپنی ''آوارہ دماغی'' کی تعبیر ''آزاد خیالی'' سے کیا کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان کے مسلک کی تعبیر ایک مفصل بیان میں فرمائی ہے جس کا خلاصہ ان الفاظ میں درج فرمایا ہے:

> جو شخص احکامِ شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق بنائے اور عقلی دلائل کے برابر کرے وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اس کے ساتھ کلام کرنا بے وقوفی ہے۔(۱)

غرض کہ حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہوگئے تھے کہ جو چند اہلِ دل ہستیاں باقی تھی وہ بھی حیران و پریشان اور دم بخود تھیں، ان حالات کا ردِ عمل یہ ہوا کہ شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ بدرالدین رحمہ اللہ مکہ مکرمہ چلے گئے اور اپنی بقیہ عمر وہیں گزار دی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ، جب حدیث کے سند لینے کے لئے حجاز گئے تو ہندوستان واپس آنے کا ارادہ فسخ کردیا، ان کے استاد و پیر شیخ عبدالوہاب متقی کا رہتی دنیا تک ہندوستان کے مسلمانوں پر احسان رہے گا کہ انہوں نے شیخ موصوف کو دہلی جا کر احیائے شریعت کے لئے کام کرنے کا مشورہ دیا ورنہ ہندوستان اس بزرگ کی دینی خدمات سے محروم رہ جاتا۔

ان مایوس کن حالات میں کچھ ایسے باہمت اور باغیرت لوگ بھی تھے جو احیائے شریعت کی

۱۔ دفتر اول مکتوب ۲۱۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۳۰، ۱۳۱، ملخصا وتصرفا

خاطر سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکلے، جونپور کے قاضی ملا محمد یزدی نے فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے اس لیے اس کے خلاف تلوار اٹھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ قاضی بنگال میر یعقوب اور قاضی لاان برنی نے بھی اس فتوے کی تائید کی۔ پنجاب کے اکثر و بیشتر علما نے ملا محمد یزدی کی جرأت کی داد دیتے ہوئے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال، بہار اور اضلاع پورب میں اکبر کے خلاف بغاوت ہوگئی اور محمد معصوم کابلی و محمد معصوم خاں فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خاں، عرب بہادر اور دوسرے امرا تلواریں کھینچ کر اکبر کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے، اکثر مقامات پر انہوں نے بڑی سخت لڑائیاں لڑیں۔ باغی امرا کی قیادت بابا خاں جباری اور وزیر جلیل نے کی اور کافی مدت تک وہ اکبر کے لئے دردِ سر بنے رہے، فریقین میں گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں لیکن بدقسمتی سے بابا خاں عین معرکہ کارزار میں کام آیا۔ امیر میر نامی ایک سردار جو اپنی فوج لے کر باغیوں کی مدد کو آ رہا تھا شاہی فوج کے ہاتھ لگا اکبر نے اس کا سر قلم کر دیا۔ حسین بیگ چتر اوقلی بھی اکبر کے خلاف لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا۔

باغی امرا کا زور ٹوٹتے ہی علما کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، قاضی بنگال میر یعقوب بھی گرفتار ہوئے اور اکبر نے ان کے دست و پا بندھوا کر دریائے جمنا میں پھنکوا دیا۔ قاضی برنی کو اکبر کے حکم سے ذبح کیا گیا۔ میر معز الملک اور قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کرا دیا، لاہور کے اکثر علما کو اکبر نے مروا ڈالا اور بقیۃ السلف میں سے قاضی صدر الدین لاہوری، ملا عبد الشکور، ملا محمد معصوم اور شیخ منور کو دور دراز علاقوں میں جلا وطن کر دیا، شیخ سلطان تھانیسری (حضرت مجددؒ کے خسر) کو کسی بہانے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

اگرچہ اکبر اس بغاوت کو دبانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کی وفات کے بعد راسخ العقیدہ مسلمان اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے، اکبر کی زندگی میں اس کے حواریوں میں سے راجہ ٹوڈرمل بھگوان داس، راجہ بیربل، شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل، شاہ فتح اللہ شیرازی وغیرہ ایک ایک کر کے راہیٔ ملکِ عدم ہوئے اور ان کی جگہ راسخ العقیدہ امرا نے لی، ان میں شیخ فرید بخاری، قلیج خاں، مرزا عزیز کوکلتاش، میراں صدر جہاں اور عبد الرحیم خان خاناں پیش پیش تھے، ان امرا نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کر لی جسے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ''جرگۂ ممدانِ دولتِ اسلام'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کا اثر زیادہ تر شاہی دربار اور سرکاری حلقوں تک ہی رہا۔

شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

اسلامی تحریکِ احیائے دین کے روحِ رواں تھے، یہ دونوں بزرگ ان امرا کو بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور ترویجِ شریعت کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے، اپنے اور پرائے سب ہی ا س بات پر متفق ہیں کہ ان امرا نے عہد کیا تھا کہ اکبر کی وفات کے بعد اس شہزادے کی حمایت کریں گے جو ملک میں احکامِ شریعت نافذ کرے گا۔ چناں چہ جہانگیر نے ان کے ساتھ اس بات کا عہد کیا اور ان امرا کی کوشش سے جہانگیر کو اس وقت تخت ملا جب کہ خسرو کی جانشینی کے تمام مراحل قریب قریب طے ہو چکے تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے گو اسلام کو سنبھالا مل گیا لیکن اکبر کا لگایا ہوا زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اتنی جلدی مندمل نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے کسی مردِ حق کی ضرورت تھی، آخر

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اور وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذاتِ گرامی تھی جن کی اصلاحی تحریک سے اسلام کو ہندوستان میں صحیح مقام حاصل ہو گیا۔(۱)

ایسے موقع پر اکثر پاکانِ عصمت مآب کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی زبانوں پر غریب مسلمانوں کی لعنت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، وہ مسلمانوں کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں کہ گویا یہ خود ان مسلمانوں میں شریک نہیں ہیں، وہ ان کو اسی طرح سراپتے اور بددعا دیتے ہیں کہ گویا اس سراپ اور بددعا کے مستحقوں میں وہ خود شریک نہیں ہیں، یہ شاید ہوشیاروں اور فرزانوں کی باتیں ہوں لیکن وہ جو دیوانہ اور عقل وہوش سے بیگانہ ہوتا ہے وہ سب کچھ دیکھتا اور سب کچھ سنتا ہے لیکن با ینہم:

واویلاہ وامصیبتاہ واحسرتا واحزنا محمد رسول اللہ ﷺ کہ محبوبِ رب العالمین است مصدقانِ او ذلیل وخوار ومنکرانِ او بعزت واعتبار۔(۲)

کے ساتھ چلاتا ہے اور اتنا چلاتا ہے کہ آسمان کو لرزا دیتا ہے زمین کانپ اٹھتی ہے دنیا الٹ جاتی ہے اور جو سوچا نہیں جا سکتا آخر وہ اس پکار کی اجابت وکامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے رحمہ اللہ وطاب ثراہ

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سچ ہے ہندوستان میں اس عہد کی مسلمان وہ سب ہو چکے تھے جو ہو سکتے تھے لیکن ایک چیز ان میں پھر بھی باقی تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو ابھی تک محبوب رب العالمین آں حضرت ﷺ کے نام لیواؤں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے نہیں نکالا تھا ان کے اعمال وافعال

۱۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر: ص ۲۲۸ تا ۲۴۲ ملخصاً ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۴۷

کے لحاظ سے گو ان پر مصدقوں کا لفظ صادق نہ آتا ہو لیکن انصاف شرط ہے، واقع وہ اور ان کے باپ دادا جس پیغمبر ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے تھے کیا وہ اس کی رسالت کو اسی طرح جھٹلاتے تھے جس طرح غیر مسلم جھٹلاتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام ان کمزور عمل مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا اس لئے نہیں چاہئے کہ وہ مشرقی ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ ایشیائی ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ عربی یا عجمی ہیں، اس لئے کہ ان کی کھال کا کوئی خاص رنگ ہے، اس لئے نہیں کہ ان کی کوئی خاص بولی ہے بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سچا سمجھتے ہیں ان کی اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کو محبوب رب العالمین کہتے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کا جب کبھی بگاڑا اور جہاں کہیں بگاڑا حتیٰ کہ اس وقت بھی جو بگاڑ رہے ہیں یہی کہہ کر بگاڑ رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) اور محمد کا رب اب تم سے کیا کہتا ہے، **فاعتبروا یا اولی الابصار**

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کا دلِ دیوانہ سرمستِ بادۂ الست محبوبِ رب العالمین ﷺ کی منسوب اس غریب و بے کس امت کے خواری وذلت کے نظارہ کی تاب نہ لا سکا اور کٹھن گھڑی میں جب کب دوستوں نے بھی دشمنی کے لئے کمر باندھ لی تھی اور اللہ کی فوج شیطان کی صف میں شریک ہو کر ایمان واسلام کی برجیوں پر دھاوا بول رہی تھی، حضرت مجدد قدس سرہٗ کے دل میں ٹیس پیدا ہوئی اور وہ اس دکھ اور کوفت سے بے چین ہو کر پکارتے ہیں:

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

اور اس ہوکر سے تلملا کر کہتے ہیں:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْاَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے جو کام بعد میں سرانجام پایا وہ کسی غیر مرتب مذہبی جوش وخروش کا ایک غیر شعوری نتیجہ تھا، سچ ہے کہ کسی کی نظر انتخاب یقیناً حضرت مجدد قدس سرہٗ کے قلب مبارک کو ازل ہی میں تاک چکی تھی اور جو ایسا ہوتا ہے ارجمندی و اقبال کا ستارہ اس کی پیشانی کو اسی وقت چوم لیتا ہے جس وقت وہ اس خاک دان میں قدم رکھتا ہے، آئندہ کے نیک سالوں کا پتہ اس کی زندگی کی ابتدائی بہاروں سے چلنے لگتا ہے لیکن اس اویسی پر جب روحِ محمد ﷺ نے "راز" فاش کیا تو اس کے بعد یقیناً اس کا جو قدم بھی اس راہ میں اٹھا

سوچ سمجھ کر اٹھا، دماغ نے ایک لائحہ عمل مرتب کیا اور دل نے اس ''لائحہ'' کو ہاتھ میں لے کر ''دل افگندیم بسم اللہ مجرھا و مرسٰھا'' کہتے ہوئے جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو لے کر ایک دفعہ ان موج افزا طوفانوں اور بے پایاں سمندروں میں دھکیل دیا۔ بہرحال حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سامنے ایک ''مستقل طے شدہ منصوبہ'' تھا جس کا ثبوت آپ کی تحریروں سے ملتا ہے(۱)

یہ ہے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی دعوت وتجدید کا پس منظر اور آپ کے محیر العقول کارناموں آہنیں عزم وارادے کی تفصیل کے لئے تمہید، اکبری فتنہ جس کا دوسرا نام الف ثانی کا فتنہ ہے عوام تو عوام خواص بھی چند مشہور باتوں کے سوا اس واقف نہیں ہیں یا ان کو ناواقف رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ضرورت تھی کہ اس پہلو کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے کیوں کہ روشنی کو وہی پہچان سکتا ہے جس نے اندھیرے کو دیکھا ہو، اور مجدّد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں کو وہی سمجھ سکتا اور ان کی قدر کر سکتا ہے جو اس دعوت کے پس منظر سے اچھی طرح واقف اور اس دور کے حالات سے کما حقہٗ باخبر ہو، اس موضوع پر کافی تفصیل سے لکھا گیا ہے، اگرچہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہے جو واقعہ ہوا تھا اور جس کا مواد تاریخ کے منتشر اوراق میں بکھرا ہوا ہے۔

الف ثانی کا آغاز امت کے حق اور اگلے پچھلے فتنوں کا فتح باب تھا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی ایک یہ کہ میری امت کی عمر پانچ سو سال ہے یا پانچ سو سے کم ہے، دوسرے یہ کہ امت کی عمر ہزار سال ہے جیسا کہ ذخیرۂ روایات میں دونوں حدیثیں موجود ہیں، پانچ صدی گذرنے پر فتنہ تاتار کا ظہور ہوا، جس نے حقیقتاً امت کی خیریت ہی نہیں بلکہ سرے سے امت ہی کو ختم کر دیا تھا۔ گویا عالم سے مسلمانوں کا اور ان کی شوکت وقت کا استیصال ہو چکا تھا مگر حافظِ حقیقی نے انجام کار خود تاتاریوں ہی کے قلوب کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا جنہوں نے خلافتِ عثمانیہ (ترکی) کی بنیاد رکھ کر اسلام کی وکالت شروع کر دی، پھر الفِ اول کے اختتام اور الف ثانی کے آغاز ہی سے اسلامی ملت کے خلاف غیر مسلم اقوام کی منظم ریشہ دوانیاں شروع ہوتی ہیں، ادھر تو اغیار نے تخریب امت کا عزم مصمم کیا اور ادھر خود امت میں دینی بے پروائی اور قلتِ دیانت نے نفوذ کرنا شروع کر دیا، بدعات اور منکرات نے عزائم دین کی صورت اختیار کر لی اور رسومِ شرکیہ اور محدثاتِ شنیعہ نے اندر ہی اندر پرورش پا کر اسلام کے اصلی رنگ وروپ کو متغیر کر دیا اس لئے گیارہویں صدی گویا امت کے لئے اندرونی

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۴، ۹۳ ملخصاً وتصرفاً وتغیراً۔ اس کی کچھ تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں

دبیرونی مذہبی اور سیاسی فتن وآفات کا ایک پیش خیمہ تھی اور گویا کوئی ظاہری وباطنی مرض ایسا نہیں تھا جس کی تخم ریزی امت کے قلوب میں نہ ہو چکی ہو اس لئے اس صدی کے مجدد کے متعلق ان صد انواع فتن کو دیکھ کر خود ہی رائے قائم کر لینی چاہئے کہ اس کی روحانیت کس قدر بلند پایہ اور اس کا طرز تسلیم وتلقین کس درجے مؤثر اور ہمہ گیر ہوگا جو ان فتن میں امت کے ایمانوں کی نگہبانی کر سکے اور ان ظاہری وباطنی آفات کے تھپیڑوں میں کشتی اسلام کو کھینچتا ہوا کنارہ آ لگائے۔

وہ الف ثانی کے مجدد حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ہیں جن کے علوم ومعارف نے ابنائے کفر وضلال میں تہلکہ مچا دیا اور جن کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک سینوں کو منور کر دیا، کتنے ہی تلون پذیر قلوب کو تسکین واستقامت پر جما دیا۔ کتنے ہی وہ علوم ومعارف جو بارگاہِ نبوت سے جاری ہوئے تھے لیکن راستہ کی ناہمواریوں نے انہیں راستہ میں روک دیا تھا حضرت موصوف کی بدولت منصۂ شہود پر آ گئے اور علومِ نبوت کے کتنے ہی بند شدہ دروازے از سرِ نو کھل گئے، پھر اس زمانہ کا سب سے گہرے اور بنیادی مرض ابتداع اور بدعت پسندی تھا جس نے عمل واعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا اسی لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تعلیمات میں بھی غالب رنگ اتباعِ سنت اور ردِ بدعت ہے، آپ کی مناقب کے لئے دو جملے ہی کفایت کرتے ہیں، ایک یہ کہ آپ مجدد ہیں جس کی حقیقت ظلّیتِ نبوت ہے دوسرے یہ کہ آپ الفِ ثانی کے مجدد ہیں جو بنصِ حدیث شیوعِ فتن کے لحاظ سے خطرناک صدی تھی اور جس کا طبعی مقتضیٰ یہ تھا کہ اس کے سرے پر کوئی معمولی مجدد نہیں بلکہ ایک رئیس المجددین فرو بھیجا جائے جو ایسے عظیم مہالک وفتن کی مدافعت کر سکے۔ پس جبکہ نصِ حدیث میں شرور آفات کی برسات کی خبر دی گئی ہے تو اس صدی کے مجدد، کی روحانی قوتوں علمی برکتوں اور علمی ہمتوں کی مسلسل موسلادھار بارش کا اندازہ کر لینا چاہئے جس نے فتنوں کی کیچڑ اور گندگی کو دھو کر امت کے جسم کو صاف کر دیا تھا اور عرب وعجم میں اپنی برکات کی تر وتازگی پھیلا دی تھی۔"(۱)

☆☆☆

۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۳۱۳ تا ۳۱۸ ملخصاً

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کی
مجدّدیت

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے چونکہ حضرت امامِ ربانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کو ''الف ثانی'' کے مجدّد کی خلعت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا تھا اور حضرت موصوف کے تجدیدی کارناموں سے متاثر ہو کر خواص وعوام نے بھی آپ کو ''مجدّد الف ثانی'' کے لقب سے ملقب فرمایا اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی ''دعوت وتجدید کا پس منظر'' بیان کرنے کے بعد اور آپ کے ''تجدیدی کارنامے'' بیان کرنے سے پہلے مجدد کی ضرورت وحیثیت اور شخصیت وغیرہ کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔

ضرورتِ مجدّد

مجدّد کی ضرورت کو اس بات سے سمجھ لینا چاہئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے اور ان کو اپنے قرب ورضا اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری فرمایا اور انسانی دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطۂ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انہیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی۔ اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ اب سے تقریباً چودہ سو سال قبل حکمتِ الٰہی نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دنیا کو عطا فرما دیا جائے جو سب قوموں کے حسبِ حال ہو، اور جس میں آئندہ کسی ترمیم وتنسیخ کی ضرورت نہ ہو، اور ایک ایسے نبی ورسول کے ذریعے اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب

ملکوں اور سب قوموں کا نبی ہو اور پھر اسی نبی پر نبوت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔

حکمتِ خداوندی نے اس فیصلے کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مکمل ہدایت اور کامل دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے بھیجی ہوئی مقدس کتاب قرآن مجید میں ختمِ نبوت اور تکمیل دین کا اعلان بھی فرما دیا۔ لیکن حکمتِ خداوندی کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ دوسرے عام نبیوں کی طرح خاتم انبیا ﷺ کو بھی عمر طبعی دی جائے گی، چناں چہ بعثت کے تیئس سال بعد تریسٹھ سال کی عمر میں آپ ﷺ اس دارِ فانی سے پردہ فرما گئے۔ آپ کے بعد قیامت تک کے لئے آپ کے لائے ہوئے اس دینِ متین کی حفاظت کا ذمہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے لے کر اس کا ایک ظاہری انتظام یہ فرمایا کہ اس امت کے علمائے کرام کو انبیائے عظام کا تبلیغی مشن سپرد فرما دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی سے ان کو یہ بشارت دی گئی:

عُلَمَآءِ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل

میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کے مانند ہیں۔

چناں چہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے دین کے تعلم وتعلیم اور حفاظت وخدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ قدرتی طور پر یہ بات بھی ناگزیر تھی کہ جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعے آئی ہوئی آسمانی تعلیم وہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں اور عقائد واعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت وتعلیم میں بھی تحریف وتبدیل کی کوششیں ہوں گی اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لئے حقائقِ دینیہ کی غلط تاویل کریں گے اور سادہ لوح عوام ان کے دجل وتلبیس کا شکار ہوں گے اور اس طرح یہ امت بھی عقائد واعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لئے یہ سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دینِ حق کی حفاظت کے لئے ایک خاص انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگانِ خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم وبصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام، و سنت وبدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں اور اسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالا جائے اور اس راہ میں ان کو ایسی عزیمت بھی عطا فرمائی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر

فتنے کا مقابلہ کرنے میں سینہ سپر ہو جائیں اور دینِ حق کے چشمۂ صافی میں الحاد و بدعت کی آمیزش نہ ہونے دیں۔ اس کی بیخ کنی کے لئے اپنی پوری قوت کے ساتھ جدوجہد کریں، کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس ضرورت کو بھی اپنے ذمے لے لیا اور حکمتِ الٰہی کے اس فیصلے کا اعلان خاتم الانبیا ﷺ نے مختلف موقعوں پر فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل و امین اور محافظ ہوں گے، وہ افراط و تفریط کی تحریفات اور اہلِ زیغ وہویٰ کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصل شکل میں (جس میں کہ وہ ابتدا میں خود نبی کریم ﷺ کے ذریعے آیا تھا) امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے''۔ اسی کام کا اصطلاحی عنوان ''تجدید دین'' ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے وہی مجدّدِ دین ہیں۔(۱)

حدیثِ تجدید

آں سرورِ کائنات ﷺ کا مجدّد دین کی بعثت اور ان کے ظہور کے متعلق ارشاد ہے:

اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا(۲)

اللہ تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سرے پر مجدد (ایسے بندے) بھیجتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید (نیا اور تازہ) کرتے رہیں گے۔(۳)

حدیثِ تجدید کی تخریج

اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے(۴) اور ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں، ابوداؤد اور حاکم کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی اس حدیث کی تخریج کے سلسلے میں ذکر کیا ہے اور سند و رجال کے بارے میں لکھا ہے وسندہ صحیح ورجال کلھم ثقات وکذا صححہ الحاکم

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ملخصاً: ص ۱۳ تا ۱۶ ۲۔ اخرجہ ابوداؤد فی باب مایذکر فی قرن المائۃ

۳۔ ایضاً: ص ۱۲۔ سیرت امام ربانی: ص ۳۰۔ المشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثانی

۴۔ ج ۴، ص ۵۲۲

(۱) اور کنز العمال میں اس حدیث کو روایت کرنے والے محدثین میں امام بیہقی کا اور ان کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کا بھی حوالہ دیا ہے (۲) اور حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں اس حدیث کی تخریج کے سلسلے میں ان کے علاوہ حلیہ ابو نُعَیم اور مسند بزار اور مسند حسن بن سفیان اور کامل ابنِ عدی کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۳) تخریج کے یہ سارے حوالے حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہان پوری کے اس مقالے سے ماخوذ ہیں جو الفرقان کے مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا تھا (۴)۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس حدیثِ تجدید کے بارے میں مرقاۃ الصعود میں لکھتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحہ (۵)

حفاظِ حدیث اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔

اب یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ تجدیدِ دین سے کیا مراد ہے؟ دوم یہ کہ مجدد کون ہوسکتا ہے؟ چہارم یہ کہ کیا ایک وقت میں ایک ہی مجدد ہوسکتا ہے یا متعدد بھی ہوسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ان سوالات کے جوابات ذیلی عنوانات کے تحت درج کیے جاتے ہیں۔

تجدیدِ دین سے مراد

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی کتاب مرقات میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ای یبین السنة من البدعة و یکثر العلم و یعز اهله و یقمع البدعة و کسر اهلها(۶)

یعنی مجدد کی صفت یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممتاز و نمایاں کردے گا اور علم کو بکثرت شائع کرے گا اور اہلِ علم کی عزت کرائے گا اور بدعت کا قلع قمع کرے گا اور اہلِ بدعت کا زور توڑ دے گا۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب لمعات التنقیح عربی (۱) اور اشعۃ اللمعات فارسی (۱) میں اس حدیث کی شرح میں مجدد کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تجدید د

۱۔ مرقاۃ: ج ص ۳۰۲ ۲۔ کنز العمال: ج ۶ ص ۲۳۸

۳۔ مجموعۃ الفتاویٰ: ج ۲ ص ۱۵۱

۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۲۔ اور ہم نے بھی اس کو مرقات و مجموعۃ الفتاویٰ وغیرہ سے ملا لیا ہے (مؤلف)

۵۔ سیرت امام ربانی: ص ۴۰ ۶۔ مرقات: ج ۱ ص ۳۰۲

۷۔ ا۔ ص ۲۹۳

نصرتِ دین اور ترویج و تقویتِ سنت اور قلع قمعِ بدعت اور اس کی تصنیف و نشرِ علوم اور اعلائے کلمۂ اسلام کے ساتھ اپنے اہلِ زمانہ میں ممتاز ہوگا۔

نیز مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی مجموعۃ الفتاویٰ (۲) میں ہے کہ ''مجدد کی علامت و شروط یہ ہیں کہ وہ علومِ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہوگا اور اس کی تدریس و تالیف و تذکیر (وعظ و نصیحت سے) عام نفع پہنچے گا اور وہ سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعتوں کے مٹانے میں سرگرم ہوگا۔

ان تحریرات اور اس حدیث کے دیگر شارحین کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ تجدیدِ دین سے مراد ہے کتاب و سنت کا عمل جو مرورِ زمانے سے ترک ہو کر مٹ چکا ہو اس کو از سرِ نو زندہ کرنا، لوگوں کے غلو اور افراط و تفریط کو روکنا، جاہل مدعیوں کی تحریفات و تاویلات کی نفی کرنا اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی تراشی ہوئی بدعات سے دین کو بچانا، حق و باطل میں تمیز کرانا اور دین کو اس کی بالکل اصلی شکل میں جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یعنی رسول مقبول ﷺ و صحابۂ کرامؓ و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں تھا مسلمانوں میں رائج کرنا اور اس کی تبلیغ اور اثراتِ صحبت سے کثیر التعداد لوگوں کا اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونا، پس ایسا شخص مجدّدِ دین کہلاتا ہے اور جو یہ نہ کرے وہ کیسا ہی فاضل، عامل، فقیہ، صاحبِ دل اور صاحبِ مکاشفہ ہو، مجدّد نہیں ہوسکتا۔

مجدّد کون ہوسکتا ہے

چونکہ مذکورہ بالا صفات کا حامل مجدّد ہوتا ہے لہٰذا مجدّد کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہو، امورِ دین میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں، علومِ ظاہرہ و باطنہ میں یکتائے روزگار ہو، حامیٔ سنت اور قامعِ بدعت ہو، مجدّد کا پتہ اس کی دینی خدمات سے چلتا ہے، اس کے ہم عصر علما قرائن اور ظنِ غالب سے اس کی دینی خدمات اور اس کے علم و فضل کو دیکھ کر اس کے مجدّد ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں۔

زمانۂ مجدّد

حدیثِ مذکور کے لفظ ''علیٰ راس کل مائۃ سنۃ'' کی تشریح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای انتہائہ و ابتدائہ اذا قل العلم و السنۃ و کثر الجھل و البدعۃ

ایک صدی کے آخر یا دوسری کے ابتدا میں جبکہ علم اور سنت کی کمی ہو جائے اور جہل و

ا۔ ج ا ص ۱۸۲ ۲۔ ص ۱۵۱

بدعت کی کثرت ہو جائے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

المراد بالرأس آخر المائة او قريب من آخرها

رأس سے مراد صدی کا آخر کا قریبی زمانہ ہے۔

جن حضرات نے اس حدیث کے لفظ رأس کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لئے بطور شرط کے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع یا آخر میں) جاری ہونا چاہئے انہوں نے صدی سے یہی معروف ہجری صدی مراد لی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی قدس سرہٗ بھی مجموعۃ الفتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ مجدّد کے لئے ضروری ہے کہ ایک صدی کا آخر زمانہ اور دوسری صدی کا اول زمانہ اس طرح پر پائے کہ اس سے علوم مشتہر ہوں اور انتفاع عام طور پر شائع ہو۔ پس اگر اس نے آخرِ صدی کو نہ پایا یا اس سے اس زمانے میں شریعت کو زندہ کرنے کا انتفاع حاصل نہ ہوا تو وہ شخص مجدّدِ دین سے خارج ہوگا اور اس حدیث کے مفہوم میں داخل نہیں ہوگا'' لیکن بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ اس سے معروف ہجری صدی مراد نہیں ہے اس لئے کہ سن ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے قائم ہوا ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور یہ اصطلاح اس وقت وضع ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس حدیث کے لفظ مائۃ سنۃ سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا مطلب کُلِّ قَرْن ہوگا اور حدیث میں رأس کی قید اتفاقی کہنا پڑے گا بلفظ دیگر اس کو مقحم ماننا پڑے گا جیسا کہ عربی میں علیٰ رؤس الاشھاد میں رؤس کا لفظ مقحم ہے اور فارسی یا اردو میں برسرِ منبر و برسرِ مجلس وغیرہ میں سر کا لفظ مقحم ہے۔

اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امتِ مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ چناں چہ اس امت کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے بندے ہر دور میں برابر پیدا ہوتے رہے ہیں اور دین کی تجدید کا یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے اور ہماری دینی تاریخ ہی اس کی بھی شاہد و مصدق ہے کہ تجدید کا یہ کام کبھی اور کسی ملک میں ہجری صدی کی ابتدا میں ہوا ہے کبھی اور کہیں وسط میں اور کبھی اور کہیں اواخر میں۔ (۱)

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے حجج الکرامۃ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ ''رأس مائۃ'' سے مراد خاص صدی کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے

۱۔ مولانا عبدالحی۔ مجموعۃ الفتاویٰ: ص ۱۵۱

کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں مجدد بھیجے گا خواہ شروع میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں، اور راٗس کی قید اتفاقی ہے اور غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ رہے گی اور ہر صدی کے اوائل اور اواسط اور اواخر میں مجدد دین کا ہونا اس احتمال کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔'' (۱) لیکن اکثر محققین کے نزدیک وہی پہلا قول یعنی مجدد کا صدی کے سرے پر ہونا ہی معتبر ہے جیسا کہ آگے مزید توضیحات میں آتا ہے۔ (مؤلف)

تعدّدِ مجدد

بعض لوگوں کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مجدّدیت کی بارے میں ان کا تصور کچھ ایسا ہے کہ گویا وہ نبوت سے چھوٹے درجے کا کوئی خاص منصب ہے اور ہر صدی میں اللہ تعالیٰ کسی ایک خاص بندے ہی کو اس منصب پر فائز کرتا ہے اور اس صدی کے مسلمانوں کی فلاح وسعادت اور دینی وروحانی کمالات کا حصول اس پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ اپنی صدی کے اس مجدّد کو پہچانیں اور اس کا اتباع کریں۔ لیکن مجدّدیت کے اس تصور کی کتاب وسنت میں کوئی اصل و بنیاد نہیں مل سکی، مجدّدیت کے متعلق جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے اس میں جو مَن کا لفظ ہے وہ جس طرح واحد اور فرد کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جمع اور جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، شارحینِ حدیث علامہ سیوطیؒ و ملا علی قاریؒ وغیرہما نے اس کی تصریح کی ہے، لہٰذا یہ قطعی طور پر لازمی نہیں کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدّد ہو بلکہ ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں، بہرحال ہر صدی میں ایک مجدّد کا وجود تو ضروری ہے۔ (۲)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ **من یجدد لها دینها** کی تشریح میں لکھتے ہیں:

علما نے اس لفظِ مَـن کی تاویل میں مختلف طریقے پر کلام کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے مذہب کے عالم کے طرف اشارہ کیا ہے اور حدیث کو اس پر محمول کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو عموم پر محمول کیا جائے، کیوں کہ لفظِ مَـن واحد وجمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کو فقہا کے لئے بھی مخصوص نہیں کرنا چاہئے اگرچہ فقہائے کرامؒ سے امت کو بہت نفع پہنچا ہے لیکن اولوالامر و محدثین و قراٗ و واعظین اور زاہدین سے بھی امت کو بہت نفع پہنچا ہے، چناں چہ دین اور قوانینِ سیاست کی حفاظت اور عدل و انصاف کا پھیلانا اولوالامر کا کام ہے اور اسی طرح قرا و محدثین قرآن اور احادیث کا ضبط کرتے ہیں جو کہ شرع کے اصول اور دلائل ہیں اور واعظین اپنے مواعظ سے لوگوں

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۹۔ بحوالہ حجج الکرامۃ: ص ۱۳۴

۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۷ وغیرہ

کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور تقوے کی ترغیب دیتے ہیں۔ الیٰ قولہ اور میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ من یجدد سے مراد صرف ایک شخص نہیں ہے بلکہ ایک جماعت مراد ہے ان میں سے ہر ایک کسی ایک ملک میں علوم شرعیہ کے کسی ایک فن یا کئی فنون میں سے جس قدر ہو سکے گا تقریر یا تحریر کے ذریعے دین کی تجدید کرے گا اور اس کی بقا کا باعث ہوگا اور اس کا ذریعے سے دین مٹ جانے اور ختم ہو جانے سے محفوظ رہے گا، یہاں تک کہ امرِ الٰہی آ جائے۔ (۱)

اسی قسم کا مفہوم شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے بھی اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ ''اکثر لوگوں نے اس حدیث سے ایسا سمجھا ہے کہ علمائے امت میں ایک شخص ہوگا جو کہ اپنے زمانے میں دین کی تجدید و نصرت وغیرہ امور میں ممتاز ہوگا حتی کہ انہوں نے متعین کیا ہے کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں صدی کے مجدد ہوئے ہیں لیکن صاحبِ جامع الاصول وغیرہ نے اس کو عموم پر حمل کیا ہے، خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک جماعت کیوں کہ کلمۂ مَن واحد اور جمع دونوں پر واقع ہوتا ہے اور علما و فقہا ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ بادشاہوں، حاکموں، قاریوں، محدثین، زاہدین، عابدین، علمائے نحو، ارباب سیر و تواریخ، اغنیا و اسخیا جو کہ اپنے مال و متاع کو علما و صلحا و مصارفِ خیر پر صرف کرتے ہیں اور دین کی ترویج و تقویت کا باعث ہوتے ہیں اور تمام وہ گروہ جن کے وجود سے دین میں قوت و کمال و رواج پیدا ہوتا ہے ان سب کو شامل ہے اھ اور اگر ملکوں اور شہروں کے عموم کا بھی اعتبار کریں اس طرح پر کہ وہاں ایک زمانے میں ایک شخص یا جماعت اس شان کی ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے۔ (۲)

دراصل اس ارشاد سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد امت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ اس دین میں کبھی تحریف نہیں کی جا سکے گی اور نہ ہی زیادہ زمانہ گذرنے سے بوسیدہ ہوگا اور نہ زمانے کے انقلابات اس کی حقیقت کو بدل سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی بقا و حفاظت اور تجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور اور ہر قرن میں ایسے بندے پیدا ہوتے رہیں گے جو دین سے اس گرد و غبار کو جھاڑتے رہیں گے جو زمانے کی ہواؤں سے اس پر پڑے گا اور اس کہنگی سے بچانے کے لئے اپنی جد و جہد سے اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔ چناں چہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیثِ تجدید کی وضاحت و تشریح میں اس حدیث کو پیش فرماتے ہیں جو کتبِ حدیث میں

ا۔ مرقات: ج ا ص ۳۰۲

۲۔ اشعۃ اللمعات: ج ا ص ۱۸۲۔ لمعات: ج ا ص ۲۹۳۔ مجمع بحار الانوار: ج ا ص ۷۷ اور مجموعۃ الفتاویٰ: ج ۲، ص ۱۵۳ میں بھی اسی قسم کی عبارت درج ہے۔

مروی ہے کہ ''میرے لائے ہوئے اس علم یعنی دین کی امانت کو ہر زمانے کے اچھے اور نیک بندے سنبھالیں گے اور اس کی خدمت وحفاظت کا حق ادا کریں گے وہ غلو کرنے والوں کی تحریف اور کھوٹے سکے چلانے والوں کی ملمع کاریوں اور جاہلوں کی فاسد تاویلوں سے اس دین کی حفاظت کریں گے''۔

ان سب امور کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت ہی میں سے ایسے بندے ہر دور میں پیدا کرتا رہے گا جو اللہ ورسول کی اس امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرتے رہیں گے اور اس دین کی حقیقت تحریفوں اور تاویلوں کے پردوں میں کبھی اس طرح گم نہ ہو سکے گی جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعے آئی ہوئی ہدایتیں دنیا سے گم ہو گئیں۔

اس توضیح سے معلوم ہو گیا کہ امت میں مجددین کی تعداد تیرہ، چودہ ہی نہیں ہو گی بلکہ اللہ کے ہزاروں بندے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی خدمتیں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں لی ہیں سب ہی اس کارِ تجدید میں حصہ دار ہوں گے اور سب ہی کا مجدد دین میں شمار ہو گا، اس طرح وہ اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے جو مجدد ہونے پر اصرار اور دوسروں سے تکرار کرتا ہے۔

مختلف صدیوں میں جس قدر مجدد گذرے ہیں کوئی مجدد، دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں، کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے کوئی فقہ شافعی کا، کوئی علمِ کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک واحسان (تصوف) کا۔ اس کے باوجود ایسا بے شک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے میں اپنے کسی بندے سے کوئی بہت بڑا تجدیدی کام لیا ہے اور اس کے ذریعے دین کے بہت سے شعبوں کی تجدید کرائی ہے اور کبھی کسی سے اس سے کم درجے کا اور دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدیدی کام لیا ہے اور یہ فرق ایسا ہے جیسا کہ نبیوں اور رسولوں کے کاموں اور ان کے درجات میں بھی رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

چناں چہ اس امت کی ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لی ہیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے اور اسی طرح اس اخیر دور میں جس کا آغاز ہزارۂ دوم (الف ثانی) کے آغاز سے ہوتا ہے امامِ ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ سے دین کی تجدید وحفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام لیا وہ

بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

مجددین

مجمع بحار الانوار (۱) پر پانچویں صدی کے ختم تک کے مجددین کے جو نام درج ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ پہلی صدی کے ختم پر، خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز الاموی رضی اللہ عنہ (۶۰۔۱۰۱ھ) اور فقہاءِ کرامؒ و محدثینِ عظامؒ جو بہ کثرت ہیں، ۲۔ دوسری صدی کے ختم پر، خلیفہ مامون الرشید (متوفی ۲۱۸ھ) و امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) و امام حسن بن زیاد (متوفی ۲۰۴ھ) و معروف الکرخی (متوفی ۲۰۰ھ) رضی اللہ عنہم، ۳۔ تیسری صدی کے ختم پر، خلیفہ المقتدر باللہ (متوفی ۳۲۰ھ) و ابو جعفر الطحاوی الحنفی (متوفی ۳۲۱ھ) و ابو جعفر الامامی (متوفی ؟ھ) و امام الحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) و امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) رضی اللہ عنہم، ۴۔ چوتھی صدی کے ختم پر، خلیفہ القادر باللہ (متوفی ۴۲۲ھ) و ابو حامد الاسفرائنی (متوفی ؟ھ) و ابوبکر محمد الخوارزمی الحنفی (متوفی ۳۸۳) و مرتضیٰ اخوالرضا الامامی (متوفی ؟ھ)، ۵۔ پانچویں صدی کے ختم پر خلیفہ المستظہر باللہ (۲) (متوفی ۵۱۲ھ) و امام غزالیؒ (۴۵۰۔۵۰۵ھ) و قاضی فخر الدین حنفیؒ (متوفی ؟ھ) وغیرہم۔

ختمِ چھٹی صدی سے ختمِ نویں صدی کے مجددین کے نام علامہ حافظ سیوطی قدس سرہٗ کے قصیدے سے جامع المجددین کے حوالے سے یہاں درج کیے جاتے ہیں، ۶۔ چھٹی صدی کے ختم پر، امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) و امام رافعیؒ (متوفی ۶۲۳ھ)، ۷۔ ساتویں صدی کے ختم پر، ابن دقیق العیدؒ (متوفی ۷۰۲ھ) و حافظ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) وغیرہما، ۸۔ آٹھویں صدی کے ختم پر، امام بلقینیؒ (متوفی ۸۶۸ھ) و حافظ زین الدین عراقیؒ (متوفی ۸۰۶ھ)، ۹۔ نویں صدی کے ختم پر، امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) و امام سخاویؒ (متوفی ۹۰۲ھ) (حافظ سیوطیؒ شافعی المذہب تھے اس لئے انہوں نے زیادہ تر شافعیوں کے نام لکھے ہیں اور نویں صدی میں انہوں نے اپنے متعلق امید ظاہر کی ہے مگر ان کے معاصر امام سخاویؒ بھی اس منصب کے امیدوار ہیں اس لئے دونوں کے نام لکھ دیئے گئے) دسویں صدی میں صاحب خلاصۃ الاثر نے شمس الدین ابن شہاب الدین کا نام لیا ہے جن کو ان کے اہلِ زمانہ مجدد سمجھتے تھے، ۱۰۔ دسویں صدی کے ختم اور گیارہویں صدی کے

۱۔ ج ۱ ص ۱۷۷

۲۔ صاحب مجمع البحار نے مجددین میں بعض خلفائے عباسیہ کو بھی شمار کیا ہے یہ غالباً ان کے خصوصی کارناموں کی بنا پر ہے اگرچہ ان کے بعض کردار تاریخی حیثیت سے مجددیت کی شان کے شایان نہ ہوں۔ یہ صاحب مجمع البحار کی رائے ہے۔

آغاز میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ العزیز ہیں بیرونِ ہند یعنی حجاز میں کچھ ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کے فیض سے علوم حدیث کو دنیائے اسلام میں رواج ہوا اور ان کی برکت سے ہندوستان وحجاز یکساں مستفید ہوئے۔ چنانچہ گیارہویں صدی میں ابراہیم بن حسن کردی (۱۱۰۱ھ) نزیلِ مدینہ منورہ اور بارہویں صدی میں شیخ صالح بن محمد بن نوح نزیلِ مدینہ کے نام بعض محدثین نے لئے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن حسن کردی کے صاحبزادہ ابو طاہر بن ابراہیم کردی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ کے استاد ہیں۔(۱)

حدیثِ تجدید کی مزید توضیحات

۱۔ اصل بات وہی معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے تمام اکابر نے اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی تجدیدی خدمت انجام دی ہے لیکن اگر حدیثِ تجدید کو قبول کیا جائے تو "صدی کے سرے" کی قید وتخصیص کسی تخصیصی مجدد کی بھی ضرور مقتضی ہے۔ واللہ اعلم۔(۲)

تجدید واحیائے دین کے بارے میں جو آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً آیۂ مبارکہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO (۳)

اور تم میں سے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف لوگوں کو بلایا کرے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ ہی پوری طرح کامیاب ہوں گے۔

اور حدیثِ تجدید کے علاوہ دوسری حدیث

عن معاوية سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ متفق عليه (۴)

میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر دین اور احکامِ شریعت کے ساتھ قائم رہے گا جو شخص ان کو ذلیل کرنے کی کوشش اور ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور وہ گروہ ہمیشہ اسی کام پر قائم رہے گا یہاں تک

۱۔ مقدمہ جامع المجددین: ص ۲۲، ۲۳ ملخصاً ۲۔ حاشیہ مقدمہ جامع المجددین: ص ۲۲

۳۔ آل عمران: ۱۰۴ ۴۔ المشکوۃ: ج ۴، باب ثواب ہذہ الامۃ

کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) آجائے گی)۔

اس حدیث میں امرِ دین سے مراد کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ کا یاد کرنا اور سیکھنا اور ان دونوں سے احکام کا استنباط کرنا، فی سبیل اللہ جہاد کرنا اور مخلوقِ خدا کو نصیحت کرنا اور تمام فرضِ کفایہ کا ادا کرنا ہے، جیسا کہ آیہ ولتکن منکم امۃ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ روئے زمین صلحا سے کبھی خالی نہیں ہوگی جو کہ اوامرِ الٰہی پر قائم اور اس کے نواہی سے بچتے رہتے ہیں اور شریعت پر قائم ہیں لوگوں کی مددگاری اور مخالفت ان کے نزدیک برابر ہے، بعضوں نے کہا کہ اس گروہ سے مراد حدیث وعلومِ دینیہ کی تعلیم دینے والے اور ترویج سنت وتجدیدِ دین کرنے والے ہیں۔(۱) ان آیات واحادیث کا ماحصل یہ ہے کہ ہر دور میں علماو صلحا کی ایک جماعت اس دین کی حفاظت کرتی رہے گی اور اس دین کی حقیقت کو تحریفات وفاسد تاویلات کی دست برد سے محفوظ اور بدعات وایجاداتِ انسانی کی آمیزش سے پاک رکھے گی اس لئے کہ نبوت آں حضرت ﷺ پر ختم ہو چکی ہے، قیامت تک اب کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا اور اس امت کے علما کو انبیائے بنی اسرائیل کی مانند قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف ہے: عُلَمَآءِ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل ،اور ہر صدی کے سرے پر ایک شخص یا متعدد حضرات ایسے مخصوص انداز کے ساتھ نمایاں ہوں گے کہ دورانِ صدی میں ان محافظینِ دین کی کوششوں کے باوجود جو تحریفات وبدعات فی الدین عامۃ المسلمین میں رواج پا گئی ہوں گی اور جس قسم کی اعتقادی وعملی خامیوں وکوتاہیوں نے مسلمانوں میں اپنا سکہ جمالیا ہوگا وہ ختمِ صدی پر مبعوث ہونے والی اس مخصوص ہستی یا ہستیوں کی کوششوں اور تبلیغ وتربیت کے اثرات سے دور ہو کر مسلمانوں کی اعتقادی وعملی زندگی میں دینِ اسلام از سرِ نو حیات پذیر ہو جائے گا اور یہی وہ ایک مخصوص شخص یا ایک سے زیادہ مخصوص حضرات ہوں گے جو حدیثِ تجدید کا خصوصی مصداق ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۔ ایک اور بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ صدی کے سرے پر مجدّد کی پیدائش کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس وقت اس کی تجدیدی مشن کا آغاز ہوتا ہے، جس کو حدیث میں بعثت کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے، خود آں حضرت ﷺ اپنی پیدائش کے چالیس برس بعد مبعوث ہوئے۔(۲)

۳۔ جس طرح قرآن کریم نے انبیا کرامؑ کے لئے بعثت من اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور

۱۔ مستفاد عن مرقات شرح مشکوٰۃ ومظاہر حق: ج ۱۱، ص ۴۶۵

۲۔ حاشیہ مقدمہ جامع المجددین: ص ۱۹

فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ (۱)

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ (۲)

حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً (۳)

وغیرہ۔ اسی طرح حدیث نبوی ﷺ میں بھی مجددوں کے لئے یہی بعثت من اللہ کا کلمہ اختیار کیا ہے، اور فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الحدیث، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نبی و رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور کوئی نبی محض اپنے ذاتی کسب و کمالات اور شخصی جدوجہد یا کسی اجتماعی و جماعتی تجویز سے نبوت کا درجہ حاصل نہیں کرتا اسی طرح مجدد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور کسی مجدد کو محض اس کی ذاتی جانفشانی و محنت اور شخص کسب و سعی سے عہدۂ تجدید نہیں ملتا اور نہ ہی کسی جماعت کی تجویز اور مفاہمت سے ہاتھ لگتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نبوت و رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور اس خلعت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (۴) اور دوسری جگہ فرمایا اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ (۵) اسی طرح مجدد کو بھی اللہ تعالیٰ ہی منتخب فرما کر مبعوث فرماتا ہے۔ پس ان دونوں منصبوں کا انتخاب مِن جانب اللہ ہی ہوتا ہے لیکن دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ نبوت اصل ور تجدید اس کا ظل ہے، نبی کی ذات منصوص من اللہ اور وحی الٰہی کے ذریعے مشخص ہوتی ہے اور نبی کا کشف والہام قطعی ہے جس کو وحی کہتے ہیں، مجدد کی شخصیت منصوص من اللہ نہیں ہوتی اور اس کا کشف والہام ظنّی ہوتا ہے۔ نبی کا منکر خارج از اسلام ہے مجدد کا منکر خارج از صلاح و تقویٰ ہے، بہرصورت مجددیت نبوت کا ایک نہایت روشن اور درخشاں پرتَو ہے اس لئے مجدد علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق و ملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے پس جس طرح کسی ذات کو نبی مان لینے سے اس کے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود ہو جاتا ہے اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لینے سے اس میں وراثتِ نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور کسی کو مجدد مان

۱۔ آل عمران: ۱۶۴ ۲۔ جمعہ: ۲

۳۔ بنی اسرائیل: ۱۵ ۴۔ انعام: ۱۲۴

۵۔ حج: ۷۵

لینے اور کہنے کے بعد کسی منقبت کا درجہ باقی نہیں رہتا کہ جس کے ذریعہ مجدد کی تعریف کی جائے اور اگر کی جائے گی تو وہ اسی وصفِ تجدید کی ایک تفصیل ہوگی جس کا متن لفظِ مجدِّد ہوگا۔(۱)

۴۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منصبِ تجدید، منصبِ نبوت کا پورا پورا ظل اور اس کے قد و قامت کا سایۂ اصلی ہے اس لئے شئونِ تجدید بھی شئونِ نبوت سے بہت کچھ ملتی جلتی ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام جامعِ کمالات ہونے کے باوجود غالب طور پر وہی کمال لے کر آتے ہیں جس کی اس دور کو ضرورت ہوتی ہے، ان کے تمام اصلاحی پروگرام میں اسی اصلاحی نقطے کا زیادہ غلبہ اور زور ہوتا ہے جو اس زمانے کے مخصوص مفاسد کے مٹانے میں موثر ہو مثلاً جب قومِ عاد تمدن کی گہرائیوں میں پھنس کر اونچی اونچی بلڈنگیں اور عظیم الشان سنگین عمارتیں تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو کر دین اور دیانت کو خیر باد کہہ چکی تھی تو اس قوم میں بھیجے ہوئے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے بھی تقویٰ وغیرہ کے عام اصطلاحی خطاب کے ساتھ خصوصیت سے جو خطاب کیا وہ وہی تھا جو اس تمدنی غلو و افراط کے استیصال کے لئے تھا چنانچہ فرمایا:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ○ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ○ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ○ (۲)

کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار کے طور پر بلا ضرورت عمارت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تیار کرتے ہو جیسا کہ تم کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دارو گیر کرتے ہو تو بالکل جابر اور ظالم بن کر دارو گیر کرتے ہو۔

اور جب قومِ ثمود اپنے اوقات دنیا کی سر سبزیوں، چمن بندی کے نظر فریب مناظر اور پہاڑی محلات کے دلکش نظارے مہیا کرنے میں صرف کر رہی تھی جس سے وہ لوگ خدا اور رسول کے قانون سے بے گانہ محض بن گئے تھے تو اس قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے پروگرام میں غالب حصہ ان ہی امور پر نکتہ چینی اور انہی کی اصلاح کا رکھا، اور فرمایا:

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ ○ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ○ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ○ (۳)

کیا تم کو دنیا کی ان چیزوں یعنی باغوں، چشموں، کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن

۱۔ مستفاد من علماءِ ہند کا شاندار ماضی: ص ۳۰۷ تا ۳۰۹ بتصرف و زیادۃ

۲۔ الشعراء: ۱۲۸ تا ۱۳۰ ۳۔ الشعراء: ۱۴۶ تا ۱۴۹

کے خوشے خوب گندھے ہوئے ہیں بے فکری سے رہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا اور کیا پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے اور فخر کرتے ہوئے مکان بناتے رہو گے۔

قومِ لوط میں اغلام بازی کے جراثیم پھیلے ہوئے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام نے عام اصلاح کے ساتھ اس مرض کی خصوصی اصلاح فرمائی اور فرمایا:

اَتَاتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ O وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ O (۱)

کیا دنیا جہان والوں میں سے تم یہ حرکت کرتے ہو کہ مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو بلکہ دراصل تم حدِ انسانیت سے نکل جانے والی قوم ہو۔

علی ہذا القیاس اصحاب الایکہ جن میں ناپ تول کی خیانت کا مرض عام تھا ان کی اصلاح کے لئے اسی کو اپنا غالب پروگرام بنایا۔ اور قومِ نوحؑ نے خدائی طاقتیں پتھر کی مورتیوں اور مٹی کے ڈھیروں میں مان رکھی تھیں اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے زیادہ تر حصہ ان ہی باطل معبودوں کی کمزوریوں کے اظہار میں صرف فرمایا۔ بہرحال قوموں میں جن روحانی مفاسد اور باطنی امراض کا غلبہ رہا ہے اسی قسم کے خصوصی معالجات لے کر انبیا علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو اسی ذہنیت کے مناسب اعجازی دلائل بھی دکھائے ہیں چناں چہ قبطیانِ مصر میں سحر و ساحری کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ دیا گیا جس نے اژدہا بن کر ان جادوگروں کے سارے مصنوعی سانپوں کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور علاج کی اعجوبہ سازیوں کا زور شور تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دمِ مسیحائی کا معجزہ عطا ہوا۔ مرضِ جذام جو اس وقت بھی لاعلاج سمجھا جاتا تھا آپ کے دم کرنے سے وہ بھی تندرست ہو جاتا تھا حتیٰ کہ آپ کے دم کرنے سے مردہ بھی زندہ ہو جاتا تھا جو سارے علاجوں کی غایت یعنی صحت سے بھی آگے کی چیز ہے۔ قومِ ثمود جو کوہ تراشی میں ماہر تھی گویا پتھروں کو موم کی طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی بہت زیادہ استعداد رکھتی تھی تو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزے سے بغیر نر و مادے کے توسط کے پتھر کو پھوڑ کر ناقۂ ثمود ظاہر ہوگئی۔ ہمارے نبی اکرم و رسول مکرم ﷺ چوں کہ خاتم النبیین اور ہمارے نبی کا دین خاتم الادیان ہے اور آپ تمام کمالات کے جامع

۱۔ الشعرا: ۱۶۵، ۱۶۶

اور آپ کا دین تمام ادیان سے اکمل ہے اس لئے آپ ﷺ کو شانِ جامع عنایت فرما کر مبعوث فرمایا اور آپ نے انسانی ضروریاتِ زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح و ترقی کا نہایت جامع پروگرام پیش کیا اور اس پر عمل فرما کر قیامت تک کے لئے تمام دنیا کو نہایت مستند و مکمل لائحہ عمل عطا فرمایا، اور آپ کے معجزات بھی تمام انبیا علیہم السلام کے معجزات کے جامع ہیں:

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کے باوجود چوں کہ زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں فصاحت و بلاغت کا زور شور تھا اس لئے آں حضرت ﷺ کو بڑا معجزہ علمی ہی دیا گیا جس نے سارے عالم کی فصاحت و بلاغت کو مات دے دی اور بڑے بڑے فصحا و بلغا کو عاجز کر دیا۔

غرض کہ نبیٔ وقت قوم کی ذہنیت ہی کے مناسب خوارق بھی لاتا ہے اور اسی کے امراضِ باطنی کے مناسب اصلاحی پروگرام بھی پیش کرتا ہے، چوں کہ مجدّد نبوت کا اصلی ظل ہے اس لئے امتِ محمدیہ ﷺ کے مجدّدوں کو بھی وہی شان دی گئی جو انبیا سابقین کو عطا ہوئی تھی، امت میں صدیوں اور زمانوں کے گزرتے رہنے سے جس جس قسم کے فتن ظہور کرتے رہے اسی قسم کے اصلاحی طرق لے کر مجدّدینِ اُمت بھی مبعوث ہوتے رہے۔ اگر کسی وقت امت میں دیانت کی کمی ہوئی تو مجدّدِ دیانت آئے جنھوں نے شعائرِ دیانت برپا کئے، اگر کبھی دیانت ہوتے ہوئے نظامِ ملت زیادہ پراگندہ ہوا تو ایسے ہی مجدّد آئے جنھوں نے اپنے حلقۂ اثر کو باہم شیر و شکر کر دیا، اگر کبھی نفوس میں اخلاقی کدورت اور زنگ لگ گیا تو ایسے ہی مجدّد آئے جنھوں نے اخلاق کا تزکیہ کر کے نفوس کو مجلّی و مصفّٰی کر دیا، اگر کبھی امت بے دین ریاضت کشوں کے کشف و خوارق پر مفتوں ہوئی تو ایسے ہی مجدد آئے جنھوں نے اپنے کشف و کرامات اور خوارق سے ہر شعبدے باز کے کرشموں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا، پھر نفسانی فتنوں کے ساتھ آفاقی فتنے بھی جس نوع کے آئے مجدّدینِ وقت کو اسی قسم کے فتنوں کے استیصال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت واستعداد دے کر بھیجا گیا، کسی نے فتنۂ شیعیت کو ختم کیا کسی نے فتنۂ باطنیت کو، کسی نے ادعائے نبوت کے فتنوں کا تار پود بکھیرا اور کسی نے عیسائیت کی وسوسہ اندازیوں کا استیصال کیا، کسی نے شرک کا تانا بانا اُدھیڑا، کسی نے وثنیت کے ستون ڈھائے اور کسی نے ثنویت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔ غرض یوں سمجھنا چاہئے کہ انبیائے سابقین میں نبوت کی جس جس رنگ کی نسبتیں تھیں اتنی اور اسی رنگ میں ولایت کی

نسبتیں امت کے مجددوں کو عطا فرمائی گئیں تاکہ امت کے ہر طبقے کی اصلاح اس کے مناسب طریقوں سے ہو۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ جس طرح امم سابقہ میں بیک وقت مختلف قوموں اور علاقوں میں جدا جدا نبی مبعوث ہوئے، ان کے اصلاحی و تبلیغی پروگرام بھی ان کی امتوں کی اصلاحی ضروریات کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں اگرچہ اصول اور مجموعی اصلاحی پروگرام میں وہ سب متفق ہیں، اسی طرح ایک ہی صدی میں مختلف علاقوں میں الگ الگ مجدد مبعوث ہوئے اور ان کے اصلاحی و تبلیغی پروگرام بھی اپنے اپنے اہل علاقے کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں اگرچہ اصول و مجموعی اصلاحی پروگرام میں وہ سب متفق ہیں۔

اور جس طرح حضور انور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کا دین خاتم الادیان ہے اسی طرح اس امت میں قیامت سے پہلے خاتم المجددین کا ظہور ہوگا جس کی تجدیدی شان اکمل المجددین کی ہوگی اور اس کے اثرات و فیوضات سے تمام دنیا اسلام کی آغوش میں آباد ہو جائے گی اور صدرِ اسلام کی طرح خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہو کر عدل و انصاف اور امن و امان کی حکومت ہوگی، وہ خاتم المجددین امام مہدی موعود اور مہدی آخر الزماں کے لقب سے معروف و مشہور ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۵۔ ایک اور نکتے کو بھی واضح کر دینا ضروری ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ مجدد، دین کو نیا کر دے گا'۔ یعنی رسومات و بدعات و فسادات کی کہنگی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کرے گا اس لئے مجدد کی بڑی پہچان جس سے خواص اس کو پہچان اور جان سکتے ہیں یہ ہے کہ اس کی تعلیم و تلقین اور جدوجہد اور دعوت و تبلیغ سے زمانہ کی ظلمتیں اور خیالات کی بدعتیں اور اعمال کے مفاسد دور ہو کر وہ اصل دین نمودار ہو جائے، جس کی صحیح تصویر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نگار خانہ کتاب و سنت میں محفوظ ہے۔

چوں کہ اس حدیث کا سہارا لے کر بعض مدعیان باطل نے نئے نئے دعوے کئے ہیں یہاں تک کہ نبوت کے حدودِ حرم تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اسلام میں نئے نئے فرقوں بلکہ امتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے اس لئے یہ لغزش گاہ بھی ہے، اس مقام پر قلم اور قدم کو بہت پھونک پھونک کر رکھنا چاہئے، اسی لئے ضروری ہے کہ بتا دیا جائے کہ نبی کی ضرورت من جانب اللہ اصل احکام کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ہے یعنی نبی علیہ السلام احکامِ الٰہی کو بندوں تک پہنچانے کا واسطہ

۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص ۳۰۹ تا ۳۱۳ ملخصا و تصرفا و زیادۃ

ہے، وہ عقل وقیاس اور علم وفہم سے نہیں کہتا بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وحی سے کہتا ہے اور احکام کی تعلیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے اس کی وحی وتعلیم ہر خطا سے پاک اور وہ خود ہر غلطی سے معصوم ہے، مگر مجدد کا یہ حال نہیں بلکہ وہ کتاب وسنت اور وحی رسالت کے احکام وپیغام کو سمجھ کر اور اپنی فراستِ ایمانی، صفائی ذہن، عقلِ مستقیم، قیاسِ صحیح اور اصابتِ رائے سے صحیح وغلط میں تمیز کرتا ہے۔ دین کو غیر دین سے، ارشاداتِ الٰہی کو ایجاداتِ انسانی سے، سنت کو بدعت سے ممتاز کرتا ہے اور اپنی علمی وعملی زندگی کی طہارت ونزاہت اور ثبات واستقامت اور نبی کی اتباعِ کامل اور اقتدائے تام سے محبوبیت ومقبولیت کی شان پیدا کرتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نبی کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر انسان اصل شریعت سے محروم اور کفر سے لپٹا رہتا ہے اس لئے اس پر نعیم آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے بند اور عذابِ آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا ہے لیکن مجدد کے نہ ماننے سے وہ صرف کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی سے محروم رہتا ہے، یہ محرومی بھی کتنی بڑی محرومی ہے کہ دولتِ ایمان رکھ کر بھی اس کی دینی ودنیوی ثمرات وبرکات سے گویا عملاً محروم ہی رہتا ہے اور بدعات وفسادات کی آمیزشوں سے بچ نکلنے میں اس کو مشکلیں پیش آتی ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ جنت تک پہنچنے میں اس کو عذاب کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑے، وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (۱) اسی وجہ سے نبی اور مجدد کی دعوتوں کی نوعیت میں بھی فرق ہے۔ نبی ہر شخص کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور نبی کی نبوت پر ایمان لانا ایمان کا جز ہے جس کے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا، کیوں کہ نبی کو مانے بغیر اس کے واسطے سے آئے ہوئے احکامِ الٰہی اور کلامِ ربانی تک رسائی نہیں ہوسکتی، لیکن مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا یہاں تک کہ مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جز بھی نہیں ہے، خصوصاً کسی ایک زمانے کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں۔

اسی فرق سے دوسرا فرق بھی پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ نبی کو اپنا نبی ہونا یقینی اور قطعی طور سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم وخبر سے اس واقعہ کا ہونا یقینی وبدیہی معلوم ہوتا ہے جس کے لئے اس کو دلیل کی بھی ضرورت نہیں لیکن مجدد کو اپنا مجدد ہونا ظن وتخمین سے زیادہ معلوم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اگلے زمانے کے مجدد دین کا مجدد ہونا بالعموم ان کی وفات کے بعد ان کے پاکیزہ کارناموں اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی سے خواص امت پر ظاہر ہوا اور اس کے بعد لوگوں نے مان لیا،

۱۔ الفتح ۱۴۔

چناں چہ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پہلی صدی کے خاتمے کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ اور دوسری صدی کے خاتمے کا مجدد امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کو مانا۔ (۱)

۶۔ یہ صحیح ہے کہ مجدد کو اپنے مجدد ہونے کا علم ظن و تخمین سے زیادہ نہیں ہوتا اور اس کو انبیائے کرامؑ کی طرح یقینی و قطعی طور پر اپنے مجدد ہونے کا علم نہیں ہوتا لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ تجدید کی خلعت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے ظن و تخمین یا کشف والہام کی حیثیت عامۃ المؤمنین بلکہ خواص کے ظن و تخمین و کشف والہام کے مقابلے میں نہایت نمایاں اور حقیقت آمیز ہوتی ہے اور اگر چہ اس کا کشف والہام نبی کے کشف والہام کی طرح وحی کا درجہ نہیں رکھتا لیکن دوسرے لوگوں کے مقابلے میں وہ غالب طور پر صادق الکشف والالہام ہوتا ہے:

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود
لیک بس عالی ست پیشِ خاک تود

باوجود کہ مجدد کو اپنی مجددیت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے تاہم بعض حضرات مجددین کو اللہ تعالیٰ ان کی مجددیت کا علم عطا فرماتا ہے اور وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر اس کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اپنے مجدد ہونے کا علم علی وجہ الکمال تھا جیسا کہ بعض مکتوبات میں خود تحریر فرماتے ہیں خصوصیت سے مکتوب نمبر۴ دفتر دوم ملاحظہ فرمائیں۔

۷۔ اگر چہ مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا یعنی وہ اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جز و بھی نہیں ہے خصوصاً کسی ایک زمانے کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس کے باوجود بعض حضرات نے اپنے مجدد ہونے کو تحدیثِ نعمت کے طور پر ظاہر فرمایا ہے اور یہ کوئی قبیح امر نہیں ہے، ہر شخص تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۲)، پس جس طرح رسول اللہ ﷺ تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہیں، آپ کے اتباع کے طور پر تمام امت بھی تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ حضرات مجددین بطورِ خاص بطریقِ تحدیثِ نعمت و بغرضِ استفادۂ قوم اپنے مجدد ہونے کے اظہار پر مامور من اللہ ہوں، فافہم ولاتکن من القاصرین۔

۸۔ اقامتِ دین، احیائے سنت اور ازالۂ بدعت کرنے والے کے لئے علومِ شرعیہ میں مہارتِ تامہ اور اتباعِ سنت میں کمال کا حصول لازمی ہے اور اس کی پہچان کے لئے یہ بھی دیکھنا

۱۔ مقدمہ جامع المجددین: ص ۱۹ تا ۲۱ ۲۔ الضحیٰ: ۱۱

ضروری ہے کہ خواص واخص الخواص اکابرِ امت میں اس کی مقبولیت کیسی ہے۔ حدیث میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ قَالَ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو جبرئیل (علیہ السلام) کو پکارتا ہے اور فرماتا ہے کہ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ۔ پس جبرئیل (علیہ السلام) اس کو دوست رکھتا ہے پھر جبرئیل (علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب) آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پس اس کو تمام آسمان والے دوست رکھتے ہیں پھر اس کے لئے قبولیت (یعنی آثارِ محبت) زمین میں رکھی جاتی ہے (کہ زمین والے یعنی جن وانس اس سے محبت کرنے لگتے ہیں)

پھر اس کے لئے قبولیت زمین میں رکھی جاتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ دنیا کے دلوں میں اس کی محبت اور رضا پیدا کر دی جاتی ہے پس لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور وہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں یعنی جبرئیل علیہ السلام وغیرہ کی جانب سے ابتداءً اس کی محبت اللہ سے محبت رکھنے والوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے پھر ان کے ذریعے سے دوسرے لوگوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جس طرح پہلے اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو اس سے محبت کرنے کے لئے فرماتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام ملائکہ مقربین کو پھر ملائے اعلیٰ کے فرشتوں کو اس کا اظہار فرماتا ہے اور وہ اس شخص سے محبت کرتے ہیں بعینہٖ اسی طرح اہلِ زمین میں بھی اس کی محبت پہلے اخص الخواص اولیاء اللہ میں پیدا کی جاتی ہے پھر دوسرے اولیا میں اور پھر عامۃ المؤمنین میں اس کی قبولیت پیدا ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ محبوبین ومقبولینِ بارگاہِ خداوندی کا معیار یہ ہے کہ ان کی مقبولیت ابتداً اخص الخواص میں ہوتی ہے حتی کہ وہ عام اہل دنیا میں مقبول ومحبوب ہو جاتا ہے۔

پس بہت سے اولیاء اللہ کو جو عوام الناس میں مقبولیت حاصل نہیں ہوتی اس سے حدیث مذکور کی تردید نہیں ہوتی اس لئے کہ خواص میں مقبولیت حاصل ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ محض عوام میں

۱۔ المشکوٰۃ کتاب الآداب باب الحب فی اللہ ومن اللہ

مقبولیت کا (اور اسی طرح اگر کوئی فاسق و فاجر شخص کسی وجہ سے عوام میں مقبول ہو جائے چوں کہ خواص اس کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے قبول نہیں کریں گے تو اس کی یہ مقبولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مؤلف

اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عبد بن حمید و بخاری و مسلم و ترمذی و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ اور بیہقی نے الاسماء والصفات کے بیان میں روایت کی ہے اور اس میں کہا ہے:

فذالک قول اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا○(۱)

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے (خلائق کے دل میں) محبت پیدا کر دے گا۔

تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں درج ہے کہ امام ترمذی و ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کے بارے میں دریافت کیا تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا ''مومنین کے سینوں اور ملائکہ مقربین میں محبت ہونا''۔ پس یہ ان حضرات کی ولایت کی علامت اور اہلیتِ مشیخت کی دلیل ہے اور حدیثِ بالا میں اسی محبت کے پیدا کر دینے کا ذکر ہے اور مخلوق کے دلوں سے مراد وہ دل ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت ہو پس یہ اشکال نہ رہا کہ بہت سے مومنین و صلحا سے بعض لوگوں کے دلوں میں بُغض ہوتا ہے کیوں کہ ایسے لوگ بد باطن ہوتے ہیں اور صلحا سے بغض رکھنا خبثِ باطن کی علامت ہے۔ مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث متفق علیہ فی المعنی ہے۔ (۲)

نیز جاننا چاہئے کہ یوں تو ہر مسلمان مبلّغِ اسلام ہے اور دین کا جس قدر علم جس کے پاس ہے وہ اس کو دوسروں تک پہنچانے کا مکلف ہے آں حضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً

اگر تم کو مجھ سے ایک آیت بھی ملے تو دوسروں کو پہنچاؤ۔

نیز ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو میری مجلس میں حاضر ہے وہ میری باتوں کو غائبین تک پہنچا دے''۔ تاہم جس طرح اللہ پاک کا فرمان ہے:

۱۔ مریم: ۹۶ ۲۔ مرقات: ج ۹ ص ۲۴۷، ۲۴۸۔ مظاہر حق

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۱)

ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی۔

امت کے افراد میں بھی بعض کو بعض پر بدرجۂ اولیٰ فضیلت حاصل ہے اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے پس دین کی تبلیغ و تائید کرنے والے حضرات کے بھی عام اصول کے مطابق تین درجے ہیں:

اول عام مؤمنین ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ لوگ جو فاسق و فاجر مُعْلِن ہیں ان سے بھی دین کی خدمت و تائید کے بعض کام ادا ہوتے رہتے ہیں اور بعض وقت کسی فاجر و فاسق سے دین کی کوئی نمایاں خدمت سرانجام پاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ ۔ لیکن اس کے باوجود علما و صلحا و خواص المؤمنین میں اس کو مقبولیتِ عامہ حاصل نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ عام مؤمنین ہیں جو علانیہ فسق و فجور سے حتی الامکان گرز کرتے ہیں، یہ لوگ پہلی قسم کے مومنین کے مقابلے میں زیادہ خدمتِ دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرتے رہتے ہیں انہی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۲)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی ساتھی ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں کو منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

دوم خواص المومنین، اگرچہ آیۂ مذکورہ تمام مؤمنین کے بارے میں ہے لیکن دین کی تائید و تبلیغ کا کام اس گروہ کی خصوصیت کو دوسروں سے نمایاں کرتا اور عام مؤمنین پر ان کو فوقیت دیتا ہے یہ حضرات صحیح عقائدِ اہل سنت و جماعت رکھتے ہوئے شریعتِ مقدسہ اور سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حتی المقدور ہر وقت عمل پیرا رہتے ہیں ان کے نفوس کا تزکیہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے اخلاصِ عمل کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، یہ حضرات ہر وقت اقامتِ دین و احیائے سنت و ازالۂ بدعت میں کوشاں رہتے ہیں اور دعوتِ حق بلا خوف لومۃ لائم ہر وقت ان کا مشغلہ رہتا ہے،

۱۔ البقرہ: ج ۲۵۳ ۲۔ التوبہ: ۷۱

ان کی تبلیغ کا اثر ان کا تقویٰ وتزکیۂ نفس و اخلاصِ عمل کی برکت سے بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ اولیاء اللہ کی جماعت ہے ان کی شان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ O (۱)

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ مغموم ہوتے ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولایت کا مبنیٰ ایمان اور تقویٰ ہے، ان حضرات کی دعوت عام مومنین کی دعوت سے نہایت ممتاز و مؤثر ہوتی ہے، کیوں کہ یہ حضرات تقوے کے زیور سے آراستہ اور تزکیۂ نفس واخلاصِ عمل کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں بخلاف عام مومنین کے کہ وہ ابھی تک نفس کی شرارتوں سے پوری طرح محفوظ نہیں ہیں اور اعمال میں اخلاص کی دولت سے کافی حد تک محروم ہوتے ہیں۔

سوم اخص الخواص، اولیاء اللہ میں بھی عام اولیاء اللہ اور خواص اولیاء اللہ ہوتے ہیں یہ حضرات دعوت وعزیمت کے لوگ ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

اَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَآئِرٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ کَلِمَۃُ عَدْلٍ

یہ حضرات اس حدیث پر پوری طرح عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور کسی ایذا رساں کی ایذا رسانی سے بے خوف ہو کر اقامتِ دین واحیائے سنت وازالۂ بدعت کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ ایسے زمانے میں جب کہ دین بہت کمزور ہو گیا ہو اپنے اور اغیا ہدمِ دین میں دن رات لگے ہوئے ہوں، شریعت کے احکامات پر چلنا آگ پر چلنے کی طرح مشکل ہو گیا ہو، بدعات کا ہر طرف زور ہو، علمائے سو اور صوفیائے خام کا زور ہو، انہی اخص الخواص اولیاء اللہ میں سے ایک شخص یا جماعت ظاہر ہوتی ہے جو دعوتِ اسلام کا کام اس انداز سے سرانجام دیتی ہے کہ دین نئے سرے سے زندہ ہو جاتا ہے اور لوگ احکامِ شریعت پر عمل کرنے لگتے ہیں اور قانونِ شرعی کو بالادستی حاصل ہو جاتی ہے ایسے ہی ایک شخص یا جماعت پر حدیث کی رو سے مجدّد کا اطلاق ہوتا ہے، اس کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق ہوں، علومِ شرعیہ میں مہارت تامہ اور اتباعِ سنت میں کمال حاصل ہو، اخلاص کی دولت سے مالا

۱۔ یونس: ۶۲، ۶۳

مال ہو، اخص الخواص سے عام مؤمنین تک اس کو مقبولیت حاصل ہو، اقامتِ دین و احیائے سنت و ازالۂ بدعت میں اس کی خاص شان ہو۔ ھذا ما عندی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۹۔ ہر مجدّد اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے، اس کی وضاحت چند مقدمات میں کی جاتی ہے:

اول، چوں کہ منصبِ تجدید منصبِ نبوت کا ظلِ کامل ہے اور شؤونِ تجدید بھی شؤونِ نبوت سے بہت کچھ ملتی ہیں اس لئے جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بلا خوفِ لومۃ لائم اور بے خطرِ جان و خانمان احکامِ الٰہی من و عن بلا کم و کاست، اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں اور ارشادِ خداوندی یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۱) ہر وقت ان کے پیش نظر رہا ہے اسی طرح مجدّد بھی آں حضرت ﷺ کی شریعتِ مقدسہ کے احکام بلا خوف لومۃ لائم امت کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لئے وقف سمجھتا ہے۔

دوم، ایمان کا حاصل ہونا اور ہدایت کا ملنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے، تمام لوگوں کو مؤمن و ہدایت یافتہ بنا دینا نبی کے ذمے نہیں ہے، بلکہ اگر نبی کسی خاص شخص کے متعلق چاہے کہ وہ ایمان لے آئے اور ہدایت حاصل کر لے تو جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے ایسا نہیں ہو سکتا اور اس سے نبی کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی:

قَالَ اللهُ تَعَالٰی اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (۲)

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

پس نبی کے ذمے اللہ تعالیٰ کے احکام کا پہنچا دینا ہے اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور اس میں اس کے لئے حکمتِ بالغہ اور حجتِ واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۳)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

۱۔ المائدہ: ۶۷ ۲۔ القصص: ۵۶
۳۔ یونس: ۹۹

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (۱)

(اے نبی ﷺ) ان لوگوں کو ہدایت دینا آپ کے ذمے نہیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (۲)

اور آپ کتنا ہی چاہیں اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳)

حالانکہ کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۴)

پس اگر کسی نبی پر معدودے چند لوگوں کے سوا باقی لوگ ایمان نہ لائے یا کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا تب بھی اس نبی کا مشن کامیاب رہا، کیوں کہ کسی نبی سے احکامِ الٰہی کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی لہٰذا ہر نبی کی شانِ نبوت اور ہر رسول کی شانِ رسالت ہر طرح سے اعلیٰ و ارفع اور بے داغ ہے بعینہ مجدّدِ دین بھی اقامتِ دین احیائے سنت وازالۂ بدعت میں حتی المقدور سعی وکوشش کرتا ہے جس کی بنا پر کہا جائے گا کہ ہر مجدّد اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ باایں ہمہ اس سلسلہ میں مجدّد کی ایک خاص شان ہوتی ہے اور غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے جس کی بنا پر اس کے معاصرین اور بعد میں آنے والے حضرات اس کو مجدّد تسلیم کرتے اور تجدیدی کارناموں کی تصدیق کرتے ہیں۔

سوم۔ نبی کے ذمے اپنی امت کو احکامِ الٰہی کا پہنچانا ہے قال تعالیٰ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۵) وایضا قال تعالیٰ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ O (۶) وغیرهما

۱۔ البقرہ:۲۷۲ ۲۔ یوسف:۱۰۳

۳۔ یونس:۱۰۰ ۴۔ ہود:۱۱۸

۵۔ النحل:۸۲ ۶۔ الرعد:۴۰

من الایات، پس جس طرح نبی کا کام احکامِ الٰہی کا امت کو پہنچا دینا ہے اور ہدایت کا دینا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اسی طرح مجدّد کا کام بھی احکامِ شریعت کی تبلیغ اور احیائے سنت وازالۂ بدعت و اقامتِ دین کے لئے کوشش کرنا ہے۔ تمام لوگوں کو ہدایت پر لگا دینا جب نبی کے ذمے نہیں ہے تو مجدّد کے ذمے بھی نہیں ہے البتہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ ضرور اس کو فیضِ تربیت سے فیض یاب ہو کر فلاح دارین حاصل کریں گے اور حضورِ انور ﷺ کی تبعیت و وراثت کے فیض اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشیتِ ایزدی کے مطابق مجدّد کی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے جس کی بنا پر اہلِ زمانہ بھی اور بعد میں آنے والے حضرات بھی اس کے مجدّد ہونے کو تسلیم اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

چہارم۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتے تھے اور ان کا تزکیۂ نفس فرماتے تھے یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے اور جس خبث و نجاستِ باطنی سے وہ لوگ حالتِ شرک و جاہلیت میں ملوث تھے اس سے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے اور ان کو قرآن و سنت کے احکام سکھاتے تھے قال تعالیٰ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (۱) وغیرها من الآیات۔ مجدّد بھی لوگوں کے سامنے تبلیغ دین کے لئے کلامِ الٰہی کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں سے جو اس کو بطریقِ توارث مشائخ کرام قدس سرہم سے پہنچے ہیں اپنے متبعین کا تزکیۂ نفس کرتا ہے، ان کو احکامِ قرآنی اور مسائل دینی کی تعلیم دیتا ہے، اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جو تحریف اور تغیر و تبدل عقائد و احکامِ دین میں ضالین و مبتدعین کی طرف سے پیدا ہو جاتا ہے مجدّد اس کی اصلاح کر کے صحیح دین کی تعلیم دیتا، بدعات فی الدین کا ازالہ کرتا اور جو سنتیں مردہ ہو گئی ہیں ان کو زندہ کرتا ہے۔

پنجم۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شخصیات اور ان کی تعلیمات اور طریقہ ہائے کار اطوارِ عقل و فکر سے ماورا ہیں، عقل ان سے درماندہ اور فکر نارسا ہے، عقلا معرفتِ حق سے محروم و اطبا در یوزہ گرِ صحف انبیا ہیں اور اتباعِ عقل گمراہی ہے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے مکتوب نمبر ۲۳۰ دفتر سوم میں مذکورہ بالا دعووں کو مفصل و مدلل طور پر ثابت فرمایا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے: ''انبیا

۱۔ جمعہ: ۲

علیہم السلام اہلِ عالم کے لئے رحمت ہیں، جن کی بعثت کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے ہم ناقص عقلوں اور کم فہموں کو خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے موافق اپنے ذاتی وصفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے اور اپنی رضامندی کو اپنی ناراضی سے جدا کیا ہے اور ہمارے دنیا اور آخرت کے نفعوں کو ہمارے ضرروں ونقصانات سے ممتاز فرمایا ہے، اگر ان کے وجودِ شریف کا وسیلہ نہ ہوتا تو انسانی عقلیں حق تعالیٰ کی اثبات میں عاجز رہتیں اور اس کے کمالات کے ادراک میں ناقص وقاصر ہوتیں، غرض انبیا علیہم السلام کی تعلیم وہدایت کے بغیر عقل اس اعلیٰ دولت کے اثبات میں کوتاہ وگمراہ ہے۔ جب ان حضرات کی تبلیغ سے وجودِ خدا عام طور پر تسلیم کرلیا گیا تب فلاسفہ بھی اپنی غلطی پر مطلع ہوکر بے اختیار وجودِ خدا کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا وجود، انبیا علیہم السلام کی بعثت، فرشتوں کی عصمت، حشر ونشر، بہشت ودوزخ اور ان کا دائمی راحت ورنج وغیرہ وغیرہ جو شریعت نے بیان کی ہیں عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگوں سے سنے بغیر ان امور کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے، جس طرح طورِ عقل طورِ حس سے ماوراء ہے اسی طرح طورِ نبوت بھی طورِ عقل سے ماوراء ہے جو چیز عقل سے مدرک نہ ہوسکے نبوت کے ذریعہ ادراک میں آجاتی ہے، جو شخص طورِ عقل کے ماسوا اور کوئی طریقہ صانع جل شانہٗ کی معرفت کے لئے ثابت نہیں کرتا وہ درحقیقت طورِ نبوت کا منکر اور بداہت وصراحت کا مخالف ہے پس انبیا علیہم السلام کا وجود ضروری تھا کیوں کہ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم جو اس کی طرف سے حاصل نہ ہو وہ اس کے شکر کے لائق نہیں اس لئے کہ قوتِ انسانی اس کے ادراک میں عاجز ہے بسا اوقات اس کی بے تعظیمی کو تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں آجاتا ہے حق تعالیٰ سے اس کی تعظیم کے استفادے کا طریق نبوت اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر موقوف ہے، اولیا کرام کا الہام بھی انوارِ نبوت سے مقتبس ہے اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض وبرکت کا نتیجہ ہے، ریاضت ومجاہدے کا طریق نظر واستدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتماد واعتبار کے لائق ہوتا ہے جب کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے جو حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تائید سے مؤید ہیں۔ جن علوم میں عقل کا استقلال اور استحکام ہے وہ غلط وخطا سے محفوظ ہونے کے باوجود اس بحث سے خارج اور دائرہ مالایعنی میں داخل ہیں، یہاں گفتگو ان علوم سے ہے جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر ہے اور طورِ نبوت پر موقوف ہیں اور جن پر آخرت کی نجات منحصر ہے۔

حضرت مجددؔ الف ثانی قدس سرہٗ کی اس تحریر سے انبیائے کرامؑ کے مقام، عظمتِ شان اور ضرورت کا تعین ہوتا ہے اور یہ کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کارنامے حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق نبوت و رسالت کے فرائض انجام دیتے ہیں، ان حضرات کو ہر وقت حق جلّ مجدہ کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور ان کی مساعی جمیلہ کا جو نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے وہ عین مرضی حق کے مطابق ہوتا ہے۔ مجدّد بھی چوں کہ منصبِ نبوت کا ظل ہوتا ہے وہ بھی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متابعت تمام اطوار و طرق میں کرتا ہے اس کی تمام مساعی بھی حق تعالیٰ کی عین مرضی کے مطابق ہوتی ہیں وہ اگرچہ خطا سے معصوم نہیں ہوتا لیکن اس کو بھی حق تعالیٰ کی حفاظت و رہنمائی کا شرف ہر وقت حاصل رہتا ہے اگرچہ ختم نبوت کے ساتھ نزول وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطوارِ عقل سے ماورا دوسرے طریقے یعنی صحیح وجدان والہام وغیرہ حاصل ہوتے ہیں، کیوں کہ اولیائے کرامؒ کا الہام بھی انوارِ نبوت سے مقتبس ہے اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس بر خود گیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

واللہ اعلم بالصواب

مجدّد الفِ ثانیؒ

آں حضرت ﷺ سے پہلے بکثرت انبیا و مرسلین گزرے ہیں، کوئی بستی اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ہدایت کرنے والا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرانے والا نہ گزرا ہو، چناں چہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۝ (۱) اور دوسری جگہ فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۲) لیکن تقریباً ہر ہزار سال کے بعد ایک اولوالعزم پیغمبر کا زمانہ آتا رہا ہے چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً ہزار سال بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے تقریباً ہزار سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر آں حضرت خاتم الانبیا ﷺ کا زمانہ ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنے والی نہیں تھی لہٰذا آپ کی شریعت کے قیامت تک محفوظ رہنے کے انتظامات بھی قدرتِ کاملہ کی طرف بیش از بیش کیے گئے اور امت کو ان

۱۔ فاطر: ۲۴
۲۔ الرعد: ۷

انتظامات سے بطور پیشین گوئی کے آگاہ کر کے مطمئن کر دیا گیا۔ بعض اہم انتظامات کی خبر قرآن مجید میں ہے اور بعض کی احادیثِ صحیحہ میں، چناں چہ ہر صدی میں مجدّد کا ہونا بھی ان ہی انتظامات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا ذکر احادیثِ صحیحہ میں ہے لہٰذا سنن ابی داؤد کی ایک حدیث اوپر بیان ہو چکی ہے، لیکن صدی کے مجدد کے علاوہ ہزار سال کے بعد اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام الوالعزم مجدّد کا ہونا بھی لازمی تھا تاکہ جس طرح صدی کے مجدّدین کی خدمات کے اثرات ایک صدی تک کے لئے ہوتے ہیں ہزار سال کے مجدّد کی خدمات کے اثرات آئندہ ایک ہزار سال تک باقی رہیں۔ چناں چہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کو ''الفِ ثانی'' کا مجدّد بنا کر اس دنیا میں بھیجا، آپ سے پہلے صدی کے مجدّد ہوا کرتے تھے الف (ہزار) کا مجدّد کوئی نہیں ہوا کیوں کہ الفِ ثانی کا آغاز ہی نہیں ہوا تھا اور الفِ اول میں خود سیّد البشر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس واطہر موجود تھی چناں چہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ خود اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں جو میر محمد نعمان بدخشیؒ کے نام صادر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں:

گزشتہ شریعتوں کا یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبر کے رحلت فرما جانے کے ہزار سال بعد تک انبیائے کرام ومرسلین مبعوث ہوتے رہتے تھے جو اس اولوالعزم پیغمبر کی شریعت کو تقویت دیتے تھے اور اس کے کلمے کو بلند کرتے تھے اور جب اس اولوالعزم پیغمبر کی دعوت وشریعت کا دورہ تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور نئے سرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا اور چونکہ حضرتِ خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ وتبدیل سے محفوظ ہے اس لئے حضور کی امت کے علما کو انبیا کا قائم مقام بنا کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کا کام ان کے سپرد فرمایا ہے بلکہ ایک اولوالعزم پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو آں حضرت ﷺ کی تبع بنا کر آپ کی شریعت کو ترقی بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱)

ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت فرما جانے کے ہزار سال بعد حضورِ ﷺ کی امت کے جو اولیا ظاہر ہوں گے اگر چہ وہ قلیل ہوں گے مگر اکمل ہوں گے تا کہ اس شریعت کی تقویت پوری طور پر کر سکیں، حضرت مہدی علیہ السلام جن کی تشریف آوری کی

ا۔ الحجر: ۹

نسبت خاتم الرسل علیہ السلام نے بشارت فرمائی ہے ہزار سال کے بعد پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔(۱)

نیز مکتوب نمبر۴ دفتر دوم میں جو میر محمد نعمانؒ ہی کے نام صادر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدّد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدّد اور ہے اور ہزار کا مجدّد اور، جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اس قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجدّدوں کے درمیان فرق ہے، اور مجدّد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں امتوں کو پہنچتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے خواہ اس وقت اقطاب واوتاد ہوں اور خواہ ابدال ونجبا

خاص کند بندہ مصلحتِ عام را

مجدّد الف ثانی کا مصداق

اس کے بعد اب یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ الف ثانی کے مجدّد حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔ آپ کا ظہور ہندوستان میں ایسے ہی نازک دور میں ہوا جب کفر وشرک، ضلالت وگمراہی، فسق وفجور کا دور دورہ تھا، لوگ دینِ اسلام سے منحرف ہو رہے تھے، آپ نے آکر توحید کا جھنڈا پھر سے بلند کیا، کفر وبدعت اور فسق وفجور کی ظلمت کو دور کیا جس کا مفصل تذکرہ آئندہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ دینی خدمات بجا طور سے آپ کے مجدّد ہونے پر پرزور دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں علمائے عصر نے بھی آپ کو مجدّد تسلیم کیا ہے بلکہ ان میں سے اکثر تو آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور آج تک خواص وعوام، علماومشائخ سب آپ کو مجدّد مانتے چلے آئے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی مانتے رہیں گے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کی مجدّدیت کی تائید میں آیات واحادیث اور خود آپ کے اور آپ کے ہم عصر اور بعد کے بزرگوں کے اقوال بھی پیش کردیے جائیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ظہور کے متعلق آیات واحادیث میں اشارات

بعض آیات واحادیث میں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے ظہور فیض گنجور ووجودِ باجود کے متعلق اشارات ملتے ہیں چناں چہ تفسیرِ مظہری میں سورۂ واقعہ کی آیت وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ

ا۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۰۹

کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

قال المجددؒ الصحابه کلهم کانوا مستغرقین فی کمالات النبوة و من التابعین اکثرهم و من اتباع التابعین اقلهم ثم انطمس انوار النبوة واختفٰی اثارها و ظهر کمالات الولایة واستعلی انوارها السکرو الشطح و کثرة الخوارق المستفادة من التجلیات الصفاتیة و الظلیة حتی اذا مضی بعد الهجرة الف سنة تدارك رحمة الله الواسعة افاض کمالات النبوة بمقتضی طینة النبی صلی الله علیه وسلم علی بعض اتباعه حتی اشتبه اٰخر الامة باولها فقال النبی صلی الله علیه وسلم مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَایُدْرٰی اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ رواه الترمذی عن انس وروی رزین عن جعفر بن محمد الصادقؒ عن ابیه الباقرؒ عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابشرو ا ابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لا یدری اخره خیر ام اوله او کحدیقة اطعم منها فوج عاما ثم اطعم منها فوج عاما لعل اخرجها فوجا ان یکون اعراضها عرضا و اعمقها عمقا و احسنها حسنا، و عن ابی الدرداء عن النبی صلی الله علیه وسلم قال خیر امتی اولها و اٰخرها و فی وسطها الکدر رواه الحکیم الترمذی. پھر آیۂ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ کے جزو قلیل من الآخرین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وهم ارباب کمال النبوة الذین و جدوا بعد الف سنة کما ذکرنا من قبل

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مجدد الف ثانی کے ظہور کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں آں حضرت ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے جو گویا آپ کے متعلق پیشین گوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ کَذَا وَکَذَا

میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا صلہ کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے

بکثرت لوگ جنت میں جائیں گے

خدا کی قدرت کہ یہی لفظِ صلہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے قلم سے اپنے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس امت میں آپ سے پہلے یہ لفظ کسی نے اپنے لئے استعمال نہیں کیا (ان فی ذلك لآیات)۔ چناں چہ مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم میں اپنے فرزند رشید وخلیفہ راشد عروۃ الوثقی مجدد الدین خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو بعض پوشیدہ اسرار تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہوگیا ہے اور ہزار سالہ درخواست قبول ہوگئی، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحاً بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ اَکْمَلُ الْحَمْدِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخْوَانِهِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمَلَائِکَةِ الْعِظَامِ (اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں کامل ترین شکر ہے جس نے مجھ کو دو سمندروں کا ملانے والا اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنایا اور حضرت خیر الانام ﷺ اور ان کے اخوانِ کرام یعنی انبیا و ملائکہ عظام پر صلوٰۃ و سلام ہو) آپ نے اس طرح تحریر فرما کر مذکورہ بالا حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس حدیث کا مصداق مجھ کو بنایا۔ یہاں دو سمندروں سے مراد شریعت اور طریقت ہیں اور دو گروہوں سے مراد علمائے اسلام اور مشائخ کرام ہیں۔ شریعت اور طریقت میں جو اختلاف بظاہر نظر آ رہا تھا وہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رفع کر دیا اور جو اختلاف علما کا مشائخ سے تھا وہ بڑی حد تک کم ہوگیا۔ اس سلسلے میں دفتر دوم کا پہلا مکتوب ملاحظہ ہو۔ (۱)

آپ کی نسبت اولیائے سابقین کی بشارتیں

ذیل میں چند بزرگوں کی بشارتیں نقل کی جاتی ہیں جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے متعلق ہیں۔

۱۔ مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ مقاماتِ شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہٗ میں میں نے خود دیکھا ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ ''میرے بعد سترہ آدمی میری مثل اور میرے ہم نام پیدا ہوں گے ان سب کے آخر میں جو شخص بعثتِ نبوی ﷺ سے ہزار سال کے بعد ظاہر ہوگا وہ سب سے زیادہ بزرگ ہوگا۔ (۲)

۲۔ مقاماتِ شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا سبحان اللہ

۱۔ مقالات خیر: ص ۵۴ ۲۔ حضرات القدس: ج ۲، ص ۱۹

خواجگانِ نقشبند یہ سے ایک عزیز ہندوستان میں پیدا ہوگا جو تمام اولیا سے افضل ہوگا لیکن افسوس کہ میں ان سے شرفِ ملاقات حاصل نہ کرسکوں گا بعد ازاں ایک خط اپنی نیاز مندی و معذرت اور دعائے خیر کے لئے لکھ کر اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰن بدخشی کو دیا جو انہوں نے ۱۰۲۲ھ میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر شیخ موصوف کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام اولیائے کبار میں نظر آتا ہے۔ (۱)

۳۔ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور شیخ نظام نارنولیؒ اور شیخ عبداللہ سہروردیؒ اور دیگر اکابر اولیائے ہند کی خدمت میں لوگ حاضر ہو کر اکبر بادشاہ کی بددینی اور گمراہی کی شکایت کرتے اور ترقی اسلام کی دعا کے لئے خواستگار ہوا کرتے تھے۔ چناں چہ یہ اولیائے کرامؒ جب توجہ باطنی فرماتے تو ان پر بھی یہی منکشف ہوتا کہ عنقریب امام و مجدّدِ وقت کا ظہور ہوگا وہ اس بددینی اور گمراہی کو دور کریں گے۔ (۲)

۴۔ حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ نے ایک شب نمازِ تہجد کے بعد مراقبے میں دیکھا کہ تمام عالم میں تاریکی پھیل گئی ہے خوک و بندر اور ریچھ وغیرہ لوگوں کو ہلاک کررہے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک نور اُن کے سینے سے نکلا جس سے تمام جہان منور ہوگیا اور اس نور سے ایک بجلی نکلی جس نے تمام درندوں کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا۔ پھر اسی نور میں سے ایک تخت نمودار ہوا جس پر ایک بزرگ مسند نشیں ہیں اور ان کے گرد ہزار ہا نورانی مرد اور ملائک مؤدب کھڑے ہیں اور تمام ملحدوں، زندیقوں، ظالموں اور جابروں کو لاکر ان کے حضور میں پیش کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کررہے ہیں اور ایک شخص یہ آیت بآوازِ بلند پڑھ رہا ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ حق آیا اور باطل جاتا رہا۔ واقعی باطل مٹنے والا ہی تھا۔

جب آپ نے یہ واقعہ شاہ کمال کیتھلیؒ سے عرض کیا تو آپ نے متوجہ الی اللہ ہونے کے بعد فرمایا کہ آپ کے ایک فرزند پیدا ہوگا جو ضلالت و گمراہی کو مٹا دے گا اور اس کی زمانے میں دینِ اسلام کو فروغ ہوگا۔ (۳)

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۴۳

۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۴۴۔ ان تمام واقعات کے لئے مزید ملاحظہ ہو، سیرت امام ربانی: ص ۴۵ تا ۵۰

۳۔ ایضاً

حضرت مجدّد کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے ارشادات

حضرت خواجہ باقی قدس سرہٗ نے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی شان میں بکثرت مدحیہ کلمات فرمائے ہیں ان میں سے چند کلمات بطور تبرک درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ میاں شیخ احمدؒ کے طفیل ہم کو معلوم ہوا کہ توحیدِ وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہِ طریقت اور ہی ہے۔ (۱)

۲۔ میاں شیخ احمدؒ ایک آفتاب ہیں کہ جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں (۲)

۳۔ ہماری اور میاں شیخ احمدؒ کی تمثیل خواجہ ابوالحسن خرقانی اور ان کے مرید خواجہ عبیداللہ انصار کی ہے کہ اگر پیر زندہ رہتے تو اپنے مرید کے مرید ہوتے۔ (۳)

۴۔ میاں شیخ احمدؒ کمال مرادوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔

۵۔ میاں شیخ احمدؒ ایک چراغ ہیں جو بہت عالم کو منور کریں گے۔ (۴)

۶۔ بعدِ صحابہؓ و تابعین میاں شیخ احمدؒ کے مماثل معدودے چند بزرگ گزرے ہیں۔

۷۔ میاں شیخ احمدؒ جامعِ قطبیتِ ارشاد و مدار ہیں۔

۸۔ الحمدللہ ہماری تین چار سال کی محنت رائیگاں نہیں گئی، شیخ احمدؒ جیسے عزیز الوجود شخص نے تربیت پائی۔

۹۔ شیخ تاجؒ آپ کے پیر بھائی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب نے آپ کے موسومہ بعض مکاتیب میں جو الفاظ عزیزِ متوقف (یعنی سلوک میں رکا ہوا شخص) تحریر کرکے اس کا چارۂ کار دریافت کیا۔ عزیز متوقف سے مراد خود ذات بابرکات حضرت پیر و مرشد تھے۔ (۵)

خود حضرت مجدّدؒ کا اپنے آپ کو مجدّدِ الفِ ثانی فرمانا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوباتِ شریف کی بعض وہ عبارتیں بھی پیش کردی جائیں جن میں حضرت موصوف نے تحدیثِ نعمت کے طور پر خود اپنے مجدّد الفِ ثانی ہونے کا صراحتاً یا اشارتاً ذکر فرمایا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

۱۔ مکتوبات شریفہ، دفتر اول: مکتوب ۴۳

۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۰

۳۔ کلیات باقی مکتوب ۸۳: ص ۱۴۰

۴۔ کلیات باقی مکتوب ۶۵

۵۔ جواہر مجددیہ: ص ۲۷

اے فرزند! یہ علوم و معارف کہ جن کی نسبت اہل اللہ میں سے کسی نے نہ ہی صراحت سے گفتگو کی ہے اور نہ ہی اشارے سے، ان نہایت اعلیٰ معارف و اکمل علوم میں سے ہیں جو کہ ہزار سال کی بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جس قدر کہ ممکن و لائق ہے بیان فرمایا ہے، یہ معارف نہ کتاب و سنت کے ساتھ مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہلِ حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔ (پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) اے فرزند! یہ وہ وقت ہے کہ پہلی امتوں میں ایسے ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا اور اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے اور اس امت کے پیغمبر آں حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں (اس امت کے) علما کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیا کے وجود سے علما کے وجود کے ساتھ مستغنی فرمایا ہے، اسی لئے ہر صدی کے سرے پر (ختم پر یا شروع میں) اس امت کے علما میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تا کہ شریعت کو زندہ کرے۔ خصوصاً ہزار سال کے بعد جو کہ سابقہ امتوں میں اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے ایسے وقت میں ہر پیغمبر کو کافی نہیں سمجھا گیا (بلکہ اولوالعزم پیغمبر مبعوث کیا گیا) اب بھی اسی طرح کے وقت میں ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گذشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد(۱)

نیز ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ وہ کمال ہے جو ہزار سال کے بعد وجود میں آیا ہے اور آخریت سے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے، شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ

ان سے اول بہتر ہیں یا ان میں سے آخر۔

اور دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس امت میں سے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۳۴

بہترین اول ہیں یا آخر اور درمیان میں کدورت و تیرگی ہے۔ (پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اور اس امت کے آخریت کا شروع آں حضرت ﷺ کے رحلت فرمانے کے بعد الفِ ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے ہے کیوں کہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو امور کے متغیر کرنے میں بڑی خاصیت ہے اور اشیا کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چوں کہ اس امت میں نسخ و تبدیلی نہیں ہے اسی لئے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور (اس نے) الفِ ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید فرمائی ہے۔ (۱)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگوں پر بھی اپنا پرتو ڈالا ہے اور تبع تابعین بزرگوں پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہوگئی حتیٰ کہ آں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کی باری آگئی اور اس وقت بھی وہ دولت تبعیت اور وراثت کے طور پر ظاہر ہوگئی اور آخر کو اول سے مشابہ کر دیا ہے۔ (۲)

ایک مکتوب اور بھی ملاحظہ فرمائیں:

یہ علوم انوارِ نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مشکوٰۃ (قندیل) سے مقتبس ہیں جو الفِ ثانی (دوسرے ہزار) کے آغاز کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازہ ہو کر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس الف (دوسرے ہزار) کا مجدد ہے، چناں چہ اس کے ان علوم و معارف ہیں جو کہ ذات و صفات و افعال اور احوال و مواجید و تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں نظر و غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف علما کے علوم اور اولیاء کے معارف کے علاوہ ہیں، بلکہ یہ علوم (علما و اولیا کے) ان علوم کے مقابلے میں (جو حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ پر ظاہر ہوئے) پوست کی طرح ہیں اور یہ (مجدد الفِ ثانیؒ کے) معارف اس پوست کے مغز کی مانند ہیں۔ واللہ سبحانہ الہادی۔ (۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۱

۳۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۴

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی متعلق اکابر معاصرین کی شہادت

پاک و ہند کے علاوہ عرب و عجم میں حضرت مجددؒ کے معاصرین علماؤ صلحا بکثرت ہیں جنہوں نے آپ کی عظمت اور آپ کے مجدد الفِ ثانی ہونے کی شہادت دی ہے ان میں سے چند اکابر کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی، شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی، شیخ فضل اللہ برہانپوری، شیخ حسن غوثیؒ، میر مومن بلخیؒ، مولانا جمال الدینؒ تلوی، مولانا یعقوبؒ صرفی (جو حضرت مجدد کے شیوخ میں سے ہیں)، مولانا حسن قبادانیؒ، مولانا میرک شاہؒ، مولانا جان محمد لاہوریؒ، مولانا عبدالسلامؒ الدیوی وغیرہم یہ سب اپنے وقت کے فاضل اور کامل حضرات ہیں جنہوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعریف کی ہے اور ان کے مخالفین کا رد کیا ہے ہم ان میں سے چند حضرات کی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق رائے الگ الگ عنوان سے ذیل میں درج کرتے ہیں:

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ(۱) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی نہایت تعظیم وتکریم فرماتے، آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا اقرار کرتے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو برا کہنے والوں کی شدت سے تشنیع کرتے اور جو مکتوبات حضرت کی خدمت میں بھیجتے ان میں آپ کو ''مجددِ الف ثانی'' کے لقب سے خطاب کرتے تھے، بلکہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے ہی حضرت کو سب سے پہلے اس لقب سے ملقب کیا ہے، بعض مخالفین کے شبہ کے ردّ میں مولانا موصوف کی یہ عبارت بھی نقل کی گئی ہے:

> اکابرِ ملّت کے کلام میں ان کی مراد سمجھے بغیر نقص نکالنا جہالت ہے اور اس کا کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا اور ملجائے مشیخت معدنِ عرفان شیخ احمد (سرہندی) کے کلام کا رد

۱۔ علامۂ زماں مولانا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی بن شمس الدین رحمہما اللہ مولانا کمال کشمیریؒ کے شاگرد تھے، اپنے وقت کے اکابر علما و اعاظم فضلا میں ممتاز، حدیث، فقہ اور تفسیر میں یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہا آپ کو آفتاب پنجاب کہتے تھے، اور آپ بھی حضرت مجددؒ کے بہت عقیدتمند تھے اور سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت کو مجدد الف ثانی کہا ہے۔ جہانگیر کے زمانے میں اپنے وطن سیالکوٹ میں درسِ علوم میں مشغول رہے پھر شاہجہاں نے دربار میں بلا کر انعام واکرام سے نوازا اور دو مرتبہ چاندی سے آپ کو وزن کرا کر وہ چاندی آپ کو بخش دی دونوں مرتبہ چھ ہزار روپیہ وزن میں آیا اور چند دیہات معافی آپ کو عطا فرمائے، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۶ء) میں انتقال فرمایا۔

کرنا جہالت اور عدم فہم کی وجہ سے ہے۔(۱)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں:

قدح کردند در سخنِ بزرگان بے مراد ایشان جہل است و نتیجہ نیک ندارد پس ردّ کلامِ مشیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد از جہل و نافہمدگی است (۲)

خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ میری دل میں خیال گذرا کہ جبکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو مجدّد الف ثانی کیا ہے اگر اکابر علمائے وقت اس کو تسلیم کر لیتے تو اس امر کی پوری طرح تائید ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ایک دن یہ خیال میرے دل میں آپ کی خدمت مبارک میں بھی آیا تو حضرت احقر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مولانا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی کو علومِ عقلیہ و نقلیہ اور اعلیٰ درجے کی تصانیف کے اعتبار سے اس وقت ہندوستان میں ان کا نظیر معلوم نہیں ہوتا انہوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا تھا پر آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ ان کے مدحیہ فقرات میں سے ایک فقرہ ''مجدد الف الثانی'' بھی تھا۔

اس کے بعد خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

پوشیدہ نہ رہے کہ مولانا عبدالحکیمؒ نے ایک روز حضرت مجدّد الف ثانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ۔ اس واقعے کا آپ پر بہت اثر ہوا اور آپ نے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم ذکر اخذ کی اور آپ کے حقیقی مخلصین میں داخل ہوئے۔ اس ظاہری ملاقات سے پہلے وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت کا اویسی (روحانی فیض یافتہ) ہوں۔(۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

آپ نے ابتدا میں حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے بعض معارف پر بتقاضائے بشریت و مقتضائے معاصرت بعض اعتراضات تحریر کئے تھے لیکن آخر میں عنایتِ الٰہی نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور اپنے اس فعل سے تائب ہوئے اور اپنے ایک مکتوب میں جو حضرت خواجہ حسام الدین احمد رحمہ اللہ، خلیفہٗ

۱۔ ترجمۃ احوال الامام الربانی للمعرب بر حاشیہ دفتر اول: ص ۳۵

۲۔ ماخوذ از ہدیۂ مجددیہ کہ از رسالہ کشف الغطا نقل کردہ ۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۷۶

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو لکھا ہے ان اعتراضات سے رجوع کیا ہے، وہ مکتوب درج ذیل ہے:

نسبت ایں فقیر دریں ایام وصفائے باطن بہ خدمت ایشاں از حد متجاوز است واصلا پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت درمیان نہ ماندہ، نمی داند کہ از کجاست۔ سبحان اللہ مقلب القلوب ومبدل الاحوال۔(۱)

ان یام میں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے حق میں فقیر کی صفائی قلب حد سے زیادہ ہے پردۂ بشریت وحجابِ جبلت درمیان میں حائل نہیں رہا، برادرِ طریقت ہونے کی رعایت اور انصاف کا تقاضا اور عقل کا حکم یہ ہے کہ ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بدظن نہیں ہونا چاہئے، اس کے باوجود میرے باطن میں ذوق و وجدان اور غلبۂ حال سے ایک کیفیت پیدا ہوگئی ہے جس کے بیان سے زبان قاصر ہے، دلوں کے پھیرنے والے اور احوال کے بدلنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے شاید ظاہر بین لوگ اس بات کو دور از عقل خیال کریں، میں نہیں جانتا کہ یہ حالت کیا ہے اور کیوں ہے۔

نیز شیخ موصوف نے اپنی اولاد کو ایک طویل وعریض مکتوب میں تحریر فرمایا کہ'' جو مسودات میں نے میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراضا لکھے ہیں ان سب کو پانی سے دھوڈالو کیوں کہ جو کدورت ان کی نسبت میرے دل میں پیدا ہوئی تھی وہ صفائی میں تبدیل ہوچکی ہے۔

شیخ موصوف کے اس انکار سے رجوع فرمانے کے سبب میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے انکار پر اظہار ناراضی فرمارہے ہیں اور بعض نے کہا کہ شیخ نے قرآن مجید سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی وَاِنْ یَّکُ کَاذِباً فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ وَاِنْ یَّکُ صَادِقاً یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (۲) اور بعض نے کہا ایک دفعہ یہ آیت نکلی رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (۳) اور بعض نے کہا کہ بعض دشمنوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق بعض جعلی عبارتیں ان کو لکھی تھیں جب شیخ موصوف کو اصل عبارات معلوم ہوئیں تو رجوع کیا اور توبہ کی اور امام موصوف قدس سرہ سے معذرت کی پس انہوں نے بھی معذرت قبول کرلی اور دونوں طرف سے صفائی قلب حاصل ہوگئی اور کدورت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔(۴)

۱۔ ماخوذ از کتاب بشارات مظہری ۲۔ المومن: ۲۸

۳۔ النور: ۳۷

۴۔ ترجمہ احوال الامام الربانی للمعرب برحاشیہ دفتر اول: ص ۳۹ تا ۴۱

شیخ فضل اللہ برہانپوریؒ

آپ کے متعلق صحیح نقل کے ساتھ منقول ہے کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے اوصاف سن کر بہت مسرور اور آپ کے معارفِ جلیلہ کی ساعت سے نہایت لطف اندوز ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کچھ قطب الاقطاب (حضرت مجدد قدس سرہٗ) بیان فرماتے ہیں اور جو اسرار تحریر فرماتے ہیں وہ سب صحیح اور واضح ہیں اور وہ ان اسرار کے بیان کرنے میں صادق اور ان سے بہرہ ور ہیں اور آپ کے صدقِ مقال اور علوِ حال کی علامت آپ کا کمال درجے اتباعِ سنت ہے اور مجھے آپ کی جناب میں غائبانہ اخلاصِ تام اور محبتِ عام ہے اور جب حضرت مجدد قدس سرہٗ کو جہانگیر بادشاہ نے محبوس کیا تو شیخ فضل اللہ (۱) مذکور نماز پنج گانہ کے بعد آپ کی رہائی کے لئے دعا فرماتے تھے، اور جب کوئی شخص سرہند کی طرف سے بیعتِ توبہ وارشاد کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتا تو آپ فرماتے تعجب ہے کہ تو حضرت کے جوار میں رہتا ہے اور دوسری جگہ جا کر مرید ہوتا ہے تو سورج کو چھوڑ کر ستاروں سے روشنی حاصل کرتے ہو۔ (۲)

شیخ حسن غوثیؒ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تعریف ان کے شایانِ شان کرتے اور ان کے

۱۔ شیخ محمد فضل اللہ بن صدر الدین جونپوری ثم برہانپوری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، گجرات میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ پھر شیخ صفی گجراتی سے خرقہ پہنا اس کے بعد حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں بارہ سال تک رہے۔ اس دوران میں شیخ علی بن حسام الدین متقی مکی کی خدمت میں رہے اور ان سے فیوضات کثیرہ کا استفادہ کیا پھر احمد آباد واپس آگئے اور وہاں شادی کی پھر شیخ وجیہ بن نصر اللہ علوی سے علم حاصل کیا پھر شیخ ابو محمد بن خضری تمیمی سے طریقہ اخذ کر کے برہانپور میں قیام کیا اور درس وتدریس اور افادہ میں مشغول ہوگئے۔ بہت عبادت کرنے والے، مراقبہ کرنے والے اور خوفِ خدا رکھتے تھے۔ ہمیشہ عبادت وافادہ میں مشغول رہتے۔ آپ کی تصنیفات میں سے ہدیۃ المرسلۃ الی النبی ﷺ فی شرح دعاءِ سیفی اور ایک رسالہ الوسیلہ الی شفاعۃ النبی ﷺ ہے جس میں قاضی عیاض کی شفا اور شمائل ترمذی کا خلاصہ ہے اور لوائح جامی کی شرح بھی ہے، ایک رسالہ امامتِ امرد کی کراہت میں اور ایک رسالہ معراج کے بارے میں بھی ہے۔ پیر کے روز ۲ رمضان المبارک ۱۰۹۲ھ کو برہان پور میں وفات ہوئی وہیں دفن ہوئے "ابن فضل اللہ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۳۵۲)

۲۔ ترجمہ احوال الامام الربانی للمعرب برحاشیہ دفتر اول: ص ۳۴

بلند مقامات کا ذکر کرتے تھے۔ گلزارِ ابرار میں جو آپ کی تصنیف ہے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ذکر اس عبارت میں کیا ہے " بالانشینِ مسند المحبوبیت وصدر آرائے محفل وحدانیت خداوندِ مقامِ فردیت صاحب مرتبۂ قطبیت" (۱)

میر مؤمن بلخیؒ

ثقہ لوگوں سے نقل ہے کہ شیخ میر محمد مؤمن بلخی قدس سرہٗ کا ایک مرید حضرت مجددؒ کے ہاتھ پر انابت وتوبہ اور سلوک کی نیت سے سرہند شریف حاضر ہوا اور اپنے شیخ موصوف اور مولانا میرک شاہ قدس سرہٗ و شیخ حسن القبادانی وقاضی القضاۃ تولک کا سلام پہنچایا۔ پھر عرض کیا کہ میرے شیخ میر محمد مؤمن کردی فرماتے تھے کہ اگر کبرسنی اور بُعدِ مسافت مانع نہ ہوتے تو میں خود آپ کی صحبت و خدمت میں حاضر ہوتا اور بقیہ عمر آپ کی خدمت میں گزارتا اور آپ کے احوال کے انوار کا جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے نہیں سنا اقتباس کرتا، چونکہ موانعات مذکورہ موجود ہیں اس لئے امیدوار ہوں کہ اس ظاہری طور پر جدا اور باطنی طور پر حاضر کو بھی اپنے مخلصین حاضرین میں شمار فرما کر غائبانہ توجہات اور انوارِ قدسیہ کے افاضات سے اس کے احوال پر بھی متوجہ رہیں اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے نیابتاً آپ سے بیعت کروں پھر لوٹتے وقت عرض کیا کہ وہاں کے اعزا درخواست کرتے ہیں کہ ان کی طرف بھی بعض مکاتیب جو حقائقِ عالیہ پر مشتمل ہیں ارسال کیے جائیں۔ پس امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوب ۹۹ دفتر سوم، تحریر فرمایا اور اس کے ساتھ دیگر بعض مکاتیب مشتمل بر معارفِ عالیہ ارسال فرمائے اور ایک عزیز جو بلخ سے ہندوستان آیا تھا اس سے منقول ہے کہ جب مکتوب مذکور شیخ مذکور کی خدمت میں پہنچا اور اس کا مطالعہ کیا تو شیخ کھڑے ہو گئے اور کمال درجے کی خوشی و سرور میں رقص کرنے لگے اور فرمایا کہ اگر سلطان العارفین وسید الطائفہ وغیرہما اس وقت زندہ ہوتے تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق بعد کے اکابر کی رائے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعد بھی ہر زمانہ میں اکابر علما وصلحا نے آپ کو بے چون و

۱۔ ترجمہ احوال الامام الربانی للمعرب بر حاشیہ: ص ۳۵، ۳۶

۲۔ ایضا

چراغ مجدّد الف ثانی تسلیم کرتے ہوئے آپ کے تجدیدی کارناموں کو سراہا ہے اور آپ کی تجدیدی اصلاحات سے استفادہ وافادہ کا سلسلہ جاری ہے اوران شاء اللہ ظہورِ امام مہدی تک جاری رہے گا۔ اب ہم ان میں سے چند حضراتِ اکابر کی رائے درج کرتے ہیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ: حضرت شاہ ولی قدس سرہٗ (۱) نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے رسالے ''ردّ روافض'' کی شرح فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ قلمی جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری مدظلہ العالی (صدر مفتی دالعلوم دیوبند) کے پاس ہے، شاہ صاحب اس شرح کے شروع میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی متعلق تحریر فرماتے ہیں:

یہ رسالہ جس کو اوحد زماں، فرید آواں، شریعت وطریقت میں راسخ، معرفت و حقیقت کے کوہِ بلند، ناصرِ سنت، قامع بدعت، اللہ کا رشن چراغ جس کو عالم میں اس لئے رکھا گیا کہ مؤمن بندوں ست جو چاہے اسے روشنی حاصل رکے، اللہ کے دشمنوں یعنی کافروں اور مبتدعین پر سیف مسلول، امام وعارف والعالم الالمعی مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی نقشبندی سرہندی نے تصنیف کیا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور وسط جنتِ خلد میں جگہ عنایت فرمائے اور حظیرہ رضامندی میں ان کا مسکن بنائے

آگے چل کراس شرح رسالہ میں شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

شہامت، نجابت، کثرتِ علم، توقد ذہن، استقامتِ عمل، اللہ ورسول ﷺ کے بارے میں دینی غیرت، کرامتِ جلیلہ اور مقاماتِ کثیرہ وغیرہ صفاتِ محمودہ جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس شیخ (حضرت مجدد رحمہ اللہ) کے نفسِ قدسی صفت میں رکھ دی ہیں ان کے علاوہ اس کے بہت سے احسان اہلِ ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکر یہ ضروری

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی قدس سرہما بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب ۴ شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب تیس واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ تقریباً پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے تھے، سترہ سال کی عمر میں والد ماجد کے انتقال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے اور تقریباً بارہ سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے علما سے مستفیض ہوئے، ظاہر اور باطنی علوم میں آپ کی ذات مجمع کمالات تھی، آپ کی اولاد امجاد بھی فضل وکمال میں آپ کے نقشِ قدم پر تھی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ آپ نے اکسٹھ سال چار ماہ کی عمر میں ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بوقتِ ظہر دہلی میں وفات پائی۔

ہے اس لئے کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوگا۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے احسانات شمار کرائے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ''ان امور کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ حالت ہوگئی کہ ان سے محبت کرنے والا شخص مؤمن متقی ہے اور ان سے بغض وعداوت کرنے والا شخص فاجر و شقی ہے''۔(۱)

نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

شیخ مجدد علیہ الرحمۃ اس دور کے پیش خیمہ ہیں، اس دورہ کے بہت سے مخصوص معارف اور علوم، شیخ کی زبانِ مبارک سے رمز و اشارہ کے طور پر صادر ہوئے ہیں۔ شیخ اس دورہ کے قطب ارشاد ہیں، آپ کے ہاتھوں پر بہت سے طبعی گمراہ اور بدعتی تائب ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کی تعظیم عین مُدَبِّر و مکوّن کائنات (یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ) کی تعظیم ہے۔ حضرت شیخ کے انعامات و برکات کا شکریہ عین ایزدِ متعال کے انعامات کا شکریہ ہے۔(۲)

حضرت میرزا مظہر جانؒ جاناں کا مکاشفہ: حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ (۳) نے بھی تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے حضرت

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۰۲ تا ۳۰۶ ملخصاً ۲۔ کلمات طیبات: ص ۱۶۲ مکتوب ہفتم

۳۔ حضرت میرزا مظہر جان جاناں بن میرزا جان علیہما الرحمہ بروز جمعہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ بوقت فجر بعہد عالمگیر کالا باغ حدود مالوہ میں پیدا ہوئے۔ جان جاناں نام، مظہر تخلص، شمس الدین حبیب اللہ لقب، علوی نسب حنفی مذہب تھے، آپ کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے محمد بن حنفیہ کے توسط سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور ماں کی طرف سے آپ کا سلسلہ امیر تیمور پر ختم ہوتا ہے۔ میرزا صاحب کی دادی آصف الدولہ نواب اسد خاں عالمگیر بادشاہ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ آپ کے والد اورنگ زیب کے عہد میں عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ آپ کے والد بزرگوار امراءِ شاہی سے تھے اور شاہی خاندان سے قرابت بھی تھی، مزاج میں نفاست و لطافت کو بہت دخل تھا، حدیث وتفسیر اور متداول علوم کے علاوہ آداب شاہی اور فن سپہ گری میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی، شیخ محمد عابد اور دیگر مشائخ سے کسب فیض کیا آخر میں حضرت سید نور محمد بدایونیؒ سے بیعت ہو کر خلافت واجازت حاصل کی، کہتے ہیں کہ شہادت سے چار پانچ یوم قبل ایک غزل کہی تھی جس کا یہ شعر آپ کے لوحِ مزار پر کندہ ہے

بلوح تربتِ من یافتند از غیب تحریرے کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

دیوان مظہر (فارسی دیوان) کلماتِ طیبات (فارسی مکتوبات) آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ایک رافضی آپ کی خدمت میں آیا اور موقع پا کر آپ کی گولی ماردی جس سے آپ شدید زخمی ہوگئے تین دن بعد بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۹ محرم ۱۱۹۵ھ میں شہادت پائی اور اپنی خانقاہِ مظہریہ دہلی میں دفن ہوئے۔

مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شان وعظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب فرماتے ہیں:

میں ایک مرتبہ جمالِ جہاں آرائے حضرتِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات سے مشرف ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں لیٹا ہوا ہوں، اور آپ ﷺ کا سانس مبارک مجھ کو پہنچ رہا ہے اسی اثناء میں مجھے پیاس لگی اور پیرزادگانِ سرہندی بھی وہاں موجود ہیں۔ آں حضرت ﷺ نے ان میں سے ایک کو پانی لانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! یہ تو میرے پیرزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہمارا حکم بجالاتے ہیں۔ پس ان میں سے ایک عزیز پانی لایا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حق میں کیا فرماتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا'' مثلِ ایشاں درامتِ من دیگر کیست'' (ان جیسا میری امت میں دوسرا کون ہے)۔ پھر میں نے عرض کیا'' یارسول اللہ ﷺ! ان کے مکتوبات آپ کی نظر سے گزرے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا'' اگر تمہیں کچھ یاد ہے تو پڑھو''۔ میں نے ان کے کسی مکتوب شریف کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی۔ اِنَّهٗ تَعَالٰی وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ (بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند اور اعلیٰ وارفع ہے) آپ ﷺ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور نہایت محظوظ ہوئے۔ فرمایا'' دوبارہ پڑھو'' میں نے دوبارہ یہی عبارت پڑھی۔ آپ نے پھر بہت زیادہ تحسین فرمائی اور یہ حالت بہت دیر تک جاری رہی۔ (۱)

قاضی ثناء اللہ محدثؒ پانی پتی: (۲) آپ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت میرزا مظہر جاناں قدس سرہٗ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ آپ کو اپنے زمانے کا بیہقی کہا کرتے تھے، آپ کی تفسیر مظہری عربی علما میں نہایت مقبول ہے۔ سلوک میں ارشاد الطالبین اور فقہ مالا بد اور دیگر کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

آپ تفسیر مظہری میں بہت جگہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے معارف بطور سند قال المجدد رضی

۱۔ کلماتِ طیبات: ص ۷۷

۲۔ حضرت قاضی ثنا اللہ پانی پتی قدس سرہٗ کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی تک پہنچتا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ نے ۱۲۱۶ھ میں پانی پت میں وفات پائی۔

اللہ عنہ کہہ کر نقل فرماتے ہیں مثلاً (۱) قال المجدد للالف الثانی رضی اللہ عنہ ان الکعبۃ بیت اللہ مع کونہا متجسداً مرئیاً لہا شبہ بمالا کیف لہٗ ۔(۲) واتینٰہ فی الدنیا حسنۃ قال المجدد رضی اللہ عنہ المراد بہا الخلۃ الخ ۔(۳) قال المجدد رضی اللہ عنہ الصلوٰۃ التہجد مدخلا عظیما فی مقام الشفاعۃ (۴) قال المجدد رضی اللہ عنہ الخلیل ہو الندیم الذی یعرض المرء علیہ اسرار محبہ و محبوبہ وغیرہ

علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ: حضرت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمہ اللہ (۵) صاحبِ تصانیف کثیرہ اپنی عربی تصنیف سبحۃ المرجان میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا شیخ احمدؒ بن شیخ عبدالاحدؒ فاروقی سرہندی۔ آپ سہرند کے اکابر میں سے ہیں، اہلِ ہند کے لئے باعث فخر ومجدد الفِ ثانی اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر روشن دلیل ہیں، آپ ایک ایسا ابرِ کرم ہیں جس کی بارش سے عرب وعجم سیراب ہے اور ایسا آفتاب ہیں جس کے انوار سے مشارق ومغارب منور ہیں، علوم ظاہری وباطنی کے جامع، ظاہر و پوشیدہ خزانوں کے خزانچی ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے صغرسنی میں قرآن مجید حفظ کیا، آپ نہایت خوش آواز تھے، ابتدا میں اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال الدین کشمیری سے معقولات کی بعض کتابیں نہایت تحقیق و تدقیق سے پڑھیں اور حدیث مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھی اور حدیثِ مسلسل کی روایت شیخ

۱۔ مظہری: ج ۶، ص ۲۷۵ ۲۔ ایضاً النحل: ج ۵، ص ۶۵

۳۔ ایضاً بنی اسرائیل: ج ۵، ص ۸۵ ۴۔ ایضاً النساء: ج ۲، ص ۲۴۶

۵۔ حضرت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی بن نوح، حسینی نسباً، واسطی اصلاً، بلگرامی مولداً ومنشأً، حنفی مذہباً اور چشتی طریقۃً ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ مطابق ۹ جون ۱۷۰۴ء کو پیدا ہوئے، درسی کتب از ابتدا تا انتہا میر طفیل محمد بلگرامی سے اور لغت، حدیث، سیرت اور ادب کی تحصیل اپنے ماموں میر عبدالجلیل بلگرامی سے کی، شاعری کا ذوق بھی ان ہی سے پایا، عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر ہوئے ہیں، میر سید لطف اللہ بلگرامیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی پھر زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور مدینہ منورہ میں مولانا شیخ محمد حیات سندھی سے صحیح بخاری اور صحاح ستہ کی اجازت حاصل کی، مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری کی صحبت میں استفاضہ کیا۔ بعد ازاں ۱۱۵۸ھ میں نواب نظام الدولہ والی دکن نے آپ کو اورنگ آباد کی صوبہ داری پر تعینات کیا، اسی زمانہ میں مرہٹو کے خلاف جہاد کیا۔ غرض بہت سی علمی انتظامی اور عسکری کارنامے انجام دے کر ۱۲۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ متعدد تصانیف کیں جو بیشتر عربی اور فارسی میں ہیں۔

عبدالرحمٰن سے جو کہ ہند کے اکابر محدثین میں سے تھے ایک واسطے کے ساتھ حاصل کی اور ان سے کتبِ تفسیر وصحاحِ ستہ اور تمام مفردات کی اجازت حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں علومِ درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور تدریس وتصنیف میں مشغول ہو گئے، عربی و فارسی زبان میں بعض رسائلِ لطیفہ تصنیف فرمائے، پھر دہلی تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کیا۔ طریقہ چشتیہ اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحدؒ سے اور طریقۂ قادریہ شیخ سکندر کیتھلی قدس سرہٗ سے اخذ کیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ آپ کے حق میں بڑی عنایات فرماتے اور کلماتِ عزت سے خطاب کرتے تھے۔ پھر مجدد (علیہ الرحمہ) مسندِ ارشاد وتلقین پر متمکن ہوئے اور آپ کے فیض سے تمام آسمان وزمین پُر ہو گئے اور آپ کی زیر تربیت بڑے بڑے خلفا نے ترقی حاصل کی ان میں سے ہر ایک دائرہ ولایت کا مرکز اور نشانی ہے۔ آپ کا سلسلہ ہند سے ماوراء النہر وروم وشام وغرب تک پہنچ گیا۔ آپ کے فارسی مکتوبات تین مجلدات میں ہیں جو آپ کے تبحر پر قاطع دلائل اور آپ کی بصیرت پر روشن براہین ہیں۔ آپ نے اپنے بعض مکتوبات میں اپنے بعض معارف تحریر فرمائے ہیں۔ (۱)

نواب صدیق حسن خاں مرحوم (۲): نواب صاحب مرحوم باوجودیکہ مسلکاً اہلِ حدیث اور اپنے مسلک میں بڑے راسخ ہیں اور حضرت مجددؒ الف ثانیؒ ایک راسخ العقیدہ حنفی اور فقہٗ حنفی پر بڑا اعتماد ویقین رکھنے والے ایک مقلد صوفی، لیکن نواب صاحب مرحوم اپنی کتاب تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> آپ عالم عارف اور کامل مکمل تھے، اپنے زمانے میں طریقۂ نقشبندیہ کے امام تھے، صوفیوں ے لئے سلوک کے راستوں میں مجدد، خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ ہیں، آپ

۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: ص ۴۷، ۴۸

۲۔ مولوی نواب صدیق حسن خان بہادر، مولوی آلِ حسن قنوجی کے صاحبزادے تھے، کنیت ابوالطیب ہے۔ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو بریلی شہر میں جہاں آپ کی ننہال تھی پیدا ہوئے، بچپن اپنے آبائی وطن قنوج میں گزارا، علومِ مروجہ مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے پڑھے، تفسیر وحدیث وغیرہ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ ہندی، شاہ محمد یعقوب دہلوی اور قاضی حسین بن محسن انصاری سے حاصل کئے۔ نواب شاہجہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال سے ۱۲۸۸ھ میں شادی ہوئی اور وہیں قیام فرما کر اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۹ء) میں وفات پائی اور بھوپال میں دفن ہوئے۔ دوسری بیوی سے دو صاحبزادے نورالحسن خاں طیب اور میر علی حسن خاں طاہر پیدا ہوئے۔ دونوں صاحب علم وثروت تھے۔

کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراء النہر اور شام و روم اور اقصائے مغرب تک پہنچا ہوا ہے۔ مقامات کی انتہا پر پہنچنے اور ان کی معرفت حاصل کرنے میں جو اعلیٰ درجے کا علم اور کمال درجے کا تبحر ان کو حاصل تھا اس پر ان کے یہ مکتوبات شاہد اور روشن دلیل ہیں جو کہ تین جلدوں میں ہیں، اتباعِ سنت اور ترکِ بدعت پر حریص تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہم جیسے حضرات کا ان کے سلسلہ طریق میں داخل ہونا ان کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ شیخ عبدالحقؒ دہلوی کو شروع میں آپ کے قال و حال پر انکار تھا لیکن آخر کار اس انکار سے رجوع فرمایا اور ظاہر و باطن میں آپ کی فضیلت کا اعتراف کرلیا۔ وللہ الحمد۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے مکتوبات ردِ بدعت اور بدعت کے حسنہ وسیۂ ہونے کے تقسیم کے انکار سے پر ہیں، اپنے زمانے میں اہل سنت و جماعت کے امام تھے۔ ظاہر و باطن میں ان کا طریقۂ عالیہ کتاب وسنت پر مبنی ہے اور جو چیز ان دونوں محکم اصولوں کے مخالف ہو وہ ان کے طریقے میں مقبول نہیں۔ معرفت و قبول کی منزلوں پر پہنچنے کے لئے یہ مکتوبات اصولِ عظیمہ ہیں، طالبِ صادق اور سالکِ راغب کو کسی وقت ان مکتوبات کا مطالعے سے بے نیازی حاصل نہیں۔ (۱)

نیز نواب صاحب موصوف اپنی کتاب ریاض المرتاض میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حالات رقم طراز ہیں:

مجدد الف ثانیؒ کے کشف کے مرتبہ بلند کو اس سے معلوم کرنا چاہئے کہ سب کشف چشمۂ ہوش سے سرزد ہوئے کبھی کوئی کشف شریعت کے مخالف نہ ہوا بلکہ اکثر کی تو شریعت مؤید ہے اور بعض کشف ایسے ہیں کہ شریعت ان سے ساکت ہے۔ اولیائے کرام میں ان کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اولوالعزم نبیوں کا مرتبہ۔ (۲)

ترکی کے ایک بزرگ عالم باعمل کی رائے: حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات قدسی آیات کے متعلق عالم باعمل ولی کامل جناب سید عبدالحکیم بن مصطفیٰ الآرواسی قدس

۱۔ تقصار جیود الاحرار ملخصاً: ص ۱۱۱، ۱۱۲

۲۔ اردو ترجمہ ریاض المرتاض: ص ۱۲۱، ۱۲۲ بحوالہ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ۳۰۸

سرہ العزیز المتوفی ۱۳۶۳ھ بشہر انقرہ (ترکی) نے اپنی کتاب المسمی باصحاب الکرام میں لکھا ہے:

افضل الکتب الاسلامیة بعد کتاب اللہ تعالیٰ و بعداحادیث النبویة مکتوبات للامام الربانی لامثل له فی القطار الجهانی

اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کتبِ اسلامیہ میں سب سے افضل کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کے مکتوبات قدسی آیات ہیں کہ جن کی مثل اطرافِ عالم میں کوئی کتاب نہیں ہے۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ یورپ کی نظر میں: الفرقان کے مجدد نمبر ۱۳۵۴ھ میں اس عنوان کے تحت چند سطریں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق لکھنؤ کی بھی شائع ہوئی تھیں وہ بھی ملاحظہ ہوں:

یورپ کی نظر میں حضرت مجددؒ کی اصل حیثیت مبلغ دین کی ہے۔ ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام میں ہے:

شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) کی عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے۔ شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں نے کسی بہانے سے انہیں قید کرادیا۔ دو برس وہ قید میں رہے اور اس مدت میں انہوں نے اپنے رفقائے زندان میں سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنالیا۔(۲)

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس (مذہب و اخلاقیات کی دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ہے:

ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا ناحق قید کردیئے گئے تھے ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔(۳)

۱۔ بحوالہ علماء المسلمین

۲۔ ڈاکٹر آرنلڈ۔ پریچنگ آف اسلام: ص ۴۱۲ طبع ثالث

۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس: ج ۸، ص ۷۴۸

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کے
تجدیدی کارنامے

امامِ ربانی حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ السامی اپنے صاحب زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ العزیز کو جو کہ اسرار و معارفِ مجدّدیہ کے وارث ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ولایتِ ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسنِ ملاحت اس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے۔

اسی مکتوب گرامی میں اس مفہوم کی تفصیل درج فرما کر آخر میں ارقام فرماتے ہیں:

اے فرزند! باوجود اس معاملہ کی جو میری پیدائش سے وابستہ رہا ہے ایک اور کارخانۂ عظیم میرے سپرد کیا گیا ہے، مجھے پیری مریدی کے لئے (اس دنیا میں) نہیں لایا گیا ہے اور نہ ہی میری پیدائش سے مخلوق کی تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرتِ خداوندی کو مجھ سے کچھ اور ہی کام لینا ہے البتہ اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ فیض بھی حاصل کرلے گا ورنہ نہیں، تکمیل و ارشاد کا کام اس کارخانہ کے مقابلے میں راستے میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے، (یعنی بالکل ہیچ ہے) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ان باطنی معاملات کے ساتھ یہی نسبت تھی اگرچہ منصبِ نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات و خصوصیات سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہے۔ (۱)

''یہ کارخانۂ عظیم'' اور ''معاملۂ دیگر'' کہ جس کے سامنے تکمیل و ارشاد کی بھی کوئی حقیقت

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶

نہیں ہے "احیائے ملت" اور "اقامتِ دین" کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے، فی الحقیقت آپ کا اصل کام یہی تھا کہ بگڑی ہوئی اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں اور حق کو جو کہ باطل کے پردوں میں مستور ہو گیا تھا اس کی اصلی صورت اور اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں، کلمۂ الٰہی پھر غالب ہو اور کفر و بدعت کے غلیظ بادل اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دیئے جائیں۔ اس "کارخانۂ عظیم" کے ایک حصے کی توضیح حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

> حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں صرف پیری (شیخ ہونے) کا کام انجام دوں تو دنیا میں کسی پیر کے لئے کوئی مرید نہ رہے لیکن میرے متعلق کچھ اور ہی کام ہے اور وہ شریعت کا رواج دینا اور مذہب کی تائید کرنا ہے چناں چہ حضرت موصوف اسی لئے بادشاہوں کی مجالس میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع فرماتے اور ان کے ذریعہ شریعت کی ترویج کرتے۔(۱)

آپ کی روحِ پاک پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی اس وقت کسی سے کوئی امید نہ کی جاسکتی تھی۔ اس مضمون میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس مجددِ دین وملت نے ان حد سے زیادہ بگڑے ہوئے حالات کو کس طرح سنبھالا اور کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے بغیر کن تدابیر سے پوری ملک کی فضا کو بدل کر رکھ دیا، حتیٰ کہ خود حکومت میں بھی خود بخود ایسا انقلاب پیدا ہو گیا جو بسا اوقات زبردست انقلابی تحریکوں سے بھی پیدا نہیں ہوتا، افسوس ہے کہ حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کی اس جدوجہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ بھی ایسی موجود نہیں ہے جس سے اس سلسلے کے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے۔ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کے مکتوبات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے بہت سے ارکانِ سلطنت اور عمائدینِ حکومت سے خاص ربط پیدا کیا بلکہ زیادہ صحیح لفظ میں یوں کہیے کہ ان کو اپنا گرویدہ و پیرو کار بنایا لیکن یہ کیونکر ہوا اور ایک فقیرِ بے نوا نے کس طرح اس میں کامیابی حاصل کی اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں۔(۲)

قامعِ بدعت، حامیٔ سنت، مجاہدِ ملت کہلانے کے لئے اگرچہ بہت سی خانقاہیں، درسگاہیں اور محفلیں تھیں جہاں ردِّ بدعت پر تقریر کر دی جاتی اور عوام کے تصادم سے یہ خطابات حاصل کر لئے

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۶۵ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۴۰ تا ۱۴۳

جاتے مگر حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی نزدیک نظریۂ اصلاح یہ ہے کہ

بادشاہ کو عالم (جہان) کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ دل کو بدن کے ساتھ ہے اگر دل ٹھیک ہے تو بدن بھی ٹھیک ہے اور اگر دل بگڑا ہوا ہے تمام بدن بگڑا ہوا ہے لہٰذا بادشاہ کی درستی میں ساری عالم کی درستی ہے اور اس کی خرابی میں سارے عالم کی خرابی ہے۔(۱)

نیز ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

بادشاہ روح کی طرح ہے اور تمام انسان جسم کی مانند ہیں۔ اگر روح صالح ہے تو جسم بھی صالح (درست) ہے اور اگر روح فاسد ہو جائے تو بدن بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بلحاظِ وقت جس طرح ہو سکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے، کلمۂ اسلام کے بعد اہل سنت و جماعت کے معتقدات بھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہئیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثتِ عظمیٰ ہاتھ آ گئی۔ آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔(۲)

آپ تحصیل علم کے بعد آگرہ تشریف لے گئے اور بسلسلۂ درس و تدریس چند سال آگرہ میں قیام فرمایا وہاں آپ کی حلقۂ درس نے بہت جلد اتنی شہرت حاصل کر لی کہ ابوالفضل اور فیضی جیسے مشہور زمانہ وخود پسند ماہرینِ منطق وفلسفہ آپ کی زیارت کے مشتاق ہوئے، آگرہ کے اس قیام سے آپ کو ان تمام سرچشموں کا علم ہو گیا جن سے اکبری فتنے کی نہریں نکل رہی تھیں، یہ ممکن تھا کہ آپ ابتدا ہی سے انقلابِ سلطنت کی صورتیں سوچتے اور کامیابی کی جدوجہد کرتے مگر آپ کو اپنے لئے سلطنت مطلوب نہ تھی اور دوسرے کو سلطان بنانے میں وہی دشواری درپیش ہوتی، اس لئے آپ نے انقلاب سلطنت کی بجائے نظریاتِ سلطنت کی تبدیلی کو زیادہ مفید تصور کیا لیکن اس کے لئے بادشاہ کی اصلاح سے پیشتر کارکنانِ حکومت کی اصلاح ضروری تھی، چناں چہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریق کار کی ترتیب اس طرح تھی:

الف: غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۴۷ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۷

ب: ارکانِ سلطنت کی اصلاح۔

ج: بادشاہ کی اصلاح۔

اس وقت ملک کے سامنے غلامی اور آزادی یا ملکی اور غیر ملکی اقتدار کا سوال نہیں تھا، بادشاہ ہندوستانی تھا، ہندوستان کسی ملک کا باج گزار نہ تھا، ہر ایک ہندوستانی خود کو آزاد سمجھتا تھا خود مختار پنچایتی نظام ہر ایک ہندوستانی کے شخصی حقوق اور شخصی عزت و حریت کا ذمے دار تھا لہٰذا مذہبی نقطہ نظر نیز مسلم حکومت کی بقا و تحفظ کے پیشِ نظر اصلاح کے معنی صرف یہ تھے کہ عوام الناس ارکینِ دولت اور خود سلاطین طے کرلیں کہ انفرادی طور پر اتباعِ سنت اور اجتماعی طور پر ترویجِ شریعت ان کا نصب العین اور ان کی تمام اجتماعی اور انفرادی جدوجہد کا محور ہے، ارادوں کی تکمیل قدرت کا عام قانون ہے، فرق صرف یہ ہے کہ:

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

آسمانِ تاریخ پر جو لوگ چاند تارے بن کر چمکتے ہیں قدرتی طور پر ان کے فکر بلند، ارادے عظیم ہوتے ہیں اور اسی کے بموجب ان کی توفیقِ الٰہی حاصل ہوتی ہے:

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق

باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبار تو

قدرت اپنے دستور کے مطابق جب بلند ارادوں کی تکمیل کرتی ہے تو عوام کی نظر میں وہ بالکل عجیب چیز ہوتی ہے اور اس کو امدادِ غیبی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصلاحِ سلطنت بلند ترین نظریہ ہے، اسلامی اصول کے بموجب اصلاحِ سلطنت، ملتِ اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے اور اس بلند نظریے کے حامل کو جس قدر توفیقِ الٰہی حاصل ہو کم ہے، مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

غیر سرکاری طبقہ کی اصلاح

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب اس عظیم الشان مقصد کے لئے جدوجہد شروع کی تو کامیابی کے ہم رکاب تھی۔ الف: غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح۔ ب: ارکانِ دولت کی اصلاح۔ اس عظیم الشان مقصد کی پہلی اور دوسری کڑی تھی۔ نمبر الف میں کامیابی کا اندازہ حضرت مجدد قدس سرہ کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے جو جہانگیر بادشاہ کی تخت نشینی کے فوراً بعد شیخ فرید کے نام تحریر فرمایا ہے اس میں عہدِ اکبری کی ماتم گساری کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

آج جب کہ دولتِ اسلام ترقی اور موانعاتِ اسلام کا زوال اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص وعام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے کہ بادشاہ کے مددگار ومعاون ہوں اور شریعت کی ترویج اور مذہب کو تقویت دینے میں اس کی رہنمائی کریں خواہ یہ امداد وتقویت زبان سے میسر ہو یا ہاتھوں سے جس قسم کی بھی امداد مطلوب ہو اس سے دریغ نہ کریں، سب سے بڑھ کر مدد کتاب وسنت اور اجماع امت کی طریق پر شرعی مسائل کو بیان کرنا اور عقائدِ کلامیہ کو ظاہر کرنا ہے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آکر بادشاہ کو راستہ سے نہ بہکائے اور کام خراب نہ کردے۔ اس قسم کی امداد علمائے اہلِ حق کے ساتھ مخصوص ہو کہ جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں، علمائے دنیا جن کا مقصود صرف کمینی دنیا ہے ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے:

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

گزشتہ صدی میں جو بلا اسلام کی سر پر آئی وہ اسی جماعت کی کم بختی دبے باکی کے باعث تھی۔ بادشاہوں کو سیدھے راستے سے یہی لوگ بہکاتے ہیں، بہتر فرقے، جنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان کی مقتدا اور پیشرو یہی برے علما تھے، علما کے سوا ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گم راہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر لوگوں تک پہنچا ہو۔

اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ برے علما کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص ہر قسم کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی بھی مدد نہ کرے اور کارخانہ اسلام میں فتور پڑ جائے تو وہ کوتاہی کرنے والا شخص سزایاب ہوگا، اس لئے یہ فقیر بے سروسامان بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولتِ اسلامیہ کے مددگار گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ''جس نے کسی قوم کے گروہ کو زیادہ کیا وہ انہی میں سے ہے'' کے موافق ہو سکتا ہے کہ اس فقیرِ بے استطاعت کو ان بزرگوں کی جماعت میں شامل کرلیں۔ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ہے جو اپنا تھوڑا سا سوت لے کر

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں میں شامل ہوگئی تھی۔ امید ہے کہ فقیر جلدی ہی ان شاء اللہ العزیز حاضرِ خدمت ہونے کا شرف حاصل کرے گا۔
آپ کی جنابِ شریف سے امید ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ کا قرب پورے طور پر بخشا ہے تو خلوت و جلوت میں اور پوشیدہ و علانیہ شریعتِ محمد کی ﷺ کی رواج دینے میں کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو ذلت و خواری سے نکالیں گے۔ (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خواص و عوام کی بے شمار جماعت آپ کے ساتھ ہے جو انقلاب یا اصلاحِ حکومت کے لئے بے چین ہے اور آپ جنگ و جدل کے فتنے کو دبا کر یہ چاہتے ہیں کہ ارکانِ دولت اور مشیرانِ خصوصی کے ذریعے یہ مرحلہ طے ہو جائے۔ حضرت موصوف کے نزدیک اراکینِ دولت کی اصلاح بادشاہ کی اصلاح سے مقدم تھی، کیوں کہ فساد کا اصل سبب یہی لوگ تھے۔ مذکورہ مکتوبِ گرامی کے مکتوب الیہ شیخ فرید ایک رکنِ دولت ہیں جو اکبر کے زمانے میں میر بخشی تھے، تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے سب سے پہلے جن پر انعام و اکرام کیا وہ آپ ہی ہیں۔ جہانگیر اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''شیخ فرید میرے والد کی خدمت میں میر بخشی تھے میں نے ان کو خلعت، شمشیرِ مرصع، دوات و قلمِ مرصع مرحمت فرما کر اسی خدمت پر بحال رکھا اور ان کی سربلندی کے لئے مابدولت نے فرمایا کہ مابدولت تم کو صاحب السیف والقلم جانتے ہیں۔ (۲)

اور جلوس سن ۲ میں جب جہانگیر کا بڑا لڑکا خسرو باغی ہوگیا جس کے تعاقب میں بنفسِ نفیس جہانگیر کو جدوجہد کرنی پڑی اس یلغار میں شیخ فرید ہراول کے افسرِ اعلیٰ تھے انہوں نے جہانگیر سے چند گھنٹے پہلے لاہور پہنچ کر خسرو کی بہت بڑی فوج کو اپنی تھوڑی سی فوج کے ذریعہ شکست دی، اس کے بعد جہانگیر بادشاہ نے صاحب السیف والقلم یعنی شیخ فرید کو اس کے حسنِ خدمت کے صلے میں مرتضیٰ خان کے خطابِ والا سے سرفراز کر دیا۔ (۳)

شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت خلق اللہ کی ایک بے شمار جماعت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ تھی خود جہانگیر آپ کے متعلق لکھتا ہے کہ ہر شہر اور دیار میں اپنے مریدوں میں سے ایک ایک خلیفے کو جو دکان آرائی، معرفت فروشی اور مردم فریبی کے طریقے میں دوسروں کی بہ

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۴۷ ۲۔ توزکِ جہانگیری
۳۔ ایضاً: ص ۳۴

نسبت بہت پختہ ہوتے ہیں بھیج رکھا ہے اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام بہت سی چکنی چپڑی نمائشی باتیں لکھ لکھ کر ایک کتاب جمع کی ہے جس کا نام مکتوبات رکھا ہے۔(۱)

مکتوبات شریفہ میں اگرچہ تاریخیں درج نہیں ہیں مگر بظاہر دفتر اول و دوم اس واقعے سے پہلے مرتب ہو چکے ہیں اور جہانگیر کی مراد یہی دو دفتر ہیں کیوں کہ تیسرے دفتر میں حضرت موصوف کے وہ مکاتیب ہیں جو قید خانے سے ارسال فرمائے ہیں، اگرچہ جہانگیر نے جو اس وقت غرور و تکبر میں مست تھا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر یہ فرد جرم لگائی تھی لیکن یہ خواص و عوام میں حضرت موصوف کی کامیابی و مقبولیت کی اعلیٰ سند اور آپ کی منقبت کی بین دلیل ہے۔

ارکانِ سلطنت کی اصلاح

بہر حال اس منظم جد و جہد سے نمبر الف کی کامیابی کا فی اندازہ ہو جاتا ہے اب نمبر ب یعنی ارکانِ سلطنت کی اصلاح میں کامیابی ملاحظہ فرمائیے۔ مکتوبات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دربار کے جتنے ممتاز رکن سنی المذہب تھے آپ نے سب کو اپنے حلقہ بگوش کر لیا تھا، چناں چہ خانخانان، خان جہاں، خانِ اعظم، خواجہؔ جہاں، مرزا داراب، قلیچ خاں، اور نواب سید فرید وغیرہم کے نام خطوط، دفاترِ مکاتیب میں موجود ہیں۔ یہ تمام حضرات دولتِ جہانگیر کے عمائدین ہیں، بالخصوص عبدالرحیم خانخاناں (خلف الرشید بیرم خاں خانخاناں) عہدِ اکبری سے اتنا ترقی یافتہ ہے کہ گویا آدھی سلطنت کا مالک ہے۔ جہانگیر نے اپنی توزک (۲) میں ان کی تعریف میں بہت اچھے الفاظ لکھے ہیں۔ آپ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ سے سلسلہ نقشبندیہ میں باقاعدہ بیعت تھے۔ داراب خاں خانخاناں کا لڑکا تھا جو شاہجہاں کا رفیق خاص رہا، حتیٰ کہ شاہجہاں کی بغاوت کے زمانے میں شاہجہاں کی حمایت کرتا ہوا شاہی لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح دوسرے حضرات بھی دولتِ جہانگیری کے ممتاز رکن تھے جو اکبر کے زمانے سے مقتدر حیثیت رکھتے تھے، ایک فقیرِ بے نوا نے ان شوکت و حشمت کی اونچی چوٹیوں پر رہنے والوں کو کسی طرح شکار کر لیا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔(۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی عظمت و جلالت اور مودت و محبت کچھ ایسے قلوب میں ڈال دی جن کے ہاتھوں میں سلطنت کا کاروبار تھا اور جن کو حکومت میں کافی رسوخ

۱۔ ایضاً: ص ۲۷۲ ۲۔ توزکِ جہانگیری

۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی و علماءِ ہند کا شاندار ماضی ملتقطاً

حاصل تھا، آپ نے ایک طرف تو خود ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کر کے اسلامی زندگی کا اصلی نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعے حکومت کی مشینری کے رخ کو صحیح کیا، یہ ارکانِ سلطنت جن کے ذریعے حضرت علیہ الرحمہ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے ان میں سے بعض دارالسلطنت آگرہ ہی میں تھے اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں، اور حضرت ہر ایک کو برابر ہدایت دیتے رہتے تھے، حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت جب کہ رسل و رسائل کے ذرائع بہت محدود تھے جبکہ تار برقی کا یہ جال اور ریلوں کا موجودہ نظام پھیلا ہوا نہ تھا اس وقت آپ کس طرح سرہند کے ایک گوشے میں بیٹھ کر یہ سب کچھ کر رہے تھے آپ کی اس ٹھوس اور خاموش انقلابی کوشش کا کچھ دھندلا سا نقشہ جن مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند کے اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام کی غربت وکسمپرسی، مسلمانوں کی ذلت وخواری اور بے اعتقادی اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے بعد لالہ بیگ (۱) کو خدمتِ دین اور اعلائے حق کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں صرف کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور اسلام اور اہل اسلام کا نشان نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلامی کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے، گائے کا ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے، کفار جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں مگر گائے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ سلطنت کے ابتدا ہی میں اگر اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ورنہ نعوذ باللہ اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث، دیکھئے کون صاحبِ دولت اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون بہادر اس دولت کو آگے بڑھ کر لیتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۱)

مفتی صدر جہاں کو جہانگیر بہت مانتا تھا یہ بچپن میں اس کے نگرانِ تعلیم بھی رہے تھے، یہ وہی بزرگ ہیں جن کو اکبر نے وفات کے وقت خاص طور سے کلمۂ شہادت پڑھوانے کے لئے بلوایا تھا اس بنا پر

۱۔ لالہ بیگ جہانگیر کے بہت معتمد تھے۔ اس نے صوبہ بہار کا تمام نظم ونسق ان ہی کے سپرد کر دیا تھا۔ گویا یہ بہار کے گورنر تھے۔ تو زکِ جہانگیری

کہ یہ سید تھے اور اکبر کے زمانہ میں مدتوں منصب صدارتِ افتا پر فائز رہے تھے، جہانگیر نے بدستور منصب صدارت پر فائز رکھا اور کچھ اختیارات میں مزید توسیع کردی اور ایک دم چار ہزاری منصب پر سرفراز کردیا تھا جیسا کہ توزکِ جہانگیر میں ہے اور مذہبی احترام کی بنا پر ان کو اور قاضی القضاۃ کو سجدۂ شاہی بجالانے سے بھی مستثنیٰ کردیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ان کو کچھ دعائیں دینے اور عہدِ اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں (۲)

احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور مذہبِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی ذلت وخواری کی باتیں سن کر ماتم زدہ مسلمانوں کے دل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوگئی، اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ مالک وقدیر سے سوال ہے کہ اپنی نبی بشیر ونذیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس بڑے کام میں زیادتی بخشے۔ یقین ہے کہ اسلام کے مقتدا یعنی ساداتِ عظام اور علمائے کرام خلوت وجلوت میں اس دین متین کی زیادتی اور اس صراطِ مستقیم کے درپے رہیں گے، یہ فقیر بے سروسامان اس بارے میں کیا دم مارے۔ اب سنا ہے کہ بادشاہِ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہونے کی وجہ سے علما کا خواہاں ہے الحمد للہ علیٰ ذلک۔ (۳)

نیز ایک دوسرے مکتوب میں سیّد صدر جہاں کو تحریر فرماتے ہیں:

اب جب کہ سلطنتوں میں انقلاب واقعہ ہوا ہے اور اہل مذاہب کی عداوت کی تیزی درہم برہم ہوگئی ہے اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے بڑے وزیروں اور امیروں اور بزرگ عالموں پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترویج میں لگائیں، اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں، کیوں کہ تاخیر میں خیریت ظاہر نہیں ہوتی اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بے قرار ہیں۔ گذشتہ زمانے کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں ایسا نہ ہو کہ پھر ان تدارک نہ ہوسکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہوجائے۔ جب

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۸۱

۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۴۶۔ علماءِ ہند کا شاندار ماضی: ص ۲۱۹

۳۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۹۴

بادشاہ سنتِ سنیہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہوں کے مقرب بھی اس بارے میں اپنے آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہلِ اسلام بے چاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَO ایک بزرگ فرماتے ہیں:

آنچہ زمن گم شدہ گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیمان، ہم پری، ہم اہرمن، بگریستے
صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْاَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

اسلامی نشانیوں میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے جو گذشتہ زمانے میں ختم ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہلِ اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے کئی سال سے کوئی قاضی نہیں۔ حاملِ رقیمہٗ ہذا قاضی یوسف کے باپ دادا شہر سرہند کے آباد ہونے کے وقت سے قاضی ہوتے آئے ہیں، چناں چہ بادشاہوں کے کافی اسناد اس کے پاس ہیں اور صلاح وتقویٰ سے بھی آراستہ ہے اگر بہتر سمجھیں تو اس عظیم الشان کام کو اس کے حوالے فرمائیں۔(۱)

خان جہاں، اکبر کے زمانے میں پنج ہزاری منصب رکھتے تھے عہدِ جہانگیری میں سلطنت کے مقتدر رکن ہوئے بادشاہ کے مقربین خاص میں سے تھے اور جہانگیر ان کی بات کو سنتا اور مانتا تھا ان کی اصلاح کی طرف حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو خاص توجہ تھی، دفتر دوم میں ان کے نام ایک طویل مکتوب ہے جس میں آپ نے دین کے تمام مہمات اور ضروری عقائد وارکانِ اسلام کو بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے جمع فرما دیا ہے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کو دینِ اسلام اور طریقۂ اہلِ سنت وجماعت سے واقف کرنے کے لئے یہی ایک مکتوب گرامی کافی ہے، اس میں دین کے متعلق ضروری باتیں لکھنے کے بعد "حرفِ مطلب" کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:

وہ لڑائی جھگڑے جو اصحابِ کرام کے درمیان واقع ہوئے ہیں جیسا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین، ان کو نیک وجوہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا وتعصب سے دور سمجھنا چاہئے، کیوں کہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۹۵

صحبت میں رہ کر ہوا و ہوس سے پاک اور حرص و کینے سے پاک ہو چکے تھے، اگر ان میں صلح تھی تو حق کے لئے تھی اور اگر لڑائی جھگڑا تھا تو وہ بھی حق کے لئے تھا۔ ہر ایک گروہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا ہے اور مخالف کو رنج و تعصب کے بغیر اپنے سے دفع کیا ہے۔ ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد میں مصیب (درستی پر) ہے اس کو دو درجے بلکہ ایک قول کے موافق دس درجے ثواب ملے گا اور جو مخطی (خطا پر) ہے ایک درجہ ثواب کا اس کو بھی حاصل ہے۔ پس مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دور ہے بلکہ درجاتِ ثواب میں سے ایک درجے ثواب کی امید رکھتا ہے۔ علما نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق حضرت امیر (علی مرتضیٰ) رضی اللہ عنہ ہی کی جانب تھا اور مخالفوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی اس کے باوجود ان پر طعن نہیں کیا جا سکتا اور ان پر ملامت کی کوئی گنجائش نہیں، چہ جائے کہ ان کی طرف کفر یا فسوق کی نسبت کی جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی، یہ نہ کافر ہیں نہ فاسق، کیوں کہ ان کے پاس تاویل ہے جو ان سے کفر و فسق کو روکتی ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اِیَّاکُمْ وَمَاشَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ

جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تم اس سے بچو۔

پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا چاہئے، فلاح و نجات کا طریقہ یہی ہے، کیوں کہ اصحابِ کرامؓ کی دوستی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث ہے کسی بزرگ کا قول ہے:

مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ

اس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہیں جس نے آپ کے اصحاب کی عزت نہ کی (۱)

پھر ہندی بُت پرستوں اور شیعوں کے عقائدِ باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد (کہ

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۷

حکومت کو اس وقت یہی دو گھن لگے ہوئے تھے) آخرِ مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس دولت سے غافل ہیں بلکہ قریب ہے کہ آپ بھی اس کو محسوس نہ کریں وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہلِ سنت و جماعت میں سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے، اگرچہ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قرب قیامت اور عہدِ نبوت ﷺ کے بعد کا زمانہ ہے، بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی و ذلت سے جو کہ باطن کی خباثت سے پیدا ہوئی ہے بادشاہوں کے امرا کے ساتھ تقرب حاصل کیا ہے اور خوشامدی بن گئے ہیں اور دینِ متین میں تشکیکات اور اعتراضات کیے ہیں اور شبہے نکالے ہیں اور سادہ لوح اور بیوقوفوں کو بہکا رہے ہیں۔ جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن لیتا اور قبول فرماتا ہے تو یہ کس قدر بھاری دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارے کے طور پر کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام کو اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اس کے گوش گزار کر دیں، اور جہاں تک ہو سکے اہلِ حق کی باتوں کو پیش کریں بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو کی جائے تاکہ اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور کفر و کافری کے بطلان و برائی کا بیان کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے کوئی عقل منداس کو پسند نہیں کرتا، بے خوف اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہئے اور بلاتوقف ان کی جھوٹے خداؤں کی نفی کرنی چاہئے، اور معبودِ برحق جل شانہٗ بلاتردد و شبہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ کیا کبھی سنا ہے کہ ان کے باطل خداؤں نے ایک مچھر کو بھی پیدا کیا ہے اگرچہ وہ سب اکٹھے ہو جائیں، اور مچھر ان کو ڈنک مارے اور تکلیف پہنچائے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تو پھر وہ دوسروں کو کس طرح بچا سکتے ہیں۔ کافر گویا اس امر کی برائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود حق تعالیٰ سے ہماری سفارش کرنے والے ہوں گے اور ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں گے۔ یہ لوگ بے عقل ہیں انہوں نے کیسے جان لیا ہے کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور حق تعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو

درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمنوں کی عبادت کرنے والوں کے حق میں قبول کرلے گا۔ان کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کہ باغی لوگ بادشاہ پر حملہ کریں اور چند بے وقوف ان باغیوں کی مدد کریں اس خیالِ فاسد سے کہ تنگ وقت میں یہ باغی بادشاہ کے نزدیک ہماری سفارش کریں گے اور ان باغیوں کے ذریعے ہم بادشاہ کا تقرب حاصل کرلیں گے۔ یہ عجیب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی شفاعت سے بادشاہ سے معافی مانگیں اور اس کا قرب حاصل کریں۔ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہلِ قرب اور اہل حق میں سے ہوں۔

(پھر ایک صفحے کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسم کی طرح، اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے، اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور بادشاہ کی اصاح اس امر میں ہے کہ بلحاظِ وقت جس طرح ہو سکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے، کلمۂ اسلام کے بعد اہلِ سلنت و جماعت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہئیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنی چاہئی۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثتِ عظمٰی ہاتھ آ گئی، آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے اس کی قدر جانی چاہئے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے اگرچہ یہاں جس قدر زیادہ مبالغہ کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے **واللہ سبحانہ الموفق (۱)**

انہی خاں جہاں کو ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجاآوری کے ساتھ جمع کرلیں تو گویا انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سا کام کریں گے جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا۔ ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں تو بھی آپ جیسے بہادر کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ (۲)

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۷ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۵۴

بارگاہِ سلطان کے ممتاز مقربین میں شیخ فرید بھی تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے،

سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے، خاص کر ایسے زمانے میں جب کہ اسلام کے شعائر (نشانات) بالکل مٹ گئے ہوں کروڑ ہا روپیہ خدا تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے ایک مسئلے کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے، کیوں کہ اس فعل میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا ہے جو کہ بزرگ ترین مخلوقات ہیں، اور اس فعل میں ان بزرگوں کے ساتھ شریک ہونا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں انہی حضرات کو عطا ہوئی ہیں، اور کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگوں کے سوا اوروں کو بھی میسر ہے اور نیز شریعت کے بجالانے میں نفس کی کامل مخالفت سے کیوں کہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے ہاں ان اموال کے خرچ کرنے میں جو شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہوں بہت بلند درجہ ہے اور اس نیت پر ایک جیتل کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے کئی لاکھ خرچ کرنے کے برابر ہے۔(۱)

ایک اور مکتب میں تحریر فرماتے ہیں:

آج کل اس طرح کی گمراہی کے بھنور میں پھنسے ہوئے بیچارے اہلِ اسلام کی نجات کی امید بھی حضرت خیر البشر ﷺ کی اہل بیت کی کشتی سے ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ

میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ہلاک ہو گیا۔

اپنی تمام بلند ہمت کو اسی بات پر لگائیں تا کہ یہ بڑی بھاری سعادت حاصل ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جاہ و جلال و عظمت و شوکت سب کچھ آپ کو حاصل ہے، ذاتی شرف و عزت کے ساتھ اگر یہ بات بھی شامل ہو جائے تو آپ سبقت کی گیند سعادت کے چوگان (گیند بلا) کے ساتھ سب سے آگے لے جائیں

ا۔ دفتر اول مکتوب نمبر ۴۸

گے یعنی بڑی سعادت حاصل کریں گے۔ یہ فقیر حقیر شریعتِ حقہ کی ترویج اور تائید میں اس قسم کی باتوں کے ظاہر کرنے کے ارادے سے آپ کی طرف متوجہ ہے۔(۱)

نیز انہی شیخ فرید کو ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت غریب و بے کس ہو رہا ہے آج اس کی تقویت میں ایک جیتل کا صرف کرنا کروڑ ہا روپیوں کے بدلے قبول کرتے ہیں، دیکھیں کس بہادر کو دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرماتے ہیں دین کی ترقی اور مذہب کی تقویت کسی بھی وقت خواہ کسی بھی شخص سے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے، لیکن اس وقت میں جب کہ اسلام غریب ہوتا جا رہا ہے آپ جیسے اہل بیت کے جواں مردوں سے نہایت ہی زیبا اور خوب ہے، کیوں کہ یہ دولت آپ جیسے بزرگوں کے خاندان کی خانہ زاد ہے، اس کا تعلق آپ سے ذاتی ہے دوسروں سے عرضی، حقیقت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اسی عظیم القدر امر کے حاصل کرنے میں ہے۔ حضرت پیغمبر ﷺ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''تم ایسے زمانے میں موجود ہوئے ہو کہ اگر اوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو بجا لائیں گے تو نجات پائیں گے۔'' اب یہ وہی وقت ہے اور یہ وہی لوگ ہیں:

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت کو خوب ہوا اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا۔ خواہ کسی نیت سے اس کو قتل کیا گیا ہو اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا گیا ہو، کفار کا ذلیل ہونا ہی اہلِ اسلام کی عزت و ترقی ہے۔

اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہِ وقت نے شرک کے سردار کا خیمہ سائبان توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بڑا بت پرست اہلِ شرک کا رئیس اور اہلِ کفر کا امام تھا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے)۔ اور دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہلِ شرک کو اس عبارت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے:

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۵۔

اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ

یا اللہ تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے۔

اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت، کفر اور اہلِ کفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ وصول کرنے سے مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے، جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہوگی اسی قدر اسلام کی ذلت ہے، اس اصول کو اچھی طرح نگاہ رکھنا چاہیے، اکثر لوگوں نے اس اصول کو ضائع کر دیا ہے اور اس بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی ﷺ! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان کے ساتھ سختی سے معاملہ کر۔

کفار کے ساتھ جہاد اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ اس وقت جب کہ بادشاہِ اسلام کو اہلِ کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی، کفر کی وہ رسمیں جو گزشتہ زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں ان میں سے جو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی مسلمانوں کے دلوں پر بہت گراں معلوم ہوتی ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہِ اسلام کو ان بدمذہبوں کی رسموں کی برائی سے اطلاع بخشیں اور ان کو دور کرنے میں کوشش کریں، شاید بادشاہ کو ان بقایا رسوم کی برائی کا علم نہ ہو، اور اگر وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو بعض علمائے اہلِ اسلام کو اطلاع دیں کہ وہ آ کر اہلِ کفر کی رسوم کی برائی ظاہر کریں، کیوں کہ احکامِ شرعی کی تبلیغ کے لئے خوارق و کرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں، قیامت کے دن کوئی عذر نہ سنیں گے کہ تصرف حاصل نہ ہونے کی وجہ سے احکامِ شرعی کی تبلیغ نہیں کی تھی۔

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بہترین موجودات ہیں احکامِ شرعی کی تبلیغ کرتے تھے اگر امت کے لوگ ان سے معجزہ طلب کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ معجزات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں ہم پر احکام کا پہنچانا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت شاید حق تعالیٰ بعض علما اہلِ اسلام پر ایسا امر ظاہر کر دے جو ان لوگوں کے حق پر ہونے کے اعتقاد کا

باعث ہوجائے۔ بہر حال مسائلِ شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینا ضروری ہے، جب تک یہ واقع نہ ہو اس امر کی ذمہ داری علما اور بادشاہ کی بارگاہ کے مقربوں پر ہے، یہ کس قدر بڑی سعادت ہے کہ اس گفتگو میں کسی جماعت کو تکلیف پہنچے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام کی تبلیغ میں کونسی تکلیفیں ہیں جو برداشت نہیں کیں اور کونسی مصیبتیں ہیں جو ان کو پیش نہیں آئیں۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بہتر ومہتر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ

کسی نبی کو ایسی ایزا نہیں پہنچی جیسی کہ مجھے پہنچی ہے:

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نہ شد
شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را(۱)

خانِ اعظم (اکبر کا رضائی بھائی مرزا عزیز کوکہ) امرائے اکبری میں سے ہیں، عہدِ جہانگیر میں بھی حکمت کے عظیم الشان رکن ہیں اور بادشاہ ان کی بات بہت مانتا تھا، اسلام کی غربت کسمپرسی اور حکومت وقت کی اسلام کے ساتھ بے مہری کا ذکر کے بعد ان کو تحریر فرماتے ہیں:

ہم آج آپ کے وجود مبارک کو غنیمت شمار کرتے ہیں اور اس معرکۂ ضعیف اور شکست خوردہ میں آپ کے سوا کسی کو بہادر اور لڑاکا نہیں جانتے، حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کا مددگار اور ناصر ہو۔

حدیث میں وارد ہے:

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ

تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔

اس وقت وہ جنون جو کثرتِ غیرتِ اسلام کے زیادہ ہونے پر مبنی ہے اب آپ ہی کی ذات میں محسوس ہے، **الحمد للّٰہ علی ذالك**

آج وہ دن ہے کہ تھوڑے سے عمل کو اجر عظیم کے بدلے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ اصحاب کہف سے ہجرت کے سوا اور کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا جس نے اتنا اعتبار (یعنی فضیلت) پیدا کیا ہے۔ سپاہی دشمنوں کے حملے کے وقت اگر تھوڑی سی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۹۳

جدوجہد بھی کریں تو بڑا اعتبار پیدا کرلیں برخلاف دشمنوں کے امن و آرام کے وقت کے۔ اور یہ قولی جہاد جو آج آپ کو حاصل ہے یہی جہادِ اکبر ہے، اس کو غنیمت جانیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٌ کہیں، اور اس جہادِ قولی کو جہادِ قتال سے بہتر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقرا اس دولت سے محروم ہیں:

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) التماس یہی ہے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان بزرگ خاندانِ (نقشبندیہ) کے بزرگوں کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت ہمسروں کی نظروں میں ظاہر ہوچکی ہے تو کوشش فرمائیں، کم از کم اہلِ کفر کے وہ احکام جو اہلِ اسلام میں شائع ہیں منہدم و معدوم ہوجائیں اور اہلِ اسلام منکرات (خلافِ شرع امور) سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ پہلی سلطنت میں دینِ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اور اس سلطنت میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے، ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہوجائے۔(۱)

اس قسم کے مکاتیب جو حضرت مجدد قدس سرہٗ نے مقربانِ سلطانی کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں، مکتوبات کے دفاتر میں پچاسوں موجود ہیں، پھر ان میں صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ تک کلمۂ حق پہنچانے اور اس کو راہِ راست پر لانے کی طرف ہی ان کی توجہ اور ترغیب دلائی ہو، بلکہ اکثر مکاتیب میں تو ان مسائل کو بھی خود ہی وضاحت اور تفصیل سے نہایت دل نشین طریقے پر لکھ دیا ہے، کفر و شرک اور رسومِ کفار کی تردید و تقبیح، اور اسلام و شعائرِ اسلام و تعلیماتِ اسلام کی تائید و توضیح اس طرح کی ہے کہ ایک صاحبِ فہم اور منصف مزاج کی اصلاح اور درستیِ خیالات کے لئے بالکل کافی ہے، ان مکاتیب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے بادشاہ کے ان ہم نشینوں اور مقربوں پر اچھی طرح قبضہ کرلیا تھا اور گویا ان کو اپنا ٹیپ ریکارڈ بنالیا تھا کہ جو بات اور اصلاح کی جو آواز آپ

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۶۵

بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے بس ان میں بھر دیتے تھے اور پھر وہ ان کے ذریعے بادشاہِ وقت کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ اس تدبیر سے آپ نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ چند ہی دنوں میں بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی اور ''غریب'' اسلام کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی۔ (۱)

اصلاحِ سلطنت کو مقاصدِ زندگی میں شامل کر لینے کی یہ ایک مدبرانہ شان ہے کہ اس مقصد کو گویا اپنا کام تصور فرما لیا ہے اور جس طرح اپنے کسی کام کے لئے منت، ساجت، خوشامد اور ہمت افزائی کی جاتی ہے وہی تمام باتیں یہاں بھی کی جارہی ہیں، حالانکہ یہی امرا و احکام ہیں جن کے نام مکتوبات میں وہ خطوط بھی ہیں جو تلقین و ارشاد، تزکیہ اور اصلاح یا دیگر علمی مباحث سے متعلق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ ان تمام مکاتیب میں استغنا اور بے نیازی کی وہی شان ہے جو ایک شیخ اور مرشد کے مکتوبات میں ہونی چاہئے ان مکاتیب میں انہی امرا کے اعمال پر محاسبہ بھی ہے تنبیہات بھی ہیں اور عقائد باطلہ یا فاسد خیالات کی تردید بھی قوت اور صفائی کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ امرا جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا پنج ہزاری ہفت ہزاری اور دس ہزاری ہیں جو وزرائے دولت، گورنر اور بڑے بڑے جرنیل ہیں، ان کے علاوہ حکیم فتح اللہ، شیخ عبدالوہاب، سیّد محمود، سیّد احمد، خضر خاں لودھی، مرزا بدیع الزماں، جباری خان، سکندر خاں لودھی وغیرہ کتنے ہی افسرانِ فوج، حکام اور عہدہ داران ہیں جو دو ہزاری سہ ہزاری منصب رکھتے ہیں، دربار تک ان کی رسائی ہے اور وہ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کے حلقہ بگوش ہیں، مکتوبات شریفہ میں ان کے نام مکاتیب ہیں جن میں اصلاحِ نفس، پابندیِ شریعت، تصحیحِ عقائد، روحانی مقاصد وغیرہ وغیرہ کے متعلق گراں قدر تعلیمات و ارشادات ہیں جن کی خوبی مطالعے پر موقوف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دولتِ اکبری و جہانگیری کے تمام سنی ارکان و اعضا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحریک کے اعضا و اراکین ہیں، ایک مضبوط نظام ہے جس میں اہلِ سنت و جماعت تعلقہ داران و منصب دارانِ حکومت کے تمام ورنہ اکثر و بیشتر افراد منسلک ہیں اور اس نظام کا سرچشمہ حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ موقع بموقع اس نظام کو حرکت دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں تقریباً دو سو حضرات کے نام آپ کے پانچ سو چھتیس مکتوباتِ شریفہ ہیں جو تین جلدوں کے تقریباً بارہ سو صفحات میں درج ہیں۔ مکتوباتِ شریفہ کے طرزِ خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتوب الیہم حضرات ہندوستان کے مختلف گوشوں کے سنجیدہ اہلِ علم اور ذی

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ، ص ۱۵۴

اثر حضرات ہیں جو اپنی اور نوعِ انسانی کی اصلاح میں مشغول ومنہمک ہیں۔

معاندین کی سازش

درباری امرا کو قابو میں لانے کے بعد حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کو ابتدا میں بعض دشواریاں بھی اٹھانی پڑیں، بعض اہلِ علم جو آپ کو اور آپ کے نصب العین کو نہ سمجھ سکے انہوں نے حضرت موصوف کو بھی اپنے جیسے تنگ نظریوں سے متہم خیال کیا اور معاصرانہ رشک وحسد کے سلسلہ میں حسب دستور وہی چند پینترے جو اس جماعت کی طرف ہمیشہ اربابِ حق کے مقابلے میں نکالے جاتے ہیں آپ کے ساتھ بھی نکالے گئے، بعض نے آپ پر کفر کا اور بعض نے فسق کا فتویٰ صادر کیا، بادشاہ کو بدگمان کرنے کی کوشش کی گئی۔

حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کی کامیابیاں نور جہاں اور اس کی پارٹی کے لئے خطرناک تھیں خصوصاً جب کہ وارثِ تخت وتاج کا سوال بھی سامنے آگیا تھا، نور جہاں اپنے داماد شہزادہ شہریار کو تختِ شاہی پر متمکن دیکھنا چاہتی تھی، اس کے بالمقابل شاجہاں کی مذہب پرستی اور اس کا سنی مسلک ہونا حضرت مجددّ علیہ الرحمہ کے پورے گروپ کو قدرتی طور پر اس سے وابستہ کر رہا تھا، نیز ردّ روافض کے متعلق حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کی جدوجہد اور بے باکانہ جرأت نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو نور جہاں کی نگاہ میں اور بھی زیادہ مقہور ومعتوب کر دیا تھا، سلسلۂ نقشبندیہ کی ترغیب وتحریص، اتباعِ سنت کی تاکید، سماع وغنا ورقص وسرور کی مخالفت نے اس پارٹی کو لازمی طور پر برافروختہ کر دیا تھا جنہوں نے رقص وسرور کی طرب انگیز صورتوں میں ہی چشتیت و صوفیت کو منحصر کر لیا تھا، جہانگیر کی مذہبیت اسی جماعت کے آبشار سے سرشار تھی، شیخ کبیر، شیخ علاؤ الدین وغیرہ اسی جماعت کے ممتاز ارکان بلکہ ذمے دار رہنما تھے جو جہانگیر کو بہت زیادہ محبوب تھے۔ جاہل متصوفین اور دنیادار علما کو اپنی کساد بازاری کے خطرے نے حضرت مجددّ الف ثانیؒ کی مخالفت پر آمادہ کیا، اور روافض کو نور جہاں کی وجہ سے اپنے مذہب کی اشاعت اور دینِ اسلام کے فنا کرنے کی جو امیدیں قائم ہوگئی تھیں ان کو بھی حضرت مجددّ علیہ الرحمہ کی ذاتِ اقدس سدِ راہ نظر آئی ان سب نے مل کر ایک منظم ومکمل سازش کی اور جہانگیر کی حکومت کے اس داہنے بازو نے حضرت مجدد موصوف اور آپ کی جماعت کو آئینی طور پر شکست دینے کی کوشش شروع کر دی، جہانگیر بادشاہ کو چند مکتوباتِ قدسیہ کے اقتباسات قطع وبرید کے ساتھ سنائے گئے اور ان کا غلط

مطلب سمجھا کر سخت برہم کر دیا۔ ان بہت سی باتوں میں سے ایک بات یہ سمجھائی گئی کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حسن خان افغان کابل کا رہنے والا ایک شخص حضرت مجددؒ قدس سرہٗ سے بیعت ہوا تھا پھر حضرت موصوف کے کسی متوسل سے اس کو آزردگی پیدا ہوگئی، طبیعت میں کجی تھی، ناراضی کسی خادم سے تھی مگر وہ خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے آزردہ ہو کر آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہوگیا، کج طبع کے اور حکومت کے داہنے بازو کے ایما سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں تحریف کی، کفریہ اور زندیقانہ عبارتوں کا اضافہ کر کے بیس نقلیں مرتب کیں اور ہندوستان وافغانستان کے مشہور علماء و مشائخ کے پاس بھیج کر فتوے طلب کئے۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کو ان کے متوسلین وقتاً فوقتاً ان ناپاک سازشوں کی اطلاع دیتے تھے، آپ ان کو لکھ بھیجتے تھے کہ ان باتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے آپ لوگ اپنے کام (یعنی یادِ الٰہی) میں مشغول رہیں جو جیسا کرے گا اس کا نتیجہ پائے گا کبھی کبھی اپنے مخلصین کو ان بے جا الزامات کا جواب لکھ کر بھیجتے تھے جو آپ پر لگائے جاتے تھے۔ اس پروپیگنڈے کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسا متبحر اور دین دار عالم بھی نہ بچ سکا تو پھر بادشاہ اور شاہی دربار کے ارکین کا متاثر ہوجانا کیا بڑی بات تھی، بادشاہ کا متاثر ہونا تھا کہ تمام ہندوستان میں آگ بھڑک اٹھی۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اس فتنے میں مبتلا ہو کر حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کی تردید میں مضامین اور رسالے تحریر فرمادیئے لیکن جب اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکاتیب کے اصل مسودات ارسال فرمائے اور تحریر فرمایا کہ اس قسم کے کلمات مجھ سے کبھی بھی صادر نہیں ہوئے یہ میرے ایک مرید کی شرارت ہے جس نے مجھے بدنام کیا اور خود میری بددعا میں مبتلا ہو کر بخارا میں ارتداد کی تہمت میں قتل کردیا گیا۔ اس پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے خیالات سے رجوع فرمالیا اور اپنی غلطی پر معذرت کی اور آپ کے کمالات کے معترف ہوگئے)

یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ جہانگیر بادشاہ نے آپ کو طلب کیا، آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کر دیا۔ مفسدوں نے جب یہ دیکھا کہ ہمارا سب کیا دھرا خاک میں ملا جاتا ہے تو فوراً ایک دوسرا حربہ استعمال کیا، بادشاہ کو سمجھایا کہ حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے سلطنت کا باغی ہے ہزاروں جانثار مرید اپنے گرد جمع کر لئے ہیں خطرہ ہے کہ ملک میں کوئی فتنہ کھڑا کردے، یہ ایک مغرور شخص ہے، دیکھئے تمام علما سجدۂ تعظیمی کے جواز

کا فتویٰ دے چکے ہیں مگر یہ شخص اپنے مکتوبات میں شرعی فتوے کی برابر مخالفت کرتا رہتا ہے اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے یہ کبھی اس پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی، بادشاہ کے لئے یہ سیاسی خطرہ مذہبی خطرے سے زیادہ تشویش ناک تھا، دوبارہ بارگاہ سلطانی میں طلب کیا گیا اور آدابِ شاہانہ کا مطالبہ کیا گیا جس کا لب لباب سجدہ تھا۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ از روئے نصِ قرآنی خالق کے لئے مخصوص ہے اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنے جیسی عاجز محتاج مخلوق کو سجدہ کرے۔ یہ سن کر جہانگیر کی وہی کچھ حالت ہوئی جو سرور کائنات ﷺ کا فرمانِ عالی شان سن کر خسرو پرویز بادشاہِ ایران کی ہوئی تھی، سب علمانے امرائے دربار کی خاطرداری کے لئے حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کے قتل کا فتویٰ دیدیا، اسی غیظ وغضب کی حالت میں حضرت امام ربانی مجددؒ الف ثانیؒ کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر قتل کی بجائے غیر محدود وقت کے لئے قید کا حکم سنایا گیا اور ریاست گوالیار کا قلعہ بطورِ قید خانہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے رشکِ جنت بنا۔

شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس نے اپنے خاص الخاص معتمد افضل خان اور مفتی عبدالرحمٰن کو حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی کتابیں ان کے ساتھ کر دیں اور عرض کیا ''جب کہ علمانے سجدۂ تحیت کو جائز بتایا ہے اگر جنابِ والا بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کرلیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ جناب کو کوئی گزند نہ پہنچے گا'' مگر حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے فرمایا ''جان بچانے کے لئے اگرچہ جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔'' جہانگیر نے قید و بند پر ہی بس نہیں کی بلکہ دولت کدۂ مجددی کو لوٹنے کا حکم دیا مگر مجددانہ صبر وتسلیم کا یہ عالم تھا کہ نہ خود آپ نے بددعا کے لئے لب کشائی کی اور نہ اپنی اولاد یا خدام کو اجازت دی کہ بادشاہِ اسلام کے لئے کسی قسم کی بددعا کریں:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

جہانگیر اس واقعہ قید و بند کو اپنی توزک کے ص ۲۷۲ پر ڈپلومیسی کے انداز میں لکھتا ہے گویا مسل کا پیٹ بھر کر اپنے اس نامعقول کردار پر پردہ ڈال رہا ہے حالانکہ در پردۂ الفاظ وہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی کامیابی کا معترف ہے جیسا کہ اس عبارت کا کچھ حصہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ (۱)

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۲۵۴، ۲۵۵۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی مقتطفا

جیل خانے میں تسلیم ورضا کی مکمل تصویر

قید ہونے سے چند ماہ پہلے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے احباب واصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ عن قریب مجھ پر ایک بلا نازل ہوگی جو میرے لئے مقاماتِ ولایت کی ترقیات کا باعث ہوگی، اس بلا کے نزول کے بغیر ان ترقیات کا حصول ممکن نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحریک اصلاح، طریقِ کار، راستے کی مشکلات، نتائج وثمرات پہلے سے حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کے سامنے ہیں اور یہ تمام چیزیں سوچی سمجھی ہوئی ہیں، یہی وہ فراستِ مومن ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اِتَّقُوْا مِنْ فَرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

مومن کی فراست سے ڈرو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

جب حضرت مجدّدؒ قلعۂ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کئی ہزار غیر مسلم بھی قید میں تھے حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے تبلیغ کی ان کو مشرف بہ اسلام کیا اور سیکڑوں کو بیعتِ ارادت سے سرفراز فرماکر درجاتِ ولایت پر پہنچایا۔ حضرت نے زمانۂ قید میں کبھی بھی بادشاہ کے لئے بددعا نہیں کی بلکہ فرمایا کرتے تھے اگر بادشاہ مجھ کو جیل خانے میں نہ بھیجتا تو اتنے ہزار نفوس دینی فوائد سے کیسے بہرہ اندوز ہوتے اور ہمارے مراتب کی ترقی جو اسی مصیبت کے نزول پر منحصر تھی کیسے حاصل ہوتی۔ آپ کے حلقہ بگوش صوفیائے کرام پر جو چاہتے تھے کہ بددعا کرکے باطنی تصرفات سے بادشاہ کو نقصان پہنچائیں ان کو خواب اور بیداری میں منع فرماتے تھے۔ چوں کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ حتی الوسع انبیا علیہم السلام کی کسی سنت کو نہیں چھوڑتے تھے تو تقدیر الٰہی کا تقاضا ہوا کہ جیل خانے کے ذریعے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی اس سنت کو بھی ادا کرایا جائے۔ اب چند مکتوباتِ شریفہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو آپ نے جیل خانے سے ارسال فرمائے ہیں، مکتوبات کا ہر فقرہ سلوک وطریقت اور شریعت وحقیقت کا درسِ گراں مایہ ہے:

اے فرزندانِ عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے، چوں کہ تم کو اس وقت فرصت مل گئی ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بجالا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم اور ایک لمحے بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو، اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو، قرآن مجید کی تلاوت کرو، یا طویل

قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرو، یا کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرتے رہو۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلا و ابتلا (مصیبت و امتحان) کے زمانے میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانے کے سوا یہ ہوا و ہوس سدِ سکندری (موانع عظیمہ) ہی گوشے میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے۔ فتنے کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنے کے زمانے کے علاوہ سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں، اطلاع دینا ضروری ہے شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔ یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس باقی نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دی دیں اور ان کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں، چوں کہ یہ جہاں فانی اور گزرنے والا ہے اس لئے باقی احوال کیا لکھے جائیں، چھوٹوں پر شفقت رکھیں اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیں اور جہاں تک ہو سکے تمام اہلِ حقوق کو ہماری طرف سے راضی کر دیں، اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے مدد و معاون رہیں، تاکید کے ساتھ یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے ہودہ امور میں ضائع نہ کریں اور ذکرِ الٰہی کی سوا کسی کام میں مشغول نہ ہوں اگرچہ وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلبہ کے ساتھ تکرارِ علم ہی کیوں نہ ہو، اب ذکر کا وقت ہے۔

پھر چند سطور کے بعد آخرِ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حویلی و سرائے و کنواں و باغ و کتابوں اور دوسری تمام اشیا کا غم سہل ہے ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہونی چاہئے اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے، اگر ہم مرجاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں، اگر ہماری زندگی میں چلی گئیں تو کوئی فکر نہ کریں، اولیاؒ نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں، امید ہے کہ مخلَصین (بفتح لام) میں سے ہو جائیں گے۔ جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو، چند روزہ زندگی جہاں گزرے یادِ حق میں گزر جائے، دنیا کا معاملہ آسان ہے (اس کو چھوڑ کر) آخرت کی طرف متوجہ رہیں اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دیں، باقی رہی ایک دوسرے کی ملاقات، اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو حاصل

ہوجائے گی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ دارالسلام (جنت) میں سب کو جمع ہوں اور ہم دنیا کی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں الحمد للہ علی کل حال۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قید خانے کے بعض ثمرات و برکات کا تذکرہ شیخ بدیع الدینؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آپ کا صحیفۂ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمدست ارسال کیا تھا پہنچا۔ آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا یہ خود اس گروہ کا جمال ہے اور ان کے زنگار کے لئے صیقل ہے پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو۔ ابتدائے حال میں جب فقیر اس قلعے میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے (میری طرف) پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ (کارکنانِ قضا وقدر جو) سالہا سال سے جمالی تربیت کے ساتھ مراحل طے کرار ہے تھے اب جلالی تربیت کے ساتھ مسافت طے کرا رہے ہیں، للہذا صبر بلکہ رضا کے مقام میں رہیں اور جمال وجلال کو یکساں جانیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ فتنے کے ظاہر ہونے کے وقت سے نہ ذوق رہا ہے نہ حال، چاہئے تو یہ تھا کہ ذوق و حال دگنا ہوتا، کیوں کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے۔ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کی ہیں اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے ہیں گزشتہ کے برخلاف۔ آپ جلال کو جمال سے زیادہ خیال کریں اور درد و الم کو انعام سے زیادہ تصور کریں، کیوں کہ جمال اور انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور جلال و ایلام میں خالص محبوب ہی کی مراد ہے وہ اپنی مراد کے بالکل برخلاف ہے۔ یہاں پر جو وقت اور حال وارد ہے وہ سابقہ وقت اور حال سے مختلف ہے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارے میں لکھا تھا تو اب کیا مانع ہے؟ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔(۲)

۱۔ مکتوبات شریف، دفتر سوم: مکتوب ۲ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب نمبر ۶

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قید ہونے کے بعد بعض احباب ومعتقدین نے آپ کی رہائی کے لئے کوششیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی، چناں چہ آپ خواجہ میر محمد نعمانؒ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو معلوم ہوگا کہ یاران خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارے میں کوشش کی مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔ اَلْخَیْرُ فِیْ مَاصَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) اس امر سے بمقتضائے بشریت کچھ غم و حزن لاحق ہوا اور سینے میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن اور سینے کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینے کی فراخی) سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو سینے کی تنگی اور کدورت بے فائدہ اور دعوائے محبت کے برخلاف ہے کیوں کہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کے طرح محبّ کے نزدیک محبوب ومرغوب ہوتا ہے۔ محبّ جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی ملتذ ہوتا ہے بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے کیوں کہ یہ محبت کی اپنی مراد اور حظِ نفس کی آمیزش سے پاک ہے۔ جب حق تعالیٰ جو جمیل مطلق ہے اس شخص کا آزار چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے۔ اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد کے ظہور کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور لذت حاصل ہونے کا موجب ہے کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے محبوب کے فعل کی طرح محبوب دکھائی دیتا ہے اور وہ شخصِ فاعل بھی اس نظر کے علاقے سے محبّ کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ جوں جوں اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے اسی قدر محبّ کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے کیوں کہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے، اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا اور برعکس ہے۔ پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیوں کہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے

در پے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظروں میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ سینے کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے در پے ہیں دشمنی اور بگاڑ نہ کریں بلکہ انہیں چاہئے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں چوں کہ ہم کو دعا کا امر ہے اور حق تعالیٰ دعا و التجا و تضرع و زاری کو پسند کرتا ہے اس لئے بلیے و مصیبت کے دفع ہونے کے لئے دعا اور عفو و عافیت کا سوال کریں۔ اور یہ جو غضب کی صورت کہی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کے نصیب میں ہے۔ دوستوں کے ساتھ ظاہری صورت میں غضب ہے اور حقیقت میں عین رحمت ہے۔ غضب کی اس صورت میں محب کے لئے اس قدر فائدے اور نفعے رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو کچھ دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی اس سے خرابی ہے اور ان کی ابتلا و آزمائش کا باعث ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہٗ کی عبارت کی معنی آپ کو معلوم ہوں گے انہوں نے کہا ہے کہ ''عارف کے لئے ہمت نہیں'' یعنی وہ ہمت جو آزمائش کے دفع کرنے کے لئے ہو عارف سے مسلوب ہے کیوں کہ عارف جب آزمائش کو محبوب کی طرف سے جانتا اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کے لئے کس طرح ہمت کرے اور اس کو کیوں دفع کرے۔ اگر چہ بظاہر اس آزمائش کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے لیکن وہ صرف دعا کا امر بجالانے کے لئے ہے، درحقیقت وہ کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ پیش آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک اور مکتوب میں خواجہ میر محمد نعمانؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

جناب میر نعمان صاحب! اہلِ خسران کی پریشان کن باتوں سے رنج نہ اٹھائیں قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ط (ہر ایک شخص اپنی صورتِ حال اور اپنی طرز پر کام کرتا ہے) آپ کے لئے مناسب ہے کہ ان کو سزا دینے اور بدلہ لینے کے در پے نہ ہوں۔ دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے ان کی متناقض و متضاد باتیں ہی ان کے بازار کی

۱۔ دفتر سوم: مکتوب نمبر ۱۵

رونق کو کم کردیں گے مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (جس کے لئے اللہ نے کوئی نور نہیں بنایا اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے) جو شغل آپ کے پیش نظر ہے اس میں کوشش کریں اور اس کے غیر سے آنکھیں بند کرلیں۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (آپ اللہ کا ذکر کیجئے اور پھر ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں)(۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو تحریر فرماتے ہیں:

میرے مخدوم و مکرم! مصائب کے آنے میں اگرچہ بڑی تکلیف و ایذا برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے، اس جہان کا بہتر اسباب حزن و اندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت مصیبت و الم ہے، ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے، اور اس حیلے سے ابتلا و آزمائش کا راستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کرکے اس تلخی کو شکر کی طرح چباتے ہیں اور کڑواہٹ کو مفراوی مزاج والے کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں۔ کیوں کہ شیریں نہ سمجھیں جبکہ محبوب کے تمام افعال شیریں ہوتے ہیں، علتی اور بیمار شاید ان کو تلخ معلوم کرے کیوں کہ وہ ماسواء میں گرفتار رہے مگر معنوی دولت والے حضرات محبوب کے الم و رنج دینے میں اس قدر حلاوت اور لذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں ہوتی، اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔(۲)

ان مکتوباتِ قدسیہ کو ملاحظہ کیجئے حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق اور کیسی بے مثال محبت ہے ارشادِ الٰہی ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ ان خطوط میں ان جذبات کا جواب ہے جو حضرت میر محمد نعمان اور دوسرے خدامِ عالی مقام کے دل میں پیدا ہورہے تھے کہ ہمتِ باطنی کے ساتھ بددعا کرکے موذیوں کو برباد کردیا جائے۔ بلاشبہ یہ چیز ان حضرات کے لئے مشکل نہ تھی جن کے حق میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لو اقسم علی اللہ لابرہ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۰۴ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۹

اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کردے۔

وہ چاہتے تو سلطنت تہ و بالا ہو جاتی، حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور بجائے ان انتقامی جذبات کے دعائے خیر کے جذبات دلوں میں بھر دیئے خانخاناں، خانجہاں، صدر جہاں وغیرہ جو حضرت مجدّد علیہ الرحمہ سے عقیدت مندی اور ارادت مندی کے ساتھ ساتھ حکومت کے بڑے عہدیدار بھی تھے ان کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ابتلاء و امتحان کس قدر پیچیدہ تھا مگر حضرتؒ نے اس کو کس قدر آسانی سے حل کیا، ان کے خلوص ارادت مندی اور جوشِ عمل میں کتنا اضافہ کر دیا۔ جہانگیر نے مکروفریب اور غرور وغیرہ کا جو الزام لگایا تھا اس کا کیسا عمدہ عملی جواب دیا۔ یہ ہے اسلام کی سیاست جس سے باطل پرستوں کی باطل ڈپلومیسی کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ ہے مقاومت بالصبر یا عدم تشدد کی جنگ جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر و الصلوٰۃ، اور فرمایا: وتواصوا بالصبر یہی مضمون اور یہی نکتہ ہے جو دیگر احباب کے نام خطوط میں مختلف عنوان سے واضح کیا جا رہا ہے تمام مکاتیب کا نقل کرنا طوالت ہے البتہ ایک مکتوب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس قید و بند سے کیا حاصل کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت نے اس کے فضل وکرم سے جلال وغضب کی صورت میں تجلی نہیں فرمائی اور میں قید خانے کے قفس میں قید نہ ہوا تب تک ایمانِ شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا اور خیال ومثال کے ظلالی کوچوں سے پورے طور پر باہر نہ ہوا، اور ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کی ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوقِ کامل اور وجدانِ بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر معلوم نہ کیا اور بے ننگی و ناموسی کے خوش گوار شربت اور خواری و رسوائی کے مزے دار مربے نہ چکھے اور خلقت کے طعن وملامت کے جمال کے حظ نہ پایا اور لوگوں کی بلا وجفا کے حسن سے محفوظ نہ ہوا اور مردے کی طرح غسال کے ہاتھ میں پوری طرح ہو کر اپنے ارادہ واختیار کو ترک نہ کیا اور آفاقی وانفسی تعلقات کے رشتوں کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع والتجا وانابت واستغفار و ذلت وانکسار کی حقیقت کو حاصل نہ کیا

اور حق تعالیٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت و کبریائی کے پردے تنے ہوئے ہیں مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندۂ خوار و زار و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے طاقت اور کامل محتاج و فقیر معلوم نہ کیا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ''میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس برائی کی طرف بہت زیادہ امر کرنے والا ہے مگر جس پر میرے رب نے رحمت کی، بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے'' اگر محض فضل سے حق تعالیٰ کے فیوض وارادت اور اس کی نامتناہی عطیات و انعامات پے در پے اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شاملِ حال نہ ہوتے تو قریب تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت دی اور نفس کی جفا میں مجھ پر کرم فرمایا اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور خوشی و رنج میں شکر کی توفیق دی اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں اولیا کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے قدم بقدم چلنے والوں اور علما و صلحا کے محبوں میں سے بنایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ اَوَّلاً وَعَلٰی مُصَدِّقِیْهِمْ ثَانِیاً (اول انبیا پر اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو) (۱)

قید سے رہائی

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کو قلعہ گوالیار میں مقید کیا گیا تھا مگر بظاہر خط و کتابت اور ملاقات پر پابندی نہیں تھی جو بیسویں صدی عیسوی کے قید خانوں میں ہوتی ہے۔ پرچہ نویس جو ہر ایک چیز کو بادشاہ تک پہنچایا کرتے تھے انہوں نے حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے حالات آپ کے خیالات عزائم اور ارادوں کو بھی یقیناً جہانگیر تک پہنچایا ہوگا، اور جہانگیر یقیناً حیران ہوا ہوگا کہ جس شخص کو (نعوذ باللہ) شیاد، مکار، مغرور، خود پسند، کافر اور مرتد بنایا گیا تھا اس کے پرچہ نویس اس کو پیکرِ صدق و صفا، مجسمۂ اخلاق اور اسلامی کمالات کی جیتی جاتی تصویر قرار دے رہے ہیں، جس کی قوتِ ایمانی نے جیل خانے میں پہنچ کر ازلی ڈاکوؤں، چوروں اور بدمعاشوں کو بھی صداقت و ہدایت کے رنگ میں رنگ دیا، وہ بے دین کافر لوگ جن کی عمر ظلم و جفا، ایذائے خلق اللہ اور امنِ

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۵

عامہ کی تباہی و بربادی میں گزری تھی جن کو جیل خانہ کی سخت سے سخت تکلیف بھی رام نہ کر سکی تھی صرف ایک سال کے عرصے میں وہ سب حلقہ بگوشِ اسلام اور راستی و راست بازی کے حریص نظر آ رہے ہیں، ان تمام حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایک سال کے بعد بادشاہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت کو اپنے پاس طلب کر کے بہت زیادہ اکرام واحترام کیا اور بہت کچھ معذرت کی اور حضرت مجدد قدس سرہٗ سے اس قدر محبت کرنے لگا کہ کسی وقت بھی حضرتؒ کی جدائی گوارا نہ کرتا تھا اور شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو حضرتؒ کے حلقۂ مریدان میں داخل کیا، چناں چہ شاہجہاں و عالمگیر کے زمانے تک بادشاہ اور جملہ علما و وزرا سلسلہ مجددیہ کے حلقہ بگوش ہوتے رہے۔

قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے، بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا خواب کیا دیکھا قسمت جاگ اٹھی کہ ''سید الخلق اشرف الانبیا ﷺ تاسف کے طور پر اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کیا۔'' اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ جہانگیر ۲۱ خورداد (اساڑھ) ۱۵ جلوس کے روزنامچے میں لکھتا ہے:

> شیخ احمد سرہندیؒ جس کو دکان آرائی خود فروشی اور بیہودہ گوئی کے سبب سے چند روز زندانِ ادب میں محبوس کیا تھا اپنے سامنے طلب کر کے رہا کر دیا خلعت اور ایک ہزار روپیہ خرچ عنایت کر کے ان کو جانے اور رہنے کا اختیار دے دیا۔

جہانگیر کی آئین دانی قابلِ داد ہے کہ حکمِ رہائی میں بھی ان الزامات کا لحاظ رکھتا ہے جن کو گرفتاری اور سزا کا سبب قرار دے چکا ہے، اس کو کہتے ہیں مسل کا پیٹ بھرنا۔ بہر حال اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے ایک سال شمسی میں بھی دو دن باقی تھے کہ رہائی کا حکم صادر فرمایا، مگر بعض سوانح نگار مدتِ قید دو سال بتاتے ہیں بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرمانِ شاہی براہِ راست حضرت مجدد قدس سرہٗ کے پاس نہیں پہنچایا گیا اور کسی دوسری سیاست کے ماتحت ایک سال تک کار پردازانِ دربار نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کو وطن جانے کا موقع نہیں دیا، کڑی پابندی و نگرانی کے ساتھ شاہی کیمپ میں رکھا، اس کو حضرت مجدد قدس سرہٗ کے متوسلین نے حبس و قید قرار دیا ہے، اگرچہ جہانگیر اس کو رہائی سمجھتا رہا، بہ ظاہر جہانگیر نے حضرت کو جانے اور رہنے کا اختیار دے دیا مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں۔ چناں چہ آپ ایک عرصے تک شاہی لشکر میں رہے اور یہی چیز آپ کے حق میں بہتر ثابت ہوئی کیوں کہ جو کام بنا وہ اسی سے بنا، بادشاہ کو اچھی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکّی کر دیا پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

بادشاہ کی اصلاح

قید سے رہائی کے بعد کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند یا شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے اس موقع سے آپ نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، بادشاہ کے لئے پند ونصائح کرنے کا موقع میسر ہوا، جیسا کہ آپ کے بعض مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے، اسی سال رمضان شریف میں روزانہ بعد نماز مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی تھی جس کا کچھ حال حضرتؒ نے اپنے صاحب زادگان کو تحریر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سر موسستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں بیان ہوتیں ہیں جو خاص خلوتوں اور مجالس میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر ہونا چاہئے، خاص کر آج ماہِ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت پر ایمان اور اس کے عذاب وثواب اور رویت اور دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدّد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدا اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب کی نسبت اور اسی طرح کا بہت کچھ مذکور ہوا اور (بادشاہ وحاضرینِ مجلس) بڑی خوشی سے سنتے رہے، اور اسی طرح اس ضمن میں اقطاب وابدال اور اوتاد کے احوال اور ان کی خصوصیتوں سے بہت سی چیزوں کا بیان ہوا، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہوں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ''اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول

حق وصداقت لے کر آئے ہیں' دوسرے یہ ہے کو قرآن مجید کو سورۂ عنکبوت تک ختم کیا ہے۔ جب رات کو اس مجلس سے اٹھ کر آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہوتا ہوں۔ ان فترات (فرصت کے اوقات) میں جو کہ عین جمعیت تھیں (قرآن مجید) حفظ (پڑھنے) کی یہ اعلیٰ دولت حاصل ہوگئی، الحمد لِلّٰہ اولا و آخرا۔ (۱)

اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے صاحبزادوں کو بھی اپنے پاس بلالیا اب یہ پورا گھرانا پورے لشکر کی تبلیغ وتلقین میں مشغول ہوگیا، چناں چہ خواجہ حسام الدینؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی لِلّٰہ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ آپ صحت وعافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کے حالات معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں، اس طرف کے فقرا کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت اور عین تفرقہ میں جمعیت حاصل ہے۔ وہ فرزند ودوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی ہورہی ہے لشکران کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عین تلوینات میں ان کو تمکین حاصل ہے، اور عین مختلف گرفتاریوں میں جو اس جگہ کے لئے لازمی ہیں ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں، نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے نہ ان کو کسی سے واسطہ ہے، اس کے باوجود بے اختیار ومجبور ہیں اور حبس وقید کی دولت میں گرفتار ہیں۔ یہ ایک عجیب قسم کی حبس ہے جس کے عوض رہائی کو جو کے برابر نہیں خریدتے اور ایک عجیب قید ہے کہ وہاں سے رہائی کو ایک کوڑی کے بدلے میں نہیں لیتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعْمَآئِہٖ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کا شکر اور احسان ہے) میرے مخدوم اِقُرَّۃُ الْعَیْنَیْن (دونوں فرزندوں) کی طرف خط بھیجنے سے مقصود ان بعض نعمتوں کے فوت ہوجانے پر اظہارِ افسوس تھا جن کے حاصل ہونے کی وطن میں امید تھی۔ اور لشکر میں آنا اور صحبت رکھنا آپ کی صلاح پر وابستہ ہے کیونکہ آپ لشکر اور لشکریوں کے اوضاع واحوال کو بہتر جانتے ہیں اور جس جگہ کی نفع وضرر کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگر تم

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۳

لکھو کہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آ جائیں، اَلْغَیْبُ عِنْدَاللہِ (غیب کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے باوجودے کہ ارباب تفرقہ سے بہت میل جول ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی اب تک تفرقے کی آفت نہیں پہنچی اور مطلب سے نہیں روکا۔(۱)

پھر بزرگ صاحب زادے وطن واپس چلے گئے مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ لشکر ہی میں زیر حراست رہے، چناں چہ مخدوم زادوں کو تحریر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور رسول اللہ علیہ پر درود وسلام ہو) فرزندان گرامی اگرچہ ہماری دائمی صحبت کی مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور و ملاقات کے آرزو مند ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں، کیوں کہ تمام امیدیں میسر نہیں:

تَجْرِ الرِّیَاحُ بِمَالَا تَشْتَهِی السُّفُنُ

ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس عرصے کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں میں اس کے مثل میسر ہونا معلوم نہیں ہے۔ اس مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور اس مجمع کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں۔ وہ ممانعت جو بادشاہ کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولیٰ جل شانہٗ کی کمال مہربانی اور رضامندی کا دروازہ جانتا ہوں اور اپنی سعادت اس قید میں خیال کرتا ہوں، خاص کر لڑائی اور مخالفت کے ان دنوں میں عجیب ہی معاملہ ہے اور ان پراگندہ وقتوں میں عجیب و غریب ناز و کرشمے ظاہر ہوتے ہیں لیکن ہر روز جو تازہ اور عجیب دولت پہنچتی ہے اس کے لئے فرزندوں کی جدائی میں دل تڑپتا ہے اور ان کی دوری اور نایافت سے جگر بے چین رہتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہاری شوق پر غالب ہے اور مقرر ہے کہ جس قدر باپ کو بیٹے کی محبت ہوتی ہے اس قدر بیٹے کو باپ کی محبت نہیں ہوتی۔ اگرچہ فرعیت اور اصالت کا قضیہ اس امر کے برعکس حکم کرتا ہے کیونکہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی اور فرع سراسر اصل کی محتاج ہوتی ہے لیکن بارگاہِ الٰہی سے ایسا ہی

ا۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۷

ہوا ہے کہ زیادہ شدید شوق اصل کے لئے ثابت ہوا ہے۔ ہاں

در خانہ بکد خدائے ماند ہمہ چیز
گھر میں سب چیز ہے گھر والے کی

اگر دہلی ہے تو وہ بھی تمہارا ہمسایہ ہے اور اگر آگرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کرم سے قریب ہے۔ والسلام۔(۱)

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کو ایک دوسرے مکتوب میں لشکر کے برکات سے متعلق بزرگ مخدوم زادوں کے نام صادر فرماتے ہیں:

فرزندانِ گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری تکلیفوں کو مدنظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی طلب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قدر زیادہ حسن و جمال ہے اور کون سی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس شخص کو زبردستی اس کے اختیار سے بے اختیار کر دیں اور اپنے اختیار کے موافق اس کو زندگانی بخشیں اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس کی بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دیں اور جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے بنا دیں۔ قید کے دنوں میں جب کبھی اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجب حظ حاصل ہوتا تھا اور نہایت ہی ذوق پاتا تھا۔ ہاں فراغت و آرام والے لوگ مصیبت والوں کے ذوق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں اور ان کی بلا کے جمال کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بچوں کا حظ شیرینی پر ہی منحصر ہے لیکن جس نے تلخی سے حظ حاصل کیا وہ شیرینی کو جَو کے برابر بھی نہیں خریدتا

مرغ آتشکارہ کے لذت شناسد دانہ را
مرغ آتش خوار کو آئے نہ لذت دانہ کی

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (۲)

کچھ عرصے کے بعد حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کو وطن تشریف لے جانے کی اجازت مل گئی، مگر حالاتِ سلطان کی نگہداشت آپ کا نصب العین تھا اور ہمتِ عالیہ مدبرانہ انداز میں سلطان کی جانب منعطف رہتی تھی، دفتر سوم میں ایک مکتوبِ گرامی سلطان جہانگیر کے نام ہے جس

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۷۸ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۸۳

میں ظاہر کیا ہے کہ آپ کے پاس لشکر غزا ہے اور ہمارے لشکرِ دعا جس کے بغیر لشکرِ غزا کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی اور پھر اس کو احادیث سے ثابت کیا ہے بہ ظاہر یہ مکتوب سرہند شریف سے بھیجا گیا ہے اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ دہلی، اجمیر یا آگرہ میں لشکر کی حراست میں ہوں اور بادشاہ پایۂ تخت سے باہر کسی مہم کے لئے گیا ہوا ہو۔(۱)

حضرت مجدّدؒ کی کامیابیاں

قدرت کی کرشموں کے علل وحکم کی تہ تک کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی اور اس کے رموز کو کوئی معلوم نہیں کرسکتا، اتفاقِ وقت کیسا عجیب ہے کہ جس طرح اکبری وجہانگیری دور میں مصائب وفتنِ مظلمہ کا جوش وخروش تھا، الحاد وزندقہ کی گرم بازاری تھی، مشرکین وروافض کے رسوم وبدعات کا دور دورہ تھا کہ جس کا عشرِ عشیر بھی زمانہ سابق میں نہ تھا، اسی طرح ان دونوں زمانوں میں اولیائے کرام اور علمائے ربانی کا اجتماع بھی ایسا تھا کہ اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے رسالہ ردِ روافض کی شرح میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ خاص دہلی میں اس وقت سید عبدالوہاب بخاری، شاہ محمد خیالی صاحب الریاضات العجیبہ، شیخ عبدالعزیز چشتی خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم موجود تھے ان میں سے ہر ایک صاحبِ کرامات وصاحب تصانیف اور اپنے اپنے فن کا امام تھا، گنگوہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی اولاد موجود تھی رحمہم اللہ تعالیٰ، ان میں کا ہر ایک یکتائے روزگار تھا۔ مولانا سید رفیع الدین اکبرآباد میں تھے جو اپنے زمانے میں صالحین اور اہلِ علم کے ملجأ وماویٰ تھے یہ وہی شیخ الحدیث ہیں کہ حافظ سخاوی نے ان سے حدیث کی پچاس کتابوں کی سندِ اجازت حاصل کی، اسی طرح امیر ابوالعلیٰ علوی رحمہ اللہ بھی اکبرآباد میں موجود تھے جو طریقہ علویہ نقشبندیہ کے زبردست شیخ تھے، گوالیار میں شاہ محمد غوث گوالیاری، نارنول میں شیخ نظام الدین نارنولی اور سرہند میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی قدس سرہٗ تھے، یہ حال تو دہلی اور اس کی اطراف کا ہے جہاں یہ اکابر حضرات جمع تھے، ان کے علاوہ اطرافِ گجرات اور دکن میں بھی بڑے پائے کے علما واولیا حضرات موجود تھے، شرح رسالہ مذکور میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں:

ومن عجب صنع اللہ انه کماتراکم فی عهد هذین من الفتن الدهماء مالم یروہ معشارہ فی هد القدماء و کذلك لم یر مثل عهد هما فی

۱۔ علماء ہند کا شاندار ماضی وتذکرہ مجدد الف ثانی ملتقطاً۔

اجتماع الاولیاء اصحاب الآیات الظاهرة والکرامات الباهرة والعلماء اصحاب التصانیف المفیدة والتوالیف الجیدة کالسید عبدالوهاب البخاری الخ...... هولاء وغیرهم ممن یتبرك باسمه و یرجی نزول الرحمة بذکره و هولاء من نواحی دهلی خاصة فضلاء عمن کان فی گجرات و دکهن وغیرهما الخ(۱)

اگرچہ ان اکابر علمائے کرام وصلحائے عظام نے ایسے نازک دور اور کٹھن وقت میں تصانیف و وعظ ونصائح وغیرہ سے دین کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے بھی لوگ مستفید و مستفیض ہوتے رہے لیکن ایسا شخص جو حکومت کی کایا پلٹ دے اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے حکومت کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور اپنے تقویٰ وورع ومقاومت بالصبر کے خاموش اسلحہ سے حکومتِ وقت کو شریعتِ اسلامیہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی ہی کی ذات گرامی تھی:

یہ رتبہٗ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن شیخ فرید کو سلطانی حکم ملا کہ ''دربار کے لئے چار دیندار عالم مہیا کئے جائیں جو مسائلِ شرعیہ بتایا کریں تاکہ کوئی کام خلافِ شرع واقع نہ ہو''

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بے حد مسرت ہوئی لیکن آپ کی مجددانہ فطرت نے اس باریک ترخطرہ کو بھی فوراً ہی محسوس کر لیا جو اس سراپا خیر تجویز میں مضمر تھا، آپ کے حافظے میں واقعات کی پوری روداد موجود تھی اور یہ حقیقت آپ کے سامنے تھی کہ اکبر کو اسلام سے برگشتہ کر کے بعض نفس پرست اور جاہ پسند علمائے سوء ہی نے ''اکفر'' بنایا تھا، اگر خدانہ کردہ اسی قسم کے ''مولوی'' پھر دربار میں جمع ہو گئے تو کہیں یہ کی کرائے محنت بھی برباد نہ جائے۔ آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا اس میں شیخ موصوف کو دعائیں دینے اور اس خبر فرحت اثر پر مسرت وشادمانی کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:(۲)

سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام نے مسلمانی کی نیت سے جو اپنی ذات میں رکھتا ہے آپ سے فرمایا ہے کہ چار آدمی دیندار علما مہیا کریں تاکہ دربار میں ملازم رہیں اور مسائلِ شرعیہ کو بیان کرتے رہیں تاکہ خلافِ شرع کوئی امر صادر نہ ہو۔

۱۔ شرح رسالہ رد روافض ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۰۱ تا ۳۰۵ ملخصاً

الحمدللہ! مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کون سی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوش خبری ہوگی، لیکن چوں کہ یہ حقیر بھی اسی غرض کے لئے آپ کی خدمتِ بلند کی طرف متوجہ ہے چناں چہ کئی دفعہ اس امر کا اظہار کیا گیا ہے اس لئے اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھ سکتا امید ہے کہ مجھے معذور سمجھیں گے، صَاحِبُ الْغَرضِ مَجْنُوْنٌ (غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے) معروض کرتا ہے کہ ایسے دیندار علما جو جب جاہ وریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کے سوا اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں بہت ہی کم بلکہ کم سے کم ہیں، اور حُبِّ جاہ وریاست ہونے کی صورت میں ہر ایک اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بزرگی کو ظاہر کرنا چاہے گا، پھر ان میں اختلافات ہوں گے اور انہی کو یہ بادشاہ کے قرب کا وسیلہ بنائیں گے تو لامحالہ معاملہ بگڑ جائے گا۔ گزشتہ زمانے میں ایسے علما کے اختلافات ہی نے دنیا کو بلا میں ڈالا تھا اب بھی وہی چیز درپیش ہے، ترویج کیا ہوگی بلکہ یہ تو دین کی خرابی کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ برے علما کے فتنے سے بچائے، اگر اس غرض کے لئے ایک ہی عالم مل جائے تو بہتر ہے اور اگر علمائے آخرت میں سے کوئی مل جائے تو نہایت ہی سعادت ہے، کیوں کہ اس کی صحبت کبریتِ احمر ہے اور اگر ایسا آدمی نہ ملے تو خوب غور وفکر کے بعد اس قسم کے آدمیوں میں سے کسی بہتر کو اختیار کریں مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ۔

میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں، جس طرح مخلوقات کی نجات علما کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح جہان کا خسارہ بھی انہی پر منحصر ہے، علما میں سے بہترین عالم جہان کے تمام انسانوں سے بہتر ہے اور علما میں سے بدتر عالم جہان کے تمام انسانوں سے بدتر ہے کیونکہ تمام جہان کی ہدایت وگمراہی انہی پر موقوف ہے۔

کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا اس وقت کے علما میرا کام کر رہے ہیں، بہکانے اور گمراہ کرنے میں وہی کافی ہیں:

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

غرض کہ اس بارے میں صحیح فکر اور کام غور کر کے کوئی قدم اٹھائیں کیوں کہ جب کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ ہر چند اس قسم کی باتیں داناؤں کے سامنے اظہار کرنے سے شرم آتی ہے لیکن اسی مطلب کو اپنی سعادت کا وسیلہ جان کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔(۱)

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی کامیابی کا پہلا قدم وہ ہے کہ خود جہانگیر خصوصی مجالس میں آپ سے وعظ و نصیحت سنتا تھا اور لشکر شاہی میں آپ کی رفاقت کی وجہ سے ترویجِ شریعت کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا، چناں چہ اس کے بعد ہی اسی سال قلعۂ کانگڑہ کی فتح میسر ہوئی، کیوں کہ یہ ایسی فتح تھی جو کسی بادشاہ اسلام کو میسر نہ ہو سکی تھی باوجودیکہ ہر ذی حشمت بادشاہ اس کی تمنا کرتا رہا اور بقول جہانگیر ''ظاہر بینوں کی نظرِ کوتاہ میں اس کی فتح ناممکن تھی'' لیکن یہ کس کی جدوجہد اور دعاؤں کا ثمرہ تھا؟

اس مہم کو سر کرنے کے لئے شروع میں نواب سیّد فرید بخاری نامزد ہوئے تھے جو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے خاص الخاص ارادت مند تھے لیکن ان کی وفات ہو گئی تو یہ مہم عبدالعزیز خاں نقشبندی کے سپرد ہوئی آخر میں راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں ۲۸ ذی الحجہ ۱۰۹۲ھ کو قلعہ کانگڑہ فتح ہو گیا۔ جس پر جہانگیر نے بہت مسرت کا اظہار کیا، سجدات شکر ادا کیے اور قاضی میر عدل و دیگر علمائے اسلام کو ہمراہ لے کر جہانگیر بہ نفسِ نفیس قلعۂ کانگڑہ کی سیر کے لئے گیا اور وہاں اذان، نماز، خطبہ وغیرہ شعائرِ اسلامی جاری کرائے، مسجد تعمیر کرائی اور شعائرِ اسلام کے اجرا پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔(۲)

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعہ جہانگیر کے دربار سے سجدۂ تعظیمی موقوف کرایا، خلافِ شریعت قوانین منسوخ کرائے، ذبیحۂ گاؤ علی الاعلان جاری کرایا، کفار پر جزیہ مقرر کرایا، ویران اور منہدم مساجد آباد کرائیں اور قوانینِ شریعت کا نفاذ کرایا۔ غرض کہ جہانگیر نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی اور آپ کا مرید ہو کر شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ بایدوشاید۔ نیز کشمیر جاتے ہوئے دو مرتبہ سرہند شریف میں قیام کیا اور حضرت مجدد کی دعوت قبول کی وغیرہ۔

وہی بادشاہ جس کے غرور مستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا سجدہ تعظیمی کے جواز

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۳ ۲۔ توزکِ جہانگیری: ص ۳۱۸

کے فتوے علماء سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر میں کہتا ہے کہ ''میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔'' بہرحال اگر جہانگیر کے اقبال نے واقعی یہاں تک ترقی کرلی تھی تو اس کی اخروی سعادت مندی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی عظیم الشان کامیابی ہے مگر درحقیقت اصل کامیابی یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا کردی کہ شاہجہاں اور شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمہما اللہ جیسے جامعِ کمالاتِ صوری و معنوی بادشاہ پیدا ہوئے اور اپنی کامل دینداری کے ساتھ تقریباً ایک صدی تک حکومت کرتے رہے اور یہ فضا باقی رہتی اگر عالمگیر بادشاہ کے جانشین فکر و ہمت سے محروم نہ ہوتے۔ (۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بغاوت سے احتراز

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بغاوت کیوں کہ نہیں کی نصِ حدیث کے بموجب مسلمان بادشاہ سے بغاوت صرف اسی وقت جائز ہے جبکہ واضح اور بین طور پر اس سے ارتکاب کفر ہو، مشرکانہ اور کفریہ افعال کا ارتکاب اگرچہ حرام ہے لیکن کسی شخص کے کفر کا فیصلہ اسی وقت کیا جائے گا جبکہ اس کو مسلمان قرار دینے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے، اور اعلان جہاد کے لئے اتنی قوت کا ہونا ضروری ہے کہ بہ ظاہرِ اسباب کامیابی کی توقع کی جاسکے۔ بہت ممکن ہے کہ اکبر کے زمانے میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تحریک کو اتنی قوت حاصل نہ ہوئی ہو کہ جس سے اکبر جیسے چالاک شہنشاہ کی چالیس پچاس سالہ شہنشاہیت کا مقابلہ کرسکے جب کہ بعض لوگوں کی غیر مدبرانہ ناکام بغاوت کا انجام بھی حضرت موصوف کے سامنے تھا اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک نے اکبر تک اپنا اثر پہنچا دیا ہو اور اس کے نتائج اور رفتہ رفتہ بادشاہ اور ارکانِ سلطنت کی اصلاح پذیری سے آپ مطمئن ہوں اور اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہوں چناں چہ یہ قول اگرچہ مشہور نہیں مگر ممکن ہے صحیح ہو کہ اکبر نے وفات سے کچھ پہلے توبہ کرلی تھی، عہدِ اکبری کے جو حالات ''دعوت وتجدید کا پس منظر'' میں بیان کئے گئے ہیں اگرچہ وہ ملحدانہ، زندیقانہ و مرتدانہ ہیں اور ان سے اکبر کے مرتد و بے دین ہونے کا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ اکبر کو اغراض پرست اور فاسق مسلمان قرار دیتے ہوں جو اغراض پرستوں کے ہجوم میں گھرا ہوا

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۵۶ و علمائے ہند کا شاندار ماضی

ہے، اور درباری علمائے سوء وصوفیائے کج رو اور اغراض پرست آزاد خیال اہلِ علم نے اکبر کے دماغ کو نئے دین کے نفاذ کی طرف آمادہ کرتے ہوئے شرعی اعتقادات و روایات کی من گھڑت توجیہات وتعبیرات سے ماؤف کردیا تھا وہ خود علمِ دین کے مبادیات تک سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ان کارڈ کرنے سے قاصر تھا نیز اپنی ڈپلومیسی اور غیر مسلموں کے خوش کرنے کے لئے اس کا دلی رجحان بھی اسی طرف ترقی کرتا گیا کہ تمام مذاہب غیر مسلمہ سے رواداری قائم کی جائے اگرچہ دین اسلام کے اصول ومبادیات کو علمائے سوء کی تاویلات کے ذریعے اس رواداری کی بھینٹ ہی کیوں نہ چڑھانا پڑے، ان علمائے سوء کی توجیہات وتعبیرات کے ذریعہ عقائد واحکامِ اسلامیہ کی کانٹ چھانٹ کرنے کے باوجود اکبر اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں فائدہ جلیلہ کے تحت فرماتے ہیں:

دوزخ کا دائمی عذاب کفر کی جزا ہے پھر اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان حاصل ہوتے ہوئے کفر کی رسمیں بجالاتا اور اہلِ کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے اور علما اس پر کفر کا حکم لگاتے اور مرتد سمجھتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں پس چاہئے کہ علما کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کے ابدی عذاب میں گرفتار ہو، حالانکہ اخبارِ صحیحہ میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے، آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کے نصیب ہے نعوذ باللہ منہ۔ اور اگر کفر کی رسموں کے بجالانے کے باوجود ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن اس ذرہ برابر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ دائمی عذاب سے خلاص ہوجائے گا اور دائمی گرفتاری سے نجات پائے گا۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اکبر سے زیادہ علما سوء اور اغراض پرست جماعتوں اور افراد کی مذمت فرماتے ہیں اور بادشاہ کی اصلاح کے لئے اراکینِ حکومت کی اصلاح کو مقدم اور موقوف علیہ گردانتے ہیں۔

اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے حکومت کا خواہاں نہ ہو بلکہ حکومت کی اصلاح

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

اس کا نصب العین ہو وہ خونریزی کو صرف اسی وقت ضروری سمجھے گا جب اس کے بغیر اور کوئی چارہ باقی نہ رہے، مقربین اور وزرا کی جماعت میں جو رسوخ پیدا کیا جاچکا تھا وہ اگرچہ فوری انقلاب نہیں لاسکتا تھا مگر انقلاب کی توقعات سے مایوسی بھی نہیں ہوئی تھی، ضرورت تھی کہ ان اصلاح پسند مقربین کے جذباتِ اصلاح کو مزید تقویت پہنچائی جائے اور اپنے نصب العین کو اتنا نمایاں اور بیّن کردیا جائے کہ اس کے ماسوا کا ان کو شک وشبہ بھی باقی نہ رہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی خانہ جنگی اس وقت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جہاد بالسیف کا اعلان فرمادیتے تو یہی مقربین یہ یقین کرسکتے تھے کہ حکومت حاصل کرنے کی لئے ایک ڈھونگ رچایا گیا ہے اور حضرت موصوف کا دعوائے اصلاح کو بھی وہی اصلاح خیال کیا جاتا جس کا اعلان ابراہیم لودھی کے مقابلہ پر بابر نے ہمایوں کے مقابلہ پر شیر شاہ سوری نے کیا تھا جس کا نتیجہ یہی ہوا تھا کہ ایک چیرہ دست کی جگہ دوسرے چیرہ دست نے حاصل کرلی۔

علاوہ ازیں اکبر اپنے پچاس سالہ عہدِ حکومت میں ہندوؤں کے حوصلے اتنے بڑھا چکا تھا کہ اصلاح کی اس جدوجہد میں خود اقتدارِ مسلم کے زوال ہی کا خطرہ تھا اس کے ماسوا شاہ عباس ایران میں شیعہ بادشاہ تھا ہندوستان میں شیعہ پارٹی برسرِ اقتدار تھی کیا کوئی شک ہوسکتا ہے کہ ملکہ نورجہان کی امداد کے لئے ایرانی قزلباش دندناتے ہوئے ہندوستان نہ پہنچ جاتے۔ بہرحال اس وقت مدبرانہ اور عاقلانہ لائحہ عمل اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ مقربین اور وزرا جو اصلاح پر کان دھر سکتے تھے اس آواز کو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتنا اتار دیا جائے کہ وہ سراسر اصلاح بن جائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اکبر کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے لئے تیاری کا زمانہ تھا جب اکبر کا انتقال ہوگیا اور جہانگیر تختِ سلطنت پر بیٹھا اس وقت قریب قریب آپ کی عمر چالیس سال پورے ہوچکے تھے اور اندرونِ وبیرونِ حکومت آپ کی کافی جماعت اقامتِ دین واحیائے ملت کے لئے تیار ہوچکی تھی اس لئے جہانگیر کے تخت پر بیٹھتے ہی آپ میدان میں نکل آئے اور آپ نے اپنا کام شروع کردیا جیسا کہ مکتوباتِ شریفہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

دعوے بہت کچھ کئے جاتے ہیں مگر ان کا اثر اور ان میں قوتِ جاذبہ جب ہی پیدا ہوتی ہے کہ ایثار، قربانی، جفاکشی اور فداکاری سے ان کی صداقت کا یقین پیدا کرادیا جائے، بلاشبہ یہ نہایت قوی اور مضبوط طریقۂ جنگ ہے جو اس وقت تک کیا جاتا ہے جب تک اس کی کامیابی کے امکانات باقی رہیں اور اسی جنگ کے مقاومت بالصبر کے مذہبی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آج کل

کی اصطلاح میں عدم تشدد کی جنگ کہا جاتا ہے۔ آپ اس حقیقت سے نا آشنا نہ ہوں گے کہ جب مکۂ معظمہ میں اس طریقۂ جنگ کو آزمایا جارہا تھا تو تلوار اور قوت سے جنگ ممنوع تھی۔ جب وہ تمام طبیعتیں جن کو انصاف پسندی کا کچھ بھی حصہ مرحمت ہوا تھا ایک ایک کر کے حلقہ بگوش ہو چکیں اور صرف وہی ظاہر پرست ذہنیتیں باقی رہ گئیں جن کا اعلیٰ مدار انصاف اور قوت ہی ہوتا ہے اور تلوار کی چمک کے سوا کوئی نوران کی شوخ اور دلیر آنکھ کو خیرہ کر ہی نہیں سکتا تب خاص خاص احتیاط اور شرائط کے ساتھ تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ جنگ کے یہ دونوں طریقے آج بھی مشروع ہیں اور شریعتِ غرا موقع بموقع ہر ایک کے اجرا کا حکم دے کر ایک ہی ثواب دونوں کے لئے تجویز فرماتی ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد تو یہ ہے:

افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر و فی روایة كلمة عدل

ظالم بادشاہ کے سامنے صداقت اور انصاف کا کلمہ کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔

بہر حال اس طرزِ جہاد کے لئے ضرورت تھی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنی صداقت نیز سلطان اور سلطنت کی خیر خواہی کا آخری ثبوت پیش کریں۔ (۱)

مکتوباتِ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر پانچ راستے ہیں، جن سے مسلمانوں میں گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آرہے ہیں: اربابِ حکومت یعنی بادشاہ و ارکانِ سلطنت جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور ''سیاسی مفاد'' کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے اسلامیت سے بیگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا۔ دوسرے وہ علما سوء جن کا مطمحِ نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، اربابِ اقتدار اور امراوقت کی خوشنودی اور رضا جوئی کا سائی رہنا، ان کی خاطر ہر منکر کو معروف اور ہر معروف کو منکر بنا دیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔ تیسرے وہ گمراہ اور برخود غلط صوفی جو شریعت کو ''ظاہر پرستوں'' کا کھلونا سمجھتے ہیں اور ''طریقت وحقیقت'' کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی اور جس میں ''عارفِ کامل'' بننے کے باوجود ہر قسم کے گناہ اور لذتِ نفس کے ہر طریقے کی پوری گنجائش ہے۔ چوتھے باریافتگان دربارِ نبوت سعادت مندانِ شرفِ صحبتِ رسالت ﷺ (یعنی صحابۂ کرام رضوان

۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی

اللہ علیہم اجمعین) کی تحقیر کرنے والا رافضی گروہ۔ پانچویں، آزاد خیال اہلِ علم وطالبانِ علم جنہوں نے علوم عقلیہ و دنیویہ مثلاً ادب وانشاء وشعروشاعری وفلسفہ وتاریخ وغیرہ کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور علومِ نقلیۂ شرعیہ سے روگردانی کر کے اپنی عقلوں کو معیارِ شریعت و معیارِ علومِ کون ومکان ٹھہرایا ہوا تھا۔ یہ تھے فتنوں کے پانچ چشمے جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا) ان پانچوں گروہوں کے اعمال کے تفصیلی جائزہ ہم ''مجدد الفِ ثانیؒ کی دعوت وتجدید کا پس منظر'' میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے انہی گمراہی کے پانچوں منبعوں کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لئے اپنی پوری حکمت وقوت صرف فرمادی۔

حکومت (یعنی بادشاہ اور ارکانِ سلطنت) کا مورچہ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جس طرح فتح کیا اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اب رہ گئے باقی چار گروہ، ان سب کا فتنہ صرف اس لئے روبہ ترقی تھا کہ حکومت کی رفتار اور ان کے مناسبِ مزاج تھی جب حکومت کا رخ بدل گیا تو باطل کی یہ باقی قوتیں بھی کمزور پڑ گئیں، بایں ہمہ ان گمراہیوں کے خلاف بھی آپ نے مستقل جنگ کی۔ اب ہم ان چاروں گروہوں میں سے ہر ایک کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے جہاد اور آپ کے اصلاحی پروگرام کا قدرے تفصیلی جائزہ ذکر کرتے ہیں:

علمائے سوء کے خلاف جہاد

علمائے سو نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے: ایک نااہلیت اور ناخداترسی کے باوجود اجتہاد کا دعویٰ اور نصوصِ کتاب وسنت میں معنوی تحریف کر کے نت نئے عقائد وخیالات کا اختراع اور پھر خدا اور رسول وقرآن وحدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج واشاعت (ابو الفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا)۔ دوسرے بدعتِ حسنہ کے نام سے دین میں نئی نئی ایجادیں، جو بلائیں علمائے سو کی طرف سے دین پر نازل ہوتی تھیں اکثر انہی دو دروازوں سے آتی تھیں اس لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑے قوت سے جنگ کی، مکتوباتِ شریفہ میں ان دونوں چیزوں کے خلاف جس قدر مواد موجود ہے اگر اس سب کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، عقائدِ اسلام اور اجتہاد وتقلید وغیرہ مسائلِ کلامیہ کے متعلق ہر سہ دفاترِ مکتوباتِ شریفہ میں مجمل اور مفصل مکتوبات موجود ہیں، جن میں گمراہی کے اس چشمے پر بند لگانے

کی کوشش کی گئی ہے "حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات کے باب میں اس کے متعلق کچھ اقتباسات درج ہیں، کچھ اقتباسات یہاں بھی درج کیے جاتے ہیں: ایک مکتوب میں جو حکیم عبدالوہاب کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:

اے سعادت مند! جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ اول اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق اس طرح پر درست کریں جس طرح پر کہ علمائے حق نے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے، ان عقائد کو کتاب وسنت سے سمجھا اور وہاں سے اخذ کیا ہے، کیوں کہ ہمارا اور آپ کا سمجھنا اگر ان بزرگواروں کی فہم و رائے کے موافق نہیں ہے تو وہ حدود واعتبار سے ساقط ہے، کیوں کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت ہی سے سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے حق کے متعلق کسی چیز کا فائدہ نہیں ہوتا۔ (۱)

ایک اور مکتوب میں شیخ کو تحریر فرماتے ہیں:

مکلفینِ بالشرع پر سب سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آرا کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں، کیوں کہ آخرت کی نجات انہی بزرگواروں کی بے خطا آرا و اقوال کی تابعداری پر موقوف ہے اور فرقۂ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کی متبعین ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں، اور ان علوم میں سے جو کہ کتاب وسنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب وسنت سے اخذ کیے اور سمجھے ہیں، کیوں کہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیالِ فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے، پس ان (کتاب وسنت) کے مفہومہ معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ (۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں جو صدر جہاں کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:

آپ کو معلوم ہے کہ زمانۂ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء ہی کی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا، اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مدنظر رکھ کر علمائے دیندار کا انتخاب کر کے پیش دستی کریں گے علمائے بد، دین کے چور ہیں ان کا مقصود ہمہ تن

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۵۷ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۹۳

یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و رعب داب اور بزرگی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ (۱)

ایک اور مکتوب میں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہئے کہ طریقِ سالک کی جملہ ضروریات میں سے ایک اعتقاد صحیح ہے جس کو علمائے اہل سنت و جماعت نے کتاب و سنت اور آثارِ سلف سے استنباط فرمایا ہے اور کتاب و سنت کو ان معانی پر محمول رکھنا بھی ضرور ہے۔ جن معانی کو تمام علمائے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت نے اس کتاب و سنت سے سمجھا ہے اور اگر بالفرض کشف والہام کے ساتھ ان معانیٔ مفہومہ کے برخلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے اور اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔ مثلاً وہ آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحیدِ وجودی سمجھی جاتی ہے اسی طرح (جن آیات واحادیث سے) احاطہ اور سریان اور قرب معیتِ ذاتیہ معلوم ہوتے ہیں، جبکہ علمائے اہلِ حق نے ان آیات واحادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے ہیں، تو اگر اثنائے راہ میں سالک پر یہ معانی منکشف ہو جائیں اور سوائے ایک کے موجود نہ پائے اور اس کو محیط بالذات جانے اور از روئے ذات کے قریب جانے۔ اگرچہ اس وقت غلبۂ حال اور سکرِ وقت کے باعث معذور ہے۔ لیکن اس کو چاہئے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و زاری کرتا رہے تاکہ اس کو اس بھنور سے نکال کر جو امور کو علمائے اہلِ حق کی آرائے صائبہ کے مطابق ہیں اس پر منکشف کرے اور ان کے معتقداتِ حق کے برخلاف سرِ مو ظاہر نہ کرے۔

غرض علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ کو اپنے کشف کا مصداق اور اپنے الہام کی کسوٹی بنانا چاہئے کیوں کہ وہ معانی جو ان کے مفہومہ معانی کے خلاف ہیں محل اعتبار سے ساقط ہیں اس لئے کہ ہر مبتدع یعنی بدعتی اور ضال یعنی گمراہ کتاب و سنت ہی کو اپنے معتقدات کا مقتدا جانتا ہے اور اپنے ناقص فہم کے موافق اسی (کتاب و سنت) سے معانیٔ غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (۲) ''یہ اکثر کو ہدیت دیتا ہے اور اکثر کو گمراہ کرتا ہے'' اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہلِ حق کے معانیٔ مفہومہ معتبر ہیں اور ان کے برخلاف معتبر نہیں ہیں، وہ اس سبب

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۹۴ ۲۔ البقرۃ: ۲۶

سے کہا ہے کہ انہوں نے ان معانی کو آثارِ صحابہ وسلفِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تتبع واتباع سے اخذ کیا ہے اوران کے نجومِ ہدایت کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے، اسی واسطے نجاتِ ابدی انہی پر مخصوص ہوگئی ہے اور فلاحِ سرمدی انہی کو نصیب ہوئی ہے اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (۱)
''یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں، خبردار یہی اللہ تعالیٰ کا گروہ فلاح پانے والا ہے''
اور اگر بعض علمائے اعتقادِ حق کے باوجود فرعیات (اعمال) میں سستی کریں اور عملیات میں تقصیرات کے مرتکب ہوں تو مطلق علما کا انکار کرنا اور سب کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور صرف مکابرہ یعنی ہٹ دھرمی ہے، بلکہ اس میں دین کی اکثر ضروریات کا انکار ہے، کیوں کہ ان ضروریات کے ناقل اوران کے کھوٹے کھرے کو پہچاننے والے یہی لوگ ہیں۔ (۲)

ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج بھی جو نئی نئی خطرناک گمراہیاں امت میں پیدا ہورہی ہیں ان کی اصل بنیاد یہی ہے کہ 'بوالہوس' اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ کوفیؒ، سفیان ثوریؒ، ابوالحسن اشعریؒ، ابو منصور ماتریدیؒ، ابنِ تیمیہ حرانیؒ اور امام غزالیؒ کے ہمسر سمجھتا ہے اور ادنیٰ تامّل و تردد کے بغیر کتاب وسنت ہی کا نام لے کر نئے نئے فتنے برپا کرتا ہے، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت، اور مشرقیت، کیا یہ سب اسی گمراہی (تقلیدِ سلف سے آزادی) کے کرشمے نہیں؟

بدعتِ حسنہ کا نظریہ بھی جس کے پردہ میں اس عہد کے علمائے سوء نے اپنی خواہشاتِ نفس کو دین کا جزو بنا رکھا تھا حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کی نظر میں سخت خطرناک تھا اس لئے آپ نے اس نظریے کے خلاف بھی جنگ کی اور بلاخوفِ لومۃ لائم بالکل مجددانہ انداز میں بدعت کے حسنہ ہونے ہی سے انکار فرمادیا۔ اس موضوع پر بھی دفاترِ مکتوبات میں بیسیوں بلکہ پچاسوں مکاتیب ہیں ہم نے بھی ان میں سے چند اقتباسات تعلیماتِ مجدد میں درج کئے ہیں، مزید چند اقتباسات یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ خانخاناں کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میرے مخدوم مکرم! اس سلسلۂ علیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی طرح پڑے ہیں اور بدعتوں کے رواج پانے کے باعث اس ملک کے رہنے والوں کو ان بزرگواروں کو طریقے کے ساتھ جس میں سنت کا التزام ہے بہت کم مناسبت ہے۔

۱۔ المجادلہ: ۲۲ ۲۔ دفترِ اول: مکتوب ۲۸۶

یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ والے لوگوں میں سے بھی بعض نے قصورِ نظر کے باعث اس طریقہ علیہ میں بھی بدعتوں کو اختیار کر لیا ہے اور بدعت کا ارتکاب کر کے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقہ علیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں۔ حاشا وکلا، بلکہ یہ لوگ اس طریقہ کے خراب و برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں ان کو اس طریقہ کا اصل معاملہ معلوم ہی نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہؒ کو ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بہ کثرت ظاہر ہونے کے باعث بحرِ ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور غربت و ندرت کے باوجود اس بحرِ ظلمانی میں کرمہائے شب افروز یعنی جگنوؤں کی طرح محسوس ہو رہا ہے، اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس (ظلمت) کے کم ہونے اور اس نورانیت کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔ اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی شخص بدعتوں کی ظلمات کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور خواہ اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کے گروہ کو بڑھائے۔ **الا ان حزب اللہ هم المفلحون الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون** (۲)

ایک مکتوب میں کابل کے مفتی خواجہ عبدالرحمٰن کو ارقام فرماتے ہیں:

اور نیز آں حضرت ﷺ نے فرمایا "تمہیں لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کے ساتھ پنجہ مارو، اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو، اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو، کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" پس جب دین میں ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت، تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے۔

نیز جو کچھ احادیث سے مفہوم ہوتا ہی وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں، پس ہر بدعت سیئہ ہے۔ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "جب کوئی قوم بدعت پیدا کرتی ہے تو اس سے اس جیسی ایک سنت اٹھالی

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۲   ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۳

جاتی ہے'' پس سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اور حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ''کسی قوم نے دین میں کسی بدعت کو جاری نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سنت کو ان میں سے اٹھالیا، پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو ان کی طرف نہیں لوٹاتا''۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں جو مخدوم زادہ ملکنگی یعنی حضرت خواجہ محمد قاسمؒ کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:

میرے مخدوم ومکرم! اس طریقہ عالیہ میں ان لوگوں نے یہاں تک احداث وابداع (بدعتوں) کو رواج دیا ہے کہ اگر مخالفین یہ بات کہیں کہ اس طریقے میں بدعت کا التزام اور سنت سے اجتناب ہے تو بھی گنجائش ہے (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) نماز تہجد کو پوری جمعیت یعنی جماعت سے ادا کرتے ہیں، اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجدوں میں رواج ورونق بخشتے ہیں اور اس عمل کو نیک جانتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ فقہا نے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے نوافل کا جماعت سے ادا کرنا اشد مکروہ کہا ہے، اور بعض فقہا نے جو تداعی کو جماعتِ نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انہوں نے بھی نوافل کی جماعت کے جواز کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ مسجد کے کونے میں ہو اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے، اور نیز یہ لوگ نماز تہجد کی تیرہ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ وہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرلیں، کیوں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے۔ حالانکہ یہ علم وعمل بھی سنتِ سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں ان میں وتر بھی شامل ہیں اور نمازِ تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا رکعاتِ وتر کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ ان بزرگواروں نے خیال کیا ہے۔(۲)

اس بات کو تو اربابِ نظر ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ ''حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بدعتِ حسنہ کا

۱۔ دفتر اول مکتوب ۱۸۶ ۲۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۸

انکار کر کے کتنی بڑی گمراہی کا دروازہ بند کر دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام و عن المسلمین جزاء حسنا۔

کج رو صوفیوں کی نشان دہی و اصلاح

دینی رخنوں اور مذہبی فتنوں کا تیسرا سرچشمہ ''کج رو صوفیوں'' کا گروہ تھا اس نے اسلام کو جس قدر مسخ کیا تھا اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کے سامنے اس ''غیر اسلامی تصوف'' کی پوری تاریخ ہو۔ اکبر بادشاہ کو گمراہ کرنے میں اس گروہ کا بھی بہت بڑا حصہ تھا جیسا کہ ''دعوت وتجدید کا پس منظر'' کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کارناموں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ''عمل تجدید'' سے پہلے ہندوستان میں صوفیائے خام کے ہاتھوں اسلام پر جو مصیبت ٹوٹ پڑی تھی اس کو بیان نہ کیا جائے۔ اس طبقے کی گمراہیوں کی اصلاح کے لئے حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے جو کچھ عملی، لسانی اور قلمی کوششیں فرمائیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے یہاں ہم اس باب کی بھی صرف چند جزئیات پیش کرتے ہیں، ''تعلیماتِ مجددؒ'' کے باب میں بھی اس کی تفصیلات کے لئے حضرت موصوف کے مکتوبات سے کچھ اقتباسات درج کئے گئے ہیں:

ا۔ ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی اتحاد وحلول کا عقیدہ تھا جس کی بنیاد وحدۃ الوجود کے نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابرِ طریق سے غلبۂ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن میں وحدت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ پھر بعض حضرات مثلاً شیخ اکبر ابنِ عربی قدس سرہٗ وغیرہ نے اس نظریہ کو علمی رنگ میں بھی رنگ دیا اور ہمہ اوست کے عنوان سے تعبیر کیا، ان حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو قاصرین کیا سمجھتے بس ہر مدعی نے حلول و اتحاد کا دعویٰ شروع کر دیا پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں۔ بہت سے مدعیانِ بے خبر نے کہا کہ عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے، زمین بھی خدا ہے آسمان بھی خدا ہے، شجر وحجر، نباتات وجمادات، عناصرِ بسیطہ اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہیں (معاذ اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ) حلول کے متعلق ہندوؤں کے نظریہ کی تائید میں اس گروہ نے بھی اکبر کے سامنے دلائل کا طومار باندھا اور اس کے ذہن کو پختہ کر دیا کہ حلول کا مسئلہ اسلام کے عین مطابق ہے اور بادشاہ خود بھی اس کا مصداق ہے، واحسرتا! کس قدر دردناک ہے یہ منظر! خدا تعالیٰ کے

سارے پیغمبر یہی بتاتے آئے کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے وراء الوراء ہے وہ وحدۂ لاشریک ہے لیکن یہ مدعیانِ غلط کہتے ہیں کہ "عالم میں جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی خدا ہے"۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے اس گمراہی کے خلاف بھی سخت جنگ کی اور بلاخوفِ لومۃ لائم اس کو الحاد وزندقہ قرار دیا، چناں چہ فرماتے ہیں:

> ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال وصفات کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء وصفات میں الحاد ہے۔

اصل مسئلہ (وحدت الوجود) کی تنقیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:

> پس حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ (خالق ومخلوق ہونے کے سوا) کسی قسم کی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد وعینیت) اللہ تعالیٰ اہلِ جہان سے غنی ہے۔ حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔(۱)

نیز ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

> فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ وتنزیہ کا جمع ہونا خیال کرتی ہے، درحقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے۔ ان (آئینوں) میں ان کا مشہود ان کے خیالی اور من گھڑت (تصور) کے سوا کچھ نہیں ہے، کیوں نہ جو کچھ وہ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ وتقدس نہیں ہے، اور جو کچھ وہ حادث میں پاتے ہیں قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی باطل و خلاف شرع باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہئے، اگرچہ یہ لوگ غلبۂ حال کی وجہ سے معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان مقلدوں کے ساتھ (قیامت کے روز) معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے۔ کاش کہ مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے، اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا گیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔

(تقریباً ایک صفحہ کے بعد اسی مکتوب میں فرماتے ہیں) عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ا

میں سے بہت سے اس راہ کے مدعی اس شہود و مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس جہان میں رویتِ بصری کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہٗ کی ذات بے چون کو دیکھتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر ﷺ کو شبِ معراج میں ایک دفعہ حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے، اور وہ نور جو اُن کے دیکھنے میں آتا ہے اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے کیفی خیال کرتے ہیں۔ اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ ''اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے''۔

اور نیز حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ اپنا مکالمہ و کلام کرنا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا ایسا فرمایا ہے، کبھی اپنے دشمنوں کے حق میں حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے کسی قسم کی وعیدیں یعنی وعدہ ہائے عذاب نقل کرتی ہیں، اور نیز کبھی اپنے دوستوں کو بشارتیں دیتے ہیں اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کی تہائی یا چوتھائی حصہ سے لے کر صبح کی نماز تک میں حق تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا رہا اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ''ان لوگوں نے اپنے آپ کو تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی'' (۱)

ان لوگوں کی باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس نورِ مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا اس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہوں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افترا، صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کی مفتریوں کے لئے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کے بیخ کنی نہیں فرماتا۔ یا اللہ تو پاک ہے کہ ہماری برائیوں کو جان کر حلم فرماتا ہے اور قدرت کے باوجود معاف کرتا ہے۔ (۲)

ایک طرف تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس گمراہی کی قباحتوں کو ظاہر فرمایا اور اس کو الحاد و

۱۔ الفرقان: ۲۱
۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۷۲

زندقہ قرار دیا اور دوسری طرف ان اکابر صوفیائے کرام کی مراد ظاہر فرمائی جو ''وحدۃ الوجود'' اور ہمہ اوست کے قائل ہوئے ہیں اور بتایا کہ اس قسم کے کلمات سے ان کا مقصد یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے سب اس کی قدرت کا ظہور ہے یا یوں کہیے کہ اس کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور باقی تمام موجودات کا وجود محض ظلی ہے جو قابلِ اعتبار و لائقِ شمار نہیں ہے، چناں چہ ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس عبارت کے اور معنی بھی ہیں جو اتحاد و حلول سے بعید ہیں یعنی سب نیست ہیں اور حق تعالیٰ ہی موجود ہے نہ یہ کہ سب ہست ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہی متحد ہیں۔ اس قسم کے بات کوئی بیوقوف اور نادان بھی نہیں کہتا بزرگوں سے کس طرح متصور ہو سکتی ہے اور چونکہ غلبۂ محبت کے باعث محبوب کے سوا سب کچھ ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کچھ بھی ان کے مشاہدے میں نہیں رہتا اس لئے ہمہ اوست کہہ دیتے ہیں یعنی یہ سب کچھ جو ثابت و موجود دکھائی دیتا تھا سراسر وہم و خیال ہی ہے موجود صرف حق تعالیٰ ہی ہے، اس صورت میں نہ جزئیت و اتحاد کی آمیزش ہے نہ حلول و تلون کا گمان، لیکن اس کے باوجود یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اور اس قسم کے مقاصد سے ہر طرح مبراؒ ہے، کیوں کہ یہ حق تعالیٰ کے مرتبۂ تقدیس و تنزیہ کے لائق نہیں، یہ اشیا کیا ہیں جو اس کا مظہر ہو سکیں۔

در کدام آئینہ در آید او

اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں، اگر مظہر بھی ہیں تو حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں، اور وہ ظل کہ جس کا یہ مظہر ہیں حق تعالیٰ کے ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لے کر ذات تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال درمیان میں ہیں۔ آپ نے یہ سنا ہی ہوگا کہ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ ''اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں'' (۱)

نیز ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

حق سبحانہٗ و تعالیٰ بے چوں و بے چگوں ہے اور عالم سراسر چونی اور بے چگونی کے

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۸۹

داغ سے داغ دار ہے۔ بیچون کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے، واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہو سکتا ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا۔ حقائق کا بدل جانا عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور ایک کو دوسرے پر حمل کرنے کا ثبوت کلی طور پر ممتنع ہے۔ (۱)

ارباب وحدۃ الوجود کے اس قسم کے کلمات کی آپ نے اور بھی لطیف توجیہات کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

اور بعض دوسروں سے یہ باتیں محبت کے غلبہ کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں، کیوں کہ محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوائے محبوب محب کی نظر سے دور ہو جاتا ہے اور اسے محبوب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، نہ یہ کہ فی الواقع محبوب کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ بات حسِ و عقل اور شرع کے مخالف ہے۔ (۲)

اسی مفہوم کے چند اقتباسات ''تعلیمات مجدد'' میں بھی مذکور ہیں:

الغرض ایک طرف تو آپ نے ان اکابر کے کلمات کا مقصد و منشا بیان کیا جو وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہوئے ہیں اور دوسری طرف وحدۃ الوجود کے اس گمراہانہ بلکہ زندیقانہ نظریے کو صریح الفاظ میں الحاد اور کفر بتایا جس کو ''زمانہ مابعد کے مدعیانِ بے خبر'' اکابر حضرات کے کلمات سے سند پکڑ کر عوام میں پھیلا رہے تھے اور کائنات کی ہر چیز کو بے دھڑک خدا بنا رہے تھے۔

۲۔ اسی قسم کے بعض صوفی ہر چیز کو تو خدا نہیں کہتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ فقیر جب کامل ہو جاتا ہے تو وہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی گویا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے اور اس کی سند بھی بعض عارفوں کے کلمات سے پکڑی جاتی تھی حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس کا بھی رد فرمایا اور اس کو بھی کفر و زندقہ قرار دیا جیسا کہ (۳) میں ارشاد فرماتے ہیں:

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے لیکن حق تعالیٰ تمام اشیا کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے اس احاطہ اور قرب و معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہم قاصر میں آ سکے، کیوں کہ وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں، اور جو کچھ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۳۱

۳۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۶

کشف وشہود سے معلوم کرتے ہیں وہ اس سے بھی منزہ اور پاک ہے۔ اس لئے کہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہئے اور جو کچھ مکشوف ومشہود ہو اس کو لا کی نفی کے نیچے لانا چاہئے۔

اس قسم کا مضمون دوسری جگہ سے تعلیماتِ مجدد میں بھی مذکور ہے۔

۳۔ بعض عارفوں کے کلام میں محو واضمحلال کے الفاظ آئے ہیں، ان گمراہوں نے اس کو بھی اپنے لئے سند بنایا اور سمجھے کہ اس سے محو واضمحلالِ عینی مراد ہے یعنی عارف کا خدا تعالیٰ کی ہستی میں تحلیل ہو کر من تو شدم تو من شدی کا مصداق ہو جانا ہے اس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

ہاں کسی شے تک پہنچنا اور ہے اور اس شے میں مضمحل ہونا امر دیگر ہے اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کی عبارت میں جو لفظ محو واضمحلال استعمال ہوتا ہے اس سے مراد محو واضمحلالِ نظر ہے نہ کہ عینی (عینی حقیقی اور ذاتی) یعنی سالک کا تعین (اپنا وجود شخصی) اس کی نظر سے مرتفع ہو جاتا ہے نہ یہ کہ نفس الامر میں (یعنی فی الواقع) محو ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ الحاد وزندقہ ہے اس راستے کے بعض ناقص لوگ ان وہم میں ڈالنے والے الفاظ سے محو واضمحلالِ عینی جان کر زندقہ تک پہنچ گئے ہیں اور آخرت کے عذاب کا ثواب وانکار کر دیا ہے اور انہوں نے خیال کیا ہے کہ جس طرح (آغاز میں) وحدت سے کثرت میں آئے ہیں اسی طرح دوسری مرتبہ (انجام کار) کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں مضمحل ہو جائے گی، اور ان زندیقوں سے بعض نے اس محو ہونے کو قیامتِ کبریٰ خیال کیا ہے اور حشر ونشر وحساب وصراط ومیزان سے انکار کیا ہے، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا کَثِیْراً مِّنَ النَّاس ''یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا''۔

(چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) یہ لوگ شاید اندھے ہیں دیکھتے نہیں کہ جب کسی کامل سے عجز ونقص واحتیاج زائل نہیں ہوئے تو پھر وحدت کی طرف رجوع وجودی کے کیا معنی ہوئے، اور اگر وحدت کی طرف رجوع کرنا موت کے بعد خیال کیا ہے تو کافرِ زندیق ہیں کہ عذابِ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور انبیا علیہم الصلوۃ

والسلام کی دعوت کو باطل سمجھتے ہیں۔(۱)

۴۔ یہ تو ان زندیقوں کا رد ہوا جو ساری کائنات یا کم از کم عرفائے کاملین کے خدا بن جانے یا خدا کے ساتھ متحد ہو جانے کے قائل ہیں لیکن اس قبیل کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور خاص کر سید الانبیاء سرورِ کائنات ﷺ کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ متحد سمجھا جائے جیسا کہ آج بھی ہمارے کان کبھی کبھی اس قسم کی صدائیں سن لیتے ہیں:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اسی طرح ایک اور صاحب کہتے ہیں:

شریعت کا ڈر ہے، نہیں صاف کہدوں
خدا خود رسولِ خدا بن کے آیا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس گمراہانہ و مشرکانہ عقیدہ کو بھی بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینک دیا چناں چہ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

اور اسی قسم سے بعض مشائخ کا وہ کلام ہے جو انہوں نے (حالتِ) سکر میں کہا ہے کہ جامعیتِ محمدی ﷺ جامعیتِ الٰہی سے زیادہ جامع ہے، چوں کہ یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کو امکان و وجوب کی حقیقت کا جامع جانتے ہیں اس لئے حکم کرتے ہیں کہ محمد ﷺ کی جامعیت اللہ جل شانہٗ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی صورت کو حقیقت تصور کے حکم کیا ہے۔ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مرتبہٗ وجوب کی صورت کے جامع ہیں نہ کہ حقیقتِ وجوب کے، اور اللہ تعالیٰ حقیقی واجب الوجود ہے۔ اگر وجوب کی حقیقت اور اس کی صورت کے درمیان تمیز کرتے تو ایسا حکم نہ کرتے، اس قسم کے سکر یہ احکام سے اللہ کی پناہ۔ حضرت محمد ﷺ ایک بندے ہیں محدود اور متناہی ہیں، اور حق تعالیٰ و تقدس غیر محدود اور نامتناہی۔(۲)

ایک اور مکتوب میں یہی مضمون مرقوم ہے جو تعلیماتِ مجدد کے باب میں درج ہے اسی مکتوب میں سے مزید کچھ حصہ یہاں بھی درج کیا جاتا ہے:

جاننا چاہیئے کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کے دو مقام ہیں نفی اور اثبات، اور نفی و اثبات

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۹۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۹۵

میں سے ہر ایک کے دو اعتبار ہیں:۔ اول یہ کہ جھوٹے خداؤں کے عبادت کے استحقاق کی نفی کی جائے اور حق تعالیٰ کو عبادت کا مستحق ثابت کیا جائے۔ دوسرا اعتبار یہ ہے کہ غیر مقصود مقصودوں اور غیر مطلوب مطلوبوں کی نفی کی جائے اور مطلوب حقیقی اور مقصود اصلی کے سوا کچھ ثابت نہ کیا جائے اور اعتبارِ اول میں کمال ابتدا میں یہ ہے کہ جو کچھ معلوم و مشہود ہوا ہے سب لا کے نیچے داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ بھی ملحوظ نہ ہو۔(۱)

۵۔ان گمراہ متصوفین کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت صرف اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ معرفت حاصل نہ ہو، حصولِ معرفت کے بعد عبادت کی حاجت نہیں اس کے متعلق حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نہایت غضب ناک ہو کر تحریر فرماتے ہیں:

اور اکثر متصوفۂ خام اور بے سروسامان ملحد اس امر کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں اور احکامِ شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ خواص صرف معرفتِ الٰہی کے مکلف ہیں اور بس، جیسا کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل وانصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور شہادت کے طور پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (۲) اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں ''یعنی حتی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے''۔ جیسا کہ سہل تستریؒ نے کہا ہے۔ یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے۔ بہ ظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہٗ کے کئے ہیں، اس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفسِ عبادت کی انتہا ہے۔ کیوں کہ یہ الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی ہے، یعنی عارف اس واسطے عبادت کرتے ہیں کہ ان کی مقتدی اور پیروان کی اقتدا

۱۔دفتر اول: مکتوب ۱۷۳ ۲۔الحجر:۹۹

کریں، نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق اور مرائی یعنی ریاکار نہ ہو مرید اس سے نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَا اَجْهَلَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں) عارفوں کو عبادت کی جس قدر حاجت ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے، کیوں کہ ان کے عروج عبادات پر ہی وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرات اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں، اس لئے یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی زیادہ حاجت ہے۔ (۱)

۶۔ اسی طرح ان بطالوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ صرف باطن درست ہونا چاہئے اعمالِ ظاہر یعنی نماز روزہ وغیرہ کی اللہ والوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

غرض ظاہر کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ ہو، کیوں کہ باطن کی امداد کے بغیر احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے علما صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں، باطن میں اہتمام کرنا ظاہر کے اہتمام کو لازم کرتا ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروا نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں، باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ (۲)

نیز یہ مضمون دفتر اول مکتوب نمبر ۳۹ میں بھی مذکور ہے جو تعلیمات کے باب میں درج ہے۔

۷۔ ان متصوفین کی ایک عام غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مشائخِ طریق کے مکاشفات اور معارف کو اصل سمجھتے تھے اور اپنے اعمال کی بنیاد انہی پر رکھتے تھے خواہ وہ ظاہرِ شریعت سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے اس کے خلاف بھی مجددانہ جرأت وعزیمت سے لکھا چناں چہ ارقام فرماتے ہیں:

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۸۷ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۸۷

علوم لدنیہ (کشفیہ) کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ صریح علوم شرعیہ کے مطابق ہوں اگر اس میں بال برابر بھی تجاوز ہوا تو وہ سکر کی وجہ سے ہے، اور حق وہی ہے جو علمائے اہل سنت و جماعت نے تحقیق کیا ہے اور اس کے ماسوا زندقہ والحاد ہے یا سکرِ وقت وغلبۂ حال ہے اور یہ تمام مطابقت مقامِ عبدیت میں میسر ہے، اس کے ماسوا میں ایک قسم کا سکر ثابت ہے:

گر بگویم شرحِ این بیحد شود

کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی ہو جائے، یہ نہیں فرمایا کہ معارفِ شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے اگرچہ راستہ میں علومِ شرعیہ پر زائد بعض امور پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر نہایت کار تک پہنچا دیں تو وہ امورِ زائدہ پراگندہ ہوکر دور ہو جاتے ہیں اور وہی معارفِ شرعیہ مفصل طور پر معلوم ہو جاتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے کشف کے وسیع میدان میں آ جاتے ہیں۔ (۱)

ایک مکتوب کا اکثر حصہ جس میں یہ مضمون مذکور ہے تعلیماتِ مجدد کے باب میں درج ہے صرف چند سطور یہاں لکھی جاتی ہیں:

حضرت ذوالنونؒ، حضرت بسطامیؒ، حضرت جنیدؒ، اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہم زید و بکر وعمرو خالد کے ساتھ جو کہ عام مؤمنوں میں سے ہیں احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدوں کی تقلید کرنے میں مساوی و برابر ہیں ہاں ان بزرگواروں کی بزرگی اور امور میں ہے۔ کشف و مشاہدات کے صاحب اور تجلیات وظہورات کے مالک یہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے محبوبِ حقیقی جل شانہ کی محبت کے غلبے کے باعث ماسواء اللہ سے تعلق توڑ لیا ہے اور غیر وغیریت کی دید ودانش سے آزاد ہو گئے ہیں۔ (۲)

۸۔ بہت سے جاہل صوفی سنت وشریعت سے ہٹ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے تھے اور اس کو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے تھے، آج بھی یہ کچھ ہو رہا ہے، حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ اس کے متعلق دفتر اول مکتوب ۲۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں جو کہ تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہے۔ نیز

ا۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰

۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۵۵ (دفتر دوم مکتوب ۲۳ کا اقتباس تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ ہو)

حضرت قدس سرہٗ نے متعدد مکاتیب میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ان غیر شرعی ریاضتوں و مجاہدوں یا اس قسم کے دوسرے غیر شرعی ذریعوں سے جو مکاشفات وتجلیات اور جو احوال و مواجید حاصل ہوں خدا تعالیٰ کا انعام نہیں بلکہ وہ استدراجات ہیں جو خدا کے دشمنوں (جوگیوں سادھوؤں وغیرہ) کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں، چناں چہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں ارقام فرماتے ہیں، یہ بھی تعلیماتِ مجدد میں درج ہے۔

۹۔ سماع ورقص ونغمہ اور سرود کے متعلق جو اس طبقے میں بلائے عام کی حیثیت رکھتا ہے دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں ارقام فرماتے ہیں۔ یہ بھی تعلیماتِ مجدد میں درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۔ ان متصوفین نے نماز کو بھی بے فائدہ اور دور از کار سمجھا، چناں چہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

> اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انہوں نے اپنے امراض کا علاج اور امور سے کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل ہونا اور اشیا پر وابستہ جانا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا۔(۱)

۱۱۔ ان متصوفین کے نزدیک پیری مریدی کا مقصد بہ قول حضرت مجددؒ قدس سرہٗ یہ تھا کہ ''مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں پیر اُن کے لئے ڈھال بن جائیں گے اور ان کو آخرت کے عذاب سے بچالیں گے۔'' اس کے متعلق دفتر سوم مکتوب ۴۱ میں درج ہے، جو تعلیمات مجددؒ میں مذکور ہے۔ اس کی ساتھ سلب نسبت کا نظریہ پیدا کیا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مرید کے تمام دینی و دنیوی منافع اب صرف پیر کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہیں دنیا ہی نہیں بلکہ مشہور تھا کہ پیر چاہے تو مرید کو دین سے بھی محروم کر کے جہنم کا ابدی ایندھن بنا دے اور اس کے متعلق طرح طرح کے قصے مشہور کیے گئے تھے (آج کل بھی اس قسم کے خیالات کا عام رواج ہے) اسی سلسلے میں حضرت مجددؒ الف ثانیؒ ایک مکتوب میں رشحات کے حوالہ سے خواجہ علاؤالدین اور ان کے مرید خواجہ نظام الدین خاموش قدس سرہما کے متعلق سلب نسبت کے واقعے کی بابت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۱

جاننا چاہئے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ اس نقل کو پسند نہ کرتے تھے اور مولنا کی نسبت کے سلب ہونے میں توقف فرماتے تھے۔

آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اس کے صدق میں تردد ہے رشحات کی اور اس قسم کی نقلیں صدق سے دور ہیں اور اس سلسلۂ علیہ کے لوگ ان نقلوں میں تردد رکھتے ہیں وَھُوَ سُبْحَانَہٗ اَعْلَم اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مفلس کرنا سلب ایمان پر دلالت کرتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اور اس بات کو جائز قرار دینا بہت مشکل ہے۔

اور اپنا خیال اس واقعے کے متعلق ان الفاظ میں ثبت فرمایا:

ہر دو قول پیش نیامدہ۔(۱)

ان دونوں قصوں میں سے کوئی قصہ بھی پیش نہیں آیا۔

۱۲۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے ایک خلیفۂ مجاز ملا طاہر بدخشی کو جو نصائح تحریر فرمائی ہیں ان میں ارقام فرماتے ہیں:

اور نہایت تاکید سے اس بات کو سمجھ لو کہ مرید کے مال میں طمع اور دنیاوی منافع میں اس سے کسی طرح کی توقع دل میں پیدا نہ ہو جائے، کیوں کہ یہ بات مرید کی ہدایت کے مانع اور پیر کی خرابی کا باعث ہے، کیوں کہ وہاں تو خالص دین طلب کرتے ہیں اَلاَ لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (۲)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں پیری مریدی کا چرخ کس محور پر گھوم رہا تھا جب ہی تو حضرت موصوف کو ایسا لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، مرض اگر نہیں تھا تو علاج کی کیا ضرورت تھی۔

۱۳۔ ان پیشوایانِ دینِ متین کی اخلاقی بلندی جس حد تک پہنچی ہوئی تھی اس کا کچھ اندازہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مکتوب ۲۳۴ دفتر اول اور مکتوب ۶۶ دفتر سوم سے ہو سکتا ہے، یہ اقتباسات تعلیماتِ مجددیہ میں مذکور ہیں۔ حسینوں کی بھری محفل میں جبہ و دستار و سبحہ و سجادہ والے چلبلے دل یہ شعر

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر ست
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

کہتے ہوئے اپنے سر اپنے اپنے قنطروں (مجازی محبوں) کے قدموں پر ڈال دیتے تھے ادھار

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۸ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۷۱۔ الزمر: ۳

جنت کے مقابلے میں ان کی نقد بہشت یہی تھی: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۱) کے فرمانِ الٰہی کا ان سے گویا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

انہی پرستارانِ نغمہ وسرود صوفیائے خام کی کوتاہ نصیبی کا اظہار مکتوب ۲۶۱ دفتر اول میں فرمایا ہے، جو تعلیماتِ مجدد کے باب میں مذکور ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دراصل ان متصوفین کی ان تمام غلط فہمیوں اور گمراہیوں کی اصل واساس ایک ہی تھی، وہ یہ کہ یہ لوگ شریعت وطریقت کو الگ الگ سمجھتے تھے اور اربابِ معرفت وسالکین راہِ طریقت کے لئے ظاہر شریعت کا اتباع ضروری نہیں جانتے تھے، اس لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس بنیادی گمراہی کے خلاف بہت زیادہ زورِ قلم صرف فرمایا۔ اگر آپ کے مکتوباتِ شریفہ کا تجزیہ کیا جائے تو جتنی بحث اس مسئلے پر نکلے گی غالباً اتنی کسی موضوع پر نہ ہوگی، اس کے متعلق کچھ اقتباسات تعلیماتِ مجدد میں درج ہیں یہاں بھی بہ طور نمونہ مزید چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:

> اس نعمتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا سید اولین وآخرین ﷺ کے اتباع سے وابستہ ہے جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کریں اور اوامر کے بجالانے اور نواہی سے رک جانے سے پوری طرح آراستہ نہ ہوجائیں، اس دولت کی بُو جان کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی۔ باوجود شریعت کی مخالفت کے اگرچہ بال برابر بھی ہو، اگر بالفرض احوال ومواجید حاصل ہوجائیں تو وہ سب استدراج میں داخل ہیں آخر اس کو رسوا وخوار کریں گے۔ محبوبِ رب العالمین ﷺ کی تابع داری کے بغیر خلاصی ممکن نہیں۔ چند روزہ زندگانی کو خدائے تعالیٰ کی رضامندی میں صرف کرنا چاہئے۔ (۲)

نیز ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> اے فرزند جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے، احوال ومواجید اور علوم ومعارف اور اشارات ورموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہوجائیں تو بہتر اور زہے قسمت، ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا انہوں نے جواب میں کہا کہ سب عبارتیں اڑ گئیں اور

۱۔ النور: ۳۰
۲۔ دفتر اول: مکتوب ۷۸

سب اشارات فنا ہو گئے اور دو رکعتوں کے سوا جو ہم رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے کسی چیز نے نفع نہ دیا۔

پس آپ کو لازم ہے کہ آں حضرت ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رہیں اور قول و فعل میں شریعت کی مخالفت سے بچیں، کیوں کہ متابعت میں امن و برکت ہے اور مخالفت میں بدبختی اور ہلاکت ہے۔(۱)

نیز ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

بزرگی آں حضرت ﷺ کی سنت کی تابع داری پر وابستہ ہے اور ہر کمال شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کا سونا جو اس اتباع سنت کے طور پر واقعہ ہو کروڑوں راتوں کی شب بیدار سے جو اس تابع داری کے موافق نہ ہوں اولیٰ و افضل ہے۔ اور ایسے ہی عید فطر کے دن کا کھانا جس کا شریعت نے حکم کیا ہے خلاف شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے، اور شارع علیہ السلام کے حکم سے جیتل (ایک دام) کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے یاروں میں نگاہ کی ان میں ایک آدمی کو موجود نہ پایا، اس کا سبب پوچھا، یاروں نے عرض کی کہ وہ شخص جاگتا رہتا ہے شاید اس وقت سو گیا ہوگا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سوبا رہتا اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں (یعنی اہلِ ہنود وغیرہ کے بزرگوں) نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں لیکن جب شریعت حقہ کے موافق نہیں ہیں وہ سب بے اعتبار اور خوار ہیں، اور اگر ان اعمالِ شاقہ پر کچھ اجر ثابت ہو بھی جائے تو کسی دنیاوی نفع پر ہی منحصر ہے اور جب تمام دنیا بھی ہیچ ہے تو پھر اس کے کسی نفع کا کوئی کیا اعتبار کرے، ان کی مثال خاک روب کی طرح ہے کہ جس کا کام سب سے زیادہ اور مزدوری سب سے کم ہے، اور شریعت کا تابع داروں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو قیمتی جواہر میں عمدہ عمدہ ہیروں کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے، ایک گھڑی کے کام کی مزدوری لاکھ سال کے برابر ہو سکتی ہے اس میں

۱۔ دفتر اول: ص ۱۸۴

بھید یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے وہ خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے برخلاف ناپسند، پس ناپسندیدہ فعل میں ثواب کی کیا امید ہے بلکہ وہاں تو عذاب کی توقع ہے عالم مجاز میں اس بات کے شواہد واضح طور پر موجود ہیں جو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں:

ہر چہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابع داری کرنا ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے۔(۱)

نیز ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور نبوت ولایت سے افضل ہے، اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو، اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے، کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی۔ اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقے کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔(۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی نے تصوف کے متعلق ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اصلاحیں فرمائیں، اور حق تو یہ ہے کہ سیکڑوں برس سے جو آلائشیں اس میں باہر سے داخل ہو گئی تھیں ان سب کو چھانٹ کر نہایت صاف اور ستھرا اسلامی تصوف دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے باطل متصوفین کے خلاف جہاد اور ان کے نظریات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی بھی اصلاح فرمائی ہے جو سرے سے تصوف کے منکر ہیں اور اصلاح قلب و نفس کے ان طریقوں کو جو مشائخِ طریقت میں رائج ہیں اور شرع شریف سے ان کی صحت ثابت ہے عجمی تصوف اور شرع کے خلاف کہہ کر فقرا اور درویشوں پر طعن کرتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ سید البشر ﷺ کے طفیل تمام مسلمانوں کے فقرا کے انکار اور درویشوں کے طعن سے نگاہ رکھے۔(۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۱۴　　۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۱
۳۔ دفتر اول: مکتوب ۱۸

سلوک و طریقت کے سلسلے میں حضرت کی کامیابیوں کی تفصیل آپ کے مکتوباتِ شریفہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ تعلیماتِ مجددؒ میں مکتوبات شریفہ کا خلاصہ کافی حد تک آچکا ہے وجد و حال و سماع وغنا وغیرہ کے سلسلے میں جو توسع و گنجائش سلسلۂ چشتیہ وغیرہ میں ہے اور جس کا اثر عوام پر بہت تھا، آپ نے اس وسیع المشربی کو ختم کرکے اتباعِ سنت کو اصل قرار دیا، اس اتباع کا جذبہ متوسط درجے کے مسلمانوں میں پیدا کرنا حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کا کارنامہ ہے جس کا دائرہ آج تک رفتہ رفتہ وسیع ہوتا جارہا ہے اور ان شاء اللہ العزیز تا ظہورِ امام مہدی علیہ السلام بدستور جاری رہے گا۔

۴۔ آزادخیال اہلِ علم کی تردید واصلاح

آزادخیال اہلِ علم و طالبانِ علم جنہوں نے دنیاوی عقلی علوم کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور اپنی عقلوں کو معیار شریعت بلکہ معیار علوم کون و مکان ٹھہرایا ہوا تھا ان کے علم وفضل اور فکر و غور نے ان میں آوارہ دماغی پیدا کردی تھی جس کو وہ آزادخیالی سے تعبیر کرتے تھے ان کی بھی مکتوبات شریف میں نشاندہی کی گئی ہے اور ان کو اصوصِ دین سے تعبیر کرکے ان کی صحبت سے پرہیز کرنے کو ضروریاتِ دین سے قرار دیا ہے۔ اصوصِ دین کا لفظ ایک عجیب لفظ ہے گویا دین اور علمِ دین کے صرف جاننے سے آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا، دین کا مالک وہی ہے جو اس پر عامل ہے ورنہ جو لوگ دین کے دائرہ میں صرف علم کے لئے داخل ہوتے ہیں اور دینِ حقہ پر اعتراض کرنے کے سوا ان کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی، یہ لوگ اصوصِ دین (دین کے چور) ہیں، یہ محض اس لئے دینی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان سے کوئی دنیاوی نفع اٹھاسکیں یا جن اجزا سے اپنے وسوسوں کی توثیق کرسکتے ہوں انہیں چرالیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لُصوصِ دین کی ایک خاصی تعداد ہر زمانے میں رہی ہے اعاذنا اللہ من شرورھم۔

حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے ان آزادخیال (Free Thinkers) تعلیم یافتہ لوگوں کا نام طالبانِ بے باک رکھا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

> بے باک (یعنی آزادخیال) طالب خواہ کسی فرقے سے ہوں یہ دین کے چور ہیں
>
> • ان کی صحبت سے بچنا ضروریاتِ دین میں سے ہے، یہ سب فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہوا ہے انہی لوگوں کی کمبختی سے ہے، کیوں کہ انہوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کردیا ہے۔ (۱)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۱۳

ایک اور جگہ ارقام فرماتے ہیں:

وہ شخص جو تمام احکامِ شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق اور عقلی دلائل کے برابر کرنا چاہے وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اس کے ساتھ کلام کرنا بے وقوفی ہے۔(۱)

مسلمانوں کا یہ گروہ فلسفہ وحکمت (سائنس) کا گرویدہ تھا اور قرآنی آیات وحدیثی روایات کو انہی تحقیقات کا تابع قرار دیتا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مکتوب میں انہی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں گویا مبدا میں بھی اور معاد میں بھی طریقِ نبوت کی نقیض ومقابل ہیں اور ان کے احکام انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مخالف ہیں، ان کا ایمان نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے اور نہ آخرت کے ساتھ وہ قِدَمِ عالم کے قائل ہیں، حالانکہ تمام مذاہب کا اس بات پر اجماع ہے کہ عالم بمع اپنے تمام اجزا کے حادث ہے، ایسے ہی آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے اڑ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور دریاؤں کے جاری ہونے کے جن کا قیامت کے دن کا وعدہ ہے قائل نہیں ہیں، اور حشرِ اجساد کے منکر ہیں، اور نصوصِ قرآنی کا انکار کرتے ہیں، ان میں سے متاخرین جنہوں نے اپنے آپ کو اہلِ اسلام میں داخل کیا ہے اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر راسخ ہیں، اور آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قِدَم اور ان کے فنا اور ہلاک نہ ہونے کے قائل ہیں، ان کی خوراک نصوصِ قرآن کی تکذیب اور ان کا رزق دین کی ضروریات کا انکار ہے، عجب قسم کے مؤمن ہیں کہ خدا اور رسول پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن جو کچھ خدا اور اس کے رسول نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے، اس سے بڑھ کر سفاہت اور بے وقوفی کیا ہوگی۔

(اسی مکتوب میں تقریباً ایک صفحہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں)

بعض لوگ جو علومِ فلسفی سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات (ڈھکوسلوں) پر فریفتہ ہیں ان لوگوں کو حکما جان کر انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر سمجھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیا کی شرائع پر مقدم سمجھنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے۔ ہاں جب ان لوگوں کو حکما جانتے ہیں اور ان کے علم کو

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۱۴

حکمت کہتے ہیں تو ناچار اس بلا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کیوں کہ حکمت سے مراد کسی شئے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو پس وہ علم جو ان کے مخالف ہوں گے وہ نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے نقیض ہیں اور ایک کی تصدیق میں دوسرے کی تکذیب لازمی ہے۔ اب جو چاہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو لازم پکڑ لے اور حق تعالیٰ کے گروہ سے ہو جائے اور نجات پا جائے، اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے زیاں کار اور نا امید بن جائے۔ (۱)

ایک اور مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

اور تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کی نسبت ان بدبختوں میں دو چیز زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکامِ مُنزّلہ کا کفر اور انکار کرتے اور اخبارِ مرسلہ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنے بے ہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں بے ہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے اور جھوٹے دلائل اور باطل شواہد کو عمل میں لاتے ہیں، اپنے مطالب و مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں اپنے کاموں کا مدار ان کی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے، اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد و محرک اور مدبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں اور دور از معاملہ سمجھے ہیں، یہ لوگ بہت ہی بے خرد اور بے وقوف ہیں، اور ان سے بھی زیادہ بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا سمجھتا اور عقل مند جانتا ہے۔ ان کے منظم و منضبط یعنی مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بے ہودہ ولاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دو زاویۂ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور مامونی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جاں کاہ ہے کس غرض کے لئے ہے۔

علمِ طب و نجوم اور علمِ تہذیبِ اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہیں انہوں

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۳

نے گزشتہ انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بے ہودہ باتوں کو رائج کیا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ المنقذ عن الضلال میں اس امر کی تصریح کی ہے۔

اہل ملت اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں، کیوں کہ ان کے کام کا مدار انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین کو صرف بہ طور تبرع (زائد طور پر) لاتے ہیں۔ یہی تقلید ان کے لئے کافی ہے، بخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ضلوا فاضلوا ''یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا''۔

اسی مکتوب میں تقریباً دس صفحات کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اہل فلسفہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے ان کو ازلی ابدی کہتے ہیں، اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین لوگ اپنی بے وقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہل اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں اور بعض اسلامی احکام کے بجالانے کا دعویٰ کرتے ہیں زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہل اسلام ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور جرأت دلیری کے ساتھ ان کو مسلمان جانتے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں اور اگر کوئی ان کو طعن و تشنیع کرے تو بہت برا سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ نصوص قطعی کے منکر ہیں اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ (۱)

طالب علموں یا تعلیم یافتوں کی اسی جماعت کے بعض افراد کا ذکر ایک اور مکتوب گرامی میں ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

چند سال ہوئے بعض طالب علموں نے طمع کی بدبختی سے جو کہ ان کے خبث باطن سے پیدا ہوئی ہے۔ امرا اور بادشاہوں کا تقرب حاصل کر کے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا ہے اور دین متین میں تشکیکات و اعتراضات اور شکوک و شبہات پیدا کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو راستہ سے بھٹکا رہے ہیں۔ (۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷

بہ ظاہر یہ اشارہ ادب وانشاء، فلسفہ وتاریخ کے ان ہی شہسواروں کی طرف ہے جن میں سے ایک اپنے زمانے میں:

امروز نہ شاعر و حکیم
دانندۂ حادث و قدیم

کا نعرہ بلند کرتا تھا اور دوسرا اس وقت کتنے تعلیم یافتوں کا اگر معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا ہوا تھا یعنی ابو الفضل وفیضی کہ اکبر کی سوئے دماغی میں بہت بڑا دخل ان ہی دو تعلیم یافتہ بے دینوں کو تھا۔(۱)

مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بہت جگہ اس قسم کے مضامین آئے ہیں جن میں حضرت موصوف نے امورِ دین کو عقل کے تابع کرنے والوں کی مذمت ونشاندہی کر کے امت مسلمہ کو ان کے مکروفریب سے آگاہ کیا ہے اور بے دینی والحاد کے اس بھنور میں گرنے سے بچالیا ہے یہاں بہ خلاف طوالت بطورِ نمونہ چند اقتباسات پر کفایت کی گئی ہے فمن شاء المزید فلیر اجع الی مکتوباته الشریفة(۲)

۵۔ دشمنانِ صحابہ کے خلاف جہاد

اس سے پہلے بعض مضامین کے ضمن میں ان اسباب کی طرف اشارات گزر چکے ہیں جن کی وجہ سے دورِ اکبری میں شیعوں کو حکومت کے اندر عمل دخل کا موقع ملا اور عہدِ جہانگیری میں ملکۂ نور جہاں کے طفیل حکومت کی باگ اسی گروہ کے ہاتھوں میں چلی گئی، بلکہ جہانگیر کے نام سے ملکۂ نور جہاں کا گھرانا ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ خود جہانگیر نے اپنے توزک میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ الناس علیٰ دین ملوکھم کے فطری اصول پر عوام میں رفض کے جراثیم پھیلنے لگے اور شیعی خیالات عوام سنیوں میں سرایت کرنے لگے۔ چوں کہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ السامی اسی لئے کھڑے کئے گئے تھے کہ دینِ اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے تمام فتنوں اور گمراہیوں کا قلعہ قمع کر کے دین کو پھر سے تروتازہ اور ملت کو از سرِ نو زندہ کریں اس لئے آپ نے اس فتنے کے استیصال کے طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ کی کوششیں تین طرح ظہور پذیر ہوئیں:

ا۔ شیعی علما سے آپ نے عام وخاص جلسوں میں بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کئے جن میں ان کو فاش شکستیں دیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے اس اقدام نے اس گمراہ فرقے کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور آپ کی اسی ایک ضرب نے ان کی کمر توڑ دی۔

ا۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۱۳۱ تا ۱۳۴ ملخصاً ۲۔ مؤلف

۲۔ مشہد کے بعض علمائے شیعہ نے ماوراء النہر کے سنی علما کے ایک رسالے کے جواب میں ایک نہایت پرفریب اور سراپا تزویر رسالہ لکھا جس کا حاصل خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے لفظوں میں: ''حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذمت و تشنیع تھی'' (العیاذ باللہ)۔ اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا خصوصاً امراو حکام اور ارکانِ سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہونے لگا۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے پہلے تو خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا ردبیان کرنا شروع کیا اور اس کی مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں کا پردہ خوب اچھی طرح چاک کیا پھر اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے جواب میں لکھ کر شائع کیا، اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ بس اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۳۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے اپنے بہت سے مکاتیب میں شیعی اصول وخیالات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید کی اور شیعوں کے بے پناہ پروپیگنڈے کی وجہ سے جو غلط خیالات خود سنیوں میں پیدا ہو رہے تھے آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ کتاب وسنت اور عقلِ سلیم کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔ آپ کے مکاتیب اگرچہ خاص اشخاص کے نام لکھے جاتے تھے اور بہ ظاہر ان کی حیثیت نجی خطوط کی ہوتی تھی لیکن ان کی نشرواشاعت اور نقل درنقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اس ''غیر اخباری'' زمانے میں آپ کے یہاں ''مجدد گزٹ'' نکلتا تھا۔ آپ کے خلفا تمام اطراف ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر، بدخشاں، خراساں، توران، طالقان وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے یا یوں کہئے کہ ایک خاص نظام ونقشے کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا اور یہ سب بھی مختلف ذرائع سے مکتوباتِ شریفہ کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے اس لئے آپ کی مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ واشاعت کا ایک نہایت منظم اور مؤثر سلسلہ تھا، اس ذریعے سے بھی آپ نے فتنۂ رفض کی بڑی حد تک روک تھام کی۔ اس سلسلے میں حضرت علیہ الرحمہ نے متفرق طور پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے اگر اس سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے یہاں چند عنوانات کے تحت مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ افضلیتِ شیخین رضی اللہ عنہما

شیعت کا پہلا زینہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا اعتقاد ہے، اور چالاک

روافض عوام سنیوں کو سب سے پہلے اسی عقیدے پر جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرابتِ قریبہ اور بعض دوسری وجوہ سے وہ اس ابلہ فریبی میں کسی قدر آسانی سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پھر جب ایک شخص اتنی بات کو مان لیتا ہے کہ حضرت علیؓ بلا استثنا تمام صحابۂ کرامؓ سے افضل تھے تو لازمی طور پر وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے خلافت کے انتخاب میں ان کے ساتھ ناانصافی کی، یا کم از کم یہ صحیح انتخاب نہیں کیا اور جمہور صحابہؓ سے بدظنی اور بغض وعداوت ہی شیعی مذہب کا سنگِ بنیاد ہے۔ بہرحال شیعیت کا پہلا دروازہ یہی عقیدۂ تفضیل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بلا مبالغہ پچاسوں جگہ اپنے مکتوبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے چند اقتباسات تعلیماتِ مجددیہ میں مذکور ہیں فلیراجع الیہا۔

افضلیتِ شیخین اور حضرات خلفائے اربعہ کے باہمی فرقِ مراتب کے متعلق آپ نے کہیں کہیں ''رسمی علوم'' اور اصطلاحی دلائل سے گزر کر اسرار ولطائف کے رنگ میں بھی کلام کیا ہے۔ خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام ایک مکتوبِ گرامی میں تو اسی رنگ میں اتنا لکھا ہے گویا الہامی معارف کا سرچشمہ ہی پھوٹ پڑا ہے، اس کے بعض حصے تو عام فہموں بلکہ متوسطین کے عقلوں سے بھی بالاتر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو متوسط لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں، اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:

> حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض عجیب وغریب علوم واسرار ومواہبِ لطیفہ اور معارفِ شریفہ کہ جن میں سے اکثر حضراتِ شیخین وذی النورین وحیدرِ کرار (یعنی خلفائے اربعہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل وکمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے مطابق حوالۂ قلم کرتا ہوں، توجہ سے سنیں۔
>
> حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالاتِ محمدی ﷺ کے حاصل ہونے اور ولایتِ مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجوں پر فائز ہونے کے باوجود گذشتہ انبیا کے درمیان بلحاظِ ولایت حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور باعتبارِ دعوت جو کہ مقامِ نبوت کی مناسب ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔
>
> حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ (ولایت ودعوت) دونوں کے لحاظ سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت امیر

رضی اللہ عنہ ان دونوں (ولایت و دعوت) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور چوں کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب کی بہ نسبت ولایت کی جانب ان میں غالب ہے اور حضرت امیرؓ میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی جہت غالب ہے۔

پھر ایک دقیق تحقیق کے بعد فرماتے ہیں:

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق نبوتِ محمدی ﷺ کے بوجھ (بار) کو اٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت امیر (علی مرتضیٰؓ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت اور جانبِ ولایت کے غلبے کے باعث ولایتِ محمدی ﷺ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت ذی النورینؓ کو برزخیت (درمیانی حیثیت) کے اعتبار سے (نبوتِ محمدی ﷺ و ولایتِ محمد) ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والے فرمایا گیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں...... اور چوں کہ حضرت امیرؓ ولایتِ محمدی کے حامل ہیں اس لئے مشائخ و اولیا کے اکثر سلسلے انہی سے منتسب ہوئے ہیں اور اکثر اولیائے عزلت (گوشہ نشینوں) پر جو کہ کمالاتِ ولایت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں حضرت امیرؓ کے کمالات حضرات شیخینؓ کے کمالات کی بہ نسبت زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخینؓ کی افضلیت پر اہلِ سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عزلت کا کشف حضرت امیرؓ کی افضلیت کا حکم رکھتا، کیوں کہ حضراتِ شیخینؓ کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور صاحبانِ ولایت کی ان کمالات تک دسترس نہیں ہے، اور اہلِ کشف کا کشف ان کے کمالاتِ نبوت کے درجات کی بلندی کے باعث راستے ہی میں ہے۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالاتِ نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے زینے ہیں، پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بُعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبولیت سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے:

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علما اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں، ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا گیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کے اپنے پیغمبر کی متابعت کے باعث مقام نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور ان کمالات سے کامل حصہ نہیں دیا گیا تب تک شیخینؓ کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہیں بخشی گئی تھی اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہیں دکھائی گئی تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ''اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول پیغامِ حق کے ساتھ آئے ہیں''۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ راویوں نے لکھا ہے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دونوں بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا، گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں، اور حضرت فاروقؓ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں۔ اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیقؓ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخینؓ کے لئے تمام صحابہؓ کے درمیان علیحدہ شان اور سب سے الگ درجہ ہے گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے۔ حضرت صدیقؓ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں، اگر فرق ہے تو صرف بلندی اور پستی کا ہے (یعنی سرورِ عالم ﷺ بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیقؓ اسی محل کے نیچے کی منزل میں ہیں) اور حضرتِ فاروقؓ بھی حضرتِ صدیقؓ کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور باقی تمام صحابہؓ آں حضرت ﷺ کے ساتھ ہم سرائے یا ہم شہری ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اولیائے امت کی وہاں کیا رسائی ہے؟

این بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

یہ لوگ کمالاتِ شیخینؓ سے کیا حاصل کریں، یہ دونوں بزرگ وار اپنی بزرگی و برتری کی وجہ سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات سے متصف اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔......اور حضرات شیخینؓ وفات کے بعد بھی پیغمبر خدا ﷺ سے جدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں بائیں اکٹھا ہوگا، جیسا کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ پس ان کی افضلیت اقربیت کے باعث ہوگی۔ یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان حضرات کے کمالات کے متعلق کیا بیان کرے اور ان کی فضائل کیا ظاہر کرے، ذرے کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے، اور قطرے کی کیا مجال کہ بحرِ عمان کی بات زبان پر لائے۔

ان اولیا نے جو دعوتِ خلق کی طرف لوٹا دیے گئے ہیں اور ولایت اور دعوت کی دونوں طرفوں سے کامل حصہ رکھتے ہیں، اور تابعین و تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشفِ صحیح کے نور وفراستِ صادقہ اور متواتر روایات سے حضراتِ شیخین کے کچھ کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کا کچھ حصہ پہچان کر نا چاران کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے، اور اس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو، غلطی پر محمول کر کے اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جاسکتا ہے جبکہ صدرِ اول (عہد نبوی ﷺ میں) ان کی افضلیت صحیح و مسلّم ہو چکی ہے، چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ عمرؓ سے روایت کی ہے: حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں کسی کو ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی ﷺ کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔ (۱)

افضلیت شیخین کے مسئلے پر بعض اور مکاتیب میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس قسم کے معارف ارقام فرمائے ہیں، لیکن ہم بقصدِ اختصار یہاں انہیں اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱

مکتوب کے اقتباسات سے دوسرے نادر فوائد اور عجیب و غریب اسرار و لطائف کے علاوہ ناظرین کرام کو اس سوال کا جوب بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اکثر سلاسلِ اولیا اللہ کا انتساب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیوں ہے؟ اور عام اربابِ ولایت کو جنابِ مرتضویؓ ہی سے زیادہ مناسبت کی وجہ کیا ہے؟ اور نیز اس مکتوب شریف سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ بعض اربابِ ولایت پر حضرت علیؓ کے فضائل و کمالات حضرات شیخینؓ کی بہ نسبت جو زیادہ منکشف ہوتے ہیں تو اس کا سبب اور منشا کیا ہے؟

حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کی تحقیق (جو کہ صرف غور و فکر والی تحقیق نہیں بلکہ الہامی تحقیق اور کشفی تلقین ہے جس) کا خلاصہ یہ ہے کہ حضراتِ شیخینؓ کو چوں کہ مقامِ نبوت سے زیادہ قرب ہے اور نسبتاً ان پر کمالاتِ نبوت کا زیادہ غلبہ ہے، اس لئے ان کے کمالاتِ خاصہ تک ان عام اربابِ ولایت کی رسائی ہی نہیں ہوتی، جن کی پرواز صرف مقامِ ولایت تک ہے اور چوں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ میں ولایت کی جہت ہی غالب ہے اور ان پر کمالاتِ ولایت ہی کا غلبہ ہے اس لئے عام اربابِ ولایت ان کے کمالات و فضائل کا ادراک خوب کر سکتے ہیں، اسی واسطے حضرت امیرؓ کے فضائل و کمالات بہ نسبت حضرات شیخینؓ کے ان پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں اور اسی قرب و مناسبت کا یہ اثر ہے کہ اولیا اللہ کے اکثر سلاسل حضرت علی مرتضیٰؓ سے منسوب ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے مرقد پاک کو منور فرمائے، اس تحقیق انیق نے کتنی الجھنیں صاف کر دیں اور کتنی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دیا۔ روحِ مجددؒ شاد باد!

حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ افضلیتِ شیخین کا عقیدہ اہلِ سنت کے ضروریات اور اجماعیت میں سے ہے اور اس سے اختلاف کرنے والا اہلِ سنت سے خارج ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

کسیکہ حضرت امیرؓ را افضل از حضرت صدیقؓ گوید از جرگۂ اہلِ سنت می برآمد (۱)

جو کوئی حضرت علیؓ کو حضرت صدیقؓ سے افضل کہے وہ گروہ اہلِ سنت سے خارج ہے۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت

جمہور اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرات خلفائے اربعہ کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کے ترتیب ہے یعنی شیخین کے بعد آپ کا مرتبہ ہے، آپ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفۂ برحق ہیں اس لئے حضرت علیؓ چوتھے مرتبہ پر ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۰۲

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی ایک مجلسِ شوریٰ نے کیا تھا اور اس مجلس شوریٰ نے جس میں خود حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، آخر کار انتخابات کے پورے اختیارات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دے دیئے تھے، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کی نظر میں جو صاحب الرائے اور قابلِ مشورہ حضرات تھے انہوں نے خفیہ طور پر ان سے فرداً فرداً رائے حاصل کی۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں، اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ہی منصبِ خلافت تفویض کر دیا، پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت وفوقیت بھی جمہور صحابہ کرام کی متفقہ رائے ہے اس سے اختلاف کرنا گویا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خاطی قرار دینا ہے اور بلا شبہ شیعی خیالات کے دل میں گھسنے کا یہ پہلا چور دروازہ ہے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے اس کا انسداد بھی ضروری سمجھا اور صاف ارقام فرمایا کہ:

> اکثر علمائے اہلِ سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ، اور ائمہ اربعۂ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے بارے میں امام مالکؒ سے جو توقف نقل کیا ہے، اس کے متعلق قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے حضرت عثمانؓ کے افضلیت کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہی صحیح ہے۔ (۱)

بایں ہمہ حضرت مجدد قدس سرہٗ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کو حضرت علیؓ وغیرہ دیگر صحابۂ کرامؓ پر اس درجہ یقینی وقطعی نہیں کہتے جس درجے کی حضرات شیخین کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ چناں چہ ارقام فرماتے ہیں:

> الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم درجے کی یقینی ہے لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں اور اس کو صاحب بدعت وگمراہ جانیں۔ (۲)

۱،۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

بعض صلح کل، رواداری اور وسیع الخیالی کا دعویٰ کرنے والے حضرت کہا کرتے ہیں کہ یہ تفضیل کی بحث ہی فضول اور لغو ہے ہم تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برابر سمجھتے ہیں، آج کل اس قسم کے وسیع خیال لوگوں کی بڑی کثرت ہے، ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

اور جو شخص سب صحابہ کرامؓ کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ خود احمق و ابو الفضول ہے اور وہ عجیب ابو لفضول ہے جو کہ اہلِ حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے، شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف لے گیا ہے۔(۱)

۳۔ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

شیعہ صاحبان جن پہلوؤں سے عوام سنیوں کو ورغلایا کرتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ صحابہ کرامؓ کے ان نزاعات و محاربات کا ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں واقع ہوئے۔ یہ لوگ صحابہ کرامؓ کے اجتہادی اختلافات و نزاعات و مشاجرات اور محاربات کو اپنی حاشیہ آرائی سے ناواقف و عوام سنیوں کے سادہ ذہنوں میں اولاً یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں گویا دو پارٹیاں تھیں، ایک حضرت علیؓ کی پارٹی تھی اور دوسری ان کے مخالفین کی جو کہ حضرت علیؓ سے خلافت چھیننا چاہتی تھی۔ ان کے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو تفصیلی واقعات اور اصل حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرب و قرابتِ رسول ﷺ اور ذاتی فضائل و کمالات و اسلامی خدمات کی وجہ سے سچی محبت اور پختہ عقیدت ہوتی ہے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف کرنے والے صحابہ کرامؓ یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سیکڑوں اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے بدظن ہو جاتے ہیں، اور کبھی یہ بدظنی بغض و بدگوئی تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ نے اس اصولی گمراہی کے انسداد کے لئے بھی پورا زورِ قلم صرف کیا ہے اور بلا مبالغہ بیسیوں پچاسوں مکتوبات میں ان مشاجرات و محاربات کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہوں پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں، کیوں کہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں پاک

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

ہو چکے تھے، اور ان کے سینے عداوت و کینے سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ چوں کہ ان میں سے ہر ایک صاحبِ رائے اور صاحبِ اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے بعض امور میں اختلافِ آرا کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت ناگزیر ہو گئی اور ہر ایک کے لئے اپنی رائے پر عمل کرنا درست ہوا۔ پس ان کی یہ مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہش کے لئے۔...... حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے حضرات اہلِ اسلام کا ایک جم غفیر ہیں، جو کہ جلیل القدر اصحاب ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے جنت کی بشارت مل گئی ہے، ان کو کافر اور برا کہنا معمولی بات نہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (چھوٹا منہ اور بڑی بات) تقریباً نصف دین اور شریعت کو انہوں نے ہی اس امت تک پہنچایا ہے، اگر ان پر طعن کی جائے گی تو نصف دین سے اعتبار دور ہو جائے گا۔...... جاننا چاہئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان سے اختلاف کرنے والے خطا پر۔ اگر چہ محاربہ (ان جنگوں) میں حق بجانب امیر تھے، کیوں کہ اکثر ایسا ہوا کہ صدر اول کے اختلافی مسائل میں علما و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہٗ) کے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کیا ہے اور اس مذہب پر حکم جاری نہیں کیا، اگر حق حضرت امیرؓ کی جانب ہی متعین ہوتا تو یہ حضرات اس کے برخلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریحؒ نے جو تابعین میں سے ہیں اور صاحبِ اجتہاد ہوئے ہیں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں جاری کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبتِ فرزندی کی وجہ سے منظور نہیں کیا اور مجتہدین نے قاضی شریحؒ کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت کو جائز نہیں رکھا ہے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ کے اقوال جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں اختیار کئے گئے ہیں، جو منصف تلاش کنندہ پر مخفی نہیں ہیں، ان کی تفصیل طویل ہے۔

پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور ان سے

اختلاف کرنے والوں پر طعن و ملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا۔ (۱)

صحابۂ کرامؓ کے مشاجرات کے متعلق اس قسم کے مضامین مکتوبات شریفہ بکثرت ہیں یہاں بقصدِ اختصار ان ہی اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس کا کچھ بیان تعلیماتِ مجدد کے باب میں بھی مذکور ہے۔ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے صرف اس اصولی بحث پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ جن صحابۂ کرامؓ کے نزاعات و محاربات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئے ہیں ان کے فضائل و مناقب بھی آپ نے اپنے مکتوباتِ شریفہ میں بڑی اہتمام سے تحریر فرمائے ہیں، جن کے مطالعے کے بعد کوئی صحیح الایمان مسلمان ان بزرگوں کی طرف سے کبھی بدگمان ہو ہی نہیں سکتا، چناں چہ ان میں سے بعض صحابہؓ کے فضائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے محاربین میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ ان محاربات ہی پر کلام کرتے ہوئے ایک موقع پر ارقام فرماتے ہیں (اس اقتباس کا کچھ حصہ جس میں فضائل صدیقہ رضی اللہ عنہا مذکور ہیں تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں کچھ حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے):

> حضرت امیرؓ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ، حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ مطہرہ اور محبوبۂ مقبولہ ہیں۔ اس سے چند سال پہلے فقیر کی یہ عادت تھی کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہلِ عبا (اہل بیت) کی ارواحِ پاک کو بخش دیا کرتا تھا اور آں حضرت ﷺ کو ملا لیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آں حضرت ﷺ تشریف فرما ہیں، فقیر نے آپ ﷺ کو سلام عرض کیا، آپ ﷺ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا، اسی اثنا میں فقیر سے فرمایا کہ میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں، جس کسی کو میرے لئے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو کہ وہ سب اہلِ بیت ہیں،

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶

شریک کرلیا کرتا تھا اور تمام اہلِ بیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار و ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچی ہے وہ اس آزار و ایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سبب سے پہنچتی ہے۔(۱)

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما

جن صحابہ کرامؓ سے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے محاربات ہوئے ان میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجددؒ اسی مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اصحابِ کبار اور عشرۂ مبشرۂ جنت میں سے ہیں، ان پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے اور ان پر کی ہوئی لعنت و پھٹکار، لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا تو ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو شامل کیا، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے دلیل واضح نہ پائی تو طلحہ وزبیرؓ نے اپنے اختیار سے خلافت کا حق چھوڑ دیا اور ہر ایک نے وَتَرَکْتُ حَظِّیْ (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا۔ اور یہ وہی طلحہؓ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آں حضرت ﷺ کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی، قتل کر کے اس کے سر کو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے تھے، قرآن مجید میں اس فعل پر ان کی تعریف و ثنا بیان کی گئی ہے۔ اور یہ وہی زبیر ہیں جن کے قاتل کے لئے مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے، اور یوں فرمایا ہے قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ (زبیرؓ کا قاتل دوزخ میں ہے) حضرت زبیرؓ پر لعن وطعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابرِ دین اور بزرگوارانِ اسلام کی طعن و مذمت سے بہت بہت ڈرنا چاہئے، یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سرتوڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے خویش واقارب اور

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶

مال و اولاد ازواج، گھر بار، وطن، کھیتی باڑی باغ و درخت اور کنوؤں و نہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے اموال و اولاد کی محبت پر اختیار کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرفِ صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے مالا مال ہوئے، وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتے کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا، حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہوگیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا اُحد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک یا آدھ مُد جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ تعریف کرتا ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ

یہ لوگ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

ذٰلِکَ مَثَلُھُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَمَثَلُھُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِھِمُ الۡکُفَّارَ (۱)

توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس کی بیشمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے موٹے اور مضبوط ہو جائیں جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ و غضب میں آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے پس جس طرح مومن لوگ کفر سے ڈرتے ہیں اسی طرح ان پر غیظ و غضب کرنے سے بھی ڈرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہٗ الموفق۔

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو اور رسول اللہ ﷺ کے منظور اور مقبول ہو گئے ہوں، اگر وہ بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے و اجتہاد کے موافق عمل کریں تو طعن و اعتراض کی مجال نہیں، بلکہ ایسے وقت ان کا آپس میں اختلاف کرنا اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے۔ (۲)

۱۔ الفتح: ۲۹ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اختلافات ہوئے اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی ان میں سے ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، چوں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ دیر تک رہی اور ان کے خاندان میں خلافت و امارت دیر تک رہی اس لئے ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈا اور دوسروں کی نسبت بہت زیادہ کیا گیا۔ اسی کا اثر ہے کہ بہت سے سنّی حضرات بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کی جرأت کر جاتے ہیں، حالانکہ یہ بھی رفض ہی کا ایک شعبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ العزیز نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کی خطا کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کرنا اہل سنت کے عقائد میں شمار کرنے کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ہے، چند اقتباسات تعلیماتِ مجدد میں بیان ہوئی ہیں۔ مزید چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> اور شیخ ابوبکر سلمیؒ نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت و جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ امیر معاویہؓ بمع ان تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت امیرؓ کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہلِ سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔ اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔ معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کونسا گروہ ہے جب کہ اہلِ سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں جیسا کہ گزر چکا اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی کے حکم سے بھری پڑی ہیں، جیسا کہ امام غزالیؒ اور قاضی ابوبکرؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیرؓ کی ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق و ضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، وعثمانؓ وعمرو بن العاصؓ کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے وہ واجب القتل ہے۔ یا اس کے سوا اور

کوئی گالی نکالی جس طرح لوگ ایک دوسرے کو گالی نکالتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا، کیوں کہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے جیسا کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے اور نہ ہی فسق پر تھے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحاب کی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت صدیقہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور بہت سے اصحابِ کرام انہی میں سے تھے اور طلحہؓ اور زبیرؓ جمل کی لڑائی میں معاویہؓ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ شہید اور قتل ہوئے، پس ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے کہ جس کی دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو، کوئی مسلمان دلیری نہیں کرتا۔ اور امام مالکؒ نے جو تابعین میں سے ہیں اور اپنے ہم عصر اور علمائے مدینہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا اگر وہ گالی کے مستحق ہوتے تو ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کو گالی دینا کبیرہ گناہ جان کر ان کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز ان کو گالی دینا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا، پس معاویہؓ برائی کے مستحق نہیں ہیں۔ اے بھائی! معاویہؓ تنہا اس معاملے میں نہیں ہیں، کم و بیش آدھے اصحاب کرامؓ ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی لڑنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا۔

اے برادر اس فتنے کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمانؓ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے۔ طلحہؓ و زبیرؓ جو اول مدینہ سے باہر نکلے تھے تاخیرِ قصاص کے باعث نکلے، اور حضرت صدیقہؓ نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی، اور جنگِ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے، اور طلحہؓ و زبیرؓ بھی کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے، حضرت عثمانؓ کے قصاص کے باعث ہوا ہے، اس کے بعد معاویہؓ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگِ صفین کیا۔

امام غزالیؒ نے تصریح کردی ہے کہ وہ جھگڑا امرِ خلافت پر نہیں ہوا بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لئے حضرت امیرؓ کی خلافت کی ابتدا میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابنِ حجر نے بھی اس بات کو اہلِ سنت کے معتقدات سے کہا ہے۔(۱)

شرفِ صحبت

شیعہ اور اہلِ سنت کی نقطہ ہائے نظر میں ایک اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ اہلِ تشیع کی نزدیک ''صحبتِ رسول ﷺ'' کی کوئی خاص اہمیت نہیں، جمہور صحابہؓ کو تو معاذ اللہ وہ مؤمن ہی تسلیم نہیں کرتے اور جن چار حضرات یعنی حضرات مقداد، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے ایمان کے وہ قائل ہیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں تو وہ بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اصحابِ رسول (ﷺ) ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے گروہ میں شامل اور ان کے ناصر ومددگار تھے۔ بہر حال نفسِ صحبتِ رسول ﷺ کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر صحبتِ رسالت کی حقیقی عظمت کسی کے دل میں قائم ہو جائے اور اس کے واقعی فضل وشرف کو سمجھ لے تو کبھی تشیع کا شکار نہیں ہوسکتا، اس لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں اس اصول پر بھی بہت زیادہ زورِ قلم صرف کیا ہے۔ چناں چہ ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

> بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ستاروں کی مانند فرمایا وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ، اور اہلِ بیت کو کشتی نوح کی طرح۔ اس میں اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لئے ستاروں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے، اور ستاروں کی رعایت کے بغیر نجات بالکل محال ہے۔ اور اس بات کو اچھی طرح معلوم کریں کہ بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کو مستلزم ہے، کیوں کہ حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہؓ مشترک ہیں، اور صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اویس قرنیؒ جو تمام تابعین میں سے اچھے ہیں ایک ادنیٰ صحابی کی درجے کو نہیں پہنچے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی ہوگی، کیوں کہ ان کا ایمان صحبت اور نزولِ وحی کی برکت سے شہودی ہوگیا تھا، اور صحابہؓ کے بعد کسی کو اس

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱

درجے کا ایمان نصیب نہیں ہوا اور اعمال ایمان پر مترتب ہوتے ہیں اور ان کا کمال ایمان کے کمال کے موافق ہوتا ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں، وہ حرص و ہوا اور جہالت سے نہ تھے، بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی روح سے تھے، اور اگر ان میں سے کسی نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا کار کے لئے بھی ایک درجہ ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہل سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے اور یہی بچاؤ والا اور مضبوط راستہ ہے۔(۱)

اس مضمون کے کچھ اقتباسات جو دفتر اول مکتوب نمبر ۱۲۰ و ۲۵۱ سے ماخوذ ہیں تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہیں۔ صحبتِ نبوی علیہ السلام کی افضلیت و اہمیت کی متعلق اس قسم کے ایمان افروز مضامین مکتوبات میں بہ کثرت ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی شخص رفض کی گمراہی کا شکار انشاء اللہ العزیز کبھی نہیں ہوسکتا۔ ہم بقصدِ اختصار اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی یہ دعا: اَللّٰهُمَّ وَاِنْ لَمْ تَخْلُقْنَا فِي هٰذِهِ النَّشْاَةِ فِيْ قَرْنِ هٰؤُلَآءِ الْاَكَابِرِ فَاجْعَلْنَا فِي النَّشْاَةِ الْاٰخِرَةِ مَحْشُوْرِيْنَ فِيْ زُمْرَتِهِمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ پڑھتے اور اس پر آمین کہتے ہیں۔

۴۔ سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب

اہلِ تشیع کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ ''مطاعن'' ہیں، مکالمات و مباحثات میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی بحث میں عاجز آجاتے اور میدانِ کلام کو اپنے لئے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعنِ صحابہ پر آجاتے ہیں اور اسی مبحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ صحابہؓ کرام کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت رفض کی اصل و اساس ہے اور دوسروں کو بھی اس گمراہی میں شریک کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی مطاعن ہی کی اشاعت ہے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ نے مطاعن کے جوابات کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی، اور شیعوں کے ان مشہور مطاعن کے مفصل جوابات جن کو شیعہ بہت اچھالتے ہیں آپ نے اپنے رسالے رد روافض کے علاوہ متعدد مکاتیب میں بھی سپردِ قلم فرمائے ہیں۔ ان تفصیلی جوابات کے علاوہ ایک اصولی جواب بھی دیا ہے جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلے کی ساری بحثیں کافور ہو جاتی ہیں اور

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۹

یقین واثق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ مصنفین نے اس باب میں جو دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں حضرت مجدد قدس سرہٗ کا یہی ایک اصولی جواب ان سب کو خاکستر کردینے کے لئے کافی ہے، چناں چہ ایک طویل مکتوب میں واقعہ قرطاس پر کلام فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

خدا آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے اور شبہے جو بعض لوگ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی تمام اصحاب کرامؓ پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کی تشکیکات اور شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت و شرف و رتبے کو قبول فرمائیں تو ان کو معلوم ہوجائے گا کہ ان کے نفس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک وصاف ہوچکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا، اور ان کو واضح ہوجائے گا کہ یہی وہ اکابرِ اسلام اور دین کے بزرگوار ہیں جنہوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سیدِ انام کے مدد اور دینِ متین کی تائید کے لئے رات دن اور ظاہر و باطن میں اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے اور اپنے خویش و قبیلے اور اولاد ازواج اور وطن و گھر بار کھیتی کیاری کنوئیں و باغ و انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں چھوڑ دیا تھا۔ اپنے نفسوں پر رسول اللہ ﷺ کے نفس کو ترجیح دی تھی اور اپنی جان و مال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اختیار کیا تھا۔ ان بزرگواروں نے وحی و فرشتے کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا، یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین سے بدل چکا تھا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے: رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، نیز ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔ توریت اور انجیل میں ان کی یہی مثال ہے''۔ جب تمام اصحاب کرامؓ ان کرامات اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفائے راشدین جو تمام صحابہؓ سے افضل و اعلیٰ ہیں ان کی فضیلت و بزرگی کس قدر ہوگی۔...... نظرِ انصاف کے ساتھ دیکھنے اور حضرت خیر البشر ﷺ کے شرف صحبت کے قبول کرنے اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم

کے درجات کی بلندی اور بزرگی معلوم کرنے کے بعد امید ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے اور تشکیکات پیدا کرنے والے لوگ ان شبہات کو مغالطوں اور ملمع کی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار خیال کریں گے اور اگر وہ ان شبہات میں غلطی کی تجویز نہ کریں گے، اور ان کو وہمی اور خیالی باتوں کی طرح نہ سمجھیں گے تو کم از کم اتنا ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات وتشکیکات کا ماحصل ہیچ و پوچ ہے، بلکہ اسلامی تصریحات و مرویات کے برخلاف ہے اور کتاب وسنت کے مقابلے میں مردود اور مطرود ہے۔(۱)

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے واقعۂ قرطاس پر چند مقدمات قائم کر کے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا جواب دیا ہے گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کر کے انگلی رکھ رکھ کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے، ان مقدمات کا خلاصہ یہ ہے:

اول: آں حضرت ﷺ کے تمام اقول وگفتار وحی کے مطابق نہ تھے، ورنہ بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔

دوم: احکامِ اجتہادیہ وامورِ عقلیہ میں اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کو آں حضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو اور ردوبدل کی گنجائش تھی۔

سوم: سہو نسیان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز بلکہ واقع ہے اور وحی قطعی کے ساتھ سہو و نسیان پر اطلاع فرما کر صواب کو خطا سے الگ کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ نبی کا خطا پر مقرر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اسے احکامِ شرعیہ کا اعتماد رفع ہو جاتا ہے۔ پس شدتِ مرض میں بتقاضائے بشریت آں حضرت ﷺ سے بے قصد و بے اختیار کلام کا صادر ہونا جائز ہے۔

چہارم: حضرت فاروق وخلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بلکہ تمام صحابۂ کرامؓ کے لئے کتاب و سنت میں جنت کی بشارت ہے اور ایسی احادیث تواترِ معنی تک پہنچ چکی ہیں جن کا انکار کرنا سراسر جہالت یا بغض وعناد ہے۔

پنجم: کاغذ لانے میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا توقف رد وانکار کے باعث نہ تھا (نعوذ باللہ) بلکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مطلب استفہام واستفسار تھا جیسا کہ لفظ استفھموہ سے ظاہر ہے کہ اگر آپ اہتمام سے کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے ورنہ ایسے نازک وقت میں آپ کو

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۹۶

تکلیف نہ دی جائے، کیوں کہ اگر امرِ وحی سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو پھر تاکید و مبالغے سے طلب فرمائیں گے اور اگر امرِ وحی سے طلب نہیں فرمایا ہے بلکہ آپ محض اپنے خیال و فکر سے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں تو اس حالت میں آپ کو تکلیف نہ دی جائے، آپ کے بعد بھی اجتہاد و استنباط باقی رہے گا پس جب آں حضرت ﷺ نے اس بارہ میں جدا اہتمام نہ فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہیں تھا اور توقف جو محض استفسار کے لئے ہو مذموم نہیں ہے۔

ششم: آں حضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہونے کے باعث اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسنِ ظن ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ تھا نبی کریم کے اصحابِ کرامؓ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر تھے، آں حضرت ﷺ کے بعد سب سے بہتر زمانہ اصحاب کرام کا زمانہ ہے پس اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کاغذ کے لانے سے منع کرنا کفر کے باعث ہوتا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمرؓ کی خلافت پر تنصیص و تصریح نہ کرتے اور مہاجرین و انصار حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے ور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین نہ بناتے۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو بلا تکلف اس شبہ کا اور اس قسم کی دوسرے شبہات کا جواب حاصل ہو گیا بلکہ متعدد اور کئی قسم کی جوابات حاصل ہو گئے، کیوں کہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ متعدد جوابوں میں سے ایک جواب ہے۔ ان تفصیلی مقدمات کے بعد پھر اسی اصولی رنگ میں تحریر فرماتے ہیں:

> اس قسم کی تشکیکات صریحاً جھٹلانے کے قابل ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے باطل کرنے میں لائے گئے ہیں اس ہدایت پر تنبیہات کی قسم سے ہیں۔..... (پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) ہائے افسوس! ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ اکابرِ دین کے لئے گالی نکالیں اور اسلام کے بزرگوں پر طعن لگائیں، حالانکہ فاسقوں اور فاجروں میں سے کسی کے لئے گالی نکالنا اور طعن لگانا یہ درجہ نہیں رکھتا کہ شرع میں عبادت و کرامت و فضیلت اور نجات کا وسیلہ سمجھا جائے، تو پھر دین کے ہادیوں کو گالی دینا اور اسلام کے حامیوں کو طعن لگانا کسی طرح عبادت ہو سکتا ہے۔..... حق تعالیٰ قرآن مجید میں اصحابِ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُم فرماتا ہے، پس ان بزرگوں کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ

عداوت وکینہ کا گمان کرنا نص قرآن کے برخلاف ہے۔ نیز ان بزرگواروں میں عداوت وکینہ کا ثابت کرنا فریقین میں قدح و مذمت پیدا کرتا ہے اور دونوں گروہوں سے امان کو رفع کرتا ہے جس سے اصحاب کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو لوگ تمام بنی آدم سے بہتر تھے، اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ گویا بدترین مردم تھے اور ان کا بہترین زمانہ بدترین زمانہ تھا، اور اس قرن و زمانہ کے لوگ عدوات وکینے سے موصوف تھے۔ کوئی مسلمان اس بات پر دلیری نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس امر کو جائز کہہ سکتا ہے، یہ عقیدہ رکھنا کتنی بڑی گستاخی اور جرأت ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی ہو اور حضرت امیرؓ ان کے پوشیدہ دشمن رہیں۔ اس امر میں فریقین کی مذمت وملامت ہے۔...... حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی لڑنے والے اگرچہ باغی ہیں لیکن وہ سب کے سب صاحبِ تاویل اور صاحبِ رائے واجتہاد تھے، اگرچہ وہ اس اجتہاد میں خطا کار بھی ہوں تب بھی طعن و ملامت اور تفسیق و تکفیر سے دور اور پاک ہیں۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا لَیْسُوْا فَسَقَۃً وَلَا کَفَرَۃً لِمَا لَھُمْ مِنَ التَّاوِیْلِ "ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی وہ نہ فاسق ہیں نہ کافر، کیوں کہ ان کے لئے تاویل ہے"۔

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہئے۔ (۱)

درحقیقت شیعوں کو تمام مطاعن کی حقیقت یہی اور صرف یہی ہے اور اس کے سمجھ لینے کے بعد تشیع کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ تارتار ہوجاتا ہے۔

تقیہ وغیرہ دوسرے معتقداتِ شیعہ پر بھی حضرت مجدد قدس سرہٗ نے واضح طور پر بحث کرکے ان کا رد کیا ہے جو مکتوباتِ شریفہ وردِ روافض میں موجود ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فتنۂ روافض اور اس کے مختلف شعبوں کے خلاف اپنے مستقل رسالہ ردِ روافض کے علاوہ مکتوباتِ

ا۔ دفتر دوم: مکتوب ۹۶

شریفہ میں بھی جو کچھ متفرق طور پر لکھا ہے اگر اس سب کو یکجا جمع کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے، اس ایرانی فتنے کے خلاف اس قلمی جہاد کے علاوہ آپ نے لسانی جنگ بھی بڑی پامردی سے کی ہے اور اگرچہ یہ فتنہ حکومتِ وقت کی آغوش میں پرورش پارہا تھا اور گویا شاہی محل ہی اس کا سرچشمہ بنا ہوا تھا، پھر بھی آپ نے بارہا علی رؤس الاشہاد عام معرکوں اور خاص محفلوں میں مناظروں اور تقریروں کے ذریعہ اس کی تار پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، چناں چہ ردِ روافض کے دیباچے میں وجہ تالیف کے تحت خود حضرت مجدد قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

> بعض شیعہ طلبہ جوان اطراف میں آمد و رفت رکھتے تھے اپنے دلائل پر بڑا فخر و ناز کیا کرتے تھے اور امراء و سلاطین کی مجلسوں میں ان مغالطوں کو پھیلا رہے تھے، فقیر اگرچہ ان مجلسوں اور معرکوں میں زبانی طور پر عقلی و نقلی دلائل سے ان کا رد کرتا رہتا تھا اور شیعوں کی صاف و صریح غلطیوں پر امراء و سلاطین کو مطلع کرتا رہتا تھا لیکن بموجب حدیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہ جب بدعتیں اور فتنے نمودار ہونے لگیں اور میرے اصحاب کو برا کہا جانے لگے تو اہلِ علم پر واجب ہے کہ وہ اپنے صحیح علم کو پیش کریں اور جو عالم ایسا نہ کرے گا اس پر خدا اور تمام بندوں کی لعنت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نیک عمل طاعت و صدقہ قبول نہ فرمائے گا۔ میری رگِ فاروقی حمایتِ اسلامی میں محض اتنی سی تردید جواب پر کفایت نہیں کرسکتی تھی اور میرے سینۂ بے کینہ کی جلن اس سے ٹھنڈی نہ ہوتی تھی اس لئے خاطرِ ناقص میں یہ خیال جم گیا کہ شیعوں کی خرابیوں کا اظہار جب تک قیدِ تحریر میں نہ لایا جائے گا اس وقت تک اس کا کامل فائدہ اور عام نفع نہ ہوسکے گا۔

پس یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہی کی ان مجددانہ مساعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے عام مسلمانوں کو اس سیلابِ عظیم میں بہنے سے بچالیا۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَهٗ وَبَرِّدْ مَضْجَعَهٗ وَاحْشُرْنَا مَعَهٗ بحرمة سيد الاولين والآخرين صلوٰت الله وسلامه عليه وعلىٰ اله واصحابه واهلبيته وذرياته اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين (۱)

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۱۸۰ تا ۲۱۶ ملخصاً و زیادۃً

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ

کے

شواہدِ تجدید

مجددِ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی قدس سرہٗ السامی کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ آپ کے مجددِ الفِ ثانی ہونے کی شہادت دیتا ہے:

سراپا ظاہرش نور ست و جان ست
مپرس از باطنش کآن بے نشان ست

تاہم آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کے چند شواہد بطورِ ایجاز یہاں درج کیے جاتے ہیں ان کی تفصیل اسی کتاب میں اپنے اپنے مقام پر درج ہے۔ ان شواہد کو دو حصوں میں منقسم کر کے درج کیا جاتا ہے۔

اول: آپ کے ذاتی فضائل

۱۔ علومِ ظاہری میں مہارتِ تامہ: حفظِ قرآنِ مجید سے فراغت کے بعد کتبِ درسیہ اور مشہور کتبِ تصوف اپنے والد ماجد سے پڑھیں، پھر مولانا کمال کشمیری سے بعض کتبِ معقولات پڑھیں، شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے کتبِ حدیث کی سند حاصل کی، قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر و حدیث و تاریخ وغیرہ کا درس لیا اور سند حاصل کی، غرض کہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور و مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند لی، آپ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے متبحر عالم تھے۔

۲۔ علومِ باطنی میں حصولِ کمال: طریقۂ چشتیہ و قادریہ اپنے والدِ ماجد سے اخذ کیا اور قادریہ کا خرقۂ خلافت حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے حاصل ہوا، سلسلۂ کبرویہ حضرت مولانا یعقوب

۱۔ مزید تفصیل حیاتِ مبارکہ کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیجیے۔

کشمیری (المتخلص بہ صرفی) قدس سرہٗ سے حاصل کیا۔ پھر سلسلہ نقشبندیہ کی تکمیل حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی احراری دہلوی قدس سرہٗ العزیز سے کی، حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے آپ کی تعریف میں بارہا کلماتِ طیبات ارشاد فرمائے۔

۳۔ تدریسِ کتب و تلقینِ طریقت: آپ نے سترہ سال کی عمر میں جامعِ کمالاتِ ظاہری و باطنی ہو کر کتبِ درسیہ کی تعلیم و طریقۂ باطنی کی تلقین شروع کردی تھی، آپ کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے علما مستفید ہوئے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز کی سندِ حدیث بلادِ پاک و ہند اور جملہ بلادِ اسلامیہ میں جاری و مقبول و معتبر ہے آپ بھی اپنی سندِ حدیث کا اتصال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے کرتے ہیں۔

۴۔ آپ کے آبائے کرام میں بڑے بڑے علمائے کاملین و فقرائے واصلین گزرے ہیں آپ کے والدِ ماجد مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ بڑے جید عالم اور سلسلۂ چشتیہ کے بہت بڑے صاحبِ نسبت بزرگ تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے خلفا میں سے تھے اور سلسلۂ قادریہ میں بھی صاحبِ اجازت تھے تمام کتبِ درسیہ منقولات و معقولات کا درس دیتے تھے اور مریدوں کو فیوضِ باطنی سے سیراب فرماتے تھے۔

۵۔ ظاہری حسن و جمال: حق تعالیٰ نے آپ کو ظاہری و باطنی، صوری و معنوی ہر قسم کے کمالات کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل و صورت ایسی محبوب تھی کہ جو دیکھ لیتا بے اختیار اس کا دل کہتا فتبارک اللہ احسن الخالقین، جبکہ امامِ نماز کے لئے خوبصورت ہونا وجہ ترجیح ہے تو مجددِ وقت کے لئے اجمل و احسن ہونا ضرور وجہ کمال ہوا آپ حسب و نسب میں ہر لحاظ سے ممتاز فائق تھے۔

۶۔ پابندیٔ شریعت کا بے حد اہتمام: اتباعِ سنت کا بے اندازہ جذبہ، بدعات سے بے حد نفرت و احتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھے، ہمیشہ عزیمت پر عمل کرنا اور رخصت کے قریب نہ جانا آپ کا نمایاں شعار تھا، امورِ عادیہ اور معمولی معمولی باتوں میں بھی اتباعِ سنت کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے اور لباس وغیرہ غرض کسی چیز میں بھی آپ کے کسی فعل کا خلافِ سنت ہونا آپ کے کسی مخالف و معاند نے بھی نقل نہیں کیا۔

۷۔ آپ کی کثرتِ عبادت بھی ایک غیر معمولی شان رکھتی تھی، آپ کے شبانہ روز کے معمولات کو الگ باب میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ مزید تفصیل حیاتِ مبارکہ کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیجئے

۸۔ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہ فرماتے تھے، اہل وعیال کی خبر گیری، صاحبزادوں اور مریدوں کی تربیت، علوم شرعیہ کا زبانی و کتابی درس، خطوط کے جوابات وغیرہ اور پھر اپنے نفسِ مبارک کے حقوق، ان سب امور کو روزانہ باحسن وجوہ انجام دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان امور کی ادائیگی کے لئے آپ کے اوقات میں بہت برکت عطا فرمائی تھی جو آپ کی عظیم الشان کرامت ہے۔

۹۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں آپ ایک مامور من اللہ کی سی شان رکھتے تھے، اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر اور نہ کسی کی ایذا رسانی کا خوف ہوتا، کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو اس فریضے کے ادا کرنے سے نہیں روک سکا، ابتدا میں آپ کو بڑے بڑے مصائب برداشت کرنے پڑے اور آپ نے آیۂ کریمہ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱) پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کرنے کے دنیا کے لئے ایک بہترین نمونہ چھوڑا۔

۱۰۔ آپ کے تصرفاتِ باطنی اور کثرتِ ارشاد کو احاطہ کرنا ہمارے لئے مشکل بلکہ محال ہے۔

۱۱۔ آپ کے مکشوفاتِ الٰہیہ اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ومحال ہے اور مکتوباتِ شریفہ ان سے پُر ہیں۔

۱۲۔ آپ کے مکشوفاتِ کونیہ یعنی خوارقِ عادات و کرامات بہ کثرت آپ سے ظاہر ہوئیں، اگرچہ یہ چیزیں کمالاتِ اصلیہ میں سے نہیں ہیں تاہم اتباع شریعت کے ساتھ ان کا موجود ہونا صاحبِ ولایت کی بزرگی کی دلیل ہوتا ہے ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، آپ کی چند کرامات تبرکاً اس کتاب میں درج کردی گئی ہیں۔ (۲)

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مراتب کمالاتِ ولایت و کمالاتِ نبوت و کمالاتِ رسالت و کمالاتِ اولوالعزم و درجاتِ خلت و محبت و اسرارِ ذات و صفات و شئونِ الٰہیہ سے سرفراز فرمایا اور آپ نے ان مقامات کا اظہار فرمایا جن کو پہلے کسی بزرگ نے بیان نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواہبِ لدنیہ و ذواقِ عالیۂ عینیہ کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا جن کا آپ نے خود ذکر فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں کہ جو علوم و معارف مجھ سے ظاہر ہوئے وہ احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور

۱۔ لقمان: ۱۷

۲۔ مزید تفصیل کشف و کرامات کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

ارباب ولایت علمائے ظاہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں، یہ علوم مشکوٰۃِ انوارِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مقتبس ہیں جو کہ الفِ ثانی کے آغاز کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں، ان علوم و معارف کا صاحب اس الف (ہزارِ دوم) کا مجدد ہے الخ (۱)

۱۴۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے واقعے میں بشارت دی کہ آپ علمِ کلام کے مجتہدین میں سے ہیں، اسی وقت سے مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلے میں آپ کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے (۲) اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آپ کی شفاعت سے ہزاروں بندوں کی بخشش فرمائے گا۔ (۳)

۱۵۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز مراقبہ میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے ایک اجازت نامہ لکھ دوں جو آج تک کسی کے لئے نہیں لکھا۔ (۴)

۱۶۔ نیز آں حضرت ﷺ نے آپ کو بشارت دی کہ جس جنازے پر آپ نماز پڑھیں گے اس میت کو بخش دیا جائے گا۔ اور آپ کی شفاعت سے ہزارہا آدمیوں کی بخشش ہوگی (۵)

۱۷۔ آپ کو قرآن مجید کی آیاتِ متشابہات و حروفِ مقطعات کے مطالبِ خفیہ منکشف ہوئے اور آپ نے ہر حرف کے تحت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ پر دلالت کرنے والے علوم کا سمندر پایا کہ اگر ان کا اظہار کیا جائے تو حلقوم قطع کر دیا جائے۔ (۶)

۱۸۔ آپ نے فرمایا میری یہ نسبت میری اولاد کے واسطے سے قیامت تک باقی رہے گی اور حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی اسی نسبتِ شریفہ پر ہوں گے۔ (۷)

قسم دوم: آپ کے تجدیدی کارنامے

۱۔ عامۃ الناس کی روحانی و اخلاقی اصلاح کرنے میں آپ کا مقام نہایت نمایاں ہے۔

۲۔ علمائے سوء کی نشاندہی اور ان کی اصلاح فرمائی اور علماء حق کو ان کا صحیح مقام دلایا۔

۳۔ صوفیائے خام کی نشاندہی اور ان کی اصلاح فرمائی اور صوفیائے ربانی اور اولیائے حقانی

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۴
۲۔ مبدأ و معاد: ۵۴
۳۔ حضرات القدس: ص ۱۹
۴۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۸
۵۔ حضرات القدس۔ مکاشفہ: ۱۸
۶۔ دفتر اول مکتوب: ۲۷۶
۷۔ حضرات القدس: ص ۵۴ و ۵۲

کو ان کا صحیح مقام حاصل ہوا۔

۴۔ گمراہ اور بدعتی فرقوں کی نشاندہی کر کے اور ان کے شروفساد سے مسلمانوں کو آگاہ فرما کر اہلِ سنت و جماعت کے مطابق صحیح عقائد اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی۔

۵۔ باریافتگانِ دربارِ نبوت و سعادت مندان شرفِ صحبتِ رسالت ﷺ کی تحقیر کرنے والوں کی پُرزور مذمت اور نمایاں تردید کی اور اُمت و اربابِ حکومت کو ان کے شروفساد سے آگاہ فرما کر اس سیلابِ بے پناہ سے بروقت بچالیا۔

۶۔ آزاد خیال اہلِ علم و طالبانِ علم کی اصلاح فرمائی، جنہوں نے علومِ عقلیہ دنیویہ ادب و انشا و فلسفہ و تاریخ وغیرہ کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور علومِ نقلیہ شرعیہ سے روگردانی کر کے اپنی عقلوں کو معیارِ شریعت و معیارِ علومِ کون و مکان ٹھہرایا ہوا تھا۔

۷۔ ارکان سلطنت کی ظاہری و باطنی اصلاح فرمائی اور ان میں تبلیغِ اسلام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔

۸۔ بادشاہِ وقت کی اصلاح فرمائی۔(۱) اور جب بادشاہ و ارکانِ سلطنت کی اصلاح ہوگئی تو **الناس علی دین ملوکھم** کے مصداق دوسرے گروہوں کی اصلاح خود بخود بھی ہوتی گئی اس کے باوجود دیگر سب طبقوں کی اصلاح بھی بطور خاص فرماتے رہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

۹۔ آپ کے مکتوباتِ شریفہ جو تقریباً دو سو مختلف اکابرامت و اراکین سلطنت کے نام ہیں ۵۳۶ مکتوبات اور فل اسکیپ سائز کے تقریباً تیرہ سو صفحات کے تین دفاتر پر مشتمل ہیں آپ کی تجدید و احیائے دین کا اعلیٰ ترین کارنامہ اور عظیم ترین شاہکار ہیں جو ان شاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہیں گے اور ان کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ آپ کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ان کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات ہیں جو آپ کے علوم و معارف کا گرانمایہ سرمایہ اور صدقہ جاریہ ہیں۔(۲)

۱۰۔ آپ کی اولادِ امجاد باقیات الصالحات ہیں، اور الحمد للہ، آج تک آپ کی اولاد جہاں کہیں بھی ہے اکثر و بیشتر آپ کے طریقے اور شریعتِ مقدسہ کی پابند ہے اور ان شاء اللہ العزیز تا قیامِ قیامت پابندِ شریعت اور فیوض و برکاتِ ظاہری و باطنی سے ممتاز رہے گی ان میں سے اکثر قربِ الٰہی کے درجاتِ عالیہ پر فائز ہوئے چناں چہ افغانستان میں حضرت نور المشائخ کا خاندان،

۱۔ ملاحظہ ہوں آپ کے تجدیدی کارنامے۔

۲۔ اس کی تفصیل ''تصانیفِ عالیہ'' اور ''مکتوب الیہم'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں

صوبہ سندھ میں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن مجددیؒ صاحب تصانیف اوران کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد حسنؒ مجددی صاحب تصانیف کثیرہ ٹنڈو سائیں دادو گنجہ شریف ضلع حیدرآباد، اور حضرت مولانا نظام الدینؒ مجددی شکارپوری صاحبِ تصانیف کثیرہ وغیرہ حضرات، اور خانقاہ شاہ غلام علی دہلویؒ کے حضرات شاہ ابوسعید وشاہ احمد سعید وشاہ ابوالخیر وغیرہ مجددی حضرات اور خانقاہِ بھوپال کے حضرت شاہ ابواحمد اور خانقاہِ رامپور کے حضرت مولانا ارشاد حسین مجددی حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۱۔ آپ کے خلفا بہ کثرت ہیں جن سے آپ کے بعد بھی آپ کا فیض بدستور جاری رہا اور سلسلہ بسلسلہ آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا، آپ کے سلسلے میں پابندیٔ شریعت واتباعِ سنت بہ درجہ کمال پایا جاتا ہے اور ان شاء اللہ العزیز ہمیشہ موجود رہے گا۔

۱۲۔ آپ کے سلسلۂ عالیہ کا فیض عرب وعجم کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے اور ان شاء اللہ العزیز ہمیشہ پھیلتا رہے گا چناں چہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ مولانا خالد رومی قدس سرہٗ کا فیض بلادِ عرب وروم وشام وغیرہ میں بہ کثرت جاری ہوا اور اب بھی ان کے سلسلۂ عالیہ کے خلفا کا فیض ان ممالک میں جاری ہے اور وہ لوگ نسبتِ سلسلۂ طریقت مولانا خالد کی طرف کرتے ہوئے اپنے آپ کو خالدی مجددی نقشبندی کہتے ہیں اور یہ سب حضرات نہایت درجہ متبع شریعت وسنت ہیں۔ مولانا امین الدین الشہیر بابن عابدین شامی قدس سرہٗ جو ردالمختار شرح درمختار کے مصنف ہیں (جس پر تمام بلادِ اسلامیہ حنفی مذہب کے علما کے فتاویٰ کا دارومدار ہے) اور علماء میں سند المتاخرین کے لقب سے مشہور ہیں آپ بھی حضرت مولانا خالد رومی قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔ آپ نے اپنے پیرومرشد کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی'' ہے یہ مصر میں چھپ چکی ہے۔ اسی طرح دہلی، بھوپال، رامپور، احمد آباد، گجرات، بمبئی، یوپی، سی پی اور ہندوستان کے مختلف مقامات میں اور پاکستان کے صوبۂ پنجاب وسرحد وبلوچستان اور سندھ میں بہ کثرت آپ کے سلسلۂ عالیہ کے اکابر حضرات گذرے ہیں اور فی زمانہ بھی موجود ہیں چناں چہ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں موسیٰ زئی شریف کی خانقاہ کا فیض تمام عالمِ اسلام میں پھیلا ہوا ہے، خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوری نقشبندی مجددی قدس سرہٗ بھی اسی خانقاہ سے فیض یاب تھے حضرت قریشی قدس سرہٗ کا فیض پاک وہند کے علاوہ عالمِ اسلام میں بہ کثرت پھیلا اور آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا عبدالغفور العباسی المدنی قدس سرہٗ نے اپنے مدینۂ منورہ کے تقریباً ۲۴ سالہ قیام کے دوران تمام

بلادہائے عرب و عجم کے مسلمانوں میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تبلیغ فرمائی، چناں چہ تمام ممالک میں آپ کے مریدین و خلفا بہ کثرت موجود ہیں اور فیض کا سلسلہ جاری ہے، اسی طرح دیگر خلفا سلسلۂ عالیہ سے اپنے اپنے علاقوں میں اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں فیوض روحانی جاری ہے اور ان شاء اللہ العزیز تا قیامِ قیامت جاری رہے گا، اللہ تعالیٰ آپ کے سلسلۂ عالیہ کے فیوض و برکاتِ عالیہ سے ہم سب مسلمانانِ عالم کو ہمیشہ ہمیشہ مستفیض فرماتا رہے اور اس پر استقامت نصیب فرمائے اور قیامت کے دن ان بزرگوں کے جھنڈے کے نیچے ہم سب کو جمع فرما کر حضورِ انور ﷺ کے لوائے حمد کے سایہ میں داخل فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین واتباعہ المکرمین ثم آمین۔

جاننا چاہئے کہ امورِ دینیہ کا مدار ان پانچ اصولوں پر ہے: اعتقادات، عبادات، معاملات، عقوبات (حدود و تعزیرات) آداب، اور اعتقادات پانچ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی کتب، انبیا و رسل، اور یوم آخرت پر ایمان لانا۔ اور امورِ عبادات بھی پانچ ہیں یعنی نماز، زکوۃ، روزہ حج اور جہاد۔ اور امور معاملات بھی پانچ ہیں یعنی معاوضاتِ مالیہ (مالی لین دین) مناکحات (نکاح و طلاق وغیرہ) مخاصمات (مقدمات وغیرہ) امانات اور ترکات (وراثتیں)۔ اور عقوبات بھی پانچ ہیں یعنی سزائے قتلِ نفس (قصاص)، سزائے اخذِ مال (حد سرقہ) سزائے ہتکِ ستر (حدِ زنا) سزائے ہتک عزت (حد قذف) اور سزائے قطعِ بیضہ (حد ارتداد)۔ اور آداب چار ہیں، اخلاق حمیدہ، عاداتِ حسنہ، سیاسیات، معاشرات۔ ان پانچ اصولِ امورِ دینیہ میں سے پہلی اصل یعنی اعتقادات کا متحمل علمِ کلام ہے اس کی تفصیل کتبِ عقائد و علم الکلام میں موجود ہے اور اس کے بعد کی تین امور یعنی عبادات و معاملات و عقوبات کا متحمل علمِ فقہ ہے، کتبِ فقہ ان کی تفصیلات سے پر ہیں۔ پانچویں امرِ دین یعنی آداب کی تفصیل کتبِ تصوف و اخلاق میں موجود ہے، کتابِ ہذا اور دیگر کتبِ سیرت حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ میں مکمل حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرتِ موصوف نے دین کے ان تمام اصول و شعب میں نہایت واضح اور نمایاں تجدیدی کردار ادا فرمایا ہے، آپ کی مجددیت، تجدیدی کارنامے، تعلیمات، اولادِ امجاد اور خلفائے عظام وغیرہ عنوانات کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ غرض کہ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے دینِ اسلام کے ہر شعبے میں تجدید و احیائے دین کا کام سر انجام دیا اور آپ ایک جامع مجدد کی حیثیت سے الفِ ثانی (ہزارۂ دوم) کے مجدد مبعوث ہوئے۔

فجزاهم الله عنا خير الجزاء

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ
کے
معترضین اور اُن کی تردید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۝(۱)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے کچھ آدمی اور جن دشمن بنا دیئے جن میں سے بعض دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (۲)

اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لئے مجرم لوگوں میں سے دشمن بنا دیئے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ سنتِ قدیمہ ہے کہ کفار و مشرکین اور منافقین خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے انبیا کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عداوت کرتے رہتے ہیں۔ اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ''یہ جو صوفیائے کرام کے نزدیک مسلّم ہے کہ ہر ولی کسی ایک نبی کے زیرِ قدم ہوتا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ولی کا بھی ایک عدو ہوتا ہے اور اس میں ایسے شخص کی بدحالی کی طرف بھی اشارہ ہے جو اولیا اللہ سے عداوت رکھے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان حضرات کی عداوت سوئے خاتمہ کی علامت ہے (العیاذ باللہ)

روی البخاری رحمہ اللہ عن انس وابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما انہ صلی

۱۔ الانعام: ۱۱۲ ۲۔ الفرقان: ۳۱

اللہ علیہ وسلم قال عن اللہ تبارك و تعالیٰ مَنْ اَهَانَ لِیْ وَلِیًا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحَارَبَةِ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کی اہانت کی اس نے مجھ سے جنگ کی۔

وعن عائشة رضی اللہ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اللہ تعالی مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِیْ الحدیث اخرجه الامام احمد فی مسنده وایضاً عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انّ تعالیٰ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًا فَقَدْاٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ الحدیث رواہ البخاری والامام احمد (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں اس کے لئے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

امام ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ نے زواجر میں فرمایا ''یہ اعلانِ جنگ من جانب اللہ کی سخت وعید سود خوار اور دشمنانِ اولیا کے لئے وارد ہوئی ہے، اس قسم کا شخص فلاح سے محروم ہے۔'' امام زرکشی رحمہ اللہ کا قول بھی اسی قسم کا ہے:

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دُرد کشاں ہر کہ در اُفتاد بر اُفتاد

اولیا اللہ کی تنقیص کرنے والوں سے انتقام لینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ قدیمہ یہ ہے کہ جو شخص کسی عالم کی بے ادبی و گستاخی کرتا ہے اس کا دل طبعی موت سے پہلے مردہ ہو جاتا ہے پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ڈرتے ہیں ان کو چاہئے کہ فتنہ وفسادِ ابتلا اور عذابِ الیم سے خائف رہیں:

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

قوت القلوب میں مرقوم ہے کہ: جو شخص عارفوں کے کسی مقام یا منقبت کا منکر ہوگا اس کا احسن حال ضعفِ یقین اور ابتر حال کفر ونفاق وکینہ ہوگا اس کی سزا محرومی وجد وفقدانِ شہود ہوگی۔

۱۔ التاج: کتاب الزھد والرقاق فی الفصل الخامس، ج ۵

مثل مشہور ہے کہ جہاں پھول ہوتا ہے وہاں کانٹا بھی ہوتا ہے اور جہاں خزانہ ہوتا ہے وہاں سانپ بھی ہوتا ہے، صالحین و مصلحینِ قوم کی مخالفت بعض افرادِ انسانی کی فطرت میں داخل ہوتی ہے یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے، انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بھی ان معترضین کے طعن و تشنیع سے اور ردو انکار سے نہیں بچ سکے حتیٰ کہ ان محرومانِ قسمت نے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے مزعوماتِ باطلہ کا ہدف بنایا۔ ولنعم ما قیل:

قیل ان الالٰہ ذو ولد
قیل ان الرسول قد کھنا
مانجی اللہ والرسول معا
من لسان الوری فکیف انا

ہر زمانے میں جہاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر ایمان لانے والے اور اولیائے عظام قدس اللہ اسرارہم کے دامن سے وابستگی پیدا کرنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں ان حضرات کے مخالفین کی بھی ایک جماعت معرکہ آرائی اور انگشت نمائی پر آمادہ رہتی ہے، ان مصلحین میں سے مجدّدالفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔ معاندین و معترضین نے ان پر جو اعتراضات کئے اور الزامات لگائے ہیں تاریخ ان کج فہموں کی ستم ظریفی کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

عام طور پر معترضین ومخالفین تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک وہ جو عناد کی وجہ سے کسی کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسرے وہ جو اپنی کم فہمی و کم علمی کی بنا پر اپنی ناقص معلومات و مزعومات کو صحیح و برحق سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کے اقوال و تحریرات کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے ان پر اعتراضات کرتے اور اس شخص کی تنقیص و توہین اور مخالفت پر اتر آتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ جو ان دونوں قسموں میں سے نہیں ہوتے بلکہ اپنی سادہ لوحی اور معلومات کی کوتاہی کی وجہ سے ان مخالفین و معترضین سے متاثر ہو جاتے ہیں یا پہلے کسی تعلق سے ان مخالفین کے معتقدین و متوسلین میں شامل ہو جاتے ہیں پھر ان کے ہر قول و فعل کو اپنے لئے حکم قطعی سمجھتے ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کے معترضین میں بھی تینوں قسم کے افراد پائے جاتے ہیں، زمانے کے لحاظ سے بھی ان کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول وہ جنہوں نے آپ کی حیاتِ مبارک میں ہی آپ کی شدید مخالفت کی اور ان میں سے اکثر نے آپ کو ہر قسم کا آزار پہنچانے سے گریز نہیں کیا۔

دوم وہ جو آپ کے وصال کے بعد کے قریبی زمانے میں آپ کے معاندین ومخالفین کے گروہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے یا اس گروہ کی تحریرات سے متاثر ہو کر آپ کی اور آپ کے سلسلۂ عالیہ کے منتسبین کی مخالفت ومتوسلینِ صادقین کی کسی نہ کسی انداز سے مخالفت کرتے رہتے ہیں اور آپ کی تحریراتِ صادقہ واقوالِ حقّہ کی صحیح وواضح اشاعت وتبلیغ کے باوجود اور معترضین کے جوابات کا مدلل تحریری مواد وسرمایہ موجود ہونے کے باوصف اپنے عنادِ طبعی وبغض معاویہ وکجی دماغ کا ثبوت دیتے رہتے ہیں اگرچہ ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں اور عوام وخواص میں ان کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے تاہم یہ لوگ اپنے گمراہ کن زہریلے پروپیگنڈہ سے اہلِ سلاسلِ تصوف کی فضا کو مکدر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ **اعاذنا الله تعالى من مضلات هذه الاشرار ورزقنا اتباع الابرار و الصالحين من امة محمد صلى الله تعالى عليه و عليهم وسلم تسليما كثيرا**

حضرت مجددالفِ ثانی قدس سرہ السامی کے مکتوباتِ شریفہ اور آپ کی دیگر تصانیف عالیہ و ملفوظاتِ غامضہ اور مقاماتِ مرتفعہ (جن پر آپ فائز ہوئے) کا سمجھنا ہی لیاقتِ کاملہ اور عنایتِ الٰہیہ کے بغیر ہر ذی علم اور ہر سالکِ طریقت کے بس کی بات نہیں چہ جائے کہ معمولی علم کا آدمی یا عامی شخص، پھر اُن کی تردید کرنا تو نہایت درجے جہالت، کجی عقل وفہم اور خرابی دماغ کا نتیجہ ہے، اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ کے زمانۂ مبارکہ میں بعض معاندین نے آپ کے مکتوباتِ گرامی کی بعض عبارتوں کی جو تردید کی اس کے دو باعث ہوئے، ایک یہ کہ آپ کا مرید حسن خان افغان کابلی آپ کے کسی متوسل سے ناراض ہو گیا طبیعت میں کجی تھی ناراضی خادم سے تھی مگر خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا اور آپ سے منحرف ہو کر آپ کے مکتوباتِ شریفہ کے کچھ مسودات چرا کر لے بھاگا اور ان میں تحریف وترمیم کر کے ان کے متعدد نقول بغرض افتا عمائدینِ وقت کے پاس بھیج دیں۔ ان محرف تحریرات کو جس نے دیکھا حضرت موصوف سے بدعقیدہ ہو گیا حتی کہ بعض نے ان تحریرات کی تردید بھی لکھی مگر رفتہ رفتہ حسن خاں افغان کی تحریف کا حال لوگوں کو معلوم ہوتا گیا جن حضرات نے غلط فہمی کی بنا پر تردید لکھی تھی انہوں نے حضرت موصوف سے معافی چاہی، حضرتؒ نے ان کو معاف کیا اور اصل حقیقت سے روشناس کرایا جس

سے طرفین میں صفائی قلب ہو کر محبت و مودت راسخ ہوگئی۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی بعض تحریرات کا رد لکھنے والوں میں حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی بھی ہیں جو کہ دیارِ ہند کے مشہور علمائے حنفیہ میں سے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے معاصر ہیں باوجودکہ آپ حضرت موصوف کے پیر بھائی اور حضرت خواجہ رضی الدین محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کے مرید صادق ہیں لیکن اصل مکتوباتِ شریفہ کو ملاحظہ فرمائے بغیر صرف حسن خاں افغان کی محرف تحریرات کو دیکھ کر حضرت موصوف قدس سرہٗ کی تردید میں ایک رسالہ لکھ دیا جب حضرت قدس سرہٗ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اصل مسودات اپنے دستخط کے ساتھ شیخ دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھجوائے اور حسن خاں افغان کی تحریفات سے مطلع کیا، تب شیخِ دہلوی قدس سرہٗ کو اصل حقیقت کا علم ہوا اور حضرت مجدّد قدس سرہٗ کی اصل تحریرات ملاحظہ کیں تو اپنے اس انکار سے توبہ و استغفار کیا اور آپ کی خدمت میں معذرت نامہ لکھا حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کی تعریف و توصیف کی اور آپ کی جانب سے اپنی صفائی قلب کا اظہار فرمایا، چناں چہ حضرت خواجہ حسام الدین احمد قدس سرہٗ خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں یہ مضمون تحریر فرمایا:

> ان ایام میں میاں شیخ احمد سلمہٗ کے بارے میں حد سے زیادہ صفائی باطن حاصل ہوگئی ہے بشریت و جبلت کا کوئی پردہ ہمارے درمیان میں باقی نہیں رہا ہے، معلوم نہیں یہ بات کہاں سے ہے، انصاف کا طریقہ اور عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے بزرگوں اور عزیزوں کی طرف سے بدظن نہیں ہونا چاہئے، ذوق و وجدان و غلبہٗ حال کے طور پر میرے باطن میں ایک ایسا اثر پیدا ہوا ہے کہ زبان اس کو بیان نہیں کرسکتی اللہ تعالیٰ مقلب القلوب اور مبدل الاحوال ہے۔

اور شیخ دہلوی موصوف اپنے ایک طویل مکتوب گرامی میں اپنی اولاد کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے جو مسودات میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراضات کے طور پر لکھے ہیں سب کو پانی سے دھو ڈالیں جو غبار کہ ان کے بارے میں میری دل میں آیا تھا وہ صاف ہوگیا ہے۔

ہدیۂ مجددیہ صفحہ ۱۰۵ پر ہے کہ حضرت شاہ فتح محمد فتح پوری چشتی قدس سرہٗ اپنی کتاب مناقب العارفین میں لکھتے ہیں کہ ''میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کو جو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ سے اختلاف تھا اس کے بارے میں تفتیشِ حال کے لئے دہلی گیا اور شیخ دہلوی کے صاحبزادے شیخ نورالحق دہلوی سے ملاقات کرکے اس معاملے کے متعلق استفسار کیا اور یہ بات

تحقیق ہوئی کہ قومِ افغان کا ایک شخص تھا جس کا نام حسن خاں تھا اور حضرت شیخ مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ کا مرید تھا اس نے کسی بات پر آپ سے ناراض ہو کر آپ کے ان مکتوبات میں جو اس کے پاس تھے تحریف کر کے اس محرف مسودہ کی بیس نقلیں کرائیں اور جگہ جگہ ہندوستان وافغانستان کے مشہور علما و مشائخ کے پاس فتویٰ کے لئے بھجوائیں۔

جب ایک نقل شیخ دہلوی قدس سرہٗ خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو پہنچی تو بہت غضب ناک ہوئے اور ان اقوال کے رد میں ایک مکتوب حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کی خدمت میں لکھا اور اس میں بہت زجر و توبیخ کی۔ اس کے جواب میں حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے اپنے دستخط کے ساتھ اپنے اصل مسودات حضرت شیخ دہلوی قدس سرہٗ کے پاس بھجوائے اور تحریر فرمایا کہ معاذ اللہ جو مجھ سے اس قسم کے کلمات صادر ہوئے ہوں، میرے ایک مرید نے طریقت سے مردود ہو کر یہ فتنہ برپا کیا ہے اور مجھ کو ہر پیر و جوان کا ہدف بنایا ہے آخر وہ میری بددعا میں گرفتار ہو کر بخارا میں ارتداد کی تہمت میں قتل کر دیا گیا ہے۔ حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد شیخ دہلوی قدس سرہٗ نے حضرت مجدّد قدس سرہٗ کی تعریف و توصیف اور اس حقیقت سے عدم آگاہی اور اپنی غلطی کی عذر خواہی کا ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے، چناں چہ شیخ دہلوی قدس سرہٗ کا وہ دستخطی مکتوب میں نے دیکھا ہے۔

حضرت شیخ دہلوی قدس سرہٗ کی صفائی خاطر اور مسوداتِ ناشائستہ کے دھو دینے کا ارشاد فرما دینے کے بعد اب اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ شیخ کے رسالے کا رد لکھا جائے اور باوجود کہ اولادِ شیخ موصوف نے اپنے والد کے ارشاد کی تعمیل ضرور کی ہوگی لیکن پھر بھی وہ مسودہ کسی دوسرے ذریعے سے باقی رہا ہوگا جس کی بنا پر بعد کے معاندین کو مخالفت میں لکھنے کا اور حضرت مجدّد قدس سرہٗ کے متوسلین کو رسالہ مذکورہ کے رد میں لکھنے کا سبب بنا، چناں چہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ العزیز نے بھی شیخ دہلوی قدس سرہٗ کے رسالے کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ حسن خاں افغان مذکور کی حکومت کے داہنے بازو کے ساتھ سازش کا حال ''دعوت و تجدید کے پس منظر'' میں معاندین کی سازش کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت کا دوسرا باعث یہ ہوا کہ جب آپ کی ذاتِ بابرکات سے کراماتِ ظاہرہ و کمالاتِ باہرہ کا اظہار ہوا، سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نور ہر طرف پھیلا شرک و بدعت کی ظلمت دور ہوئی اور آپ کا شہرہ عالم گیر ہوا تو بعض بے دینوں اور

حاسدوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی، یہ لوگ آپ کے کلام معجز نظام کی تردید میں کوشش کرنے لگے چناں چہ ایک بد باطن شخص محمد صالح گجراتی نے ایک رسالہ بنام اشتباہ لکھا اور محمد عارف و عبداللہ سورتی کو بہکا کران سے کچھ روپیہ فراہم کر کے سید محمد برزنجی مدنی کے پاس مدینہ منورہ پہنچا اس کو بطورِ رشوت وہ رقم پیش کی، حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے مکتوباتِ شریفہ کی ان محرف عبارتوں کا رد لکھوایا اور اس کا نام ایرادات البرزنجی رکھا، ایرادات البرزنجی ایک نہایت ہی غیر معتبر اور بالکل بے حقیقت رسالہ تھا اس لئے حرمین شریفین کے تمام علما نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے سے کلیتًا انکار کر دیا تھا، بل کہ فاضلِ جلیل عالمِ نبیل علامۂ وقت شیخ نور الدین محمد بیگ قدس سرہٗ نے رد برزنجی میں ایک رسالہ لکھا اس رسالے کی صحت پر علمائے حرمین شریفین مثل شیخ عبداللہ آفندی و شیخ احمد البشبیشی وسیّد اسعد المفتی المدنی الحنفی وامام العلی الطبری المفتی الشافعی وعبدالرحمٰن ابن محمد الصالح امام المالکی ومحمد بن القاضی الحنفی وشیخ حسن حنفی ومرشد الدین بن احمد المرشدی نے دستخط کئے اور مہر تصدیق ثبت کی، اور شیخ معظم عالمِ محترم سید محمد آفندی وشیخ الاسلام مفتی مکہ معظمہ مذہب حنفیہ شیخ عبداللہ آفندی عتاقی زادہ وغیرہ نے تقریظیں لکھیں اور اس معاملہ کی تعقیب کی۔

ان کے مضمون کا نہایت مختصر ماحصل یہ ہے: شیخ صالح جو کہ گجراتی ہے یا اورنگ آبادی اور اس کے اتباع محمد عارف وعبداللہ سورتی نے عالمِ ربانی عارفِ حقانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی کے مکتوبات قدسی آیات کی کچھ عبارتوں میں تحریف وکمی بیشی کر کے اور عربی ترجمہ کرا کر بہ ہمراہی زرِ کثیر سیّد محمد برزنجی مدنی کے پاس رد لکھنے کی غرض سے بھیجیں، برزنجی مذکور نے طمعِ نفسانی کی بنا پر رد لکھ دیا اور علما ومفتیانِ حرمین شریفین کی خدمت میں بغرضِ تائید وتصدیق پیش کیا لیکن ان سب حضرات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کر دیا اور فاضلِ اجل عالمِ باعمل شیخ نور الدین محمد بیگ نے فوراً حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے اصل مکتوبات ہندوستان سے منگا کر مقابلہ کہ کیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ تحریرات جن کا رد برزنجی مذکور نے لکھا تھا محرف عبارتیں تھیں اور حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کا اصل کلام معجز نظام درحقیقت معارف وحقائق کا گنجینہ اور شرائع واحکام کا خزینہ ہے ایسے کلام کی تردید کرنا واضح ضلالت اور کھلی گمراہی ہے۔

چناں چہ شیخ نور الدین محمد بیگ مذکور نے برزنجی کی رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اصطلاحاتِ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم ومقاصد حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ وحلِ اشکالاتِ معترضین وغیرہ کو باحسن طریق پیش کیا، ان مکتوبات قدسی آیات کو اپنا دستور العمل قرار دینا

چاہئے۔

جب حرمین شریفین کے تمام علماء مفتیان و قاضیان نے برزنجی مذکور کے رسالے پر مہر و دستخط ثبت کرنے سے انکار کردیا تو ناچار ایسے سوقیانہ لوگوں سے جو کوئی شہرت و تعارف نہیں رکھتے تھے اپنے منشا کے مطابق ان کے مہر و دستخط سے مسجل کرا کر وہ رسالہ گجراتی کے پاس بھجوادیا۔ گجراتی نے اس کے شبہات کا ترجمہ کرا کر مزید امور کا اضافہ کیا اور اس کا نام ''مکاشف الاسرار'' رکھا لیکن سوائے چند گم راہ لوگوں کے کسی نے اس کے اس رسالے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جس سے وہ رسالہ خود بخود ناپید ہو گیا۔

نیز ایرادات البرزنجی کا رد جناب مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمہ اللہ نے فاضلانہ عربی میں تحریر فرمایا اس کا نام ''الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی'' ہے اور باہتمام مولانا عبدالاحد رحمہ اللہ مالک مطبع مجتبائی رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ نیز جناب مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمہ اللہ نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے رسالے اور دیگر لوگوں کے اعتراضات کی تردید میں بھی ایک ضخیم رسالہ ''ہدیۂ مجددیہ'' تحریر فرمایا جو ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ دونوں کتابیں بھی مطبع مجتبائی دہلی سے باہتمام مولانا حاجی عبدالاحد رحمہ اللہ مالک مطبع علی الترتیب ۱۳۰۹ھ و ۱۳۱۲ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ غلام علی قدس سرہٗ نے حالات مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہٗ کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ محمد فرخ قدس سرہٗ نبیرہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی بددعا سے سید برزنجی سمندر میں ڈوب گیا۔ خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۲۵ پر بھی شیخ محمد فرخ قدس سرہٗ کے حالات میں یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے۔

حضرت خواجہ شیخ محمد فرخ نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اور دوسرے معترضین کے رد میں **کشف الغطاء عن اذهان الاغبیاء** تصنیف فرمائی نیز حضرت مخدوم محمد معین تتوی صاحب دراسات اللبیب نے بھی جملہ معترضین کے رد میں **بهجة الانظار فی برات الابرار** تحریر فرمائی۔

یہ دونوں کتابیں نہایت جامع، مدلل، مفصل اور ضخیم ہیں لیکن افسوس کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں اور ان کے قلمی نسخے مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی کے پاس موجود ہیں۔

نیز جن دنوں حضرت سید آدم بنوری قدس سرہٗ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں مقیم تھے ایک شخص شیخ

احمد قشاشی بھی جو کہ مدینہ منورہ میں مقیم تھا حضرت سیّد آدم بنوری قدس سرہٗ کی مقبولیتِ عامہ کو دیکھ کر حسد کرنے لگا اور حضرت سید موصوف کے مکشوفات اور ملفوظات پر اعتراضات کرنے لگا، کافی عرصے تک چھیڑ چھاڑ کرتا رہا اور حضرت موصوف باحسن طریق اس کا دفاع کرتے رہے آخر شیخ قشاشی اہلِ مدینہ میں مطعون وشرمندہ ہوا اور خاص وعام میں اس کا حسد وعداوت ظاہر ہوگیا۔

پھر جب تک سیّد صاحب موصوف زندہ رہے قشاشی کی طرف سے کوئی آواز وحرکت وسوال ظاہر نہ ہوا کیونکہ وہ عداوت کے ساتھ مشہور ہوگیا تھا اس لئے کوئی شخص اس کی بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ سیّد صاحب موصوف کی وفات کے بعد قشاشی نے ایک رسالہ لکھا جو سراسر کذب وافترا پر مبنی تھا اس کا نام اسرار المناسک رکھا، اہلِ مدینہ پر اس کو ظاہر نہیں کیا بلکہ پوشیدہ طور پر ہندوستانی لوگوں کو دکھایا اور لکھ کر ان کو دے دیا اور ان کو لالچ دے کر اس رسالے کی اشاعت کرائی۔ آخر سیّد صاحب موصوف کی وفات کے سات سال بعد جب اس رسالہ کی حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو ملا نافع نے جو مدینہ منورہ کے بہت بڑے عالم تھے مجمع عام میں کھڑے ہوکر اس کی تردید کی اور اس وقت سے بفضلہٖ تعالیٰ یہ رسالہ بھی ہباءً منثورا ہوگیا۔

نیز بعد کے زمانے میں ایک شخص عبداللہ المعروف بہ عبدی خویشگی خلیفہ چشتی قصوری نے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اور آپ کی اولاد وخلفا کے خلاف جابجا الزام تراشی کی ہے۔ ایسے لوگوں کی عداوت محض جہالت اور ہوا پرستی پر مبنی ہوتی ہے، آج اس زہر آلود اور خلافِ حق مواد تک رسائی کا واحد ذریعہ عبدی ہی کی تصانیف ہیں ورنہ یہ مواد آج تقریباً ناپید ہوتا۔ عبدی نے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کی کوئی تصنیف بھی ایک طالب علم کی حیثیت سے نہیں پڑھی بلکہ ایک مخالف کی طرح کتاب کے جستہ جستہ مقامات دیکھ کر مخالفت کے جوش میں کچھ سے کچھ لکھ دیا ہے۔ عبدی کے اعتراضات کا واحد ماخذ اس کے عہد کی ایک ناپاک کتاب ''کاسر المخالفین'' ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ اور آپ کے متبعین کے رد میں لکھی گئی تھی، اس کتاب کے محرف اقتباسات ہی اس کی معلومات کا واحد ذریعہ ہیں۔

نیز حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ سے عبدی کے عناد ومخالفت کے چند وجوہ معلوم ہوتے ہیں:

اول یہ کہ وہ شیخ نعمت لاہوری کا شاگرد ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تکفیر کے فتوؤں میں شریک رہا ہے۔

دوم عبدی کے مشائخ و مصاحب اکثر غالی وحدۃ الوجودی صوفیہ ہیں۔

سوم عبدی کے شیوخ میں سے شیخ عبداللطیف برہانپوری ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ و حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ سے نسبت رکھنے والوں کو نعوذ باللہ ملحد و زندیق کہتا تھا۔

چہارم قاضی نورالدین قاضی قصور نے بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلاف فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کی تھی، عبدی اس کی صحبت میں رہا ہے۔

پنجم عبدی قصور سے بسلسلۂ ملازمت اورنگ آباد (دکن) چلا گیا تھا جو خاندانِ مجددیہ کی مخالفت کا مرکز رہا تھا، خاندانِ مجددیہ کے شدید ترین دشمن و مخالف سیّد محمد بن سیّد رسول برزنجی کی اولاد اورنگ آباد میں آکر مقیم ہوگئی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلاف زیادہ تر مواد عبدی کی کتاب ''معارج الولایت'' ہی میں ملتا ہے، یہ کتاب اس نے ۱۰۹۶ھ میں اورنگ آباد ہی میں مکمل کی اور مذکورہ مخالف مواد معارج الولایت کے بالکل اختتام ہی میں درج ہے۔

ششم شیخ ابن عربی سے گہری عقیدت اور اپنے مشائخ سے موروثی اکتسابی طور پر نظریہ توحید وجودی پانے کے باعث غلو و غیر سلامتی کی راہ پر گام زن ہوگیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت اختیار کی (واللہ اعلم بالصواب)

غرض کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے فرزندان حضرت شاہ محمد یحییٰؒ وغیرہ اور آپ کے پوتوں حضرت خواجہ محمد فرخؒ و حضرت خواجہ عبدالاحدؒ اور دیگر مخلصین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ و قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہ نے بھی معترضین کا رد کیا ہے، نیز حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی ایک رسالہ در دفع اعتراضات بر بعض عبارات حضرت مجدد الفِ ثانیؒ (در آخرِ فتاویٰ عزیزی) لکھا ہے جو نہایت مدلل و مسکت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادت مستمرہ اپنے انبیا کے ساتھ رہی ہے اس کو اس نے حضرت مجددؒ کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہا نے آپ کا انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے حسنات میں اضافہ ہو، مومن ہی کو آپ کو محبت ہوگی اور شقی فاجر ہی کو آپ سے عداوت ہوگی۔(۱)

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے مکتوباتِ شریفہ کی بعض عبارتوں پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ

۱۔ ماخوذ از رسالہ ترجمہ احوال الامام الربانی بر حاشیہ مکتوبات عربی ترجمہ

یا تو عناد کی بنا پر ہیں یا اہلِ تصوف کے اصول و اصطلاحات اور ان کے علوم و معارف سے ناواقفیت کی بنا پر اور ان مقاماتِ عالیہ پر نارسائی کے باعث ہیں اس قسم کے جس قدر اعتراضات حضرت موصوف کی حیاتِ مبارکہ میں کئے گئے اور آپ کو ان کی اطلاع ہوئی تو ان کا مدلل و شافی و تسلی بخش جواب آپ نے خود بہ نفس نفیس اپنے مکتوبات کے ذریعہ یا کمالا یخفیٰ علی من طالعہا۔ جس کے بعد اہلِ علم و فہم حضرات کی تشفی ہوگئی اور اکثر و بیشتر یہ فتنہ اسی زمانے میں فرو ہوگیا لیکن بعض معاندین و نافہم لوگوں نے آپ کے بعد بھی اس فتنے کو زندہ کرنے کی کوشش کی ان کا دفاع آپ کے منتسبین نے بطریقِ احسن کیا۔

پس الحمد للہ آپ کے بعد کے قریبی زمانے ہی میں یہ فتنہ تقریباً ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا اور اب تک بفضلہٖ تعالیٰ کسی کو مزید شورش پیدا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی لیکن کبھی کبھی بعض تصوف و طریقت سے بے بہرہ لوگ سابقہ نظریاتِ ضالہ کے مدفون مُردے اکھاڑنے کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنانے کے لئے بے ہنگام باتیں لکھ دیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کا اچھی طرح سے رد کر کے ان کا منہ بند کر دیتے ہیں، چناں چہ ہمارے زمانے میں بھی ایک معروف مصنف نے اپنی کتاب میں اس قسم کی گستاخی کی جرأت کی تھی جس کا مدلل و مسکت جواب محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرما کر شائع کیا اور الحمد للہ کہ مصنف مذکور نے اپنی اس کتاب کے نئے ایڈیشن میں کافی حد تک اپنے مضمون کی اصلاح کر کے اپنی عاقبت کے دامن سے اس آلودگی کو دور کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مزید ہدایت و توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب مسلمانانِ عالمِ اسلام کو اہل اللہ و مشائخ کرام قدس اللہ اسرارہم کی اہانت اور ان کے متعلق بدظنی سے اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیشہ مستفیض ہونے کی توفیق نصیب فرما کر ان حضرات کے زمرے میں محشور فرمائے آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت سے قطع نظر بعض حضرات سرے سے تصوف اور اہلِ تصوف ہی کے منکر پائے جاتے ہیں اُن کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ:

حدیثِ عشق چہ داند کسے کہ در ہمہ عمر
بسر نکوفتہ باشد درِ سرائے را

وما علینا الا البلاغ، واللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی تعلیمات آپ کے مکتوباتِ قدسی آیات کی روشنی میں

عقائدِ حقہ کی تعلیم

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی نے اپنے مکتوبات نمبر دفتر اول، ۲۶۶۔ دفتر دوم، ۶۷۔ اور دفتر سوم، ۱۷ میں عقائدِ اہل سنت و جماعت کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ ان مکتوبات کا مطالعہ عقائد کی درستی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مکتوبات میں عقائد کے متعلق مختلف عنوانات کا مفصل ذکر ہے، چناں چہ حسب توفیق کچھ عنوانات کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ مؤلف

توحید

توحید کی تعریف

توحید سے مراد یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ کرنے سے بالکل خالی ہو جائے جب تک دل ماسوائے حق میں گرفتار ہے اگرچہ بہت ہی تھوڑا سا ہو وہ شخص توحید والوں میں سے نہیں ہے، (توحید کی) اس دولت کے حاصل کئے بغیر ایک کہنا اور ایک جاننا ارباب اصول کے نزدیک فضول ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں واحد ہے

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ وتقدس بہ ذاتِ خود موجود ہیں اور تمام اشیا اسی کی ایجاد سے موجود ہیں،

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۱

اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے اور فی الحقیقت کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے، مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون اور بے چگون ہیں اور ممکنات کی صفات اور افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے، مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفتِ قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے، اگرچہ وہ تکثر وتعدد تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہو کیوں کہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل اور ابد کے معلومات منکشف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ تمام اشیا کو ان کے موافق ومخالف احوال کے ساتھ کلی اور جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوص اوقات کے ساتھ آنِ واحد بسیط میں جانتا ہے (چند سطروں کے بعد) اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آنِ واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیوں کہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے (پھر ایک صفحے سے زیادہ کے بعد ہے) اور اسی طرح حق تعالیٰ کا کلام ایک ہی کلامِ بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اُسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے، اگر امر ہے تو وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر اعلام (خبر دینا) ہے تو وہیں سے ماخوذ ہے اور اگر استعلام (خبر دریافت کرنا) ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر تمنی (خواہش) یا ترجّی (امید) ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔(۱)

کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی روح

اور قرآن مجید کی تلاوت یا طولِ قرأت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا یا کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرنا، ان تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہیں، اور کلمۂ لا سے اپنے نفس کی خواہشات کے معبودوں کی نفی کرنی چاہئے اور اپنی تمام مرادوں اور مقاصد کو دور کرنا چاہئے، اپنی مراد کا طلب کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے۔ سینے کی وسعت میں کسی مراد کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے اور کوئی ہوس قوتِ خیالیہ میں نہیں رہنی چاہئے، تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو جائے۔ اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولیٰ کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور خود مولیٰ بننے کا اثبات ہے، اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے اپنی الوہیت کے دعوے کی نفی کر دو تا، کہ تمام ہوا وہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ اور طلبِ مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے۔ (اسی مکتوب میں کچھ آگے فرماتے ہیں) تمام نفسانی خواہشوں کو جو

ا۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

جھوٹے خدا ہیں لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد سینے میں نہ رہنے دو، حتیٰ کہ میری خلاصی بھی جو اس وقت تمہارے اہم مقاصد میں سے تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادے پر راضی رہو اور کلمۂ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیبِ ہویت کے سوا جو تمام معلومات و متخیلات کے وراالورا ہے کچھ نہ رہے۔(۱)

خلقتِ انسانی سے مقصود

خلقتِ انسانی سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف کامل طور پر متوجہ ہونا ہے اور یہ مطلب اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ظاہری اور باطنی طور پر سید الاولین والآخرین ﷺ کی کامل تابع داری نہ کریں، حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو قول و فعل اور ظاہر و باطن میں عملی اور اعتقادی طور پر آں حضرت ﷺ کی کامل تابع داری عطا فرمائے، آمین یارب العالمین

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست
بے دولت است آنکہ ہیچ اختیار کرد

حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ مقصود ہے وہی معبود ہے، غیر کی عبادت سے اس وقت نجات ملتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کے سوا کچھ مقصود نہ رہے۔(۲)

ماسویٰ اللہ کے ساتھ قلبی تعلق تمام باطنی امراض کی جڑ ہے

باطنی امراض کی جڑ اور اندرونی بیماریوں کا سردار، دل کا ماسوائے حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار ہونا ہے، جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر آزادی حاصل نہ ہو جائے (ایمان کی) سلامتی محال ہے، کیوں کہ شرکت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اعلیٰ میں ہرگز دخل نہیں ہے:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

خبردار! اللہ تعالیٰ کے لئے خالص دین ہی ہے

پس جب شریک کو (محبت میں) غالب کر لیا جائے تو وہاں ایمان کا کیا حال ہوگا، یہ کس قدر بے حیائی ہے کہ غیر کی محبت کو اس قدر غالب بنا لیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے مقابلے میں معدوم یا مغلوب ہو جائے، اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (حیا ایمان کی ایک فرع ہے) میں شاید اسی حیا کی طرف اشارہ ہو۔ اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر بھول

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۱۰

جائے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ تکلف سے بھی اشیا کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ پس اشیا کی گرفتاری کی اس مقام میں کیا مجال ہے اس حالت کو اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے۔(۱)

مخلوق کے لئے خالق کی صفات ثابت کرنا شرک ہے

میرے مخدوم! آپ کو معلوم ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشا ہے، وجود واجب جل شانہٗ کے لئے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے، تا کہ تمام خیر و کمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر و کمال کو اس کی طرف راجع کرنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کے مُلک و مِلک میں اس کو شریک بنانا ہے۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و فعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسما و صفات میں الحاد و شرک ہے۔(۲)

شرک سے بچنے کی تاکید

جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو پھر عورتوں کی بیعت شروع فرمائی، آں حضرت ﷺ نے عورتوں کو صرف قول ہی سے بیعت فرمایا، آں حضرت ﷺ کا ہاتھ بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک ہرگز نہیں پہنچا، چوں کہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ردّی اور بیہودہ اخلاق زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لئے مردوں کی بیعت کی نسبت عورتوں کی بیعت میں زیادہ شرائط کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے امر کو بجالانے کے لئے عورتوں کو اس وقت ان بری عادتوں سے منع فرمایا ہے، شرطِ اول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا چاہئے، نہ ہی وجوبِ وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں۔ جس شخص کے اعمال ریا و سمعہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنے سے خالی نہ ہوں اگر چہ وہ طلب قول اور ذکرِ جمیل سے ہو، وہ شخص دائرۂ شرک سے باہر نہیں ہے اور وہ شخص موحد و مخلص بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلشِّرکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَخفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ الَّتِیْ تَدُبُّ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّظْلِمَۃٍ عَلٰی صَخْرَۃٍ سَوْدَآءَ(۱)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۰۹ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۱

۳۔ ۱۔ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا۔ الترغیب والترہیب

میری امت میں شرک اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چلتی ہے۔

لافِ بے شرکی مزن کاں از نشان پائے مور
در شبِ تاریک بر سنگِ سیہ پنہاں تر است

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شرکِ اصغر سے بچو، صحابہؓ کرامؓ نے عرض کیا کہ شرکِ اصغر کیا ہے آپ نے فرمایا ''ریا'' شرک وکفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہلِ شرک میں سے ہے اور اسلام وکفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے، کفر سے بے زار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے(۱)

اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے

مرزا بدیع الزماں رحمہ اللہ نے اپنے کسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو ایک فقرے میں ''خدیو نشأ تین'' سے خطاب کیا تھا جس کی معنی ہیں ''بادشاہ دو جہاں'' حضرت موصوف یہ کلمۂ شرکیہ برداشت نہیں کر سکے اور ان کو اپنے مکتوب گرامی میں تنبیہ فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں:

''اے سعادت مند عزیز! آپ کے مکتوب کے کسی فقرہ میں لکھا ہوا تھا ''خدیو نشأ تین'' یعنی دونوں جہان کے بادشاہ، یہ ایسی نعت اور تعریف ہے جو حضرتِ واجب الوجود جل شانہٗ کے لئے مخصوص ہے، بندۂ مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت کرے اور خداوندی کا راستہ اختیار کرے، خاص کر عالمِ آخرت میں کہ حقیقی ومجازی مالکیت اور ملکیت حضرت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے لئے مخصوص ہے حضرت حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ یعنی آج کے دن کس کا ملک ہے پھر خود ہی اس کے جواب میں ارشاد فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی آج کے دن کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اس روز بندوں پر ڈر اور خوف چھایا ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔(۲)

پروردگارِ عالم کی عبادت اور ہندوؤں کے جھوٹے خداؤں سے بچنا چاہیے

جان لیجئے اور آگاہ ہو جایئے کہ ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام جہان والوں یعنی آسمانوں اور زمینوں اور عالمِ اعلیٰ واسفل سب کا پروردگار صرف ایک ہی ہے اور وہ بے چون وبے چگون (بے

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۴۷

مثل و بے مثال) ہے، شِبہ و مانند سے منزّہ اور شکل و مثال سے مبرّا ہے، پدر و فرزند ہونا اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے، اس بارگاہ میں ہم سر اور ہم مثل ہونے کی کیا مجال ہے، اتحاد و حلول کی آمیزش اس کی شان میں عیب ہے اور کمون و بروز یعنی حلول و نزول کے ذریعے پوشیدہ و ظاہر ہونے کا گمان اس جنابِ پاک کے حق میں قبیح ہے وہ زمانی نہیں ہے، کیوں کہ زمانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور نہ وہ مکانی ہی ہے، کیوں کہ مکان اسی کا بنایا ہوا ہے، اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کے بقا کی کوئی انتہا نہیں۔ سب قسم کا خیر و کمال اسی کی ذات میں ثابت ہے، اور سب قسم کا نقص و زوال اس سے مسلوب ہے، پس عبادت کے لائق وہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔

رام و کرشن وغیرہ جو ہندوؤں کے معبود ہیں اس کے ادنیٰ مخلوقات میں سے ہیں اور ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں، رام جسرتھ کا بیٹا اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے، جب رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کرسکا تو پھر وہ دوسرے کی کیا مدد کرسکتا ہے، عقل دور اندیش سے کام لینا چاہئے (چند سطروں کے بعد) ہمارے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گزرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی ہے اور غیر کی عبادت سے منع کیا ہے اور اپنے آپ کو بندہ اور عاجز جان کر اس کی ہیبت اور عظمت سے ڈرتے اور کانپتے رہے ہیں، اور ہندوؤں کے معبودوں نے مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی اور اپنے آپ کو معبود سمجھا ہے، اگرچہ پروردگار کے قائل ہیں، لیکن اپنے آپ میں اس کا حلول و اتحاد ثابت کیا ہے اور اسی وجہ سے خلق کو اپنی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور اپنے آپ کو معبود کہلایا ہے اور بے کھٹکے محرمات میں پڑے ہیں اس خیال سے کہ معبود کے لئے کوئی چیز منع نہیں ہے اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے۔ اس قسم کے بیہودہ اور فاسد خیالات بہ کثرت رکھتے ہیں، یہ لوگ خود بھی گم راہ ہیں اور انہوں نے اوروں کو بھی گمراہ کردیا، برخلاف پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کہ انہوں نے جن باتوں سے مخلوقات کو منع کیا ہے ان سے اپنے آپ کو بھی پورے اور کامل طور پر باز رکھا ہے اور اپنے آپ کو تمام انسانوں کی طرح انسان ہی کہتے رہے:

بہ بین تفاوتِ راہ از کجا ست تا بکجا۔(۱)

بتوں اور طاغوت سے استمداد اور کافروں کی رسمیں بجالانا عین شرک ہے

دکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے بتوں اور طاغوت (شیطانوں) سے مدد مانگنا

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۶۷

جس کا جاہل مسلمانوں میں عام رواج ہوگیا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور تراشے ہوئے و ناتراشیدہ پتھروں سے اپنی حاجتیں مانگنا، واجب الوجود (حق تعالیٰ) جل شانہٗ کا صاف صاف انکار اور عین کفر ہے، اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يُرِيدُونَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالاً م بَعِيْداً

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں حال آں کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس سے انکار کریں، اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کردے۔

اکثر عورتیں انتہائی جہالت کی وجہ سے اس قسم کی منع کی ہوئی مدد طلبی میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمی اسموں سے بلیات و مصائب کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں، خاص کر مرضِ جُدری کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا اور چیچک (اور ماتا) کہتے ہیں نیک و بد سب ہی عورتوں سے یہ بات مشاہدے میں آتی ہے، شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان کی مشہور رسموں کو بجالانا سراسر شرک ہے، جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں و مشرکوں کی طرح ہدیے اور تحفے بیٹیوں اور بہنوں کی بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کفار کی طرح اپنے برتنوں کو رنگ کرکے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بتاتی ہیں یہ سب شرک اور دینِ اسلام کا کفر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ اَكْثَرُهُمْ مُشْرِكُوْنَ

اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر یہ کہ وہ شرک بھی کرتے ہیں۔

مشائخ کی نذر کر کے حیوانات کو قبروں پر جا کر ذبح کرنے کا حکم

(اس کے بعد فرماتے ہیں) اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں روایاتِ فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے، جو ممنوع شرعی ہے اور

شرک کے دائرے میں داخل ہے، اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں شرک کی بُو پائی جاتی ہے۔ نذر اور منت کے طریقے اور بہت سے ہیں، کیا ضرورت ہے کہ حیوان کے ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اس کو ذبح کر کے جن کے ذبیحوں سے ملائیں اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔(۱)

پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزے رکھنا

اسی قسم سے عورتوں کے روزے بھی ہیں جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں، اکثر ان کے ناموں کو اپنی طرف سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں، اور افطار کے وقت ہر خاص روز کے لئے ایک مخصوص طریقہ مقرر کرتی ہیں اور ان روزوں کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں، وہ اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلے سے ان (پیروں و بیبیوں) سے مرادیں مانگتی ہیں اور اپنی حاجات کا روا ہونا (مراد ملنا) ان ہی کی طرف سے سمجھتی ہیں، یہ عبادت میں شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلے سے غیر اللہ سے اپنی مرادوں کا طلب کرنا ہے، اس فعل کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے، حال آں کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (۲)

یعنی روزہ خاص میرے ہی لئے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اگر چہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں ہے لیکن روزے کی تخصیص اس عبادت کے بلند شان ہونے کے باعث ہے، جس میں تاکید کے ساتھ شریک کی نفی کی گئی ہے، اور یہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ یہ ان کا حیلہ اور بہانہ ہے اگر یہ اس امر میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کو معین کیوں کرتی ہیں اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی بری وضعوں کا تعین کیوں کرتی ہیں۔ اکثر اوقات افطار کے وقت محرمات کی مرتکب ہوتی ہیں اور حرام چیز سے افطار کرتی ہیں اور بلا ضرورت سوال و گدائی کر کے اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا اس حرام فعل کے کرنے پر موقوف جانتی ہیں، یہ سب گم راہی اور شیطانِ لعین کا مکر و فریب ہے

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۱ ۲۔ بخاری، مسلم

(اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے)(۱)

غیر اللہ کی عبادت نہ کرنا اور شرک سے بچنا تمام انبیا علیہم السلام کی تعلیم ہے

تمام انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ تعلیمات میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔ غیر اللہ کی عبادت کی نفی کا حکم دینا صرف انبیا علیہم السلام ہی کی شان ہے اور ان کا متبعین کے سوا اور لوگ اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں اور انبیا علیہم السلام کے سوا کسی اور نے اس قسم کے کلمات نہیں کہے ہیں، نبوت کے منکر بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کو ایک ہی کہتے ہیں لیکن ان کا حال ان دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا وہ اہلِ اسلام کی تقلید کرتے ہیں یا وہ حق تعالیٰ کو واجب الوجود ہونے میں واحد جانتے ہیں نہ کہ عبادت کے استحقاق میں (کیوں کہ وہ غیر اللہ کو عبادت کا مستحق جانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں) اور اہلِ اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ وجود کے وجوب میں بھی واحد ہے اور استحقاقِ عبادت میں بھی واحد ہے، کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں باطل خداؤں کی عبادت کی نفی کی ہے اور معبودِ برحق کا اثبات ہے۔(۲)

حق تعالیٰ اتحاد و حلول سے پاک ہے

اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ صوفیائے کرامؒ کی عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مراد کے برخلاف ہے، کیوں کہ ان کے اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم گزرتا ہے یعنی اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ سے یہ مراد ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، نہ یہ کہ فقیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے، کیوں کہ یہ کفر اور زندقہ ہے تعالیٰ اللہ سبحانہ عما یتوھم الظالمون علوا کبیرا حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں کہ میں حق ہوں بل کہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں محض حق ہی موجود ہے۔(۳)

مخلوق خالق کا ظہور نہیں ہے

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام آفاقی و انفسی باطل خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۶۳

۳۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بے چون و بے چگون ہے رہ نمائی کرتے ہیں، یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کسی پیغمبر نے ایمانِ تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور مخلوق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واجب الوجود کی توحید کے کلمے میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب (باطل خداؤں) کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○ (۱)

اے رسول! (ﷺ) آپ اہلِ کتاب کو کہہ دیں کہ آؤ ایک کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مشترک) ہے یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے پس اگر وہ یہ بات نہ مانیں تو کہہ دیجئے کہ تم اس بات پر گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہ لوگ بے انتہا ارباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب و سنت کو اپنے مطلب کی شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ (۲)

کوئی مخلوق خالق کا ظل نہیں ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ واجب ممکن کے درمیان اصالت و ظلیت کے متعلق ایک سوال قائم کر کے اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اس قسم کے علوم جو واجب اور ممکن کے درمیان کسی قسم کی نسبت کو ثابت کرتے ہیں اور شرع میں ان کے ثبوت کے لئے کچھ وارد نہیں ہوا، سب حالتِ سکر کے معارف میں سے ہیں اور حقیقتِ معاملہ تک نہ پہنچنے کے باعث ہیں۔

ممکن چہ بود کہ ظلِ واجب باشد

اور واجب تعالیٰ ظل کیوں ہو؟ کیوں کہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گزرتا ہے اور

۱۔ آل عمران: ۶۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۷۱

اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شک پیدا ہوتا ہے۔ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کامل لطافت کے باعث سایہ وظل نہ تھا تو خدائے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظل کیوں ہو، خارج میں بالذات وبالاستقلال حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ ہی موجود ہیں، باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن ومخلوق وحادث ہے اور کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں ہے اور مخلوقیت کی نسبت کے سوا جو کہ شرع شریف میں وارد ہوئی ہے اور کوئی نسبت اپنے خالق کے ساتھ نہیں رکھتی۔(۱)

انسان کے علم ودیگر صفات کو اللہ تعالیٰ کے علم ودیگر صفات سے کچھ نسبت نہیں

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ انسان میں جو کمالات ہیں وہ سب مرتبۂ وجوب تعالت و تقدست سے مستفاد ہیں، اگر علم ہے تو وہ بھی اس مرتبے کے علم سے مستفاد ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی مرتبے کی قدرت سے ماخوذ ہے علیٰ ہذا القیاس، لیکن ہر مرتبے کا کمال اس مرتبے کے انداز ے کے موافق ہے، انسان کے علم کو واجب تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہ نسبت ہے جو مردہ کو جو کہ لاشی محض ہے اس زندہ کے ساتھ نسبت ہے جس نے حیاتِ ابدی سے زندگی پائی ہو۔ اسی طرح انسان کی قدرت کو واجب تعالیٰ کی قدرت کے مقابلے میں وہ نسبت ہے جو عنکبوت (مکڑی) کو جو کہ اپنا گھر بنتا رہتا ہے اس شخص کے ساتھ نسبت ہے جس کی ایک پھونک سے زمین وآسمان اور پہاڑ ودریا پارہ پارہ ہو کر گرد کی طرح اڑ جائیں، دیگر کمالات کی نسبت کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے، یہ فرق بھی میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث بیان کیا گیا ہے ورنہ:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

پس انسان کے کمالات مرتبۂ وجوب کے کمالات کی صورت ہوئے لیکن ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے مشارکتِ اسمی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔(۲)

سجدۂ تعظیمی کی ممانعت وبرائی

اور نیز معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۲۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۳۱۰

ہیں، زمین بوسی پر کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی آفتاب سے زیادہ روشن ہے، ان کو منع کریں اور بڑی تاکید کریں کہ اس قسم کے افعال سے بچنا ہر ایک آدمی کے لئے ضروری ہے خاص کر اس شخص کے لئے جو خلق کا مقتدا اور پیشوا بنا ہوا ہو۔ (۱)

بادشاہوں کے لئے سجدۂ تحیت کا حکم

اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کا نام ہے اس میں نہایت ذلت و انکسار پایا جاتا ہے اور یہ کامل درجے کی عاجزی و فروتنی کو شامل ہے اسی لئے اس قسم کی تواضع اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے، شریعتِ مقدسہ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے اس کو جائز نہیں رکھا۔ منقول ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کسی راستے میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر معجزہ طلب کیا تاکہ ایمان لائے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس درخت کو جا کر کہو کہ تجھ کو رسول اللہ (ﷺ) بلاتے ہیں، درخت یہ سن کر اپنی جگہ سے چلا اور آں حضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، وہ اعرابی یہ حال دیکھ کر اسلام لے آیا، پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں اگر حق تعالیٰ کے سوا غیر کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو کہتا کہ مردوں کو سجدہ کریں۔

بعض فقہا نے اگرچہ بادشاہوں کے لئے سجدۂ تحیۃ یعنی سجدۂ تعظیم جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں اور اس قسم کی ذلت و انکسار حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے پسند نہ کریں، حق تعالیٰ نے تمام جہاں کو ان کے تابع اور ان کا محتاج بنایا ہے اس نعمت کا شکر بجا لا کر اس قسم کی تواضع کو جس سے کمال درجے کا عجز و انکسار ظاہر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ مسلّم رکھیں اور اس امر میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں، اگرچہ بعض نے اس امر کو جائز رکھا ہے مگر مناسب ہے کہ ان کا حسنِ تواضع اس امر کو پسند نہ کرے۔ (۲)

تمام عالم اسما و صفاتِ الٰہی کا مظہر ہے

عجیب و غریب معارف تحریر کئے جاتے ہیں غور سے سنیں اور اخص خواص کے مراقبے کا طریق بیان کیا جاتا ہے پوری طرح توجہ فرمائیں۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۹ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۹۲

جاننا چاہئے کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ وتقدس کے اسما وصفات کا آئینہ ومظہر ہے اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو وہ بھی اسی ذات سبحانہ و تعالیٰ کے علم کا آئنہ ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی کی قدرت کا آئینہ ہے علیٰ ھذا القیاس لیکن حق تعالیٰ کی ذات کا عالم میں نہ کوئی مظہر ہے نہ کوئی آئینہ بل کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے اور نہ ہی کسی چیز میں شراکت ہے اگرچہ وہ مناسبت اسم میں یا وہ مشارکت صورت میں ہو، اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی و بے نیاز ہے) بہ خلاف اسما وصفات کے کہ یہ عالم کے ساتھ اسی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے، جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت ہے، بہ خلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں بہ ذات خود قائم ہونا حاصل نہیں ہے، بل کہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسما وصفات کی صورتوں پر مخلوق ہے اس لئے سب کا سب عرض ہے اور اس نے جوہر ہونے کی بُو بھی نہیں پائی اور اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے (جیسا کہ عرض کی خاصیت ہے) اور معقول والوں (فلاسفہ) نے جو ممکن کو جوہر وعرض میں تقسیم کیا ہے یہ ظاہر بینی کے سبب سے ہے اور بعض ممکن کے ساتھ جو قیام ثابت ہے وہ عرض کا قیام عرض کے ساتھ ہونے کی قسم سے ہے نہ کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہونے کی قسم سے، بل کہ حقیقت میں وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں ہے تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ وتقدس ہی ہے۔(۱)

اہلِ توحید کی پہچان

کامل توحید پرست لوگ پسندیدہ امور کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے غضب میں آئے ہوئے امور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اپنے ایمان کو چرب وشیریں لقموں کے بدلے فروخت نہیں کرتے اور خوش نما لباس وباریک واعلیٰ کپڑوں کے لئے غلامی اختیار نہیں کرتے اور اس بات سے شرم رکھتے ہیں کہ شاہی تخت کو تعلقات کی پلیدیوں سے آلودہ کریں اور اس بات سے بھی عار رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں لات وعزیٰ کو شریک کریں۔ اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف دینِ

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۴۵

خالص طلب کرتے ہیں:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

خبردار خالص اطاعت وعبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے۔

اور شرکت کا غبار پسند نہیں فرماتے:

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ

اے پیغمبر (ﷺ) اگر تو نے شرک کیا تو تیرے بھی سب عمل اکارت جائیں گے۔

ایک ساعت کے لئے اپنے حالات کی طرف غور فرمائیں اگر آپ کو خالص دین میسر ہو چکا ہے تو آپ کو بشارت و مبارک ہے اور اگر حاصل نہیں ہوا تو واقع کا علاج وقوع سے پہلے پہلے کرنا چاہئے۔(۱)

رسالت

بعثتِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، تاکہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف بلائیں اور گمراہی سے سیدھے راستے پر لائیں جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو جنت کی خوش خبری دیتے ہیں اور جو کوئی انکار کرے اس کو دوزخ کے عذب سے ڈراتے ہیں اور جو کچھ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کی طرف پہنچایا، اور بتایا ہے سب سچ اور برحق ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ہے۔(۲)

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد

ہمارے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات جو تعداد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گزرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کرنے کی ترغیب وتبلیغ فرمائی ہے، اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور عاجز جانتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت سے ڈرتے اور کانپتے رہے ہیں۔(۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۷۴ ۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷ عقیدہ نمبر ۱۰

۲۔ دفتر اول؛ مکتوب ۱۶۷

انبیا علیہم السلام اصولِ دین میں متفق ہیں

یہ بزرگ واران یعنی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اصولِ دین میں متفق ہیں، ذات وصفات باری تعالیٰ، حشر ونشر اور پیغمبروں کا بھیجنا فرشتے کا نازل ہونا، وحی کا وارد ہونا، جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا دائمی ہونا ان سب امور کے بارے میں ان سب کا کلام واحد ہے اور ان کا اختلاف صرف بعض ان احکام میں ہے جو دین کے فروغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر ایک زمانے میں ہر اولوالعزم پیغمبر پر اس زمانے والوں کے لئے ان کے مناسب بعض احکام کے متعلق وحی بھیجی ہے اور اس زمانے کے لوگوں کو احکام مخصوصہ کے ساتھ تکلیف فرمائی ہے۔ احکامِ شرعیہ میں نسخ اور تبدیلی کا ہونا حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے اور اس قسم کی مثالیں بہت سی ہیں کہ ایک ہی صاحبِ شریعت پیغمبر پر مختلف وقتوں میں متضاد احکام نسخ وتبدیل کے طور پر وارد ہوئے ہیں اور ان بزرگوں کے متفق علیہ کلمات میں سے یہ ہیں۔ (۱)

جمیع انبیا علیہم السلام کا اقرارِ بشریت

دوسرا دعوتی کلمہ جو ان بزرگواروں یعنی انبیا علیہم السلام کا مخصوص (ومتفق علیہ) کلمہ ہے، یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام انسانوں کی طرح بشر جانتے ہیں اور بندگی وعبادت کے لائق صرف حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں اور حق تعالیٰ کو حلول واتحاد سے پاک کہتے ہیں۔ (۲)

نفسِ انسانیت میں انبیاءؑ وغیر انبیاء سب برابر ہیں

کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت وذات میں سب باہم متحد ہیں، تفاضل (یعنی انبیا کا دوسرے انسانوں سے افضل ہونا) صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں صفاتِ کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج اور اس نوع کے فضائل وخصائص سے محروم ہے، لیکن اس تفاوت کے باوجود نفسِ انسانیت میں زیادتی وکمی واقع نہیں ہوتی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی ونقصان کے قابل ہے۔ واللہ سبحانہ الملہم للصواب (۳)

۱، ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۶۳ ۳۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶، عقیدہ نمبر ۱۹

آں حضرت ﷺ کی بشریت

اے بھائی! حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس قدر بلندیٔ شان کے باوجود بشر تھے اور حدوث و امکان کی صفت سے متصف تھے۔ بشر خالق بشر کی حقیقت کیا دریافت کرسکتا ہے اور ممکن واجب کی نسبت کیا معلوم کرسکتا ہے اور حادث، قدیم جل شانہٗ کا کس طرح احاطہ کرسکتا ہے لَا یُحِیطُوْنَ بِهٖ عِلْماً نصِ قاطع ہے۔(۱)

آں حضرت ﷺ کو تاکیدِ اظہارِ بشریت

حاصل کلام یہ کہ اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی مَلَکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا، تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے امر فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ

آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

لفظ مِثْلُکُمْ کا لانا تاکید بشریت کے لئے ہے، وجودِ عنصری سے رحلت فرما جانے کے بعد حضور انور ﷺ کی روحانیت کی جانب غالب آ گئی اور بشریت کی مناسبت کم ہوگئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا، بعض اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ ہم ابھی آں حضرت ﷺ کے دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تفاوت پایا۔ ہاں (کیوں نہ ہو جب کہ) ایمانِ شہودی ایمانِ غیبی سے بدل گیا اور معاملہ آغوش سے گوش تک آ پہنچا اور دیکھنے کی بہ جائے سننے کی نوبت آ گئی۔(۲)

اس قدر بلندیٔ شان کے باوجود آں حضرت ﷺ دائرۂ امکان میں ہیں

آں حضرت ﷺ اس قدر بلندیٔ شان و جاہ و جلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہیں اور ہرگز کبھی امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ نہیں ملیں گے، کیوں کہ یہ امر الوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کا موجب ہے، اللہ تعالیٰ ہم سر و شریک ہونے سے برتر و اعلیٰ ہے جو کچھ نصاریٰ نے اپنے نبی کے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۷۳ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۰۹

بارے میں دعویٰ کیا ہے وہ اہل اسلام کو چھوڑ دینا چاہئے۔(۱)

دعوتِ انبیا کی عمومیت اور اہلِ ہند میں انبیا کا مبعوث ہونا

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو، بل کہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا نور پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کے بیچ میں دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے، اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم ہی کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو یہاں تک کہ زمینِ ہند میں بھی جو کہ اس معاملے سے دور دکھائی دیتی ہے، معلوم ومحسوس ہوتا ہے کہ اہلِ ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہٗ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر صرف ایک ہی آدمی ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کی تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں، اور بعض پر صرف تین آدمی ایمان لائے ہیں، تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہندوستان میں کسی ایک پیغمبر پر ایمان لائے ہوں، تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوتے، اور ہند کے سردارانِ کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات وتنزیہات وتقدیسات کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ سب قندیلِ نبوت کے انوار سے لیا گیا ہے، کیوں کہ گزشتہ امتوں میں ہر زمانے میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفاتِ ثبوتیہ وتنزیہات وتقدیسات کی نسبت خبر دی ہے اگر ان بزرگ پیغمبروں کا وجودِ مبارک نہ ہوتا تو ان بدبختوں (کافروں) کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کہ کفر ومعاصی کی ظلمتوں سے آلودہ ہے اس دولت کی طرف کب ہدایت پاتی۔(۲)

انبیا علیہم السلام کی بعثت سراسر رحمت ہے

انبیا علیہم السلام کا مبعوث ہونا اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہے اگر ان بزرگوں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گم راہوں کو اس واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات کی معرفت کی

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۲۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۹

طرف کون ہدایت کرتا اور ہمارے مولیٰ جل شانہٗ کی مرضیات ونامرضیات میں کون تمیز کرتا، ہماری ناقص عقلیں ان بزرگوں کے نورِ دعوت کی تائید کے بغیر معزول وبےکار ہیں اور ہماری ناتمام اور ادھورے فہم ان کی تقلید کی بغیر اس معاملے میں ذلیل وخوار ہیں، ہاں عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبۂ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے، حجتِ بالغہ انبیا علیہم السلام کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب وثواب وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو رحمتِ عالمیاں کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب: بعثت عین رحمت ہے کیوں کہ واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات کی معرفت کا سبب ہے جو دنیا وآخرت کی سعادتوں کو شامل ہے، اور بعثت کی بہ دولت معلوم ہو گیا ہے کہ فلاں چیز حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے مناسب ہے اور فلاں چیز نامناسب ہے، کیوں کہ ہماری اندھی اور لنگڑی عقل جو حدوث وامکان کے داغ سے داغ دار ہے اس کو کیا معلوم کہ اس حضرتِ وجوب کے لئے جس کے واسطے قِدم لازم ہے اسماوصفات وافعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب تاکہ ان مناسب اسماوصفات سے اطلاق کیا جائے اور ان نامناسب اسماو صفات سے پرہیز کیا جائے بل کہ بسا اوقات اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان جانتی اور نقص کو کمال جانتی ہے، یہ تمیز فقیر کے نزدیک تمام ظاہری وباطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے، وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو نامناسب امور کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے اور ناشائستہ اشیا کو حضرت حق سبحانہٗ کے ساتھ نسبت دے، بعثت کی بہ دولت حق باطل سے جدا ہوا ہے اور بعثت ہی کی وجہ سے عبادت کے مستحق اور غیر مستحق میں تمیز ہوئی ہے اور بعثت ہی ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت کرتے ہیں اور بندوں کو مولیٰ جل سلطانہٗ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتے ہیں اور بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ کی مرضیات پر اطلاع میسر ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور بعثت ہی کے طفیل حق تعالیٰ کی مِلک میں تصرف کے جائز ہونے اور ناجائز ہونے میں تمیز ہوتی ہے، بعثت کے اس قسم کے فائدے بہ کثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعثت سراسر رحمت ہے اور جو شخص اپنے نفسِ امارہ کی خواہش کے تابع ہو جائے اور شیطان ملعون ومردود کے حکم سے بعثت کا انکار کر دے اور بعثت کے موافق عمل نہ کرے تو بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہ ہو گی۔(۱)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶، بارہواں عقیدہ

بعثتِ انبیاؑ کے فوائد اور پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر رہنے والوں اور زمانۂ فترتِ انبیا کے مشرکین اور دارِ حرب کے مشرکوں کی اولاد کے حسابِ آخرت کا حکم

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بھیجنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور اس نعمت کے دینے والے یعنی حق تعالیٰ کا اعتقاد کس دل سے ظاہر کیا جائے اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اس نعمتِ عظمیٰ کا بدلہ اعمالِ حسنہ کے ذریعہ سے ادا کرسکیں، اگر ان بزرگوں کا وجود شریف نہ ہوتا تو ہم بے سمجھوں کو صانع جل شانہٗ کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا۔

یونان کے قدیم فلسفیوں نے اس قدر دانا ہونے کے باوجود صانع جل شانہٗ کے وجود کی طرف ہدایت نہیں پائی اور کائنات کے وجود کو دہر یعنی زمانے کی طرف منسوب کیا اور جب انبیا علیہم السلام کی دعوت کے انوار روز بہ روز بلند ہوتے گئے تو متاخرین فلسفیوں نے ان انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کا رد کیا اور صانع جل شانہٗ کے وجود کے قائل ہوگئے اور انہوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا۔ پس ہماری عقلیں انوارِ نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے برطرف ہیں اور ہماری فہم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجود کے وسیلے کے سوا اس معاملے سے دور ہیں، پھر ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے اصحابِ ماتریدیہ نے بعض امور مثلاً صانع تعالیٰ کے وجود کے اثبات اور اس کی وحدت کے بارے میں عقل کے استقلال و کافی ہونے سے کیا مراد لی ہے کہ انہوں نے شاہق جبل (پہاڑ کی چوٹی) پر رہنے والے بت پرست کو ان دونوں امور (یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت) کے لئے مکلّف ٹھہرایا ہے اگرچہ اس کو پیغمبر علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی اور ان دونوں امور میں اس کے نظر و فکر کو ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم دیا ہے، حال آں کہ ہم ظاہری تبلیغ اور حجتِ بالغہ کے بغیر جو کہ رسولوں کے بھیجنے پر وابستہ ہے کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا صحیح نہیں سمجھتے، بے شک عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے لیکن یہ حجت ہونے میں اتنی کامل حجت نہیں ہے جس پر شدید ترین عذاب مترتب ہوسکے۔

سوال: اگر پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا شخص جو کہ بت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گا تو پھر وہ بہشت میں جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ بہشت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ (۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اور جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی واسطہ (یعنی ہمیشہ رہنے کی جگہ) ثابت نہیں ہوا ہے (کیوں کہ) اصحابِ اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے پس ہمیشہ کا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں۔

یہ سوال بہت مشکل ہے میرے اس فرزند ارشد یعنی آپ کو معلوم ہے کہ آپ مدت تک اس فقیر سے بار بار یہ سوال دریافت کرتے رہتے تھے اور تسلی بخش جواب نہیں پاتے تھے، اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے اس سوال کے حل میں جو کچھ کہا ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کو (حق تعالیٰ کی طرف) دعوت کے ملنے کے لئے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے اور ان کے اس دعوت کے ردو قبول کی بمو جب دوزخ و بہشت کا حکم کیا ہے، وہ اس فقیر کے نزدیک مستحسن نہیں ہے، کیوں کہ آخرت دارِ جزا (بدلے کا گھر ہے) نہ کہ دارِ تکلیف کہ جس کے لئے پیغمبر مبعوث کیا جائے۔ بہت مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایت نے رہ نمائی فرمائی اور اس معمے کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں، بل کہ آخرت میں زندہ کئے جانے اور اٹھائے جانے کے بعد ان کو حساب کے مقام میں رکھ کر ان کے گناہوں کے اندازہ کے موافق عتاب و عذاب دیں گے اور بندوں کے حقوق پورے کرنے کے بعد غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدومِ مطلق اور لاشی محض کر دیں گے، پس ان میں سے خلود (ہمیشگی) کس کے لئے ہے اور مخلد کون ہوگا، اس عجیب و غریب معرفت کو جب (امرِ واقعہ میں) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس کو قبولیت عطا فرمائی، اور حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

فقیر پر یہ بات بہت گراں گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی کمال شفقت و رحمت کے باوجود انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے ظاہری طور پر احکامِ دین پہنچائے بغیر صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی بہت گنجائش ہے اپنے بندے کو ہمیشہ کی آگ میں ڈال دے اور دائمی عذاب میں گرفتار کرے، جس طرح کہ اس مشرک بندے کے لئے شرک کے باوجود جنت میں

۱۔ المائدہ: ۷۲

ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا گراں معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کا قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے، پس حق وہی ہے جو مجھے الہام کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اس کے محاسبے کی تکمیل کے بعد اس کو معدوم کر دیا جائے گا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور فقیر کے نزدیک دارِ حرب کے مشرکوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کیوں کہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے، خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر (یعنی ماں باپ وغیرہ کے اتباع سے حاصل ہو) اگر چہ تبعیتِ دارالاسلام ہی سے ہو جیسا کہ ذمی کافروں کی نابالغ اولاد کو ہے اور ان (مشرکینِ دارالحرب کی نابالغ اولاد) کی حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس ان کا بہشت میں داخل ہونا متصور نہیں ہے اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف (مکلف ہونا) ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے پس ان کا حکم حیوانوں کے حکم کی طرح ہے کہ ان کو حساب کے لئے بعث و نشور کے بعد حقوق پورا کر کے معدوم ونیست و نابود کر دیں گے، اور ان مشرکوں کے حق میں جو پیغمبروں کی فترت (انقطاع) کے زمانے (دو پیغمبروں کے درمیانی زمانے) میں ہوئے ہیں، جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی ہے یہی حکم ہے۔(۱)

شانِ محبوب

مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، کیوں کہ اس دعوت سے مقصودِ ذاتی اور مدعوِ اوّلی (یعنی سب سے پہلے بلائے ہوئے) آں حضرت ﷺ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ وہ مراد ہوں یا مرید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے طفیل بلایا گیا ہے:

لَوْلَاهُ لَمَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ وَلَمَا اَظْهَرَ الرَّبُوْبِيَّةَ

اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر کرتا

چوں کہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے مقصودِ اصلی ہیں اس لئے سب ان کے محتاج ہیں اور انہی کے ذریعے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں اس لحاظ سے اگر سب کو آل کہیں تو بجا و درست ہے، کیوں کہ سب ان ﷺ کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کی وسیلے کے بغیر کمال حاصل نہیں کرتے، جب ان سب کا وجود ان کے وسیلے کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا تو دوسرے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۹

کمالات جو وجود کے تابع ہیں ان کے وسیلے کے بغیر کس طرح متصور ہو سکتے ہیں ہاں محبوبِ رب العالمین اسی شان کا ہونا چاہئے، ذرا کان لگا کر سنیں، کشف کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی محبوبیت حق تعالیٰ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون و اعتبارات کے بغیر حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت سے تعلق رکھتی ہے اور جس کے سبب حق تعالیٰ کی ذات محبوب ہے برخلاف دوسروں کی محبوبیت کے جو اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات کے ساتھ ہے یا اسماء و صفات یا اسماء و صفات کے ظلال کے ساتھ علیٰ تفاوتِ درجات ہے:

فَـاِنَّ فَـضْـلَ رَسُـوْلِ اللهِ لَيْـسَ لَـهُ
حَـدٌّ فَيُـعْـرِبُ عَـنْـهُ نَـاطِقٌ بِفَـمٖ

پس بے شک رسول اللہ ﷺ کے فضل کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے کوئی زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔(۱)

حقوق و مراتب و ثنائے مصطفیٰ ﷺ

اس ذات پاک (اللہ تعالیٰ) نے اپنی تعریف آپ ہی کی ہے اور اپنی حمد کو آپ ہی بیان کیا ہے وہ ذات پاک آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے، تمام کائنات اس کی حمدِ مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہے اور ایسا کیوں کر نہ ہو، جب کہ رسول مقبول ﷺ بھی اس کی حمد کا حق ادا نہ کر سکنے کا اظہار فرماتے ہیں جو کہ قیامت کے دن لواءِ حمد کے اٹھانے والے ہیں، جس کے نیچے حضرت آدمؑ اور تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔ آں حضرت ﷺ ظہور میں تمام مخلوقات سے افضل و اکمل، مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور کمال میں سب سے زیادہ جامع اور جمال میں سب سے زیادہ کامل اور حسن میں سب سے زیادہ اکمل قدر میں سب سے زیادہ بلند، بزرگی و شان میں سب سے زیادہ عظیم، دین میں سب سے زیادہ مضبوط، ملت میں سب سے زیادہ راست، حسب میں سب سے زیادہ کریم و بزرگ، نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے زیادہ معزز ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر فرماتا، آں حضرت ﷺ نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی ابھی آدم علیہ السلام کی پتلے کے لئے گندھی ہوئی مٹی تیار ہوئی تھی) قیامت کے

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۲۱

دن آپ تمام نبیوں کے خطیب اور امام اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے، آپ نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے کہ ظہور کے اعتبار سے ہم ہی (دنیا میں) سب سے آخر میں ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے سابق (اول) ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب اور خاتم النبیین ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے نکلیں گے تو سب سے اول میں ہی نکلوں گا اور جب وہ گروہ در گروہ ہو جائیں گی تو ان کا قائد میں ہی ہوں گا اور وہ خاموش کئے جائیں گے تو ان کی طرف سے خطیب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ روکے جائیں گے تو میں ہی ان کو خوش خبری دوں گا۔ اس روز کرامت اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ (۱)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

مَاإنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ

لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

بے شک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حضرت آدمؑ کی اولاد کے سردار ہیں، اور قیامت کے روز سب سے زیادہ آپ ہی کے تابع دار ہوں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین و آخرین میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں، آپ قیامت کے روز سب سے اول قبر سے نکلیں گے اور آپ ہی سب سے اول شفاعت کرنے والے ہوں گے اور سب سے اول آپ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ ہی سب سے اول جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دے گا، آپ ہی قیامت کے دن لوائے حمد کے اٹھانے والے ہیں، جس کے نیچے سب انبیا علیہم السلام ہوں گے، وہ آپ ہی کی ذاتِ مبارک ہے جنہوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ ظہور کے اعتبار سے ہم (سب انبیا علیہم السلام سے) آخر میں ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے اول ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا ہوں اور میں حبیب اللہ ہوں اور تمام رسولوں کا قائد (پیش رو) ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، اور میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہتر مخلوق میں پیدا کیا پھر ان کو دو گروہ بنایا اور مجھے ان میں سے اچھے گروہ میں بنایا، پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے اچھے قبیلے میں بنایا، پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے

ا۔ دفتر دوم: مکتوب ا

بہتر گھر والوں میں پیدا کیا، پس میں بہ لحاظِ ذات و بہ لحاظِ بیت ان سب سے بہتر ہوں اور جب لوگ قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے اول قبر سے نکلوں گا، اور جب وہ گروہ گروہ بنائے جائیں گے تو میں ان کا قائد و پیش وا ہوں گا اور جب وہ خاموش ہو جائیں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ روکے جائیں گے تو میں ہی ان کی شفاعت کروں گا اور جب وہ نا امید ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو خوش خبری دوں گا۔

اس روز کرامت اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی، اور اس روز لواءِ حمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور اپنے رب کے روبرو تمام اولادِ آدم سے بزرگ ترین ہستی میں ہی ہوں گا ایک ہزار خوش رنگ و خوش شکل خادم میرے گرد طواف کریں گے، اور جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کا شفیع ہوں گا اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ حضورِ انور ﷺ کی ذات پاک کو پیدا نہ فرماتا تو خلقت کو پیدا نہ فرماتا، اور آپ اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی ابھی آپ کے پتلے کے لئے مٹی گوندھی گئی تھی)

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سیّد پیشرو(۱)

ختمِ نبوت

تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کا دین تمام گزشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہترین ہے، آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی بل کہ قیامت تک باقی رہے گی، حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی ہو کر رہیں گے۔(۲)

کوئی ولی کسی نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا

انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل متبعین کمال متابعت اور کثرتِ محبت کے باعث بل کہ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت و بخشش سے اپنے اتباع کردہ انبیا کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں اور پورے طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اتباع کردہ انبیا اور اتباع کرنے والے اولیا کے درمیان اصالت و تبعیت اور اولیت و آخریت کے سوا کچھ فرق نہیں رہتا، اس امر

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۴۴ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۱۲

کے باوجود کوئی تابع (اتباع کرنے والا) خواہ وہ افضل الرسل ﷺ کے تبعین میں سے ہو کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا اگرچہ وہ نبیوں میں سب سے کم درجے کا نبی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے نیچے ہوگا جو تمام پیغمبروں میں نیچے درجے کا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیائے کرامؑ اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقامِ اصل سے ہیں اور تمام اعلیٰ و اسفل امتوں اور ان کے ارباب کے مبادئ تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجے کے موافق ہیں پس اصل اور ظل کے درمیان مساوات کس طرح ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (۱)

بے شک ہمارا وعدہ ہمارے رسولوں کے لئے پہلے صادر ہو چکا ہے کہ وہ فتح یاب ہیں اور بے شک یہی ہمارا لشکر غالب ہے۔ (۲)

انبیا علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیا اللہ محفوظ ہیں

نیز آپ نے اس قول:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَا يَضُرُّهٗ ذَنْبٌ

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا

کے معنی پوچھے تھے۔ جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس بندۂ محبوب سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا، کیوں کہ اولیا اللہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں اگرچہ ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، برخلاف انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو گناہوں سے معصوم و پاک ہیں ان حضرات سے گناہ کے صادر ہونے کا امکان بھی سلب کر لیا گیا ہے۔ جب اولیا اللہ سے گناہ صادر نہ ہو تو یقین ہے کہ گناہ کا ضرر بھی نہیں ہوگا پس گناہ کے صادر نہ ہونے کی صورت میں لَا يَضُرُّهٗ ذَنْبٌ درست ہے کما لا یخفیٰ علیٰ ارباب العلم، اور نیز ہو سکتا ہے کہ گناہ سے مراد سابقہ گناہ جو ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوئے ہوں فَاِنَّ الْاِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو منقطع کر دیتا ہے) اور حقیقت امر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (۳)

۱۔ الصافات: ۱۷۳-۱۷۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۴۸

۳۔ دفتر دوم: مکتوب ۴۴

ملائکہ

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور معصوم ہیں

فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ O (۱)

اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کو حکم کرتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

وہ کھانے پینے سے پاک اور زن و مرد ہونے سے منزہ و مبرا ہیں اور قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ مردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے بزرگ و شریف مانا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات کی واسطے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے، اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے جس طرح بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف فرمایا ہے:

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ O (۲)

اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے بعض کو رسول چن لیتا ہے) تمام اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں، امام غزالیؒ و امام الحرمین (۳) اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں لیکن نبوت اور رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے کہ جس تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے اور وہ درجہ عنصرِ خاک کی راہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالاتِ ولایت، کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، مگر ایسا نہیں ہے، پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی راہ سے حاصل ہوئی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گناہ زیادہ ہے جو ولایت کی راہ سے حاصل ہو پس افضلیتِ مطلق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لئے ہے پس بہتر وہی ہے جو جمہور علمائے کرام شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کہا ہے۔ اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کوئی ولی کسی

۱۔ التحریم: ۶ ۲۔ الحج: ۷۵

۳۔ عبدالملک الجوینیؒ

نبی کے درجہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔(۱)

ایک اور مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

فرشتے خدائے تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں حق تعالیٰ کے امر کی نافرمانی کرنا ان کے حق میں جائز نہیں جس چیز کا ان کو حکم ہے اس کو بجالاتے ہیں، عورت مرد ہونے سے پاک ہیں توالد وتناسل ان کے حق میں مفقود ہے۔ یعنی ان کو حق تعالیٰ نے رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور وحی کی تبلیغ سے مشرف فرمایا ہے، پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں کے پہنچانے والے بھی یہی ہیں جو خطا وخلل سے محفوظ ہیں اور دشمن کے مکر وفریب سے معصوم، جو کچھ انہوں نے حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے سب صدق وصواب ہے اس میں کسی قسم کا اشتباہ واحتمال نہیں، حق تعالیٰ کی عظمت وجلال سے ڈرتے اور اس کے احکامات کی تعمیل کرنے کے سوا کچھ کام نہیں کرتے۔(۲)

کتبِ آسمانی

قرآن مجید نفسی ولفظی دونوں حیثیت سے کلامِ الٰہی ہے

قرآن مجید حق تعالیٰ کا کلام ہے جس کو حروف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امر ونہی کا حکم کیا ہے، جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو ''حلق وزبان کے ذریعے حروف وآواز کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد ومطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نفسی کلام کو حلق وزبان کے واسطے کے بغیر اپنی قدرتِ کاملہ سے حروف وآواز کا لباس عطا فرماکر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر ونواہی کو حروف وآواز کے ضمن میں لاکر ظاہر فرمادیا ہے، پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے، جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی ولفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسمِ اول حقیقت ہے اور قسمِ دوم مجاز، کیوں کہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلامِ لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلامِ خدا نہ کہنا کفر ہے۔(۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶، اٹھارہواں عقیدہ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۱۵

۳۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۸

قرآن مجید و دیگر آسمانی کتب حق تعالیٰ کا کلام ہیں

اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو گذشتہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی ہیں سب حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں وصحیفوں میں درج ہے سب اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جن کے ساتھ اپنے بندوں کو ہر وقت کے موافق مکلف فرمایا ہے۔(۱)

مسئلہ خلقِ قرآن

حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہما مسئلہ خلقِ قرآن میں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور ردّ و بدل فرماتے رہے، چھ مہینے کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اتنی مدت بحث ومباحثہ اسی لئے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ صاف اور واضح نہیں ہوتا تھا، اب چوں کہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر نزاع کا موجب حروف وکلمات ہیں جو کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو وہ بے شک حادث ومخلوق ہیں اور اگر کلام سے مراد مدلولات ہیں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں، یہ تنقیح مختلف فکروں کے ملنے کی برکت سے ہے۔(۲)

قدرِ خیر و شر

قضا و قدر کے اسرار

حمد وصلوۃ کی بعد واضح ہو کہ مسئلہ قضا وقدر میں اکثر لوگ حیران اور گم راہ ہو رہے ہیں اور اس مسئلے کے اکثر ناظرین پر باطل وہم وخیال غالب ہیں، حتیٰ کہ جو کچھ افعال بندے سے اپنے اختیار کے ساتھ صادر ہوتے ہیں ان کی بارے میں بعض (یعنی جبریہ) نے کہا ہے کہ یہ محض جبر ہے اور بعض (یعنی قدریہ) بندے کے افعال کو خدائے واحد وقہار کی طرف منسوب نہیں کرتے، ان دونوں گروہوں (یعنی جبریہ وقدریہ) میں سے ہر ایک نے اعتقاد میں جو کہ صراطِ مستقیم اور راہِ راست ہے (اعتدال اور میانہ روی کو چھوڑ کر) افراط وتفریط کو اختیار کیا ہے اس اعتدال ومیانہ روی کے راستے سے موافقت فرقۂ ناجیہ نے کی ہے جو کہ اہل سنت وجماعت ہیں رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۸ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۸۹

عَنْهُمْ وَعَنْ اَسْلَافِهِمْ وَاَخْلَافِهِمْ پس ان حضرات نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط و میانہ روی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی امر اپنے بندوں کے سپرد کیا ہے، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر ہے کہ اپنی ربوبیت اپنے بندوں کے سپرد کر دے۔ پھر امام ابو حنیفہؒ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ ان کو اس پر مجبور کرتا ہے؟ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ عدالت سے بعید ہے کہ پہلے بندوں کو کسی بات پر مجبور کرے پھر ان کو اس پر عذاب دے۔ پھر عرض کیا کہ یہ بات کس طرح پر ہے؟ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اس کے بین بین ہے، نہ بالکلیہ جبر ہے نہ تفویض (سپرد کرنا) اور نہ اکراہ ہے نہ تسلیط (مسلط کرنا)

(حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں) اسی لئے اہل سنت فرماتے ہیں کہ بندوں کے اختیاری افعال خلق و ایجاد کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور دوسری حیثیت یعنی کسب و اکتساب کی رو سے بندوں کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ پس بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت ہونے کے اعتبار سے خلق کہتے ہیں بندے کی قدرت کی طرف نسبت ہونے کے اعتبار سے اس کو کسب کہتے ہیں۔(۱)

بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے، وہ افعال خیر ہوں یا شر، سب اسی کی تقدیر سے ہیں لیکن خیر سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں، اگرچہ دونوں اسی کے ارادے اور مشیت سے ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ صرف تنہا شر کو ادب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے اور خالقِ شر نہ کہنا چاہئے، بل کہ خالقِ خیر و شر کہنا مناسب ہے، اسی طرح علما نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کہنا چاہئے، خَالِقُ الْقَاذُوْرَاتِ وَالْخَنَازِیْرِ نہ کہنا چاہئے، کیوں کہ اس میں حق تعالیٰ کی پاک جناب کی بے ادبی ہے، معتزلہ ثَنْوِیَّت یعنی دوئی و بے گانگی کے باعث بندے کو افعال کا خالق جانتے ہیں اور فعل کے خیر و

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۸۹

شر کو بندے کی طرف منسوب کرتے ہیں، شرع اور عقل ان کی تکذیب کرتی ہے، ہاں علمائے حق نے بندے کی قدرت کو اس کے فعل میں داخل کیا ہے اور اس کا کسب بندے میں ثابت کیا ہے، کیوں کہ حرکتِ مرتعش یعنی بے اختیاری حرکت اور حرکت مختار میں فرق واضح ہے، حرکتِ ارتعاش یعنی بے اختیاری حرکت میں بندے کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکت اختیاری میں دخل ہے، اسی قدر فرق مواخذے کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عقاب کو ثابت کرتا ہے۔ اگر لوگ بندے کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندے کو بے چارہ اور عاجز جانتے ہیں تو انہوں نے علما کی مراد کو نہیں سمجھا۔ بندے میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا ان معنی کی لحاظ نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ چاہے کرے اور جو کچھ نہ چاہے نہ کرے، یہ بات بندگی سے دور ہے، بل کہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے مثلاً نماز پنج وقتی ادا کر سکتا ہے چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکتا ہے اور بارہ مہینوں میں ایک (مقررہ) مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں خرچ و سواری ہوتے ہوئے ایک بار حج کر سکتا ہے اور اسی طرح باقی احکامِ شرعی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندے کی ضعف و ناطاقتی کو دیکھ کر سہولت و آسانی کو مدنظر رکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

اور فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفاً (۱)

اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

انسانِ ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور سخت تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ (۲)

قضائے مبرم و قضائے معلق

اللہ تعالیٰ آپ کو رشد و ہدایت نصیب فرمائے۔ جاننا چاہئے کہ قضا دو قسم پر ہے قضائے معلق و قضائے مبرم، قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ البقرہ: ۱۸۵ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۹

مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (۱)

میرا قول تبدیل نہیں کیا جاتا۔

یہ آیتِ مبارکہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے اور قضائے معلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (۲)

اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس لوحِ محفوظ ہے۔

میرے حضرت قبلہ گاہی (پیرومرشد) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے کسی رسالے میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی شخص کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس میں بھی تصرف کروں اور اس بات پر بہت تعجب کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے۔ یہ نقل مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا (اس طرح پر کہ) ایک دن ایک مصیبت کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو ایک دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی، اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو (کشف والہام سے) معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر کے ساتھ معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے، اس بات سے ایک طرح کی یاس و ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سیّد محی الدین قدس سرہٗ کی بات یاد آئی، دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا، تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق (بھی) دو طرح پر ہے، ایک وہ جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ پر ظاہر کر دیا گیا ہے اور فرشتوں کو اس کی اطلاع دے دی ہے اور دوسری وہ قضائے کہ جس کا معلق ہونا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور بس، اور لوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت سیّد قدس سرہٗ کی بات بھی اسی اخیر قسم سے ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ کہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے، کیوں کہ اس میں تصرف و تبدل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے، جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی بہت کم ہے تو پھر اس میں کوئی تصرف کیسے کر سکتا ہے اور اس آفت و

۱۔ ق:۲۹ ۲۔ الرعد:۳۹

مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی اس قسمِ اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس مصیبت کو (اس فقیر کی دعا سے) دفع فرما دیا ہے۔(۱)

یومِ آخرت و بعث بعد الموت

یومِ آخرت پر ایمان

جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے یعنی قبر کا عذاب اور اس کی تنگی، منکر نکیر کا سوال، جہاں کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹ جانا، ستاروں کا پراگندہ ہونا، زمین و آسمان اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا، روح کا جسم میں واپس ڈالنا، قیامت کا زلزلہ اور کسوف، عملوں کے حساب کے وقت اعمال پر اعضا کی شہادت، نیک و بد اعمال کا دائیں و بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور برے و بھلے اعمال کے تولنے کے لئے میزان کا رکھنا اور اس کے ذریعہ برائیوں اور بھلائیوں کی کمی بیشی معلوم کرنا، اگر نیکیوں کا پلہ نیچے ہوگا خفیف اور ہلکا ہوگا یہ سب کچھ سچ اور راست ہے۔(۲)

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت حق ہے، پل صراط حق ہے، بہشت جو کہ مومنوں کے آرام کے لئے ہے اور دوزخ جو کہ کافروں کے عذاب کے لئے تیار کیا گیا ہے دونوں مخلوقِ خدا ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گے فانی نہ ہوں گے۔ مؤمن گناہ گاروں کو گناہوں کے موافق عذاب دے کر دوزخ سے نکال لیں گے، مومنوں کا حق تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت و بے مقابلہ و بے کیفیت و بے احاطہ دیکھنا حق ہے آخرت کی اس رویت پر ہمارا ایمان ہے اور اس کی کیفیت ہم نہیں جانتے کیوں کہ حق تعالیٰ کی رویت بے چون ہے اور اس جہان میں اس کی حقیقت اربابِ چون پر ظاہر نہیں ہوتی اس پر ایمان لانے کے سوا ان کے نصیب اور کچھ نہیں۔(۳)

آخرت میں دیدارِ باری تعالیٰ، عذابِ قبر و سوال منکر و نکیرو پل صراط و میزان وغیرہ یہ سب برحق ہے

علمائے اہلِ سنت و جماعت تمام احکامِ شرعیہ کا اثبات کرتے ہیں خواہ ان احکام کی عقلی دلیل

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۱۷ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۱۱

۳۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۷، عقیدہ نمبر ۸ و نمبر ۱۲ تا ۱۴ ملخصا

معلوم ہو یا نہ ہو، ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کے باعث ان احکام کی نفی نہیں کرتے، مثلاً عذاب قبر و سوالِ منکر نکیر و پل صراط اور اعمال کا وزن کیا جانا وغیرہ، جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں عاجز ہیں۔ ان بزرگوں نے کتاب و سنت کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنایا ہے اور اپنی عقلوں کو اس کے تابع کر دیا ہے اگر وہ ادراک کر سکتے ہیں تو بہتر ہے ورنہ احکامِ شرعیہ کو (بے چون و چرا) قبول کر لیتے ہیں اور اپنے عدمِ ادراک کو اپنے قصورِ فہم پر محمول کرتے ہیں، دوسروں کی طرح یہ نہیں کرتے کہ جو کچھ ان کی عقلیں قبول کر لیں اور پا سکیں اس کو وہ قبول کر لیں اور پا سکیں اس کو وہ قبول کر لیں اور ان کی عقلیں جس کا ادراک نہ کر سکیں اس کو قبول نہ کریں۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی لئے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے چون و بے چگون کے بعض پسندیدہ مطالب کے سمجھنے سے عقلیں قاصر ہیں، عقل ہر چند حجت ہے لیکن حجتِ کاملہ نہیں ہے حجت کاملہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پوری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا

جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں کسی کو عذاب نہیں دیتے۔ (۱)

شبِ معراج میں رویتِ باری کا حکم

شب معراج میں آں حضرت ﷺ کو رویت باری تعالیٰ دنیا میں واقع نہیں ہوئی ہے، بل کہ آخرت میں واقع ہوئی ہے کیوں کہ آں حضرت ﷺ اس رات جب مکان و زمان کے دائرہ سے باہر ہو گئے اور تنگیٔ مکان سے نکل گئے تو ازل و ابد کو آنِ واحد پایا اور ابتدا و انتہا کو ایک نقطے میں متحد دیکھا، اہلِ بہشت کو جو کہ کئی ہزار سال کے بعد بہشت میں جائیں گے بہشت میں دیکھ لیا، عبدالرحمٰن بن عوف کو جو کہ فقرائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پانچ سو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھا کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد بہشت میں آ گئے ہیں اور آں حضرت ﷺ نے ان سے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ آخرت کی رویت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو (دنیا میں) رویت کے عدمِ وقوع پر ہوا ہے اور اس کو رویت دنیوی کہنا مجاز کے طور پر ہے اور ظاہر پر مبنی ہی، واللہ سبحانہٗ اعلم بحقائق الامور کلھا (۲)

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۴ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۸۳

بہشت میں رویتِ باری تعالیٰ کے متعلق حضرت مجددؒ کا مشکوف

جاننا چاہئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر ایک بہشتی شخص کی رویت بھی اس اسمِ الٰہی جل شانہٗ کے اندازہ کے موافق ہوگی جو اس شخص کا مبدائے تعین و تشخص ہے اور بہشتی درختوں، نہروں اور حور وغلمان کے لباس میں ظاہر ہوا ہے، اس طرح پر کہ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ جل شانہٗ کے کرم سے یہ درخت نہریں وغیرہ جو اسمِ مقدس کے مظاہر ہیں کچھ عرصے کے لئے عینک کا حکم پیدا کرلیں گے اور اس شخص کے لئے بے کیف رویت کی دولت کا وسیلہ ہو جائیں گے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے اور اس کو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے اور اسی طرح ابدالآباد تک ہوتا رہے گا۔

تجلی ذاتی برقی کی طرح جس کو صوفیہ نے اس جہان میں ثابت کیا ہے، حضرتِ ذات تعالیٰ شانہٗ کی تجلی اس دولت کے سعادت مندوں کے لئے ہمیشہ اسماء وصفات کے پردے میں ہوتی رہتی ہے لیکن کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ان اسماء وصفات کا حجاب دور ہو جاتا ہے اور حضرت ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اس لئے ہر شخص کی رویت کا تعلق بھی اسی اعتبارِ ذاتی کے ساتھ ہوگا جو اس شخص کا رب (مربی) ہے۔ اس مضمون سے کوئی شخص ذاتِ حق تعالیٰ کے اجزا اور ٹکرے ہونے کا وہم نہ کرے، کیوں کہ ذاتِ جل شانہٗ بتمامہ وہ اعتبار ہے نہ یہ کہ ذات کا بعض حصہ تو وہ اعتبار ہے اور بعض حصہ کوئی دوسرا اعتبار ہے، کیوں کہ یہ نقص اور حادث ہونے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک و برتر ہے۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بتمامہ علم اور تمام کی تمام قدرت اور کلی طور پر ارادہ ہے اور اگرچہ ہر ایک اعتبار بتمامہ ذات ہے لیکن مرئی (نظر آنے والا) وہی اعتبار ہے، نہ کہ دوسرے اعتبارات، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) کا راز اسی جگہ تلاش کرنا چاہئے۔ (۱)

نفلی عبادت کا ایصالِ ثواب کرنا بہتر ہے

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ کلام اللہ ختم کرنا اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح وتہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ، استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے؟ واضح ہوا کہ بخشنا بہتر ہے کیوں کہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور غیر کا بھی اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کے طفیل قبول کرلیں اور نہ بخشنے میں اپنا ہی نفع ہے۔ (۲)

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۰۰   ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۷۷

ارواحِ موتیٰ کو صدقہ کرنے کی کیفیت

ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مُردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے اسی اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میتِ مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی، جب اس صدقے کے دینے کا وقت آیا تو پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لئے اس صدقے کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی بعدازاں اس میت کی روحانیت کی نیت کر کے دے دیا، اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی، اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی و کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی حال آں کہ محسوس ہوا کہ اس صدقے سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن اس میت میں خوشی اور سرور ظاہر نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آں حضرت ﷺ کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ السلام کو بھی داخل کیا اور ان کو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طفیلی بنایا اس امر میں آں حضرت ﷺ کی رضامندی معلوم نہ ہوئی۔ اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی دفعہ میں تمام انبیا علیہم السلام پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آں حضرت ﷺ کی خوشی ظاہر نہ ہوتی تھی، حال آں کہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کرلیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت سے دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا:

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (۱)

بے شک تیرا رب بڑی بخشش والا ہے۔

مدت تک یہ اشکال دل میں کھٹکتا رہا کہ اس صورت میں ناخوشی و ناراضی کی وجہ کیا ہے؟ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی و کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ شرکت کے بغیر مردے کے نام پر دیا جائے تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقے کو تحفے اور ہدیئے کے طور پر آں حضرت ﷺ کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا، اور اگر صدقہ دینے والا خود آں حضرت ﷺ کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہوگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقے قبول ہو جائے گا تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت

۱۔ النجم: ۳۲

کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقے کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقے کے تحفے اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر اس شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت کار فرما ہے کہ شرکت میں ایک درجے ثواب ہے اور عدمِ شرکت میں دو درجے کیوں کہ اس کو میت اپنی طرف سے آں حضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ہدیہ و تحفہ کوئی شخص کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے تو اس تحفے کا بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ طفیلی ہو خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ؟ کچھ شک نہیں کہ شرکت کے بغیر بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے اور آل و اصحاب جو آں حضرت ﷺ کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آں حضرت ﷺ کے ہدیئے میں داخل کیا جاتا ہے، پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے، ہاں عادتِ جاریہ یہ ہے کہ ہدیاتِ مروجہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہم سروں کو شریک کریں تو ادب اور اس کی رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو تو وہ پسند کرتا ہے، کیوں کہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر اموات کی رضامندی صدقے کے افراد میں ہے، صدقے کے اشتراک میں نہیں، لیکن چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقے کی نیت کریں تو اول آں حضرت ﷺ کی نیت پر ہدیہ جدا کر لیں بعد ازاں میت کے لئے صدقہ کریں، کیوں کہ آں حضرت ﷺ کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس صورت میں آں حضرت ﷺ کے طفیل اس صدقے کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے میں اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقے کو آں حضرت ﷺ کی نیت پر مقرر کرے اور اس میت کو آپ کا طفیلی بنائے امید ہے کہ آں حضرت ﷺ کے وسیلے کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علما نے فرمایا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا درود شریف اگر ریا و سمعہ سے ادا کیا جائے تب بھی آں حضرت ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیوں کہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے، آں حضرت ﷺ کے قبول کے لئے جو کہ مقبول و محبوب ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔ (۱)

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۸

صحابۂ کرامؓ

فضیلتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

جاننا چاہئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ اللہ عنہم اجمعین سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کا ذکر احترام سے کرنا چاہئے، خطیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

اِنَّ اللہَ اختَارَنِیْ و اَختَارَلِیْ اَصْحَاباً وَّا اختَارَ لِیْ مِنْھُمْ اَصْھَارًا وَ اَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِیْ فِیْھِمْ حَفِظَہُ اللہُ وَمَنْ اٰذَانِیْ فِیْھِمْ اٰذَاہُ اللہُ

اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب کو پسند فرمایا اور ان میں سے بعض کو میرے لئے قرابت دار اور مددگار پسند فرمایا پس جس شخص نے ان کے بارے میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ نے ایذا دی۔

اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ نے فرمایا:

مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃَ اللہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

اور ابنِ عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شِرَارُ اُمَّتِیْ اَجْرَءُ ھُمْ عَلٰی اَصْحَابِیْ

میری امت میں سے برے وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں۔

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا اور تعصب سے دور سمجھنا چاہئے، کیوں کہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر، یہی اہلِ سنت کا مذہب ہے۔(۱)

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱

جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تو تم اس سے بچو۔

پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اصحابؓ کو بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا چاہئے، فلاح ونجات کا طریق یہی ہے کیوں کہ اصحابِ کرامؓ کی دوستی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث ہے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے:

مَاآمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی عزت نہ کی اس کا آپ ﷺ پر ایمان ہی نہیں ہے۔ (۱)

ترتیب خلافت اور ترتیبِ مراتب

حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے، حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے، چناں چہ اس کو ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی رحمہ اللہ ہیں، شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کے سردار و امام ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے، سوائے جاہل یا متعصب شخص کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتری ہے، میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگائے جاتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج واقع ہوا، میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ میرے بعد میرا خلیفہ علیؓ ہو، فرشتوں نے کہا اے محمد! ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا تیرے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ نیز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ (غنیۃ میں) فرماتے ہیں کہ حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۲۴

نے فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ دنیا سے باہر تشریف نہیں لے گئے جب تک میرے ساتھ یہ عہد نہیں کرلیا کہ میرے مرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے اس کے بعد عمرؓ، اس کے بعد عثمانؓ اور اس کے بعد تو خلیفہ ہوگا رضی اللہ عنہم۔(۱)

افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ جو صحابہ کرامؓ کے حالات سے بہت ہی زیادہ واقف ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگ بہت بے قرار ہوگئے، پس ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص آسمان کے نیچے نہیں ملا پس انہوں نے ان کو اپنا والی بنالیا۔ یہ قول اس بات پر صریح دلالت ہے کہ تمام صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر متفق تھے اور ان کے افضل ہونے پر یہ اجماع صدرِ اول میں ہوا اور یہ اجماع قطعی ہے جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔(۲)

منازعات و اختلافاتِ صحابہؓ اجتہاد پر مبنی ہیں

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے، کیوں کہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر، یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ حضرتِ امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت امیرؓ کی طرف تھا، لیکن چوں کہ یہ خطا خطائے اجتہادی کی طرح ہے اس لئے ملامت سے دور ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، جیسا کہ شارح مواقف آمدی (۳) سے نقل کرتا ہے کہ جمل و صفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں۔ اور شیخ ابوشکور سلمی نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہلِ سنت جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مع ان کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہم راہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے اجتہاد کی رو سے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہلِ سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔(۴)

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۲۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۵۹

۳۔ یعنی سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی محمد بن سالم الفقیہ الاصلوی توفی ۶۳۱ھ

۴۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام عادل تھے

اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جَور کا لفظ واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ معاویہؓ جور کرنے والا امام تھا، تو اس جَور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں امیر معاویہؓ خلافت کے حق دار نہیں تھے، نہ کہ وہ جَور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے (یہ توجیہ اس لئے ہے) تا کہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو جائے، اس کے باوجود استقامت والے لوگ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہوتا ہو، اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے اور امیر معاویہؓ جَور کرنے والے کیسے ہو سکتے ہیں، جب کہ صحیح طور پر تحقیق ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امامِ عادل تھے جیسا کہ صواعق میں ہے۔ (۱)

امیر معاویہؓ کی فضیلت

ہاں بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابہؓ کے مرتبے کو نہیں پہنچتا، خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے باوجود چوں کہ حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں حاضر نہیں ہوئے کسی ادنیٰ صحابی کی مرتبے کو نہیں پہنچ سکے۔ کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے ہوئے امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجے بہتر ہے۔ (۲)

امیر معاویہؓ کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی دعا

احادیثِ نبوی میں ثقہ اور معتبر سندوں سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے امیر معاویہؓ کے حق میں دعا کی ہے اور فرمایا ہے کہ یا اللہ اسے کتاب و حساب سکھا اور عذاب سے بچا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعا فرمائی یا اللہ تو اس کو ہادی و مہدی (ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ) بنا، اور آں حضرت ﷺ کی دعا مقبول ہے۔ (۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۰۷

۳۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱

فضائل ومناقب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حبیب رب العالمین ﷺ کی محبوبہ تھیں اور لب گور تک آں حضرت ﷺ کی منظورِ نظر اور مقبولِ خاطر رہی ہیں اور مرضِ موت کا زمانہ بھی آں حضرت ﷺ نے ان ہی کے حجرۂ مبارکہ میں بسر فرمایا ہے اور ان ہی کی گود میں آپ ﷺ نے جانِ شریں جان آفرین کے سپرد کی اور انہی کے حجرۂ مقدس میں مدفون ہوئے ہیں، اس شرف و فضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں، آں حضرت ﷺ نے نصف دین ان کے حوالے فرمادیا تھا اور اصحابِ کرامؓ احکام کی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان ہی سے پیچیدہ ومشکل مسائل کا حل طلب کیا کرتے تھے، اس قسم کی صدیقہ ومجتہدہ کو حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث مطعون کرنا اور ناشائستہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا نہایت نامناسب حرکت ہے اور پیغمبر پر ایمان لانے کے خلاف ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور ان کے چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آں حضرت ﷺ کی زوجۂ مطہرہ اور آپ کی محبوبہ ومقبولہ ہیں۔ (۱)

خطبے میں خلفائے راشدین کا ذکر اہلِ سنت کا شعار ہے

شہر سامانہ کے خدامِ ذی احترام ساداتِ عظام اور قاضیوں اور معزز حضرات کو تکلیف دینے کے باعث یہ ہے کہ سنا گیا ہے اس جگہ کے خطیب نے عیدِ قرباں عید الاضحیٰ کے خطبے میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں پڑھا ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب لوگوں نے اس بارے میں تعرض کیا تو بجائے اس کے کہ اپنے سہو نسیان کا عذر کرتا سرکشی سے پیش آیا اور یہ کہا کہ اگر خلفائے راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا تو کیا ہوا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے رئیسوں اور معزز لوگوں نے اس بارے میں بہت سستی اختیار کی ہے اور اس ناانصاف خطیب کے ساتھ سختی و درشتی سے پیش نہیں آئے، ہائے افسوس صد افسوس۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر اگرچہ خطبے کی شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے شعائر میں سے ہے سوائے اس شخص کہ جس کا دل بیمار اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص دانستہ اور سرکشی کے طور پر اس کو ترک نہیں کرے گا۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ اس نے

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶

تعصب اور بغض و دشمنی سے ترک نہیں کیا مگر حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے) کا کیا جواب دے گا اور حدیث اِتَّقُوْا مِنْ مَّوَاضِعِ التُّهَمِ (تہمت کے مواقع سے بچو) کے موافق تہمت کے مواقع سے کس طرح چھٹکارا پائے گا۔ اگر اس کو شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر) رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تفضیل میں توقف ہے تو وہ اہل سنت کے طریقے سے روگردانی کرنے والا ہے اور اگر حضرات ختنین (حضرت عثمان و حضرت علی) رضی اللہ عنہما کی محبت میں تردد ہے تب بھی وہ اہلِ حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ اس بے حقیقت (خطیب) نے جو کشمیریہ کی طرف منسوب ہے اس خباثت و پلیدی کو کشمیر کی بدعتیوں یعنی رافضیوں سے حاصل کیا ہو، اس کو سمجھانا چاہئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے، چناں چہ اس کو ائمہ کرام کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے جس میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیخ امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی اور یقینی ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے دورِ خلافت و زمانۂ مملکت میں ان کے متبعین کے جمِ غفیر کے درمیان تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام امت سے افضل ہیں۔ (۱)

فائدہ: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی اپنے مکتوباتِ گرامی میں جمیع صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعظیم و توقیر اور فضیلت و عظمت کا ذکر نہایت واضح اور پر زور الفاظ میں کرتے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کی پوری طرح تائید و تقویت فرماتے ہیں، ان کے مخالفین و معاندین کے طعن و تشنیع اعتراضات کا نہایت شد و مد سے دفاع فرماتے ہیں، ان کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنے اور ان کی آپس کی مخالفتوں کو تاویل و اجتہاد پر مبنی قرار دینے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنے پر زور دیتے ہیں اور آپس کے اختلافات میں جن صحابۂ کرامؓ کو خطا پر کہا ہے ان کی خطا کو خطائے اجتہادی کی طرح قرار دیتے ہیں۔ خطائے اجتہادی کے علاوہ جس پر شرع شریف میں ایک درجے ثواب کا ملنا مقرر ہے ان کی شان میں کسی اور لفظ کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیتے، اور مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دور بل کہ درجاتِ ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کا امیدوار قرار دیتے ہیں، جو جمہور اہل

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۱۵

سنت و جماعت کا مذہب ہے اور فرماتے ہیں:

اے بھائی! اس امر میں سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لڑائی جھگڑوں کے ذکر سے خاموشی اختیار کریں اور ان کے تنازعات کو یاد نہ کریں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ

میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

نیز حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضاً

میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور یہی مقولہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے:

تِلْکَ دِمَآءٌ طَھَّرَ اللہُ عَنْھَا یَدِیْنَا فَلْنُطَھِّرْ عَنْھَا اَلْسِنَتَنَا

یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو بچایا ہے پس ہم کو چاہئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہیں لانا چاہئے اور ان کو ذکرِ خیر سے ہی یاد کرنا چاہئے۔ (چند سطروں کے بعد) جاننا چاہئے کہ اس زمانے میں چوں کہ اکثر لوگوں نے امامت کی بحث کو سامنے رکھ کر ہمیشہ خلافت کی بحث اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی متعلق گفت گو کرنا اپنا نصب العین بنالیا ہے، اور جاہل اہلِ تاریخ سرکش بدعتیوں کی تقلید کرتے ہوئے اکثر اصحابِ کرام کو نیکی و بھلائی سے یاد نہیں کرتے اور نامناسب امور ان حضرات کی جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے ضرور سمجھتے ہوئے جو کچھ معلوم تھا اس میں سے تھوڑا سا تحریر کرکے دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب فتنے یا یہ فرمایا کہ بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہیں کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان ہے کہ سلطانِ وقت اپنے آپ کو حنفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہلِ سنت و جماعت

میں سے جاتا ہے ورنہ مسلمانوں پر کام بہت تنگ ہو جاتا، اس بڑی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔(۱)

نیز مکتوب نمبر ۶۷ عقیدہ نمبر ۲۴ دفتر دوم میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے، تفصیل کے لئے ان دونوں مکتوبات کو بالاستیعاب مطالعہ کریں، نیز مکتوب نمبر ۹۶ دفتر دوم میں حدیثِ قرطاس کے مضمون کے وضاحت میں چند اصولی مقدمات تحریر فرمائے ہیں، جن میں سے ہر ایک مقدمہ ان شبہات وتشکیکات کا بہ جائے خود ایک جواب ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بعض جاہل ومتعصب لوگ پیدا کر کے اہلِ حق کو گم راہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس مکتوبِ گرامی کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کرنا اہلِ سنت کے لئے نہایت ضروری ہے، اس کے علاوہ بھی دیگر مکتوباتِ گرامی میں متعدد جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا ذکر نہایت مؤثر ومدلل انداز میں ہے جو مکتوباتِ قدسی آیات کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے، فضیلتِ صحابہ میں ایک رسالہ ''ردِ روافض'' آپ کی ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو بارہا مختلف اداروں کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درجاتِ قُرب کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب تحریر فرماتے ہیں:

اور ایک مقام ایسا ہے کہ جذبہ وسلوک کی دونوں جہتوں سے جدا ہے، نہ جذبے کو اس سے کوئی علاقہ ہے اور نہ سلوک کو اس سے کوئی تعلق، یہ مقام نہایت عجیب ہے۔ آں سرورِ عالم ﷺ کے اصحاب اس مقام کے ساتھ ممتاز ہیں اور اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہیں، اس مقام کے لئے دوسرے مقامات والوں سے کامل امتیاز ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت کم مشابہت رکھتے ہیں بہ خلاف دوسرے مقامات والوں کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ وہ مشابہت ایک وجہ سے ہو اور دوسری وجہ سے نہ ہو، یہ نسبت اصحابِ کرام کے بعد حضرت مہدی موعود علیہ السلام میں ان شاء اللہ تعالیٰ پورے طور پر ظہور پائے گی۔(۲)

مزید تفصیل کے لئے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوباتِ گرامی اور دیگر تصانیف کا مطالعہ فرمائیں

اہلِ بیتِ عظام

اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت کے ایمان کا جز ہے

اب ہم اصل بات بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اہلِ بیت کی محبت کا نہ ہونا اہلِ سنت کے حق

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱
۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۳

میں کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک ایمان کا جز ہے اور خاتمے کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے اس فقیر کے والد بزرگ وار جو کہ ظاہرو باطنی علوم کے عالم تھے اکثر اوقات اہلِ بیت کی محبت کے لئے ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمے کی سلامتی میں بڑا دخل ہے، اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے، ان کے مرض الموت میں یہ فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ انجام کو پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات (محبتِ اہل بیت) کو انہیں یاد دلایا اور اس محبت کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو اس بے خودی کے عالم میں انہوں نے فرمایا کہ میں اہلِ بیت کی محبت میں غرق ہوں، اس وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔ اہل بیت کی محبت اہلسنت و جماعت کا سرمایہ ہے، مخالف لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور ان کی محبتِ متوسط سے جاہل ہیں، مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے سوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے، اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے، وہ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حدِ وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا موطن ہے اور اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کو نصیب ہوا ہے (۱)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، علمائے اہلِ سنت و جماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقدم سمجھتے ہیں لیکن فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و اجتہاد میں پیش پیش ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زہد و انقطاع (مخلوق سے علیحدگی) میں بڑھ کر ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصحاب کرامؓ کے فتاویٰ کا مرجع تھیں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرامؓ کو علم میں جو مشکل پیش آتی تھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔ (۲)

تقیے کی حقیقت اور اس کے مفاسد

چوں کہ حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی عزت و

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۲۲، ۲۳

توقیر کی ہے اوران کو اقتدا کے لائق جان کر ان سے بیعت کی ہے، پس خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا انکار کرنا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افترا ہے، بل کہ وہ انکار، درحقیقت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا انکار ہے اور ان کے اقوال و افعال کا صریح ردّ ہے اور تقیے کے احتمال کو حضرت اسد اللہ (علی) رضی اللہ عنہ کے حق میں روا رکھنا بھی بے وقوفی ہے صحیح عقل ہرگز اس کو جائز قرار نہیں دیتی کہ حضرت اسد اللہ رضی اللہ عنہ کمال معرفت وشجاعت کے باوجود خلفائے ثلاثہ کے بُغض و دشمنی کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور اس مخالفت کا اظہار نہ کریں اور ان کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں، حال آں کہ کسی ادنیٰ مسلمان سے اس قسم کے نفاق کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اس فعل کی برائی کو معلوم کر لینا چاہیے کہ حضرت امیرؓ کی طرف کس قسم کی برائی اور کس طرح کا فریب ونفاق منسوب ہوتا ہے اگر بفرضِ محال حضرت اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی ہوتو وہ تعظیم وتوقیر جو آں حضرت ﷺ خلفائے ثلاثہ کی کرتے تھے اور ابتدا سے آخرت تک ان حضرات کو بزرگ جانتے رہے ہیں تو یہ لوگ اس کا کیا جواب دیں گے وہاں (نبی ﷺ کے حق میں) تو تقیے کی گنجائش نہیں ہے امرِ حق (دین) کی تبلیغ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر واجب ہے وہاں تقیے کی گنجائش نکالنا زندقہ تک پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (۱)

اے میرے رسول جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو رسالت کے حق کو ادا نہ کیا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ (۲)

اور مخالف لوگ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کے سوا امامِ برحق کسی کو نہیں مانتے اور اس بیعت کو جو حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ سے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی تقیے پر محمول کرتے ہیں اور آں حضرت ﷺ کے اصحاب کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے باہمی روادارانہ تعلقات کو مکر وفریب سمجھتے ہیں، کیوں کہ ان کے زعم میں حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیے کے طور

۱۔ المائدہ: ۶۷

۲۔ دفتر اول: مکتوب ۸۰

پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبانوں پر ظاہر کرتے تھے اور چوں کہ مخالف بھی ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کے دشمن تھے، اس لئے ان کے ساتھ منافقانہ دوستی کرتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے، پس ان لوگوں کے خیال میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے، اور جو کچھ ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے خلاف ظاہر کرتے تھے، پس ان کے نزدیک اس امت کا بدترین گروہ (نعوذ باللہ) اصحابِ کرامؓ کا گروہ ہونا چاہئے اور سب سے زیادہ بری صحبت حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت ہونی چاہئے، جس صحبت نے اس قسم کے اخلاقِ ذمیمہ کو پیدا کیا اور تمام زمانوں میں سب سے برا اصحابِ کرامؓ کا زمانہ ہونا چاہئے جو کہ نفاق وعداوت و بغض وکینہ سے پر تھا، حال آں کہ حق تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ان کے حق میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ فرماتا ہے، یعنی اصحابِ نبی ﷺ آپس میں مہربان وشفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے برے عقیدوں سے بچائے۔ یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاقِ ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں تو ان کے بعد آنے والوں میں کیا نیکی ڈھونڈیں گے ان لوگوں نے شاید ان آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحابِ کرامؓ کی افضلیت اور اس امت کی خیریت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں نہیں دیکھا، یا دیکھا ہے مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے قرآن واحادیث اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے جب اصحابِ کرام مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے نیز مطعون ہوگا۔ **نعوذ باللہ من ذلک** (۱)

فضائل امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے ورع وتقوے کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد واستنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے کہ جس کو دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے اور ان اجتہادات کو دقتِ معانی کے باعث کتاب وسنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحابِ رائے خیال کرتے ہیں، یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت ودرایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم وفراست پر اطلاع نہ پانے کا

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶

نتیجہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے کہ امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرمایا ہے:

اَلْفُقَهَآءُ كُلُّهُمْ عَيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

تمام فقہا ابوحنیفہؒ کی اولاد ہیں۔

ان کم نظر معترضین پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔ (دوشعروں کے بعد)

اور یہ جو خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ نے فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے، ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے لکھا ہو یعنی حضرت روح اللہ علیہ السلام کا اجتہاد حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اجتہاد کے موافق ہوگا، نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیوں کہ حضرت روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علمائے امت کی تقلید کریں، بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم (اکثریت) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا متبع ہے اور یہ مذہب متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباط میں اپنا الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ معنی اس کے حق ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں، حتیٰ کہ احادیثِ مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور ایسے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو حضرت خیر البشر ﷺ کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے اس کے باوجود بھی مخالفین ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں جو بے ادبی کی خبر دیتے ہیں حال آں کہ وہ سب لوگ ان کے کمالِ علم اور ورع و تقویٰ کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں حق تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق عطا کرے کہ وہ دین کے پیش وا اور اہلِ اسلام کے سردار کو آزار نہ پہنچائیں اور اسلام کے سب سے بڑے گروہ کو ایذا نہ دیں:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو دین کے ان اکابر کو صاحب رائے جانتے ہیں اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگ وار اپنی رائے پر حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سوادِ اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہِ اسلام سے باہر ہوگا، اس قسم کا اعتقاد وہی بے وقوف جاہل کر سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا پھر وہ زندیق، جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے، ان چند ناقصوں نے چند احادیث کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو ان ہی پر موقوف جانتے ہیں اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں:

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمانِ او ہماں است

ان کی مثال اس کیڑے کی سی ہے جو پتھر میں پوشیدہ ہے اور وہ پتھر ہی اس کا زمین و آسماں ہے۔

ان لوگوں کے بے ہودہ تعصبوں اور فاسد نگاہوں پر ہزار ہا افسوس ہے، فقہ کے بانی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تمام فقہا فقہ کے تین حصے ان کے لئے مسلم رکھتے ہیں اور باقی چوتھے حصے میں سب ان کے ساتھ شریک ہیں، فقہ میں صاحب خانہ وہی ہیں اور دوسرے سب ان کے عیال ہیں، اس مذہب کے التزام کے باوجود مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ذاتی محبت ہے اور میں انہیں بزرگ جانتا ہوں، اسی لئے بعض اعمالِ نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں، لیکن کیا کروں دوسرے لوگ کمال علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں اور حقیقت الامر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔(۱)

امام اعظمؒ اور مسئلۂ تکفیر مسلم

مؤمن گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک روز امام اعظم علیہ الرحمۃ علما کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ اس مؤمن فاسق کے لئے کیا حکم ہے جو اپنے

ا۔ دفتر دوم: مکتوب ۵۵

باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے اس کے کاسۂ سر میں شراب ڈال کر پئے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے، وہ مومن ہے یا کافر؟ اس جماعتِ علما میں سے ہر ایک نے اس کے حق میں غلط باتیں کیں اور اصل معاملہ سے دور چلے گئے، امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اسی اثنا میں فرمایا کہ وہ مؤمن ہے اور ان کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہونے سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا۔ امام صاحب کی بات علما کو نہایت ناگوار گزری اور انہوں نے امام صاحب کے حق میں طعن وتشنیع کی زبان دراز کی، آخر چوں کہ امام صاحب کی بات برحق تھی سب نے (بحث ومباحثہ کے بعد) اس کو قبول کیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔

اگر کسی گنہ گار مؤمن کو موت کے غرغرہ یعنی حالتِ نزع سے پہلے توبہ حاصل ہو جائے تو اس کی نجات کی بہت بڑی امید ہے، کیوں کہ اس وقت تک توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ وانابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، خواہ معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور خواہ گناہ کے موافق عذاب کرے اور آتشیں وغیر آتشیں دوزخ میں ڈال دے، لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا اور انجام کار وہ بہشت میں داخل ہوگا، کیوں کہ آخرت میں رحمتِ خداوندی سے محروم ہونا کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور جو شخص ذرہ بھر بھی ایمان رکھتا ہے وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہے اگر وہ گناہ کے باعث ابتدا میں رحمتِ خداوندی کو نہ پہنچے گا تو انتہا میں اللہ تعالیٰ کی عنایت میسر ہو جائے گی۔ (۱)

فرقۂ ناجیہ

فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت ہیں

تہتر فرقوں میں ہر ایک فرقہ شریعت کی تابعداری کا مدعی ہے آیتِ کریمہ:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ

ہر گروہ اس چیز سے خوش ہے جو اس کے اس پاس ہے۔

ان کے حال کی خبر دیتی ہے، لیکن پیغمبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دلیل ان متعدد فرقوں میں سے ایک فرقۂ ناجیہ کی تمیز کے لئے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے:

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷، عقیدہ نمبر ۱۷

اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلیٰ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ

ایک فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں اس طریق پر ہیں جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(گیارہ بارہ سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اس میں شک نہیں کہ وہ فرقہ جس نے آں حضرت ﷺ کی تابع داری کو لازم پکڑا ہے اہلِ سنت و جماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے، پس یہی لوگ فرقہ ناجیہ ہیں۔(۱)

اعتقادی خرابی میں مغفرت کی گنجائش نہیں

اے سعادت کے نشان والے! آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت (جو سوادِ اعظم اور جم غفیر ہیں) کے عقائد کے موافق درست کرے گا کہ آخرت کی نجات اور خلاصی متصور ہو سکے، خبثِ اعتقادی یعنی بد اعتقادی جو اہل سنت و جماعت کے مخالف ہے زہرِ قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب وعتاب تک پہنچا دیتی ہے، عمل کی خرابی اور غفلت پر مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقادی خرابی میں مغفرت کی گنجائش نہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۲)

اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا اور سب کچھ جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔(۳)

شخص معین کو جہنمی اور لعنتی کہنے کا حکم

یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ کسی معین شخص کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو، اسلام اور توبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر تجویز نہیں کرتے، مطلق طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن کافرِ معین پر لعنت پسند نہیں کرتے جب تک کہ اس کے خاتمے کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔(۴)

ایمان بالغیب کے درجات

ایمان بالغیب جو اخصِ خواص کے نصیب ہے عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں ہے۔ عوام نے سن کر یا استدلال کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کیا ہے اور اخصِ خواص نے جمال و جلال کے ظلال و تجلیات و ظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کر کے ایمان بالغیب

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۸۰ ۲۔ النساء: ۴۸

۳۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷ در ابتدا ۴۔ دفتر دوم: مکتوب ۳۶

حاصل کیا ہے اور متوسطین ظلال کو اصل خیال کر کے اور تجلیات کو عینِ متجلی (جلوہ دینے والا یعنی حق تعالیٰ) جان کر ایمانِ شہودی کے ساتھ خوش ہیں، ان کے حق میں ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (ہر ایک گروہ اپنے پاس والی حالت پر خوش ہے)(۱)

ایمان بالغیب کب حاصل ہوتا ہے

حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ انفس و آفاق میں ہے وہ سب چونی و چندی کے داغ سے داغ دار ہے پس جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں جلوہ گر ہے وہ بالضرور بہ طریقِ اولیٰ چند و چون ہوگا جو کہ نفی کے لائق ہے، پس جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود و محسوس ہو وہ سب چونی و چگونی سے متصف اور حدوث و امکان کے عیب سے عیب دار ہے کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا اپنا تراشا اور بنایا ہوا ہے وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے عین تشبیہ ہے اور وہ کمال ہے جو ہمارے فہم میں آسکے وہ عین نقص ہے جو کچھ ہم پر متجلی و منکشف اور مشہود ہوتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے، اور حق تعالیٰ ان سب باتوں سے وراء الوراء ہے۔

(چند سطروں کے بعد) ایمان بالغیب اس وقت میسر ہوتا ہے، جب کہ ہمارے تیز رفتار وہم کو اس جگہ کوئی رسائی و دست رس حاصل نہ ہو اور وہاں ہماری قوتِ متخیلہ میں کوئی چیز نقش پذیر نہ ہو، اور یہ بات حق تعالیٰ کی اقربیت میں ثابت ہوتی ہے جو وہم و خیال کے احاطے سے باہر ہے، کیوں کہ جس قدر زیادہ دور ہو اسی قدر وہم کی پرواز زیادہ ہوتی ہے اور خیال کی سلطنت میں اسی قدر جلدی داخل ہو جاتی ہے، یہ دولت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، اور ایمان بالغیب ان ہی بزرگ ہستیوں کے نصیب ہے، اور جس کسی کو چاہتے ہیں ان حضرات کی متابعت و وراثت کے سبب اس دولت سے مشرف کرتے ہیں، اور وہ ایمان بالغیب جو عام مؤمنوں کو حاصل ہے وہ وہم کے احاطہ سے خارج نہیں ہے، کیوں کہ وراء الوراء عوام کے نزدیک بُعد اور دوری کی جانب ہے جو کہ وہم کی جولانگاہ ہے اور ان حضرات یعنی انبیا علیہم السلام کے نزدیک وراء الوراء قرب کی جانب میں ہے جہاں وہم کی مجال نہیں، جب تک دنیا قائم ہے اور مؤمن حیاتِ دنیا کے ساتھ زندہ ہے اس کو ایمانِ غیب سے چارہ نہیں ہے، کیوں کہ ایمانِ شہود اس جگہ معلول ہے جب عالمِ آخرت پرتو ڈالے گا اور وہم و خیال کی صورت کو توڑ دے گا تو پھر ایمانِ شہودی مقبول ہوگا اور تراشنے و بنانے کی علت سے پاک و مبرا ہوگا۔(۲)

۱۔دفتر دوم: مکتوب ۸　　۲۔دفتر دوم: مکتوب ۹

اتباعِ سنت ورد بدعت

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو سنتِ نبوی ﷺ سے عشق

یہ فقیر اپنی موجودہ حالت کے متعلق لکھتا ہے کہ بہت مدت تک علوم و معارف اور احوال و مقامات برسات کی بارشوں کی طرح مجھ پر وارد ہوتے رہے ہیں اور جو کام کرنا چاہئے تھا وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد ہیں، آپ کو چاہئے کہ باطن کو خواجگان قدس سرہم کی نسبت سے معمور رکھیں اور ظاہر کو نبی ﷺ کی تابعداری سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ کریں

کار این ست و غیرِ ایں ہمہ ہیچ

نمازِ پنج گانہ اول وقت میں ادا کریں سوائے موسمِ سرما کی نمازِ عشا کے کہ اس میں رات کے تیسرے حصے تک تاخیر کرنا مستحب ہے، فقیر اس امر میں بے اختیار ہے نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں سرِ مو تاخیر واقع ہو اور بشریت کا عجز اس سے مستثنیٰ ہے۔ (۱)

آں حضرت ﷺ کی متابعت کے مدارج

آں حضرت ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے:۔

پہلا درجہ عوام اہلِ اسلام کے لئے ہے، یعنی تصدیقِ قلبی کے بعد اور اطمینانِ نفس سے پہلے جو کہ درجۂ ولایت سے وابستہ ہے، احکامِ شرعیہ کا بجالانا اور سنتِ سنیہ کی متابعت ہے، اور علمائے ظاہر اور عابد و زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا، سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں اور چوں کہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار پر ہی اڑا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ درجہ متابعت کی صورت کے ساتھ مخصوص ہوگا، یہ متابعت کی صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی کامیابی و نجات اور خلاصی کا موجب، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی، اور جنت میں داخل ہونے کی خوش خبری دینے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۷

والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔ بیت

می توانی کہ دہی اشکِ مرا حسنِ قبول
اے در ساختۂ قطرۂ بارانی را

متابعت کا دوسرا درجہ آں حضرت ﷺ کے ان اقوال واعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً اخلاق کا درست کرنا اور بری عادتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ وغیرہ جو مقامِ طریقت سے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقۂ صوفیہ کو شیخِ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آں حضرت ﷺ کے ان احوال واذواق ومواجید کی اتباع ہے جو ولایتِ خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں، یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں، جب مرتبۂ ولایت حاصل ہوجاتا ہے تو نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے اور طغیان وسرکشی سے باز آجاتا ہے اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آجاتا ہے اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے، اگر نماز ادا کرتا ہے متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ یا زکوٰۃ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، تمام احکامِ شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت شاملِ حال ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا درجہ یعنی کمالاتِ ولایتِ خاصہ کے حال ہونے کے بعد (جو اتباع کا تیسرا مرتبہ ہے) نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ ہے جو متابعت کا چوتھا درجہ ہے۔ پہلے درجے میں اس اتباع کی صورت تھی اور یہاں اس اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین شکر اللہ سعیہم کی ساتھ مخصوص ہے، جو اطمینانِ نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں، اگرچہ اولیا اللہ کو قلب کی تمکین کے بعد بھی تھوڑا سا اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے، لیکن کمال اطمینان نفس کو کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے میں حاصل ہوتا ہے کہ ان کمالات سے علمائے راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علما راسخین نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چوں کہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے، اس لئے کبھی وہ شریعت کی صورت سے متلبس اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔

متابعت کا پانچواں درجہ آں حضرت ﷺ کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم وعمل کا دخل نہیں بل کہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم پر موقوف ہے، یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس درجے کے مقابلے میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں، یہ کمالات اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ بالاصالت مخصوص ہیں اور دوسرے لوگوں کو تبعیت ووراثت کے طور پر حاصل ہیں، دیکھئے اس دولت سے کس کو مشرف فرماتے ہیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ آں حضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آں حضرت ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجے میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا، اس چھٹے درجے میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل واحسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے، کیوں کہ اس مقامِ نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے اور تمکین قلبی بھی اور نفس کا اطمینان بھی، اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہیں۔ پہلے درجے گویا متابعت کے اجزا ہیں اور یہ درجہ ان اجزا کے کل کی مانند ہے۔ اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ گویا تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع ومتبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے، گویا دونوں ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش وہم کنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر وشکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے تبع کون اور تبعیت کس کے لئے ہے۔ نسبت کے اتحاد میں تغائر (غیر ہونے) کی کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے، اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت ومتبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہور نہیں ہوتا۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی ﷺ کا طفیلی اور وارث جانتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی و وارث اور، اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے اور طفیلی و وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں، تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی ہم نشیں ہوتا ہے۔ غرض کہ جو دولت آئی ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے آئی ہے، یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیا علیہم

الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں، بیت

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

کامل تابع دار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو، اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں، درجوں کے فرق کے بہ موجب مجمل طور پر تابع ہے، علمائے ظاہر پہلے درجے پر ہی خوش ہیں، کاش یہ لوگ درجۂ اول کو ہی سرانجام دے لیں، انہوں نے متابعت کو صورتِ شریعت پر موقوف رکھا ہے اور اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے اور طریقۂ صوفیہ کو جو درجاتِ متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے، بے کار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علما ہدایہ اور بزدوی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیرو مقتدا نہیں جانتے:

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است
زمین و آسمانِ او ہمان است(۱)

ترغیب اتباعِ سنت وردِ بدعت

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزندِ عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنتِ سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کریں، اسلام اس زمانے میں غریب یعنی بے یار و مددگار ہو گیا ہے اور مسلمان غریب یعنی بے یار و مددگار ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اور بھی زیادہ غریب و بے کس ہوتے جائیں گے، حتیٰ کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ معمولہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔

اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہوا ہے، سنت عہد نبوت سے دوری کے باعث پوشیدہ ہو گئی ہے اور بدعت جھوٹ کے پھیل جانے کی وجہ سے جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اب ایک ایسے جواں مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے، بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کے باعث ہے۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان آپ نے سنا ہوگا:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ الْبِدْعَةِ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَام

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۵۴

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی۔

پورے ارادے اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے خصوصاً ان دنوں میں جب کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جب ہی قائم رہ سکتی ہیں جب کہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے، گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حَسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلے میں ان کی ساتھ متفق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حَسَنہ نہیں جانتا، بل کہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

اسلام کے اس ضعف وغربت کے زمانے میں جب کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے ہر بدعت کو پھاوڑے کی طرح جانتا ہے جو بنیادِ اسلام کو گراتی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں راستہ دکھاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حَسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو، کیوں کہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکروفریب کو بڑا دخل ہے، گزشتہ زمانے میں کیوں کہ اسلام قوی تھا اس لئے بدعت کی ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور شاید بعض بدعتوں کی ظلمات نورِ اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو نورانی معلوم ہوتی ہوں گی اور حسن کا حکم پا لیتی ہوں گی، اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہیں تھی۔ مگر اس وقت جب کہ اسلام ضعیف ہے بدعتوں کی ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ (۱)

سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سیّد المرسلین ﷺ کا دین اور آپ کی متابعت اختیار کریں، سنتِ سَنیّہ کو بجالائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کے لئے شفا ہے اور نہ ہی کسی مریض کے لئے دوا ہے، اور یہ بات اس میں کیسے ہو سکتی ہے، جب کہ بدعت دو حال سے

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۳

خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی، ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے، کیوں کہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حُسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دینِ کامل اور اسلامِ پسندیدہ میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی بدعتِ محدثہ کے حُسن ہونے کا کس طرح حکم دیا، یہ نہیں جانتے کہ اکمال واتمام ورضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حُسن سے کوسوں دور ہے:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ

حق کے بعد گمراہی ہی ہے۔

اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدثہ امر (نئے امر) کو حُسن کہنا دین کے کام نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (۱)

ردِّ بدعت

اور دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنتِ سنیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم ورسم سے اجتناب کرنا ہے، جب تک بدعتِ حسنہ سے بدعتِ سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں، تب تک اس دولت کی بُو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی، آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے، اس زمانے کے اکثر علما بدعتوں کو رواج دیتے اور سنتوں کو محو کرتے ہیں شائع شدہ اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف ومشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں تعامل جو معتبر ہے وہ ہے کہ جو صدرِ اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے، جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔ (۲)

سنتِ سنیہ (روشن وبلند سنتوں) علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نور کو بدعتوں کی اندھیروں

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۱۹ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۵۴

نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رونق کو امورِ محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے، پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات (دین میں نئی نئی باتیں جاری کرنا) کو امورِ مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حَسَنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم (پورا ہونے کو) ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں، خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے، کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمتِ خداوندی پوری ہو چکی ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۱)

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

پس ان محدثات (بدعات) سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیتِ کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔ (۲)

یہ فقیر عاجزی وزاری والتجا ومحتاجی اور ذلت وانکساری کے ساتھ ظاہراً و باطناً حق تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سوال کرتا ہے کہ جو کچھ اس دین میں نئی پیدا شدہ چیزیں داخل ہو گئی ہیں جو رسول اللہ علیہ والصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھیں اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفید کی مانند ہوں، اس ضعیف کو ان لوگوں کے ساتھ جو اس (بدعت) پر فریفتہ ہیں اس مُحدَث عمل میں گرفتار نہ کرے اور اس بدعتی پر فریفتہ نہ کرے۔ بحرمتِ سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

علما نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعتِ حَسَنہ اور بدعتِ سیّئہ، بدعتِ حَسَنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آں حضرت اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے، اور بدعتِ سیّئہ وہ ہے جو سنت کی رافعہ ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا، اگرچہ آج مبتدع کے عمل کو ضعفِ بصارت کے باعث طراوت وتازگی میں دیکھتے ہیں لیکن کل جب کہ بصیرت تیز ہو گی تو جان لیں گے کہ اس کا انجام خسارہ اور ندامت کے سوا کچھ نہیں تھا:

۱۔ المائدہ:۳ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۰

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

حضرت خیر البشر علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَرَدٌّ

جس نے ہمارے اس امر میں ایسی چیز پیدا کی جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

بھلا جو چیز مردود ہو وہ حسن کہاں سے پیدا کر سکتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماو مشائخ نے سنت سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کی رفع کرنے والی ہیں، مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامے کو بدعتِ حَسَنہ کہتے ہیں حال آں کہ یہی بدعت رافعِ سنت ہے، کیوں کہ عددِ مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عینِ رفع ہے، اور ایسے ہی مشائخ نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے، حال آں کہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے، ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافعِ سنت ہے، اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علما نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادے کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہیے، حال آں کہ آں حضرت علیہ والصلوٰۃ والسلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحابِ کرام و تابعینِ عظام سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو، بل کہ جب اقامت کہتے تھے فقط تکبیرِ تحریمہ ہی فرماتے تھے پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حَسَنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفعِ سنت تو بہ جائے خود رہا یہ فرض کو بھی رفع کرتی ہے، کیوں کہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیتِ قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ تمام مبتدعات و محدثات کا یہی حال ہے کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہیں خواہ کسی طرح کی ہو اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔

پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت پر کمربستہ رہیں اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا پر کفایت کریں، کیوں کہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں، کیوں کہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے، پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اور اس شخص پر سلام ہو جو

ہدایت کے راستہ پر چلا اور اس نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)(۱)

بدعت کی وضاحت اور عبادت و عادت کا فرق

آپ نے پوچھا تھا کہ ذکرِ جہر سے یہ کہہ کر منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے، حال آں کہ اس سے ذوق وشوق حاصل ہوتا ہے اور دوسری چیزوں سے جو کہ آں حضرت ﷺ کے زمانے میں نہیں تھیں مثل لباسِ فرجی (کھلی قبا) اور شلوار سے کیوں منع نہیں کرتے؟

میرے مخدوم! آں حضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر، وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے جو مردود ہے اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں، کیوں کہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر، کیوں کہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ہونا ظاہر ہے البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔(۲)

جس امر میں سنت اور بدعت دونوں احتمال ہوں اس کو ترک کیا جائے

علما کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ ضرر کے احتمال پر بہت سے منافع کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی کے قریب قریب وہ کلام ہے جو علما نے فرمایا ہے کہ اگر کسی امر میں سنت ہونے کا بھی احتمال ہو اور بدعت ہونے کا بھی، تو سنت پر عمل کرنے کی بہ نسبت بدعت کا ترک کر دینا بہتر ہے (یعنی بہتر یہ ہے کہ اس امر پر عمل نہ کرے) کیوں کہ بدعت (ہونے کی صورت میں اس) پر عمل کرنے میں ضرر کا احتمال ہے اور سنت (ہونے کی صورت میں اس) پر عمل کرنے میں منافع کی توقع ہے پس ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا چاہیے۔(۳)

بدعتی کی صحبت کا ضرر

یقین کے ساتھ تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بڑھا ہوا ہے اور

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۸۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۳۱

۳۔ دفتر اول: مکتوب ۳۱۳

تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بُغض رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے چناں چہ فرماتا ہے لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ (۱)

علمائے سوء کی مذمت اور علمائے حق کی تعریف

جو علما اس بلا میں مبتلا ہیں اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ علمائے دنیا میں سے ہیں اور برُے عالم اور لوگوں میں سب سے بدتر اور دین کے چور یہی عالم ہیں، حال آں کہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا سمجھتے ہیں اور مخلوقات میں اپنے آپ کو سب سے بہتر خیال کرتے ہیں:

وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ط اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ط (۲)

اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ خبردار کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ شیطان کا گروہ خسارہ پانے والا ہے۔

کسی عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گم راہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہے اس عزیز نے اس کا بھید پوچھا تو اس لعین نے جواب دیا کہ اس وقت کے برے عالموں نے اس کام میں خود میری بڑی مدد کی ہے اور مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے۔ اور واقعی اس زمانے میں جو سستی وغفلت شرعی امور میں واقع ہوئی ہے اور جو فتور مذہب و دین کے رواج دینے میں ظاہر ہوا ہے سب کچھ ان برے عالموں کی نحوست اور ان کی نیتوں کے بگڑ جانے کی باعث ہے، ہاں وہ علما جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و ریاست و مال و رفعت کی محبت سے آزاد ہیں علمائے آخرت سے ہیں اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور مخلوقات میں سب سے بہتر یہی علما ہیں کہ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور نَوْمُ الْعُلَمَآءِ عِبَادَۃٌ ان ہی کے حق میں ثابت ہے۔ (۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۴ ۲۔ المجادلۃ: ۱۸

۳۔ دفتر اول: مکتوب ۳۳۔ اسی قسم کا مضمون دفتر اول مکتوب نمبر ۵۳ میں بھی ہے

ارکانِ اسلام

ارکانِ خمسۂ اسلام

عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت ضروری ہے، پنج وقتی نماز کو بلا فتورِ تعدیلِ ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، کیوں کہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق نماز ہی کا ہے۔ جب نماز مسنون طریقہ پر ادا ہو جائے تو اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آجاتی ہے، کیوں کہ نماز اسلام کے پنج گانہ اصول میں سے دوسری اصل ہے، اصلِ اول، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا ہے، اصلِ دوم نماز ہے، اصلِ سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا، اصلِ چہارم ماہِ رمضان کے روزے، اصلِ پنجم بیت اللہ کا حج ہے۔ اصلِ اول ایمان سے تعلق رکھتا ہے باقی چار اصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام عبادتوں کی جامع اور سب سے فاضل تر نماز ہے، قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا، اگر نماز کا محاسبہ درست ہو گیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آسانی سے گزر جائیں گے، جہاں تک ہو سکے شرعی ممنوعات سے بچنا چاہئے، اپنی کارگزاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہئے اور ندامت و حسرت اٹھانی چاہئے بندگی کا طریق یہی ہے، واللہ سبحانہ الموفق۔ (۱)

آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے دل میں آیا کہ اعمالِ صالحہ سے مراد شاید اسلام کے پانچ ارکان ہیں، جن پر اسلام کی بنیاد ہے، اگر اسلام کے یہ اصولِ پنج گانہ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ نجات و فلاح حاصل ہو جائے گی، کیوں کہ یہ فی حد ذاتہ اعمال صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (۲)

بے شک نماز تمام بے حیائیوں اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

اس مطلب پر شاہد ہے اور جب اسلام کے ان پنج گانہ ارکان کا بجالانا میسر ہو گیا تو امید ہے کہ شکر بھی ادا ہو گیا اور جب شکر ادا ہو گیا تو عذاب سے نجات مل گئی:

مَایَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (۳)

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۷ ۲۔ عنکبوت: ۴۵

۳۔ ابراہیم: ۷

اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔

پس ان پنج گانہ ارکان کے بجالانے میں دل و جان سے کوشش کرنی چاہئے خاص طور پر نماز کے قائم کرنے میں جو دین کا ستون ہے، جہاں تک ہو سکے اس کے آداب میں سے کسی ادب کے ترک کرنے پر راضی نہیں ہونا چاہئے اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو گویا اسلام کی اصلِ عظیم حاصل ہوگئی اور نجات کے لئے حبل متین یعنی مضبوط رسی مل گئی۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔(۱)

نماز

نماز کی فضیلت

سب سے بہتر عمل اور سب سے فاضل تر عبادت نماز کا قائم کرنا ہے جو دین کا ستون اور مؤمن کی معراج ہے۔ پس اس کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور کامل احتیاط برتنی چاہئے کہ نماز کے ارکان و شرائط و سنن و آداب کما حقہ ادا ہوں۔ تعدیل اور طمانیت کے بارے میں بار بار مبالغہ کیا جاتا ہے اس کی اچھی طرح محافظت کریں، اکثر لوگ نماز کو ضائع کر دیتے ہیں اور طمانیت اور تعدیل ارکان کو درہم برہم کر دیتے ہیں ان لوگوں کے حق میں بہت سی وعیدیں اور تہدیدیں آئی ہیں جب نماز درست ہو جائے تو نجات کی بڑی امید ہے، کیوں کہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور مراتب کی بلندی کی معراج کامل ہو جاتی ہے۔(۲)

نماز باجماعت کی اہمیت اور آدابِ وضو اور آدابِ نماز کا بیان

اول وضو کامل اور پورے طور پر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار تمام و کمال طور پر دھونا چاہئے، تا کہ وضو سنت طریقے پر ادا ہو، اور سر کا مسح بالاستیعاب یعنی سارے سر کا مسح کرنا چاہئے اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہئے اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے، اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجا لانے کو معمولی امر نہ سمجھیں، مستحب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو بھی غنیمت ہے، اس کا بعینہ یہی حکم ہے کہ کوئی چند خزف ریزوں یعنی ٹھیکریوں سے قیمتی موتی خرید لے

ا۔ دفتر اول: مکتوب ۵۸،۳۰۲   ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۰

اور بے ہودہ بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کر لے۔

کمالِ طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہئے، جو مؤمن کی معراج ہے اور کوشش کرنی چاہئے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر نہ ادا ہو، بل کہ امام کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہئے، قراءت میں قدرِ مسنون کو مدنظر رکھنا چاہئے، رکوع وسجود میں طمانیت ضروری ہے، کیوں کہ بہ قول مختار یا فرض ہے یا واجب، قومے میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں اور کھڑے ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے، کیوں کہ طمانیت فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال، ایسے ہی جلسے میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے، جیسا کہ قومے میں، اور رکوع وسجود کی کم سے کم تسبیحیں تین بار ہیں، اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں علی اختلاف الاقوال، اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ سے ہونی چاہئے۔ شرم کی بات ہے کہ انسان اکیلا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے اقل تسبیحات پر کفایت کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے، اور سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں، پس اول دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، زانو اور ہاتھ رکھتے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضا کو اٹھانا چاہئے جو آسمان سے نزدیک ہیں، پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہئے۔ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدے کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر اور سجدہ کے وقت نوکِ بینی پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف رکھنا چاہئے، جب نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں اور مذکورہ بالا جگہوں پر لگائے رکھیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسر ہوگی اور خشوع والی نماز حاصل ہوگی، جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے، اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب و بے فائدہ نہیں ہے، صاحبِ شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل کیا ہے، صاحب الشریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتبِ فقہ میں مذکور ہیں یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علمِ فقہ کے مطابق عمل بجالانے میں ترغیب ہو۔ (۱)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

نماز کی ہیئت وحقیقت اور برکات

چوں کہ اس زمانے میں اکثر لوگ نماز کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں اور طمانیت وتعدیلِ ارکان میں کوشش نہیں کرتے اس لئے اس بارے میں بڑی تاکید اور مبالغے سے کہا جاتا ہے، غور سے سنیں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنی نماز سے کوئی کس طرح چراتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ وہ رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا کہ رکوع وسجود پوری طرح نہیں کرتا تو فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اگر تو اسی عادت پر مرگیا تو (دینِ محمد ﷺ پر تیری موت نہ ہوگی بل کہ) تو دینِ محمد (ﷺ) کے خلاف مرے گا۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی جب تک کہ رکوع کے بعد سیدھا نہ کھڑا ہو اور اپنی پیٹھ کو ثابت نہ رکھے اور اور اس کا ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو درست نہیں کرتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز تمام نہیں ہوتی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ ایک نمازی کے پاس سے گزرے دیکھا کہ احکام وارکان وقومہ وجلسہ بہ خوبی ادا نہیں کرتا، فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مرگیا تو قیامت کے دن تجھ کو میری امت میں نہ کہیں گے اور دوسری روایت میں فرمایا کہ اگر تو اسی حالت پر مرگیا تو دینِ محمد (ﷺ) پر نہیں مرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی، ایسا شخص وہ ہے جو رکوع وسجود کو بہ خوبی ادا نہیں کرتا۔

روایت ہے کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع وسجود پوری طرح ادا نہیں کرتا۔ اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا چالیس سال سے۔ فرمایا کہ اس چالیس سال کی عرصے میں تیری کوئی نماز نہ ہوئی اگر تو مرگیا تو آں حضرت ﷺ کی سنت پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب مومن بندہ نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع وسجود کو بہ خوبی

بجالاتا ہے تو اس کی نماز بشاشت والی و نورانی ہوتی ہے، فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں، وہ نماز اپنی نمازی کے لئے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے:

حَفِظَكَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ كَمَا حَفِظْتَنِي

اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی۔

اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا تو وہ نماز ظلمت والی رہتی ہے، فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے اور اس کو آسمان پر نہیں لے جاتے، وہ نماز نمازی پر بددعا کرتی ہے اور کہتی ہے:

ضَيَّعَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَمَا ضَيَّعْتَنِي

خدائے تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔

پس نماز کو پوری طرح ادا کرنا چاہئے، تعدیلِ ارکان یعنی رکوع و سجود و قومہ و جلسہ اچھی طرح بجالانا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو بھی رہنمائی کرنی چاہئے کہ وہ نماز کو کامل طور پر ادا کریں اور طمانیت و تعدیلِ ارکان میں کوشش کریں، کیوں کہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہو رہا ہے، اس عمل کو زندہ کرنا دین کی اہم ضروریات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے وقت صفوں کو برابر کرنا چاہئے، نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو، کوشش کرنی چاہئے کہ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اول صفوں کو درست فرما لیا کرتے تھے پھر تکبیرِ تحریمہ کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صفوں کو درست کرنا نماز کی اقامت ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (۱)

نماز نوافل کو جماعت سے ادا کرنے کی ممانعت

جاننا چاہئے کہ اس زمانہ میں اکثر خاص و عام لوگ نوافل کے ادا کرنے میں سنن و مستحبات کی رعایت بہت کم کرتے ہیں، نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل و خوار کرتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کو مستحب وقتوں میں ادا کریں، جماعتِ مسنونہ کی تکثیر (زیادتی) میں بلکہ نفسِ جماعت میں کوئی پابندی نہیں کرتے اور نفسِ فرائض کو غفلت و سستی سے ادا کرنا غنیمت جانتے ہیں اور عاشورا (دسویں محرم) کے روز اور شب برات اور ماہِ رجب کی ستائیسویں شب اور

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۶۹

ماہِ رجب کے اول جمعہ کی شب کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے نہایت اہتمام کر کے نوافل کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ (نوافل کو اہتمام کی ساتھ جماعت سے ادا کرنا) شیطان کا مکرو فریب ہے جو کہ سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیے میں فرماتے ہیں کہ نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرضوں کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکروفریب ہے۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کو بڑی جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ و مذمومہ بدعتوں میں سے ہے اور ان بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ

جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ ردّ ہے۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایتوں میں مطلق طور پر مکروہ ہے اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمیع (یعنی بلانے اور اجتماع) کے ساتھ مشروط ہے اگر تداعی کے بغیر ایک دو آدمی مسجد کے گوشے میں نفل کو جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت جائز ہے، تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالا تفاق مکروہ ہے اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا دیگر نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رمضان کے سوا نمازِ نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جب کہ تداعی کے طریق پر ہو مکروہ ہے، لیکن جب ایک یا دو آدمی اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا خلاف مکروہ ہے۔ اور خلاصہ میں ہے کہ نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن اذان و اقامت کے بغیر گوشۂ مسجد میں ادا کئے جائیں تو مکروہ نہیں۔ اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالا تفاق مکروہ نہیں ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے۔ اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ ماہِ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو آدمی اقتدا کرلیں جو تداعی کے طور پر نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو بالا تفاق مکروہ ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں، اور اگر کوئی ایسی روایت ظاہر ہو جائے جس میں عدد کا ذکر نہ ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ثابت ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہئے، کیوں کہ علمائے حنفیہ اگر چہ اصول میں مطلق کو مطلق ہی رہنے دیتے ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے، لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بل کہ لازم جانتے ہیں، اور اگر ہم بہ فرضِ محال حمل نہ بھی کریں اور اطلاق پر ہی رہنے دیں جب کہ یہ مطلق قوتِ (ثبوت) میں مقید کے برابر ہو تو وہ اس مقید کا معارض ہوگا، حال آں کہ قوت میں مساوات ممنوع ہے، کیوں کہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں، برخلاف اباحت کی روایتوں کے۔ اور اگر مساوات کو بھی مان لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت و اباحت کے دلائل باہم متعارض ہونے کی صورت میں کراہت ہی کی جانب کو ترجیح ہے، کیوں کہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسا کہ اصولِ فقہ کی جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ لوگ جو روزِ عاشور اور شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں نمازِ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز و اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں، ایسے لوگ باتفاقِ فقہا امرِ مکروہ کی مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے، کیوں کہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو حُسن و نیک و بہتر سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے اور کراہت کے رفع کرنے کے بارے میں ان کے پاس سند عدمِ تداعی ہے، ہاں عدمِ تداعی بعض روایات کے مطابق کراہت کو دفع کرتی ہے لیکن یہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشۂ مسجد میں ہو۔ وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ، اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

جاننا چاہئے کہ تداعی سے مراد نمازِ نفل کے ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو خبر دینا ہے اور یہ معنی ان جماعتوں میں متحقق ہیں، کیوں کہ قبیلہ قبیلہ عاشورا وغیرہ کے دن ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نماز کو جمعیت سے ادا کرنا چاہئے، اور اس فعل کو بطریق عادت ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کی اطلاع دینا اذان و اقامت سے بھی ابلغ ہے، پس تداعی بھی ثابت ہوگئی۔ اگر تداعی کو اذان و اقامت پر ہی مخصوص رکھیں، جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہے اور اس سے اذان و اقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو

اوپر گزر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی (یعنی مسجد کے گوشے میں ہو)۔

جاننا چاہئے کہ چوں کہ (نوافل میں) ریا و سمعہ کا دخل ہو سکتا ہے، اس لئے ادائے نوافل کی بنیاد اخفا و تستر یعنی پوشیدگی پر ہے، اور جماعت اخفا کی منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار و اعلان مطلوب ہے، کیوں کہ یہ ریا و سمعہ کی آمیزش سے پاک ہے، پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے، یہی وجہ ہے کہ نمازِ جمعہ کا ادا کرنے کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تا کہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن ثابت ہو اور ان مکروہہ جماعتوں میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہوگا، بل کہ منکر اور ممنوع ہوگا۔ حدیثِ نبوی میں ہے:

اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللهُ مَنْ اَيْقَظَهَا

فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں، تا کہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے، جڑ سے اکھڑ جائے۔ وَاللهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (۱)

فرائض کے مقابلے میں نوافل کا حکم

اور شک نہیں کہ نوافل فرضوں کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش ان کے درمیان قطرے اور دریائے محیط ہی کی نسبت ہوتی، بل کہ سنت کے مقابلے میں نفل کی یہی نسبت ہے اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرے اور دریا کی نسبت ہے، پس دونوں قربوں (قرب بالنوافل و قرب بالفرائض) کے درمیان تفاوت، اس سے قیاس کرنا چاہئے اور عالم خلق کا شرف عالمِ امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینا چاہئے، اکثر لوگ چوں کہ اس معنیٰ سے بے نصیب ہیں، فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔

صوفیائے خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چلے و ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت ترک کر دیتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے، ہاں آدابِ شرعیہ کو مدِ نظر رکھ کر ذکر و فکر

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۸۸

میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور علمائے بے سرانجام بھی نوافل کے رواج دینے میں سعی کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں مثلاً نمازِ عاشورا کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچتی، جماعت و جمعیتِ تمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی نماز کی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں اور فرضوں کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں، ایسا کم ہوتا ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں بل کہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں پابندی نہیں کرتے، جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں بل کہ بسا اوقات تنہا ہونے پر ہی کفایت کرتے ہیں، جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہے تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے، اس عمل کی بدبختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا اور اس فعل کی ظلمت سے بدعت و خواہشِ نفسانی ظاہر ہو گئی ہے۔(۱)

کلماتِ اذان کے اسرار

حمد وصلوٰۃ کے بعد جاننا چاہئے کہ اذان کے کلمات سات ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، یعنی اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو کسی عابد کی عبادت کی حاجت ہو، اس مہتم بالشان معنی کی تاکید کے لئے یہ کلمہ چار بار دہرایا گیا ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنی کبریائی اور کسی عبادت سے مستغنی ہونے کے باوجود عبادت کا مستحق بھی وہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہی ہے اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ آں حضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی طرف سے عبادت کا طریقہ پہنچانے والے ہیں اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے لائق وہی عبادت ہے جو آں حضرت ﷺ کی تبلیغ ورسالت کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، یہ دو کلمے وہ ہیں جن کے ذریعے نمازی کو فلاح وکامیابی کی طرف لے جانے والی فرض نماز کی ادائیگی کی طرف بلایا جاتا ہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی کی عبادت اس پاک جناب کے لائق نہیں، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی وہی حق تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اگرچہ کسی سے اس کی پاک جناب کے لائق عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ نماز کی بزرگیٔ شان ان کلمات کی بزرگی سے جو نماز کے اعلان کے لئے شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائے ہیں سمجھنی چاہئے:

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۰

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا

سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ(۱)

اسرار الصلوٰۃ

جاننا چاہئے کہ نماز میں تکبیرِ اولیٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی و برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ارکان کے بعد ہیں وہ اس امر کے رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے حق تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی عبادت کے لائق نہیں ہے، رکوع کی تسبیح میں چوں کہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے آخرِ رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم نہ فرمایا برخلاف دونوں سجدوں کے کہ باوجود ان کی تسبیحوں کے اول و آخر تکبیر کہنے کا امر کیا ہے، تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ سجود میں چوں کہ نہایت فروتنی و پستی اور نہایت ذلت و انکسار ہے اس لئے حقِ عبادت ادا ہو جاتا ہے اسی وہم کے دور کرنے کے لئے سجود کی تسبیح میں لفظِ اَعْلٰی کو اختیار کیا ہے اور تکبیر کا تکرار بھی مسنون ہوا، اور چوں کہ نماز مؤمن کی معراج ہے اس لئے آخر نماز میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم صادر فرمایا جن کے ساتھ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام شبِ معراج میں مشرف ہوئے تھے، پس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو اپنی معراج بنائے اور نماز ہی میں نہایت قرب حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوةِ

بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

اور نمازی چوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور نماز کے ادا کرتے وقت حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر کے حق تعالیٰ کا رعب و ہیبت اس پر چھا جاتا ہے، اس لئے اس کی تسلی کے واسطے نماز کو دو سلاموں پر ختم کرنے کا امر فرمایا۔ اور یہ جو حدیث نبوی ﷺ میں ہر فرض نماز کے بعد سو دفعہ تسبیح و تحمید و تکبیر و تہلیل کا حکم ہے فقیر کے علم میں اس کا بھید یہ ہے کہ ادائے نماز جو قصور و کوتاہی واقع ہوئی ہے اس کی تلافی تسبیح و تکبیر سے ساتھ کی جائے اور اپنی عبادت کے ناتمام و نالائق

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۳

ہونے کا اقرار کیا جائے اور چوں کہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت کا ادا کرنا میسر ہوا ہے تو اس نعمت کا حمد و شکر بجالانا چاہیے اور حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ بنانا چاہیے۔ جب نماز اس طرح شرائط و آداب کے ساتھ ادا ہو جائے اور اس کے بعد تہِ دل سے ان کلماتِ طیبہ کے ساتھ تقصیر و کوتاہی کی تلافی کر لی جائے اور توفیقِ عبادت کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے مستحقِ عبادت ہونے کی نفی کر لی جائے تو امید ہے کہ وہ نماز حق تعالیٰ کی نزدیک قبول کے لائق ہوگی اور وہ نمازی عذاب سے نجات پائے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَات (۱)

نماز میں حضورِ قلب سے مراد

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے! واضح ہو کہ نماز کے کامل طور پر ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنت و مستحب جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں بیان ہو چکی ہے سب کے سب ادا کیے جائیں، ان چاروں امور کے سوا اور کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کا نماز کو کامل کرنے میں دخل ہو، نماز کا خشوع بھی ان ہی چاروں امور میں مندرج ہے اور دل کا خشوع و خضوع بھی ان ہی پر وابستہ ہے، بعض لوگ ان امور کے صرف جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل میں سستی اور کاہلی کرتے ہیں اس لئے نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں۔

بعض لوگ حق تعالیٰ کے ساتھ حضورِ قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمالِ ادبیہِ جوارح میں کم مشغول ہوتے ہیں اور صرف سنتوں اور فرضوں پر کفایت کرتے ہیں یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، یہ لوگ نماز کے کمال کو غیر نماز سے ڈھونڈتے ہیں، کیوں کہ حضورِ قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے اور جو حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

نماز حضورِ قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔

ممکن ہے کہ اس حضورِ قلب سے مراد یہ ہو کہ ان امورِ اربعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے، تا کہ ان امور میں سے کسی امر کے بجالانے میں کچھ فتور واقع نہ ہو اور اس حضور کے سوا اور کوئی حضور اس وقت اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔ (۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۵

نماز کی بلندیٔ شان

جاننا چاہئے کہ وہ لذت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت حاصل ہوتی ہے نفس کا اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے، عین اس لذت حاصل کرنے کے وقت وہ نالہ وفغاں میں ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب مرتبہ ہے۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا

ہم جیسے حریص آدمیوں کو اس قسم کی باتوں کا کہنا اور سننا بھی غنیمت ہے۔

بارے بہ ہیچ خاطرِ خود شاد میکنم

اور نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رویت کے رتبے کی طرح ہے، دنیا میں بہت قرب نماز میں ہے اور آخرت میں نہایت قرب رویت کے وقت، اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور نماز اصلی مقصد ہے والسلام والاکرام۔(۱)

مبتدی و منتہی کی نماز کا فرق اور منتہی کی نماز کی چند خصوصیات

(مبتدی و منتہی کی نماز میں) فرق عامل کی جہت سے ہے عمل کی جہت سے نہیں، ایک ہی عمل کا اجر عامل کے تفاوت کے باعث متفاوت ہوتا ہے، مثلاً وہ عمل جو کسی مقبول ومحبوب عامل سے وقوع میں آئے اس کا اجر اس کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہوگا جو اس عامل کے سوا کسی غیر کے اسی عمل پر مرتب ہو، کیوں کہ جس قدر عامل کا مرتبہ بڑا ہوگا اسی قدر اس کے عمل کا اجر بھی زیادہ تر ہوگا، اسی سبب سے کہتے ہیں کہ عارف کا ریائی عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہے، اور پھر کس طرح بہتر نہ ہو جبکہ عارف کا عمل سراسر اخلاص سے بھرا ہوا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کو اپنے صواب سے بہتر جان کر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کی آرزو کرتے رہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ

اے کاش میں حضرت محمد ﷺ کا سہو ہی ہو جاتا۔

گویا ان کی آرزو یہی تھی کہ کلی طور پر آں حضرت ﷺ کا سہو ہو جائیں پس اپنے تمام احوال واعمال کو آں حضرت ﷺ کے عملِ سہو سے کم جانتے ہیں اور کامل تمنا کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ ان کی تمام نیکیاں آں حضرت ﷺ کے سہو کے برابر ہی ہو جائیں اور آں حضرت ﷺ کا سہو اعمل

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۳۷

یہ تھا کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار گانہ فرض نماز کی دو رکعتوں پر بھول کر سلام پھیر دیا تھا، جیسا کہ مروی ہے، پس منتہی کی نماز پر دنیاوی نتائج اور ثمرات کے باوجود آخرت کا بڑا بھاری اجر بھی مرتب ہے برخلاف مبتدی اور عامی کی نماز کے

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

نماز کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں ان سے قیاس کرلیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز میں قرآن پڑھنے اور تسبیحات وتکبیرات کہنے کے وقت اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کی طرح معلوم کرتا ہے اور اپنے قویٰ واعضا کو آلات ووسائل جانتا ہے، اور کبھی ایسا پاتا ہے کہ نماز ادا کرتے وقت باطن وحقیقت، ظاہر وصورت سے پورے طور پر تعلق توڑ کر عالمِ غیب کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اور غیب کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت حاصل کرلی ہے۔(۱)

نماز معراجِ مومن ہے

حمد وصلوٰۃ وتبلیغ دعوات کے بعد میرے بھائی ارشدہ اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ نماز اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے اور تمام عبادات کی جامع ہے اور ایک ایسا جز ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کرلیا ہے اور تمام اعمال مقربہ پر سبقت لے گئی ہے۔ رویت باری تعالیٰ کی جو دولت سرورِ عالم وعالمیان ﷺ کو معراج کی رات بہشت میں حاصل ہوئی تھی دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہاں کے مناسب وہ دولت آپ کی نماز میں میسر ہوتی تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔

نیز آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ

سب سے زیادہ قرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے وہ نماز میں ہے۔

اور آں حضرت ﷺ کے کامل تابع داروں کو اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے اگرچہ رویت میسر نہیں ہے، کیوں کہ یہ جہان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر حق تعالیٰ نماز کا حکم نہ دیتا تو چہرۂ مقصود سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہ نمائی کرتا۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۵

نماز ہی غم زدوں کی غم گسار اور بیماروں کی راحت بخش ہے، حدیث: اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلالؓ مجھے راحت دے) میں اس معاملے کا رمز ہے اور حدیث: قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے، ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور احوال و مقامات اور انوار و الوان اور تلوینات و تمکینات اور تجلیاتِ باکیف و بے کیف اور ظہوراتِ رنگا رنگ و بے رنگ ان میں سے جو کچھ نماز کے بغیر میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہوں ان سب کا منشا ظلال و امثال ہے بل کہ وہم و خیال پیدا ہوئے ہیں۔

جو نمازی کہ نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے وہ نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالمِ دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں داخل ہو جاتا ہے، لہٰذا اس وقت اس دولت سے حصہ حاصل کر لیتا ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ پا لیتا ہے، کیوں کہ عالمِ دنیا (کا معاملہ) کمالاتِ ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت کے ساتھ مخصوص ہے پس معارف سے گریز نہیں ہے اور وہ مؤمنوں کے حق میں نماز ہے اور یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے سبب جو کہ شبِ معراج میں دنیا سے آخرت میں تشریف لے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے یہ امت اس کمال کے ساتھ مشرف اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی۔ (۱)

تلاوتِ قرآن مجید افضل العبادات ہے

پس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیا سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے اور حق تعالیٰ کی صفات میں سب سے زیادہ ظاہر بھی یہی صفت ہے جس کو ظلیت کی گرد بھی نہیں لگی۔ قرآن پاک تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک کو محبوبوں کی آنکھ میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالمِ ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت سے زیادہ مقبول ہے، خواہ مَلَکِ مقرب کی شفاعت ہو یا نبیِ مرسل کی اور وہ نتائج و ثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مرتب ہوتے ہیں تفصیل سے باہر ہیں۔ بسا اوقات قرآن مجید اپنے تلاوت کرنے والے کو ایسے بلند درجات تک پہنچا دیتا ہے کہ وہاں بال کے گزرنے کی بھی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ (۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۱ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۰۰

روزہ

رمضان المبارک کے فضائل و برکات

جاننا چاہئے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بڑا بزرگ و مبارک ہے۔ نفلی عبادت از قسمِ نماز و روزہ و صدقہ وغیرہ جو اس مہینے میں ادا کی جائے دوسرے دنوں کے فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے، اور اس مہینے کے فرضوں کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کی برابر ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہینے میں کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے تو اسے بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو دوزخ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس کو اس روزے دار کے اجر کے برابر عطا کرتے ہیں، بغیر اس کے کہ اس روزے دار کے اجر کو کم کریں۔ ایسے ہی اگر کوئی اپنے غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے تو حق تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کی گردن کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں آں حضرت ﷺ قیدیوں کو آزاد فرما دیا کرتے تھے اور جو کوئی آپ سے جو کچھ مانگتا اسے عطا فرما دیتے تھے۔

اگر کسی شخص کو اس مہینے میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو تمام سال تک توفیقِ الٰہی اس کے شاملِ حال رہتی ہے اور اگر یہ مہینہ پراگندگی سے گزرا تو تمام سال ہی پراگندہ گزرتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس مہینے کی جمعیت میں کوشش کرنی چاہئے اور اس مہینے کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس مہینے کی ہر رات میں کئی ہزار دوزخ کے لائق آدمیوں کو آزاد کرتے ہیں اور اس مہینے میں بہشت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیر ڈالتے ہیں اور رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

افطار میں جلدی کرنا اور سحری کو دیر سے کھانا سنت ہے اور اس بارے میں آں حضرت ﷺ بڑا مبالغہ فرمایا کرتے تھے اور شاید سحری میں تاخیر اور افطاری میں جلدی کرنے میں اپنے عجز و احتیاج کا اظہار ہے جو مقامِ بندگی کے مناسب ہے۔ اور کھجور یا چھوہارے سے افطار کرنا سنت ہے اور آپ ﷺ افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

پیاس دور ہوگئی اور رگیں تر اور اجر ثابت ہوگیا ان شاء اللہ تعالیٰ

تراویح کا ادا کرنا اور قرآن مجید کا ختم کرنا اس مہینے میں سنتِ مؤکدہ ہے اور اس سے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ (۱)

ماہِ رمضان المبارک کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت

باسمہ سبحانہٗ! کلام کا شان جو شیونات ذاتیہ میں سے ہے تمام کمالاتِ ذاتی و شیوناتِ صفاتی کا جامع ہے جیسا کہ علومِ گزشتہ میں ذکر ہو چکا ہے اور ماہِ مبارک رمضان تمام خیرات و برکات کا جامع ہے اور جو خیر و برکت ہے وہ حضرت ذات ہی کی طرف سے پہنچتی ہے اور اس کے شیونات کا نتیجہ ہے کیوں کہ جو شر و نقص کہ وجود میں آتا ہے اس کا منشاو مبدا ذات وصفاتِ محدثہ ہے، مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۲) خود نصِ قاطع ہے۔

پس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات و برکات اُن کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شانِ کلام ہے اور قرآن مجید اس شانِ جامع کی حقیقتِ کامل ہے پس اس ماہِ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ پوری پوری مناسبت ہے کیوں کہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ ان تمام خیرات کا جامع ہے جو ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں، اسی مناسبت کے باعث قرآن مجید اس مہینے میں نازل ہوا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اور اسی مہینے میں شبِ قدر اس مہینے کا خلاصہ اور زُبدہ ہے، وہ رات گویا اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کا پوست ہے، پس جس کا یہ مہینہ جمعیت کے گزر جائے اور جو اس مہینے کی خیرات و برکات سے فائدہ مند ہو جائے اس کا تمام سال جمعیت کے ساتھ اور خیر و برکت سے بھرا ہوا گزرتا ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو اس مبارک مہینے کے خیرات و برکات حاصل کرنے کی توفیق دے اور بہت حصہ عطا فرمائے۔

حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ

جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرنا چاہے تو اس کو کھجور سے افطار کرنا چاہیے کیوں کہ اس میں برکت ہے۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۵ ۲۔ النساء: ۷۹

آں حضرت ﷺ نے روزہ کھجور سے افطار فرمایا ہے۔ اور کھجور میں برکت کا موجب یہ ہے کہ اس کا درخت ایک ایسا درخت ہے جو انسان کی طرح جامعیت اور عدلیت کے طور پر پیدا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے کھجور کے درخت کو بنی آدم کی پھوپھی فرمایا ہے، کیوں کہ وہ آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ فَاِنَّھَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِیَّۃِ طِیْنَۃِ اٰدَمَ

اپنی پھوپھی یعنی درختِ خرما کی تعظیم کرو کیوں کہ وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے) اور ہوسکتا ہے کہ اس کا نام برکت اسی جامعیت کے اعتبار سے ہو۔ پس اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنا صاحبِ افطار کا جز بن جاتا ہے اور درخت کی حقیقت جامعِ اور اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کی جز ہو جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے ان بے شمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے جو اس کھجور کی حقیقتِ جامع میں مندرج ہیں۔

یہ مطلب اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن افطار کے وقت جو روزے دار کے شہواتِ مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے اس کا کھانا زیادہ تاثیر رکھتا ہے، اور یہ مطلب کامل اور پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ جو آں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ

مؤمن کی بہتر سحری تمر (کھجور) ہے۔

اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ اس کی غذا میں جو صاحبِ غذا کا جز بن جاتی ہے اس کی حقیقت کی تکمیل ہے نہ کہ اس کی غذا کی حقیقت، اور جب یہ مطلب روزہ میں مفقود ہے تو اس تلافی کے لئے تمر (کھجور) کی سحور پر ترغیب فرمائی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت تک رہتی ہے اور غذا کا یہ فائدہ جو مذکور ہو چکا ہے اس تقدیر پر مرتب ہوتا ہے کہ وہ غذا تجویزِ شرعی کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے سرِ مُو متجاوز نہ ہو۔ اور نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جب کہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک جا پہنچا ہو اور ظاہر سے باطن تک پہنچ گیا ہو تاکہ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کو مدد دے اور غذا کا باطن اس باطن کو مکمل کرے ورنہ صرف ظاہری امداد ناقص ہے اور اس کا کھانے والا عین کمی میں ہے:

سعی کن تا لقمہ راسازی گہر
بعد ازاں چندانکہ می خواہی بخور

جلدی افطار کرنے اور سحری دیر سے کھانے میں حکمت یہی ہے کہ صاحب غذا کے لئے غذا کی تکمیل ہو جائے۔(۱)

زکوٰۃ کا ایک پیسہ صدہا صدقۂ نافلہ سے بہتر ہے

اول اپنے اعتقاد کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کرنا چاہئے، پھر احکامِ فقہیہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے، خصوصاً ادائے فرض میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور حل وحرمت میں بڑی احتیاط بجالانی چاہئے، اور عباداتِ نافلہ کو عباداتِ فرائض کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس زمانے کے اکثر لوگ نوافل کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خراب کرتے ہیں، نوافل کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتبار سمجھتے ہیں، روپیہ سب کا سب وقت بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن زکوٰۃ کے طور پر ایک پیسہ بھی مستحق کو دینا دشوار ہے، یہ نہیں جانتے کہ ایک پیسہ زکوٰۃ کے طور پر مصرفِ شرعیہ میں دینا لاکھوں روپے صدقۂ نافلہ سے بہتر ہے، کیوں کہ ادائے زکوٰۃ میں حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقۂ نافلہ میں اکثر ہوائے نفسانی کی تابع داری ہے، اسی واسطے فرض میں ریا کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریا کا دخل ہے، یہی سبب ہے کہ زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا بہتر ہے، تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقۂ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے جو قبولیت کے لئے مناسب ہے، غرض جب تک احکامِ شرعیہ کو لازم نہ پکڑیں تب تک دنیا کی مضرت سے نہیں بچ سکتے اگر دنیا کا ترکِ حقیقی میسر نہ ہو تو ترکِ حکمی میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے اور وہ اقوال وافعال میں شریعت کا لازم پکڑنا ہے واللہ سبحانہ الموفق۔(۲)

مثلاً زکوٰۃ کے طور پر ایک پیسہ کا صدقہ کرنا جس طرح نفلی طور پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجے بہتر ہے، اسی طرح اس پیسے کے صدقہ کرنے میں کسی ادب کی رعایت کرنا مثلاً اس کو کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس سے کئی درجے بہتر ہے۔(۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۶۲ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۸۲
۳۔ دفتر اول: مکتوب ۳۲۹

﴿حج﴾

راستے کی استطاعت وجوبِ حج کے لئے شرط ہے

اے محبت کے نشان والے! جب آپ نے رخصت طلب کی اور جانے کا پختہ ارادہ کرلیا تو وداع ہونے کے وقت احتمال کے ساتھ اس قدر ذکر ہوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ مل جائیں گے، ہر چند ارادہ کیا لیکن استخارے موافق نہ ہوئے اور اس بارے میں کوئی تجویز معلوم نہ ہوئی ناچار اس بارے میں توقف اختیار کیا۔ فقیر کی صلاح پہلے ہی آپ کے (سفرِ حج پر) جانے کی نہ تھی، لیکن آپ کی شوق کو دیکھ کر صاف طور پر منع نہ کیا، استطاعت راستے کی شرط ہے بغیر استطاعت کے تضیعِ اوقات ہے، ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مشغول ہونا مناسب نہیں۔ کئی خطوں میں آپ کو یہ مضمون لکھا ہے شاید پہنچا ہے یا نہیں اصل بات یہی ہے آگے آپ مختار ہیں۔(۱)

نفلی حج سے اگر دوسرے فرائض فوت ہو جائیں تو لایعنی میں داخل ہے

اے بھائی! حدیث میں آیا ہے:

عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ

بندے کا لایعنی باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی ایک علامت ہے۔

فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہونا لایعنی میں داخل ہے، پس اپنے احوال کی تفتیش کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے نفل میں یا فرض میں، ایک نفلی حج کے لئے اتنے ممنوعات کا مرتکب نہ ہونا چاہئے اچھی طرح ملاحظہ کریں۔(۲)

﴿اَدِلّۂ شرعیّہ﴾

چار اَدِلّۂ احکامِ شرعیّہ

احکامِ شرعیہ کے ثابت کرنے میں صرف کتاب وسنت ہی کا اعتبار ہے اور مجتہدوں کا قیاس

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۲۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۲۳

اور اجماعِ امت بھی حقیقت میں مثبتِ احکام ہیں۔ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکامِ شرعیہ کو ثابت کر سکے، اولیا اللہ کا الہام کسی چیز کی حلّ وحرمت کو ثابت نہیں کرتا اور اہلِ باطن کا کشف کسی چیز کے فرض یا سنت ہونے کو ظاہر نہیں کرتا احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدینِ کرام کی تقلید کرنے میں ولایتِ خاصہ والے حضرات عام مومنین کے برابر ہیں ان کے کشف والہام ان کو زیادتی نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔ان بزرگوں کی فضیلت دوسری حیثیت سے ہے۔(۱)

قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ کا جامع ہے

قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ بل کہ تمام گزشتہ شریعتوں کا جامع ہے۔الغرض اس شریعت کے احکام اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت واشارت اور دلالت واقتضا سے مفہوم ہوتے ہیں، اس قسم کے احکام کے سمجھنے میں تمام خاص وعام اہلِ لغت برابر ہیں، دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوئے ہیں، یہ فہم ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں سے بہ قول جمہور اوّل آں حضرت ﷺ ہیں پھر آں حضرت ﷺ کے اصحاب پھر آں حضرت ﷺ کی امت کے تمام مجتہدین۔لیکن آں حضرت ﷺ کے زمانے میں جو وحی کا زمانہ تھا احکامِ اجتہادیہ میں خطاو صواب کا احتمال نہیں تھا، بل کہ وحی قطعی کے ساتھ حق باطل سے صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیوں کہ پیغمبر کو خطا پر ثابت و برقرار رکھنا جائز نہیں، برخلاف ان احکام کے جو زمانۂ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد مجتہدوں کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں کہ ان میں صواب وخطا کا احتمال ہے، اسی واسطے وہ احکامِ اجتہادیہ جو وحی کے زمانے میں مقرر ہوئے یقین کا فائدہ دیتے ہیں جن سے عمل واعتقاد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور زمانۂ وحی کے بعد کے احکامِ اجتہادیہ ظن کا موجب ہیں جو مفید عمل ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں۔

قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں، جن کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے، جب تک احکام کے نازل کرنے والے جل شانہٗ کی طرف سے اطلاع نہ ملے ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے۔اس اعلام واطلاع کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساتھ مخصوص ہے پیغمبر کے سوا کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں دیتے، یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چوں کہ ان کا مظہر (ظاہر کرنے والا) پیغمبر ہے اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیوں کہ

۱۔دفتر دوم: مکتوب ۵۵

ان کا مظہر سنت ہے۔ جس طرح احکامِ اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مُظہر ہے پس سنت و قیاس دونوں احکام کے مُظہر ہیں اگرچہ ان دونوں مظہروں کے درمیان بہت فرق ہے ایک (قیاس) رائے کی طرف منسوب ہے، جس میں خطا کی مجال ہے اور دوسری (سنت) کی حق تعالیٰ کے اعلام (خبر دینے) سے تائید ہو جاتی ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ قسمِ اخیر اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے، اگرچہ تمام احکام کے ثابت کرنے والی فقط وہی کتابِ عزیز ہے۔ (۱)

حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اہمیت

میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی جوش میں آ جاتی ہے اور اس میں توجیہ و تاویل کی طرف فرصت نہیں دیتی، ان باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی مگر ہم کو تو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا کلام، ہم کو نص (قرآن و سنت) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم تصنیفِ شیخ محی الدین ابن عربی) سے، فتوحات مدنیہ (احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ (تصنیفِ شیخ محی الدین ابن عربی) سے بے نیاز کر دیا ہے۔ (۲)

قرآن و سنت کے خلاف چلنا ضد و تعصب ہے

جو شخص قرآن و سنت سے آنکھیں بند کر کے ضد و تعصب کرے وہ مبحث سے خارج ہے شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

آنکش کہ بقرآن و خبر زو نہ رہی

آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی (۳)

بخاری شریف، قرآن مجید کے بعد اصح الکتب ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں جو قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۵۵ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۰۰

۳۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۴

اور اجماعِ امت بھی حقیقت میں مثبتِ احکام ہیں۔ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکامِ شرعیہ کو ثابت کر سکے، اولیاء اللہ کا الہام کسی چیز کی حِلّ و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور اہلِ باطن کا کشف کسی چیز کے فرض یا سنت ہونے کو ظاہر نہیں کرتا احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدین کرام کی تقلید کرنے میں ولایتِ خاصہ والے حضرات عام مومنین کے برابر ہیں ان کے کشف و الہام ان کو زیادتی نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔ان بزرگوں کی فضیلت دوسری حیثیت سے ہے۔(۱)

قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ کا جامع ہے

قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ بل کہ تمام گزشتہ شریعتوں کا جامع ہے۔الغرض اس شریعت کے احکام اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت و اشارت اور دلالت و اقتضا سے مفہوم ہوتے ہیں، اس قسم کے احکام کے سمجھنے میں تمام خاص و عام اہلِ لغت برابر ہیں، دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوئے ہیں، یہ فہم ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں سے بہ قول جمہور اوّل آں حضرت ﷺ ہیں پھر آں حضرت ﷺ کے اصحاب پھر آں حضرت ﷺ کی امت کے تمام مجتہدین۔لیکن آں حضرت ﷺ کے زمانے میں جو وحی کا زمانہ تھا احکامِ اجتہادیہ میں خطا و صواب کا احتمال نہیں تھا، بل کہ وحی قطعی کے ساتھ حق باطل سے صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیوں کہ پیغمبر کو خطا پر ثابت و برقرار رکھنا جائز نہیں، برخلاف ان احکام کے جو زمانۂ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد مجتہدوں کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں کہ ان میں صواب و خطا کا احتمال ہے، اسی واسطے وہ احکامِ اجتہادیہ جو وحی کے زمانے میں مقرر ہوئے یقین کا فائدہ دیتے ہیں جن سے عمل و اعتقاد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور زمانۂ وحی کے بعد کے احکامِ اجتہادیہ ظن کا موجب ہیں جو مفید عمل ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں۔

قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں، جن کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے، جب تک احکام کے نازل کرنے والے جل شانہٗ کی طرف سے اطلاع نہ ملے ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے۔اس اعلام و اطلاع کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساتھ مخصوص ہے پیغمبر کے سوا کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں دیتے، یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چوں کہ ان کا مظہر (ظاہر کرنے والا) پیغمبر ہے اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیوں کہ

۱۔دفتر دوم: مکتوب ۵۵

ان کا مظہر سنت ہے۔ جس طرح احکامِ اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مُظہر ہے پس سنت و قیاس دونوں احکام کے مُظہر ہیں اگرچہ ان دونوں مظہروں کے درمیان بہت فرق ہے ایک (قیاس) رائے کی طرف منسوب ہے، جس میں خطا کی مجال ہے اور دوسری (سنت) کی حق تعالیٰ کے اعلام (خبر دینے) سے تائید ہو جاتی ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ قسمِ اخیر اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے، اگرچہ تمام احکام کے ثابت کرنے والی فقط وہی کتاب عزیز ہے۔ (۱)

حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اہمیت

میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی جوش میں آجاتی ہے اور اس میں توجیہ وتاویل کی طرف فرصت نہیں دیتی، ان باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی مگر ہم کو تو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام، ہم کو نص (قرآن وسنت) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم تصنیفِ شیخ محی الدین ابن عربی) سے، فتوحات مدنیہ (احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ (تصنیفِ شیخ محی الدین ابن عربی) سے بے نیاز کر دیا ہے۔ (۲)

قرآن وسنت کے خلاف چلنا ضد وتعصب ہے

جو شخص قرآن وسنت سے آنکھیں بند کرکے ضد وتعصب کرے وہ مبحث سے خارج ہے شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نہ رہی
آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی (۳)

بخاری شریف، قرآن مجید کے بعد اصح الکتب ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں جو قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۵۵ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۰۰
۳۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۴

عنہ پھر فرمایا ایک شخص اور، تو ان کے صاحب زادے محمد بن حنفیہؒ نے عرض کیا کہ پھر آپ۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں۔(۱)

صوفیائے کرام کا عمل حِلّ و حرمت میں سند نہیں ہو سکتا

چناں چہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں ہے ''اور صوفیہ کا عمل حِلّ و حرمت میں سند نہیں ہے ان کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہاں تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ و ابوالحسن نوریؒ کا عمل۔(۲)

کسی مسئلے میں علما و صوفیہ کا اختلاف ہو تو حق علما کی جانب ہوگا

جاننا چاہئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلے میں جن میں کہ علما اور صوفیہ میں باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علما کی جانب معلوم ہوتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ علما کی نظر نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے اور صوفیہ کی نظر ولایت کی کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے پس وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا جائے کئی درجے زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔(۳)

کشف والہام کے بالمقابل مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا چاہئے

قیاس و اجتہاد اصولِ شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے برخلاف کشف والہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہئے اور دین کے اصول کو ان کی رائے کے موافق ڈھونڈھنا چاہئے اور صوفیائے کرام جو کچھ علمائے مجتہدین کی آرا کے خلاف کہیں یا کریں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہئے اور ان پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے ان کے طعن سے سکوت اختیار کرنا چاہئے اور ان پر حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے طعن سے سکوت اختیار کرنا چاہئے اور ان کی اس قسم کی باتوں کو

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۱۵ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۶

۳۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶

شطحیات میں شمار کرنا چاہئے بڑے تعجب کی بات ہے ان میں سے بعض صوفیہ عام لوگوں کو اپنی کشفی اور الہامی امور مثلاً وحدت الوجود پر ایمان لانے کی راہ نمائی کرتے ہیں اور ان کی تقلید پر ترغیب دیتے ہیں اور ان کے عدم پر دھمکاتے ہیں کاش یہ لوگ ان امور کے عدمِ انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور دھمکی فرماتے، کیوں کہ ایمان اور چیز ہے اور عدمِ انکار اور چیز ہے۔ ان امور کے ساتھ ایمان لانا لازمی نہیں ہے ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق تعالیٰ کے اولیاء کے ساتھ بغض و عداوت پیدا ہو جائے۔ علمائے اہلِ حق کے عقائد کے موافق عمل کرنا چاہئے اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حسنِ ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہئے اور لا و نعم پر جرأت نہ کرنی چاہئے۔ (۱)

شریعت مدارِ نجات ہے

نجات کا طریق شریعت کی پیروی میں ہے

نجات کا طریق اور (عذاب الٰہی سے) خلاصی کا راستہ اعتقادی اور عملی طور پر صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ استاد و پیر اس لئے پکڑتے ہیں تا کہ وہ شریعت کی طرف راہ نمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد و عمل میں آسانی اور سہولت حاصل ہو جائے، نہ یہ کہ مرید جو چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں، پیران کے لئے ڈھال بن جائیں گے اور عذاب سے بچالیں گے، کیوں کہ ایسا خیال کرنا ایک نکمی اور بے کار آرزو ہے، وہاں (محشر میں) کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہوں گے کوئی اس کی شفاعت نہیں کرے گا اور عمل پسندیدہ اس وقت ہوں گے، جب کہ شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ شریعت کی متابعت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہو گا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔ (۲)

شریعت کی جامعیت

حق تعالیٰ شریعتِ مصطفوی ﷺ کے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی اور استقامت عطا فرما کر اپنی بارگاہِ مقدس کی طرف پوری طرح متوجہ کر لے، چوں کہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت محمد رسول

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۷۲ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۱

اللہ ﷺ اعتدال کے طور پر تمام اسمائی و صفاتی کمالات کے جامع اور ان تمام (اسمائی و صفاتی) کمالات کے مظہر ہیں۔ وہ کتاب (قرآن مجید) جو آپ پر نازل ہوئی ہے ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے جو تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی ہیں اور نیز وہ شریعت جو آں حضرت ﷺ کو عطا ہوئی ہے تمام گزشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے اور وہ اعمال جو اس شریعتِ حقہ کے موافق ہیں، سب سابقہ شریعتوں کے اعمال بل کہ فرشتوں کے اعمال سے بھی منتخب ہیں کیوں کہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم ہے اور بعض کو سجدے کا اور بعض کو قیام کا اور ایسا ہی گزشتہ امتوں میں سے بعض کو صبح کی نماز کا حکم تھا اور بعض کو دوسری نمازوں کا۔ اس شریعت میں گزشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ وزبدہ (خالص وعمدہ حصہ) انتخاب کر کے ان کے بجالانے کا حکم فرمایا۔ پس اس شریعت کو سچا جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان کے موافق عمل بجالانا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہوں گے اور اسی طرح اس شریعت کا جھٹلانا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا گزشتہ تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان (جھٹلانے والوں) کے موافق عمل کرنا ہے اور ایسے ہی آں حضرت ﷺ کا انکار کرنا تمام اسمائی وصفاتی کمالات کا انکار کرنا ہے اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق ان سب کی تصدیق ہے، پس آں حضرت ﷺ کے منکر اور اس شریعت کی تکذیب کرنے والے تمام امتوں میں سے بدتر ہوں گے۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (اعرابی کفر ونفاق میں بڑے سخت ہیں) میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

محمدؐ عربی کابروئے ہر دوسرا ست
کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اُو (۱)

شریعت کی تین جز ہیں اور شریعت دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے

شریعت کی تین جز ہیں: علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جز و متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو گویا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگئی جو دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے) پس شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۷۹

نہیں رہتا جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں پس ان دنوں کی حاصل کرنے سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ شریعت کے سوا اور کوئی امر، احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں بل کہ اوہام و خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے، ان سب سے گزر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہئے جو مقامِ جذبہ و سلوک کی نہایت ہے کیوں کہ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اخلاق حاصل ہو جائے جو مقامِ رضا حاصل ہونے کے لئے لازمی و ضروری ہے۔(۱)

موازنہ شریعت و تصوف

کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہیں پوچھیں گے، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا مدار اسی کو مقرر کیا ہے ان بزرگوں کی بعثت کا مقصد شریعت کی تبلیغ ہے، پس سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے، خاص طور پر ایسے زمانے میں جب کہ اسلام کے نشانات مٹ گئے ہوں کروڑوں روپیہ خدا کے راستے میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلے کو رواج دینے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس فعل میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا ہے جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں۔

طالبِ علم باوجود ماسوی اللہ کی گرفتاری کے خلقت کی نجات کا سبب ہے کیوں کہ احکامِ شرعی کی تبلیغ اس سے حاصل ہے اگرچہ اس سے خود اس کو کچھ نفع نہیں، اور صوفی نے باوجود ماسوی اللہ سے آزادی کے صرف اپنے نفس کو خلاص کیا ہے خلقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس پر بہت سے لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ شخص اس سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کے خیال میں ہے۔ ہاں وہ صوفی جو فنا و بقا اور سیر عن اللہ باللہ کے بعد عالم کی طرف راجع ہو اور خلق کی دعوت میں مشغول ہو وہ مقامِ نبوت سے حصہ رکھتا ہے اور شریعت کے احکام پہنچانے والوں میں داخل ہے اور علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔(۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۴۸

طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں

اس سیر وسلوک سے مقصود مقامِ اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی وانفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے اور یہ اخلاص شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے، کیوں کہ شریعت کے تین جز ہیں: علم، عمل، اخلاص۔ پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جز یعنی اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کے خادم ہیں۔ اصل معاملہ تو یہی ہے مگر ہر ایک شخص کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچتی، اکثر دنیا والوں نے خواب وخیال کے ساتھ آرام حاصل کیا ہوا ہے اور اخروٹ ومنقیٰ یعنی ادنیٰ باتوں پر کفایت کی ہوئی ہے، وہ لوگ شریعت کے کمالات کو کیا جانیں اور حقیقتِ طریقت وحقیقت کو کیا سمجھیں وہ لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے صوفیہ کی بے مقصد باتوں پر مغرور ہیں اور احوال ومقامات پر فریفتہ ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ سَوَآءَ الطَّرِيْقِ وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ (۱)

علمائے راسخین وعلمائے ظاہر اور صوفیہ کا نصیب

علمائے راسخین نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور شریعت کو ایک شخص کی صورت میں تصور کیا ہے جس کا پوست صورتِ شریعت اور اس کا مغز حقیقتِ شریعت ہو۔ شرائع واحکام کے علم کو شریعت کی صورت اور حقائق واسرار کے علم کو شریعت کی حقیقت سمجھا ہے۔ بعض لوگوں نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے اور صرف ہدایہ اور بزدوی ہی کو اپنا پیر اور مقتدا سمجھا ہے۔ بعض لوگ اگرچہ اس کی حقیقت کے گرفتار ہوئے لیکن چوں کہ انہوں نے اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا بل کہ شریعت کو صورت پر موقوف رکھا اور اس کو صرف پوست خیال کیا اور مغز کو اس کے سوا کچھ اَور تصور کیا اس لئے اُس حقیقت کی حقیقت سے واقف نہ ہوئے اور انہوں نے متشابہات کا کچھ حصہ حاصل نہ کیا۔ پس علمائے راسخین ہی درحقیت (انبیا علیہم السلام کے) وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اُن کے محبین ومتبعین میں سے بنائے۔ (۲)

علوم شرعیہ کی تدریس ذکر وفکر سے زیادہ اہم ہے

زیادہ ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس میں کسی طرح بھی کوتاہی نہ کریں اگر آپ کا

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۰
۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۱۸

سارا وقت درس ہی میں صرف ہو جائے تو نہایت اچھا ہے، ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں، رات کے اوقات ذکر و فکر کے لئے وسیع ہیں۔ شیخ حسنؒ کو بھی سبق پڑھاتے رہیں اور اس کو بے کار نہ رہنے دیں۔ ان حدود میں چوں کہ علم بہت کم ہے اس لئے علومِ شرعیہ کو زندہ و تازہ کرتے رہیں، زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔(۱)

علمائے ظاہر کے درست عقائد کا جمال صوفیہ کے مجاہدات سے بڑھ کر ہے

اہل سنت و جماعت کے علمائے ظاہر اگر چہ بعض اعمال میں قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ان کے درست عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی و کمی اس کے مقابلے میں ہیچ و ناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض صوفی ریاضتوں اور مجاہدوں کے باوجود چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے اس لئے وہ جمال ان میں نہیں پایا جاتا۔(۲)

غلط تصوف اور کج رو صوفیوں کی اصلاح

شریعت کے خلاف وجد و حال اور کشف و الہام معتبر نہیں

صوفیوں کی سکر یہ باتوں سے (جبکہ وہ شریعت کے مخالف ہوں) کیا حاصل ہوتا ہے اور ان احوال سے کیا اضافہ ہوتا ہے، وہاں وجد و حال کو جب تک شریعت کی میزان پر نہ تول لیں نیم جیتل (آدھا پیسہ) کے عوض بھی نہیں خریدتے اور کشف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جَو کے بدلے میں بھی پسند نہیں کرتے۔ صوفیائے کرامؒ کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا جو ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے، اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے، کیوں کہ رویتِ باری تعالیٰ کے آخرت میں ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے اور وہ دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات و تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہیں وہ ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ ان سب سے وراء الوراء ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت پوری طرح بیان کی جائے تو اس

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۱۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۸

بات کا خوف ہے کہ اس راستے کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر علم کے باوجود کچھ بھی نہ کہے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا۔(۱)

خلافِ سنت مجاہدے اور غیر مشروع ریاضتیں معتبر نہیں

جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہ نمائی کرے، یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح تر ہے (کیوں کہ) پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا راہ نما بھی برخلاف پیر خرقہ کے، پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ رعایت کرنی چاہئے، پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے، اور اس طریق میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے (یعنی نفس کشی کرنا) احکامِ شرعی کے بجالانے اور سنتِ عالیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے میں ہے کیوں کہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفسِ امارہ کی خواہشات کو دور کرنا ہے، جو کہ اپنے مولا جل شانہ کی دشمنی کے ساتھ قائم ہوا ہے پس نفسانی خواہشات کا دور کرنا احکامِ شرعیہ کے بجالانے پر وابستہ ہے جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر خواہشاتِ نفسانی سے دور ہوگا پس نفسِ امارہ پر شریعت کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں معتبر نہیں ہیں کیوں کہ جوگی اور ہندو برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گم راہی کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور خسارے کے سوا اور کچھ راہ نمائی نہیں کرتیں۔(۲)

بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے دیکھنے اور مظاہرِ جمیلہ ونغماتِ حَسَنہ سے پرہیز کرنا

اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہی اور دنیا کے لئے وسیلہ وذریعہ ہے وہ قبیح ہے اگر چہ بہ ظاہر اچھی دکھائی دے اور حلاوت وطراوت کے ساتھ ظاہر ہو جیسا کہ دنیوی مزخرفات، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امردوں یعنی بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے حسن اور دنیاوی زیب وزینت کی طرف رغبت وخواہش سے نظر کرنا منع فرما دیا گیا ہے۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۰۷ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۲۱

پس بعض صوفیہ جو مظاہرِ جمیلہ اور نغماتِ حَسَنہ میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات سے مستعار ہے، جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے اور اس گرفتاری و تعلق کو نیک و بہتر سمجھتے ہیں، بل کہ اس کو راہِ وصول تصور کرتے ہیں، اس فقیر کے نزدیک اس کے خلاف ثابت ہوا ہے، چناں چہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر مذکور ہو چکا ہے۔(۱)

سماع و سرود اور وجد و تواجد کی شرعی حیثیت

یہ نماز کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے باعث ہے کہ اس طائفہ صوفیہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنی قلبی بے چینی کا علاج سماع و نغمہ و وجد و تواجد میں تلاش کیا ہے اور اپنے مطلوب کو نغمے کے پردوں میں مطالعہ کیا ہے اس لئے رقص و ناچ کو انہوں نے اپنا مسلک بنالیا ہے حال آں کہ یہ روایت ان کے کانوں تک پہنچ چکی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی، ہاں اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَحُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

جب انہوں نے حقیقت کو نہیں پایا تو افسانے کا راستہ اختیار کر لیا۔

اے بھائی! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمے سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے، عاقل کو صرف اشارہ کافی ہے۔(۲)

جب اس طریقے کے بزرگ وار (صوفیائے ربانی) ذکرِ جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص و وجد کا کیا ذکر ہے، وہ احوال و مواجید جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہے، کیوں کہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو بھی ظاہر ہو جاتا ہے، اس امر میں حکمائے یونان اور ہند کے جوگی و برہمن سب برابر ہیں، احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علومِ شرعیہ کے ساتھ موافق ہونا اور محرمہ و مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۴۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۱

جاننا چاہئے کہ سماع و رقص در حقیقت لہو ولعب میں داخل ہے آیۂ کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (۱)

اور لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی (نالائق) ہے جو واہیات (وخرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے۔

سرود سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چناں چہ مجاہد جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شاگرد ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ لہو الحدیث سے مراد سرود ہے اور تفسیر مدارک میں ہے کہ لہوالحدیث سے مراد بے ہودہ قصے کہانیاں اور سرود ہے، اور حضرت ابن عباسؓ وابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بے شک وہ غنا و سرود ہے۔ حضرت مجاہد، اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (زُور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَیْ لَا يَحْضُرُوْنَ الْغِنَآءَ

یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔

اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ سے حکایت کی گئی ہے کہ جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو (جو کلماتِ قرآن میں گانے کی طرز پر پڑھنے کی جہ سے تغیر پیدا کرتا ہے) قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے (۲) اور اس کی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔

اور ابو نصیر الدبوسی سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی نے نقل کی ہے کہ جس نے گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعلِ حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے خواہ اچھا جاننا اعتقاد کی رو سے ہو یا بغیر اعتقاد کے، کیوں کہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مؤمن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی اطاعت (بندگی) کو قبول نہیں کرتا اور اس کی سب نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

۱۔ لقمان: ۶

۲۔ درمختار میں ہے کہ قرآن واذان میں آواز کو خوب صورتی سے پھرانا اچھا ہے، جب کہ حروف میں تغیر واقع نہ ہوا ہو، اور اگر تغیر واقع ہوا تو اس کے لئے بھی اور سننے والے کے لئے بھی وہ مکروہ ہے اور اس کو احسنت یعنی اچھا کہنا اگر اس کے خاموش ہونے کی وجہ سے (بہ طور دعا ہے) تو اچھا ہے اور اگر اس کی (گانے کی طرز) قرأت کی وجہ سے احسنت کہا تو اس پر کفر کا ڈر ہے۔

غناو سرود کی حرمت میں آیات واحادیث وروایاتِ فقہیہ اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایاتِ شاذہ کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں بھی سرود کے مباح ہونے کے فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے اور صوفیہ کا عمل حِلّ وحرمت میں سند نہیں، کیا ان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہاں تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل۔

اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا (۱) (یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنا لیا ہے)۔ اور سابقہ روایات سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعلِ حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ سماع ورقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت وعبادت سمجھنا کتنا برا ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم متبعین کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرود وقصہ خوانی کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اکثر یار اس امر میں موافقت کرتے ہیں، نہایت تعجب کی بات ہے، دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں اگرچہ فی الحقیقت وہ اس امر میں حق پر نہیں ہیں، بھلا اس سلسلے کے احباب اس ارتکاب میں کون سا عذر پیش کریں گے، ایک طرف حرمتِ شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت ہوئی، نہ اہلِ شریعت اس فعل سے راضی ہیں اور نہ اہلِ طریقت، اگر حرمتِ شرعی نہ بھی ہوتی تو پھر بھی طریقت میں کسی نئے امر کا پیدا کرنا برا ہوتا، پھر ایسا امر کس طرح برا نہ ہو جب کہ حرمتِ شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب مرزا جی (یعنی خواجہ حسام الدین صاحب) اس امر سے راضی نہ ہوں گے لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع بھی نہیں کرتے ہوں گے اور دوستوں کو اس اجتماع سے نہ

ا۔ الاعراف: ۱۸

رد کتے ہوں گے۔ اس فقیر نے چوں کہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا اس لئے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جی کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اور اول سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔ (۱)

سرود و نغمہ کی طرف رغبت نہ کریں اور اس سے لذت حاصل کرنے پر فریفتہ نہ ہوں کیوں کہ وہ ایسا زہر ہے جس میں شکر یا شہد ملا ہوا ہے۔ (۲)

خواب و واقعات لائقِ اعتبار نہیں القائے شیطانی کا ہر جگہ احتمال ہے

آپ کے گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ ایسے مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے، جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ اشعار کے پڑھنے سے مراد ہے (جیسا کہ آپ کہتے ہیں) تو برادرِ عزیز میر محمد نعمان اور اس جگہ کے بعض دوستوں کے لئے جنہوں نے واقعے میں آں حضرت ﷺ کو دیکھا ہے کہ اس مجلسِ مولود سے بہت خوش ہیں، مولود کا نہ سننا اور ترک کرنا بہت گراں ہے۔

میرے مخدوم! اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا اور خوابوں پر بھروسہ ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی کچھ ضرورت نہ رہتی اور طریقوں میں سے کسی ایک طریق کو لازم پکڑنا لغو و بے فائدہ ہوتا، کیوں کہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا اور اپنے خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا خواہ وہ واقعات و منامات پیر کے طریقے کے موافق ہوتے یا نہ ہوتے اور خواہ پیر کے پسند ہوتے یا نہ ہوتے، اس تقدیر پر سلسلۂ پیری و مریدی درہم برہم ہو جاتا اور ہر نادان اپنی وضع و طریقے پر مضبوطی سے قائم ہو جاتا، حال آں کہ مریدِ صادق ہزارہا واقعات کو پیر کی موجودگی میں آدھے جو کے عوض بھی نہیں خریدتا اور طالبِ رشید پیر کی حضوری (موجودگی) کی بہ دولت خوابوں کو پریشان و جھوٹے خواب جانتا ہے اور ان کی طرف کچھ التفات نہیں کرتا۔ شیطان لعین ایک طاقت ور دشمن ہے جب منتہی حضرات اس کے فریب سے امن میں نہیں ہیں اور اس کے مکر سے لرزاں و ترساں ہیں تو پھر مبتدیوں اور متوسطوں کا کیا ذکر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ منتہی شیطان کے غلبے سے محفوظ و مصئون ہیں بہ خلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے، پس ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں اور نہ ہی دشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۶ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب نمبر ۳۴

اور کوئی نبی و رسول ایسا نہیں گزرا ہے جس کے کلام میں شیطان نے القا نہ کیا ہو جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا ہے اور اپنے کلام کو محکم بنایا ہے۔ (۱) پس جب آں حضرت ﷺ کی زندگی میں بیداری کے وقت صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں شیطانِ لعین نے اپنے کلام باطل کو آں حضرت ﷺ کے کلام میں القا کردیا (ملا دیا) اور (حاضرین میں سے) کسی شخص نے تمیز نہ کی تو آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو کہ حواس کے معطل اور بے کار ہونے کا محل اور شک وشبہ کا مقام ہے دیکھنے والے کی تنہائی کے باوجود کہاں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکر وفریب سے محفوظ و مامون ہے۔

اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ جب نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ آں حضرت ﷺ اس عمل سے راضی ہیں، جیسا کہ ممدوح لوگ اپنی مدح کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ان کے قوتِ متخیلہ میں منقش ہوگئی ہو تو ہوسکتا ہے کہ واقعے میں اسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو، قطعِ نظر اس سے کہ اس واقعے کی کوئی حقیقت بھی ہے یا صرف تمثیلِ شیطانی ہی ہے۔

نیز واقعات ورؤیائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت وہی ہوتی ہے جو دیکھنے والے نے دیکھی ہے، مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور اس سے مراد زید کی وہی حقیقت ہے اور کبھی واقعات ورؤیائے صادقہ ظاہر سے پھیرے ہوئے اور تعبیر پر محمول ہوتے ہیں مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا اور اس سے مراد عمرو کو رکھا گیا ہے، اس مناسبت کے لحاظ سے جو زید وعمرو کے درمیان ہے، پس کس طرح معلوم ہوسکے کہ احباب کے یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھیرے ہوئے نہیں ہیں، کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں بغیر اس کے کہ تمثیلِ شیطانی کی گنجائش ہو، غرض کہ واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہئے، اشیا خارج میں موجود ہیں، کوشش کرنی چاہئے کہ اشیا کو بیداری میں دیکھیں جو کہ اعتبار کے لائق ہے اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں، جو کچھ خواب وخیال میں دیکھا جائے وہ خواب وخیال ہی ہے۔ (۲)

۱۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته فینسخ الله مایلقی الشیطان ثم یحکم الله ایاته، الحج:۵۲

۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۷۳

کشفِ اور القائے شیطانی میں تمیز

دوسرا سوال یہ ہے کہ طالبانِ صادق کے کشف وشہود میں القائے شیطانی کو دخل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کشفِ شیطانی کی کیفیت کو واضح کریں کہ کس طرح ہے اور اگر دخل نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض امور میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اس کا جواب اس طرح ہے واللہ اعلم بالصواب کہ کوئی شخص القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے، جب کہ انبیا علیہم السلام میں متصور بل کہ محقق (ثابت) ہے تو اولیا اللہ میں بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگا تو پھر طالب صادق کس شمار میں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس القا پر آگاہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دیتے ہیں آیۂ کریمہ

فَيَنسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (۱)

پس جو کچھ شیطان القا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم واٹل کر دیتا ہے۔

اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ اولیا اللہ کے بارے میں اس حقیقت پر متنبہ کرنا لازم نہیں ہے، کیوں کہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے جو کچھ نبی کے خلاف پائے گا اس کو رد کر دے گا اور باطل سمجھے گا لیکن جس صورت میں کہ نبی کی شریعت اس سے خاموش ہے اور اس کے اثبات ونفی پر حکم نہیں کرتی حق کو باطل سے قطعی طور پر تمیز کرنا دشوار ہے، کیوں کہ الہام ظنی چیز ہے لیکن اس امتیاز کے نہ ہونے کی صورت میں ولایت میں کوئی قصور واقع نہیں ہوتا، کیوں کہ شریعت پر عمل اور نبی کی پیروی کرنا دونوں جہان کی نجات کے لئے کافی ہے، اور وہ امور جن سے شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے وہ شریعت پر زائد ہیں اور ان زائد امور کی بجا آوری کے مکلف نہیں ہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ کشف کا غلط ہونا محض القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے، بل کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احکامِ غیر صادقہ قوتِ متخیلہ میں ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جس میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہوتا، یہ بات بھی اسی قسم سے ہے کہ بعض خواب میں لوگ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے ہیں اور آپ سے بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں کہ حقیقت میں جن کے خلاف احکامِ شریعت ثابت ہیں، ایسی صورت میں القائے شیطانی متصور نہیں ہے کیوں کہ علمائے کرام کے نزدیک یہ امر مختار وطے شدہ ہے کہ شیطان حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا پس اس صورت میں صرف قوتِ متخیلہ کا تصرف ہے جس نے ایک غیر واقع امر کو دکھایا ہے۔ (۲)

۱۔ الحج: ۵۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۰۷

حدیث فَاِنَّ الشَّیطَانَ لَایَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ کا مطلب

صاحب فتوحاتِ مکیہ (شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی قدس سرہ) فرماتے ہیں کہ شیطان آں حضرت ﷺ کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ جو کہ مدینۂ منورہ میں مدفون ہے متمثل نہیں ہوسکتا اور اس صورتِ خاصہ کے علاوہ جس صورت کے ساتھ بھی آپ کو دیکھا جائے شیطان کے متمثل ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتے (یعنی شیخ اکبر کی نزدیک اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کے علاوہ اور جس صورت میں بھی حضورِ انور ﷺ کو دیکھیں شیطان متمثل ہوسکتا ہے اور امام ابنِ سیرین بھی اسی طرف گئے ہیں) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کی تمیز خصوصاً خوابوں میں بہت مشکل و دشوار ہے، پھر یہ بات کس طرح اعتماد کے لائق ہوگی اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آں حضرت سرورِ عالم ﷺ کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ مخصوص نہ کریں اور جس صورت میں بھی لوگ آں حضرت ﷺ کو دیکھیں اس صورت میں شیطان کے متمثل نہ ہونے کو تجویز کریں جیسا کہ بہت سے علما اس طرف گئے ہیں تو یہ بات بھی آں حضرت ﷺ کی رفعتِ شان کے نہایت مناسب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے (جو خواب میں دیکھی ہے) احکام کا اخذ کرنا اور آں حضرت ﷺ کی مرضی و نامرضی کا معلوم کرنا مشکلات میں سے ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) درمیان میں واسطہ بن گیا ہو اور خلافِ واقعہ کو واقعہ کی صورت میں ظاہر کیا ہو اور دیکھنے والے کو شک وشبہ میں ڈال دیا ہو اور اپنی عبادت واشارت کو آں حضرت ﷺ کی اس صورت کی عبارت واشارت کر دکھایا ہو۔(۱)

صوفیوں کو سنت کے خلاف اپنے پیروں کی تقلید نہ کرنے کی ہدایت

صوفیائے وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کے شائع کرنے کو ملاحظہ کریں تو انہیں چاہئے کہ سنت کے خلاف امور میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ بنا کر امورِ مخترعہ (خود ساختہ امور) کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ سنت کا اتباع یقیناً نجات دینے والا اور خیرات و برکات بخشنے والا ہے، سنت کے خلاف امور کی تقلید میں خطرہ ہی خطرہ ہے وما علی الرسول الا البلاغ۔ ہمارے پیروں کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے متبعین کو امورِ مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہیں کی اور اپنی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۷۳

تقلید سے ہلاک کرنے والی تاریکیوں میں نہیں ڈالا اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہیں فرمائی، اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہوگیا اور ان کے وصول کا ایوان رفیع ہوگیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سماع ورقص کو ٹھکرا دیا ہے اور وجد وتواجد کو انگشتِ شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا ہے۔(۱)

احکامِ الہامیہ کی تشریح

پس ثابت ہوا کہ علوم ومعارف احکامِ شرعیہ کے ماسوا کچھ اور ہیں کہ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں، اگرچہ یہ معارف ان ہی احکام کے ثمرات ونتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا پھل حاصل ہو تو جب تک درخت قائم رہے گا تب تک پھل کی امید رہتی ہے، اور جب درخت کی جڑ میں خلل آ جائے تو اس کے ثمرات (پھل) بھی ختم ہو جاتے ہیں، یہ بے عقلی کی بات ہے کہ کوئی شخص درخت کو کاٹ ڈالے اور پھلوں کی امید رکھے، درخت کی جس قدر اچھی تربیت کریں اسی قدر زیادہ پھل دیتا ہے، پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن درخت کی فرع ہے، شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ جو شخص شریعت کو لازم پکڑتا ہے وہ صاحبِ معرفت ہے، جس قدر شریعت کا التزام زیادہ ہوگا اس قدر معرفت زیادہ ہوگیا، اور جو شخص شریعت میں سست ہے وہ معرفت سے بے بہرہ ہے اور بالفرض جو کچھ وہ اپنے خیالِ فاسد میں رکھتا ہے اگرچہ (درحقیقت) وہ کچھ نہیں رکھتا تو یہ استدراج کی قسم سے ہے جس میں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں کُلُّ حَقِیْقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِیْعَةُ فَهُوَ زَنْدَقَةٌ وَّاِلْحَادٌ (جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا ہو وہ زندقہ اور الحاد ہے) پس ہوسکتا ہے کہ اہل اللہ میں سے خاص خاص حضرات حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار ودقائق کو سمجھ لیں کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہے اور حرکات وسکنات میں حق تعالیٰ کا اذن وعدمِ اذن معلوم کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ونامرضی جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلی عبادتوں کے ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نامرضی معلوم کرتے ہیں اور اس کے ترک کا اذن پا لیتے ہیں کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۲۳

احکامِ شرعیہ اپنے اپنے وقتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور احکامِ الٰہیہ ہر وقت ثابت ہیں جب ان بزرگوں کے حرکات وسکنات اذن پر موقوف ہیں تو بے شک دوسروں کے نفل بھی ان کے لئے فرض ہوں گے، مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہے اور وہی فعل دوسرے شخص کے لئے الہامی حکم سے فرض ہے پس دوسرے لوگ کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی مباح امور کی مرتکب ہوتے ہیں لیکن یہ اکابر جب کام کو اللہ جل شانہٗ کے امر و اذن سے کرتے ہیں وہ سب فرض ہی ادا ہوتے ہیں، دوسروں کے مستحب ومباح ان کے لئے فرائض (کا درجہ) رکھتے ہیں، اس تحقیق سے ان بزرگوں کی بلند شان کو جان لینا چاہئے۔ علمائے ظاہر دین کے علوم و امور میں غیبی خبروں کو پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خبروں کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور دوسروں کو ان خبروں میں شریک نہیں کرتے، یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم و معارف صحیحہ کی نفی ہے جو دینِ متین سے تعلق رکھتے ہیں، ہاں احکامِ شرعیہ ادلہٗ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کی گنجائش نہیں، لیکن احکامِ شریعت کے ماسوا بہت سے دینی امور ایسے ہیں جن میں پانچویں اصل الہام ہے، بل کہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے اور یہ اصل جہان کے فنا ہونے تک قائم ہے، پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے اور یہ بزرگ بعض اوقات عبادت کو ترک کر دیتے ہیں اور وہ ترک پسند ہوتا ہے، پس حق تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہوا۔ لیکن عوام اس کے برخلاف حکم لگاتے ہیں یعنی اس کو عابد (عبادت کرنے والے) جانتے ہیں اور اس کو (ترک کرنے والے کو) مکار سمجھتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب وسنت سے کامل ہو گیا پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کون سی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟

جواب: الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا، جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق و اسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، اگرچہ اجتہاد و الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کہ پیدا کرنے والے اللہ جل شانہٗ کی طرف منسوب ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں، الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا، اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً

وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا o "یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بہتری و بھلائی نصیب فرما"۔(۱)

سلوک سے مقصود غیبی صورتوں اور انوار کا مشاہدہ نہیں

اول عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور جو کچھ تواتر وضرورت کے طور پر دین کے متعلق معلوم ہوا ہے اس کی تصدیق سے چارہ نہیں ہے، دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے جن کا متکفل علمِ فقہ ہے اور تیسرے طریقۂ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے (لیکن) اس غرض کے لئے نہیں کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور انوار ورنگوں کا معائنہ کریں کہ یہ سب لہوولعب میں داخل ہیں حسّی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے، حال آں کہ یہ (حسّی) صورتیں اور انوار اور وہ (غیبی) صورتیں اور انوار دونوں حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں، سورج و چاند کا نور جو کہ عالمِ شہادت سے ہے ان انوار سے جو عالمِ مثال میں دیکھیں کئی درجے افضل ہے، لیکن چوں کہ یہ (سورج و چاند کے نور کا) دیکھنا دائمی ہے اور خاص و عام سب اس میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظرِ اعتبار سے گرا کر غیبی انوار کی ہوس کرتے ہیں، ہاں

آبے کہ رود پیشِ درت تیرہ نماید

جو پانی تیری دروازہ کے آگے بہتا ہے وہ تجھے سیاہ نظر آتا ہے۔

بل کہ طریقۂ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادی امور میں یقین زیادہ حاصل ہوجائے تاکہ استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے کھلے میدان میں آجائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف حائل ہوجائیں، مثلاً واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کا وجود جو پہلے استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اس کا اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا اور جب طریق صوفیہ کا سلوک میسر ہوتا ہے تو یہ استدلال و تقلید، کشف وشہود سے بدل جاتا ہے اور کامل ترین یقین حاصل

۱۔ جاننا چاہئے کہ اسی مکتوب میں اس اقتباس سے کچھ پہلے مذکور ہے کہ "الہام انہی کے لئے ہے اور کلام انہی کے ساتھ مخصوص ہے ان کے اکابر علوم واسرار کو بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں اور جس طرح مجتہد اپنی رائے واجتہاد کا تابع ہوتا ہے یہ حضرات بھی معارف ومواجید میں اپنی فراست والہام کے تابع ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ الہام کا حکم صاحب الہام کے حق میں ہی مخصوص ہوتا ہے بخلاف اجتہادِ مجتہد کے وہ عامۃ المسلمین کے لئے ہوتا ہے، مؤلف (دفتر دوم: مکتوب نمبر ۵۵)

ہوجاتا ہے، سب اعتقادی امور اسی قیاس پر ہیں اور نیز (طریقِ صوفیہ کے سلوک سے) مقصود یہ ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہوجائے اور وہ مشکل دور ہوجائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یقین یہ ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی اور امر، اور اپنی کتابوں و رسالوں میں اس معنی کی تحقیق کی ہے اور اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا تمام طریقوں سے زیادہ مناسب اور بہتر ہے، کیوں کہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود متابعت میں فتور دیکھی محسوس کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ (۱)

کلماتِ شطحیات کہنے کا جواز وعدم جواز

مشائخ قدس اسرارہم میں سے جس نے شطحیات کے طور پر کلام کیا ہے اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہیں ہیں یہ سب کفرِ طریقت کے مقام میں واقع ہوا ہے جو کہ سُکر و بے تمیزی کا مقام ہے، جو بزرگ حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے پاک و بری ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کرتے ہیں اور ان ہی کے تابع رہتے ہیں پس جو شخص شطحیات کے طور پر کلام کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح رکھتا اور سب کو راہِ راست پر خیال کرتا ہے اور حق (خدا) اور خلق (مخلوق) کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا تو اگر ایسا شخص مقامِ جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفرِ طریقت سے متحقق ہو چکا ہے اور ماسوائی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو وہ مقبول ہے اور اس کی جو باتیں سُکر سے پیدا ہوئی ہیں ظاہر کی طرف پھیری گئی ہیں (یعنی ان کی تاویل کی جائے گی)، اور اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہوئے اور درجۂ کمال تک پہنچے بغیر اس قسم کی (سُکریہ) باتیں کرتا ہے اور سب کو حق اور صراطِ مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے جس کا مقصود شریعت کو باطل کرنا ہے اور جس کا مطلوب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ رحمتِ عالمایان ہیں کی دعوت کو رفع کرنا ہے، پس اس قسم کے خلافِ شریعت کلمات سچے بھی صادر ہوتے ہیں اور جھوٹے سے بھی، سچے کے لئے آبِ حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہرِ قاتل، جس طرح کہ دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آبِ خوش گوار تھا اور قبطی کے حق میں خونِ ناگوار۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۱۰

اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں، بہت سے مسلمان اربابِ سکر اکابر کی باتوں کی تقلید کر کے راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے جو اربابِ سکر میں موجود ہیں اور ان میں مفقود، ان شرائط میں سے بڑی شرط ماسوی اللہ کا نسیان ہے، جو کہ اس قبولیت کی دہلیز ہے اور سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز شریعت پر استقامت ہونے یا نہ ہونے سے ہوسکتا ہے، جو سچا ہے وہ سکر و مستی و بے تمیزی کے باوجود شریعت کے خلاف ایک بال بھر بھی کوئی عمل نہیں کرے گا، (حضرت) منصور (رحمہ اللہ) انا الحق کہنے کے باوجود قید خانے میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کی حالت میں ہر شب پانچ سو رکعات نماز نفل ادا کرتے تھے اور وہ کھانا جو ان کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال کے ذریعے سے ہوتا تھا نہیں کھاتے تھے۔ اور جو شخص جھوٹا ہے اس پر احکامِ شرعیہ کا بجالانا کوہِ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے، آیتِ کریمہ:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (۱)

مشرکوں پر وہ امر بہت بھاری ہے تو جس کی طرف ان کو بلاتا ہے

ان کی حالت کی نشان دہی کرتی ہے، ربنا اتنا من لدنك رحمة و هی لنا من امرنا رشدا والسّلام علی من اتبع الهدی۔ (۲)

عشقِ مجازی کی حرمت وممانعت

لیکن جاننا چاہئے کہ اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ (مجاز حقیقت کا پُل) اس صورت میں ہے کہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے اور نظرۂ ثانیہ (دوبارہ دیکھنے) تک نہ پہنچے نظرۂ اولیٰ ہی ہے جو حقیقت کا پل ہے جس کی نسبت مخبر صادق ﷺ نے اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلٰى لَكَ (پہلی بار دیکھنا تیرے لئے ہے) فرمایا ہے گویا لفظ لَکَ سے اس دولت کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اگر نعوذ باللہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں آ گئی بل کہ نظرۂ ثانیہ تک نوبت پہنچ گئی تو وہی مجاز حقیقت تک پہنچنے کا مانع ہے، وہ قنطرۂ یعنی پُل تو کیا ہے، بل کہ ایک بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور ایک دیو ہے جو حقیقت سے برگشتہ کرتا ہے اسی لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرۂ ثانیہ کو مضر جانتے ہوئے اَلنَّظْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ فرمایا ہے، جو چیز حق سے ہٹاتی اور باطل کے ساتھ گرفتار کرتی ہے اس سے زیادہ مضر کون سی چیز ہوگی، اور جاننا چاہئے کہ نظرۂ اولیٰ

۱۔ الشوریٰ:۱۳ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۹۵

اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اپنے اختیار سے ہو تو وہ بھی نظرۂ ثانیہ کا حکم رکھتی ہے، اس مطلب کے ثابت کرنے کے لئے آیۂ کریمہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۱)

آپ مؤمنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں۔

کافی ہے، بے وقوف کچے صوفی اس عبارت کے معنی نہ سمجھنے اور غلط معنی کرنے کی وجہ سے جمیل صورتوں کے ساتھ گرفتاری (تعلق) پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے ناز و انداز پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اس طمع پر کہ اس (عشق و محبت) کو حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب کے حاصل ہونے کا زینہ بنائیں، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ امر سراسر مطلوب کا سدِ راہ مقصود کے حاصل ہونے کا حجاب ہے، یہ ایک باطل ہے جو ان کی نظر میں آراستہ ہو گیا ہے اور وہ حقیقت کے دھوکے میں آ گئے ہیں، ان میں سے بعض صوفی ان صورتوں کے حسن و جمال کو حق تعالیٰ کا حسن و جمال سمجھ کر ان کے تعلق کو عین حق تعالیٰ کا تعلق جانتے ہیں اور ان کے مشاہدے کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا ہے، بیت

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر ست
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو وہ کہتے ہیں بہت ہی برتر ہے) معلوم نہیں ان کوتاہ نظروں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو کیا گمان کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کیا ہے۔ شاید انہوں نے نہیں سنا ہے کہ حورِ بہشت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اگر اس کا ایک بال بھی دنیا میں آ پڑے تو اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور کبھی اندھیرا نہ چھائے، اور حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلی سے کوہِ طور کا جل کر ریزہ ریزہ ہو جانا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام کا اس قرب و منزلت کے باوجود بے ہوش ہو کر گر پڑنا نصِ قرآنی سے ثابت ہو چکا ہے، لیکن یہ بے عقل لوگ ہر وقت حق تعالیٰ کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کی رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں:

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (۲)

انہوں نے اپنے نفسوں پر تکبر کیا اور نہایت سرکش ہو گئے۔

۱۔ النور: ۳۰ ۲۔ الفرقان: ۲۱

علمائے اہلِ سنت و جماعت نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلائل کے ساتھ مخالفوں کے سامنے آخرت کی رویت کو ثابت کیا ہے، جب کہ اہلِ سنت و جماعت کے سوا باقی تمام مخالف گروہ خواہ اہلِ ملّت ہوں یا غیر اہلِ ملت آخرت میں رویتِ حق جل وعلا کے قائل نہیں ہیں، بل کہ اس کو محالِ عقلی سمجھتے ہیں اور اہلِ سنت نے بھی اس کو بلا کیف کہا ہے اور عالمِ آخرت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور ان بوالہوس لوگوں نے اس دولتِ قاہرہ کے حاصل ہونے کو اس عالمِ فانی میں تصور کرلیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہو رہے ہیں۔ ربنا اتنا من لدنك رحمة وهی لنا من امرنا رشدا والسلام علی من اتبع الهدی۔ (۱)

کلامِ صوفیائے کرام پر اعتراض نہ کریں

آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے، بہ ظاہر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنہ و فساد پر آمادہ کرتے ہیں آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے، آپ ان مدعیوں کی نئی بنائی ہوئی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہے اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے، آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحیدِ شہودی کی نسبت کس قدر لکھا ہے، اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔ (۲)

صوفیوں کی بعض غلطیوں کی نشان دہی

اے عزیز! اس راستے میں جو سراسر غیب در غیب ہے سالکوں کے قدم بہت پھسلتے ہیں، آپ اعتقادات اور اعمال میں شریعت کو مدنظر رکھ کر زندگی بسر کریں، حضور وغَیبت میں فقیر کی یہی نصیحت ہے اس میں غفلت ہرگز نہ ہونے پائے، فقیر اس راستے کی بعض غلطیوں کو لکھتا ہے اور ہر غلطی کے منشا (پیدا ہونے کی وجہ کو) متعین کرتا ہے، امید ہے کہ اعتبار کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے اور ان مذکورہ جزئیات کے علاوہ دوسری جزئیات میں ان کے اندازے کے مطابق عمل فرمائیں گے۔

جان لینا چاہئے کہ صوفیوں کی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ کبھی سالک مقاماتِ عروج میں اپنے آپ کو دوسرے حضرات سے بلند پاتا ہے جن کی افضلیت علما کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے، حال آں کہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگوں کے مقامات سے نیچے ہے، بل کہ یہ

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۶۶ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۷۷

اشتباہ کبھی کبھی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی جو قطعی طور پر بہترین خلائق ہیں واقع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔(۱)

بیماری سے صحت کے بغیر کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی

جب حکما کے نزدیک مقرر ہے کہ مریض جب تک بیماریوں سے تندرست نہ ہو جائے کوئی غذا اسے فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مرغ بریاں ہو، بل کہ اس صورت میں غذا مرض کو بڑھا دیتی ہے:

ہر چہ گیرد علتی علت شود

پس پہلے اس مرض کے دور کرنے کی فکر کرتے ہیں اس کے بعد مناسب غذاؤں کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کو اصلی قوت کی طرف لاتے ہیں۔

پس آدمی جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَرَضٌ، کوئی عبادت وطاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بل کہ اس کے لئے مضر ہے رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ (بعض لوگ قرآن اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن پر لعنت کرتا ہے) حدیث مشہور ہے:

وَرُبَّ صَآئِمٍ لَّیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَآءُ

بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ ان کے نصیب نہیں ہوتا خبر (حدیث) صحیح ہے۔

دلی امراض کا علاج کرنے والے بعض مشائخ بھی اول مرض دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس مرض سے مراد ما سوائے حق کی گرفتاری ہے، بل کہ اپنے نفس کی گرفتاری ہے، کیوں کہ ہر ایک شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے اگر فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے لئے اور اگر مال وریاست وحب جاہ ہے تو اپنے لئے، پس درحقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے جب تک نفس اس قید سے خلاص نہ ہو جائے تب تک نجات کی امید مشکل ہے۔ پس دانش مند علما اور صاحب بصیرت حکما پر اس مرض کے دور کرنے کی فکر لازم ہے۔(۲)

اس گروہ سے محبت رکھنے اور ان کے بغض سے بچنے کی ترغیب

اس گروہ کی محبت جو ان کی معرفت پر مترتب ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے

۱۔ اس مکتوب میں آگے غلطی کے منشا کی تفصیل درج ہے۔ اس کے لئے اصل مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔ دفتر اول: مکتوب ۲۲۰

۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۰۵

ہے دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا، اس گروہ کا بغض زہرِ قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا ہمیشہ کی محرومی کا باعث ہے نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَنْ ھٰذِہِ الْاِبْتِلَاءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس آزمائش سے بچائے) شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ الٰہی! جس کو تو اپنے دربار سے دھتکارنا چاہتا ہے اس کو ہمارا مخالف بنا دیتا ہے:

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق (۱)

کاملین پر اعتراض کرنے کی ممانعت

جو خطاب آپ نے ظاہر طور پر نفس کی طرف کئے ہوئے تھے واضح ہوئے، بے شک جو اعتراض بھی نفس پر کریں امارگی کے زمانے میں مسلّم ہیں لیکن اطمینان حاصل ہونے کے بعد اعتراض کی مجال نہیں ہے، کیوں کہ نفس اس مقام میں حق تعالیٰ سے راضی ہے اور حق تعالیٰ اس سے راضی، پس وہ پسندیدہ و مقبول ہے اور مقبول پر اعتراض جائز نہیں اور اس کی مراد حق تعالیٰ کی مراد ہے کیونکہ اس دولت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق (متصف) ہونے کے وقت ہے اس کا پاک میدان (فضا) ہم پست فطرتوں کے اعتراض سے بہت بلند ہے ہم جو کچھ کہیں گے وہ ہماری ہی طرف لوٹ آئے گا:

آنکہ از خویشتن چو نیست جنیں
چہ خبر دارد از چناں و چنیں

بسا اوقات جاہل لوگ نہایت جہالت کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کو نفسِ امارہ تصور کرتے ہیں اور نفس کی امارگی کے احکام نفسِ مطمئنہ پر جاری کرتے ہیں، جیسا کہ کفار نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو باقی تمام انسانوں کی طرح خیال کر کے کمالاتِ نبوت سے انکار کیا ہے، حق تعالیٰ ان بزرگوں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے تابعداروں کے انکار سے بچائے۔ (۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۰۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۰۱

سالکین کی تربیت کے متعلق ارشادات

ویسے تو تمام مکتوباتِ گرامی سالکین کی تربیت کے متعلق ارشادات سے ہی تعلق رکھتے ہیں تاہم اس جگہ چند مکتوبات کے اقتباسات مختلف عنوانات کے تحت درج کئے جاتے ہیں (مرتب)

پیر ناقص سے طریقہ اخذ کرنے کے نقصانات

اے کمالات کے ظہور کو قبول کرنے والے بھائی! اللہ تعالیٰ تمہارے فعل کو قوت سے ظہور میں لائے، جان لے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے پس افسوس اس شخص پر جس نے اس میں نہ بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بے کار رہنے دیا اور اپنے اعمال کے بیج کو ضائع کر دیا۔

اور جاننا چاہئے کہ زمین کا ضائع اور بے کار کرنا دو طریق پر ہے ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرے یہ کہ اس میں خبیث اور خراب بیج ڈالے، اور دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ ضرر رساں ہے اور اس کا فساد زیادہ ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا خبیث و ناپاک ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص سالک سے طریقہ اخذ کرے اور اس کے مسلک پر چلنے لگے، کیوں کہ ناقص حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اور جو حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اس کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو وہ اس کی حرص و ہوا کو ہی زیادہ کرے گی، پس اس کا نتیجہ تاریکی پر تاریکی ہے، اور نیز چوں کہ ناقص خود ہرگز واصل نہیں ہے اس لئے اس کو خدا کی طرف پہنچانے والے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے، اور اسی طرح وہ طالبوں کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق نہیں جانتا اور چوں کہ اس ناقص نے طریقِ جذبہ و طریقِ سلوک میں فرق نہیں کیا، تو بسا اوقات جس طالب کی استعداد ابتدا میں طریقِ جذبہ کے مناسب ہوگی اور طریقِ سلوک کے لئے نامناسب ہوگی۔ اگر اس ناقص شیخ نے ان مختلف طریقوں اور استعداد کے درمیان تمیز نہ ہونے کے باعث اس مرید کو طریقِ سلوک پر چلایا تو اس نے اس مرید کو راہِ حق سے گمراہ کر دیا جیسا کہ ناقص پیر خود گم راہ تھا۔

پس جب شیخ کامل و مکمل ایسے طالب کی تربیت و رہبری کرنا چاہے تو بالضرور اس کو اول اس طالب سے اس چیز کو دور کرنا چاہئے جو ناقص شیخ سے اس کو پہنچی ہے اور اس کے سبب سے اس کا جو کچھ بگاڑ ہوا ہے اس کی اصلاح و درستی کرنی چاہئے، پھر اس کی استعداد کے مناسب اچھا بیج اس کی

استعداد کی زمین میں ڈالے پس اس میں اچھی پیداوار اُگے گی۔(۱)

کیوں کہ افادہ واستفادہ دونوں طرف کی مناسبت پر موقوف ہے اور ابتدا میں طالب حق کو کمال پستی وکمینہ پن کے باعث حق تعالیٰ کی جناب پاک کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس لئے طرفین کے درمیان ایک برزخ کا ہونا ضروری ہے اور وہ شیخ کامل ومکمل ہے اور طلب میں فتور وسستی واقع ہونے کا سب سے قوی سبب شیخ ناقص کی طرف رجوع کرنا ہے جس نے ابھی جذبہ وسلوک کے ساتھ اپنا کام پورا نہیں کیا اور شیخی کی مسند پر بیٹھ گیا ہے، طالب کے لئے اس کی صحبت زہرِ قاتل اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے، ایسے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو پستی میں لے جاتی ہے اور بلندی سے پستی میں گرا دیتی ہے، مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے دوائی کھاتا ہے وہ اپنے مرض کے زیادہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور اپنے مرض کے دور ہونے کی قابلیت کو ضائع کرتا ہے، اگرچہ ابتدا میں اس دوائی سے مرض میں کچھ تخفیف ہو جائے لیکن حقیقت میں یہ عین مضرت ہے یہی مریض اگر بالفرض کسی حاذق طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے اس دوائی کی تاثیر کو دور کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات کے ساتھ اس کا علاج کرے گا، اس تاثیر کے زائل ہو جانے کے بعد اس کے اصل مرض کے ازالے کی فکر کرے گا، ان بزرگوں کے طریق کا مدار صحبت پر ہے صرف کہنے سننے سے کام نہیں بن سکتا بل کہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔(۲)

کام کا مدار دل پر ہے

کام کا مدار دل پر ہے، اگر دل حق تعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو خراب وابتر ہے، محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادات سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، ماسوائے حق کی طرف توجہ کرنے سے دل کو سلامت رکھنا اور اعمالِ صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے جن کے بجالانے کے لئے حکم کیا ہے دونوں درکار ہیں بدنی اعمالِ صالحہ کی بجاآوری کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل ہے جس طرح اس جہان میں بدن کے بغیر روح کا ہونا متصور نہیں ہے اسی طرح دل کے احوال بدنی اعمالِ صالحہ کے بغیر محال ہیں اس زمانہ میں اکثر ملحد اس قسم کا دعویٰ کئے بیٹھے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ہمیں ان کے ایسی برے عقائد سے بچائے۔(۳)

۱۔دفتر اول: مکتوب ۲۳ ۲۔دفتر اول: مکتوب ۶۱
۳۔دفتر اول: مکتوب ۳۹

سیر وسلوک سے مقصود دلی امراض کا دور کرنا ہے

پس سیر وسلوک اور تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطنی آفات اور دلی امراض جن کی نسبت آیۂ کریمہ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ میں اشارہ کیا گیا ہے دور ہو جائیں، تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے اور ان امراض وآفات کے باوجود اگر ایمان ہے تو وہ صرف ظاہری اور رسمی طور پر ہے۔(۱)

دل کی غیر اللہ سے رہائی کے لئے اتباعِ سنت سب سے بہتر ہے

جب تک انسان کا دل پراگندہ تعلقات سے آلودہ ہے اس وقت تک محروم ومہجور ہے، دل کی حقیقت جامع کے آئینے سے ماسوی اللہ کی محبت کے زنگار کو دور کرنا ضروری ہے اور دل سے اس زنگار کو دور کرنے والی سب سے بہتر چیز حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بزرگ وروشن سنت کی تابع داری ہے جس کا مدار نفسانی عادتوں کے ترک اور ظلمانی رسموں کے ہٹانے پر ہے۔(۲)

صوفی کائن بائن اور حسنات الابرار سیئات المقربین کی تشریح

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کی دوستی ہے۔

پس مبارک ہے وہ شخص جس کے دل میں خدا کی محبت کے سوا اور کسی کی محبت نہ ہو اور اس کے سوا اور کسی کا طالب نہ ہو۔ پس ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ظاہر میں خلق کے ساتھ مشغول ہے اور کائن بائن صوفی کی یہی شان ہے، یعنی وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور خلق سے جدا ہے، یا یہ مراد ہے کہ ظاہر میں خلق کے ساتھ نہیں ہوتا پس جب تک اس کی محبت کا تعلق ایک سے ہوگا اس وقت تک اس کے ماسوا سے اس کی محبت نہ ہوگی، اور یہ جو اس کی خواہشات کی کثرت اور بہت سی اشیاء مثلاً مال واولاد وسرداری وتعریف اور لوگوں کی نزدیک بلندیٔ شان وغیرہ کے ساتھ اس کی محبت کا تعلق دیکھا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی اس کا محبوب ایک ہی چیز ہے اور وہ اس کا اپنا نفس ہے اور ان سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع اور شاخ ہے، کیوں کہ وہ ان سب چیزوں کو اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے نہ کہ ان چیزوں کی ذات کے لئے۔ پس جب اس کے اپنے نفس کی محبت زائل ہو جائے تو ان تمام چیزوں کی محبت بھی تبعیت کی

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۴۲

وجہ سے زائل ہوجائے گی، اسی لئے کہتے ہیں کہ بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان حجاب بندہ کا اپنا نفس ہے نہ کہ جہان، کیوں کہ جہان بالذات بندہ کا مقصود نہیں ہے کہ اس کے لئے حجاب ہوگا نہ کہ کوئی اور شئے۔ لہٰذا جب تک بندہ اپنے نفس کی مراد سے بالکل خالی نہ ہوجائے حق تعالیٰ اس کی مراد نہیں ہوسکتا اور نہ ہی حق تعالیٰ کی محبت اس کے دل آسکتی ہے، اور یہ انتہائی اعلیٰ دولت جو کہ تجلیٔ ذاتی سے وابستہ ہے فنائے مطلق کے حاصل ہونے کے بعد ہی محقق ہوتی ہے، کیوں کہ جب تک سورج کامل اور پوری طرح طلوع نہ ہوجائے ظلمات کا پورے طور پر رفع ہونا متصور نہیں ہے پس جب یہ محبوب کا انعام اور ایلام (رنج والم دنیا) یک ساں ہوجاتا ہے پس اس وقت اس کو اخلاص بھی حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اپنے رب کی عبادت خالص اسی کے لئے کرتا ہے نہ کہ اپنے نفس کے لئے انعام طلب کرنے اور رنج وغم دور کرنے کے لئے۔ کیوں کہ یہ دونوں اس کے نزدیک برابر ہیں اور یہ مرتبہ مقربین کے لئے مخصوص ہے کیوں کہ ابرار محبتِ ذاتی کی سعادت سے کام یاب نہ ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت خوف وطمع کے سبب سے کرتے ہیں اور یہ دونوں امران کے اپنے نفس کی طرف راجع ہیں یہی وجہ ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لئے گناہ ہیں پس ابرار کی نیکیاں ایک وجہ سے نیکیاں ہیں اور دوسری وجہ سے برائیاں، اور مقربین کی نیکیاں خالص اور محض نیکیاں ہیں۔

ہاں مقربین میں سے بعض لوگ بقائے اکمل سے موصوف ہونے اور عالمِ اسباب کی طرف نزول کرنے کے بعد خوف وطمع کی نیت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، لیکن ان کا خوف وطمع ان کے اپنے نفسوں کی طرف راجع نہیں ہوتا بل کہ وہ اللہ کی رضامندی کی طمع پر اور اس کے غضب سے ڈر کے مارے کرتے ہیں اور اسی طرح وہ جنت کو اس واسطے طلب کرتے ہیں کہ وہ اس کی رضا کا مقام ہے نہ کہ اپنے نفسوں کے حظ وفائدہ کے لئے اور دوزخ سے اس واسطے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ اس غضب کا مقام ہے نہ کہ اپنی جانوں سے رنج والم دور کرنے کے لئے کہ یہ بزرگ نفس کی غلامی سے آزاد ہوکر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص ومخصوص ہوگئے ہیں اور مقربین کے مرتبوں میں سے یہ مرتبہ نہایت اعلیٰ ہے اور اس مرتبے والے شخص کو ولایت خاصہ کے مرتبے سے متصف ہونے کے بعد مقامِ نبوت کے کمالات سے کامل حصہ حاصل ہوتا ہے اور وہ شخص جو عالمِ اسباب کی طرف نزول نہ کرے وہ مغلوب الحال اولیا میں سے ہے اس کو مقامِ نبوت کے کمالات سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہے اس لئے وہ تکمیل وارشاد کے بھی لائق نہیں ہوگا برخلاف اول کے۔ (۱)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۴

باوجود اس امر کے اس بات کا معتقد ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ مطلب حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بے کاری ہے بل کہ منازلِ سلوک طے کرنے کے لائق ہونے میں صرف معطلی ہے، حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ آپ نے سنا ہوگا:

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جاں کندن است

اللہ تعالیٰ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے ان (والدین) کے حقوق کو ادا کرنا خدا کے حکم کی تابع داری کے باعث ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو پس اس لحاظ سے ان کی خدمت اللہ تعالیٰ ہی کی خدمات میں سے ہے لیکن خدمت خدمت میں فرق ہے کاشت کار اور ہل چلانے والے بھی بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں لیکن مقربین کی خدمت اور ہے۔(۱)

نفس امارہ کی مذمت وعلاج

میرے مخدوم ومکرم! نفسِ امارہ حُبِّ جاہ وریاست پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا مقصود اور اس کی تمام تر خواہش اپنے ہمسروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ بالذات اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوق اس کی محتاج اور اس کے امرونہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی کا محتاج ومحکوم نہ ہو، اس کا یہ دعویٰ خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت وشرکت کا ہے، بل کہ وہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور سب اس کے محکوم ہوں، حدیث قدسی میں آیا ہے:

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ

اپنے نفس کو دشمن رکھ، کیوں کہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے، پس نفس کی مرادوں یعنی جاہ و ریاست وبلندی وتکبر وغیرہ کے حاصل کرنے کے ذریعہ نفس کی تربیت کرنا حقیقت میں اس کو خدائے تعالیٰ کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے اس امر کی برائی کو اچھی طرح معلوم کر لینا چاہیے۔

الغرض جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور سرداری کے مالیخولیا کی خباثت سے پاک نہ ہو جائے اس وقت تک نجات محال ہے اس مرض کے دور کرنے کی فکر ضروری ہے تاکہ ہمیشہ کی

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۲۷

موت تک نہ پہنچائے، کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ جو نفسی و آفاقی معبودوں کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے نفس کے تزکئے و صفائی کے لئے بہت ہی فائدہ مند و مناسب ہے، طریقت کے اکابر قدس سرہم نے تزکیۂ نفس کے لئے اسی کلمے کو اختیار کیا ہے۔(۱)

شریعت کو رواج دینا سب سے بڑی نیکی ہے

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا مدار اسی پر رکھا گیا ہے اور ان اکابر کی بعثت سے مقصود احکامِ شریعت کا لوگوں تک پہنچانا ہی ہے پس سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے خاص طور پر ایسے زمانے میں جب کہ اسلام کے نشانات منہدم ہو گئے ہوں کروڑوں روپیہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلے کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے، اس لئے کہ افعال میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا ہے جو کہ بزرگ ترین مخلوقات ہیں اور اس فعل میں ان اکابر کے ساتھ شریک ہونا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں ان ہی حضرات کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنا تو اوران بزرگوں کے علاوہ اوروں کو بھی میسر ہے، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت کے احکام بجالانے میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہے، کیوں کہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے، البتہ ان مالوں کے خرچ کرنے میں جو کہ شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہوں بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت سے ایک جیتل (پیسہ) کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے۔(۲)

اتباعِ دین کی ترغیب

تمام مخلوقات سے بہتر بھی انسان ہی ہے اور بدتر بھی انسان ہی ہے، کیوں کہ حبیب رب العالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی انسانوں ہی میں سے تھے اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدائے پاک کا دشمن ابوجہل ملعون بھی انسانوں ہی میں سے تھا، پس لازماً جب تک سب کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ایک خدا کے ساتھ جو ایک ہونے سے بھی منزہ و پاک ہے گرفتار و مقید نہ ہو جائیں تب تک خرابی ہی خرابی اور وبال ہی وبال ہے لیکن مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۴۸

(اگر کوئی چیز کلی طور پر نہ ملے تو اس کو کلی طور پر ترک نہ کر دیا جائے) کے موافق اپنی چندروزہ زندگی کو صاحبِ شریعت ﷺ کی تابع داری میں بسر کرنا چاہئے، کیوں کہ آخرت کے عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کی نعمتوں کے ساتھ کامیاب ہونا اسی تابع داری کی سعادت پر وابستہ ہے پس بڑھنے والے مالوں اور چوپایوں کے ساتھ تعلق نہ ہونے کا وسیلہ بنانا چاہئے اور لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں نفس کا حظ (لذت) مدنظر نہ رکھنا چاہئے، بل کہ کھانے پینے وغیرہ سے اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہونی چاہئے کہ طاعات کے ادا کرنے پر قوت حاصل ہو، نفیس کپڑوں کو:

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ ای عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ

ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کر لیا کرو

کے موافق اس آیت میں امر کی ہوئی زینت کی نیت سے پہننا چاہئے اور کسی اور نیت کو اس میں نہ ملانا چاہئے اور اگر حقیقی طور پر نیت میسر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلف سے اس نیت پر قائم کرنا چاہئے۔(۱)

سب سے اعلیٰ نصیحت جو دوستانِ سعادت مند کے لائق ہے یہ ہے کہ سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کریں اور بدعتِ ناپسندیدہ سے بچیں، جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرے اس کے لئے سو شہید کا ثواب ہے تو پھر معلوم کرنا چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی فرض یا واجب کو زندہ کرے گا اس کو کس قدر ثواب ملے گا، نماز میں تعدیلِ ارکان (اطمینان سے ادا کرنا) جو اکثر علمائے حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف و امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فرض ہے اور بعض علمائے حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہے اس ایک عمل کو زندہ اور جاری کرنا فی سبیل اللہ سو شہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہوگا، باقی احکامِ شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کا بھی یہی حال ہے، علما نے فرمایا ہے کہ نیم دانگ اس شخص کو واپس دے دینا جس سے غیر شرعی طریقہ پر ظلم کے طور پر لیا ہو دو سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے، علما نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے نیک عمل پیغمبر کے عملوں کی طرح ہوں اور اس پر کسی شخص کا نیم دانگ جتنا حق باقی رہا ہو تو اس شخص کو اس وقت تک بہشت میں نہیں لے جائیں گے، جب تک اس نیم دانگ کو ادا نہ کر دے گا۔

غرض ظاہر کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے، کیوں کہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے، علما

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۷۰

صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں، باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے باطنی احوال استدراج ہیں، باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے استقامت کا طریق یہی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔(۱)

بعض مضامینِ ترغیب وترہیب

میرے مشفق ومخدوم ومکرم! وقت گزرتا چلا جارہا ہے اور جوں جوں گذرتا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے اور موت نزدیک آتی جاتی ہے اگر آپ نے آج فکر نہ کی تو کل ندامت وحسرت اٹھانی پڑے گی، کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چند روزہ زندگی شریعتِ غرا کے موافق بسر ہوجائے تاکہ نجات کی امید ہو، اب عمل کا وقت ہے عیش وآرام کا وقت ابھی آگے ہے۔ جب اس کا پھل ملے گا، عمل کے وقت آرام کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچا کھا جانا اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے، زیادہ لکھنا موجبِ تکلیف ہے۔(۲)

دین ودنیا کو جمع کرنا دوضدوں کو جمع کرنا ہے، پس طالبِ آخرت کے لئے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور چوں کہ اس زمانے میں اس کا حقیقی ترک میسر نہیں ہوسکتا بل کہ دشوار ہے اس لئے ناچار ترکِ حکمی پر ہی قرار پکڑنا چاہئے اور ترکِ حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں شریعتِ روشن کے حکم کا پابند ہونا چاہئے اور کھانے پینے رہنے سہنے میں شرعی حدود کو مدنظر رکھنا چاہئے اور ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے، بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چوپایوں میں زکوٰۃ کا فرض شدہ حصہ ادا کرنا چاہئے، جب شرعی احکام سے آراستگی حاصل ہوگئی تو دنیا کی مضرت سے نجات مل گئی اور وہ آخرت کے ساتھ جمع ہوگئی، اور اگر کسی کو اس قسم کا حکمی ترک بھی میسر نہ ہو وہ اس حکم سے خارج ہے وہ منافق کا حکم رکھتا ہے پس کہ صرف ظاہری ایمان آخرت میں فائدہ مند نہ ہوگا، اس کا نتیجہ صرف دنیاوی خون بہاؤں (جانوں) اور مالوں کی حفاظت ہے۔(۳)

اے فرزند! دنیا آزمائش اور امتحان کا مقام ہے اس کے ظاہر کو طرح طرح کی آرائشوں سے ملمع وآراستہ کیا گیا ہے اور اس صورت کو بھی خط وخال وزلف ورخسار سے پیراستہ کیا ہے، دیکھنے میں شیریں وتروتازہ نظر آتی ہے، لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مردار اور مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا کوڑا اور پانی کی طرح دکھائی دینے والا سراب اور زہر کی مانند شکر ہے، اس کا باطن سراسر

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۸۷ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب ۸۹
۳۔ دفتر اول: مکتوب ۴۷

خراب اور ابتر ہے اور اس قدر گندگی کے باوجود اہلِ دنیا کی ساتھ اس کا معاملہ جس قدر بیان کیا جائے اس سے بھی بدتر ہے، اس کا فریفتہ دیوانہ اور جادو کیا ہوا ہے اور اس کا گرفتار مجنون و فریب خوردہ ہے۔ جو شخص اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے خسارے کے داغ سے داغ دار ہوا اور جس نے اس کی مٹھاس اور تروتازگی پر نظر کی ہمیشہ کی شرمندگی اس کے نصیب میں آئی، سرورِ کائنات حبیب رب العالمین ﷺ نے فرمایا:

مَاالدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی

دنیا اور آخرت دونوں آپس میں سوکن ہیں اگر ان میں سے ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہوگی۔

پس جس نے دنیا کو راضی کیا آخرت اس سے ناراض ہوگئی پس بالضرور وہ آخرت سے بے نصیب ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت سے بچائے۔ (آمین)

اے فرزند! کیا تو جانتا ہے کہ دنیا کیا ہے، دنیا وہی ہے جو تجھے حق تعالیٰ کی طرف سے باز رکھے، پس زن و فرزند و مال و جاہ و ریاست و لہو و لعب اور لایعنی (بے کار) کاموں میں مشغول ہونا سب دنیا میں داخل ہے (کیوں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے مانع ہیں) اور وہ علوم جو آخرت میں کام آنے والے نہیں ہیں سب دنیا ہی ہیں، اگر نجوم و ہندسہ و منطق و حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کا حاصل کرنا کار آمد ہوتا تو فلاسفہ سب اہلِ نجات میں سے ہوتے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ

بندے کا فضول و بے فائدہ کاموں میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی اس سے روگردانی کی علامت ہے۔ (۱)

آپ کا شرافت و لطافت والا خط صادر ہوا الحمد للہ کہ اس مضمون سے فقرا کی محبت اور ان کی طرف توجہ کا حال معلوم ہوا جو سرمایۂ آخرت ہے کیوں کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ فقرائے مہاجرین کے طفیل سے فتح و نصرت طلب کرتے تھے اور آں حضرت ﷺ نے ان ہی لوگوں کے حق میں فرمایا ہے:

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۷

بہت سے لوگ بکھرے بالوں اور گرد آلود چہروں والے اور دروازوں سے ہٹائے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردے۔

(آخر مکتوب میں فرماتے ہیں) باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابع داری کو لازم پکڑیں اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف توجہ نہ کریں اور اس کے ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ نہ کریں، کیوں کہ دنیا حق تعالیٰ کی ناپسندیدہ اور مبغوضہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں ہے، پس مناسب ہے کہ بندوں کے نزدیک اس کا عدم اس کے وجود سے بہتر ہے، اس کی بے وفائی اور جلدی جاتے رہنے کا قصہ مشہور ہے، بل کہ مشاہدے میں آچکا ہے پس ان اہلِ دنیا سے جو پہلے گزر چکے ہیں عبرت حاصل کریں اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سیّد المرسلین ﷺ کی تابع داری کی توفیق بخشے۔(۱)

تواضع کی فضیلت

تواضع دولت مندوں کو زیب دیتی ہے اور استغنا فقرا کو، کیوں کہ معالجہ ضد کے ساتھ ہوتا ہے۔(۲)

آپ کا محبت نامہ جو مولانا محمد صدیق کے ہم راہ بھیجا تھا پہنچا، آپ نے بڑی مہربانی فرمائی، خدائے تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، چوں کہ آپ نے فقرا کے آداب کو مدنظر رکھا اور تواضع سے گفت گو کی ہے امید ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ کے موافق یہ تواضع دینی و دنیوی بلندی اور عزت کا موجب ہو جائے گی، بل کہ ہوگئی ہے آپ کو بشارت ہو، جب کہ آپ نے انابت و رجوع کے الفاظ استعمال کیے ہیں ایسا تصور فرمائیں کہ یہ انابت درویشوں میں سے ایک درویش کے ہاتھ پر واقع ہوئی ہے، اس کے فائدوں اور نتیجوں کے امیدوار رہیں، لیکن چاہیے کہ اس کے حقوق کو پورے طور پر بجالائیں۔(۳)

فضیلتِ تقویٰ و ورع

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۷
۲۔ دفتر اول: مکتوب ۶۸
۳۔ دفتر اول: مکتوب ۶۹

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (۱)

یہ رسول جو چیز تمہارے پاس لائے اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے اس سے رک جاؤ۔

نجات کا مدار دو اجزا پر ہے: اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا، اور ان دونوں جزوں میں سے آخری جزو زیادہ عظمت والا ہے جس کو ورع و تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کا ذکر عبادت و اجتہاد کے ساتھ اور دوسرے شخص کا ذکر ورع کے ساتھ کیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیز گاری کے برابر کوئی چیز نہیں اور نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ

تمہارے دین کا مقصود پرہیز گاری ہے۔

اور فرشتوں پر انسان کی فضیلت اسی جز سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جز سے ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ فرشتے جزِ اول میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے پس ورع و تقویٰ کے جزو کا مدِ نظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی اشد ضروریات میں سے ہے اور اس جز کی رعایت جس کا مدار محرمات سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے، کیوں کہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے، جس چرواہے نے شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانوروں کو چرنے دیا تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں جا پڑے پس کمال تقویٰ کے حاصل ہونے کے لئے بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ وظائفِ بندگی (عبادات) کے ادا کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے، اور چوں کہ فضول مباحات سے پورے طور پر بچنا تمام اوقات میں اور خاص طور پر اس وقت میں بہت ہی دشوار ہے، اس لئے محرمات سے بچ کر حتی المقدور فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہئے اور اس ارتکاب میں ہمیشہ شرمندہ ہونا چاہئے اور مغفرت طلب کرنی چاہئے اور اس کو محرمات میں داخل ہونے کا دروازہ سمجھ کر ہمیشہ حق تعالیٰ کی جناب میں التجا اور گریہ وزاری کرنی چاہئے شاید کہ ندامت و استغفار اور التجا و تضرع فضول

۱۔ الحشر: ۷

مباحات سے بچنے کا ذریعہ ہو جائے اور اس کی آفت سے محفوظ کردے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے:

اِنْکِسَارُ الْعَاصِیْنَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ صَوْلَۃِ الْمُطِیْعِیْنَ

گناہ گار بندوں کی عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرماں برداروں کے دبدبہ سے بہتر ہے۔

اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے، ایک وہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے اور دوسری قسم کی رعایت ضروری ہے حق تعالیٰ غنی مطلق اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور بندے فقر احتیاج اور بالذات بخیل و کنجوس ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال یا کسی اور قسم کا حق ہے تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے معاف کرالے، قبل اس کے کہ اس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں، اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے موافق لے کر صاحبِ حق کو دیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحبِ حق کی برائیاں لے کر اس کی برائیوں میں زیادہ کردی جائیں گی۔

اور نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ حاضرین نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ اسباب۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز نماز روزہ زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے مگر ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی دی ہو اور کسی کو تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون گرایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے ہر حق دار کو اس کے حق کے برابر دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کے برابر نہ ہوئیں بل کہ پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان حق داروں کے گناہ لے کر اس کی برائیوں میں شامل کردیے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔(۱)

توبہ انابت وورع وتقویٰ کی ترغیب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی چوں کہ تمام عمر معصیت اور لغزش اور تقصیر اور بے ہودہ کارروائیوں میں گزر گئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ توبہ و انابت کی نسبت کلام کیا جائے اور ورع و تقویٰ کو بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (۲)

اے مومنو! سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم کو نجات حاصل ہو۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۷۶ ۲۔ النور: ۳

اور فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کو دور کر کے تمہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (۲)

ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو۔

گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے واجب اور فرض عین ہے کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ حضرت سیّد المرسلین خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

میرے دل پر پردہ آجاتا ہے اس لئے رات دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔

پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے اور بندوں کے مظالم اور حقوق کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ زنا، شراب کا پینا، سرود و ملاہی کا سننا، غیر محرم کی طرف بہ نظرِ شہوت دیکھنا، بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ، تو ان امور کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہِ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے۔ اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہوگیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کئے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں۔ اور اگر مال و اسباب والا شخص مرگیا ہو تو اس کے لئے استغفار و احسان کریں اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں، اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و جنایت کے برابر مال صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء

۱۔ التحریم: ۸ ۲۔ الانعام: ۱۲۰

مساکین پر صدقہ و خیرات کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو صادق ہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَامِنْ عَبْدٍ اَذْنَبَ ذَنْباً فَقَامَ فَتَوَضَّاَءَ وَصَلّٰی وَاسْتَغْفَرَ اللّٰہَ مِنْ ذَنْبِہٖ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ

جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو تو وضو کرے، نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً اَوْیَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْراً رَّحِیْماً (۱)

جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے:

مَنْ اَذْنَبَ ذَنْباً ثُمَّ نَدِمَ عَلَیْہِ فَھُوَ کَفَّارَتُہٗ

جو شخص گناہ کر کے نادم ہوا تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَھَاثُمَّ عَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ کُتِبَ فِی الرَّابِعَۃِ مِنَ الْکَبَائِرِ

جب آدمی نے کہا میں بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں پھر اس نے گناہ کیا پھر اس طرح پھر گناہ کیا، تین بار، چوتھی بار کبیرہ گناہ لکھا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے:

ھَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ

آج کل کرنے والے (یعنی توبہ میں تاخیر کرنے والے) ہلاک ہو گئے۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اے بیٹا! توبہ میں کل تک تاخیر نہ کر، کیوں کہ تیری موت ناگاہ آ جائے گی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ

۱۔ النساء: ۱۱۰

ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کر دینے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول حجوں سے افضل ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ کی تو ہم خسارہ والوں میں سے ہو جائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَبْدِیْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنْ مِنْ اَعْبَدِ النَّاسِ وَانْتَهِ عَمَّا نَهَيْتُكَ عَنْهُ تَكُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْتُكَ تَكُنْ مِنْ اَغْنَى النَّاسِ

میرے بندے! جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر، تو سب لوگوں میں سے زیادہ عابد ہو جائے گا اور جن باتوں سے میں نے تجھ کو منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے تجھے رزق دیا ہے اس پر قناعت کر تو سب سے زیادہ غنی ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ

تو پرہیز گار بن، تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک ذرے کے برابر ورع ہزار مثقال نماز روزے سے بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین پرہیز گار اور زاہد لوگ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لئے جس قدر ورع ضروری ہے اتنی کوئی اور شے نہیں۔

بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرلے تب تک کامل وَرع حاصل نہیں ہوتا: ۱۔ زبان کو غیبت سے بچائے۔ ۲۔ بدظنی سے بچے۔ ۳۔ مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔ ۴۔ حرام سے آنکھ بند رکھے۔ ۵۔ سچ بولے۔ ۶۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو۔ ۷۔ اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔ ۸۔ اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔ ۹۔

نمازوں کی محافظت کرے۔ ۱۰۔ سنت و جماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار کرے۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱)

یا اللہ تو ہمارے لئے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش دے، تو تمام باتوں پر قادر ہے۔

اے میرے مخدوم و مکرم! اور اے شفقت و مکرمت کی نشانیوں والے! اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو جائے اور تمام محرمات اور مشتبہات سے وَرع و تقویٰ حاصل ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت اور نعمت ہے ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات و انوار بعض دوسروں میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و وَرع کی توفیق نصیب ہو جائے مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ (جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہئے)

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَ ثَبِّتْنَا عَلٰى دِیْنِكَ وَعَلٰى طَاعَتِكَ بِصَدْقَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰى اٰلِ كُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَكْمَلُهَا (۱)

لقمے میں احتیاط کی تاکید

اور نصیحت یہ ہے کہ لقمے میں احتیاط رکھیں یہ ٹھیک نہیں ہے کہ جو کچھ جہاں کہیں سے ملے کھالے اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ کرے۔ یہ انسان خود مختار نہیں ہے کہ جو کچھ چاہے کرے بل کہ اس کا ایک مولیٰ (آقا) ہے جس نے اس کو امر و نہی کا مکلف بنایا ہے اور اپنی رضامندی اور نارضامندی کو انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے، وہ شخص بہت ہی بد بخت ہے جو اپنے آقا کی مرضی کے برخلاف کام کرے اور آقا کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک و مِلک میں تصرف کرے، بڑی شرم کی بات ہے کہ مجازی آقا کی رضامندی کی رعایت کرتے ہیں اور اس بارے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہتے اور مولائے حقیقی نے تاکید اور مبالغے کے ساتھ ناپسندیدہ کاموں سے منع کر دیا اور تنبیہ فرمادی ہے، اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ غور کرنا چاہئے کہ یہ اسلام ہے یا کفر؟ ابھی کچھ نہیں بگڑا اور ابھی گذشتہ کا تدارک ہو سکتا ہے، حدیث:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

۱۔ التحریم: ۸ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۶

قصور کرنے والوں کے لئے بشارت ہے اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس سے خوش رہے تو وہ منافق ہے اس کا ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دور نہیں کرے گا۔ زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے، عاقل کو ایک اشارہ کافی ہے۔ (۱)

قضائے الٰہی پر راضی رہنا

بندۂ مقبول وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنا بندہ ہے، اگر مولیٰ بندے کی گردن پر چھری چلائے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت شاداں و خنداں رہے اور مولیٰ کے اس فعل کو اپنی رضامندی سمجھے بل کہ اس فعل سے لذت حاصل کرے، اور اگر نعوذ باللہ اس کو اس فعل سے کراہت معلوم ہو اور اس کے سینے (دل) میں تنگی پیدا ہو تو وہ دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے مہجور و دور کردہ ہے۔ جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش و خرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و تنگ دل نہ ہوں، بل کہ اس خیال سے کہ محبوب کا فعل ہے اس سے متلذذ ہونا چاہئے، ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جس میں کمی و بیشی کا احتمال نہیں ہے تو پھر اضطراب کیوں ہو، البتہ بلاؤں سے عافیت طلب کریں، اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضی سے پناہ مانگیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا و سوال سے راضی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۲)

تم مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

مولانا عبدالرشید نے آ کر وہاں کے حالات بیان کئے اللہ تعالیٰ آپ صاحبانِ کو تمام ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے والسلام۔ (۳)

اس حکیم جل شانہ کا کوئی کام حکمت و بہتری سے خالی نہیں ہوتا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (آزمائش) کے ساتھ بہتری چاہتا ہو۔

عَسٰٓی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o (۴)

قریب ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور کسی چیز کو تم اچھا جانو

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۹
۲۔ المومن: ۶۰
۳۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۸۸
۴۔ البقرہ: ۲۱۶

اور وہ تمہارے حق میں بری ہو یہ بات اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

پس اس کی بلا (آزمائش) پر صبر کریں اور اس کی قضا پر راضی رہیں اور اس کی طاعات پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانیوں سے بچیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (۱)

تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے اور تمہاری بہت سی چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کریں اور اس سے عفو و عافیت طلب کرتے رہیں:

فَاِنَّهٗ تَعَالٰى عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفُوَ

پس بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے۔ (۲)

اپنے پیر کی زندگی میں دوسری پیر سے بیعت ہونا

آپ کا مرسلہ خط موصول ہوا، آپ نے پوچھا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے اور حق جل و علا کی طلب کرے تو جائز ہے یا نہیں؟۔ جاننا چاہئے کہ مقصود حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے اور پیر حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ طالب پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے لیکن چاہئے کہ پیر اول کا انکار نہ کرے اور اس کو نیکی کے ساتھ یاد رکھے، خاص کر اس وقت کی پیری مریدی جو محض رسم و عادت کے طور پر رہ گئی ہے، اس وقت کے اکثر پیروں کو اپنی خبر نہیں اور ایمان و کفر میں فرق نہیں کر سکتے تو پھر وہ خدائے تعالیٰ کے متعلق کیا خبر رکھیں گے اور مرید کو کون سا راستہ دکھائیں گے۔

آنکہ از خویشتن چو نیست جنیں
کے خبر دارد از چنان : چنیں

ایسے مرید پر ہزار افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور کسی دوسرے

۱۔ الشوریٰ: ۳۰ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب نمبر ۱۹

کی طرف رجوع نہ کرے اور خدائے تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے یہ شیطانی خطرات ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کی راہ سے آکر طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا کر رکھتے ہیں، جہاں ہدایت اور دل جمعی پائی جائے بلاتوقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔(۱)

ذکرِ مقبول اور شیخ مقتدا سے حاصل کیا ہوا ذکر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے افضل ہے

کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصود طلب حاجت ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ بس وہ فیوض جو ذکر کی راہ سے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گناہ زیادہ ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا اور جو ذکر قبولیت کے لائق ہے وہی اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے جو ذکر ایسا نہیں ہے درود شریف کو اس پر فضیلت ہے اور برکات کے حاصل ہونے کی درود شریف میں بہت زیادہ امید ہے لیکن جو ذکر طالب کسی کامل شیخ سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب وشرائط کو مدِ نظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے وہ (ذکر) درود شریف پڑھنے سے افضل ہے، کیوں کہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہیں کرے گا اس ذکر تک نہیں پہنچے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخِ طریقتؒ نے مبتدی کے لئے ذکر کرنے کے سوا اور کچھ تجویز نہیں کیا ہے اور اس کے حق میں فرضوں اور سنتوں پر کفایت کی ہے اور نفلی امور سے منع کرتے ہیں۔(۲)

ترغیب ذکر

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

دل کے اطمینان کا طریق اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نہ کہ نظر واستدلال:

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

کیوں کہ ذکر میں حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۳ ۲۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۵۷

اگرچہ ذاکر کو اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

لیکن ذاکر و مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بن جاتا ہے اور جب محبت غالب ہو گئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں، جب کام دل کا اطمینان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ کی دولت اس کو حاصل ہو گئی:

ذکر گو ذکر تا تُرا جان است
پاکیٔ دل ز ذکرِ رحمٰن است(۱)

پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنتِ مؤکدہ کو بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھنا چاہئے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہ ہونا چاہیے، یعنی کھانے سونے اور آنے جانے میں غافل نہ ہونا چاہئے۔ ذکر کا طریقہ آپ کو سکھایا ہوا ہے اس طریق پر عمل کریں، اگر جمعیت میں خلل معلوم ہو تو پہلے اس خلل کا سبب دریافت کرنا چاہئے اور پھر اس کوتاہی کا تدارک کرنا چاہئے اور بڑی عاجزی وزاری سے حق تعالیٰ کی جناب کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دور کرنے کی دعا مانگنی چاہئے اور جس شیخ سے ذکر سیکھا ہے اسی کو وسیلہ بنانا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔(۲)

دعا وتضرع وزاری و ذکر و تلاوتِ قرآن اور طولِ قیام کے فوائد

آپ نے لکھا تھا کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا وتضرع وزاری اور التجا بہتر ہے یا ذکر کرنا، یا یہ سب کچھ ذکر کے ساتھ ملا ہوا بہتر ہے۔ میرے عزیز ذکر کرنا ضروری ہے اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت ونعمت ہے، وصول الی اللہ کا مدار ذکر پر رکھا گیا ہے، دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں۔ نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکرِ نفی اثبات وتلاوتِ قرآن اور نماز میں طولِ قیام، ان تینوں میں سے کون سی چیز بہتر ہے۔ سو ذکرِ نفی اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کی شرط ہے، جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے، اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے تب تک فرائض وواجبات وسنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادت کریں سب دبال میں داخل ہے پہلے اپنے مرض کو دور کرنا چاہئے جو کہ ذکرِ نفی اثبات پر وابستہ ہے، اس کے بعد دوسری عبادات اور نیکیوں میں جو کہ بدن کے لئے صالح (اچھی) غذا کی طرح ہیں، مشغول ہونا چاہئے،

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۹۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۹۳

مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں فاسد و مفسد ہے:

ہر چہ گیرد علتی شود

(اس مکتوب کے آخری حصہ میں والدۂ محمد امین کے لئے تحریر فرماتے ہیں) آخرت کے احوال کو مدنظر رکھ کر دائمی ذکر میں مشغول رہنا چاہئے، یہ کچھ ضروری نہیں کہ ذکر میں لذتِ تمام پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں، یہ تو سب کچھ لہو ولعب میں داخل ہے، ذکر میں جس قدر مشقت ہو بہتر ہے، پنج وقتی نماز ادا کر کے اوقات کو ذکرِ الٰہی کے ساتھ آباد رکھے اور ذکر سے لذت حاصل کرنے کے ساتھ بے کار نہ رہے اور آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں رہے، آپ کو بھی لازم ہے کہ اس کے پاس اکثر جایا کریں اور بڑی نرمی و محبت سے اس کو اپنی طرف مائل کریں اور نیکیوں کی طرف راہ نمائی کریں۔ والسلام۔(۱)

سبق کی تکرار

وہ سبق جو آپ نے حاصل کیا تھا اس کے تکرار سے وقت کو آباد رکھیں اور فرصت کو ہاتھ سے نہ دیں، ایسا نہ ہو کہ دنیائے فانی کا کروفر آپ کو ڈگمگا دے اور چند روزہ شان وشوکت آپ کو بے مزہ کر دے:

ہمہ اندر ز من بتو اینست
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو جوانی میں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے، کہہ سکتے ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں اس نعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسا کہ دریائے عمیق کے مقابلے میں شبنم کا قطرہ، کیوں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی رضامندی کا موجب ہے جو کہ تمام دنیوی واخروی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے)(۲)

خواجگانِ نقشبندیہ کے نزدیک یادداشت کے معنی

حضرات خواجگان قدس سرہم کے طریقے میں یادداشت سے مراد حضورِ بے غیبت ہے، یعنی حضرتِ ذات تعالیٰ وتقدس کا دوامِ حضور اس بات کے بغیر کہ شیونی و اعتباراتی پردے درمیان میں

۱۔ دفتر سوم: مکتوب نمبر ۱۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۳۶

حائل ہوں اور اگر کبھی حضور ہو کبھی غیبت یعنی کبھی تو سب کے سب پردے دور ہو جائیں اور کبھی درمیان میں آجائیں، جیسا کہ تجلی ذاتی برقی میں ہوتا ہے کہ برق کی طرح تمام پردے حضرتِ حق تعالیٰ کے سامنے سے مرتفع ہو جاتے ہیں اور پھر جلدی ہی شیون واعتبارات کے پردے میں آجاتا ہے۔ پس ایسا حضور ان بزرگوں کے نزدیک مقامِ اعتبار سے ساقط ہے، پس حضورِ بے غیبت کا حاصل یہ ہوا کہ تجلی ذاتی برقی جو شیون واعتبارات کے وسیلے کے بغیر حضرتِ ذات کے ظہور سے مراد ہے اور جو اس راہ کی انتہا میں میسر ہوتی ہے اور فنائے اکمل کو اس مقام میں ثابت کرتے ہیں وہ دائمی ہو جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ کریں، اور اگر (حجابات) رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور اس کو یادداشت نہ کہیں گی۔ پس ثابت ہوا کہ ان اکابر کا شہود اتم واکمل طریقے پر ہے اور فنا کا اکمل وبقا کا اتم ہونا مشہود کے اتم واکمل ہونے کا اندازے کے موافق ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا(۱)

مرید کے لئے رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے

جاننا چاہئے کہ مرید کو تکلف اور بناوٹ کے بغیر اپنے شیخ (پیر) کے ساتھ رابطہ کا حاصل ہونا پیر اور مرید کے درمیان اس کامل مناسبت کی علامت ہے جو افادہ استفادہ (فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے) کا سبب ہے اور وصول الی اللہ کے لئے رابطے سے زیادہ اقرب کوئی طریق نہیں ہے، دیکھیں کس دولت مند کو اس سعادت سے بہرہ مند کرتے ہیں۔ حضرت خواجۂ احرار قدس سرہٗ فقرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ

سایۂ رہبر بہتر است از ذکرِ حق (پیر کا سایہ ذکرِ حق سے بہتر ہے)

بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے، یعنی رہبر کا سایہ مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے، کیوں کہ مرید کو ابھی مذکور (حق جل وعلا) کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہے کہ (جس سے) وہ ذکر کے طریق سے پورا پورا نفع حاصل کرسکتا۔(۲)

نسبتِ رابطہ کی فضیلت

خواجہ محمد اشرف نے نسبتِ رابطہ کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غالب ہوگئی ہے کہ نماز میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کو نفی کرنا چاہے تو ہو رابطہ نفی نہیں

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۵۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۸۷

ہوتا۔ اے محبت کے نشان والے! طالبانِ حق جل وعلا اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر ہزاروں میں سے کسی ایک کو ملتی ہے، اس کیفیت والا شخص کامل نسبت کی استعداد والا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ شیخِ مقتدا کی تھوڑی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کرلے، لوگ رابطے کی نفی کیوں کرتے ہیں کیونکہ وہ تو مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو حاصل ہوتا ہے، تاکہ وہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام وقتوں میں اسی کی طرف متوجہ رہیں نہ کہ ان بدبخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی (رابطے سے بے نیاز) جانتے ہیں اور اپنی توجہ کے قبلے کو اپنے شیخ کی طرف ہٹا لیتے ہیں اور اپنے معاملے کو خراب کرلیتے ہیں۔

مولانا حاجی محمد نے ظاہر کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ گزر گئے کہ مشغولی میں سستی و خرابی واقع ہوگئی ہے اور وہ ذوق وحلاوت جو پہلے حاصل تھا اب نہیں رہا۔ اے محبت کے اطوار والے! اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کچھ غم نہیں، ان میں سے ایک صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے اور دوسری اپنے شیخ کے ساتھ محبت واخلاص، ان دو چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہوجائیں تو کچھ غم نہیں ہے آخر اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، اور اگر نعوذ باللہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہوجائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے اگرچہ حضور وجمعیت کے ساتھ رہے، کیوں کہ یہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ سے بڑی عاجزی وزاری کے ساتھ ان دو باتوں پر ثابت قدمی واستقامت طلب کرتے رہیں، کیوں کہ یہی دونوں امر اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔ (۱)

ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے داخلِ ذکر ہے

اے فرزند! فرصت، صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہئے، ہمیشہ اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھنا چاہئے، جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہو۔ پس تمام حرکات وسکنات میں احکامِ شرعیہ کی رعایت کرنی چاہئے تاکہ وہ سب کچھ ذکر ہوجائے، کیوں کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور ہونا ہے اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مدِ نظر رکھا جائے تو ان اوامر و نواہی کا حکم دینے والے (یعنی حق تعالیٰ) کی (یاد کی)

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۳۰

غفلت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوامِ ذکر حضراتِ خواجگانِ نقشبندیہ قدس سرہم کی یادداشت سے جدا ہے، کیوں کہ وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوامِ ذکر کا اثر ظاہر میں بھی جاری ہے اگرچہ دشوار ہے وفقنا اللہ سبحانہ و ایاکم بمتابعة صاحب الشریعة علیه و علیٰ اٰله الصلوٰة والسلام والتحیة(۱)

صحبتِ شیخ کی ترغیب

"اس راستے میں دیوانہ پن درکار ہے لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایمان والا نہیں ہوگا جب تک اسے یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے) اور جب دیوانہ پن آ گیا، زن و فرزند کی تدبیر سے چھوٹ گیا اور این و آں کے اندیشہ سے جمعیت حاصل ہوگئی، یہ دیوانہ پن آپ کی طبیعت میں پایا جاتا ہے مگر بے کار عارضات کے باعث آپ نے اس کو خس پوش کر دیا ہے کیا کیا جائے اس (ظاہری) جدائی میں بڑی بے مناسبتی کا حاصل کرنا پایا جاتا ہے جلدی اس کا تدارک کریں اور اپنی کم ہمتی کو عین ہمت جان کر اس ظاہری دوری کو رفع کریں۔ اس گروہ کی جمعیت خلق کی جمعیت سے الگ ہے، خلق کی جمعیت کے اسباب اس گروہ کے تفرقے کا باعث ہیں، خلق کے تفرقے کے اسباب (یعنی فقر و نامرادی) میں ہاتھ مارنا چاہئے تا کہ جمعیت حاصل ہو جائے اور اگر بالفرض خلق کی جمعیت میں اس گروہ کو جمعیت بخشیں تو اس جمعیت سے ڈرنا چاہئے اور خدائے تعالیٰ کی جناب میں التجا کرنی چاہئے، تا کہ وہ جمعیت جان کا وبال نہ بن جائے اور فلاں فلاں (یعنی بعض اکابر جو کمالات کے تمام مراتب طے کر چکے تھے۔ کے احوال پر قیاس نہ کرنا چاہئے، کیوں کہ کامل ہونے سے پیشتر درجات کے تفاوت کے بموجب سب نقص کے مراتب ہیں۔ (۲)

اہلِ جمعیت کی صحبت کی ترغیب

شاید میر صاحب نے فراموشی اختیار کر لی ہے کہ سلام و پیام تک سے زیادہ نہیں کرتے، فرصت بہت تھوڑی ہے اور اس کا اعلیٰ ترین مقصد میں صرف کرنا ضروری ہے اور وہ اربابِ جمعیت کی صحبت ہے، کیوں کہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب صحبت ہی کے باعث انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا سب غیر صحابہ پر فضیلت رکھتے

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۲۵ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۱۹

ہیں اگرچہ اویس قرنی اور عمر مروانی (عمر بن عبدالعزیز) ہی کیوں نہ ہوں حال آں کہ یہ دونوں حضرات صحبت کے سوا تمام درجات کی انتہا اور تمام کمالات کی آخری حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا صحبت کی برکت سے ان دونوں کے صواب سے بہتر ہے اور عَمرو بن العاصؓ کا سہو ان دونوں کے صحو وصواب سے افضل ہے، کیوں کہ ان بزرگواروں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کا ایمان رسول اللہ ﷺ کے دیکھنے، فرشتہ کی حاضری اور وحی کی مشاہدہ کرنے اور معجزات کے دیکھنے سے شہودی ہو چکا تھا اور ان کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو تمام کمالات کے اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے، اور اگر اویس قرنیؒ کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (۱)

اغنیا کی صحبت سے بچنے اور فقرا کی صحبت پر ترغیب

آپ نے فقرا کی صحبت سے تنگ دل ہو کر (اہل دنیا) دولت مندوں کی صحبت اختیار کی ہے یہ بہت برا کیا ہے، آج اگر آپ کی آنکھ بند ہے تو کل کھل جائے گی اور پھر ندامت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا اطلاع دینی شرط ہے۔

اے صاحب ہوس! آپ کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے، دولت مندوں کی مجلس میں آپ کو جمعیت دیں گے یا نہ دیں گے، اگر دیں گے تو برا ہے اور اگر نہ دیں گے تو بہت برا ہے، اگر دیں گے تو استدراج ہے نعوذ باللہ من ذٰلک اور اگر نہ دیں گے تو دنیا وآخرت کا خسارہ شامل حال ہے، فقرا کی خاکروبی دولت مندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے، آج یہ بات آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے آخر ایک دن سمجھ میں آجائے گی اور اس وقت کچھ فائدہ نہ دے گی، چرب کھانوں کی خواہش اور قیمتی لباس کی تمنا نے آپ کو اس بلا میں ڈال دیا، اب بھی کچھ نہیں گیا اپنے مقصد کی فکر کریں اور جو کچھ حق تعالیٰ سے مانع ہو اس کو دشمن جان کر اس سے بھاگیں:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ

بے شک تمہاری بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ڈرتے اور بچتے رہو۔

نصِ قاطع ہے، صحبت کے حق نے اس بات پر آمادہ کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کی جائے خواہ آپ عمل کریں یا نہ کریں، آپ کی فضول باتوں اور حرکتوں سے میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۲۰

اس طرح فقر پر استقامت دشوار ہے۔

میں آپ کی فطرت اور استعداد سے کچھ اور ہی امید رکھتا تھا مگر افسوس کہ آپ نے قیمتی جوہر کو سرگین (کوڑی) میں ڈال دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔(۱)

بعض صحبتیں گوشہ نشینی پر ترجیح رکھتی ہیں

شیخ نور محمد! آپ نے دور افتادوں کو اس طرح فراموش کیا ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں کرتے، آپ کی دلی خواہش گوشہ نشینی کی تھی سو آپ کو میسر ہو گئی لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے حال پر قیاس کرنا چاہئے کہ چوں کہ آپ نے گوشہ نشینی و تنہائی اختیار کی اور حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت حاصل نہ کر سکے اس لئے وہ صحبت کے کمالات سے بہرہ ور نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہوئے اور پہلے درجے کی فضیلت سے محروم ہو کر دوسرے درجے کی فضیلت حاصل کی، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحبت ہر روز نئی طرز پر ہے:

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ

جس کے دونوں دن برابر ہیں وہ زیاں کار ہے۔(۲)

عزلت گزینی کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی شرط ہے

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش کی تھی ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے آپ کو مبارک ہو، آپ عزلت (گوشہ نشینی) اختیار کریں لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ دیں۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَۃُ الْمَرِیْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَآئِزِ وَاِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۳۲۔ اس مکتوب گرامی میں حضرتؒ نے آپ کو بہ غرضِ اصلاح و ہدایت ایسا تحریر فرمایا ہے چناں چہ پھر آپ کی اس قدر اصلاح و ترقی ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ترقی کر کے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے اجل خلفا میں سے ہوئے اور حضرتؒ کے متعدد مکتوبات تینوں دفتروں میں آپ کے نام موجود ہیں، جن سے آپ کے مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ مؤلف

۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۷

کرنا، جنازے کے پیچھے چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

لیکن دعوت قبول کرنے میں چند شرطیں ہیں، احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال کا نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر جانداروں کی تصویریں ہوں یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو یا کسی قسم کا لہولعب کا شغل ہو یا غیبت و بہتان اور جھوٹ وغیرہ سننا پڑے تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے اور یہ سب امور اس دعوت کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں اور اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا اور فخر و مباہات کا طالب ہے تب بھی یہی حکم ہے۔ اور شرعۃ الاسلام میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و سمعہ کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ اور محیط میں ہے کہ جس دسترخوان پر لہولعب یا سرود کا سامان ہو یا وہاں لوگ غیبت کرتے ہوں یا شراب پیتے ہوں وہاں بیٹھنا نہیں چاہئے، اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے لیکن اس زمانے میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ اور نیز جان لیں کہ:

عزلت از اغیار باید نے زِ یار

کیوں کہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اطریقۂ عالیہ کی سنتِ مؤکدہ ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے، کیوں کہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت، اور صحبت سے مراد طریقت کے موافقین کی صحبت ہے نہ کہ مخالفین طریقت کی صحبت، کیوں کہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو موافقت کے بغیر میسر نہیں ہوتا اور مریض کی عیادت سنت ہے، جب کہ اس بیمار کا کوئی خبر گیر ہو اس کی تیمارداری کرتا ہو ورنہ اس بیمار کی عیادت (بیمار پرسی) واجب ہے جیسا کہ مشکوٰۃ کے حاشیے میں کہا ہے۔ اور نمازِ جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم ازکم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے، تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے اور جمعہ و جماعت و نمازِ پنج گانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام میں سے ہے کہ جن سے چارہ نہیں ہے اور باقی وقتوں کو تبتل و انقطاع (تنہائی و گوشہ نشینی) میں گزاریں لیکن پہلے نیت کو درست کر لینا چاہئے اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور حق تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیت حاصل کرنے اور بے فائدہ و بے کار اشغال سے منہ موڑنے کے سوا عزلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں، ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو اور نیت کے درست کرنے میں (اللہ تعالیٰ کے حضور میں) التجا و تضرع بہت زیادہ کریں اور عاجزی و

انکساری اختیار کریں، تا کہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے۔ سات استخارے ادا کر کے درست نیت کے ساتھ عزلت اختیار کریں امید ہے کہ اس پر بڑے بڑے فائدے مترتب ہوں گے باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔(۱)

فرصت کو غنیمت جاننے کی ترغیب

فرصت کو غنیمت اور وقت کو عزیز سمجھنا چاہئے، رسوم و عادات سے کچھ نہیں بنتا، حیلے و بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ یعنی عن قریب یہ کام کروں گا کہنے والے ہلاک ہو گئے۔ موجودہ عمر کو موہوم کام میں صرف کرنا کریں اور ادھار کو بے فائدہ آرائشوں کے لئے جمع کریں۔ حق تعالیٰ (اپنی طلب میں) تھوڑی سی بے آرامی بخشے تاکہ ماسوائے حق کے آرام سے نجات حاصل ہو جائے (محض) گفت گو سے کچھ فائدہ نہیں ہے وہاں تو قلب کی سلامتی طلب کرتے ہیں، اصل مقصد کا فکر کرنا چاہئے اور بے فائدہ کاموں سے پوری طرح منہ پھیرنا چاہئے۔(۲)

اس دفعہ آپ کا لشکر میں جانا فقیر کو پسند نہیں ہے دیکھئے اس میں کیا حکمت ہے وَالْاَمْرُ عِنْدَاللهِ سُبْحَانَهٗ (اور سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں)۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے نہایت مہربانی سے روزہ مرہ کی خوراک عطا فرمائی ہے اس کو غنیمت سمجھ کر اپنے کام کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ اس کو دوسری خوراک کا وسیلہ بنایا جائے، کیوں کہ (اس طرح) کام تسلسل تک پہنچ جاتا ہے (یعنی یہ سلسلۂ طلب لا متناہی ہو جاتا ہے) درویشی میں طولِ امل (لمبی امید لگانا) کفر ہے اور قرض سے فارغ ہونے کا معاملہ معلوم نہیں ہے کہ خواجگی سے کوئی صورت پیدا کر لے اور اگر آپ کو کوئی شبہ ہے تو خواجگی کی طرف صاف و واضح طور پر لکھنا چاہئے اگر وہ بھی جواب میں صاف طور پر لکھے اور (جواب سے) پختہ وعدہ مفہوم ہو تو اس نیت سے چلے جائیں لیکن تسویف و تاخیر کا علاج کیا ہوگا جو کچھ کرنا ہے بہت جلد کریں کیوں کہ فرصت بہت غنیمت ہے۔(۳)

اس سلسلۂ عالیہ میں بعض مبتدیوں کو جلدی تاثیر نہ ہونے کا بھید

اس طریقۂ نقشبندیہ کے بعض طالب اس کے باوجود کہ ان کی سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہے

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۵ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۳۳
۳۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۳۶

جلدی متاثر نہیں ہوتے اور لذت وحلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے جلد حاصل نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالمِ امر عالمِ خلق کی بہ نسبت ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف جلدی متاثر ہونے کا مانع ہے اور یہ تاثیر کا دیر سے ہونا اس وقت تک متحقق ہے جب تک ان میں عالمِ امر عالمِ خلق پر قوی نہ ہو جائے، اس ضعف کا علاج اس طریقۂ عالیہ کے مناسب کسی کامل تصرف والے کا تصرفِ کامل ہے اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے وہ یہ ہے کہ پہلے تزکیۂ نفس اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرائے جائیں جو شریعت کے موافق ہوں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور جاننا چاہئے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے اکثر کامل استعداد والے لوگ بھی اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ والسلام۔(۱)

ان بزرگوں کی محبت تھوڑی بھی بہت ہے اور بزرگوں کے لباس سے استفادے کی ترغیب

فقرا کی محبت اور اس گروہ کے ساتھ توجہ رکھنا خداوند تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، حق تعالیٰ سے اس پر استقامت طلب کی جاتی اور اس کی امید کی جاتی ہے، جو نیاز آپ نے درویشوں کے لئے بھیجی تھی وہ بھی وصول ہوئی اور سلامتی کی دعا کی گئی۔ وہ طریقہ جو آپ نے حاصل کیا اور وہ نسبت جو آپ کو وہاں سے پہنچی تھی اس کے بارے میں آپ نے کچھ ذکر نہیں کیا اس میں فتور و کاہلی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ بچائے، بیت

یک چشم زدن خیالِ اُو پیشِ نظر
بہتر ز وصالِ خوب رُویاں ہمہ عُمر

ان بزرگوں کی نسبت اگر تھوڑی بھی حاصل ہو جائے تو تھوڑی نہیں ہے، کیوں کہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں مندرج ہے:

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

لیکن اس فتور کا کچھ غم نہیں ہے جب کہ رشتۂ محبت اس نسبت والوں کے ساتھ قوی ہے فرجی یعنی ایک قسم کی قبا جو کئی دفعہ کی پہنی ہوئی ہے ارسال کی گئی ہے کبھی کبھی اس کو پہنیں اور ادب سے نگاہ رکھیں کہ اس سے بہت سے فوائد کی امید ہے اور جس وقت اس کپڑے کو پہنیں باوضو پہنیں اور سبق کی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۴۵

تکرار کریں امید ہے کہ پوری طرح جمعیت حاصل ہوگی اور جس وقت کچھ لکھیں تو سب سے پہلے اپنے باطن کے حالات لکھنے چاہئے کیونکہ ظاہر احوال باطنی احوال کے بغیر اعتبار کے لائق نہیں۔(۱)

رنج و محنت لوازمِ محبت سے ہے

اے محبت کے نشان والے! رنج و محنت محبت کے لوازم سے ہے فقر کے اختیار کرنے میں درد غم ضروری ہے:

غرض از عشقِ تو ام چاشنیٔ درد و غم است
ورنہ زیرِ فلک اسباب تنعم چہ کم است

دوست رنج و آوارگی چاہتا ہے تا کہ اس کے غیر سے پورے طور پر انقطاع حاصل ہو جائے، یہاں آرام بے آرامی میں ہے اور ساز سوز میں اور قرار بے قراری میں اور راحت جراحت یعنی زخمی ہونے میں ہے، اس مقام میں آرام طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے۔ اپنے آپ کو ہمہ تن محبوب کے حوالہ کر دینا چاہئے اور جو کچھ اس کی طرف سے آئے نہایت خوشی سے قبول کرنا چاہئے اور منہ نہیں بنانا چاہئے، زندگی گزارنے کا طریقہ اسی روش میں ہے، جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کریں ورنہ فتور پیچھے لگا ہوا ہے۔ آپ کی مشغولی خوب ہوگئی تھی لیکن قوی ہونے (کمال کو پہنچنے) سے پہلے ہی کم زور ہوگئی مگر کچھ غم نہیں اگر اپنے آپ کو ان تردّدات سے تھوڑا سا بھی جمع کریں تو پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گی۔ تفرقے کے ان اسباب کو عین جمعیت کے اسباب جانیں تا کہ اپنا کلام کر سکیں۔(۲)

تلوینات و تمکین حاصل ہونے کا مطلب

جاننا چاہئے کہ سالکین کو خواہ وہ ابتدا میں ہوں یا انتہا میں احوال کی تلوینات (یعنی بدلتے رہنے) سے چارہ نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وہ تلوین قلب پر ہے تو وہ سالک اربابِ قلوب میں سے ہے اور ابن الوقت کے نام سے موسوم ہے اور اگر قلب تلوین سے نکل گیا اور احوال کی غلامی سے آزاد ہو کر مقامِ تمکین میں پہنچ گیا تو اس وقت احوال مُتلوِّنہ نفس پر وارد ہوتے ہیں جو مقامِ قلب میں اس خلافت پر بیٹھا ہوا ہے، یہ تلوین تمکین کے حاصل ہونے کے بعد ہے اور اس تلوین والے کو اگر ابوالوقت کہیں تو بجا ہے اگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس بھی تلوینات سے

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۴۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۴۰

گزر گیا اور تمکین و اطمینان کے مقام تک جا پہنچا تو اس وقت تلوینات کا وارد ہونا قالب پر ہے جو امورِ (عناصر) مختلفہ سے مرکب ہے یہ تلوین دائمی ہے، کیوں کہ تمکین قالب کے حق میں متصور نہیں ہے اگر چہ وہ لطائف میں سے الطف لطیفہ (یعنی خفی و اخفی) کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، کیوں کہ وہ تمکین جو اس رنگین ہونے کی راہ سے (قالب پر) آتی ہے وہ بہ طریق تبعیت ہے اور احوالِ مُتلوّنہ کا وارد ہونا بہ طریق اصالت ہے اور اعتبار اصل کہ ہے نہ کا تابع کا، اور اس مقام والا اخص الخواص میں سے ہے اور حقیقت میں ابوالوقت بھی یہی ہو سکتا ہے۔(۱)

حق تعالیٰ کا فیض ہمیشہ خاص و عام پر وارد ہے

اگر چہ حق تعالیٰ کا فیض خواہ اولاد و اموال کی قسم سے ہو اور خواہ دایت و ارشاد کی جنس سے ہو، ہر خاص و عام اور کریم و لئیم پر بلا تفرقہ ہمیشہ وارد ہے لیکن بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اسی طرف سے (یعنی بندہ کی طرف سے) پیدا ہوتا ہے:

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۲)

اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بل کہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

موسمِ گرما کا سورج دھوبی اور کپڑے پر یک ساں چمکتا ہے لیکن دھوبی کا چہرہ سیاہ اور اس کا کپڑا سفید ہو جاتا ہے۔ یہ عدمِ قبول حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی جناب پاک سے رُوگردانی کا سبب ہے، رُوگردانی کرنے کے لئے بدبختی لازم اور نعمت سے محرومی واجب ہے اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ بہت سے رُوگرداں ایسے ہیں جو دنیا کی ناز و نعمت سے ممتاز ہیں اور ان کی روگردانی ان کی محرومی کا باعث نہیں ہوئی۔

جاننا چاہئے کہ وہ بدبختی ہے جو استدارج کے طور پر اس کی خرابی کے لئے نعمت کی صورت میں ظاہر کی گئی ہے، تا کہ اس روگردانی و گمراہی میں مستغرق رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرَاتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ

کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد دیتے رہتے ہیں یہ ہم ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں (یہ بات نہیں ہے) بل کہ وہ نہیں سمجھتے۔

پس دنیا کی ناز و نعمت جو اعراض و روگردانی کے باوجود حاصل ہو عین خرابی ہے اس سے

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۷۵ ۲۔ آل عمران: ۱۱۷

بچنا چاہئے۔(۱)

وساوس وخطرات کا آنا کمالِ ایمان کی علامت ہے

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی طالبانِ طریقت کے خطرات و وساوس کے بارے میں گفت گو شروع ہوگئی، اسی ضمن میں ایک حدیث کا ذکر ہوا کہ ایک روز حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض نے آں حضرت ﷺ کی خدمت میں اپنے برے خطرات کی شکایت کی، آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ كَمَالِ الْاِيْمَانِ

یہ بات کمالِ ایمان سے ہے۔

اس وقت اس حدیث کے معنی اس فقیر کے دل میں اس طرح گزرے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (اور حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے) کہ کمالِ ایمان مراد ہے کمالِ یقین سے اور کمالِ یقین کمالِ قرب پر مترتب ہے اور قلب اور اس سے اوپر کے لطائف (روح و سر و خفی و اخفیٰ) کو قربِ الٰہی جس قدر زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر ایمان و یقین بھی زیادہ ہوگا اور قالب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہو جائے گی اس وقت خطرات قالب میں بہت زیادہ ظاہر ہوں گے اور بہت نامناسب وسوسے نمایاں ہوں گے، پس لازماً برے خطرات کا سبب کمالِ ایمان ہوگا۔

پس نہایت النہایت کے منتہی کو خطرات جس قدر زیادہ اور نامناسب تر ہوں گے ایمان کی اکملیت اسی قدر زیادہ ہوگی، کیوں کہ کمالِ ایمان اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام لطائف سے الطف لطیفے کو لطیفۂ قالب کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہوگی قالب اسی قدر زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک ہوگا اور خطرات و وسوسے اس میں اسی قدر زیادہ ہوں گے، بہ خلاف مبتدی اور متوسط کے کہ اس قسم کے خطرات ان کے لئے زہرِ قاتل اور باطنی مرض کو زیادہ کرنے والے ہیں فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ (پس تو (ہمارے کلام کے سمجھنے میں) قصور کرنے والوں میں سے نہ ہو) یہ معرفت اس فقیر کے دقیق معارف میں سے ہے۔(۲)

مراتب کمال میں تفاوت

جاننا چاہئے کہ مراتبِ کمال میں استعدادوں کے تفاوت کے موافق تفاوت ہوتا ہے اور

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۶۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۸۲

کمال میں تفاوت کبھی کمیت (مقدار) کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی ان دونوں یعنی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ایک ساتھ ہوتا ہے، پس مثلاً بعض کا کمال تجلی صفاتی سے ہے اور بعض دوسرے حضرات کا کمال تجلی ذاتی سے ہے اس بہت بڑے تفاوت کے باوجود جو ان دونوں تجلیوں کے افراد اور ان کے ارباب کے درمیان ہے، پس بعض کا کمال ان دونوں امور کے ساتھ ساتھ اس حیرت تک ہے جو لطیفۂ خفی کی طرف منسوب ہے اور چوتھے گروہ کا کمال ان چاروں امور کے باوجود اس اتصال تک ہے جو اخفیٰ کی طرف منسوب ہے، **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر مرتبے میں کمال حاصل ہونے کے بعد یا رجوعِ قہقری ہے (اُلٹے پاؤں لوٹنا ہے) یعنی خلقت کی طرف رجوع ہوتا ہے تاکہ ان کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دے) یا اس مقام میں ثابت و برقرار رہتے ہیں، پہلا مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق کے لئے خلق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دوسرا مقام استہلاک یعنی مغلوب الحال ہونے اور خلق سے یک سو ہونے کا مقام ہے والسلام اولاً و آخراً۔ (۱)

کمالِ ولایت کا مدار کثرتِ خوارق پر نہیں

خوارق کا ظاہر ہونا ولایت کے ارکان میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اس کے شرائط میں سے ہے برخلاف معجزۂ نبی ﷺ کے جو کہ مقامِ نبوت کے شرائط میں سے ہے لیکن (شرطِ ولایت نہ ہونے کے باوجود) خوارق کا ظہور شائع اور ظاہر ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خلافِ واقعہ ہو، البتہ خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتا، وہاں قربِ الٰہی جل شانہ کے درجات کے اعتبار سے فضیلت ہے، ممکن ہے کہ ولی اقرب سے بہت کم خوارق ظاہر ہوں اور ولی ابعد سے بہ کثرت ظاہر ہوں، وہ خوارق جو اس امت کے بعض اولیا سے ظاہر ہوئے ہیں، اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا سوواں حصہ بھی ظہور میں نہیں آیا، حال آں کہ اولیا میں سے افضل ولی ایک ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور تقلیدی استعداد کے کم ہونے پر دلالت کرتا ہے، نبوت و ولایت کے فیوض قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوتِ نظری پر غالب ہو (۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۵۸ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۰۷۔ اس پورے مکتوب میں خوارق و کرامات کے متعلق سیر حاصل بیان ہے اصل مکتوب کی طرف رجوع فرمائیں۔ مؤلف

ولایت، فنا و بقا سے مراد ہے اور خوارق و کشفیات خواہ کم ہوں یا زیادہ (باعتبارِ اغلب) اس (فنا و بقا) کے لوازم میں سے ہیں، لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم و اکمل ہو، بل کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے۔

اور خوارق کے بہ کثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے، عروج کے وقت بہت زیادہ بلند جانا اور نزول کے وقت بہت کم نیچے اترنا بل کہ کثرتِ خوارق کے ظہور میں کلیہ قاعدہ قلتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے خواہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو، کیوں کہ صاحبِ نزول عالمِ اسباب میں اُتر آتا ہے اور اشیا کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے، اور جس شخص نے نزول نہیں کیا یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے، کیوں کہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع ہو گئے ہیں۔ پس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے، اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلے کے بغیر مہیا کر دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، اس مطلب پر دلیل ہے۔

بہت مدت تک دل میں کھٹکتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیا بہت گزرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سیّد محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئے ہیں اس قدر خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے، آخر کار حق تعالیٰ نے اس معمے کا بھید ظاہر کر دیا اور معلوم کرا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیا اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقامِ روح تک نیچے اترے ہیں جو عالمِ اسباب سے بلند تر ہے۔

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اس مقام کے مناسب ہے، منقول ہے کہ ایک دن حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے تا کہ دریا سے پار ہوں، اسی اثنا میں خواجہ حبیب عجمیؒ بھی آ نکلے، پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیب عجمیؒ نے فرمایا کشتی کی کیا حاجت ہے کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض خواجہ حبیب عجمیؒ کشتی کی مدد کے بغیر دریا سے گزر کر چلے گئے اور خواجہ حسن بصریؒ کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے چوں کہ عالمِ

اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ فرماتے تھے اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کر دیا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے کے بغیر معاملہ کرتے تھے، لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے جو صاحبِ علم ہیں، اور جس نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور اشیا کو جیسی کہ وہ ہیں سمجھ لیا ہے، کیوں کہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے اور عجمیؒ صاحبِ سُکر ہیں اور فاعلِ حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتے ہیں جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں ہے۔(۱)

اے برادر! غور سے سن کہ خوارقِ عادات دو قسم پر ہیں: نوعِ اول وہ علوم و معارفِ الٰہی جل شانہ ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور وہ نظرِ عقل کے طریقے کے ماسوائے اور متعارف ومعتاد کے برخلاف ہیں کہ اپنے خاص بندوں کو ان کے ساتھ ممتاز کرتا ہے۔ نوعِ دوم مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور ان پوشیدہ چیزوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبر دینا جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

نوعِ اول، اہلِ حق اور اربابِ معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور نوعِ ثانی مُحق اور مبطل یعنی سچے اور جھوٹے کو شامل ہے، کیوں کہ استدراج والوں کو بھی نوعِ ثانی حاصل ہے۔

نوعِ اول حق تعالیٰ کے نزدیک شرافت واعتبار رکھتی ہے، کیوں کہ اس کو اپنے دوستوں ہی کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔ نوعِ دوم عام لوگوں کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں میں بہت معزز ومحترم ہے، یہی باتیں اگر استدراج والوں سے ظاہر ہوں تو عجب نہیں کہ عام لوگ نادانی کے باعث ان کی پرستش کرنے لگیں اور جو رطب ویابس وہ ان کے سامنے تصنع سے کرے وہ اس پر اس کے مطیع وفرماں بردار ہو جائیں، بل کہ یہ محجوب یعنی عام لوگ نوعِ اول کو خوارق وکرامات سے شمار نہیں کرتے، ان کے نزدیک خوارق نوعِ دوم میں منحصر ہیں اور کرامات ان محجوبوں کے خیال میں مخلوقات کی صورتوں کے کشف اور پوشیدہ چیزوں کی خبر دینے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ لوگ عجب بے وقوف ہیں اتنا نہیں جانتے کہ وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے اس میں کون سی شرافت وکرامت پائی جاتی ہے بل کہ یہ علم تو اس بات کے لائق ہے کہ جہالت سے بدل جائے، تا کہ مخلوقات اور ان کے احوال سے نسیان حاصل

ا۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۱۶

ہو جائے۔ وہ حق تعالیٰ کی معرفت ہی ہے جو شرافت و کرامت اور اعزاز و احترام کے لائق ہے:

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است (۱)

ولی کو اپنی ولایت یا خوارق کا علم ہونا شرط نہیں

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح نفسِ ولایت حاصل ہونے میں ولی کو ولایت کا علم شرط نہیں جیسا کہ مشہور ہے اسی طرح اس کو اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی شرط نہیں ہے، بل کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیا جو صاحبِ علم و کشف ہیں جائز ہے کہ ان کو اپنے بعض خوارق پر اطلاع حاصل نہ ہو، بل کہ ان کی مثال صورتوں کو (کارکنانِ قضا قدر) متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور ان صورتوں سے دور دراز جگہوں میں عجیب وغریب کام ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صورتوں کے صاحب کو ہرگز اطلاع نہیں ہے:

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند

حضرت مخدومی قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتا تھا عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسمِ حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (سب کاموں کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم کی تو بہت جلدی اس سے زیادہ کچھ لکھا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (۲)

اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط واقع ہوتے ہیں

اگر پوچھیں کہ کیا سبب ہے کہ بعض کونی کشف جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں ان میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے برخلاف ظہور میں آتا ہے، مثلاً خبر دی کہ فلاں آدمی ایک ماہ بعد

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۹۳ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۱۶

مرجائے یا سفر سے وطن واپس آجائے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ بعد ان دونوں میں سے کوئی بات بھی وقوع میں نہ آئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق کشف ہوا ہے اور جس بات کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا چند شرائط پر مشروط تھا، صاحب کشف نے اس وقت ان شرائط کی تفصیل پر اطلاع نہیں پائی اور اس چیز کے مطلق طور پر حاصل ہونے کا حکم کر دیا، یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی ایسا حکم عارف پر ظاہر ہوا جو فی نفسہ محو واثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو کے قابل اور معلق ہونے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے اس صورت میں اگر وہ اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف ہونے کا احتمال ہوگا۔ (۱)

خوارق وکرامات کا ظہور ولایت کی شرط نہیں

جاننا چاہیے کہ خوارق وکرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے، جس طرح علما خوارق حاصل کرنے کے مکلف نہیں ہیں اسی طرح اولیا بھی خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں، کیوں کہ ولایت سے مراد اللہ جل شانہٗ کا قرب حاصل کرنا ہے جو ماسوی اللہ کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو عطا فرماتا ہے، بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں اور اس کو غیب کے پیش آمدہ حالات پر کچھ اطلاع نہیں دیتے اور بعض دوسرے لوگوں کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اور غیب کی باتوں پر اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو مقامِ قرب سے کچھ نہیں دیتے لیکن غیبی حالات پر اطلاع بخشتے ہیں، یہ تیسری قسم کے لوگ اہلِ استدراج ہیں اور نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ چیزوں کے کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈال دیا ہے آیۂ کریمہ:

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ط اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ O

وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں، خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں، ان پر شیطان نے غلبہ پاکر ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں خبردار یہ شیطان کا گروہ خسارہ پانے والے ہیں۔

ان کے حال کے متعلق پتہ دیتی ہے۔ پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو دولتِ قرب سے مشرف ہیں اولیا اللہ ہیں، نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے اور نہ عدمِ کشف ان

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۱۷

کی ولایت کو گھٹاتا ہے ان میں درجاتِ قرب کے اعتبار سے فرق ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس ولی کو غیبی صورتوں کا کشف نہیں ہوتا وہ اس ولی سے افضل و برتر ہوتا ہے جس کو غیبی صورتوں کا کشف ہوتا ہے۔(۱)

پیری مریدی کے آداب ونصائح

اور اس سلسلۂ عالیہ میں پیری مریدی طریقے کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے نہ کہ کلاہ، شجرے پر جو کہ اکثر مشائخ کے طریقوں میں مروج ہے، یہاں تک کہ ان کے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرے پر منحصر کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد (متعدد ہونا) تجویز نہیں کرتے ہیں اور طریقت سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں، پیر نہیں کہتے اور آدابِ پیری کو اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے، یہ ان کی بڑی جہالت اور بے سمجھی ہے، وہ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیرِ تعلیم اور پیرِ صحبت کو بھی پیر ہی کہا ہے اور پیر کا تعدد تجویز کیا ہے، بل کہ اگر پیر اول کی زندگی ہی میں طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ پہلے پیر کا انکار کئے بغیر (اور اس کے حقوق میں کمی کئے بغیر) دوسرے پیر کو اختیار کرلے، حضرت خواجۂ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کے جائز ہونے کے بارے میں علمائے بخارا سے فتویٰ حاصل کیا تھا۔

بے شک اگر ایک پیر سے خرقۂ ارادت حاصل کیا ہو تو دوسرے سے خرقۂ ارادت نہ لے اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے، بلکہ جائز ہے کہ خرقۂ ارادت ایک بزرگ سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی بزرگ سے میسر ہو جائیں تو بڑی خوش قسمتی اور نعمت ہے اور جائز ہے کہ تعلیم اور صحبت کے لئے متعدد مشائخ سے استفادہ کرے۔

جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رہ نمائی کرے، یہ بات تعلیمِ طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے، کیوں کہ پیرِ طریقت شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہ نما بھی، برخلاف پیرِ خرقہ کے، لہٰذا پیرِ تعلیم کے آداب کی رعایت زیادہ کرنی چاہئے اور پیر کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے، اور اس طریق میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے یہی ہیں کہ احکامِ شرعیہ کو بجالائے اور آں حضرت ﷺ کی روشن سنت کی متابعت لازم پکڑے، کیوں کہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفسِ امارہ کی خواہشات کو دور کرنا ہے اس لئے کہ وہ

ا۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۹۲

اپنے مولیٰ جل شانہ کی دشمنی میں مقرر ہوا ہے، پس نفسانی خواہشوں کا دور ہونا احکامِ شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر نفسانی خواہشات سے زیادہ دور ہوگا پس نفسِ امارہ پر شریعت کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں۔(۱)

مریدوں کے لئے ضروری آداب وشرائط

جاننا چاہئے کہ صحبت کے آداب اور شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا (اس لئے) بعض ضروری آداب وشرائط لکھے جاتے ہیں، گوشِ ہوش سے سننے چاہئیں۔

طالب کو چاہئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف و جوانب سے ہٹا کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھا رہے، حتی کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کی خدمت میں رہتے ہوئے نماز فرض وسنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

سلطان این وقت کا واقعہ منقول ہے کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا، اسی اثنا میں اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر جا پڑی اور وہ اس کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اس حال میں جب بادشاہ کی نظر اس وزیر پر پڑی کہ وہ اس کے غیر کی طرف متوجہ ہے، تو جھڑک کر کہا کہ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا کہ تو میرا وزیر ہوکر میرے حضور اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے، سوچنا چاہئے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل (مثلاً بادشاہ) کے لئے چھوٹے چھوٹے ادب بھی ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل (مثلاً پیر) کے لئے ان آداب کی رعایت نہایت ہی کامل طور پر ضروری ہوگی۔

اور جہاں تک ہوسکے ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سائے پر پڑتا ہو اور اس کی مصلے پر پاؤں نہ رکھے، اور اس کے وضو کی جگہ پر طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے، اور اس کے حضور میں پانی نہ پئے، کھانا نہ کھائے اور کسی سے گفت گو نہ کرے، بل

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۲۱

کہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو اور پیر کی غیبت (غیر موجودگی) میں جہاں پیر رہتا ہے اس جگہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب (درست) جانے، اگرچہ بہ ظاہر صواب معلوم نہ ہو، وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا ہے، اس تقدیر پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کا الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے، خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی مانند ہے اس پر ملامت و اعتراض جائز نہیں، اور چوں کہ اس کو اپنے پیر سے محبت پیدا ہو چکی ہے اس لئے جو کچھ محبوب (پیر) سے صادر ہوتا ہے مُحِب (مرید) کی نظر میں محبوب دکھائی دیتا ہے، پس اعتراض کی گنجائش نہیں رہے گی کھانے پینے پہننے سونے اور طاعت کرنے کے ہر چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدا کرنی چاہئے نماز کو بھی اسی کی طرز پر ادا کرنا چاہئے اور فقہ کو بھی اسی کے عمل سے اخذ کرنا چاہئے:

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

اور اس کی حرکات وسکنات پر کسی قسم کے اعتراض کو دخل نہ دے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانے جتنا ہو، کیوں کہ اعتراض سے سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے، اور اپنے پیر سے خوارق وکرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب خطرات اور وساوس کے طریق پر ہو۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا) معجزہ طلب کرنے والے کافر اور منکر لوگ ہیں:

معجزات از بہر قہرِ دشمن است
بوئے جنسیّت پئے دل بُردن است
موجبِ ایمان نہ باشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذبِ صفات

اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو اس کو بلا توقف عرض کردے، اگر حل نہ ہو تو اپنی تقصیر سمجھے، اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب ونقص منسوب نہ کرے اور جو واقعہ بھی ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کردے اور صواب وخطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشفوں پر ہرگز بھروسہ نہ کرے، کیوں کہ اس جہان

میں حق باطل کے ساتھ اور خطا صواب کے ساتھ ملا جلا ہے، اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے جدا نہ ہو، کیوں کہ اس کے غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے برخلاف ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفت گو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے اور جو فیض وفتوح اس کو پہنچے اس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے اور اگر واقعے میں دیکھے کہ فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے پیر ہی سے جانے، اور یہ سمجھے کہ چوں کہ پیر تمام کمالات وفیوض کا جامع ہے، اس لئے پیر خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے موافق جس سے یہ صورتِ افاضہ ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے، جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اور اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، ابتلا وآزمائش کے باعث مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے جانا ہے، یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے اللہ تعالیٰ لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر علیہ ﷺ کے طفیل پیر کے اعتقاد اور محبت پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

غرض اَلطَّرِیْقُ کُلُّہٗ اَدَبٌ مثل مشہور ہے، کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا، اور اگر مرید بعض آداب کے بجالانے میں اپنے آپ کو عاجز جانے اور ان کو کما حقہ ادا نہ کر سکے اور کوشش کرنے کے بعد بھی ان سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو معاف ہے لیکن اس کو اپنے قصور کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر نعوذ باللہ آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ (۱)

احوال وواقعات شیخ کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب

برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی ہے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ مشائخ کبرویہ اس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال وواقعات شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے کفِ پا فرماتے ہیں، خیر جو کچھ ہوا سو ہوا آئندہ ایسا نہ کریں اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں۔ (۲)

طریقۂ عالیہ میں نئی نئی باتیں نکالنے والوں کی مذمت

ہاں اس طریقۂ عالیہ کے بعض متاخرین خلفا نے اس طریق میں بھی نئی نئی بدعتیں نکالی ہیں

ا۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۹۲ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۲۳

اوران اکابر کے اصل طریقہ کو چھوڑ دیا ہے ان مریدوں کی ایک جماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ ان نئی نکالی ہوئی باتوں سے انہوں نے طریقے کی تکمیل کی ہے ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ (چھوٹا منہ اور بڑا بات) بل کہ انہوں نے اس کے خراب اور ضائع کرنے میں کوشش کی ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ بعض وہ بدعتیں جو دوسرے سلاسل میں بالکل موجود نہیں ہیں وہ انھوں نے اس طریقۂ عالیہ میں پیدا کر دی ہیں، نمازِ تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گردونواح سے اس وقت لوگ نمازِ تہجد کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں، اور حال آں کہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔(۱)

لیکن ان دونوں میں جب کہ وہ نسبتِ شریفہ عنقائے مغرب (یعنی مخفی) ہے اور بالکل پوشیدہ ہوگئی ہے اور اس گروہ میں سے ایک جماعت نے اس دولتِ عظمیٰ کے نہ پانے اور اس نعمتِ عالیہ کے نہ ملنے سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جواہرِ نفیسہ کو چھوڑ کر چند ٹھیکریوں پر خوش ہوگئے ہیں اور بچوں کی طرح جوز ومویز (اخروٹ ومنقیٰ) پر مطمئن ہو کر نہایت بے قرار اور حیرانی سے اپنے بزرگوں کے طریق کو چھوڑ کر کبھی ذکرِ جہر سے تسلی حاصل کرتے ہیں اور کبھی سماع ورقص سے آرام ڈھونڈتے ہیں اور چوں کہ ان کو خلوت در انجمن حاصل نہیں ہے، اس لئے خلوت کا چلّہ اختیار کرتے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسی بدعتوں کو اس نسبتِ شریفہ کی تکمیل کرنے والی خیال کرتے ہیں اور اس بربادی کو عین آبادی شمار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو انصاف عطا فرمائے اور اس طریقہ کے بزرگوں کے کمالات کی ذرا سی خوشبو ان کی جان کے دماغ تک پہنچائے۔(۲)

اس طریق میں مایوس اور خسارہ والا شخص وہ ہے جو اس طریق میں داخل ہو کر اس طریق کے آداب مدِنظر نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں پیدا کرے اور اس طریقہ کے برخلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے اور اس صورت میں طریق کا کیا گناہ ہے وہ اپنے خوابوں اور واقعات کی راہ چلتا ہے اور اپنے اختیار سے کعبہ معظمہ کے راستے سے منہ پھیر کر ترکستان کی طرف جا رہا ہے:

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است(۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۳۱ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۶۸

۳۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۸۱

مقامِ تکمیل وارشاد کی ضروری شرطیں

دوسرے یہ کہ چوں کہ آپ کو طریقہ سکھانے کی ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اس بارے میں چند فائدے لکھے جاتے ہیں گوشِ ہوش سے سن کر ان پر عمل کریں۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی طالب آپ کی پاس ارادت سے آئے اس کو طریقہ سکھانے میں بہت تامل کرنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو خاص کر جب کسی مرید کے آنے میں کچھ خوشی وسرور پیدا ہو تو چاہئے کہ اس بارے میں التجا وتضرع کا طریق اختیار کر کے کئی استخارے کرے تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہئے اور استدراج وخرابی مراد نہیں ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ کے اِذن کے بغیر جائز نہیں، آیہ کریمہ:

لِتُخرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّورِ بِاِذنِ رَبِّهِم

تاکہ تو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف اللہ کے اذن سے نکالے۔

اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گیا، اس کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ پہنی تھی (یعنی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر راہِ ارشاد اختیار کی تھی) اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ تو نے میرے بندوں کو میری طرف تفویض کیوں نہ کیا اور اپنے دل سے میری طرف متوجہ کیوں نہ ہوا۔

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط پر مشروط ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر وابستہ ہے، ابھی وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دی جائے اس وقت کے آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدنظر رکھیں اطلاع دینی شرط ہے اور میر نعمان کی طرف بھی یہی لکھا گیا ہے وہاں سے بھی معلوم کر لیں غرض کوشش کریں، تاکہ وقت آجائے اور شرائط کی تنگی سے چھوٹ جائیں۔(۱)

استخارے کی تشریح

میرے مخدوم! استخارہ ہر امر میں مسنون ومبارک ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ استخارے کے بعد خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۱۱

کرے، بل کہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اگر اس کام کی طرف دل کی رغبت وتوجہ پہلے سے زیادہ ہے تو اس کام کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اگر رغبت اسی قدر ہے جس قدر کہ پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے اس صورت میں استخارے کو دوبارہ سہ بارہ کرے تا کہ رغبت کی زیادتی معلوم ہو جائے، استخارے کی تکرار کی حد سات مرتبہ تک ہے، اگر استخارہ ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں کمی مفہوم ہو تو منع پر دلالت ہے، اس صورت سات مرتبہ تک ہے، اگر استخارہ ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں مفہوم ہو تو منع دلالت ہے، اس صورت میں بھی اگر استخارے کو چند بار کرے تو گنجائش ہے بل کہ ہر حال میں استخارے کو مکرر کرنا بہتر اور مناسب ہے اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط (کا باعث) ہے۔(۱)

شیخ مقتدا کے لئے نصائح

جاننا چاہئے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے آپ نے سنا ہوگا کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں) ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبے کے ساتھ کیا مناسبت ہے:

ہر گدائے مردِ میدان کے شود
پشۂ آخر سلیماں کے شود

احوال و مقامات کا مفصل علم ہونا، مشاہدات وتجلیات کی حقیقت کو پہچاننا، کشفوں اور الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازم سے ہے اور ان کے بغیر (مقام شیخی کے حاصل ہونے کا دعویٰ کرنا) بے فائدہ رنج وتکلیف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اکابرِ طریقت قدس سرہم بعض مریدوں کو مقامِ شیخی تک پہنچنے سے پہلے کسی مصلحت کے پیش نظر ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں اور ایک لحاظ سے تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ سکھائیں اور احوال و واقعات پر اطلاع پائیں، اس قسم کی تجویز واجازت میں شیخ مقتدا لازم ہے کہ اس قسم کے مجاز مریدوں کو اس کام میں بڑی احتیاط برتنے کا امر کرے اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواقع کو ظاہر کر دیا کرے اور بار باران کے نقص پر اطلاع دیتا ہے اور مبالغے کے ساتھ ان کے ناقص ہونے کو ظاہر کر دے، اس صورت میں اگر شیخ حق بات کے ظاہر کرنے میں

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۳۹

سستی کرے تو وہ خائن ہے اور اگر مرید کو وہ باتیں بری معلوم ہوں تو وہ بدقسمت ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے، اس پر کیا بلا آ پڑی، وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع کرنا اس کو کہاں تک پہنچا دے گا اور اگر ہم سے قطع کرے گا تو اور کس شخص سے جا ملے گا اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو تو بلا توقف اس کو کہہ دیں کہ توبہ و استغفار کرے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی وزاری کرے کہ اس ابتلا و فتنۂ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا و آزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حمد و احسان ہے کہ یاروں کی اس لاپرواہی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار فقیر کے دل میں داخل نہیں ہوا اس سبب سے امیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہوگا۔(۱)

اے بھائی! حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو، کیوں کہ اس میں بڑی خرابی ہے۔ خلق کی نفرت اس ملامتیہ جماعت کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت و شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بل کہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے برخلاف ہے ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقاموں کو آپس میں ملا دیں اور عین مشیخت کے مقام میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے اور مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل (یعنی رعب داب سے آراستہ و پیراستہ) رکھیں اور مریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور انس اختیار نہ کریں، کیوں کہ یہ خفت و سبکی کا باعث ہے اور افادہ و استفادے کے منافی ہے اور حدود شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں، جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی اس طریقۂ عالیہ کے منافی اور سنتِ سنیہ کی متابعت کے دعویٰ کے مخالف ہے۔ (آخر میں تحریر فرماتے ہیں) غرض کہ قول و فعل میں اچھی طرح محافظت کریں، کیوں کہ اس زمانے میں اکثر لوگ فتنہ و فساد کے درپے رہتے ہیں کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہل لوگوں کو بزرگوں پر طعن کا موقع مل جائے حق تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں۔(۲)

اے بھائی! کئی دفعہ آپ سے کہا گیا ہے کہ اس طریق کا مدار دو اصلوں پر ہے۔ ایک یہ کہ شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۲۳ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۲۷

راضی نہ ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ شیخ طریقت کی محبت واخلاص پر اس طرح راسخ وثابت قدم ہونا کہ اس پر کسی قسم کے اعتراض کی ہرگز گنجائش نہ رہے، بل کہ اس کے تمام حرکات وسکنات مرید کی نظر میں پسندیدہ ومحبوب دکھائی دیں۔ ان دو اصلوں کے متعلق جو امور ہیں ان میں سے کسی امر میں بھی خلل واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ دونوں درست ہوگئیں تو دنیا وآخرت کی سعادت نقدِ وقت ہے۔

آپ اجازت نامہ لکھنے میں جو اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کا مقصود کیا ہے آپ کو جو طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کام دے گا، یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ بھی دل میں گزرے اس کے لئے ضرور کوشش کی جائے، کئی ایسی باتیں دل میں گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے نفس بڑا ضدی ہے جس امر کو اختیار کرتا ہے اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کے حق وباطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا، یہ چند باتیں آپ کی خاطر لکھی گئی ہیں حق تعالیٰ آپ کو نفع دے، اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے، تاکہ جہان سے ایمان سلامت لے جائیں، اجازت نامہ اور مرید کام نہیں آئیں گے، اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب کے ساتھ آئے تو اس کو طریقہ سکھا دیں یہ نہیں کہ تعلیم طریقت کو ہی اصل کام بنالیں اور اپنے معاملے کو اس کے تابع کر دیں کہ یہ سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔ (۱)

مریدوں کے احوال پیروں کے لئے حیا کا باعث ہیں

لیکن چاہیے کہ اپنے احوال واعمال منظورِ نظر ہوں اور اپنی حرکت وسکون ملحوظ رہے، ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث ہوجائیں اور مریدوں کی گرم جوشی ومستعدی مرشدوں کے کارخانے میں سردی وسستی پیدا کردے، اس امر سے بہت ڈرتے رہنا چاہیے اور مریدوں کے احوال ومقامات کو شیر ببر کی طرح جاننا چاہیے اور ان پر فخر وناز نہیں کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ اس راستے سے عجب وغرور کا دروازہ کھل جائے بل کہ چاہیے کہ:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

حیا ایمان کا ایک جز ہے۔

کے حکم کے موافق مریدوں کی ترقیاں شرمندگی وخجالت کا باعث ہوں اور طالبوں کی طلب

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۲۸

کی گرمی غیرت وعبرت کا موجب ہو، اپنے اعمال کو قاصر اور اپنی نیتوں کو تہمت زدہ سمجھنا چاہئے (تا کہ عُجب دور رہو) اور حال وقال کی زبان کو هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کیا اور بھی ہے) کے کلمہ سے تر رکھنا چاہئے، اگرچہ آپ کے پسندیدہ اطوار وعادات سے یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح معاملہ کریں گے لیکن دینی دشمنوں یعنی نفس امارہ اور شیطانِ لعین کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاکید کے طور پر مبالغہ کیا گیا ہے، تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی وسستی واقع ہو جائے، کیوں کہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے صرف ایک ہی کی فکر میں لگے رہنا قصور وکمی ہے۔(۱)

رات اور دن کا محاسبہ

اکثر مشائخ قدس سرہم نے محاسبے کا طریق اختیار کیا ہے اور وہ رات کو سونے ذرا پہلے اپنے روزانہ کے اقوال وافعال وحرکات وسکنات کے دفتر کو ملاحظہ کرتے ہیں اور ہر ایک عمل کی حقیقت میں غور کرتے ہیں، اپنے قصوروں اور گناہوں کا توبہ واستغفار اور التجا وتضرع کے ساتھ تدارک کرتے ہیں اور نیک اعمال وافعال کو حق تعالیٰ کی توفیق کی طرف منسوب کر کے حق تعالیٰ کا حمد وشکر بجالاتے ہیں، اور صاحب فتوحاتِ مکیہ قدس سرہٗ (شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ) جو کہ محاسبہ کرنے والوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں اپنے محاسبے میں دوسرے مشائخ سے بڑھ گیا اور میں نے اپنی نیتوں اور خطرات کا بھی محاسبہ کر لیا۔ اور فقیر (حضرت مجدد صاحبؒ) کے نزدیک سونے سے پہلے سو بار تسبیح وتحمید وتکبیر کا کہنا جس طرح پر کہ مخبرِ صادق (رسول اللہ ﷺ) سے ثابت ہے، محاسبے کا حکم رکھتا ہے اور محاسبے کا کام دیتا ہے، گویا کہ وہ کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو کہ توبہ کی کنجی ہے اپنی تقصیرات اور برائیوں سے عذر خواہی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کو ان امور سے جن کے باعث وہ ان برائیوں کا مرتکب ہوا ہے منزہ ومبرا ظاہر کرتا ہے، کیوں کہ برائیوں کے مرتکب کو اگر امر ونہی کا احکام صادر کرنے والے ذاتِ تعالیٰ وتقدس کی عظمت وکبریائی ملحوظ ومد نظر ہوتی تو حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے میں ہرگز سبقت ودلیری نہ کرتا، اور جب اس نے حکم نہ ماننے پر دلیری کی تو معلوم ہو کہ اس مرتکب کے نزدیک حق تعالیٰ کے امر ونہی کا کچھ اعتبار وشمار نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ پس وہ کلمہ تنزیہ کے تکرار سے اس کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ استغفار میں گناہوں کے ڈھانپنے کی طلب ہے اور کلمۂ تنزیہ کے تکرار میں گناہ کی بیخ کنی کی طلب ہے، یہ اس کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے، سُبْحَانَ اللہ ایک ایسا کلمہ ہے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۳۸

کہ اس کے الفاظ بہت کم ہیں لیکن اس کے معانی و منافع بہ کثرت ہیں، اور کلمۂ تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) کے تکرار سے حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور کلمۂ تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کے تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پاک بارگاہ اس سے بہت ہی بلند ہے کہ یہ عذر خواہی اور شکر اس ذات جل شانہٗ کے لائق ہو، کیوں کہ اس کی عذر خواہی اور استغفار بہت سی عذر خواہیوں اور استغفارات کی محتاج ہے اور اس (بندے) کا حمد کرنا اس کے اپنے نفس کی طرف راجع (لوٹنا) ہے (نہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف)۔

محاسبہ کرنے والے شکر اور استغفار پر کفایت کرتے ہیں لیکن ان کلماتِ قدسیہ کے ساتھ استغفار کا کام بھی ہو جاتا ہے، اور شکر بھی ادا ہو جاتا ہے اور نیز استغفار اور شکر کے نقص کا اظہار کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے۔ ربنا تقبل منا انك انت السّمیع العلیم و صلی اللہ تعالی علی سیّدنا محمد و علیٰ الہٖ و صحبه الطاھرین و سلم و بارك علیه وعلیھم اجمعین (۱)

حصول اور وصول میں فرق

اے بھائی! حصول بُعد کے باوجود متصور ہے اور وصول محذور ممتنع ہے، عنقا کو جب ہم ایک مخصوص صورت کے ساتھ تصور کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوتِ مدرکہ میں حاصل ہے لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ظلّیت جو کہ کسی چیز کے مرتبۂ ثانی میں ظہور سے مراد ہے اس چیز کے حصول کے منافی نہیں ہے لیکن اس چیز کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا پس ان دونوں میں فرق معلوم ہو گیا۔ (۲)

دوسروں کی برائیاں عارف کے لئے نیکی کا حکم پیدا کر دیتی ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب پاک ﷺ کی طفیل عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کی نیکیاں ہو جاتی ہیں اور دوسروں کی بری خصلتیں اس کے لئے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۹
۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۳۱

اچھی صفتیں بن جاتی ہیں، مثلاً ریا وسمعہ جو برائیوں اور بری خصلتوں میں سے ہیں اس کے حق میں حسن وخوبی پیدا کر دیتے ہیں اور حمد وشکر کا حکم حاصل کر لیتے ہیں اس لئے کہ اس درویش نے تمام قسم کی عظمت وکبریائی کو اپنے آپ سے مسلوب کر کے (نفی کر کے) حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کیا ہے اور تمام اقسام کے حسن و جمال اور خیر وکمال کو اپنے آپ سے دور کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اپنے آپ کو شر ونقص کے سوا کچھ نہیں پاتا اور اپنے آپ میں ذلت و محتاجی اور عجز وانکسار کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور اگر بالفرض عظمت وکبریائی کا کوئی حصہ بظاہر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کو زینہ سمجھے گا کہ جس کے ذریعے سے وہ فوق (بلندی) کی طرف جائے گا اور اس ذاتِ پاک تک جو عظمت وکبریائی کے لائق ہے پہنچ جائے گا اور حسن و جمال وخیر وکمال کا بھی یہی حال ہے کہ زینہ ہونے سے زیادہ ان سے اس کے نصیب نہیں، امانتیں امانت والوں کی طرف راجع ہوتی ہیں پس ریا وسمعہ کی صورت میں اس (عارف) کا مقصود شہرت وفخر و بلندی و عظمت نہیں ہوتا، بلکہ حق تعالیٰ کی اس نعمت واحسان کا اظہار ہے جو اس بارے میں واقع ہوا ہے پس اس کا ریا وسمعہ حق تعالیٰ کا عین حمد وشکر ہے جو ذلت و برائی سے نکل کر تعریف اور نیکی کی صورت میں آ گیا ہے دوسری صفات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، اولئك يبدل الله سيئاتهم حسنٰتٍ و كان الله غفورا رحيما۔ (۱)

خوف وغلبۂ دشمن کے لئے عمل

واضح ہو کہ خوف اور دشمنوں کے غلبے کے وقت امن وامان کے لئے سورۃ لِاِیْلٰفِ کا پڑھنا مجرب ہے ہر دن اور ہر رات کو کم از کم گیارہ گیارہ بار پڑھا کریں۔ حدیث نبوی میں آیا ہے جو شخص کسی جگہ اترے اور یہ کلمات پڑھے:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز ضرر نہ دے گی۔ (۲)

فضائل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت بہت سے مکتوباتِ گرامی میں مذکور ہے ان میں سے چند مکتوبات یہ ہیں، دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱، ۲۷، ۳۷، ۵۸، ۶۶، ۹۰، ۲۲۱، ۲۴۳ وغیرہ ان میں سے بعض

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۶۶

مکتوبات شریف کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:۔

مشائخِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک یہ حضور ذاتی دائمی ہے اور ان اکابر کے نزدیک زائل ہو جانے اور غیبت کے ساتھ بدل جانے والے حضور کا کچھ اعتبار نہیں ہے، بس ان بزرگوں کا کمال تمام کمالات سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے جیسا کہ ان حضرات کی عبارتوں میں واقع ہے:

اِنَّ نِسبَتَنَا فَوْقَ جَمِیعِ النِّسَبِ

بے شک ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے۔

نسبت سے ان کی مراد حضورِ ذاتی دائمی ہے اور ان سب باتوں سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان کاملین کے طریقے میں نہایت ابتدا میں درج ہے اور اس کرام میں یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے پیروکار ہیں، کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے جو دوسروں (غیر صحابی اولیا) کو انتہا میں حاصل ہوتا ہے اور یہ بات ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کے باعث ہے پس جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولایت تمام انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے بڑھ کر ہے، اور بڑھ کر کیوں نہ ہو، جب کہ ان کی ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، ہاں دوسرے سلسلوں کے بعض کامل مشائخ کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن وہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت سے مقتبس ہے۔(۱)

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام قدس سرہم نے دوسرے سلاسل کے مشائخ کرام قدس سرہم کے خلاف اس سیر (باطنی) کی ابتدا عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کو بھی اسی سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں، اسی واسطے طریقۂ نقشبندیہ تمام طریقوں سے اقرب ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں مندرج ہوگئی:

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

ان بزرگوں کا طریق بعینہٖ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریق ہے، کیوں کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حضرت خیر البشر ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے طریق پر وہ کمال حاصل ہو جاتا تھا جو امت کے کامل اولیا کو انتہا میں بھی شاذ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۱

ونادر ہی حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی (رضی اللہ عنہ) جو کہ ایک ہی دفعہ حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں پہنچا ہے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے جو کہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں افضل ہوگیا۔ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ میں کون افضل ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آں حضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو گرد وغبار پڑا ہے وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کئی گناہ بہتر ہے۔ پس سوچنا چاہیے کہ جس گروہ کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہو تو ان کی انتہا کیا ہوگی اور وہ دوسروں کے علم وفہم میں کس طرح سما سکے گی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوْ (تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

قاصر گر کند ایں طائفہ را طعن قصور
حاش للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را(۱)

اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے اور بے شک موصل ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو ضرور موصل ہو اور آپ کی التجا قبول ہوگئی ہے جیسا کہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے منقول ہے، یہ طریق اقرب وموصل کیوں نہ ہو، جب کہ انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہے وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے:

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست
اگر کوئی نابینا ہو تو سورج کا قصور نہیں ہے۔

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو اس میں طریق کا کیا گناہ ہے اور طالب کا کونسا قصور ہے، کیوں کہ دراصل اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ کہ نفسِ طریق۔(۲)

جو کچھ انسان کے لئے ضروری ہے اور جس کے ساتھ یہ مکلف ہے وہ اوامر کا بجالانا اور منہیات سے باز رہنا ہے آیہ کریمہ:

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۹ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۲۲۱

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

جو کچھ رسول تمہیں دے اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے تمہیں منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔

اس مطلب پر شاہد ہے اور چوں کہ طالب کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

خبردار اللہ کے لئے دین خالص ہونا چاہیے۔

اور یہ فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر متصور نہیں ہوتا اس لئے طریقِ صوفیہ کا سلوک کہ جس سے فنا اور محبتِ ذاتیہ حاصل ہوتی ہے اختیار کرنا بھی ضروری ہے، تا کہ اخلاص کی حقیقت حاصل ہو جائے اور چوں کہ صوفیوں کے طریقے کمال و تکمیل کے مرتبوں میں تفاوت واقع ہوئے ہیں اس لئے جس طریقے میں سنتِ سنیہ کی متابعت کا التزام زیادہ اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو اس کا اختیار کرنا سب سے زیادہ بہتر و مناسب ہے، اور وہ طریق مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیہ کا طریق ہے، کیوں کہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ بہ ظاہر اس کو باطن میں فائدہ مند پائیں اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بہ ظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں، انہوں نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے اور ذوق و معارف (کیفیات و کشفیات) کو علومِ دینیہ کا خادم جانتے ہیں احکامِ شرعیہ کے نفیس جواہرت کو بچوں کی مانند وجد و حال کے جوز و مویز (اخروٹ و منقیٰ) کے بدلے میں نہیں دیتے اور صوفیوں کی حالتِ سکر کی باتوں پر مغرور فریفتہ نہیں ہوتے اور نص کو چھوڑ کر فص (فصوص الحکم شیخ اکبر کی تصنیف) کی طرف مائل نہیں ہوتے اور فتوحاتِ مدنیہ (احادیث و نصوص شرعیہ) کو چھوڑ کر فتوحاتِ مکیہ (شیخ اکبر کی تصنیف) کی طرف التفات نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے ماسوی اللہ کے نقوش ان کے باطن سے اس طرح محو و زائل ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ماسوی اللہ کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک تکلف کریں تب بھی میسر نہ ہو، اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے ان بزرگوں کے لئے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان عزیزوں کے نزدیک دائرۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ آیتِ کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ "وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت ذکرِ

الٰہی سے غافل نہیں کرتی''۔ان کے حال کی خبر دیتی ہے، اس کے باوجود ان کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور یقیناً موصل ہے اور دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں درج ہے اور ان کی نسبت جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے مشائخ کی تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے لیکن ہر شخص کی سمجھ ان بزرگوں کے مذاق تک نہیں پہنچتی، بل کہ قریب ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے کم ہمت و کوتاہ نظر و ناقص لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کر دیں الی آخرہ''(۱)

طریقۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کی بعض تفصیلات

اسباقِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ کی تفصیل کے لئے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ کا ''رسالۂ سلوک'' اور دیگر حضراتِ نقشبندیہ کی تصنیفات ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں مکتوبات شریف سے چند عنوانات کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔مؤلف

طریقہ ذکر کی تعلیم و دیگر نصائح

ابتدا میں ذکر کرنے کے سوا چارہ نہیں، آپ کو چاہئے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہوں کیوں کہ یہ مضغۂ گوشت قلبِ حقیقی کے لئے حجرہ کی طرح ہے اور اسمِ مبارک اللہ کو اس قلب پر گزاریں اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں اور پوری طرح قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اور اپنی قوتِ خیالیہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں اور اس کی طرف التفات نہ کریں، کیوں کہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور، اور لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بیچونی و بے چگونی کے ساتھ ملاحظہ کریں اور کسی صفت (وکیفیت) کو اس کے ساتھ شامل نہ کریں اور حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ ہو، تا کہ آپ ذات تعالیٰ و تقدس کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آ جائیں اور اس کی وجہ سے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائیں اور بیچون کی گرفتاری سے چون کی شہود کے ساتھ آرام نہ پکڑیں، کیوں کہ جو چون کے آئینے میں ظاہر ہو وہ بیچون نہیں ہے اور جو کثرت میں نمودار ہو وہ واحدِ حقیقی نہیں، بیچون کو چون کے دائرے سے باہر ڈھونڈنا چاہئے اور بسیطِ حقیقی کو کثرت کے احاطے کے باہر تلاش کرنا چاہئے۔ اگر ذکر کرتے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہئے اور قلب میں نگاہ رکھ کر

ا۔ دفتر اول: مکتوب ۲۲۰

ذکر کرنا یہ ہے۔ تو جاننا ہے کہ پیر کون ہے، پیر وہ شخص ہے جس سے تو اللہ تعالیٰ کی جناب پاک تک پہنچنے کا راستہ حاصل کرے اور اس راستے سے تو اس سے مدد و اعانت حاصل کرے، صرف کلاہ و دامنی (چادر) اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے پیر مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و عادت میں داخل ہے لیکن اگر شیخ کامل و مکمل سے کوئی کپڑا آپ کو تبرک کے طور پر حاصل ہو جائے اور آپ اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اسے پہن کر زندگی گزاریں تو اس صورت میں بہت سے فائدوں اور ثمرات کے حاصل ہونے کا بھی قوی احتمال ہے، اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خواب اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں، اگر کسی نے اپنے آپ کو خواب میں بادشاہ دیکھا یا قطب وقت معلوم کیا تو وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، ہاں اگر خواب اور واقعے کے بغیر بادشاہ ہو جائے یا قطب بن جائے تو البتہ مسلّم ہے، پس جو احوال و مواجید بیداری اور ہوش کی حالت میں ظاہر ہوں ان میں اعتماد کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ذکر کا نفع اور اس پر اثرات کا مترتب ہونا شریعت کے احکام بجالانے پر وابستہ ہے، پس فرائض و سنن کے ادا کرنے اور حرام و مشتبہ امور سے بچنے میں اچھی طرح احتیاط کرنی چاہئے اور قلیل و کثیر (احکام) میں علما کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان کے فتوے کے موافق زندگی بسر کرنی چاہئے۔(۱)

لطائفِ سبعہ کا بیان

میرے مخدوم! یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں انسان کے سات لطیفوں کے مطابق سب سات قدم ہیں، دو قدم عالمِ خلق میں ہیں جن کا تعلق قالب (بدنِ عنصری) اور نفس کے ساتھ ہے، اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں جو کہ (لطائف) قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے طے کرنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی، اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ'' بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں''۔

اور پہلے قدم میں جو کہ عالمِ امر میں لگاتے ہیں تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم میں تجلی صفات اور تیسرے قدم میں تجلیاتِ ذاتیہ میں (سلوک) شروع ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس درجات کے تفاوت کے لحاظ سے ترقی ہوتی جاتی ہے، جیسا کہ اس رستے کے سالکوں پر مخفی نہیں

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۹۰

ہے، اور ان ساتوں قدموں کے پورا ہونے تک قرب بھی پورا ہو جاتا ہے پھر اس وقت فنا اور بقا سے مشرف ہوتے اور ولایتِ خاصہ کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں۔ (۱)

انسان کی جامعیت اور لطائفِ عشرہ سے مرکب ہونا

آدمی ایک ایسا نسخۂ جامع ہے جو اجزائے عشرہ یعنی عناصرِ اربعہ و نفسِ ناطقہ اور قلب و روح و سرّ و خفی و اخفیٰ سے مرکب ہے، اور دوسرے قویٰ و جوارح (اعضا) جو انسان میں ہیں ان ہی اجزا میں شامل ہیں یہ اجزا ایک دوسرے کے متضاد ہیں، عناصرِ اربعہ کا ایک دوسرے کی ضد ہونا تو ظاہر ہی ہے اور اسی طرح عالمِ خلق کا عالمِ امر کی ضد ہونا بھی ظاہر ہے اور عالمِ امر کے پنج گانہ لطائف میں ہر ایک الگ الگ ایک امر کے ساتھ مخصوص اور علیحدہ ایک کمال کی طرف منسوب ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی ہوا و خواہش کا طالب ہے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا، حق تعالیٰ کی عنایت نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان متضاد چیزوں میں سے ہر ایک کی تیزی اور غلبے کو توڑ کر جمع فرما دیا ہے اور ایک خاص مزاج اور ہیئت وحدانی عطا فرمائی ہے اور مزاج خاص و ہیئت وحدانی کے حصول کے بعد اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے، تاکہ اس کے متفرق و متضاد اجزا کی حفاظت کرے، اس مجموعے کو انسان کے نام سے مسمّٰی کر کے جامعیت اور ہیئتِ وحدانی کے حصول کے اعتبار سے خلافت کی استعداد کے شرف سے مشرف فرمایا یہ (خلافت کی دولت انسان کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی، عالمِ کبیر اگرچہ بڑا ہے لیکن جامعیت سے خالی اور ہیئت وحدانی سے بے نصیب ہے، یہ معاملہ تمام افرادِ انسانی میں ثابت ہے اور عوام و خواص انسان اس امر میں شرکت رکھتے ہیں۔ (۲)

تجلی افعال و تجلی صفات و تجلی ذات

تجلی افعال سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فعل کا ظہور سالک پر اس طرح ہو کہ سالک کو بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں اور وہ ان افعال کو اس فعل کی اصل معلوم کرے اور ان افعال کے قیام کو اس فعلِ واحد کے ساتھ پہچانے اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ ظلال اس کی نظر سے بالکل پوشیدہ ہو کر اپنی اصل کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جماد (بے جان چیزوں) کی طرح بے حس و حرکت معلوم کرے۔

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۵۸ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۱۱

......تجلی صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو کہ بندوں کی صفات کو حق تعالیٰ کی صفات کا ظلال جانے اور ان کا قیام ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے مثلاً ممکن کے علم کو واجب تعالیٰ کے علم کا ظل معلوم کرے اور اس کے ساتھ قائم جانے، اسی طرح اس (ممکن) کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت جانے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ تمام ظلالی صفات سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو کر اپنے اصول کے ساتھ مل جائیں اور اپنے آپ کو جو کہ پہلے ان صفات سے موصوف رہ چکا ہے جماد کی طرح بے حیات و بے علم جانے، وجود اور اس کے کمالات و توابع کا کوئی اثر اپنے اندر نہ پائے نہ وہاں اس کا کوئی ذکر رہے نہ کوئی توجہ، نہ حضور ہے نہ شہود، اصل سے لاحق ہونے کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بہ خود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بہ خود حاضر ہے اس مقام سے سالک کا نصیب یہ ہے کہ اس کو فنا و نیستی کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے اور جن کمالات کو وہ اپنے خیال میں اپنی طرف سے منسوب کرتا تھا ان کمالات کا اپنی طرف نسبت کرنا ختم ہو جاتا ہے۔

......فنا کی یہ دولت جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلی صفات کا منتہا ہے لیکن اس کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پرتو سے ہے اور جب تک ذات متجلی نہ ہو فنا کی یہ دولت میسر نہیں ہوتی بل کہ تجلی صفات بھی انجام کو نہیں پہنچتی۔

(تقریباً ایک صفحے کے بعد) تجلی صفات کے سرانجام ہونے اور صفات و ذات کی فنا حاصل ہونے کے بعد عارف پر ایک ایسی تجلی ظاہر ہوتی ہے جو گویا تجلی ذات کی دہلیز ہے گویا یہ تجلی صفات اور تجلی ذات کے درمیان برزخ ہے جس صاحبِ نصیب کو اس تجلی سے اوپر لے جائیں وہ اپنی استعداد کے موافق تجلی ذات سے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔

(آخری حصے میں) تجلی ذات کی نسبت کیا لکھے اور کیا لکھا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ ذوقی ہے جو وہاں تک پہنچا اس نے پالیا اور جس نے اس کا مزہ نہیں چکھا وہ اس کو نہیں جانتا:

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

اتنا ظاہر کیا جاتا ہے کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دائمی ہے اور جو تجلی دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے اس کے لئے دائمی ہے بل کہ تجلی برقی درحقیقت تجلی ذات نہیں ہے اگرچہ بعض نے اس کو تجلی ذات کہا ہے بل کہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو کہ جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے اور جہاں تجلی ذات ہے وہ شیون و

اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ہے اس کے لئے دوام لازم ہے وہاں پوشیدہ ہو جانا متصور نہیں ہے، تجلیات کی تلونیات (رنگ بدلتے رہنا) صفات وشیون کا پتہ دیتی ہیں۔ حضرت ذاتِ تعالیٰ وتقدس تلونیات سے پاک وبری ہے اور پوشید ہونے کی وہاں گنجائش نہیں۔ **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم**۔ (۱)

سیورِ اربعہ کی تفصیل

سیر وسلوک حرکت درعلم (یعنی انتقالِ علمی) سے مراد ہے جو کہ مقولۂ کیف سے ہے حرکتِ اَینی (یعنی انتقالِ مکانی) کی یہاں گنجائش نہیں ہے پس سیرِ الی اللہ حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اسفل سے علم اعلیٰ تک جاتی ہے اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک حتی کہ ممکنات کے علوم پورے طور پر طے کرنے اور کلی طور پر ان کے زائل ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک منتہی ہو جاتی ہے اور یہ وہ حالت ہے جو فنا سے تعبیر کی جاتی ہے اور سیر فی اللہ اس حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو مراتبِ وجوب یعنی اسماو صفات وشیون واعتبارات وتقدیسات وتنزیہات میں ہوتی ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ کسی اشارے سے بیان کی جاسکتی ہے اور نہ کسی نام سے اس کو موسوم کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کنایئے سے ادا ہو سکتی ہے، اور نہ اس کو کوئی عالم جانتا ہے اور نہ کوئی مُدرِک اس کا ادراک کر سکتا ہے اور اس سیر کا نام بقا رکھا گیا ہے۔ اور سیر عن اللہ باللہ جو تیسری سیر ہے وہ بھی حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہاں تک کہ ممکنات کی طرف پس پار جوع کرتی ہے اور تمام مراتبِ وجوب کے علوم سے نزول کرتی ہے اور یہ وہ عارف ہے جو اللہ کو اللہ کے ساتھ بھلانے والا اور اللہ کی طرف سے اللہ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے وہ واجد فاقد (پانے والا گم کرنے والا) اور واصل مہجور (ملنے والا ہجرت زدہ) اور قریب بعید (نزدیک دور) ہوتا ہے اور چوتھی سیر جو کہ اشیا میں سیر (سیر فی الاشیاء باللہ) ہے اس سے مراد یکے بعد دیگرے اشیا کے علوم کا حاصل ہونا ہے، جب کہ تمام اشیاء کے علوم سیر اول میں زائل ہو چکے تھے، پس سیر اول سیر چہارم کے بالمقابل ہے اور سیرِ سوم سیر دوم کے بالمقابل جیسا کہ بیان ہوا اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ نفسِ ولایت کے حال ہونے کے لئے ہیں جس کو فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تیسری اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حاصل ہونے کے واسطے ہے جو کہ انبیائے مرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے کامل تبعین

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۷۵

کو بھی ان بزرگواروں کے مقام سے حصہ حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے متبعین بصیرت پر ہیں۔(۱)

حقیقت کعبہ ربانی، حقیقت قرآن مجید و حقیقتِ صلوٰۃ، معبودیہ صرف

مرتبۂ عالیۂ نورِ صرف کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبۂ ربانی معلوم کیا اور لکھا ہے ایک نہایت ہی اعلیٰ مرتبہ ہے جو کہ حقیقتِ قرآن مجید ہے کعبۂ معظمہ قرآن مجید کے حکم سے آفاق کا قبلہ بنا ہے اور سب کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا ہے، امام قرآن ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیش قدم کعبۂ معظمہ ہے یہ مرتبۂ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بیچون وسعت کا مبدأ ہے اور اس بارگاہ کی بیچونی اور بیچگونی کی امتیاز کا مبدأ بھی یہی درجۂ عالیہ ہے اس درجۂ مقدسہ کی وسعت طول و عرض کی درازی کی رو سے نہیں ہے، کیوں کہ یہ نقص و امکان کے نشانات ہیں بل کہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جب تک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں کرسکتا اور اسی طرح اس مرتبۂ مقدسہ کا امتیاز مزایلت (ایک دوسرے کو زائل کرنے) اور مباینت (باہم فرق کرنے) کی رو سے بھی نہیں ہے، کیوں کہ اس سے ٹکڑے ٹکڑے اور جز جز ہونا لازم آتا ہے جو کہ جسم اور جسم والا ہونے کے لوازم میں سے ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے بلند و برتر ہے۔

(تقریباً ڈیڑھ صفحے کے بعد) اس مرتبۂ مقدسہ میں جس کو ہم نے حقیقتِ قرآن مجید کہا ہے نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور تمام کمالاتِ ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ ہی میں رہ جاتا ہے، وہاں وسعتِ بیچون اور امتیاز بے چگون کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں پاتا اور آیت کریمہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا'' میں اگر نور سے مراد نورِ قرآن ہو تو ممکن ہے کہ انزال و تنزل کے اعتبار سے ہو جیسا کہ کلمۂ قَدْ جَآءَكُمْ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ اس مرتبۂ مقدسہ کے اوپر ایک اور بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقتِ صلوٰۃ کہتے ہیں جس کی صورت عالمِ شہادت میں منتہی نمازیوں کے ساتھ قائم ہے، اور یہ معراج شریف کے واقعے میں آیا ہے قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّيْ ''اے محمد ﷺ ٹھہر جا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھ رہا ہے'' ممکن ہے کہ اس حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو، ہاں وہ عبادت جو مرتبۂ تجرد و تنزہ کے لائق ہے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۱۴۴

شاید مراتبِ موجود سے صادر ہوتی ہو اور قدم کے اطوار سے ہی ظہور میں آتی ہو فَالْعِبَادَةُ اللَّائِقَةُ بِجَنَابِ قُدْسِهٖ تَعَالیٰ هِیَ الصَّادِرَةُ مِنْ مَرَاتِبِ الْوُجُوْبِ لَا غَیْرُ فَهُوَ الْعَابِدُ وَالْمَعْبُوْدُ ''وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے لائق ہے وہ مراتبِ وجوب ہی سے صادر ہو سکتی ہے اس کے علاوہ نہیں پس وہی عابد ہے اور وہی معبود ہے'' مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجے کی وسعت اور بے مثل امتیاز ہے، کیوں کہ حقیقتِ کعبہ بھی اسی کا جز ہے اور حقیقتِ قرآن بھی اسی کا حصہ ہے، کیوں کہ نماز مراتبِ عبادت کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو کہ اصل الاصل کی نسبت ثابت ہیں کیوں کہ معبودیتِ صرف اسی کے لئے ثابت ہے اور حقیقتِ صلوٰۃ جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبے میں اس مرتبۂ مقدسہ کی عبادت ہے جو اس کے اوپر ہے کہ معبودیتِ صرف کا استحقاق اسی فوق کے لئے ثابت ہے جو کہ کل کی اصل اور سب کی جائے پناہ ہے اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ بیچون وبیچگون ہو، کامل انبیا اور بزرگ اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقدام کا منتہا حقیقت صلوٰۃ کے مقام تک ہی ہے جو کہ عابدوں کے مرتبہ عبادت کے نہایت ہے اور اس مقام کے اوپر معبودیتِ صرف کا مقام ہے کسی شخص کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں کہ قدم اوپر رکھ سکے، جہاں تک عبادت وعابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ معبودیتِ صرف تک پہنچ جاتا ہے تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور سیر کی تکمیل ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نظر کو وہاں سے منع نہیں فرمایا اور اس کی استعداد کے موافق گنجائش بخشی ہے۔

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے(۱)

لطائفِ عشرہ اور ولایت سہ گانہ کی تشریح

اے فرزند! خدائے تعالیٰ تجھے سعادت مند کرے۔ جاننا چاہئے کہ عالمِ امر کے پنج گانہ لطائف یعنی قلب وروح وسر وخفی واخفیٰ جو انسانی عالمِ صغیر کے اجزا ہیں ان کے اصول عالمِ کبیر میں ہیں جس طرح عناصرِ اربعہ جو کہ انسان کے اجزا ہیں اور اپنی اصل عالمِ کبیر میں رکھتے ہیں اور ان پنج گانہ لطائف کے اصول کا ظہور عرش کی اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمِ امر کو لامکانی کہتے ہیں۔ دائرۂ امکان (تمام ممکنات) یعنی خلق وامر اور صغیر وکبیر ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں انتہا کو پہنچ جاتا

۱۔ دفتر سوم، مکتوب ۷۷

ہے۔ جب سالک رشید محمدی المشرب عالمِ امر کے پنج گانہ لطائف کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو کہ عالمِ کبیر میں ہیں سیر کرتا ہے اور بلند فطرتی بل کہ محض فضلِ ایزدی سے ان سب کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطے تک پہنچتا ہے تو اس وقت وہ دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایتِ صغریٰ میں جو کہ اولیا کی ولایت ہے سیر شروع کرتا ہے اور اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے اسمائے وجوبی کے ظلال میں جو حقیقت میں عالمِ کبیر کے ان پنج گانہ لطائف کے اصول ہیں اور جن میں عدم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو وہ اسمائے وجوبی کے ظلال کے دائرے کو بھی پورا کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسما و صفاتِ واجبی کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے، ولایتِ صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے، اس مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ کی ابتدا میں جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ دائرہ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادیٔ تعینات کو شامل ہے اور ہر ایک اسم کا ظل کسی نہ کسی شخص کا مبدءِ تعین ہے حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانوں میں سے اشرف ہیں کا مبدء تعین اس دائرے کے اوپر نقطۂ فوق ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخِ طریقت نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدءِ تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الیٰ اللہ کو تمام کر لیتا ہے، اس اسم سے مرادِ اسمِ الٰہی جل شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کا اصل، اور یہ دائرۂ ظل حقیقت میں مرتبۂ اسما و صفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہی اور صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا باقی اشخاص میں سے کسی نہ کسی شخص کی حقیقت ہے اور انبیا و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادیٔ تعینات ان اظلال کے اصول یعنی مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں۔

مثلاً صفت العلم اور صفت القدرۃ اور صفت الارادۃ وغیرہ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو کہ مبدءِ تعین ہے، مختلف اعتبارات کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت خاتم

الرسل ﷺ کا مبدءِ تعین شان العلم ہے اور یہی صفت العلم ایک (خاص) اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداءِ تعین ہے اور نیز یہی صفت ایک (اور خاص) اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدءِ تعین ہے اور ان اعتبارات کا تعین خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں ذکر ہو چکا ہے۔

......اس کے بعد اگر دائرہ اسما وصفات میں جو کہ اس دائرۂ ظل کا اصل ہے سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے تو ولایتِ کبریٰ کے کمالات کا آغاز شروع ہو جائے گا اور یہ ولایتِ کبریٰ اصلی طور پر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی تابع داری کے باعث ان کے اصحابِ کرام کو بھی یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسما وصفاتِ زائدہ کو متضمن ہے اور اس کا اوپر کا نصف حصہ شیون واعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالمِ امر کے پنج گانہ لطائف ومراتب کا عروج اس دائرۂ اسما وشیونات کی انتہا تک ہے اس کے بعد اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے صفات وشیونات کے مقام سے زیادہ ترقی واقع ہو جائے تو ان کے اصول کے دائرے میں سیر واقع ہو گی، اور اس دائرہ اصول کے آگے ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اس دائرے کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس (قطعۂ دائرہ) ظاہر ہو گی اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے اور چوں کہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کی گئی، شاید یہاں کوئی راز ہو گا جس پر اطلاع نہیں بخشی گئی۔ اور اسما وصفات کے یہ اصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبارات ہیں کہ صفات وشیونات کے مبادی ہو گئے ہیں۔ ان اصولِ سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے اس (نفس) کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں نفسِ مطمئنہ صدارت کے تخت پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایتِ کبریٰ یعنی ولایتِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انتہا کا مقام ہے۔

جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم وخیال میں آیا کہ شاید سب کام ختم ہو چکا ہے اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسمِ ظاہر کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لئے ایک بازو ہے اور اسمِ باطن جو کہ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے ابھی درپیش ہے اور جب تو اس کو بھی مفصل طور پر سرانجام کرے گا تو پرواز کے لئے دو بازو تجھے حاصل ہوں گے، جب اللہ

تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَ تْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ ''اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے ہیں''۔

اے فرزند! اسم باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطن (در پردہ رہنے) کے مناسب ہے، البتہ اس مقام سے صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ اسمِ ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو، اور اسمِ باطن کی سیر بھی اگرچہ اسما میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے اور یہ اسما ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت ذات کے حجابات ہیں۔

مثلاً صفتِ علم میں ذات ہرگز ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے، کیوں کہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے پس علم کی سیر اسمِ ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر اسمِ باطن کی سیر، باقی تمام صفات و اسما کا حال اسی قیاس پر ہے۔

یہ اسما جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں، اور ان اسما میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ علیا میں جو کہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھنا ہے۔

اور اسمِ ظاہر و اسم باطن کے بیان میں علم اور علیم کے درمیان جو فرق ظاہر کیا گیا ہے کہیں تو اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے، نہیں بل کہ وہ فرق جو مرکزِ زمین اور محدب عرش کے درمیان ہے اس فرق کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ، کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں دور ہے۔ اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ پنج گانہ عالمِ امر کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے تا کہ دائرۂ امکان تمام ہو جائے، اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آ چکا ہے لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پنجاہ ہزار سالہ راہ کی مدت کا اندازہ کیا گیا ہے۔ آیتِ کریمہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ''فرشتے اور روح اس کی طرف اس ایک دن چڑھتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے'' اسی مطلب کے رمز کو بیان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے جذبِ عنایت کے لئے بعید نہیں ہے کہ اس قدر مدتِ دراز

کے کام کو ایک لحظے میں میسر کر دے

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور اسی طرح یہ جو کہا گیا ہے کہ دائرہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے، تمام اسما و صفات و شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہنے میں آسان ہے لیکن طے کرنے میں مشکل ہے اس طے کی دشواری کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے کہ مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدَالْاٰبِدِیْنَ ''وصول کی منزلیں ابدالآباد تک کبھی ختم نہیں ہوتیں'' اور مشائخ نے ان مراتب کی سیر کے پورا ہونے کو ناممکن سمجھا ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

(پھر دو ڈھائی صفحات کے بعد) اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب ﷺ کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر بالفرض ایک قدم اس سیر میں اور بڑھائے تو عدم محض میں پڑے گا کیوں کہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اے فرزند! اس ماجرے سے تُو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ جال میں پھنس گیا:

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

کیوں کہ اس کے بعد بھی وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم ورراء الوراء ہے

ہنوز ایوانِ استغنا بلند ست
مرا فکرِ رسیدن ناپسند ست

وہ ورائیت حُجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے، کیوں کہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں بل کہ عظمت و کبریائی کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے کیوں کہ وہ حق سبحانہٗ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک سے ابعد ہے، ہاں بعض کامل مرادمندوں کو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں اور بارگاہ کا محرم بناتے ہیں فَعُوْمِلَ مَعَهُمْ مَاعُوْمِلَ مَعَهُمْ ''پس ان کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے وہ بیان سے باہر ہے''۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئتِ وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالمِ

امر کے مجموعے سے پیدا ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصرِ خاک ہے اور جو یہ کہا کہ لَیْسَ وَرَآءَہٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ ''اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں'' وہ اس لئے ہے کہ وجود خارجی اور وجودِ علمی کے مراتب تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس (وجود) کی نقیض ہے اور حق سبحانہٗ کی ذات اس وجود وعدم کے ماورا ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اس بارگاہ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہے اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبے میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

(تقریباً ایک صفحے کے بعد) جاننا چاہئے کہ عنصرِ خاک جس طرح مراتبِ عروج میں سب سے بالاتر ہو جاتا ہے اسی طرح منازلِ ہبوط میں وہ عنصر سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اور کیوں کر نیچے نہ آئے جب کہ اس کا طبعی مکان سب سے نیچے ہے اور چوں کہ سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اسی واسطے اس کے صاحب کی دعوت اتم ہوتی ہے اور اس کا افادہ اکمل ہوتا ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ جب طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہے جو عالمِ امر سے ہے تو بات کی ابتدا بھی عالمِ امر سے کی گئی برخلاف مشائخ کرام کے باقی طریقوں کے شروع میں تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور قالب (یعنی وجودِ عنصری) کو پاک فرماتے ہیں ازاں عالمِ امر میں آتے ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس میں عروج کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں مندرج ہے اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے کیوں کہ ان کو اس سیر کے ضمن میں تزکیہ وتطہیر بہت اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے اور مسافت کوتاہ ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے عالم خلق کی سیر کو قصداً ضائع اور بے کار ہی نہیں جانا بل کہ مطلب کے پانے میں مضر و مانع یقین کیا ہے، کیوں کہ (دوسرے) طریقوں کے سالکین مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالمِ امر کی سیر شروع کرتے ہیں اور انجذابِ قلبی اور التذاذِ روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان ان کو دامن گیر ہو جاتا ہے اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچونِ حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔

شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا

رہا اور دوسرے نے کہا کہ عرش کے اوپر استویٰ وظہورِ تنزیہ کا سرّ دقیق و مخفی معارف میں سے ہے۔
(پھر تقریباً ایک صفحے کے بعد فرماتے ہیں) اور یہ جو کہا ہے کہ یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہا ہے کہ محمدی المشرب کے سوا کسی ایک کا کمال درجاتِ ولایت میں سے اول درجے تک ہی محدود ہوتا ہے اور درجہ اول سے مراد مرتبۂ قلب ہے اور کسی دوسرے کا کمال درجاتِ ولایت میں سے دوسرے درجے یعنی مقام روح تک محدود ہوتا ہے اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ سرّ ہے اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ خفی ہے۔ درجۂ اول کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے اور درجۂ دوم کی مناسبت صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے اور درجۂ سوم کی مناسبت شیون واعتبارات ذاتیہ کے ساتھ، اور درجہ چہارم کو صفاتِ سلبیہ کے ساتھ جو تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے مناسبت ہے۔ اور درجاتِ ولایت میں سے ہر ایک درجہ انبیائے اولوالعزم میں سے ایک نبی کے قدم کے نیچے ہے۔

ولایت کا درجہ اول حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے اور ان کا رب (مبدءِ فیض) صفت التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے، اور درجۂ دوم حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور حضرت نوح علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں اور ان کا رب (مبدءِ فیض) صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں سے اجمع ہے، اور درجۂ سوم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے ان کا رب (مبدءِ فیض۔) مقامِ شیونات سے شان الکلام ہے، اور درجۂ چہارم حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے ان کا رب صفاتِ سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس و تنزیہ ہے نہ کہ صفاتِ ثبوتیہ سے، اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے۔ اور درجۂ پنجم حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے ان کا رب (مبدءِ فیض)، رب الارباب (مبدء جمیع فیوضات۔) ہے جو صفات و شیونات و تقدیسات و تنزیہات کا جامع اور ان کے کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبۂ شیونات و صفات میں اس ربِ جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے، کیوں کہ یہ شانِ عظیم الشان تمام کمالات کی جامع ہے، اسی مناسبت کے سبب سے آں حضرت ﷺ کی ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا۔

جاننا چاہئے کہ اقدامِ ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجات کے مقدم و مؤخر

ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے صاحب اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو جائے وعلیٰ ہذا القیاس بل کہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحبِ قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحبِ اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں افضل ہو، اور کیوں کر نہ ہو جب کہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجۂ اول ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو اخیری درجے میں ہے۔

(پھر تقریباً دس صفحات کے بعد فرماتے ہیں) اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور ان کے کمالات کی ولایت پر برتری اور ولایتِ سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ و ولایتِ کبریٰ و ولایتِ علیا کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب معارف اور ہر ایک کے متعلق مواقع کا بیان اس لئے طول طویل کیا ہے اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس واسطے بیان کئے گئے ہیں تاکہ نہایت عجیب وغریب ہونے کے سبب لوگوں کی سمجھ میں آ سکیں اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے۔ یہ علوم کشفی اور بدیہی ہیں نہ کہ استدلالی اور نظری، اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر تنبیہ اور عوام کی فہموں کے قریب لانے کے لئے ہے، بل کہ خواص کے سمجھنے کے لئے وضاحت اور تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقے کا بیان ہے جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے، اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے، اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا یعنی بخارا و سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمین ہند (سرہند) میں بویا جس کا خمیر مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ کی خاک سے ہے اور فضل کی پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی پرورش کی جب وہ کھیتی کمال تک پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ ’’اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں‘‘

جاننا چاہئے کہ اس طریقہ عالیہ کا سلوک ایسے شیخ مقتدا کی محبت کے رابطے پر وابستہ ہے جس نے سیرِ مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو اور قوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو اس کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی مرضوں کو دور کرتی ہے، ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانے کا خلیفہ ہے، اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال

میں خوش ہیں اور ادنا دو نجباس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرے پر قناعت کئے بیٹھے ہیں، اس کی ہدایت کا نور اس کے ارادہ و خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح سب لوگوں پر چمکتا ہے پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو، کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی، اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلے سے راہِ راست پر آجائیں اس بات کو جان لیں، بل کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کے اصل کو بھی کماحقہ نہیں جانتے حال آں کہ وہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں کیوں کہ علم سب کو نہیں دیتے اور مقاماتِ کی سیر کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر وصول کے طریقوں میں سے کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے بے شک وہ صاحب علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبۂ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں:

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

ہماری اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے، مرید محبت کے رابطے سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طریق پر اس کے انوار سے منور ہوتا جاتا ہے اس صورت میں افادے اور استفادے کے لئے علم کی کیا ضرورت ہے۔(۱)

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کا نظریۂ وحدۃ الشہود

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کے مدارج ارتقائے سلوک

میرے مخدوم! یہ فقیر بچپن سے توحیدِ وجودی والے حضرات کے مشرب پر تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز بھی بہ ظاہر اسی مشرب پر تھے اور باطن میں پوری پوری نگرانی حال ہونے کے باوجود جو مرتبۂ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے ہمیشہ اسی طریق پر مشغولیت رکھتے رہے اور اس مضمون کے مصداق کہ فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے فقیر کو اس مشرب سے بہ لحاظِ علم بہت زیادہ حصہ

۱۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۰۔ جذب و سلوک و ولایت سہ گانہ وغیرہ کی مزید تشریح کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۸۷، ۳۰۲۔ اور علم الیقین و عین الیقین وغیرہ کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۷ اور دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۔ اور قطب وقطب الاقطاب وغیرہ کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اور بڑی لذت حاصل تھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد و ہدایت کی پناہ والے حقائق و معارف کے جاننے والے پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولا و قبلہ حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کی خدمت میں رسائی نصیب کی اور انہوں نے فقیر کو طریقۂ نقشبندیہ تعلیم فرمایا اور اس مسکین کے حالِ زار پر بڑی توجہ فرمائی، اس طریقۂ علیہ کی مشق کے بعد تھوڑی مدت میں توحیدِ وجودی منکشف ہوگئی اور اس کشف میں حد سے بڑھ کر زیادتی پیدا ہوئی اور اس مقام کے علوم و معارف بہ کثرت ظاہر ہوئے اور اس مرتبہ کے دقائق میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جس کو فقیر پر منکشف نہ کیا ہو۔ (اسی مکتوب میں ذرا آگے فرماتے ہیں)۔

اور یہ حال بہت مدت تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک نوبت پہنچ گئی ناگاہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایتِ بے غایت غیب کے جھروکوں سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر ہوئی اور اس پردے کو جو بیچونی و بیچگونی کے چہرہ کو ڈھانپے ہوئے تھا اتار پھینکا اور سابقہ علوم جو اتحاد اور وحدتِ وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ و سریان و قرب و معیتِ ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئے تھے پوشیدہ ہوگئے اور یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صانعِ عالم کو عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے، حق تعالیٰ کا احاطہ اور قرب علمی ہے جیسا کہ اہلِ حق شکر اللہ سعیہم کے نزدیک ثابت و مقرر ہے، حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب سے بلند شان والا اور پاک ہے اور عالم عالم ہے (اسی میں کچھ اور آگے فرماتے ہیں)۔

پس بہتر وہی ہے جو علمائے اہل سنت و جماعت نے بیان کیا ہے کہ قرب و احاطہ علمی ہے اور توحیدِ وجودی کے مشرب کے مخالف علوم و معارف کے حاصل ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار ہوا، کیوں کہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ امر نہیں جانتا تھا اور عاجزی و زاری سے دعا کیا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو، یہاں تک کہ سارے حجاب سامنے سے زائل ہوگئے اور حقیقت کماھٗ منکشف ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہورات کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسا کہ توحیدِ وجودی والوں کا مذہب ہے'' (۱)

ایک دوسرے مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں: ''معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کچھ مدت تک توحیدِ وجودی والوں کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں بھی اس کو ظاہر فرماتے تھے لیکن آخر کار حق تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۱۔

اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈال دیا اور اس معرفت کی تنگی سے خلاصی بخشی۔ میاں عبدالحق جو حضرت قدس سرہٗ کے مخلص یاروں میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ مرضِ موت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ توحیدِ وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہے اس سے پہلے بھی جانتا تو تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہوا ہے۔ اور یہ فقیر بھی کچھ مدت تک حضرت قدس سرہٗ کی درگاہ میں توحید (وجودی) کا مشرب رکھتا تھا اور اس طریق کی تائید میں مقدماتِ کشفیہ بہت ظاہر ہوئے تھے لیکن خدائے تعالیٰ کی عنایت نے اس مقام سے گزار کر جس مقام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا۔(۱)

فنا و بقا و کمالاتِ ولایت کے لئے توحیدِ شہودی درکار ہے توحید وجودی نہیں

اول جس شخص نے توحیدِ وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدینؒ ابن عربی ہیں، اس سے پہلے کے مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن توحیدِ شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں کیوں کہ جب وہ حق جل شانہ کے غیر کو نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ ''میرے جبے میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں'' اور بعض سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ ''میں سبحان ہوں میری شان بلند ہے'' پکار اٹھتے ہیں، اور بعض لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّارٌ ''گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے'' کی آواز لگاتے ہیں، یہ سب پھول ایک ہی ''یک بنی'' کی شاخ سے کھلتے ہیں۔ ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت بھی وحدتِ وجود پر دلالت نہیں کرتی اور جس شخص نے مسئلہ وحدت وجود کو ابواب و فصول میں لکھا ہے اور صرف و نحو کی طرح اس کو تالیف کیا ہے وہ شیخ محی الدینؒ ہی ہیں اس مسئلے کے بعض علوم و معارف کو اپنے ساتھ مخصوص و منسوب کیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا ہے کہ خاتم النبوت بعض علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اور خاتمِ ولایتِ محمدی اپنے آپ کو جانتا ہے اور اس کے شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کوئی چیز لے لے تو کیا نقصان ہے۔

غرض فنا و بقا اور کمالاتِ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ کے حصول کے لئے توحیدِ وجودی بالکل درکار نہیں ہے توحیدِ شہودی حاصل ہونی چاہئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوی اللہ کا نسیان حاصل ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ سالک ابتدا سے انتہا تک سیر کر جائے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف میں سے سب کچھ بھی اس پر ظاہر نہ ہو بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کا انکار کر دے۔ فقیر کے نزدیک

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۴۳

وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستے سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور پر مشتمل ہے اور نیز اس راہ (توحید شہودی) کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچتے ہیں اور اس راہ (توحید وجودی) کے چلنے والے اکثر راستہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا سے قطرے کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں اور ظل کے اصل کے ساتھ اتحاد کے وہم میں گرفتار رہتے ہیں اور اصل سے محروم ہو جاتے ہیں، اور یہ حقیقت اس فقیر نے تجربات سے معلوم کی ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ

اور فقیر (خود بہ نفسِ نفیس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کو اگر چہ راہِ ثانی (یعنی توحید وجودی کی راہ) سے سیر و سلوک میسر ہوا ہے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عنایت اس فقیر کے شاملِ حال تھی اور فقیر کی سیر محبوبی تھی اس لئے راستہ کے جنگلوں اور صحراؤں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کرادیا اور کمال مہربانی سے ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچا دیا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ دوسرا راستہ (یعنی توحید شہودی کی راہ) وصول کے زیادہ قریب اور حصول کے لئے زیادہ آسان ہے۔ (۱)

فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں

فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں کیوں کہ بندہ (کا وجود) ناچیز (فنا) نہیں ہوتا اور نہ ہی حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوتا ہے بندہ ہمیشہ بندہ ہے اور خدا ہمیشہ خدا ہے وہ لوگ زندیق ہیں جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے وجودی تعینات کو رفع کر کے اپنی اصل کے ساتھ جو کہ تعینات و قیود سے پاک ہے متحد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ سے فانی ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے جس طرح سے قطرہ اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا سے مل جاتا ہے اور اپنی قید کو رفع کر کے مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہُ عَنْ مُعْتَقِدَاتِهِمُ السُّوْءِ ''اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے برے عقائد سے بچائے'' فنا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ماسوی اللہ کو بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری اور تعلق باقی نہ رہے اور سینہ و دل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک و صاف ہو جائے جیسا کہ مقام بندگی کے مناسب ہے اور مقامِ بقا کی مناسب یہ ہے کہ انفسی آیات کے مشاہدہ کے بعد بندہ اپنے مولا جل شانہٗ کی مرادوں پر قائم

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۷۲۔

رہے اور حق تعالیٰ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں معلوم کرے۔(۱)

توحیدِ وجودی وشہودی کے مراتب

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بعض حضرات کے لئے توحید وجودی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ توحید کے مراقبات کی کثرت سے مشق کرتے ہیں اور کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے معنیٰ وَلا مَوجُودَ اِلَّا اللہُ سمجھتے ہیں، اس قسم کی توحید حیلہ سازی وتامل وتخیل کے بعد سلطانِ خیال کے غلبے و ذریعے سے ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ توحید کے معنی کی بہ کثرت مشق کرنے سے اس معرفت کا نقش قوتِ متخیلہ میں بندھ جاتا ہے چونکہ یہ توحید اس صاحب توحید کی اپنی بنائی ہوئی ہے اس لئے علت سے خالی نہیں ہے، اس توحید والا شخص اربابِ احوال میں سے نہیں ہے کیوں کہ اربابِ احوال وہ لوگ ہیں جو اربابِ قلوب ہیں اور اس توحید والے کو ابھی مقامِ قلب کی کچھ خبر نہیں ہے یہ توحید علمی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں (یعنی حالی نہیں) لیکن علم کے بھی کئی درجے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔

بعض کے لئے توحیدِ وجودی کا منشا قلبی محبت وانجذاب ہوتا ہے، کیوں کہ وہ لوگ ابتدا میں ان اذکار ومراقبات میں مشغول ہوتے ہیں جو توحید کے معنی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں اور پھر اپنی محنت وکوشش سے یا صرف عنایتِ ازلی سے مقامِ قلب تک پہنچتے ہیں اور جذب پیدا کرتے ہیں اگر اس مقام میں ان پر توحیدِ وجودی کا جمال ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا کہ جس نے محبوب کے ماسویٰ کو ان کی نظر سے مخفی وپوشیدہ کر دیا ہے اور چوں کہ وہ ماسوائے محبوب کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہیں اس لئے محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے۔ اس قسم کی توحید احوال سے ہے اور تخیل کی علت اور توہم کی آمیزش سے پاک ومبرا ہے اور اگر اس قسم کے اربابِ قلوب کو اس مقام سے عالم کی طرف واپس لے آئیں تو وہ لوگ اپنے محبوب کو ذراتِ عالم میں سے ہر ذرے میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن وجمال کے آئینے اور مظاہر سمجھتے ہیں اور اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے یہ اربابِ قلوب مقامِ قلب سے نکل کر مقلبِ قلب (حق جل وعلا) کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ توحیدی معرفت جو ان کو مقامِ قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگتی ہے اور جس قدر وہ عروج کی بلندیوں میں ترقی کرتے جاتے ہیں

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۹۹

اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ اسی قدر زیادہ نامناسب پاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن وانکار کی حد تک پہنچ جاتے ہیں مثل رکن الدین ابوالمکارم شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کے اور بعض دوسرے حضرات کو اس معرفت کے زائل ہونے کے بعد اس معرفت کی نفی کرنے یا ثابت کرنے سے کچھ کام نہیں رہتا۔

ان سطور کا کاتب اس معرفت والوں کے انکار سے اجتناب کرتا ہے اور ان کو طعن کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے انکار وطعن کی مجال اس وقت ہوتی ہے جب کہ اس حال کے ظہور میں اس حال والوں کا اپنا قصد واختیار ہو، ان کے ارادے کے بغیر یہ معنی ان سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لئے معذور ہیں اور معذور ومضطر پر کوئی ردّ وطعن کی گنجائش نہیں ہے لیکن (اس کے باوجود) اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر ایک اور معرفت ہے اور اس حال سے آگے ایک دوسری حالت ثابت ہے اس مقام پر رکے ہوئے حضرات بہت سے کمالات سے رکے ہوئے ہیں اور بے شمار مقامات سے محروم ہیں۔

(چند سطور کے بعد) ارباب توحید میں سے ایک گروہ کے لوگ وہ ہیں جو اپنے مشہود میں استہلاک (نیستی) واضمحلال (فنائیت) کامل طور پر پیدا کر لیتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنے مشہود میں مضمحل ومعدوم رہیں اور ان کے وجود سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو، یہ لوگ اپنے اوپر کلمۂ انا (میں) کے رجوع کو کفر جانتے ہیں اور ان کے نزدیک کام کی انتہا فنا ونیستی ہے مشاہدے کو بھی گرفتاری جانتے ہیں ان میں سے بعض فرماتے ہیں اَشْتَهِیْ عَدَماً لَا اَعُوْدُ اَبَدًا میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز جس کا وجود نہ ہو یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں اور حدیث قدسی مَنْ قَتَلْتُهٗ فَاَنَا دِیَتُهٗ "جس کو میں قتل کروں میں ہی اس کا خون بہا ہوں" انہی کی شان میں ثابت ہے، یہ لوگ ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں اور ایک لمحے بھی آرام نہیں پاتے، کیوں کہ آرام غفلت میں ہوتا ہے، دائمی فنائیت کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہے، شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ کو ایک ساعت کے لئے حق تعالیٰ سے غافل کر دے امید ہے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ اور وجودِ بشریت کے لئے غفلت درکار ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو ان کی استعداد کے موافق ان امور میں جو غفلت کو ملتزم ہیں مشغول کر دیا ہے تاکہ وہ وجود کا بوجھ ان سے کچھ ہلکا ہو جائے ایک جماعت کو سماع ورقص کی الفت دے دی ہے اور ایک گروہ کو کتابوں کی تصنیف اور علوم ومعارف کی تحریر میں لگا دیا ہے اور کسی گروہ کو بعض

مباح امور میں مشغول کر دیا ہے۔ عبداللہ اصطخری سگ بانوں کے ہم راہ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے کسی شخص نے ایک بزرگ سے اس کا راز دریافت کیا تو اس بزرگ نے فرمایا اس لئے تا کہ اس کا نفس کچھ وقت کے لئے بارِ وجود سے خلاص ہو جائے اور بعض کو توحیدِ وجودی کے علوم اور وحدت میں کثرت کے مشاہدے سے آرام دیا تا کہ اس بار سے ایک ساعت کے لئے آرام پالیں۔

اور وہ توحید جو مشائخِ نقشبندیہ قدس سرہم میں سے بعض بزرگوں سے ظاہر ہوئی ہے اسی قسم کی ہے، ان بزرگوں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف لے جاتی ہے وہ عالم اور شہود در عالم سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، وہ معارف جو ارشاد پناہی حقائق و معارف دستگاہی ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہٗ نے توحیدِ وجودی اور کثرت میں وحدت کے شہود کے مناسب لکھے ہیں توحید کی اسی اخیر قسم سے ہیں ان کی کتاب فقرات جو بعض علومِ توحید وغیرہ پر مشتمل ہے، اس کتاب کے علوم کا منشا اور ان معارف کا مقصود ان کا عالم کے ساتھ انس والفت ہے اور ہمارے خواجہ قدس سرہٗ کے معارف جو بعض رسالوں میں کتاب فقرات کے کلام کے مطابق لکھے گئے ہیں اسی قسم سے ہیں ان علومِ توحید کا منشا نہ جذبہ ہے اور نہ غلبۂ محبت اور ان کے مشہود کو عالم کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے ان کو جو کچھ عالم میں کھاتے ہیں اور ان کے مشہودِ حقیقی کا شبہ و مثال ہے۔...... توحید کی یہ اخیر قسم توحید کی تمام اقسام سے اعلیٰ ہے بل کہ حقیقت میں اس معرفت والے حضرات اس وارد و حال کے مغلوب نہیں ہیں اور ان کا سکر اس معرفت کے باعث نہیں ہوا ہے بل کہ اس حال کو اس پر کسی مصلحت کے لئے لائے ہیں اور چاہا ہے کہ اس معرفت کے وسیلے سے ان کو سکر سے صحو میں لائیں اور تسلی دیں جیسا کہ بعض کو سماع و رقص سے اور بعض کو بعض امورِ مباحہ کے اشتغال سے تسلی دی ہے۔(۱)

فنا فی اللہ و بقا باللہ کی حقیقت

فنا و بقا سے کہ جس کے حاصل ہونے کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے صرف یہی یقین مقصود ہے اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کچھ اور معنی ایسے مراد لیں جن سے حق تعالیٰ کا مخلوق میں حلول کرنے کا وہم پڑتا ہو تو البتہ یہ عین الحاد و زندقہ ہے۔ غلبۂ حال اور سکر کی حالت میں بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں کہ آخر ان سے گزر جانا اور توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ ابراہیم بن شیبان جو کہ مشائخ طبقات قدس سرہم میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ فنا و بقا کا علم اخلاص وحدانیت اور صحتِ عبودیت (خالص توحید اور صحیح بندگی) کی گرد پھرتا ہے اور اس کے سوا مغالطہ و زندقہ ہے اور حق یہ ہے کہ وہ کچ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۹۱

فرماتے ہیں اور یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے۔ فنا فی اللہ سے مراد حق تعالیٰ کی مرضیات (رضامندیوں) میں فانی ہونا ہے اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ وغیرہما بھی اسی قیاس پر ہیں۔(۱)

ابن عربی مقبولین میں سے ہیں لیکن ان کے جو علوم اہلِ حق کے مخالف ہیں وہ غلط و مضر ہیں

عجیب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبولین میں سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہلِ حق کی آرا کے خلاف ہیں خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں، شاید ان کو خطائے کشفی کے باعث معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت ان سے دور کردی گئی ہے۔ شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا خاص اعتقاد یہی ہے کہ ان کو مقبولین میں سے جانتا ہے اور ان کے ان علوم کو جو اہلِ حق کے مخالف ہیں خطا اور ضرر رساں دیکھتا ہے، اس گروہ (صوفیہ) کے بعض لوگ ایسے ہیں کہ شیخ (موصوف) کو بھی طعن ملامت کرتے ہیں اور ان کے علوم مخالفہ کو بھی غلط اور نادرست سمجھتے ہیں اور اس گروہ کے بعض لوگ شیخ (موصوف) کی تقلید اختیار کرکے ان کے تمام علوم کو درست جانتے ہیں اور دلائل و شواہد سے ان علوم کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ہر دو فریق نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے اور میانہ روی سے دور رہ گئے ہیں۔ شیخ (موصوف) کو جو کہ مقبول اولیا میں سے ہیں خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کردیا جائے اور ان کے علوم کو جو کہ صحت سے دور ہیں اور اہلِ حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے پس حق یہی میانہ روی ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بخشی ہے۔

ہاں مسئلہ وحدت وجود میں سے اس گروہ (صوفیہ) کی ایک بڑی جماعت شیخ کے ساتھ شریک ہے اگرچہ شیخ (موصوف) اس مسئلے میں بھی ایک خاص طرز رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں وہ لوگ (شیخ کے ساتھ) شریک ہیں، یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہر میں اہلِ حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجہ کے قابل اور تطبیق دینے کے لائق ہے۔ اس فقیر نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت سے ہمارے حضرتِ اقدس (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی شرح رباعیات کی شرح (۱۔ یہ کتاب مع اردو ترجمہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے نہایت صحت سے طبع کرا کر شائع کی ہے۔) میں اس

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۹۷

مسئلہ کو اہلِ حق کے عقائد کے ساتھ تطبیق دی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف پھیرا ہے (یعنی نزاعِ لفظی ثابت کیا ہے) اور طرفین کے شکوک وشبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔ (۱)

مسئلہ توحید کی اکثر تحقیقات میں شیخ محی الدین ابن عربی حق پر ہیں

شاید یہ مسئلہ توحید متقدمینِ صوفیہ میں اچھی طرح صاف اور واضح نہیں ہوا تھا ان میں جو کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا اس سے اس قسم کے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبۂ سکر کے باعث وہ اس سرّ کو نہ پا سکتا تھا اور ان عبارتوں کے ظاہر کو حلول واتحاد کی آمیزش سے پھیر نہ سکتا تھا اور جب شیخ بزرگ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ تک نوبت پہنچی تو انہوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کی تشریح فرمائی اور ابواب وفصول میں ترتیب دے کر صرف ونحو کی طرح مدوّن فرمایا اس کے باوجود اس طائفہ کے بعض لوگوں نے شیخ موصوف کی مراد کو نہ سمجھنے کے باعث ان کو غلطی پر کہا اور ان پر طعن وملامت کی۔ اس مسئلے کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے لوگ حق بات سے دور ہیں، شیخ کی بزرگی اور ان کے علم کی زیادتی اس مسئلے کی تحقیق سے (جو شیخ نے کی ہے) معلوم کرنی چاہئے اور ان پر ردوطعن نہیں کرنا چاہئے، اس مسئلہ پر جس قدر غور وبحث کی جاتی ہے متاخرین کے مختلف فکروں کے ملنے سے زیادہ واضح وصاف ہوتا جاتا ہے اور حلول واتحاد کے شبہات سے دورتر ہوتا جاتا ہے۔ (۲)

خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے لیکن غیر کے لئے حجت نہیں

حاصل کلام یہ ہے کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ ملامت وعتاب اس سے دور کر دیا گیا ہے (یعنی اس پر ملامت وعتاب نہیں ہوگا) بل کہ ثواب کے درجات میں سے ایک درجہ ثواب اس کے حق میں ثابت ہے، البتہ (ان دونوں میں) اس قدر فرق ہے کہ مجتہد کی تقلید کرنے والے لوگ بھی (حصولِ ثواب کے بارے میں) مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور مجتہد کے خطا پر ہونے کی صورت میں بھی ثواب کے درجات میں سے ایک درجہ ثواب پا لیتے ہیں بخلاف اہلِ کشف کے مقلدین کے کہ وہ معذور نہیں ہیں اور کشف میں خطا ہو جانے کی صورت میں ثواب کے درجہ سے محروم ہیں، کیوں کہ الہام اور کشف غیر پر حجت نہیں ہیں اور مجتہد کا قول غیر پر حجت ہے

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۶ ۲۔ دفتر سوم: مکتوب ۸۹

پس پہلی (اہلِ کشف) کی تقلید خطا کے احتمال کی بنا پر جائز نہیں ہے اور دوسری (مجتہد کی) تقلید خطا کے احتمال کی بنا پر جائز بل کہ واجب ہے۔(۱)

صوفیۂ وجودیہ اور علما کا نزاع محض لفظی ہے

جاننا چاہیے کہ صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدتِ وجود کے قائل ہیں اور اشیا کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم کرتے ہیں ان کی مراد یہ نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ بن گیا ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بے چون (بے مثل) چون (مثل) میں آ گیا ہے، کیوں کہ یہ سب کفر و الحاد اور گمراہی و زندقہ ہے وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت اور نہ تنزل ہے نہ تشبیہ، اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی جیسا کہ پہلے تھا پس وہ ایسی پاک ذات ہے جو کائنات و موجودات کے حدوث (نئے پیدا ہونے) سے اپنی ذات و صفات و اسما میں متغیر نہیں ہوتا، حق تعالیٰ اپنی اسی مطلقِ محض ہونے کی صفت پر ہے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف مائل نہیں ہوا بل کہ ہمہ اوست کی معنی یہ ہیں اشیا نیست (معدوم) ہیں اور موجود وہی ذاتِ تعالیٰ و تقدس ہے منصور نے جو انا الحق کہا تو اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں، کیوں کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے بل کہ اس کے قول کے معنی یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق تعالیٰ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیہ اشیا کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور کسی قسم کی تنزل کی آمیزش اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر حق تعالیٰ کے اسما و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں جس طرح اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے ظل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بل کہ وہ شخص اپنی خالص اصالت پر ہے اور ظل اس سے کسی تنزل و تغیر کی آمیزش کے بغیر وجود میں آیا ہے البتہ بعض اوقات ان لوگوں کی نظر سے جنھوں نے اس شخص سے کمال درجے کی محبت پیدا کر لی ہے اس کمال محبت کے باعث سایہ کا وجود پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس شخص کے سوا ان کو کچھ مشہود نہیں ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت یہ کہہ دیں کہ ظل عین شخص ہے یعنی ظل معدوم ہے اور موجود وہی شخص ہے اور بس، اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ اشیا صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کا عین، پس اشیا حق تعالیٰ سے ہوں گی نہ کہ حق تعالیٰ ہوں گی۔ پس ان کے کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۱

از دست ہوں گے جو علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں اور علمائے کرام و صوفیۂ عظام اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کی کثرت فرمائے، کے درمیان حقیقت میں کوئی نزاع ثابت نہیں ہوگا اور ہر دو اقوال کا انجام ایک ہی ہوگا صرف اس قدر فرق ہے کہ صوفیہ اشیا کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علما اس لفظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں تاکہ حلول و اتحاد کا وہم پیدا ہونے کے مواقع سے بچیں۔ (۱)

نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو

بعض مشائخ نے سکر کی حالت میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کی فضیلت کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیوں کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں سینے کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کر سکتے اور نبوت میں کمال شرح صدر حاصل ہونے کے باعث نہ تو حق تعالیٰ کی طرف توجہ خلق کی توجہ کی مانع ہوتی ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی مانع ہے۔ نبوت میں صرف خلق ہی کی طرف توجہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ولایت کو جس میں کہ صرف حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اس پر ترجیح دیں العیاذ باللہ۔ صرف خلق کی طرف توجہ ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے، اس حقیقت کا سمجھنا اہلِ سکر کے لئے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال (اہلِ صحو) مشائخ اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔ (۲)

اور جنہوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے وہ اہلِ سکر اور ایسے اولیا اللہ ہیں جن کو کمالِ عروج کے بعد رجوع الی الخلق حاصل نہیں ہوا، کیوں کہ ان کو کمالاتِ نبوت سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ اور آپ کی نظر سے گزرا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے برخلاف کہا وہ مقامِ نبوت کے کمالات سے ناواقف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ (۳)

کمالاتِ ولایت کا درجہ کمالاتِ نبوت سے بہت کم ہے

کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کمالاتِ ولایت کی کچھ مقدار نہیں، آفتاب کے مقابلے میں

۱۔ دفتر دوم: مکتوب ۴۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۰۸

۳۔ دفتر اول: مکتوب ۲۵۱

ذرے کی کیا مقدار ہے، سبحان اللہ! بعض لوگ کج بنی سے ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں اور شریعت کو جولبّ لباب ہے پوست سمجھتے ہیں بیچارے کیا کریں ان کی نظر شریعت کی صورت تک ہی محدود ہے اور پوست کے سوا مغز کا کچھ بھی حصہ ان کے ہاتھ نہیں آیا۔ (۱)

اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا کے کمالات سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبح و مثال کی طرح ہیں اور روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا طے کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے، پس قیاس کرنا چاہئے کہ ان سب کمالات کو تمام سابقہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی، دریائے محیط کو بھی قطرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے مگر ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقامِ نبوت کو مقامِ ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے، سبحان اللہ ایک جاہل اس راز کے متعلق کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا اس معاملے سے واقف نہ ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ''اُف کس قدر خطرناک بات ان کے منہ سے نکلتی ہے'' (۲)

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کمالاتِ نبوت دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور کمالاتِ ولایت ان کے مقابلے میں ایک قطرے کا حکم رکھتے ہیں لیکن کیا کریں جن لوگوں کو کمالاتِ نبوت تک رسائی نہیں ہے انہوں نے کہا ہے اَلْوَلَایَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ ''یعنی ولایت نبوت سے افضل ہے'' اور ایک جماعت نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر غائب پر حکم کیا ہے صحو پر سکر کو ترجیح دینے کے حکم بھی اسی حکم کے قریب ہے اگر صحو کی حقیقت کو جانتے تو ہرگز سکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

شاید ان لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سکر کو اس پر ترجیح دی ہے کاش کہ خواص کے سکر کو بھی عوام کے سکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم میں جرأت نہ کرتے، کیوں کہ علما کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو سکر سے بہتر ہے اگر صحو و سکر مجازی ہے تب بھی یہ حکم ثابت

۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۴۶ ۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۲۶۰

ہے اور اگر حقیقی ہے تب بھی یہ حکم ثابت ہے، ولایت کو نبوت سے افضل کہنے اور سکر کو صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہے جیسے کوئی کفر کو اسلام پر ترجیح دے اور جہل کو علم سے بہتر جانے، کیوں کہ کفر و جہل مقامِ ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبہ نبوت کے مناسب ہے۔(۱)

حصولِ کمالاتِ نبوت کے دو راستے

حمد و صلوٰۃ کے بعد فرزندی مولانا امان اللہ کو معلوم ہو کہ نبوت سے مراد وہ قربِ الٰہی ہے جس میں ظلیت کی کچھ بھی آمیزش نہیں ہے اس قرب کا عروج حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھتا ہے اور اس کا نزول خلق کی طرف، یہ قرب بالاصالت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور یہ منصب انہی بزرگوار کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منصبِ نبوت حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تبعین اور خادموں کو اپنے مالکوں کی دولت اور پس خوردہ سے حاصل ہوتا ہے، پس انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قرب سے ان کے کامل **تبعین کو** بھی حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف و کمالات **وراثت کے طریق پر** بھی کامل تبعین کو نصیب ہوتے ہیں:

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

پس آں حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے **بعد آپ کے تبعین کو معیت** و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ کی خاتمیت **کے منافی نہیں ہے فلا تکونن من الممترین** پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ راستے جو کمالاتِ نبوت کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں: ایک وہ راستہ ہے جو مقامِ ولایت کے مفصل کمالات کے طے کرنے پر موقوف ہے اور ان تجلیاتِ ظلیہ اور معارفِ سکریہ کے حاصل ہونے پر وابستہ ہے جو مرتبہ ولایت کے قرب کے مناسب ہیں، ان کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالاتِ نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے اس مقام میں اصل کی طرف وصول ہوتا ہے اور ظلیت کی طرف التفات کرنا گناہ ہے۔ اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ولایت کے ان کمالات کے حصول کے بغیر کمالاتِ نبوت تک وصول (پہنچنا) میسر ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۶۸

کمالاتِ نبوت تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو بھی ان انبیائے کرامؑ کی تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت تک پہنچے ہیں وہ سب اسی راستے سے پہنچے ہیں اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ اور پہلا راستہ بہت دور دراز ہے اور اس کا حاصل ہونا دشوار اور اس کا حصول محال ہے الیٰ آخرہ۔ (۱)

ہمہ اوست سے مراد ہمہ از وست ہے

جاننا چاہئے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ صوفیہ جو کلامِ ہمہ اوست کے قائل ہیں عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے بل کہ ظہور و ظلّیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں وجود و تحقق (ثبوت) کے اعتبار سے نہیں اگر چہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحادِ وجود کا وہم گزرتا ہے لیکن ان کی یہ مراد ہرگز بھی نہیں ہے، کیوں کہ یہ کفر و الحاد ہے اور جب ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ظہور کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے تو ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہیں، کیوں کہ کسی چیز کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے اور اگر چہ یہ حضرات غلبۂ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن حقیقت میں اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ از وست ہے، پس (اس بیان کے موافق) ان کے کلام پر اعتراض کرنے اور اس کلام کے کہنے والوں کو کافر و گمراہ کہنے کی کوئی مجال نہیں رہی۔ (۲)

حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے نزدیک مختار ہمہ از وست ہے

پس حق تعالیٰ کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا اور ہمہ اوست کہنا بڑی بے ادبی اور کمال درجہ کی دلیری ہی لیکن چوں کہ وہ سُکرِ حال کے غلبے میں کہا گیا ہے اس لئے اس قدر مذموم نہیں ہے اور اسی طرح دوسری توجیہ کے موافق اپنے مشہود کو عین حق تعالیٰ جاننا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا بھی بے ادبی بل کہ خلافِ واقع ہے، کیوں کہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ کے کمالات کا ظل ہے حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے نیز جو کچھ مشہود ہے نفی کے لائق ہے پس وہ حق تعالیٰ نہ ہوا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''جو کچھ دیکھا اور سنا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے کلمۂ لَا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے''۔ اور اس مسئلے میں جو کچھ اس حقیر کے نزدیک مختار اور شانِ تقدس و تنزیہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از وست کی

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۳۰۱

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۸۹

عبارت ہے صرف اس معنی کے لحاظ سے نہیں جس پر علمائے ظاہر کفایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کا صدور و خلق اسی سے ہے، کیوں کہ یہ خود صادق و درست ہے اس کے باوجود یہاں ایک اور تعلق و نسبت بھی ہے جس کی طرف علما نے ہدایت نہیں پائی اور صوفیۂ کرام اس کی حصول کے ساتھ ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت وظلّیت کا باہمی رابطہ ہے یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وہ واجب کے وجود سے پیدا ہے اور اسی ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود کا پرتو ہے علم وقدرت وارادہ وغیرہ بھی اسی قیاس پر ہیں پس صوفیہ کے مطابق عالم حق تعالیٰ سے صادر بھی ہے اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے منزہ کمالات سے پیدا ہے مثلاً جو وجود کہ ممکن کو دیا گیا ہے وہ ایسا امر نہیں ہے کہ خود بہ خود ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو بل کہ وہ وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے ظل کا پرتو ہے اور اسی طرح حیات وعلم وغیرہ جو ممکن کو بخشے گئے ہیں اس قسم کے امور نہیں ہیں کہ انہوں نے صانعِ تعالیٰ سے مستقل ثبوت پیدا کر لیا ہے بل کہ ان کا صدور حق تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے باوجود یہ سب حق تعالیٰ کے کمالات کے ظلال اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں۔ اصالت وظلیت کا یہی ارتباط ہے جس کی طرف صوفیہ نے ہدایت پائی ہے اور صوفیہ کی معاملے کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور ان کو فنا و بقا تک پہنچا کر ولایتِ خاصہ کے ساتھ متحقق کر دیا ہے اور چوں کہ علمائے ظاہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی اس لئے فنا و بقا سے بہرہ مند اور ولایتِ خاصہ کے ساتھ ممتاز نہیں ہوئے۔(۱)

۱۔ دفتر سوم: مکتوب ۸۹

چوں کہ مسئلہ توحیدِ وجودی وشہودی اکابر صوفہ میں مختلف فیہ رہا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توضیح وتنقیح کے بعد بھی تاحال اس بارے میں اختلافِ مسالک اس درجے تک پایا جاتا ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی اپنے مسلک کی خلاف اکابر پر طعن واعتراض کرتے ہیں، اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رئیس المحدثین رأس الفقہا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کے فتاویٰ عزیزی سے چند اقتباسات درج کر دیے جائیں، جن میں اس مسئلے کے متعلق عامۃ المسلمین کو نہایت مفید وصائب مشورے سے نوازا گیا ہے۔(مؤلف)

پس ہم لوگوں کو جو کہ اس اختلاف کے بعد ہوئے ہیں کسی ایک جانب پر جزم ویقین نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا ہمارے لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ جس طرح ہم فقہائے اربعہ کے مذاہب میں حق کو دائر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثلاً حنفی مذہب درست ہے لیکن اس میں خطا کا بھی احتمال ہے (یعنی صواب متحمل بہ خطا ہے) اور اس کے علاوہ دوسرے فقہا مثل امام شافعی ومالکی کے مذاہب (احناف کے نزدیک) خطا ہیں لیکن ان میں درست ہونے کا بھی احتمال ہے (یعنی خطا محتمل بہ صواب) اسی طرح ان دونوں مذہبوں یعنی توحیدِ وجودی وتوحیدِ شہودی (باقی اگلے صفحے پر)

(حاشیہ از صفحہ گزشتہ) کے بارے میں ایک دلیل سے ایک جانب کے راجح ہونے کے پیش نظر دوسری جانب کو ضلال اور گمراہی نہیں سمجھنا چاہئے، کیوں کہ اس سے علما و مشائخ کی ایک کثیر جماعت کی تضلیل و تکفیر لازم آتی ہے الیٰ قولہ، حاصل کلام یہ ہے کہ یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جیسا کہ سُنّی اور رافضی و خارجی کے درمیان ہے جو کہ ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر کا موجب ہے بل کہ یہ اختلاف فقہائے اہلِ سنت کے مذاہبِ اربعہ کی مانند ہے۔
ہاں یہ اعتقاد یعنی اعتقادِ توحیدِ وجودی عقائدِ اسلام کی ضروریات میں داخل نہیں ہے اگر کوئی شخص اس توحید وجودی کا معتقد نہ ہو اور اس کے متعلق وہ کچھ بھی نہ جانتا ہو تو اس کے اسلام میں کوئی نقص نہیں ہے لیکن جو اولیا اللہ توحیدِ وجودی کے قائل گزرے ہیں ان کی تحقیر و اہانت و تکفیر و تضلیل نہیں کرنی چاہئے اور عوام الناس کے حق میں اولیٰ یہ ہے کہ اس کی نفی یا اثبات کرنے سے سکوت اختیار کریں اور اس مسئلے کی بحث و تکرار میں مشغول نہ ہوں، کیوں کہ یہ مسئلہ ہر شخص کی عقل و فہم میں نہیں آسکتا اور یہ بحث اس کے عقیدہ کے فساد کا باعث ہو جائے گی۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی مجتبائی: ص ۵۵، ۵۶ شوال المکرم ۱۳۱۱ھ)

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ
کی
تصانیفِ عالیہ

امامِ ربانی، محبوبِ سبحانی، مجدّدِ الفِ ثانی، حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کی تصانیفِ عالیہٗ مبارکہ کے متعلق عرض کرنا کچھ آسان کام نہیں، اس لئے کہ وہ معرفت وتجلیات کے انوار، شریعت وطریقت کے اسرار، علم وعمل کا خزینہ، کشف وکرامات کا گنجینہ ہیں۔ لیکن ان تصانیف عالیہ میں نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے راہِ عمل اور اخلاق وحسنات کے ایسے گوہر بے بہا ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر ہر فرد بشر اسلام کا والہ وشیدا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا محبوب بندہ بن سکتا ہے اور دنیا وآخرت کی دولت سے مالا مال ہوسکتا ہے، لہٰذا اپنی کوتاہ فہمی اور نقصِ تحریر کے پورے اعتراف کے ساتھ حضرت ممدوحؒ کی تصانیفِ عالیہ کے متعلق ممکن درجے تک معلومات فراہم کرکے ترتیب وار ان سب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

اِثباتُ النبوّۃ

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس رسالے میں اثباتِ نبوت پر نہایت جامع اور تحقیقی مباحث ہیں، کیوں کہ اس وقت اکبری دور کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا، مسئلہٗ نبوت ورسالت میں شکوک وشبہات پیدا کئے جارہے تھے، نبوت کے عقیدے کو نجات کا مدار قرار دینے سے انکار کیا جارہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا اسمِ مبارک شاہی مجالس میں زبان پر لانا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا، جن لوگوں کے نام حضورِ انور ﷺ کے نام پر تھے ان کو تبدیل کیا جارہا تھا۔ ملا مبارک ناگوری (پدر فیضی وابوالفضل) نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا تھا جس میں اکبر کو درجہٗ اجتہاد پر فائز کیا گیا تھا۔ غرض کہ اسلامی احکام کی تنسیخ اور کفار کی رسومات وعبادات کی ترویج پر

پوری توجہ دی جا رہی تھی وغیرہ۔ ان حالات سے متاثر ہو کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے نبوت کے معنی کی تحقیق، منکرین کے اعتراضات اور ان کے جوابات، معجزے کے معنی اور اس کے شرائط، اثباتِ نبوتِ حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اعجازِ قرآن وغیرہ جیسے اہم مضامین پر مشتمل اس رسالے کو مرتب فرمایا۔

انداز ہے کہ یہ رسالہ (اثبات النبوۃ) حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی پہلی تصنیف ہے جو ۹۹۰ یا ۹۹۱ھ میں آگرہ کے دوران قیام میں مرتب ہوئی۔ اس رسالے کے قلمی نسخے حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کے دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ بعض جگہ موجود ہیں، مثلاً رباطِ مظہریہ مدینہ منورہ، مخدومی حضرت مولانا محمد صادق صاحب مجددی مدظلہ العالی مدینہ منورہ، مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد ضلع حیدر آباد، خانقاہِ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی، خانقاہِ مظہریہ دہلی وغیرہ۔

نیز یہ رسالہ اعلیٰ کتب خانہ (ادارۂ مجددیہ) ناظم آباد کراچی سے ۱۳۸۳ھ میں پہلی مرتبہ اصل عربی متن مع اردو ترجمہ شائع ہوا، پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ (اس مجموعے میں رسالہ تہلیلیہ، اثبات النبوہ، مبدا و معاد، معارف لدنیہ اور شرح رباعیات شامل ہیں) صرف اصل فارسی عربی متن بغیر اردو ترجمے کے شائع کیا۔

ردِّ روافض

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس رسالہ کے شروع میں حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ خود تحریر فرماتے ہیں:

> انہی ایام میں مجھے ایک رسالہ ملا جو شیعوں نے بوقت محاصرۂ مشہد، علمائے ماوراء النہر کے نام لکھا تھا اور یہ رسالہ اس کا جواب تھا جو علمائے مذکور نے شیعہ کی تکفیر اور ان کے قتل و اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح ہونے کے بارے میں تحریر کیا تھا۔

رسالہ ردِّ روافض، اہلِ تشیع کے اس جواب کا جواب ہے۔ محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اس کے مقدمے میں تحریر فرمایا ہے:

> عبدالمؤمن خاں ابن عبداللہ خاں ازبک والی توران متوفی ۱۰۰۶ھ نے مشہد و سبزوار کا محاصرہ ۱۰۰۱ھ میں کیا تھا اس لئے اندازہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ نے یہ

جوابی رسالے اسی سال کے قریب لکھا ہوگا اس رسالہ کے بعض مضامین مکتوبات شریف کے دفتر اول مکتوب نمبر ۸۰ و ۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں۔اس رسالے کا نام اکثر کتابوں میں ''ردِ مذہب شیعہ'' یا ''ردِ روافض'' آتا ہے۔(مقدمہ کوائفِ شیعہ ص ۳)اور تاریخی نام کوائف شیعہ''(۱۰۰۲ھ) ہے۔

اس رسالے کے بعض مضامین کا ان عنوانات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے: بعض شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان اور ان کی تاویلاتِ باطلہ، علمائے ماوراء النہر کی دلیل اور شیعوں کی جانب سے اس کا جواب، حضرت مجددّ الف ثانیؒ کا قولِ فیصل، اجتہادی امور میں صحابہؓ کا اختلاف، فضائلِ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بارے میں نص کا وجود ثابت نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا راضی ہونا وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں، مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں۔

نیز اس رسالے کا فارسی متن مکتوبات شریف فارسی کے آخر میں اکثر مطابع نے شائع کیا ہے البتہ فارسی متن مخدومی جناب پروفیسر/ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے اردو ترجمے کے ساتھ جناب حشمت علی خاں صاحب نے ۱۳۸۴ھ میں رام پور بھارت سے شائع کیا۔ پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے دسمبر ۱۹۶۴ء میں صرف فارسی متن اور ۱۳۸۸ھ میں صرف اردو ترجمہ علیحدہ علیحدہ شائع کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس رسالے کی شرح لکھی ہے جس کے قلمی نسخے کا کچھ حصہ مولانا مہدی حسن شاہجہانپوری، مقیم دیو بند کے پاس موجود تھا۔(۱)

رسالۂ تہلیلیہ

یہ رسالہ عربی زبان میں کلمۂ طیبہ سے متعلق تحقیقات پر مشتمل ہے۔اس رسالے کے بعض مضامین کا ان عنوانات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے: لفظ اللہ کی تحقیق، لفظ اللہ کے لطائف، دلیلِ توحید، کلمۂ طیبہ کے فضائل، توحید کی مراتب اور اسلامی و فلسفیانہ دلائل، وجودِ باری تعالیٰ کی حقیقت، فلاسفہ اور صوفیہ کی متفقہ رائے، آں حضرت ﷺ کے فضائل اور آپ کے نبوت کے

۱۔تذکرہ مجددّ الف ثانی: ص ۲۶۹

دلائل، معجزہ قرآن کریم، معجزہ نبوت کی دلیل ہے وغیرہ۔

یہ رسالہ علمی اور تحقیقی نوعیت کا ہے، اس کا زمانہ تصنیف ایک پر آشوب دور تھا جب کہ دینِ اکبری کا فتنہ کلمۂ طیبہ سے جزو رسالت حذف کر کے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جگہ (نعوذ باللہ من ذالک) اکبر خلیفۃ اللہ کو دے رہا تھا۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے یہ رسالہ ۱۰۱۰ھ میں مرتب فرمایا۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں۔

اس رسالے کا عربی متن مع اردو ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۳۸۴ھ میں ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے شائع کیا۔ پھر اس رسالہ کا صرف عربی متن ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔

شرح رباعیات

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہٗ نے شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کے سلسلہ میں نے صرف نثر ہی میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے بل کہ نظم و اشعار میں بھی بہت سے اسرار رموز بیان فرمائے ہیں۔ اس رسالے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے غالباً ۱۰۰۷ھ میں اپنی دو رباعیوں کی شرح خود تحریر فرمائی تھی، پھر اس شرح کی مزید تشریح و توضیح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے غالباً ۱۰۱۳ھ میں تحریر فرمائی۔ یہ رسالہ ان دو رباعیوں کی شرح اور شرح الشرح کا مجموعہ ہے اور وہ دو رباعیاں مندرجہ ذیل ہیں:

گویند وجودِ کون کون ست و حصول
نورے بجز از کون نکردہ است قبول
واللہ کہ دریں پردہ لسان الغیب است
برطبق قواعد ست و بر وفق اصول

بشناس کہ کائنات رو در عدم اند
بل در عدم ایستادہ ثابت قدم اند
دیں کونِ معلق از خیال و وہم است

باقی ہمگی ظہور نورِ قِدَم اند

یہ رسالہ مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہے: سریان واحاطہ کا مفہوم، صفاتِ بشری اولیائے کرام کے لئے حجاب بن جاتی ہیں، فنائے محمدی ﷺ سے اشارہ، وصولِ نہایت النہایت، صوفیہ اور علما کے کلام کے درمیان موافقت، مسئلہ تجددِ امثال، توحید کی اعلیٰ قسم وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں: مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں اور غالباً رباطِ مظہریہ مدینہ منورہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اس رسالے کو ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔ پھر یہ رسالہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۶ھ میں اصل فارسی متن اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا اس شرح رباعیات کی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی شرح فرمائی ہے جو ''کشف الغین فی شرح رباعتین'' کے نام سے مطبع مجتبائی واقع دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہو چکی ہے۔(۱)

معارفِ لدنیہ

اس رسالے کا دوسرا نام ''عُلُوْمْ اِلْهَامِیَّہ'' بھی ہے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارفِ خاصہ اور سلوک وطریقت کے اہم مباحث سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کو خود حضرت ممدوح ہی نے ۱۰۱۸ھ یا ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا تھا۔ ہر مضمون کو 'معرفت'' کا عنوان دیا گیا ہے، جن کی مجموعی تعداد اکتالیس ہے۔ ان معارف کے بعض مضامین ان عنوانات میں ملاحظہ ہوں: لفظِ اللہ میں حروفِ تعریف کے اجتماع کی حکمت، سالک کی سیر کے انواع ومراتب، حقیقتِ محمدی ﷺ سے مراد، صوفیہ اور متکلمین میں معرفت کے متعلق اختلاف، واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق، شیون اور صفات میں فرق، سالک، مجذوب اور مجذوب سالک کے مراتب میں فرق، صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان، طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق، واجب تعالیٰ کے ساتھ روح کا اشتباہ، کفرِ شریعت اور کفرِ حقیقت، قطبِ ابدال اور قطبِ ارشاد کا فیض، قضا وقدر کا راز، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا جذب وسلوک، حضور انور ﷺ کے فضائل وغیرہ۔

۱۔ یہ رسالہ کلیات باقی میں صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۹ درج ہے

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں، مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں اور حضرت پیر محمدؒ شاہ احمد آباد (بھارت) کے کتب خانے میں بھی اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اس رسالے کا فارسی متن غالباً سب سے پہلے حافظ محمد احمد علی خاں شوق نے مطبع احمدی رامپور سے دسمبر ۱۸۹۸ء میں۔ پھر مجلس علمی ڈابھیل (حال کراچی) نے ۱۳۵۱ھ میں۔ پھر حکیم عبدالمجید سیفی نے ۱۳۷۶ھ میں لاہور سے۔ پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔ جناب ملک فضل الدین چنن الدین نے لاہور سے پہلی مرتبہ اس رسالے کا اردو ترجمہ شائع کیا جس میں مترجم کا نام اور سنہ طباعت وغیرہ درج نہیں۔ اس کے بعد ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۸ھ میں فارسی متن خاکسار مؤلف کے اردو ترجمے کے ساتھ یک جا شائع کیا۔

مبدأ و معاد

یہ رسالہ فارسی زبان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے علوم و معارف پر مشتمل ہے اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے جن کو حضرت ممدوح کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمیؒ نے ۱۰۱۹ھ میں مدون و مرتب فرمایا اور اس کے مضامین کو ''منھا'' کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا جن کی مجموعی تعداد اکسٹھ ہے اور ہر منھا معرفت کے اسرار کا خزانہ ہے۔ اس کتاب کے بعض مضامین کو ان عنوانات میں ملاحظہ فرمائیں: جذبہ و سلوک کا حصول، بیان عروج و تائیدِ حضرات خلفائے مشائخ، بیان نزول و تائید مشائخ سلاسلِ مختلفہ، قطب الارشاد اور اس کا فیضِ عام، نسبتِ نقشبندیہ، اظہارِ نعمت، کمالاتِ ولایت کے درجات، نزول کا انتہائی مقام، دعوت کا کامل ترین مقام، پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی امتیاز، احوال پیش آ کر کیوں غائب ہو جاتے ہیں، کیا معرفت کی بعد کوئی لغزش نقصان دہ نہیں ہوتی، وجودِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں خصوصی معرفت، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات مشاہدہ، رویت، وہم اور خیال میں نہیں آ سکتی، فرشتوں پر انسان کی فضیلت، دس مقامات کو طے کیے بغیر نہایت النہایت تک رسائی ممکن نہیں، محبتِ ذاتی و صفاتی کا فرق، علمِ ظاہر پر علمِ باطن کی برتری اور آدابِ پیر و استاد، موت سے پہلے موت کا مطلب، معراجِ نبوی ﷺ اور عروجِ اولیا میں فرق، رویتِ باری تعالیٰ، کشف اور فراست میں فرق، حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ

کعبہ اور حقیقتِ محمدی ﷺ، کلمۂ طیبہ کی فضیلت، خدا کی مثل نہیں مثال ہو سکتی ہے وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں، مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں وغیرہ۔

اس رسالے کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکیؒ نے کیا جو کہ مکتوبات معرب مطبوعہ مکہ مکرمہ کے حاشیے پر موجود ہے۔

مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم فارسی نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ کے مطبوعہ ہے۔ پھر مطبع مجددی امرتسر ۱۳۳۰ھ کا جو کہ مولانا نور احمد امرتسری مرحوم کے اہتمام سے شائع ہوا۔ پھر حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم نے ۱۳۷۶ھ میں شائع کیا۔ پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔ ملک فضل الدین چنن الدین نے لاہور سے پہلی مرتبہ صرف اردو ترجمہ شائع کیا جس میں سنہ طباعت مترجم کا نام وغیرہ درج نہیں۔ پھر ۱۳۸۸ھ میں ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن خاکسار مؤلف کے اردو ترجمے کے ساتھ یکجا شائع کیا۔

مکاشفاتِ عینیہ

یہ مجموعہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے جو بعض خلفا حضرات نے محفوظ کر لئے تھے جن کو حضرت ممدوح کے وصال کے بعد حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے ۱۰۵۱ھ میں مرتب فرمایا۔ اگرچہ اس رسالے کے بعض مضامین حضرت موصوف کے مکتوباتِ شریفہ اور رسائلِ وقیعہ میں بھی آچکے ہیں لیکن ان کا مرتب کرنا بھی ضروری تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس رسالہ کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے مرتب فرمایا ہے۔

اس رسالے میں حمد و نعت کے بعد شجرۂ قادریہ، شجرۂ نقشبندیہ اور شجرۂ چشتیہ ہے پھر حضرت نے بعض خلفا کو جو اجازت نامے عطا فرمائے تھے ان میں سے چند اجازت ناموں کی نقلیں ہیں، اس کے بعد حضرت ممدوح کے مکاشفات و معارف ہیں جن کو مکاشفہ کا عنوان دیا گیا ہے اور ان کی تعداد انتیس ہے پھر چہل حدیث ہے۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، رباط مظہریہ مدینہ منورہ۔ اس رسالے کا قدیم

ترین قلمی نسخہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد (بھارت) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور اس رسالے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مرتب کردہ جو چہل حدیث ہے اس کو حضرتِ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اردو ترجمے وحاشئے کے ساتھ ''چہل حدیثِ امام ربانی'' کے نام سے اپنے مطبع عمدۃ المطابع لکھنؤ سے طبع کرا کر شائع کیا۔ سنہ طباعت درج نہیں ہے۔

یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن اردو ترجمے کے ساتھ ۱۳۸۴ھ میں شائع کیا، اس سے پہلے یہ رسالہ طبع نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا سات رسائل کے علاوہ مندرجہ ذیل چار مزید رسائل کے نام تو اکثر کتب میں ملتے ہیں لیکن ان کے متعلق آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ ان کے قلمی یا مطبوعہ نسخے کہیں موجود ہیں، ان کی نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ رسالہ آداب المریدین

۲۔ تعلیقاتِ عوارف

۳۔ رسالہ علمِ حدیث

۴۔ رسالہ جذب وسلوک

مزید عرض ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تصانیف اور ان کی اشاعت کے سلسلے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے حرفِ آخر نہیں ہے یہ صرف اپنی معلومات تک منحصر ہے۔ ان کے علاوہ بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تصانیف کا ہونا ممکن ہے اور اسی طرح ان کی اشاعت بھی ہوسکتا ہے کہ ہوئی اور عاجز کے علم نہ آئی ہو۔ لہٰذا عرض ہے کہ اہلِ علم حضرات اپنی معلومات سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی تکمیل کی جاسکے۔

مکتوباتِ شریفہ

ان رسالوں کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا معرکہ آرا کارنامہ مکتوباتِ شریفہ ہیں جو فارسی زبان میں ہیں البتہ چند مکتوب عربی زبان میں بھی ہیں، موجودہ مکتوبات کی مجموعی تعداد پانچ سو چھتیس ہے۔ ہر مکتوب گویا ایک مستقل رسالہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنی قوتِ عمل اور ان مکتوبات کے ذریعے جتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اور دیرپا اصلاح و تربیت کا کام انجام دیا ہے اس کی مثال ملنی مشکل نظر آتی ہے۔ آپ کے مکتوبات نہ صرف تصوف

میں بلکہ علوم و معارف اور نکات و اسرار کے عالمگیر ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں، اور اپنی تاثیر، ادب و انشا کی قوت، برجستگی اور روانی کے لحاظ سے پورے فارسی ادب میں نہایت بلند پایہ ہیں۔ ان مکتوبات نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے زمانے میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ جن کے نام اصالتاً یہ خطوط لکھے گئے تھے ہزاروں اشخاص نے ان سے اس طرح فیض حاصل کیا جیسا کہ شیخِ کامل کے انفاسِ طیبات و توجہات سے فیض حاصل کیا جاتا ہے، اور حضرت موصوف کے وصال کے بعد بھی ہر زمانے میں بے شمار انسان ان مکتوبات سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں اور آج بھی خانقاہوں میں ان کا درس دیا جاتا ہے اور شیوخِ کبار ان کی تشریح و تقریر سے اپنے قلوب منور کرتے ہیں۔

یہ مکتوباتِ شریفہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے پیرِ بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ خلفا حضرات، مریدین اور اراکینِ سلطنت کو وقتاً فوقتاً تحریر فرماتے تھے اور ساتھ ہی ان مکتوبات کی نقل بھی محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا تھا۔ ان مکتوبات کے مطالعے سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خیالاتِ عالیہ، عقائدِ حقہ، شریعت و طریقت، اخلاق و معرفت اور سیاست پر گہری نظر اور علوِ شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز اس زمانے کے تاریخی حالات اور حضرت موصوف کے تجدیدی کارنامے بھی روشن دلیل بن کر سامنے آجاتے ہیں اور ہجرت کے بعد دوسرے ہزار سال کے تمام مسائل کا حل بھی ان میں مل جاتا ہے جو آپ کے ''مجدد الف ثانی'' ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

یہ مکاتیب تین دفتروں پر مشتمل ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

مکتوباتِ شریفہ۔ دفترِ اول

اس دفتر میں تین سو تیرہ مکتوبات ہیں، جو عددِ انبیائے مرسلین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین (۱) و عددِ اصحابِ بدر و اصحابِ طالوت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطابق ہیں۔ اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایما سے آپ کے خلیفہ حضرت مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمۃ نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب فرمایا۔

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

فقیر کی آرزو تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب اس عاجز کے نام تحریر

۱۔ اشارۃ الی ما رواہ الامام احمد عن ابی ذر

فرمائیں اور وہ اس دفتر کے خاتمے پر درج کیا جائے اس لئے کہ احقر آپ کے
کمترین مخلصوں میں ہے چناں چہ جب یہ خادم برہانپور تھا آپ نے ایک مکتوب تحریر
فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو مطابق تعداد رسل علیہ السلام واصحابِ جنگِ
بدر فلاں مکتوب پر جو فلاں شخص کا نام ہے ختم کریں۔ فصل مرادی بکرامۃ۔ چوں کہ
بندے نے اس دفتر کی تاریخِ اختتام ''دار المعرفت'' نکالی تھی، آپ نے تحریر فرمایا
کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں۔(۱)

مکتوباتِ شریفہ۔ دفتر دوم

اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالحی حصاری شادمانی علیہ الرحمہ نے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ارشاد پر ۱۰۲۸ھ میں مرتب فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قلعۂ گوالیار میں نظر بند تھے اور اس وقت تک آپ نے اتنے ہی مکتوبات تحریر فرمائے تھے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ننانوے ناموں کی ایک مشہور حدیث ہے، حسنِ اتفاق یہ ہے کہ ان اسماء حسنیٰ کی تعداد کی مناسبت بھی اس دفتر کی ترتیب کو حاصل ہوگئی، اس دفتر کا تاریخی نام ''نور الخلائق'' رکھا گیا۔

مکتوباتِ شریفہ۔ دفتر سوم

اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت موصوف کی خدمت میں رہ کر مرتب فرمایا اور حضرتؒ کی ہدایت کی مطابق عددِ سُورِ قرآنی کے موافق ایک سو چودہ مکتوبات پر اس دفتر کو ختم کیا اور اس کا تاریخی نام ''معرفت الحقائق'' رکھا گیا۔ لفظِ ''ثالث'' سے بھی تاریخ نکلتی ہے۔

اس وقت اس دفتر میں ایک سو چودہ مکتوبات تھے، چوں کہ اس کے بعد حضرت ممدوحؒ کی حیاتِ مبارکہ کا زمانہ بالکل مختصر اور گوشہ نشینی کا رہا اس لئے بعد میں جو چودہ مکتوبات تحریر فرمانے کا موقع ملا ان میں سے چار مکتوب کا پتہ نہ چلا اور دس اسی میں شامل کر دیئے گئے، اس طرح اب اس دفتر میں جملہ مکتوبات کی تعداد ایک چوبیس ہے۔

ان مکتوباتِ شریفہ ہر سہ دفتر کے بھی قلمی نسخے متعدد جگہ موجود ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۴۰

مکتوبات شریفہ کے عربی ترجمے سے متعلق عرض ہے کہ حضرت مولانا شیخ محمد مراد المنز لوی المکی (۱) نے ''الدرر المکنونات النفیسہ'' کے نام سے مکتوباتِ ہر سہ دفتر کا عربی میں مکمل ترجمہ کیا جو

۱۔ حضرت علامہ شیخ محمد مراد بن عبداللہؒ کی ولادت منگل کے دن نصف ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ کو اپنے وطن قریۂ ''مِث'' میں ہوئی۔ یہ قریہ مضافات منزلہ میں ہے جو کہ ملکِ قزان کے ولایت کے تابع ہے۔ قزان کو پہلے زمانے میں بلغار کہتے تھے جس کا ذکر کتب فقہ میں شفق کے غائب نہ ہونے کے سلسلہ میں آتا ہے کیوں کہ وہ انتہائی شمال میں واقع ہے یہاں کے باشندے تیسری صدی ہجری میں المقتدر باللہ عباسی کے عہد میں یا اس سے کچھ قبل اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے تھے، آج کل یہ علاقہ روس کے تابع ہے۔

شیخ مراد نے چھ سال کی عمر میں پہلے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید پڑھا پھر اپنے خالو ملا حسن الدین سے تعلیم حاصل کی پھر اٹھارہ سال کی عمر میں شہر قزان آکر علامہ شہاب الدین قزانی کے مدرسہ سے تعلیم حاصل کی، پھر بخارا، ماوراء النہر اور تاشقند کا سفر کیا وہاں بھی بہت سے علما کی صحبت اختیار کی اور علومِ عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ بکثرت عربی وفارسی کتبِ تصوف وکتبِ سیر کا بھی مطالعہ کیا جس کی وجہ سے آپ کو یقین ہوگیا کہ جب تک کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے ان علوم سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اسی علاقہ کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی اور خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں بعض رفقا کے ہمراہ حجازِ مقدس کے لئے روانہ ہوئے اور بلخ، سمرقند، پشاور، لاہور، ملتان، سندھ کراچی ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے اور ماہِ رمضان بمبئی میں گذار کر عید۔ کے بعد بحری جہاز پر سوار ہوکر اٹھارہ دن میں مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے وہاں بھی سلسلۂ تعلیم جاری رہا اور وہیں قرآن شریف حفظ کیا، پھر مدینہ منورہ ہی میں حضرت مولانا محمد مظہر بن حضرت شاہ احمد سعید دہلوی قدس سرہما سے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ کی آپ پر بہت توجہ رہی اور غائبانہ بھی آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ آپ کو تھوڑے ہی عرصے میں قلب اور دیگر تمام لطائف کے احوال حاصل ہوگئے۔ اسی زمانے میں آپ شدید بیمار ہوئے تو شیخ سے اجازت لے کر وطن چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وطن سے واپس آکر مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی اور شیخ عبدالحمید آفندی کی خدمت میں رہنے لگے۔ پھر چند ماہ بعد شیخ آفندی بھی وصال فرما گئے۔ اس کے بعد آپ نے محمد صالح زواوی کی صحبت اختیار کی اور ان سے صاحب اجازت ہوئے۔ دوسری ملاقات میں شیخ نے خرقۂ خلافت اور خصوصی سند سے بھی ممتاز فرمایا۔

اسی زمانے میں آپ نے رشحات کا عربی ترجمہ کر کے شیخ زواوی کی خدمت میں پیش کیا جس کو انہوں نے بہت پسند کیا اور مکتوبات امام ربانی کا عربی ترجمہ کرنے کی ترغیب دی چنانچہ آپ نے حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل میں یہ کام مکمل کیا جس کو شیخ نے بہت پسند فرمایا۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھے لیکن فرماتے تھے کہ میں اس قابل نہیں ہوں صرف شیخ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ (ماخوذ از اواخر معرب مکتوبات شریفہ)

المطبعۃ المیریۃ الکائنۃ بمکۃ المحمیہ (مکہ مکرمہ) سے ۱۳۱۶ھ و ۱۳۱۷ھ میں شائع ہوا۔ جس کے دفتر اول کے حاشئے پر عربی میں حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے حالاتِ مبارکہ ہیں جو علامہ شیخ محمد مراد مکیؒ ہی کے ترتیب دیئے ہوئے ہیں اور اس کے بعد حاشئے ہی پر ایک اور عربی رسالہ ''کتاب الرحمۃ الھابطۃ فی تحقیق الرابطۃ'' للشیخ حسین الدوسری رحمہ اللہ بھی ہے اور تمام مکتوبات کے حواشی پر معرب موصوف کے بعض تشریحی نوٹ بھی موجود ہیں۔

دفتر دوم کے حاشئے پر معرب موصوف کے تشریحی حواشی کے علاوہ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کا رسالہ ''مبدأ و معاد'' معرب درج ہے، اس کو بھی شیخ محمد مراد مکیؒ موصوف نے ہی عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

دفتر سوم میں بھی معرب موصوف کے تشریحی حواشی کے علاوہ حاشیے پر ایک اور عربی رسالہ ''عطیۃ الوہاب، الفاصلۃ بین الخطا والصواب'' للشیخ محمد بک الاوزبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی درج ہے جس میں ان اعتراضات کا رد کیا گیا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف وغیرہ کی بعض تحریرات پر بعض معاندین نے تحریف و تغییر کر کے اور مصطلحاتِ تصوف کے عدم فہم کی وجہ سے اس لئے کئے تھے کہ لوگ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ اور ان کی اولاد و اتباع کی صحبت سے فیض یاب نہ ہو سکیں، یہ رسالہ نہایت مدلل اور واضح ہے۔

معرب مکتوبات شریفہ کی عربی زبان ماشاء اللہ نہایت فصیح و بلیغ اور سلیس ہے جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فارسی سے عربی میں ترجمہ نہیں بل کہ خود مصنف ہی کی عربی تصنیف ہے۔ نیز اس کی دیباچے سے اور بعض ترکی محترم دوستوں سے معلوم ہوا کہ قدیم ترکی زبان میں مکتوبات شریفہ کا ترجمہ موجود ہے لیکن اب محترم جناب حسین حلمی ایشق صاحب مدظلہ العالی (۱) استنبولی جدید ترکی زبان میں مکتوباتِ شریفہ کا خلاصہ تیار کر رہے ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اصل فارسی مکتوبات کے متعلق عرض ہے کہ مکتوبات شریفہ مکمل ہر سہ دفتر مع ردِ روافض و بالحاق رسالہ مصطلحاتِ صوفیہ غالباً پہلی مرتبہ نول کشور نے شائع کیا، اس لئے کہ نول کشور کا مطبوعہ بارِ سوم جنوری ۱۸۸۶ء مطابق ماہِ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ اور بارِ ششم ۱۹۱۳ء کا مطبوعہ ہمارے سامنے

۱۔ آپ نے بھی اس معرب مکتوبات شریفہ کا عکس لے کر بجنسہٖ اسی سائز پر غالباً ۱۳۹۲ء میں شائع کیا ہے اور دیگر کتب کی طرح بغرضِ تبلیغ تمام دنیا میں مفت بھیج رہے ہیں۔ جزاہم اللہ۔

ہے۔ پھر ۱۲ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ کو مولوی شیر محمد خاں نے مطبع احمدی دہلی سے فارسی مکتوبات مع ردِ روافض شائع کیا۔ پھر حاجی عبدالعزیز دہلوی نے ۱۲۹۰ھ میں اپنے مطبع مرتضوی دہلی سے شائع کیا۔ اس کی بعد حضرت مولانا نور احمد امر تسریؒ نے ۱۳۲۹ھ میں بڑی محنت سے تصحیح کر کے نہایت اہتمام کے ساتھ بہت عمدہ ایڈیشن شائع کیا۔ پھر اس کے بعد مولانا نور احمد موصوف کے صاحب زادے مولوی محمد سلیمان صاحب فاروقی نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے ۱۳۸۶ھ میں دو جلدیں اور مکتبہ سعدیہ لاہور نے ۱۳۹۱ھ میں تیسری جلد شائع کر کے مکمل کیا۔ اب ۱۳۹۲ھ میں حضرت مولانا نور احمد مرحوم والے نسخے کا فوٹو لے کر بالکل اسی سائز پر اسی شان دار انداز سے محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔

مکتوباتِ شریفہ کے اردو ترجے سے متعلق عرض ہے کہ مکمل مکتوبات کا اردو ترجمہ سب سے پہلے حضرت مولانا قاضی عالم الدین مرحوم نے کیا جس کو ملک فضل الدین نے لاہور سے ۱۹۱۳ء میں دوسری بار شائع کیا پھر ملک فضل الدین کے صاحب زادے ملک چنن الدین نے ۱۳۷۷ھ میں اسی ترجمہ کو سہ بارہ شائع کیا۔ اس کی بعد ۱۳۹۱ھ میں مشہور پریس کراچی نے مولانا احمد سعید صاحب لاہوری سے مکتوبات شریفہ کا اردو ترجمہ کرا کر شائع کیا۔

اس کے باوجود اہلِ علم و ذوق حضرات کو اس ضرورت کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ مزید صحت و اہتمام کے ساتھ سلیس و بامحاورہ اردو زبان میں نہ صرف مکتوباتِ شریفہ کا ترجمہ ہی شائع ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مکتوبات میں جو مشکل مقامات و توضیح طلب امور ہیں ان کی شرح بھی حاشیے پر کر دی جائے تاکہ روحانی پیاس کی تسکین کا سامان حاصل ہو سکے۔ چناں چہ ان باتوں کے پیش نظر اب ۱۹۸۸ء سے ادارہ مجددیہ کراچی نے مکتوبات شریفہ کا اردو ترجمہ مع حواشی و اشاریہ وغیرہ شائع کیا ہے۔ بعد ازاں ۱۹۹۲ء میں اشاریہ مکتوبات علیحدہ ایک رسالہ کی شکل میں شائع کیا جو اصل فارسی و عربی اور اردو تراجم کے لئے ضروری اور مفید ہے۔

مکتوباتِ شریفہ کی تخریج احادیث حضرت مولانا محمد سعید مفتی عدالتِ آصفیہ دکن نے بڑی محنت و جانفشانی سے تیار فرمائی جس کا نام تشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی ہے، جو ایک سو بیس صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۱ھ میں مطبع فیض الکریم حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

کی

اولادِ امجاد

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ(۱)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (اور) آپس میں مہربان ہیں، تو ان کو (بہ کثرت) رکوع و سجود کرتے دیکھتا ہے (جس کے ذریعہ) وہ اللہ تعالیٰ کا فضل (اور اس کی رضا) طلب کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے انوارِ الٰہی ان کے چہروں میں نمایاں ہیں)۔

جیسا کہ بعض علما سے منقول ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپ ﷺ کے تربیت یافتگان یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال و اعمال کو بہ طورِ شاہد پیش کیا ہے۔ اسی سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے، شاگرد سے استاد کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا بھی صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کا آئینہ ہوتے ہیں جن میں ان کے خدوخال صاف صاف نظر آ جاتے ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کے صاحب زادگانِ عالی شان اور خلفائے عظام کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ

۱۔ فتح:۲۹

لکھا جائے تاکہ تعلیم و تربیت اور قوتِ تاثیر کی راہ سے بھی حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے کمالات و مراتب کا کچھ اندازہ ہو سکے اور یہ حقیقت بھی مزید واضح ہو جائے کہ جس اولوالعزم ہستی کی ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان و عمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نورِ عرفان کی ایسی چمک پیدا ہوگئی وہ خود کس قدر پرانوار و باکمال ہوگی۔

اب پہلے حضرت مخدوم زادگان کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے بعد خلفائے عظام کا۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے سات صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ حضرت خواجہ محمد صادقؒ ولادت۔ ۱۰۰۰ھ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ

۲۔ حضرت خواجہ محمد سعیدؒ ولادت۔ ۱۰۰۵ھ وفات ۲۷ ربیع الثانی ۱۰۷۰ھ

۳۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ ولادت۔ ۱۰۰۷ھ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ

۴۔ حضرت خواجہ محمد فرخؒ ولادت۔ ۱۰۱۰ھ وفات ۷ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بہ عمر ۱۵ سال

۵۔ حضرت خواجہ محمد عیسیٰؒ ولادت۔ ۱۰۱۷ھ وفات ۷ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بہ عمر ۸ سال

۶۔ حضرت خواجہ محمد اشرفؒ ---------- بہ عمر ۲ سال

۷۔ حضرت خواجہ محمد یحییٰؒ ولادت۔ ۱۰۲۴ یا ۱۰۲۷ھ وفات جمادی الاخریٰ ۱۰۹۶ یا ۱۰۹۸ھ

۸۔ بی بی رقیہ بانو۔ آپ کا شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال ہوا

۹۔ بی بی کلثوم۔ آپ کا چودہ سال کی عمر میں ۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

۱۰۔ بی بی خدیجہ بانو۔ آپ صاحب اولاد ہوئیں۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی دو بڑی کرامتیں صفحۂ روزگار پر باقی رہیں گی، ایک آپ کا مبارک کلام کہ جس کے مماثل لکھنے سے اس وقت کے تمام علما و مشائخ عاجز رہے، دوسرے آپ کے فرزندانِ گرامی جن کو آپ نے اپنے تصرفاتِ عالیہ علم و عمل و کمالاتِ باطنیہ میں اپنا مثیل بنایا جب کہ روئے زمین پر کسی شیخ نے اپنے سب فرزندوں کو تصرف و توجہ سے اس قدر اپنا مثیل نہیں بنایا اور آج تک آپ کی صلبی و روحانی اولاد میں آپ کے اثرات و برکات موجود ہیں اور فیوض جاری ہیں۔ آپ کی دو کرامتیں رہتی دنیا تک آفتاب کی طرح روشن اور باعثِ افتخار رہیں گی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

۱۔ حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ

حضرت امامِ ربانی مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے بڑے صاحب زادے حضرت خواجہ محمد صادق اکابر اولیا میں سے تھے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۰۰۰ ہجری میں سرہند شریف میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی مبارک سے سعادت کے آثار اور ولایت کے انوار نمایاں تھے۔ آپ کے جدامجد حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ نے بچپن ہی سے آپ کو اپنی تعلیم و تربیت میں رکھا۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے:

تمہارا یہ لڑکا مجھ سے حقائق و معارف کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت کرتا ہے کہ ان کا جواب مشکل سے بن پڑتا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ جب جمادی الاخریٰ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ صاحب زادہ بھی ہم راہ تھے چناں چہ یہ بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی نظرِ قبولیت میں آکر ذکر و مراقبے اور جذبے و نسبت سے مشرف ہو گئے۔ آپ کو صغر سنی کے باوجود وہ کمالات نصیب ہوئے کہ حضرت خواجہؒ آپ کو دیرینہ سال سالکوں کے مقابلہ پیش فرماتے تھے اس وقت معلوم ہوتا تھا یہ ہفت سالہ بچہ جس کو سلوک میں قدم رکھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے بہت آگے نکل چکا ہے۔ (۱)

چناں چہ ایک درویش سلوک کی تکمیل کر کے شیخ کامل سے خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حالات اس غرض سے بیان کئے کہ اگر آپ کے پاس بھی یہی کچھ ہے جو میں حاصل کر چکا ہوں تو آپ کو کیوں تکلیف دوں اور اگر کچھ زائد ہے تو استفادہ کروں۔ (اس کے جواب میں) حضرت خواجہ صاحبؒ نے خواجہ محمد صادقؒ کو طلب فرما کر ان کے احوال پوچھنے شروع کئے تو مخدوم زادہ نے آٹھ سال کی عمر میں اپنے وہ

۱۔ تذکرہ مجدّد الف ثانیؒ: ص ۳۰۱ و ۳۰۲

حالات بیان کیے جو اس پچاس سالہ شیخ سے کہیں زائد تھے، اس پر وہ درویش بہت شرمندہ ہوا اور آپ سے استفادہ کرنے کے لیے سرِ تسلیم خم کیا۔(۱)

حضرت خواجہ محمد صادقؒ بچپن ہی سے کشفِ قلوب و کشفِ قبور میں نہایت عالی نظر تھے، چناں چہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ امورِ کونیہ (ہونے والے امور) کی نسبت آپ سے پوچھا کرتے تو آپ اپنے کشف کے ذریعے جواب دیتے اور جب مقبروں پر لے جا کر مُردوں کے حالات پوچھتے تو بھی آپ بلا توقف جو کچھ مشاہدہ کرتے بیان کر دیتے۔(۲)

آپ کے چچا شیخ مسعود بغرضِ تجارت قندھار کی طرف روانہ ہوئے آپ بھی ان کے ساتھ اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے مزار تک وداع کرنے گئے۔ مزار مبارک پر ایک لمحہ مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا کہ دادا جان، چچا صاحب کو اس سفر سے منع فرماتے ہیں چوں کہ اس وقت آپ کم سن تھے اس لئے بچہ سمجھ کر آپ کی بات کا کچھ خیال نہ کیا آخر شیخ مسعود نے اسی سفر میں انتقال فرمایا(۳)۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے جس جماعت کو تربیت باطنی کے لئے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمایا تھا اس میں یہ مخدوم زادہ بھی تھے اور تمام جماعت میں بہتر تھے، بعدہٗ اپنے والد ماجد کے فیضِ تربیت سے کمال و اکمال کو پہنچے اور اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے پورے پورے مصداق ثابت ہوئے۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ صغر سنی میں اس غلبے کے باوجود دینی تعلیم سے بھی فراغ حاصل کی اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر ہوئے، بعد حصولِ علم تعلیم و تدریس میں بھی مشغول رہے(۴)۔ حضرت خواجہ محمد صادقؒ نے فنونِ عربی شیخ محمد طاہر لاہوریؒ سے علومِ حکمیہ مولانا محمد معصوم کابلیؒ سے پڑھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں علومِ ظاہری سے فارغ ہو گئے۔(۵)

ایک درویش کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اپنے ایک ہمسائے کے متعلق صاحب زادہ موصوف سے شکایت کرتے ہوئے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو تنبیہ فرما دیں تو اچھا ہے۔ اس پر مخدوم زادہ نے ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا: اے شخص! اگر ہم بھی دشمنی کا راستہ اختیار کریں تو ہم میں اور اہلِ رسم میں کیا فرق رہے گا۔ اس درویش کا بیان ہے کہ یہ بات

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۰۱ — ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۸۱

۳۔ زبدۃ المقامات: ۳۰۹ — ۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۱۲ و ۳۱۳

۵۔ نزھۃ الخواطر: ج ۵، ص ۳۳۶

مخدوم زادہ نے اپنی زبانِ مبارک سے کچھ اس تاثیر کے ساتھ ادا فرمائی کہ میں اس گذارش و شکایت پر نادم و پشیمان ہوا اور ہمسائے کی طرف سے جو کینہ تھا وہ جاتا رہا۔(۱)

فنائیت کے آثار اور عیشِ دنیا سے عدم تعلق کا اظہار آپ کے چہرہ مبارک سے اس درجے ہوتا تھا کہ اس کیفیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا تھا، چناں چہ بعض رؤسا آپ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد کہا کرتے تھے کہ جوں ہی ہم اس جوان کو دیکھتے ہیں ہمارا دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے۔(۲)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی شفقت و مرحمت آپ کے حال پر اس درجے تھی کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحبؒ بعارضۂ تپ محرقہ علیل ہوئے تو آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور طرفین کے بخار کو کئی دن ہو گئے کہ صحت نہ ہوئی، آخر حضرت خواجہ صاحب نے حضرت مجددؒ الف ثانیؒ سے فرمایا کہ ہمارے بخار انعکاسی ہیں، جب تک محمد صادق یہاں ہیں نہ ان کا بخار دفع ہوگا نہ ہمارا۔ لہٰذا ان کو سرہند روانہ کرو کہ ہم دونوں اچھے ہو جائیں۔ چناں چہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، آپ کے روانہ ہوتے ہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا بخار جاتا رہا اور مخبر یہ خبر لایا کہ خواجہ محمد صادقؒ کا بخار بھی دور ہو گیا۔(۳)

ایک مرتبہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا:

محمد صادق بچپن ہی سے اپنے آپ کو ضبط نہیں کر سکتا اگر سفر میں ہم راہ جاتا ہے تو بہت ترقی کرتا ہے، وامنِ کوہ کی سیر میں ہم راہ تھا بڑی ترقی کی اور مقامِ حیرت میں غرق ہے، حیرت میں فقیر کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے۔(۴)

غالباً اسی کے جواب میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ قرۃ العین محمد صادقؒ کو ظاہر و باطنی برخورداری (فیوض) عطا فرمائے، ان کے ظاہری احوال قابلِ تعریف ہیں، وہ اپنے حضور پر قائم رہیں، غیبت و استغراق کا کوئی اندیشہ نہیں ہے ان شاء اللہ سکر سے صحو کی حالت میں آجائیں گے۔(۵)

حضرت خواجہ محمد صادقؒ جب تلوین سے تمکین کی طرف اور سکر سے صحو کی طرف اور جذب

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۰۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۱۲

۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۱۳

۳۔ حضرات القدس۔ دفتر دوم: ص ۱۸۹

۴۔ مکتوبات شریف۔ دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۸

۵۔ کلیات باقی باللہ۔ مکتوب نمبر ۴۱: ص ۱۰۲

سے سلوک کی طرف آئے تو اکیس سال کی عمر میں بہ روز جمعہ ماہ جمادی الاخری ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجدّ د الف ثانی قدس سرہٗ کی خلعتِ خلافت سے مشرف ہوئے اور ارشاد و تلقین کی عام اجازت حاصل ہوئی، حضرت مجدّ د الف ثانیؒ نے آپ کو اپنا خاص عبا مرحمت فرمایا۔ اسی روز ایک جماعتِ کثیر نے آپ سے بیعت اور مصافحہ کیا، اس وقت آپ کی پیشانی اقدس سے ایک نور ا ایسا درخشاں ہوا کہ آفتاب عالم تاب بھی اس کے مقابلے میں شرمندہ و خیرہ تھا۔ (۱)

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی "تحریر فرماتے ہیں:

میں نے مطول مع حاشیۂ میر اور شرح عقائد مع حاشیۂ خیالی اور تحریر اقلیدس اور شرح مطالع مع حاشیۂ میر وغیرہ کتب آپ (خواجہ محمد صادقؒ) کی خدمت میں پڑھیں، اور آپ کی وفات کے بعد شرح مواقف اور تفسیرِ بیضاوی اور حاشیہ عضدی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پڑھیں۔ حضرت مخدوم زادہ ادائے مطالب میں بہت گہرے جاتے تھے اور مختلف طریقوں سے مطلب ادا فرماتے تھے کبھی کبھی اپنے خیالات کسی کتاب پر بہ طورِ حاشیہ تحریر فرماتے تھے اور نایاب و جدید فنون اپنی سلیم طبیعت سے طبع زاد ظاہر فرماتے تھے۔ (۲)

حضرت مجدّ د الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات شریف میں آپ کی مدح میں بہت سے کلمات تحریر فرمائے ہیں ایک جگہ آپ کو اپنے "معارف کا مجموعہ" تحریر فرمایا ہے، ایک مقام پر "نسخہ مقاماتِ جذبہ و سلوک" قرار دیا ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مقام میرے فرزندِ ارشد کو عنایت ہوا ہے اور ان کی ولایت میں داخل ہے فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔ (۳) (یعنی سرہند شریف کی قطبیت خواجہ محمد صادق کی ہے)

جب سرہند شریف میں مرضِ طاعون کا بہت زور ہوا تو خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وبا کوئی ترلقمہ چاہتی ہے جب تک میں نہ جاؤں گا یہ فرو نہ ہوگی، چناں چہ آپ کو بخار ہوگیا اور روزِ دوشنبہ نہم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وصال فرمایا ان ہی الفاظ "روز دوشنبہ نہم ربیع الاول" سے تاریخ وفات بھی نکلتی ہے۔ آپ نزع کے وقت فرماتے تھے کہ "اب اللہ تعالیٰ لوگوں پر سے یہ مصیبتِ

۱۔ حضرات القدس۔ دفتر دوم: ص ۱۹۱ ۲۔ حضرات القدس۔ دفتر دوم: ص ۱۹۱

۳۔ مکتوبات شریف۔ دفتر اول: مکتوب ۲۴۴

وبا دور فرما دے گا، اگر میرے انتقال کے بعد کوئی شخص اس مرض میں مبتلا ہو تو میرا نام لکھ اس کے گلے میں ڈال دیں اور ایک چھدام میرے ایصالِ ثواب کے لئے راہِ خدا میں دے دیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شفائے کلی عطا فرمائے گا۔

چناں چہ واقعی آپ کے وصال کے بعد کوئی شخص اس مرض میں مبتلا نہ ہوا، اور اگر کوئی بیمار ہوتا تو آپ کا اسمِ مبارک (خواجہ محمد صادق) لکھ کر اس کے گلے میں ڈالتے ہی صحت یاب ہو جاتا۔(۱)

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کی تکفین کے لئے جامۂ فاخرہ لفافہ وقمیص وازار، حسب عادت مہیا فرمایا، اور دفن کرنے میں متفکر ہوئے کہ کہاں دفن کیا جائے، حکم ہوا کہ حویلی کے صحن میں کہ بعض اوقات خود مخدوم زادہ وہاں ٹھہرا کرتے تھے دفن کیا جائے، چناں چہ صحن میں ایک جگہ معین کی گئی، اس مقام کی شرافت و بزرگی حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کے اس مکتوب سے ظاہر ہے:

> میرے فرزندِ اعظم کی وفات سے چند ماہ قبل یہ نور مجھ پر ظاہر کیا گیا اور فقیر کی جائے سکونت کے ایک کونہ کی اس میں نشاندہی کر کے ایک بلند نور اس قسم کا دکھایا گیا کہ صفت وشان کی گرد اس کو نہ لگی تھی اور کیفیات سے منزہ ومبرا تھا، اس وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس زمین میں دفن کیا جاؤں اور وہ نور میری قبر پر چمکتا رہے۔ اس بات کو میں نے اپنے فرزند اعظم پر جو کہ صاحبِ اسرار تھے ظاہر کیا اور اس نور اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا، اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور خاک کے پردے میں جا کر اس نور میں مستغرق ہوگیا:
>
> هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا
> وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ
>
> مبارک منعموں کو اپنی دولت
> مبارک عاشقوں کو درد و کلفت
>
> اس شہر کے لئے یہ بڑی بھاری شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیا میں سے ہے اس جگہ آسودہ ہے۔(۲)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۰۵، ۳۰۶ ۲۔ مکتوبات شریف۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۲

نیز فرماتے ہیں:

میرا فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادقؒ) حق سبحانہ وتعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت (نشانی) اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ چوبیس برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہو، پایۂ مولویت اور علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کو حدِ کمال تک پہنچایا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کے پڑھانے میں اعلیٰ درجے کا ملکہ رکھتے ہیں، اس کی معرفت وعرفان کی حکایات اور شہود وکشف کے قصے بیان سے باہر ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ ان کے احوال کی تسکین کے لئے بازاری طعام سے جو مشکوک ومشتبہ ہوتا ہے معالجہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھ کو محمد صادقؒ کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور ایسے ہی جو محبت اس کو ہمارے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں، اس کلام سے اس کی بزرگی کا اندازہ کرنا چاہئے۔ ولایتِ موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچایا تھا اور اس ولایتِ علیا کے عجائب وغرائب بیان کیا کرتا تھا، ہمیشہ [illegible]ضع اور خاشع ملتجی اور متضرع، متذلل اور منکسر رہتا تھا، اور [illegible]ہا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے اللہ تعالیٰ سے ایک نہ ایک چیز طلب کی ہے میں نے التجا اور تضرع طلب کی ہے۔(۱)

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

ایک مدت تک مخدوم زادہ کی قبر خام رہی ایک احاطہ اس کے گرد کر دیا تھا پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے خیال فرمایا کہ چوں کہ میرے اس فرزند کی قبر عمارات کے درمیان واقع ہوئی ہے بہتر یہ ہے کہ اس جگہ ایک گنبد بنا دیا جائے اور انبیا علیہم السلام کی پیروی کی جائے، پس اس قرۃ العین کی قبر پر ایک گنبد تعمیر کرا دیا۔(۲)

حضرات انبیا علیہم السلام کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ماقبض نبی الا دفن حیث یقبض، وفی روایۃ لا یدفن نبی الاحیث قبض، وفی لفظ لا یقبض اللہ روح نبی الا فی الموضع الزی یحب ان یدفن فیہ

۱۔مکتوبات شریف۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۳۰۶ ۲۔حضرات القدس: ص ۱۹۸

جس مقام پر ان حضرات کی وفات ہوتی ہے اسی جگہ ان کو دفن کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی قبروں پر عمارات ہیں۔ آپ (حضرت مجددؒ) نے حضرات انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تدفین سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر قبر عمران و آبادی میں ہو تو اس پر عمارت کا بنانا بہتر ہے اور اگر صحرا میں ہو تو عمارت بنانا بہتر نہیں ہے، اس بنا پر آپؒ نے اپنے صاحب زادے خواجہ محمد صادق کے مزار پر گنبد بنوایا۔ (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہر نماز جمعہ کے بعد آپ کی زیارت قبر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور دیر تک مراقب رہا کرتے تھے، اور شنبہ کی ہر صبح کو آپ کے مزار فائض الانوار پر حلقۂ ذکر کیا کرتے تھے اور ترقیاتِ بے اندازہ وانواع مواہبِ الٰہیہ جو آپ کی دعا وتوجہ سے انہیں حاصل ہوتیں مکشوف کیا کرتے تھے۔ ایک روز مزار سے اٹھ کر آپ نے فرمایا کہ آج میں ان کے حال کی طرف متوجہ ہوا دیکھا کہ لحظہ بہ لحظہ انوار و آثار عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں اور ساعت بہ ساعت بڑھتے جاتے ہیں (۲)

آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحب زادے شیخ محمد تھے جن کی اولاد کا سلسلہ جاری ہے (۳)

مکتوبات شریف میں آپ کا نام پانچ مکتوبات ہیں۔ یعنی دفتر اول مکتوبات نمبر ۱۸۱۔ ۲۰۸۔ ۲۳۴۔ ۲۳۶۔ ۲۶۰۔ نیز آپ کے چند مکتوبات جو آپ نے حضرت مجددؒ کے نام تحریر فرمائے ہیں وہ مکتوبات شریف دفتر اول کے آخر میں منسلک ہیں۔

۱۔ از مقامات خیر: ص ۵۸ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۰۶

۳۔ ہدیۂ احمدیہ: ص ۶

۲۔ حضرت خواجہ محمد سعید ''خازن الرحمۃ'' قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے دوسرے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ماہ شوال ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ طفولیت ہی سے آثارِ ہدایت و کرامت آپ کی ناصیۂ استعداد سے اور اطوارِ نجابت وولایت آپ کے چہرۂ ارشاد سے پیدا و ہویدا تھے۔ چناں چہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے، غلبۂ مرض کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ حضرت خواجہ (باقی باللہ) صاحبؒ کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ ''تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اُچک لی۔'' حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحب زادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے ہیں:

فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال اند اسرار الٰہی آند بالجملہ شجرۂ طیبہ اند اَنۢبَتَھَا اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا

اس شیخ (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے صاحب زادے جو کہ (ابھی) بچے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں مختصر یہ کہ شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو پروان چڑھائے۔ (۱)

آپ جب سن شعور کو پہنچے تو تحصیل علومِ ظاہر میں مشغول ہو گئے۔ شیخ محمد طاہر لاہوری سے اکثر کتابیں پڑھیں، بعض کتابیں اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ، سے بھی پڑھیں، اپنے والد ماجد اور شیخ عبدالرحمٰن رمزی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ تحصیل علم ہی کے زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توجہ سے طائفہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے اور ''خازن الرحمۃ'' کا لقب پایا۔ (۲)

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۱۴، کلیات باقی: ص ۱۴۰

۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۳۳۶

سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ معقول ومنقول کی مشکل سے مشکل کتابیں پوری قابلیت سے پڑھائیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے انہی میں سے تعلیق مشکوٰۃ المصابیح بھی ہے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرما دیتے تھے۔(۱)

ایک روز حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان دونوں بھائیوں (خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ) کے متعلق فرمایا کہ جب محمد صادق مرحوم کا انتقال ہو گیا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اب کوئی ایسا فرزند جو فضائلِ ظاہری واحوالِ باطنی میں کمال رکھتا ہو کہاں سے پاؤں گا۔ آخر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے یہ دونوں بھائی ان کے قائم مقام عنایت فرمائے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہٖ(۲)

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایامِ وبا میں حوادثِ کثیرہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کو پہنچے کہ تین دن میں برادرِ کلاں خواجہ محمد صادق اور برادرانِ خورد خواجہ محمد فرخ و خواجہ محمد عیسیٰ مع اقربا ورشتہ داروں کے رحلت کر گئے اور میں بھی سخت بیمار ہوا کہ امیدِ زیست نہ رہی جس کی وجہ سے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خاطرِ مبارک میں فکرِ عظیم پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں ایک شب تجلی خاص الخاص وظہورِ مخصوص بارگاہِ الٰہی حضرت مجدّد الفِ ثانی پر وارد ہوا اور آپ کو معلوم ہوا کہ یہ نزولِ اجلال محض آپ کی تسلی اور بشارت دہی کے لئے ہے۔ ان عنایاتِ فاخرہ اور الطافِ باہرہ کے ورود کے وقت حکم اقدس واعلیٰ صادر ہوا کہ محمد سعیدؒ ومحمد معصومؒ کو لایا جائے۔ پھر ان دونوں کو میرے زانو پر بٹھایا گیا دونوں معمر اور سفید ریش تھے اور حکم ہوا کہ ہم نے یہ دونوں فرزند تم کو عطا کیے دونوں کی عمریں دراز ہوں گی۔ حضرت موصوف اس بشارت سے بہت خوش ہوئے اور سب کو یہ خوشخبری سنائی۔(۳)

ایک دفعہ جب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ دہلی میں تشریف فرما تھے، حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے ابتدائے سلوک وظہور جوش وخروش میں سرہند شریف سے ایک عریضہ لکھا، جس میں تحریر فرمایا:

جناب عالی! میں دل کو کسی طرف متوجہ نہیں پاتا بلکہ دل ہی کو نہیں پاتا، اکثر حیران

۱۔ تذکرہ مجدّد الف ثانی: ص ۳۱۵ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۰

۳۔ حضرات القدس: ص ۲۰۴

رہتا ہوں، اگر قرآن مجید سنتا ہوں تو سب لوگوں کی طرح بیٹھا رہتا ہوں کبھی ذکر کی توجہ کے بغیر دل میں رفتگی (فنائیت) مفہوم ہوتی ہے۔ قصبہ شاہ آباد میں مشغولِ ذکر تھا کہ روح کو بدن سے بالکل جدا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حیرت کے مقامات سے ہے، اس مقام کے پیشوا شیخ عراقی قدس سرہٗ ہیں اور میں نے دیکھا کہ شیخ موصوف ظاہر ہوئے اور اس نسبت نے غلبہ کیا جس قدر وہ غلبہ کرتے تھے میں متالم (تکلیف زدہ) ہوتا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ کا ظہور ہوا اور مجھے کچھ تسکین حاصل ہوئی۔ دوسرے روز حضرت خواجہؒ پھر ظاہر ہوئے اور بہت زیادہ تسکین حاصل ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس خط کے حاشیے پر جواب میں تحریر فرمایا:

محمد سعید نے جو احوال لکھے ہیں وہ نہایت صحیح احوال ہیں، دوستوں میں سے کسی کو اس خصوصیت کے ساتھ یہ احوال حاصل نہیں ہوئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بھی ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوں گے۔ (۱)

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں یہ دونوں مخدوم زادے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ہم راہ نہیں تھے اور کسی وجہ سے سرہند شریف میں رہ گئے تھے میں اس وقت آپ کے ہمرکاب تھا اور مشاہدہ کرتا تھا کہ جب کوئی معرفت حضرت کے قلب پر وارد ہوتی تھی اس وقت حضرت دونوں فرزندوں کو بشوقِ تمام یاد فرماتے تھے۔ (۲)

اسی طرح اجمیر کے سفر میں بندہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ہمرکاب تھا دیکھتا رہتا تھا کہ ہر روز حضرت موصوف اس مخدوم زادہ (محمد سعید قدس سرہٗ) کو ایک خاص فیض و مخصوص نسبت سے سرفراز فرماتے رہتے تھے، ایک روز فرمایا:

اجمیر کا یہ سفر گویا محمد سعید کے لئے کیا ہے کہ اس نے بہت ترقیات حاصل کی ہیں۔ (۳)

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھ پر میدانِ قیامت اور میرے مریدوں کا پل صراط سے گزرنا مکشوف ہوا۔ محمد سعید ہم سب میں آگے آگے جا رہے تھے اور کتابِ اعمال سیدھے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، پس ہم سب بہشت میں داخل ہو گئے۔ (۴)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۱
۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۱۵
۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۲
۴۔ حضرات القدس: ص ۲۰۲ و ۲۰۳

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے اخیر مرض میں نماز کی امامت میرے حوالے فرمائی۔ ان دنوں نماز میں جو کمالاتِ عظیم اور مقاماتِ بلند حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ پر فائض ہوتے تھے وہ اسرار کی طرح واجب الاخفا تھے فرماتے تھے کہ محمد سعید چوں کہ یہ سب نتائج نمازوں کے ہیں اور تم اس کے قیام کو ہماری پیروی سے ادا کر رہے ہو اس لئے ان مواہب عالیہ اور اسرار غامضہ میں تم کو نصیبہ کامل اور حصہ تام مرحمت ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً (۱)

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے آخر عمر میں طریقہ تعلیم بہت کم فرما دیا تھا اور طالبانِ حق کو مخدوم زادگان حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کے سپرد فرما دیا تھا اور دونوں صاحب زادگان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک قطب کے دو امام ہوتے ہیں لہٰذا تم دونوں بمنزلہ امام کے ہو۔ حضرت خواجہ محمد سعیدؒ نے انکساراً اس بشارت کو حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ پر منطبق فرمایا اور خود صاحب یمین بنے۔ نیز حضرت قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ہر مقام پر عروج و نزول میں محمد سعید میرے ہم راہ ہے۔ (۲)

صاحب زبدۃ المقامات مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک دفعہ خلوت میں اس فقیر سے فرمایا:

> عمر کا کوئی بھروسہ نہیں اب جانے کی دن قریب معلوم ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ محمد سعید میرا جانشین ہو سکے۔

میں نے مخدوم زادہ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے نہایت رقت وانکساری سے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں اور اپنے آپ کو ہرگز ہرگز اس امر کے شایاں نہیں پاتا، حضرتؒ جب کہیں تشریف لے جاتے ہیں تو محمد معصوم کو اپنا جانشین بنا دیتے ہیں اور مجھے ان کی متابعت کا حکم کر جاتے ہیں اگر یہ التماس حضرتؒ کی خاطر شریف میں نہ آئے (یعنی گوارا نہ ہو) تو مجھے حکم فرما دیں کہ میں حضرت جدّ بزرگوار کی مزار پر جو بیرونِ شہر واقع ہے گوشہ نشینی اختیار کروں تا کہ سجادہ نشینی قرۃ العین محمد معصوم کے حوالہ ہو۔

فقیر (ہاشم کشمی) نے یہ ماجرا مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں عرض کیا آپ بھی آبدیدہ ہوئے اور فرمایا "شاید اعزی مخدومی خواجہ محمد سعیدؒ مجھے اپنی خدمت کے لائق نہیں سمجھتے اور میں خود جب

۱۔ حضرات القدس: ص ۲۰۳، ۲۰۴ ۲۔ ایضاً: ص ۲۰۲

استقامتِ احوال واطوار واحتیاطہائے شرعیہ، اخلاقِ ملکیہ اور قوت علمیہ وغیرہ میں نظر کرتا ہوں تو خود کو ان کا کمترین مستفیض وتلمیذ پاتا ہوں اور اپنی سعادت ان کی خدمت میں دیکھتا ہوں۔'' فقیر (ہاشم کشمی) نے یہ ماجرا خلوت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں عرض کیا آپ نہایت درجہ خوش ہوئے اور آبدیدہ ہوکر فرمایا ''تم نے ان دونوں برادرانِ خجستہ سیر کا انکسار وایثار اور محبت وانصاف دیکھ لیا'' اس کے بعد آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (۱)

۱۰۶۷ھ میں آپ اپنے بھائیوں اور احباب ورفقا کے حج بیت اللہ وزیارت روضۂ رسول اللہ ﷺ سے مشرف ہوئے اور وہاں حق سبحانہ وتعالیٰ کے خصوصی انعامات اور اعلیٰ مقامات سے سرفراز ہوئے۔ وہاں کے حالات وواردات آپ کے فرزندِ پنجم حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے ایک رسالے (۲) میں مفصل تحریر کیے ہیں۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ (مدینہ منورہ کے دوران قیام میں) آٹھ مرتبہ میں ان ظاہری آنکھوں سے حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ کشف وکرامات کا آپ کے مزاج میں بہت اخفا تھا مگر تاہم بحالتِ اضطراری ظاہر ہوجاتی تھیں۔ (۳)

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ اشراقِ قلوب وکشفِ قبور میں کمال درجہ رکھتے تھے آپ کی بشارات آپ کے ارشاد کے عین مطابق ہوتی تھیں، چناں چہ مرحوم وزیر خاں کی زوجہ نے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ میرے بارے میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو لڑکا عنایت فرمائے۔ آپ نے توجہ کی اور جواب میں لکھا کہ اطمینان رکھو اللہ تعالیٰ عن قریب تم کو لڑکا عطا فرمائے گا۔ جب اس کی مدت حمل پوری ہوگئی اور لڑکا پیدا ہوا تو وزیر خاں لاہور سے خبرِ ولادت و نذرانہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ (۴)

صاحب حضرات القدس مولانا بدر الدین سرہندیؒ اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ (حضرت خواجہ محمد سعیدؒ) کا خادم پان کا ایک بیڑا ڈھاک کے پتے میں لپٹا ہوا لے کر حاضر ہوا، آپ نے پان نکال کر کھالیا اور اس ڈھاک کے پتے کو پان کے بیڑے کی طرح لپیٹ کر مجھ کو عنایت فرمایا۔ میں نے دیکھا تو خالی تھا، آپ کے برادرِ خورد خواجہ محمد یحییٰ بیٹھے تھے دیکھ کر مسکرانے لگے میں شرمندہ ہوا اور دفع ندامت کے لئے میں نے اس کو فوراً اپنی پگڑی میں چھپا کر رکھ لیا تاکہ حاضرین اس بات سے آگاہ نہ ہوں۔ جب میں اپنے گھر واپس آیا اور گرمی کی وجہ سے میں نے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۲
۲۔ یہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا (مؤلف)۔
۳۔ حالات مشائخ نقشبندیہ: ص ۲۰۹
۴۔ حضرات القدس: ص ۲۲۶

اپنی پگڑی اتاری تو خیال آیا کہ اس پتے کو پھینک دوں دیکھا تو وہ پان کا بیڑا مصالحے سے پر تھا۔ آپ کے اس تصرف سے مجھے حیرت ہوئی اور وہ آپ کی کرامت کا پان میں نے کھالیا۔(۱)

صاحبِ حضرات القدس اپنا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ فقیر ایک کام کے لئے شاہی لشکر میں گیا ہوا تھا، کاروائی میں رکاوٹ ہوئی، دیوان نے دستخط کرنے سے انکار کردیا اور نہایت سختی سے پیش آیا۔ میں حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ کی طرف رجوع ہوا۔ اسی رنج و پریشانی کی حالت میں خواب دیکھا کہ میں ایک قصرِ بلند اور ایوانِ رفیع میں ہوں اور ایک حسین عورت مجھ سے مذاق و دل لگی کررہی ہے آخرکار وہ مجھ پر غالب آگئی اور دشمنی سے میرے سینے پر چڑھ بیٹھی اور قریب تھا کہ میرا گلا گھونٹ کر مجھ کو ہلاک کردے، اسی اثنا میں حضرت خواجہ محمد سعیدؒ حسبِ عادت عصا لئے ہوئے باوجاہت نمودار ہوئے آپ کو دیکھتے ہیں وہ عورت فرار ہوگئی۔ صبح کو مجھے خیال آیا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ حضرت نے مجھ کو دیوان کے شر سے نجات دلائی ہے۔ چناں چہ میں دیوان کے پاس گیا تو وہ اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور کہا کہ خواب میں خواجہ محمد سعیدؒ نے تمہاری سفارش کی اس وجہ سے ہم تمہارا کام کردیتے ہیں۔(۲) آپ کے خوارق و کرامات کے تذکرے کتابوں میں بکثرت درج ہیں لیکن بہ نظرِ اختصار انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے:

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس خاندان کے بہت معتقد مرید تھے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی خدمت میں دہلی تشریف لانے کی درخواست کی۔ حضرت بھی ان کے اخلاص کی وجہ سے تشریف لے گئے اور بہت دنوں تک وہاں مقیم رہے، کچھ عرصے بعد آپ کو ایک مرض لاحق ہوا شاہی اطبا نے ہر چند علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا حتیٰ کہ زیست کی امید نہ رہی تو آپ نے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ راستے میں سنبھال کہ کے مقام پر ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۷۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ بالآخر آپ کا جنازہ سرہند شریف لایا گیا اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبہ حضرت خواجہ محمد صادقؒ میں دفن کیا گیا(۳)۔

عالمگیر نامہ میں آپ کے متعلق لکھا ہے:

بتقوی شعار شیخ محمد سعید خلف شیخ احمد سرہندیؒ خلعت و دو ہزار روپیہ مرحمت شد۔

اسی تذکرے میں آگے چل کر لکھا ہے کہ شیخ محمد معصومؒ کے دوسرے بھائی شیخ محمد یحییٰؒ، شیخ

۱۔ حضرات القدس: ۲۲۶ ۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۱۶۱، ۱۶۲

۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۹۳

سعیدؒ اور مؤخر الذکر کے دو فرزند شیخ سعد الدین و شیخ عبدالاحد المعروف بہ میاں گل کئی بار بادشاہ دین پناہ کی بارگاہ میں پہنچے اور الطاف شاہنشہی سے فیض یاب ہوئے۔(۱)

آپ کے فرزند چہارم شیخ سعد الدینؒ سے منقول ہے کہ میں پالکی میں حضرت کے جنازے کے ہم راہ تھا اور حالت بے قراری میں اُٹھ اُٹھ کر حضرت کی نعش مبارک کو چھوتا تھا ایک بار شب کو دیکھا کہ صرف چادر ہی چادر ہے اور جسم مبارک نہیں ہے، اس ماجرے سے نہایت اضطراب و سراسیمگی ہوئی اور حضرت کی جانب رجوع ہو کر عرض کیا کہ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جسم مبارک بہشت میں گیا لیکن اس امر سے مجھ کو نہایت ندامت و شرمندگی ہوگی پھر جو چادر میں دیکھا تو جسم موجود تھا۔(۲)

نقل ہے کہ جب آپ کا جنازہ سرہند شریف پہنچا تو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے حکم دیا کہ ان کو بھی اسی (خواجہ محمد صادقؒ کے) گنبد میں دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اب یہاں اور قبر کی گنجائش نہیں۔ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ وہیں دفن کرو، لوگوں نے مجبوراً مشرقی سمت زمین پر کدال ماری تو روضہ مبارک کی دیوار ہٹ گئی اور قبر کی جگہ نکل آئی۔(۳)

حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی اولادِ امجاد میں آٹھ صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں تھیں، تفصیل حسب ذیل ہے: ۱۔ شاہ عبداللہ ۲۔ شاہ لطف اللہ ۳۔ مولوی فرخ شاہ ۴۔ شیخ سعد الدین ۵۔ شیخ عبدالاحد وحدت المعروف بہ شاہ گل ۶۔ شیخ خلیل اللہ ۷۔ شیخ محمد یعقوب ۸۔ شیخ محمد تقی۔ اور صاحب زادیوں میں: ۱۔ بی بی فاطمہ ۲۔ بی بی صالحہ ۳۔ بی بی شاکرہ ۴۔ شرف النساء مریم ۵۔ فخر النساء بیگم۔(۴)

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کی تصنیفات میں سو عدد مکتوبات شریفہ کا ایک دفتر ہے جو دریائے گوہر حقائق و جواہر معارف ہیں، غالباً پہلی مرتبہ حکیم عبدالمجید سیفی مجددی نقشبندی نے لاہور سے ۱۳۸۵ھ میں شائع کیا تھا۔ نیز آپ کا ایک رسالہ نماز میں بوقت تشہد عدم رفع سبابہ کی تحقیق میں بھی ہے جس میں عدم رفع سبابہ کا اولیٰ ہونا ثابت کیا ہے۔(۵) یہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

۱۔ رود کوثر: ص ۴۳۶

۲۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۲۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۹۶

۳۔ روضۃ القیومیہ: ۱۶۱، ۱۶۲ ۴۔ روضۃ القیومیہ: ۲۹۳

۵۔ زبدۃ المقامات: ۳۱۰

۳۔ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے تیسرے فرزند ہیں، بہت بڑے عالم، خدوخال میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے، قدر و منزلت میں حضرتؒ کے ساتھ سب سے زیادہ قریب، سیرت میں سب سے زیادہ حضرتؒ کے متبع، معارف میں حضرتؒ کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے، لوگوں میں سب سے زیادہ شہرت والے اور ان کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے تھے۔(۱)

آپ کی ولادت باسعادت بروز دوشنبہ ۱۱ رشوال المکرم ۱۰۰۷ھ مطابق ۷رمئی ۱۵۹۹ھ بستی ملک حیدر میں ہوئی جو سرہند شریف سے دو خام میل فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ولادت محمد معصومؒ ہمارے لئے نہایت مبارک ہوئی کہ ہم ان کے تولد ہونے کے چند ماہ بعد حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہ) کی شرف صحبت سے سرفراز ہوئے اور وہاں دیکھا جو کچھ دیکھا۔(۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ بچپن میں عام بچوں کی طرح نہیں رویا کرتے تھے اور بول و براز کا کپڑوں پر کہیں نشان نہ ہوتا تھا، اگر اتفاقاً ننگے ہو جاتے تو فوراً اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے، آپ دایہ سے بھی دودھ نہ مانگتے وہ خود ہی آپ کے دہن مبارک میں پستان رکھتی تو آپ دودھ پی لیتے، ماہِ رمضان میں دن کے وقت ہرگز ہرگز دودھ نہ پیتے تھے ہر چند دایہ دودھ پلانا چاہتی لیکن آپ منہ پھیر لیتے، نماز مغرب کے بعد پیٹ بھر کر دودھ پیا کرتے ایک دفعہ ماہِ رمضان المبارک کے چاند کے متعلق لوگوں کو شبہ ہوا کہ نکلا ہے یا نہیں، حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دریافت کرو کہ آج محمد معصوم نے دودھ پیا ہے یا نہیں' معلوم ہوا کہ نہیں پیا حضرت نے فرمایا آج سے ماہ رمضان المبارک شروع ہے۔(۳)

۱۔ نزھۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۰۷
۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۵۔ و تذکرہ امام ربانی: ص ۳۱۶
۳۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۲

آپ کی مدح وتعریف وعلو استعداد کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا ''وہ محمدی المشرب ہیں''۔ ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔ ''اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں وہ خود اس دولت یعنی ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی استعداد رکھتے ہیں''۔ نیز فرماتے ہیں ''یہ اس کی علو استعداد کا تقاضا تھا کہ تین سال کی عمر ہی میں اس نے جامعیتِ تجلی ذاتی اور توحید میں لب کشائی کی اور کہنے لگا میں آسمان ہوں زمین ہوں اور میں فلاں ہوں اور فلاں ہوں۔

چوں زلیخا کز سپند آں تا بعود
نام جملہ چیز یوسف کردہ بود

جیسا کہ زلیخا نے ہر چھوٹی بڑی چیز کا نام یوسفؑ کر دیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''اس راہ میں فیضانِ الٰہی کے انوار حاصل ہونے میں پیرو جوان، عورت مرد اور بچے سب برابر ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ اسی استعداد کی بلندی اور رشد وہدایت کے آثار مشاہدہ فرمانے کی وجہ سے جو کہ بچپن کے زمانے میں آپ سے مشاہدہ فرمائے تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی نظر عنایت ان کے شامل حال رہتی تھی اور آپ ان مخفی کمالات کے ظہور کے منتظر رہتے تھے جو کہ اس استعدادِ تامہ میں ودیعت تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چوں کہ علم مبدءِ حال ہے اس لئے اس کے حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اسی وجہ سے علوم معقول ومنقول کو حاصل کرنے کی بھی رہنمائی فرماتے اور کتب دقیقۂ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق پڑھنے کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے ''بیٹا ان علوم کی تحصیل سے جلد از جلد فارغ ہو جاؤ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔(۱)

آپ نے بعض کتبِ درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ سے اور اکثر کتابیں اپنے والد ماجد اور مولانا شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں، تین ماہ میں قرآن شریف حفظ کیا، اپنے والد ماجد سے طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو مقاماتِ عالیۂ قیومیہ کی بشارت دی۔(۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مبارک توجہ کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے تھے، اگرچہ تحصیل علوم کے زمانے میں بھی

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۶ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۰۷

تحصیل حال میں سرگرم تھے لیکن علوم سے فارغ ہوئے تو ہمہ تن اس طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے والد ماجد کی عنایت و توجہ کی بنا پر احوال و اسرارِ خاصہ سے کامل حصہ حاصل کیا۔ چناں چہ ایک روز آپ نے حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایک نور دیکھتا ہوں جس سے تمام عالم منور ہے اور وہ نور ذراتِ عالم میں سرایت کیے ہوئے ہے، جس طرح آفتاب کہ اگر غروب ہو جائے تو تمام عالم ظلمانی ہو جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے وقت کے قطب ہو گے، میری اس بات کو یاد رکھنا۔ والحمدللہ کثیراً (۱)

صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے یہ فرماتے سنا ہے کہ ''محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا اس طرح پر ہے جیسا کہ صاحبِ شرح وقایہ کا اپنے دادا سے ان کی تالیف وقایہ کا حفظ کرنا''۔ چناں چہ انھوں نے کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ وقایہ جس طرح سبقاً سبقاً میرے جدِ امجد تالیف کرتے جاتے میں بھی اسے سبقاً سبقاً یاد کرتا جاتا، چناں چہ جب یہ تالیف مکمل ہوئی تو تمام کی تمام میرے ذہن میں بھی محفوظ تھی۔ (۲)

حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں آپ کے اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ایسا معلوم ہوا کہ جو خلعت میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے جدا کی گئی ہے اور اس کی بجائے دوسری خلعت مجھے پہنائی گئی ہے دل میں خیال آیا کہ دیکھیے یہ میری اتاری ہوئی خلعت کسی کو ملتی ہے یا نہیں مجھے یہ آرزو ہوئی کہ یہ میری اتاری ہوئی خلعت میرے فرزند محمد معصوم کو دے دیں تو بہتر ہے، ایک لمحے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے، یہ میری اتاری ہوئی خلعت منصب قیومیت سے مراد ہے جو تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجمعہ کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اس خلعتِ جدیدہ کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا اور اتر جانے کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرزند محمد سعید کو عطا فرمائے گا۔ (۳)

جس طرح حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے حضرت مجددؒ کو اپنی حیات میں اپنا خلیفہ بنا کر اپنے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۷ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۱۷

۳۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب، ص ۱۰۴

جملہ مریدوں کو آپ کے حوالے کر دیا تھا اسی طرح حضرت مجددؒ نے اپنا یہ مکاشفہ بیان فرما کر آپ کو اپنی حیات میں اپنا جانشین بنا دیا اور یہ بشارت سنا دی کہ کا خانۂ ارشاد کا تعلق آپ کی ذات ستودہ صفات جامعہ البرکات سے رہے گا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے تین ماہ میں قرآن مجید حفظ فرمایا تھا اور ہمیشہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں تراویح کے اندر ایک ختم قرآن خود پڑھتے اور دو ختم دوسرے حافظوں سے سنتے تھے۔ لوگ اطراف واکناف شہروں اور دیہاتوں سے دور دراز کی راہ طے کر کے آپ کا کلام مجید سننے کے لئے اور آپ کی مجلس بہشت آئین میں شریک ہونے کے لئے مور و ملخ کی طرح جمع ہو جاتے، مسجد باوجود وسعت کے حاضرین کے لئے ناکافی ہوتی تھی اس لئے بعض حضرات روزے کے افطار سے قبل ہی آجاتے تھے۔ (۱)

۲۷ رذی الحجہ ۱۰۲۱ھ کو آپ کا عقد مبارک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ میر صفر احمد رومی علیہ الرحمہ کی دوسری صاحب زادی بی بی رقیہ سے ہوا اور آپ کی تمام اولاد انہی خاتون کے بطن سے ہے۔ (۲)

۱۰۳۴ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے وصال کے بعد بروز پنجشنبہ بوقت اشراق یکم ربیع الاول ۱۰۳۴ھ کو آپ ارشاد و قیومیت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس روز پچاس ہزار افراد نے آپ سے بیعت کی جن میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تقریباً دو ہزار خلفا بھی شامل ہیں، اکثر والیانِ ملک نے بھی تجدید بیعت کے لئے آپ کی خدمت میں عریضے ارسال کیے۔ (۳) خود جہانگیر بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصال کی خبر سن کر تعزیت کے لئے سرہند شریف آیا۔ (۴) اسی سال بروز جمعہ ۷ر رمضان المبارک ۱۰۳۴ھ کو حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانیؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

بروز یک شنبہ بوقت چاشت ۲۸ رصفر ۱۰۳۷ء کو شہنشاہ جہانگیر کا لاہور میں انتقال ہوا اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے جہانگیر کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اس کی مغفرت کی خوش خبری دی۔ جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہان تخت نشین ہوا اور دوبارہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے بیعت ہو کر بعض بدعتیں جو شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں رہ گئی تھیں وہ سب دور کیں، سکے

۱۔ حضرات القدس: ج ۲، ص ۲۳۱ — ۲۔ جواہر معصومیہ: ص ۱۴، ۳

۳۔ ایضاً: ص ۲۰ — ۴۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۲

پر کلمۂ طیبہ کی مہر جاری کی، تین لاکھ مساجد اور ایک لاکھ مدرسے تعمیر کرائے، جابجا علما و فقرا کے وظائف مقرر کئے اور د[illegible]ام کی ترویج میں بہت کوشش کی۔ (۱)

۱۰۴۰ھ میں حضرت خواجہ محمد معصوم کی والدۂ ماجدہ یعنی حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی اہلیۂ محترمہ کا وصال ہوا اور آپ کے قبۂ مبارک سے سات ہاتھ مغرب کی طرف دفن ہوئیں، حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو اپنی والدۂ ماجدہ کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا حتی کہ چند یوم مریدوں کو توجہ بھی نہ دی۔ انہی دنوں آپ کے خسر میر صفر احمد رومیؒ کا بھی انتقال ہو گیا۔ (۲)

ذی الحجہ ۱۰۴۷ھ میں شہزادہ اورنگ زیب عالمگیرؒ (۳) حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت ہوئے، اور ۱۰۴۸ھ میں عالمگیرؒ کی بہن روشن آرا بیعت ہوئی نیز خاندانِ شاہی کے دیگر افراد بھی آپ سے بیعت ہوئے۔ (۴)

چناں چہ حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک مکتوب میں بڑی مسرت کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتے ہیں:

بادشاہ (اورنگ زیبؒ) دین پناہ را در خدمتِ حضرت اخلاص بنوع دیگر است از

۱۔ ایضاً: ص ۲۵، ۱۶　　　۲۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ۱۷ و ۱۸

۳۔ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ مغل فرماں رواؤں میں ایک عظیم فرماں روا تھے، آپ شاہجہاں بادشاہ کے تیسرے فرزند تھے، ۱۵/ ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۶۱۹ء کو دوحد میں پیدا ہوئے، عالم شہزادگی میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۱۶۵۸ء کو تختِ حکومت پر متمکن ہوئے اور پچاس سال تین ماہ حکومت کے فرائض انجام دے کر اکیانوے سال کی عمر میں بروز جمعہ ۲۸/ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۰/ فروری ۱۷۰۷ء میں واصل رحمت حق ہوئے، خلد آباد (دکن) میں مزار پر انوار ہے۔ آپ کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کو سب سے زیادہ وسعت نصیب ہوئی۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کی شیعہ ریاستیں سلطنتِ مغلیہ میں شامل کر لی گئیں، مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دیا گیا لیکن آپ کے دورِ حکومت میں سکھوں اور مرہٹوں نے جو طاقت حاصل کر لی تھی وہ آپ کے انتقال کے بعد پھر ابھری اور سلطنت مغلیہ کے لئے ناسور بن گئی۔ عالمگیرؒ نہایت زاہد اور درویش صفت بادشاہ تھے۔ قرآن مجید کی کتابت اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، دو نسخے خود لکھ کر اور نہایت قیمتی جلدیں بندھوا کر حرمین شریفین کو بھجوائے تھے، علمی قابلیت اس درجہ تھی کہ رقعاتِ عالمگیری جو آپ کے خطوط کا مجموعہ ہے فارسی طرزِ انشا کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے، آپ کے زمانے میں بعض شرعی احکام نافذ کیے گئے، فتاویٰ عالمگیری جیسی عظیم کتاب آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

۴۔ جواہر معصومیہ: ص ۳۷

ذکر لطائف و ذکر سلطانی گذشتہ بہ ذکر نفی و اثبات مقید است و ظاہری سازد کہ بعضے اوقات خطرہ مطلقاً نمی آید و گاہے کہ می آید استقرار نمی کرد ازیں راہ خیلے محفوظ است و می گوید کہ پیش ازیں من از ہجوم خواطر دل تنگ بودم و شکر ایں نعمت بجا می آرد۔ (۱)

ماہ ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ میں آپ مع اپنے دونوں بھائیوں خواجہ محمد سعید خازن رحمتؒ اور شیخ محمد یحییٰؒ اور کئی ہزار مریدوں کے ہم راہ حج بیت اللہ شریف زاد اللہ شرفہا کے لئے تشریف لے گئے، جیسا کہ مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۳۹ وغیرہ ۴۷ سے ظاہر ہے اور ۱۰۶۷ء کا تعین یاقوتہ نمبر ۲ سے ہوتا ہے نیز یاقوتہ نمبر ۳ میں ہے کہ حضرت عروۃ الوثقیٰ پر ایسا ظاہر کیا گیا تھا کہ آپ کے روانہ ہوتے ہی ہندوستان میں اکثر جگہ فتنہ و فساد برپا ہو گیا، داراشکوہ کی بدعنوانیوں کی وجہ سے سلطنت میں ضعف آگیا اور بدعت نے پھر اپنے پنجے نکالنے شروع کر دیئے، ادھر ملک میں وبائی بیماری ایسی پھیلی کہ جس سے روزانہ ہزار ہا آدمی مرنے لگے۔ (۲)

شعبان ۱۰۶۸ھ کو آپ مع اپنے بھائیوں اور رفقا یمن کی بندرگاہ مخہ پر جہاز سے اترے تو عرب و یمن کے بڑے بڑے امرا و رؤسا آپ کے استقبال کے لئے آئے، اور آپ کے وہ خلفا جو ان علاقوں میں قیام پذیر تھے حاضر خدمت ہوئے خصوصاً شیخ مراد جن کو آپ نے خلافت سے سرفراز فرما کر ملک شام میں بھیجا تھا اپنے جملہ مریدوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، تمام سفر میں ہر وقت عقیدت مندوں کی آمد افت کا سلسلہ جاری رہا اور بہ کثرت لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ (۳)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جب مخہ سے حرم محترم کی جانب متوجہ ہوئے تو فرماتے تھے کہ تمام جنگل بیابان اور اس کے تمام نشیب و فراز انوارِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مستغرق ہیں اور ان جگہوں کی تمام اشیا ان انوارِ کریمہ میں گم ہیں اور میں خود کو بھی اسی بحرِ انوار میں مستغرق پاتا ہوں، جب حضرت موصوف ۲۳ / شعبان بشب جمعہ اونٹ پر سوار ہوئے تو مخدوم زادہ والا گوہر مروج الشریعۃ حضرت خواجہ محمد عبید اللہ قدس سرہٗ اس شغدف کی ایک جانب سوار تھے اس وقت حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کعبۂ حسنہ کے انوار آج کل بہت ظاہر ہوتے ہیں اور جہاز پر سوار ہوئے ہیں اس وقت سے اب تک برابر ظاہر ہو رہے ہیں اور آج تو دوسرے دنوں کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہو رہے ہیں، معلوم ہو رہا ہے کہ کعبۂ معظمہ اپنے مکان شریف سے منتقل ہو گیا

۱۔ مکتوبات سیفیہ: مکتوب نمبر ۲ ۲۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۸۸

۳۔ ایضاً: ۹۲، ۹۳

ہے، ایک ساعت کے بعد مشاہدہ ہوا کہ میری جانب آیا ہے اور ایک دراز قد سفید رنگ عورت کی شکل میں متمثل ہو کر بشاشت کے ساتھ مسکراتے ہوئے سرخ لباس پہنے ہوئے ظاہر ہوا ہے جس پر بہت سے انوار چمک رہے ہیں اور وہ انوار مغرب کی نماز میں بھی ظاہر ہو رہے تھے بل کہ یہ بات کرتے وقت تک بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔

جب حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے ایامِ تشریق میں منیٰ میں قیام فرمایا اور گیارہویں ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو فرمایا کہ جب میں طوافِ زیارت سے فارغ ہوا تو مشاہدہ ہوا کہ حج کی قبولیت واجر و ثواب کا پروانہ مستجل کر کے مجھے عنایت کیا گیا، اگر چہ رمی جمرات ابھی باقی تھی لیکن ارکان کی ادائیگی کے بعد گویا حج پورا ہو گیا تھا۔

مکہ معظمہ کے دورانِ قیام میں حضرت موصوف اکثر طواف میں مشغول رہا کرتے تھے اور ان ایام میں اس عبادت کو سب سے افضل جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ امور عجیبہ وغریبہ مشاہدہ ہوتے ہیں، اکثر اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعبۂ معظمہ مجھ سے معانقہ کرتا ہے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ تقبیل واستلام واقع ہوتا ہے۔(۱)

حج سے فارغ ہو کر ماہِ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ کو مسجد نبوی ﷺ میں اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ دو روز اور ایک شب اعتکاف کی اجازت ہوئی جب نمازِ عشا سے فارغ ہوئے اور حسبِ معمول تمام زائرین مسجد نبوی سے باہر چلے گئے تو آپ کو خلوتِ خاص حاصل ہوئی آپ مواجہۂ شریفہ میں جا کر مدت مدید تک مراقبے میں مشغول ہو گئے، فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کمال بندہ نوازی اور نہایت کرم کے ساتھ حجرۂ خاص اور پردۂ مخصوص سے باہر تشریف لائے اور مجھ کو آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر مشرف حاصل ہوا کہ کسی چیز میں اس کی مثل ظاہر نہ ہوا تھا۔ اور اسی طرح آپ آخر شب میں تہجد کے وقت آ کر بھی مراقبے میں بیٹھ گئے اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقصورۂ منورہ سے باہر تشریف لائے ہیں اور نہایت لطف وعنایت سے اس کم ترین کو بغل گیر فرمایا اور اس فقیر کو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ ایک الحاق خاص حاصل ہو گیا والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔(۲)

شب شنبہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۰۶۹ھ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر خلوت میں مخدوم زادگان سے فرمایا کہ شبِ گزشتہ سے جو کہ شبِ جمعہ تھی ظہور اسرار وتلاطم

۱۔یاقوتہ:۱۱ ۲۔یاقوتہ:۳۰

امواجِ انوار کے مقدمات پاتا ہوں، آج مجھ پر وہ اسرار فائض ہوئے ہیں کہ اشارے میں بھی ان کو بیان نہیں کرسکتا اگر ان میں سے کوئی چیز ظاہر کی جائے تو حلقوم کاٹ دیا جائے ہاں اگر اُن مقدمات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جائے تو گنجائش ہے۔(۱)

حضرات مخدوم زادگان عالی درجات قدس سرہم نقل کرتے ہیں کہ بروز دوشنبہ ۲۰ر جمادی الآخر جب حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ مدینۂ منورہ سے رخصت ہونے لگے تو الوداعی زیارت و رخصت کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ فرماتے تھے کہ نمازِ ظہر میں محرابِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تھا کہ جدائی کے رنج والم کی وجہ سے مجھ پر گریہ غالب ہوگیا میں اسی غم واندوہ میں تھا کہ حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم بہ کمال عظمت شان مقصورۂ شریفہ وروضہ مطہرہ کی جانب سے ظاہر ہوئے اور مجھ پر نزول فرمایا اور نہایت کرم سے سلاطین کے تاج کی مانند ایک خلعتِ تاج بہ کمال علو کبھی اس کے مثل دیکھنے میں نہ آیا تھا اس حقیر کو پہنایا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس تاج پر ایک شہپر کا طرہ کہ جس پر ایک لعل جڑا ہوا ہے اور ایسا مستفاد ہوتا تھا کہ یہ ایک خلعت خاصہ ہے جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسم مبارک سے اتری ہے دوسری خلعتوں کی مانند نہیں ہے اس کے بعد اپنے فرزندوں کے لئے جو کہ اس سفر میں ساتھی تھے اور اس وقت میرے ساتھ حاضر تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حصولِ خلعت کے لئے التجا وتضرع زاری کی۔ بہ کمال بندہ نوازی ان میں سے ہر ایک کو متعدد خلعتیں مرحمت ہوئیں اس کے بعد مواجہہ شریفہ میں جا کر یہی معاملہ مشاہدہ کیا۔ فرماتے تھے کہ ان دونوں مقام یعنی محرابِ نبی ﷺ ومواجہہ شریفہ میں ایک دوست میرے پہلو میں حصول رخصت کے لئے کھڑا تھا میں نے اس کے لئے تضرع والتجا کی کہ اس کو بھی خلعت مرحمت ہوجائے قبول نہ ہوئی تو میں نے مزید بہت تضرع کی تو مشاہدہ ہوا کہ خلعت کی قسم کی کوئی چیز اس کو بھی عنایت ہوئی، چناں چہ اس وقت اس کی دستار پر ممتاز معلوم ہوتی تھی۔(۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ کو وجع المفاصل کا عارضہ لاحق ہوگیا، ایک روز شدتِ مرض میں فرمایا کہ حضرا[illegible] عالیات زہرا بتول وصدیقہ حبیبہ رضی اللہ عنہما نے تشریف فرما کر نہایت مہربانی فرمائی، جب مکہ[illegible] پہنچے تو وہاں کے فیوض وبرکات سے بہت مستفیض ہوئے فرمایا کہ جب ہم مقامِ ابراہیم کے پیچھے[illegible] گانہ طواف ادا کر رہے تھے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ظاہر ہوئے اور اسرارِ خلت کا اظہار

۱۔ یاقوتہ: ۳۴ ۲۔ یاقوتہ: ۴۶

فرمایا۔ میں نے مقامِ ابراہیم کو ان اسرار سے پُر پایا اور اس مرتبہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کا موقع بھی ملا، یہ داخلہ الوداعی تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم میں اپنے حق میں دیکھتا ہوں اور مجھے ایک نہایت فاخرہ جواہرات جڑی ہوئی خلعت عطا ہوئی ہے معلوم ہوا کہ یہ خلعت الوداعی ہے بعدازاں آپ کے بھائیوں اور فرزندوں کو بھی خلعتِ فاخرہ پہنائی گئی۔ (۱)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ مع رفقا ماہ ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ میں سفرِ حج کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۰۶۸ میں حج ادا کیا پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ۱۰۶۹ھ کے اواخر میں وطن مالوف تشریف لے آئے۔

اس دوران میں ہندوستان کے اندر خانہ جنگیاں ہوتی رہیں، دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ میں جنگ ہوئی، بالآخر اورنگ زیبؒ عالمگیر علیہ الرحمہ کامیاب ہوئے اور ہندوستان کے شہنشاہ ہوگئے، چناں چہ جب شہنشاہ عالمگیرؒ کو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حکم دیا کہ ہندوستان کے تمام علما و مشائخ اور امرا وغیرہ سب آپ کا استقبال کریں اور ہر جگہ استقبال و ضیافت کے لوازمات کما حقہ مہیا کئے جائیں، آپ کی تشریف آوری سے ہر جگہ کے عوام و خواص خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ (۲)

وطن واپس پہنچ کر اکثر تفسیر بیضاوی، مشکوۃ شریف و ہدایہ عضدی اور تلویح پڑھانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ طالبوں کے احوال کی دریافت اور ان کی ترقی منازلِ سلوک اور وصول مدارج قصویٰ میں مصروف رہنا آپ کا پسندیدہ طریقہ تھا۔ سالکوں کی تربیت اور بہ طریق سنت ان کی تکمیل پر آپ کا عمل درآمد تھا۔ خدا کے سچے طالبوں کے حال پر آپ کی بلند توجہ بہت مصروف اور آپ کی ہمتِ عالی ان کی ترقی میں بے حد مبذول رہتی تھی۔ آپ ان کے احوال حاصلہ و آئندہ سے اطلاع دیتے اور ان کے

۱۔ یہ اقتباسات ''حسنات الحرمین'' فارسی قلمی نسخے سے ترجمہ کر کے پیش کئے گئے ہیں، یہ رسالہ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے جو ''یواقیت الحرمین'' عربی رسالے کا ترجمہ ہے جس کو عرب و ہند کے اکثر حضرات کی درخواست پر حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ عبید اللہؒ نے اپنے والد بزرگوارؒ کے دورانِ حج کے الہامات و مکاشفات کو بزبانِ عربی مرتب کر کے یواقیت الحرمین نام رکھا پھر مولانا محمد شاکرؒ فرزند حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام حسنات الحرمین رکھا۔ اردو میں اس کتاب کا ترجمہ لاہور سے چھپ گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا اردو ترجمہ ہماری کتاب انوار معصومیہ میں شامل ہے، جو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی جامع سوانح ہے۔

۲۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۱۱۵

مقاماتِ عروج بیان فرماتے تھے۔ اکثر اہلِ نسبت آپ کے ذریعہ سے احوالِ روشن و اسرارِ خفیہ سے مشرف ہوئے اور شرفِ خلافت طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے ممتاز ہوئے ہیں۔ (۱)

شیخ مراد بن عبداللہ القزانی نے ''ذیل الرشحات'' میں لکھا ہے کہ آپ (خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ) اپنے والد ماجد کی مثل اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، آپ نے دنیا کو منور کیا، جہالت اور بدعات کی ظلمات آپ کی توجہاتِ عالیہ اور بلند حالات کی برکت سے دور ہوئیں۔ آپ کی صحبت سے ہزاروں بندگانِ خدا اسرارِ خفیہ سے واقف ہوئے اور بلند حالات سے متحقق ہو گئے، کہا گیا ہے کہ آپ سے نو لاکھ اشخاص نے بیعت کی اور آپ کے سات ہزار خلفا ہوئے ہیں، جن میں سے شیخ حبیب اللہ بخاریؒ خراسان اور ماوراء النہر کے بہت بڑے شیخ تھے، ان کے زمانے میں بخارا سنت کے نور سے منور ہوا، اور ان کے چار ہزار خلفا صاحبِ اجازت ہوئے جو بہت بلند مرتبہ تھے۔ (۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی تصانیف میں آپ کے مکاتیب شریفہ ''مکتوباتِ معصومیہ'' کے نام سے تین دفتروں میں موجود ہیں جو حقائق و معارف کا بہترین ذخیرہ ہیں، ان میں بعض مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکاتیب کی شرح میں بھی ہیں، ان مکاتیب کے قلمی نسخے متعدد جگہ موجود ہیں، دفتر اول جس میں دو سو اناسی مکتوبات ہیں، پہلی مرتبہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع نظامی کانپور شائع ہوا اور دفتر دوم بھی پہلی مرتبہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۰۶ء کو ظہور پریس لدھیانہ سے شائع ہوا جس میں ایک سو اٹھاون مکتوبات ہیں اور دفتر سوم بھی پہلی مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری کی محنت و کاوش سے ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوا جس میں دو سو پچپن مکاتیب ہیں، بعد ازاں ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ نے فارسی مکتوبات کے ہر سہ دفتر یک جا مجلد شائع کئے، پھر راقم الحروف نے ان ہر سہ دفاتر کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی سے شائع ہوا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے بہ کثرت کرامات کا ظہور ہوا، تبرکاً چند کرامات درج ذیل ہیں:

صاحب حضرات القدس تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ فقیر ایسا بیمار ہوا کہ زندگی سے ناامیدی ہو گئی، حضرات ہر سہ مخدوم زادگان فقیر کے پاس تشریف لائے، چوں کہ کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے خیال ہوا کہ آپ سے عرض کروں کہ میرے خاتمہ بخیر ہونے کے لئے دعا فرمائیں، اس خیال کے آتے ہی حضرت خواجہ محمد سعیدؒ نے فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر بیمار فلاں دعا

۱۔ حضرات القدس: ج ۲، ص ۲۱۷ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۰۷

پڑھے تو اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے، میں نے عرض کیا کہ اس بارے میں دعا بھی فرمائیں، حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے فرمایا ہم صحت کے لئے دعا کرتے ہیں پھر دعا فرمائی اور میں صحت یاب ہو گیا۔ (۱)

نقل ہے کہ ایک روز آپ کو الہام ہوا کہ بارہ روز کے بعد دوپہر کو تیرا انتقال ہوگا، دوسرے روز الہام ہوا کہ گیارہ روز کے بعد دوپہر کو ہوگا، پھر تیسرے روز ہوا کہ دس روز کے بعد تیرا انتقال ہوگا غرض کہ ہر روز ایک دن گھٹتا جاتا تھا، جب ایک دن باقی رہ گیا تو آپ نے اپنے والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے اس الہام کا ذکر کیا اور خاتمہ بخیر ہونے کی درخواست کی، حضرتؒ نے فرمایا کہ تم کچھ فکر مت کرو، اس سے یہ مراد ہے کہ اس وقت تمہارا نزول کامل ہو گیا چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ بارہویں روز دوپہر کو آپ کا نزول کامل ہو گیا۔ (۲)

نقل ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ایک خادم کے گھر پر چھ مہمان آئے اس کے گھر میں کچھ موجود نہ تھا کہ ان کی خاطر مدارات کرتا، آخر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور خاموشی سے بیٹھ گیا، اتنے میں کہیں سے آم آئے، حضرت کے ہاں معمول تھا کہ دس دس آم دیئے جاتے تھے چناں چہ حضرت نے اس شخص کو بلا کر اپنے ہاتھ سے دس آم دیئے اور فرمایا کہ یہ تمہارا حصہ ہے پھر دس آم اور دیئے اور فرمایا یہ ایک مہمان کا حصہ ہے، پھر دس اور دیئے اور فرمایا کہ یہ تمہارے دوسرے مہمان کا حصہ ہے، غرض کہ چھ مہمانوں کا حصہ اسی طرح دیا اور بعد ازاں چھ اشرفیاں جیب سے نکال کر دیں اور فرمایا کہ تم ہمارے فرزندوں کی طرح ہو جب بھی ضرورت ہوا کرے بے تکلف خانقاہ سے لے لیا کرو، ان شاء اللہ یہ تنگی فراخی سے بدل جائے گی، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص بہت جلد مال دار ہو گیا۔ (۳)

نقل ہے کہ آں جنابؒ کا ایک مرید بیان کرتا ہے کہ میں حد درجے مفلس تھا حتیٰ کہ نانِ شبینہ کا محتاج ہو گیا تو میں نے اپنی حالت حضرتؒ سے عرض کی، آں جنابؒ نے پوچھا دنیاوی جمعیت چاہتے ہو یا دینی؟ میں نے عرض کیا دینی اور دنیاوی دونوں، مسکرا کر میرے حق میں دعا کی اور پھر خوش خبری دی کہ حق تعالیٰ نے تجھے دین و دنیا کی جمعیت عطا فرمائی ہے، ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ دنیاوی مال و دولت مل گیا اور امید ہے کہ آخرت میں بھی جمعیت حاصل ہوگی۔ (۴)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۴۷
۲۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۴۷
۳۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۴۷
۴۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۱۴۷

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے ایک عزیز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوا بہت علاج کرایا لیکن بے سود، اتفاقاً ایک شخص دوالایا اور اس کی بڑی تعریف کی، جب وہ دوا میری آنکھ میں ڈالی گئی تو میں اندھا ہو گیا، چند روز اسی حالت میں رہا، انہی دنوں حضرت حج سے واپس تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال عرض کیا، آپ نے بہت افسوس کیا اور اپنا لعاب دہن میری آنکھ میں لگا کر فرمایا دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لو اور گھر جا کر کھولنا، حسب الحکم گھر جا کر آنکھیں کھولیں تو بالکل روشن تھیں۔(۱)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کا اس درجہ ادب واحترام کرتے تھے کہ جب حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ حسب معمول شام کے وقت پالکی میں بیٹھ کر تفریح کے لئے تشریف لے جاتے اور پالکی دولت سرائے معصومی کے سامنے سے گذرتی تو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ پالکی دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور جب تک پالکی نظر کے سامنے رہتی کھڑے رہتے، بارہا عرض کیا گیا کہ نہ آپ، حضرت کو نظر آتے ہیں اور نہ حضرت آپ کو، پھر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ فرماتے دکھانا مقصود نہیں ہے، ادب مقصود ہے۔

اسی طرح آپ کے مکان میں بیری کا درخت تھا اس کے بیر پہلے حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ کو بھیجتے پھر خود کھاتے یا دوسروں کو کھلاتے۔(۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو عرصے سے وجع المفاصل کی شکایت تھی۔ ۱۰۷۸ھ میں مرض کا بہت غلبہ ہو گیا اور اطبا لاچار ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اب دوا کی ضرورت نہیں لیکن محض بہ مقتضائے سنت دوا کی جائے تو مضائقہ نہیں، وفات سے قبل آپ نے کتاب وسنت کے پابند رہنے کی وصیت فرمائی، آپ آخری وقت میں سورۂ یٰسین تلاوت فرما رہے تھے کہ یکا یک آپ نے السلام علیک یا نبی اللہ فرمایا اور واصل بحق ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کا وصال دوپہر کے وقت بروز شنبہ ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو ہوا۔ وصال کے وقت آپ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ بہت نمایاں تھی، لوگوں نے آپ کے وصال کی بہت تاریخیں کہیں ہیں، عالمگیرؒ بادشاہ نے تاریخ وفات اس طرح کہی ہے ''نورِ عالم رفت''، ''عالم تاریک باشد''(۳)

جس وقت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، ہزار ہا آدمی شریک جنازہ

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۱۴۵ ۲۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص ۳۳۱

۳۔ جواہر معصومیہ: ص ۲۳

تھے۔قصرِ معصومی سے شمال کی طرف نمازِ جنازہ ادا ہوئی، آپ کے فرزند سوم حضرت شیخ عبید اللہ مروج الشریعۃ نے نماز پڑھائی اور قصر معصومی سے جنوب کی طرف آپ کو دفن کیا گیا، اور روشن آرا بیگم دختر شاہجہاں بادشاہ نے جو حضرت کی مرید تھی اپنے صرفے سے روضۂ مقدسہ کی تعمیر کرائی اور ہر قسم کا سامانِ آرائش بہم پہنچایا۔(۱)

اس وقت روضۂ شریف کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ قیومِ ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ،۲۔ مروج الشریعہ خواجہ عبید اللہؒ فرزند سومِ حضرت قیوم ثانیؒ،۳۔ شیخ ابو یعلیٰ فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہؒ،۴۔ شیخ محمد اشرف، فرزند چہارم حضرت قیوم ثانیؒ، ۵۔ شیخ محمد صبغۃ اللہ، فرزند اکبر حضرت قیوم ثانیؒ،۶۔ شیخ محمد ہادی، فرزندِ اکبر شیخ عبید اللہ مروج الشریعۃ،۷۔ شیخ الاسلام فرزند محمد پارسا،۸۔ نور معصوم نبیرہ محمد پارسا۔

آخر الذکر تین قبریں پائنتی میں واقع ہیں، شیخ محمد پارسا کا گنبد روضۂ مبارک کے باہر ایک گوشے میں ہے اور شیخ محمد صدیق کا گنبد روضۂ مبارکہ سے جانبِ شمال میں ہے۔(۲)

آپ کی اولاد میں چھ صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں ہیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ،۲۔حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی حجۃ اللہ،۳۔حضرت شیخ محمد عبید اللہ مروج الشریعۃ،۴۔حضرت شیخ محمد اشرف محبوب اللہ،۵۔حضرت خواجہ سیف الدین محی السنہ،۶۔حضرت شیخ محمد صدیق محبوب الٰہی۔صاحب زادیوں میں، ۱۔امت اللہ،۲۔عائشہ،۳۔عارفہ،۴۔عاقلہ،۵۔صفیہ۔(۳)

مکتوبات شریف میں آپ کے نام ستائیس مکتوب ہیں جن میں سے سولہ مکتوب صرف آپ کے نام ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں، دفتر اول ۲۹۴،۳۰۰۔۳۰۲۔ دفتر دوم ۶۔۱۱۔۷۲۔۷۳، دفتر سوم ۵۳۔۶۲۔۷۴۔۷۶۔۷۰۔۸۰۔۹۴۔۱۰۹۔۱۱۰۔ اور نو مکتوب حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم قدس سرہما کے نام مشترک ہیں، جو حسب ذیل ہیں، دفتر دوم، ۵۵۔۹۸، دفتر سوم ۲۔۴۳۔ ۶۴۔۷۸۔۸۲۔۸۵۔۱۰۴، نیز دو مکتوب ۸۳، ۱۰۶ دفتر سوم میں صرف یہ لکھا ہے ''بزرگ صاحب زدوں کے نام'' اور کسی کا نام درج نہیں۔(۴)

۱۔ایضاً: ص ۴۱ ۲۔جواہر معصومیہ: ص ۴۳

۳۔ایضاً: ص ۴۱۶

۴۔حضرت خواجہ محمد معصوم قدس کی مفصل سوانح حیات ''انوار معصومیہ'' شائع ہو چکی ہے جس میں اذکارِ معصومیہ اور حسنات الحرمین کے ترجمے بھی شامل ہیں، نیز آپ کے مکتوبات کے ہر سہ دفتر کا ترجمہ بھی ''مکتوباتِ معصومیہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۴، ۵، ۶، حضرت خواجہ محمد فرخ، خواجہ محمد عیسیٰ وخواجہ محمد اشرف علیہم الرحمہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے چوتھے فرزند خواجہ محمد فرخ اور پانچویں فرزند خواجہ محمد عیسیٰ تھے۔ صاحب زبدۃ المقامات خواجہ محمد عیسیٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں، محمد عیسیٰ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت آپ شکم مادر میں تھے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا تمہارے گھر میں فرزند تولد ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ (۱)

خواجہ محمد عیسیٰ جب چار برس کے ہوئے تو آپ سے کرامات کا ظہور ہونا شروع ہوا، حاملہ عورتیں آپ کی خدمت میں آتیں اور دریافت کرتیں کہ اس حمل میں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ آپ جیسا فرماتے ویسا ہی ظہور میں آتا، عورتیں دریافت کرتیں کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرماتے کہ میں ان کو پیٹ میں اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں۔ (۲)

آپ کی کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ مولانا امان اللہ فقیہ اپنی شادی کے لئے سرہند سے چند منزل پر ایک گاؤں میں گئے، واپسی پر لوگوں نے بتایا کہ لڑکی والوں کو آپ کے نامرد ہونے کا شبہ ہے اس لئے لڑکی دینا نہیں چاہتے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے صاحب زادہ محمد عیسیٰ کو طلب فرمایا اور واقعہ دریافت کیا۔ آپ نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں، مولانا کا نکاح ہو چکا ہے، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ چند روز بعد آپ کا نکاح ہو گیا اور دلہن آ گئی۔ (۳)

نقل ہے کہ زمانہ وبا (طاعون) میں خواجہ محمد فرخ ومحمد عیسیٰ دونوں صاحب زادے بیمار ہوئے لوگوں نے مشورہ دیا کہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنا چاہئے، تاکہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں۔ چناں چہ خانقاہ شریف کے حجرہ میں محمد فرخ کو اور زنانہ مکان میں محمد عیسیٰ کو رکھا گیا، اتفاقاً

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۴
۲۔ حضرات القدس: ص ۲۶۴
۳۔ ایضاً: ص ۲۶۵

پہلے محمد عیسی کا انتقال ہوگیا تو لوگوں نے کہا محمد فرخ کو خبر نہ ہونی چاہیے، اتنے میں محمد فرخ نے از خود کہا ''اے بھائی تم نے بیوفائی کی کہ ہم سے پہلے چلے گئے''، مولانا عبدالحیٔ جو اس وقت ان کے پاس موجود تھے کہنے لگے، ''بابا تم کس سے باتیں کررہے ہو؟ کہا کہ محمد عیسیٰ سے جو رحلت میں ہم سے سبقت کر گئے''۔ مولانا نے کہا کہ محمد عیسیٰ تو مکان میں ہیں تم کو ان کے انتقال کی کیفیت کیسے معلوم ہوئی؟ کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں''۔ اسی دن شام کو بتاریخ ۷/ربیع الاول ۱۰۲۵ھ محمد فرخ نے بھی انتقال کیا۔(۱)

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ خواجہ محمد فرخ و خواجہ محمد عیسیٰ کے متعلق اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> محمد فرخ کی نسبت کیا لکھا جائے گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خواں ہوگیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن میں دنیائے کمینی کو چھوڑ جائے تاکہ عذاب آخرت سے نجات ہو جائے مرضِ موت میں جو احباب اس کی بیمار پرسی کو آتے تھے، بہت عجائب و غرائب حالات اس سے مشاہدہ کرتے تھے۔
>
> اور محمد عیسیٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اس قدر خوارق و کرامات دیکھے کہ بیان سے باہر ہیں، غرض قیمتی موتی تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر و اکراہ امانت والوں کی امانت ادا کردی گئی، یا اللہ تو ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ کی جیو اور ان کے بعد فتنے میں نہ ڈالیو، بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم''۔(۲)

حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ چھٹے فرزند خواجہ محمد اشرف تھے جو شیرخوارگی کے زمانے ہی میں وفات پا گئے۔(۳)

۱۔حضرات القدس۔دفتر دوم:ص ۲۶۴ ۲۔مکتوبات شریف۔دفتر اول: مکتوب ۳۰۶
۳۔زبدۃ المقامات:ص ۳۲۴

۷۔ حضرت شاہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتویں فرزندار جمند اور آخرین اولادِ امجاد سے ہیں، آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کے وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر اس آیت کا الہام ہوا۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى (ہم تجھے ایک یحییٰ نام لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں) آپ نے اس اشارے کے بموجب آپ کا نام یحییٰ رکھا، (۱)

لیکن زبدۃ المقامات میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو آپ کی ولادت سے پہلے الہام ہوا تھا کہ تمہارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارے نام کو زندہ رکھے گا جب آپ پیدا ہوئے تو اس بشارت کی مناسبت سے آپ کا نام یحییٰ ہوا۔ (۲)

آپ قد و قامت، رفتار و گفتگو اور چشم و ابرو میں اپنے والد ماجد سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ (۳) آپ ابھی کمسن ہی تھے کہ ایک روز حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمہ تشریف لائے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے فرمایا کہ ایک صاحبزادہ مجھ کو عنایت فرمائیں کہ ہمارے مثل دانا و دیوانہ رہے، اتفاقاً اس وقت شیخ محمد یحییٰ موجود تھے آپ نے فرمایا اسی کو لے لو، شاہ سکندر (۴) نے اپنی نسبت ان کو القا کی اور فرمایا کہ آج سے اس مخدوم زادہ کو شاہ جیو کے نام سے پکارا کریں، اس دن سے آپ کا لقب شاہ پڑ گیا۔ (۵)

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد یحییٰؒ بچپن ہی سے عالی استعداد رکھتے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تربیت کی برکت سے آٹھ نو سال کی عمر

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۱۰۔ حضرات القدس: ص ۲۶۲ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۵

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۶

۴۔ حضرت شاہ سکندر قدس سرہ کا وصال ۱۰۲۳ھ میں ہوا اور خواجہ محمد یحییٰ کی ولادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی، سمجھ میں نہیں آیا کہ پھر یہ واقعہ کس طرح صحیح ہوا، شاید ولادت و وفات کے سنہ میں سہو ہو گیا ہو۔

۵۔ روضہ القیومیہ: ص ۳۱۰۔ یہی واقعہ حضرات القدس: ص ۲۶۳ پر موجود ہے اور زبدۃ المقامات: ص ۳۲۵ پر بھی اس واقعے کی طرف اشارہ موجود ہے۔

میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اسی طفولیت کے زمانے میں تحصیل علم سے بھی آپ کو کامل محبت و رغبت تھی حتیٰ کہ بچپن ہی میں استاد کے ساتھ آپ کی نسبتِ رابطہ اس قدر مشاہدہ کی گئی کہ کسی طفل سے ایسا مشاہدہ نہیں کیا گیا اور نہ سنا گیا، چناں چہ جب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف سے واپس تشریف لائے تو خدام دو تین منزل آپ کے استقبال کے لئے گئے خواجہ محمد یحییٰ بھی ان کے ہمراہ گئے، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کسی وجہ سے تین چار روز بعد (اس مقام سے) سرہند شریف تشریف لے جائیں گے تو صاحبزادہ موصوف نے حضرت ؒ سے سرہند جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا "اتنی جلدی جانے کا کیا سبب ہے شاید تمہیں ہماری یاد نہیں رہی ہے"۔ عرض کیا "ان چند روز میں میرے سبق کا حرج ہوگا اور میرا فلاں ساتھی مجھ سے آگے بڑھ جائے گا، نیز مجھے اپنے استاد بھی یاد آتے ہیں"۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ صاحبزادے کی یہ گفتگو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا ایسی طبیعت کیوں نہ ہو جب کہ یہ طبقۂ علما اور خاندانِ حفاظ وصلحا سے ہیں اور صاحبزادے کو سرہند شریف جانے کی اجازت دے دی۔ (۱)

اجمیر شریف میں جب کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ کو اپنی رحلت کے ایام قریب ہونے کی بابت معلوم ہوا تو ایک روز آپ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ محمد یحییٰ بھی اپنے بھائیوں کی طرح اس نسبت سے بہرہ ور ہو لیکن کیا کروں وہ ابھی بچہ ہے اور میرا زمانۂ رحلت نزدیک ہے" یہ فرمایا اور شفقت ومحبت کے باعث آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (۲)

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں حضرت خواجہ محمد یحییٰ قرآن مجید تو حفظ کر ہی چکے تھے، حضرت کے وصال کے بعد اپنے بزرگ بھائیوں کی تربیت میں تحصیلِ علوم معقول ومنقول کی بھی تکمیل فرمائی، اس کے بعد پندرہ سال کی عمر میں نہایت پابندی اور کامل توجہ و استحضار کے ساتھ کتب متداولہ کی درس وتدریس اور علوم کی نشر واشاعت میں مصروف ہو گئے اور زہد وانقطاع، آزادی و بے تعلقی وضبط اوقات، سنت سنیہ کے اوضاع واطوار کی پابندی اور اس طریقۂ عالیہ کی رعایت کرنے میں پوری طرح دائم وقائم رہے جیسا کہ ان کی پیشانی مبارک پر نجابت اور نسبتِ معنویہ کی وراثت کے آثار اس امر کے شاہد عادل تھے۔ (۳)

آپ کی مقبولیت کے دلائل میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی

۲،۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۵ ۳۔ ایضاً: ص ۳۲۶

پوتی یعنی خواجہ کلاں خواجہ عبید اللہ کی دختر نیک اختر آپ کے نکاح میں آئیں، اس طرح آپ معنوی نسبت کے باوجود ظاہری نسبت میں بھی خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔(۱)

آپ بھی اپنے بھائیوں کے ہمراہ ۱۰۶۷ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور وہاں کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد اور بھائیوں سے اشارۂ سبابہ فی التشہد کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے اشارۂ سبابہ کا اولیٰ ہونا ثابت کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے: صاحب زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تشہد میں اشارۂ سبابہ نہیں کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگرچہ بعض احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایاتِ فقہیہ سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن جب میں نے اس پر اچھی طرح تتبع کیا تو احوط و مفتیٰ بہ ترک اشارہ معلوم ہوا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علما نے اسے حرام و مکروہ کہا ہے اور جب کوئی امر حلت و حرمت کے درمیان ہو تو ترک اولیٰ ہوتا ہے، علاوہ ازیں احناف کا عمل اصل و ظاہر الروایات پر ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواز اصل میں ذکر نہیں کیا بلکہ نوادر میں ذکر کیا ہے چناں چہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دفتر اول کے مکتوب ۳۱۲ میں اس مسئلے کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے، تاہم آپ نے بعض نوافل میں احتیاطاً بوجہ احتمالِ سنت اشارۂ سبابہ پر عمل بھی کیا ہے۔(۲)

اسی طرح حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کے متعلق مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک رسالہ تشہد میں رفع سبابہ کی ممانعت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔(۳) اور زبدۃ لمقامات میں ہے:

> رفع سبابہ کے متعلق بھی حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے احناف کے مختار مذہب کے مطابق ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا مقصد یہ ہے کہ عدم رفع سبابہ کا اولیٰ ہونا ثابت ہو جائے، جب یہ رسالہ رفعِ سبابہ ثابت کرنے والے علما کی خدمت میں پہنچا تو وہ جواب دینے میں حیرت زدہ رہ گئے۔(۴)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۵، ۳۲۶۔ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۲۰۹

۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۰۱ ۴۔ زبدۃ لمقامات: ص ۳۱۰

لیکن حضرت خواجہ محمد یحییٰ علیہ الرحمہ اس بارے میں اپنے والد ماجد اور برادرانِ مکرم سے اختلاف رکھتے ہیں چناں چہ صاحب نزہۃ الخواطر تحریر فرماتے ہیں:

شیخ محسن یحییٰ الترہتی ''الیانع الجنی'' میں تحریر فرماتے ہیں خواجہ محمد یحییٰ وہ شخص ہے جس نے اشارۂ سبابہ کے مسئلے میں اُن کی مخالفت کی ہے''، یعنی یہ کہ انہوں نے نماز میں تشہد کے اندر اشارۂ سبابہ کے مسئلے میں اپنے والد ماجد اور بھائیوں کی مخالفت کی ہے آپ کی چند تصنیفات ہیں۔(۱)

اشارۂ سبابہ فی التشہد کے بارے میں سلسلۂ مجددیہ کے بعض حضرات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی اور صاحب زادگان کی تحریرات گرامی کے پیش نظر عدم رفع سبابہ کو اولیٰ قرار دیتے ہوئے ترکِ اشارہ پر عمل کرتے ہیں اور بعض حضرات جمہور فقہائے اہلِ سنت کے اس فیصلے پر عمل کرتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور یہی اولیٰ و مفتیٰ بہ ہے، اگر چہ طریقہ اشارہ میں اختلاف کافی ہے لیکن نفسِ اشارۂ سبابہ جمہور کے نزدیک مسلم ہے اور تمام اہلِ سنت و جماعت کا اس پر قرونِ اولیٰ سے عمل چلا آرہا ہے۔

اس سلسلے میں ہم سلسلۂ مجددیہ کے کامل ترین بزرگ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ العزیز کی تحریر درج کرتے ہیں، تاکہ مجددیہ سلسلہ کے حضرات کے لئے بھی اس مسئلے کے بارے میں عمل کی ایک راہ متعین ہو سکے جو جمہورِ اہلِ سنت سلف و خلف کے مسلک کے بھی مطابق ہے اور جیسا کہ حضرت میرزا صاحب موصوفؒ نے تحریر فرمایا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مسلکِ صحیح کے بھی خلاف نہیں کہی جاسکے گی، کیوں کہ ان کے صاحبزادۂ اصغر شاہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ کا رسالہ اس کا مؤید ہے اور ان حضرات کے بعد کا رسالہ ہے جس کا حوالہ حضرت میرزا جانِ جاناں قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل مکتوب میں بھی موجود ہے وھو ہذا:

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں رفع سبابہ سے منع فرمایا ہے اور تو آں جناب سے محبت کے باوجود رفع سبابہ کرتا ہے اور محب کے لئے محبوب کا اتباع لازم ہے، اے میرے مخدوم! اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندوں پر کتاب و سنت کا اتباع فرض قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۳۵

اور جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کسی امر کا فیصلہ کر دیا ہو تو پھر کسی مؤمن مرد و عورت کو اس بارے میں اس کے خلاف کوئی اختیار باقی نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ

تم میں کوئی شخص بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کامل ہیں اپنے طریقے کی بنیاد کتاب و سنت کے اتباع پر قائم کی ہے اور علما نے رفع سبابہ کے اثبات میں بہت سے رسالے تصنیف فرمائے ہیں جو کہ صحیح احادیث و حنفی فقہی روایات پر مشتمل ہیں حتیٰ کہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں اس بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور رفعِ سبابہ کی نفی میں ایک حدیث بھی ثبوت کو نہیں پہنچی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا رفعِ سبابہ کا ترک کرنا اجتہاد کی بنا پر واقع ہوا ہے، اور جو سنت نسخ سے محفوظ ہو وہ مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہے، اور رفعِ سبابہ کا سنت ہونا ثابت ہونے کے بعد صرف اس دلیل سے اس کا ترک کرنا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ترک فرمایا ہے معقول نہیں ہے، حال آں کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے سنت کے ترک پر بہت ڈرایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی بھی حنفی مذہب رکھتے تھے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی موجودگی میں میرا قول ترک کر دو، پس امید یہ ہے کہ اس اجتہادی امر کے ترک اور صحیح حدیثوں کے اختیار کرنے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ ناراض نہیں ہوں گے۔

اور اگر لوگ یہ کہیں کہ کیا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس قدر وسیع ترین علم کے باوجود رفعِ سبابہ کے ثبوت کی احادیث سے آگاہ نہیں تھے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آں جناب قدس سرہٗ کے زمانہ مبارکہ تک یہ کتابیں اور رسالے ملک ہند میں شہرت نہیں رکھتے تھے اور ان کی نظرِ مبارکہ سے نہیں گزرے تھے، اس لئے آپ

نے ترک اشارہ سبابہ فرمایا تھا ورنہ آپ ہرگز رفع سبابہ ترک نہ فرماتے، کیوں کہ آپ اتباعِ سنت میں اکابر امت میں سب سے زیادہ حریص رہے ہیں، اور اگر لوگ یہ کہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نارضامندی بذریعۂ کشف معلوم کر کے ترک فرمایا ہوگا، تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ کشف امورِ طریقت میں معتبر ہے، احکامِ شریعت میں حجت نہیں، نیز جس مکتوب شریف میں آپ نے رفعِ سبابہ کو اولیٰ قرار دیا ہے کشف سے احتجاج نہیں فرمایا ہے اور امید ہے کہ آپ کی یہ جزئی مخالفت آپ کے قاعدۂ کلی کی رعایت کرنے کی وجہ سے عمدہ نتائج کے ساتھ بارآور ہوگی، وہ قاعدۂ کلی یہ ہے کہ آپ نے نہایت کوشش کے ساتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر ترغیب دی ہے۔ والسلام (۱)

حضرت خواجہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ کی وفات ۲۷ر جمادی الآخری ۱۰۹۶ھ میں ہوئی اور سرہند شریف میں آپ کا مزارِ مقدس الگ گنبد میں زیارت گاہِ عالم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی صاحب زادیاں

۱۔ بی بی رقیہ: آپ نے بہ حالتِ شیر خوارگی میں وفات پائی۔

۲۔ ام کلثوم: آپ نے چودہ سال کی عمر میں ۸ر ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وفات پائی۔

خواجہ محمد ہاشمؒ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ زنانہ مکان میں تشریف فرما تھے کہ آپ کی صاحب زادی ام کلثوم جن کی عمر ابھی سات سال تھی استاد کے پاس سے آئیں اور افسوس کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میں اس وقت تم سب کو حق تعالیٰ سے غافل پا رہی ہوں، حضرت موصوف نے فرمایا ''بی بی تم پر اس حال کا پرتو کہاں سے پڑا''۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس وقت آپ فلاں عورت کو ذکر کی تلقین فرما رہے تھے میں بھی وہاں موجود تھی، میرا دل اسی وقت سے ایسا جاری ہوگیا کہ کسی وقت بھی غفلت طاری نہیں ہوتی، اور جس کی طرف توجہ کرتی ہوں اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ (۲)

۳۔ خدیجہ بانو: آپ صاحب اولاد ہوئیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بھتیجے شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ سے منسوب تھیں، آپ کے تین صاحب زادے اور سات صاحب زادیاں ہوئیں، صاحب زادوں کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ غلام محمد، شیخ عبداللطیف، شیخ حاجی فضل اللہ، شیخ حاجی فضل اللہ سے صفیہ بیگم دختر حضرت عروۃ الوثقیٰ منسوب تھیں جن کے صاحب زادے صفر احمد تھے۔

۱۔ کلمات طیبات: ص ۲۷، ۲۸ مکتوب پانزدہم ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۶۵

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلفائے عظامؒ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ان تمام خلفائے عظام کی تعداد جن کو خلافت و اجازت حاصل ہوئی ہے تقریباً پانچ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن کتبِ سیر میں جن بزرگوں کے تذکرے مل سکے وہ درج کیے جاتے ہیں، ان ہی سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مریدین کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات نے مریدین کی تعداد نو لاکھ درج کی ہے، اب ہم حروف تہجی کے اعتبار سے خلفائے عظام رحمہم اللہ کے حالات شروع کرتے ہیں۔

حضرت شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ

شیخ عارف ولی کبیر حضرت آدم اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن الحسین حسینی کاظمی بنوری ساداتِ صحیح النسب سے تھے۔(۱) آپ کا اصلی وطن روم ہے آپ کے بزرگ کسی وجہ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان آئے اور قصبہ بنور (مضافات سرہند) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔(۲)

حضرت شیخ آدم بنوریؒ فرماتے تھے کہ میرے والد ایک شب خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر کوئی چیز میرے والد ماجد کو عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کو کھالو، چناں چہ انہوں نے کھالی، بعد ازاں میری والدہ حاملہ ہوئیں اور میں پیدا ہوا، اب مجھ کو بتایا گیا ہے کہ وہ عطیۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میرا وجود تھا۔(۳)

نقل ہے کہ آپ ابتدا میں شاہی لشکر میں ملازم ہوئے، لشکر کشی کے دوران اتفاقاً شاہی لشکر کافروں کے ایک گاؤں پر حملہ آور ہوا آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے، وہاں کے تمام باشندوں کو

۱۔ نزھۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱ ۲۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ: ص ۱۱۳

۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۵۴ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۲۸

قتل کر دیا گیا، آپ ان کی عبادت گاہ میں گئے اور اسے مسمار کرنا چاہا تو دیکھا کہ وہاں بُت کے سامنے ایک شخص پرستش میں مشغول ہے اور ایسا مستغرق ہے کہ اسے قتل کا کوئی خوف وہراس نہیں، آپ نے اس کے سامنے ہوکر اسے تلوار دکھائی اور کہا کہ یا تو مسلمان ہوجا ورنہ ابھی سر اڑا دوں گا، اس نے آپ کی بات کی ذرا پروانہ کی حتی کہ قتل ہوگیا، اس واقعے سے متاثر ہوکر آپ نے شاہی ملازمت ترک کر دی اور فقرا کی خدمت اختیار کی، اس زمانے کے بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا لیکن کسی سے باطنی کشایش نصیب نہ ہوئی، حتی کہ ایک روز آپ نے ایک گوشہ نشین فقیر سے دریافت کیا کہ ''میں کوشش تو بہت کرتا ہوں لیکن کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کا کیا سبب ہے؟'' اس نے کہا تمہارا حصہ حضرت مجددالف ثانیؒ کی خدمت میں ہے جو اس وقت تمام اولیائے امت سے افضل ہیں، ان سے تم کو کشایش باطنی نصیب ہوگی اور ان ہی کی توجہ سے بہت سی نعمتیں حاصل ہوں گی، آپ نے یہ خوش خبری سن کر حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ کی بارگاہِ عالم پناہ کا رخ کیا، اثنائے راہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلیفہ حاجی خضر خاں افغان سے ملتان میں ملاقات ہوگئی، آپ کو چوں کہ باطنی سلوک حاصل کرنے کا غایت درجہ شوق تھا اس لئے ان ہی سے طریقہ عالیہ کے خواست گار ہوئے اور کچھ مدت حاجی خضر خاں افغان کی خدمت میں رہ کر مقاماتِ عالیہ سے مشرف ہوئے، چوں کہ آپ کی استعداد کہیں زیادہ تھی اس لئے حاجی صاحب سے پوری طرح تسکین نہ ہوئی تو حاجی صاحب نے آپ کو ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں اجمیر بھیج دیا، کیوں کہ ان دنوں حضرتؒ اجمیر میں تشریف فرما تھے، حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو قبول کیا اور توجہ ونسبتِ خاصہ کے القاسے مشرف فرمایا جس سے شیخ کو پوری طرح تسکین وتشفی ہوگئی اور اس طریقہ کی فنا وبقا سے مشرف ہوگئے۔ (۱)

صاحب نزہۃ الخواطر نے خلاصۃ المعارف کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو شیخ طاہر لاہوری سے بھی جذباتِ ربانیہ کا کچھ حصہ حاصل ہوا تھا۔ (۲)

نقل ہے کہ ایک روز حضرت آدم بنوری علیہ الرحمہ نے اپنے کچھ بلند حالات حاجی خضرؒ خاں سے بیان کئے تو انہوں نے فرمایا مجھ کو اس سے زیادہ حاصل نہیں ہے اس لئے اب تم حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں جاؤ، چناں چہ آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے حالات بیان کئے تو حضرت نے فرمایا یہ ابتدائی حالات ہیں، ابھی کمال حاصل نہیں ہوا۔ یہ سن کر

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۲۱۴ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱

آپ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حضرت نے میرا شوق بڑھانے کے لئے ایسا فرمایا ہے ورنہ اس سے زیادہ کمالات اور کیا ہو سکتے ہیں، مگر چوں کہ عقیدت پختہ تھی اس لئے حضرت کی خدمت اختیار کی اور تھوڑی ہی عرصے میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ واقعی گزشتہ احوال موجودہ حالات کی نسبت سے ابتدائی بھی نہ تھے۔ پھر چند ماہ بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کرارشاد کی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے وطن بنور جانے کی اجازت دی۔ (۱)

''نکات الاسرار'' میں شیخ آدم بنوریؒ لکھتے ہیں کہ شیخ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی آخری توجہ ہمارے ہزار سالہ سلوک سے بدر جہا بہتر اور افضل ہے، اسی نے ہمیں قربِ پروردگار کے انتہائی مقامات پر پہنچایا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر واجب ہے کہ تو ان کمالات کو پہنچ گیا، آج کل شاذ و نادر ہی کوئی ایسے مقامات پر پہنچتا ہے، یہ جو کچھ ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توجہ کی برکت سے ہے۔ اجمیر میں حضرت نے مجھے حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے سرفراز فرمایا اور اجمیر ہی میں حقیقتِ قرآن کی بھی خوش خبری عنایت فرمائی، سرہند شریف میں خلافت سے مشرف فرمایا بعد ازاں حضرتؒ کا وصال ہو گیا اور ہم مہجوروں کے سینے پر داغِ مفارقت دے گئے۔ (۲)

شیخ آدم بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرتؒ کے مزارِ فائض الانوار پر دو سال تک رہا، بعد ازاں آں جناب نے ظاہر ہو کر رخصت فرمایا اور جو میرا مقصود تھا پورا ہوا، جس قسم کا باطنی افادہ بحالتِ زندگی حضرت سے ہوا کرتا تھا ویسا ہی آپ کے مزار سے ہوا۔ (۳)

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے شیخ آدم بنوریؒ کو مخدوم زادوں کے لئے بہت سے تحفے دے کر سرہند شریف بھیجا اور احتیاطاً اپنے مرید دریا خاں کے سو سوار شیخ کے ہمراہ کر دیئے۔ جب شیخ صاحب سرہند سے واپس آئے تو شیخ کی گرمئی مجلس کا اثر ان لوگوں پر ہوا گو وہ اس وقت تک مرید نہ تھے لیکن شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھتے اور بہت معتقد ہو گئے، اور دریا خاں سے شیخ کی بہت تعریف کی، چناں چہ دریاں خاں بھی شیخ صاحب کا معتقد ہو گیا، پہلے پہل جو شیخ صاحب کے مرید ہوئے وہ وہی سو سوار تھے، شیخ صاحب زیادہ تر دریا خاں کے لشکر میں رہتے اور جو پٹھان اپنے وطن سے آتے وہ دریا خاں کے پاس ٹھیرتے اور چند دن بعد شیخ صاحبؒ کے معتقد و

۱۔ حضرات القدس دفتر دوم: ص ۳۵۵ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۳۹

۲۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول ص ۳۱۵ ۳۔ ایضاً: ص ۲۷۸

مرید ہو جاتے، اس طرح شیخ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہوگئی، پہلے شیخ کا نام آدم خاں تھا، جب حضرتؒ نے خلافت عنایت فرمائی تو خان کو حذف کر کے شیخ آدم مقرر فرمایا۔(۱)

حضرت آدم بنوریؒ اُمی تھے شروع میں علوم ظاہری حاصل نہ تھے کہ ایک روز آپ نے واقعے میں دیکھا کہ ہاتفِ غیب نے ندا کی ''اے شیخ آدم قرآن کیوں نہیں پڑھتے'' عرض کیا کہ بارِ الہا تو قادرِ مطلق ہے اب بھی تعلیم فرما سکتا ہے، اسی وقت ایک نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور اس نے آپ کے سینۂ بے کینہ کو مس کیا، قرآن شریف حفظ ہو گیا اور ظاہری علوم بھی حاصل ہو گئے۔(۲)

شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ محض اُمی تھے، فیضِ روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علومِ ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی، اتباعِ سنت و دفعِ بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا، ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا رسیدہ کیا، آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، آپ کے خلفا کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔(۳) نزہۃ الخواطر (۴) میں آپ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار اور مریدین کی تعداد چار لاکھ درج ہے،

آپ کی مجلس میں کسی امیر کو کسی فقیر پر فضیلت نہ تھی، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا آپ کا خاص شیوہ تھا، بالخصوص دنیا داروں کو ایسی سختی سے تنبیہ فرماتے کہ اس طرح کہنے کی کم لوگوں کو جرأت ہوتی ہے، اور آپ کی نصیحت بااثر ہوتی تھی سننے والا فوراً تائب ہو جاتا تھا۔(۵)

تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ آپ نے ۱۰۵۲ھ میں لاہور کا سفر کیا تو آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ و اکابر تھے۔(۶) اس وقت وہاں شاہجہاں بادشاہ بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ کہیں یہ لوگ فساد برپا نہ کر دیں، اس لئے سعد اللہ خاں وزیر کو آپ کے پاس حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا، آپ نے وزیر کی جانب کچھ التفات نہ کیا اور اس نے جو بات کی اس کا بھی بہت لاپرواہی سے جواب دیا، اس پر وزیر افروختہ ہو گیا اور بادشاہ کو ورغلایا، چناں چہ بادشاہ نے آپ کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا، آپ پہلے ہی سے حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشتاق تھے اس لئے آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ لاہور سے وطن ہوتے ہوئے مکہ معظمہ

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۲۱۵ ۲۔ خزینۃ الاصفیا: ج ۱، ص ۶۳۰
۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۲۳ ۴۔ ج ۵، ص ۲
۵۔ دفتر دوم: ص ۳۵۴ ۶۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲

تشریف لے گئے، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حرم محترم میں اجازتِ اربعین حاصل کی، ان ممالک میں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔(۱)

جب شیخ آدم بنوریؒ کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا تو شیخ کے مرید شیخ آدم کی حد سے زیادہ تعریف کرنے اور کہنے لگے کہ "ہمارے پیر حضرت مجددؒ کے نائب اور قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے افضل ہیں"۔ اس قسم کی باتیں سن کر حضرت خواجہ معصوم کو بہت رنج ہوا اور شیخ سے ناراض ہوگئے لیکن جب شیخ آدمؒ کو حضرت کی ناراضی کا علم ہوا تو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں آں جناب کا ادنیٰ چاکر ہوں اگر مجھ سے سہواً خطا ہوگئی ہے جو آں جناب کے ملال خاطر کا باعث ہوئی ہو تو معاف فرمائیں"۔ حضرت نے معاف فرمایا اور بہت کچھ عنایت وشفقت فرما کر رخصت کیا۔ نقل ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ مدینہ منورہ کے قیام میں جب بھی جنت البقیع کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تو شیخ آدم کی قبر پر دیر تک فاتحہ پڑھتے اور باطن میں ان کے مددومعاون ہوتے۔(۲)

حالاتِ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ میں ہے کہ جب آپ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ روضۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مرقد اطہر سے دونوں دستِ مبارک ظاہر ہوئے اور شیخ نے بہزار شوق بڑھ کر مصافحہ کیا اور بوسہ دیا، یہ معاملہ حاضرین نے بھی مشاہدہ کیا، اور جب آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ہوئی کہ وَلَدِ اَنْتَ جَوَارِیْ (اے میرے فرزند تم میرے پڑوس میں رہو) چناں چہ آپ نے وہیں قیام فرمایا اور ۱۳رشوال ۱۰۵۴ھ/۳دسمبر۱۶۴۴ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزارِ مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مزارِ پاک کے قریب ہے۔(۳)

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ حقایق ومعارف میں آپ کے چند رسائل بھی ہیں جن میں سے ایک کا نام "خلاصۃ المعارف" ہے جو دو جلدوں میں بزبان فارسی ہے، اس کی شروع عبارت اس طرح ہے: الحمد للہ رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمائه والآئه وہ لکھتے ہیں کہ الحمد للہ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے، اور آپ کا ایک رسالہ نکات الاسرار ہے۔(۴)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم ص ۲۵۵ و ۲۵۶۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۲۹

۲۔ روضۃ القیومیہ ملخصا: رکن دوم ص ۶۳ تا ۶۶ ۳۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص ۲۳۰

۴۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۲

تذکرۂ آدمیہ میں ہے کہ شیخ محمد جو شیخ آدمؒ کے دوستوں میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ قحط سالی کے دنوں میں جب کہ گندم نایاب تھا خانقاہ کے فقرا غلے کی غیر موجودگی اور خرچ کی زیادتی کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے آخر شیخ کی خدمت میں عرض حال کیا، آپ نے فرمایا کہ غلہ دان میں جس قدر غلہ ہے اس کا منھ اوپر سے بند کردو اور اس کے نیچے سوراخ کرکے ہر روز بقدرِ ضرورت اس سے غلہ نکالتے رہو ان شاءاللہ برکت ہوگی، چناں چہ مریدوں نے ایسا ہی کیا اور ہر روز بقدرِ ضرورت اس سوراخ سے نکال کر کام چلاتے رہے حتیٰ کہ چھ مہینے اسی طرح گزر گئے اور غلہ کم نہ ہوا۔ جب نئے غلہ کا موسم آیا اور غلہ ملنے لگا تو غلہ دان کا منھ کھول کر دیکھا معلوم ہوا کہ غلہ اسی قدر موجود تھا جتنا کہ غلہ دان کا منہ بند کرتے وقت تھا۔ (۱)

نقل ہے کہ بنور میں ایک لڑکی جن کے آسیب میں گرفتار تھی جب وہ لڑکی اپنے خاوند کے پاس جاتی تو وہ جن اس کو نہ چھوڑتا اور اس کے خاوند کو بھی ستاتا تھا آخر لڑکی کا باپ عاجز ہوکر شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کیا، آپ نے فرمایا کہ اب جب بھی جن آئے تو اس کے کان میں کہہ دینا کہ شیخ آدم کا فرمان یہ ہے کہ یہاں سے چلا جا ورنہ شیخ تجھ کو جلادے گا۔ لڑکی کے والد نے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت جن بھاگ گیا اور لڑکی کو صحت حاصل ہوگئی۔ (۲)

شیخ صالح نقشبندی فرماتے ہیں کہ جب میں طریقۂ آدمیہ نقشبندیہ میں داخل ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ متقدمین کے طریقے بہت متبرک اور بزرگ تھے افسوس کہ میں ان مشائخ کے وقت میں پیدا نہ ہوا اور اب میں طریقۂ مجددیہ آدمیہ میں داخل ہوا جو سب طریقوں کے بعد میں ہے دیکھیے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اسی دن خواب میں دیکھا کہ ہر طریقہ کے مشائخ اپنے اپنے مریدوں کی کثیر جماعت کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے، میرے ساتھ مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تو بہت سعادت مند ہے کہ طریقۂ مجددیہ آدمیہ میں مرید ہوا ہے کہ یہ آخر طریقہ متقدمین کے طریقوں میں سب سے بہتر ہے، جب میں خواب سے بیدار ہوا تو بہت خوش ہوا اور اسی وقت خوشی خوشی حضرت شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں ابھی کچھ بھی عرض کرنے نہ پایا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا'' اے صالح! الحمد للہ کہ تیرے دل کو اطمینان حاصل ہوگیا''۔ (۳)

شیخ محمد شریف و شیخ ابونصر جو کہ حضرت آدم بنوریؒ کے اکابر اصحاب میں سے تھے فرماتے تھے

۱۔ خزینۃ الاصفیاء: ج ۱، ص ۶۳۱ ۲۔ ایضاً: ص ۶۳۴

۳۔ خزینۃ الاصفیاء: ج ۲، ص ۶۳۳ و ۶۳۴

کہ ایک مدت تک ہم آپ کی پیشانی مبارک پر لفظِ اللہ لکھا ہوا دیکھتے رہے اور دوسرے حضرات نے بھی ایسا ہی دیکھا، ایک روز ہم نے آپ سے اس معاملہ کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، اس کے اظہار سے منع فرمایا اور اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر پھیر کر اس لکھے ہوئے کو پوشیدہ کر دیا۔(۱)

آپ کی اولاد میں چار صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں تھیں، صاحب زادوں کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ محمد اولیا، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد محسن، شیخ غلام محمد۔(۲)

مولانا احمد برکی علیہ الرحمہ

برک، کابل و قندھار کے درمیان ایک شہر کا نام ہے، آپ اس شہر کے جید علما میں سے تھے، مولانا کا ایک ہم وطن دوست بغرض تجارت ہندوستان آیا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شہرت سُن کر حاضر خدمت ہوا اور مرید ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا، واپسی پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب کے کچھ اجزاء اپنے ہمراہ لیتا گیا، مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان سے حضرتؒ کے کمالاتِ باطنی کا اندازہ لگایا تو جذبۂ دل نے سرہند شریف حاضر ہونے پر مجبور کر دیا، چناں چہ حاضرِ خدمت ہو کر حضرتؒ کی عنایات سے سرفراز ہوئے اور باخلاص تمام ہر وقت حضرتؒ کی خدمت میں رہنے لگے، حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت اور حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے ایک ہی ہفتے میں درجۂ کمال و اکمال کو پہنچ گئے اور طریقۂ تعلیم میں مجاز ہو کر وطن جانے کی اجازت حاصل کی، وطن پہنچ کر حسب الحکم کارِ طریقت میں مشغول ہو گئے، بعد ازاں بذریعہ عرائض اپنے اور مریدوں کے احوال خدمتِ عالی میں عرض کر کے جواب و خطاب سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔(۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مکتوب مولانا یوسف برکیؒ کو تحریر فرمایا جس میں آپ کی تعریف اس طرح تحریر فرمائی ہے:

برادر عزیز! مولانا احمد برکی جس کو عام لوگ علمائے ظاہر سے جانتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے احوال اور اپنے یاروں کے احوال کی خبر نہیں رکھتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باطن شہود وتنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو جہل و نادانی کا مقام ہے، اور اس کا ایمان علما کی طرح ایمان بغیب ہے، اس کے باطن نے بلند فطرت ہونے کے باعث کثرت آمیز شہود کی طرف التفات نہیں کی اور اس کا ظاہر ترہاتِ

۱۔خزینۃ الاصفیاء: ۶۳۳ ۲۔خزینۃ الاصفیاء: ج۲، ص۶۳۵

۳۔سیرت امامِ ربانی: ص۲۶۴، ۲۶۵۔تذکرہ مجدد الف ثانی: ص۳۳۶

صوفیہ کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا۔ اس کا وجودِ مبارک ان اطراف میں غنیمت ہے، یہ حالت جس کے حاصل ہونے کی آپ نے خبر دی ہے مولانا مذکور مدت سے اس حالت کے ساتھ متحقق ہے خواہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، فقیر کے نزدیک اس جگہ (کی اصلاح) کا مدار مولانا کے وجود پر ہے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ امر اُن اطراف کے صاحبانِ کشف پر کسی طرح مخفی رہا ہے (حالانکہ) فقیر کے علم میں مولانا (کی شرافت اور بزرگی) وجودِ آفتاب کی طرح ظاہر و باہر ہے، زیادہ کیا تکلیف دی جائے، دعا و فاتحہ کی التماس ہے والسلام (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں خود مولانا احمد برکی کو ان کے بلند درجات کی خوش خبری سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اسی اثنا میں آپ کے حال پر توجہ کی دیکھا کہ اس گرد و نواح کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑتے آتے ہیں، اور آپ کی طرف التجا کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا مدار بنایا گیا ہے اور ان حدود و اطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا گیا، لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ (اس امر پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) اس معاملے کے ظہور کو واقعات میں ہے نہ خیال کریں کیوں کہ واقعات میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے، بلکہ مشاہدات اور محسوسات میں سے شمار کریں۔ (۲)

پھر اسی مکتوب میں چند سطور کے بعد شیخ حسن کو آپ کا قائم مقام بنانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

شیخ حسن آپ کے ارکان دولت میں سے ہے، آپ کے معاملے کا ممد و معاون ہے اگر بالفرض آپ کو ماوراء النہر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے تو وہاں آپ کا قائم مقام شیخ حسن ہے، اس کے حق میں اپنی التفات و توجہ فرماتے رہیں اور بہت کوشش فرمائیں تاکہ ضروری علوم دینی کی تحصیل سے جلدی فارغ ہو جائے، ہندوستان کی یہ سیر اس کے حق میں بھی غنیمت ہے اور آپ کے حق میں بھی، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ملتِ اسلام پر استقامت عطا فرمائے، (آمین) (۳)

اس مکتوب کے پہنچنے کے چند روز بعد مولانا احمد برکیؒ کو سفرِ آخرت پیش آ گیا جب حضرت مجدد

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ۲۷۴ ۲۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ۲۷۵، دفتر اول

۳۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ۲۷۵

الف ثانی قدس سرہٗ کو آپ کے انتقالِ پُر ملال کی اطلاع ملی تو بقولِ صاحب زبدۃ المقامات ''حضرت نے فاتحہ اور دعائے مغفرت سے ان کی روح کو شاد کیا۔ اور دیکھا گیا کہ جب کبھی مولانا موصوف کا تذکرہ آپ کی مجلس مبارک میں ہوتا تھا حضرت آپ کی تعریف فرماتے تھے اور لطف وعنایت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے، (۱) چناں چہ حضرت مجدّد والف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں مولانا احمد برکیؒ کی تعریف وتعزیت اور ان کے متعلقین کو نصیحت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں،

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے اور مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی ماتم پرسی بجالاتا ہے، مولانا کا وجود شریف اس وقت کے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ

یااللہ تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنے میں نہ ڈال

اس کے بعد دوستوں اور یاروں سے امید والتجا ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں کی امداد و اعانت کریں اور مولانا مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی محبّوں اور مخلصوں پر لازم ہے، اس امر میں بہت کوشش کریں کہ مولانا مرحوم کے فرزند پڑھیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ ہوجائیں اور مولانا مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کرکے ادا کریں:

ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

احسان کا بدلہ احسان ہی ہے

مولانا مرحوم کے اوضاع واطوار کی رعایت رکھیں اور ان کے احوال ومقامات کو مدِ نظر رکھیں، طریقۂ ذکر اور حلقۂ مشغولی میں کسی قسم کا قصور واقع نہ ہو، سب دوست جمع ہوکر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تا کہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اور اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاقیہ طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا (احمد برکی) سفر اختیار کریں تو ان کو چاہئے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر کریں، شاید قضا کو یہی سفر مقصود ہو اب بھی جو بار بار ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن کو اس امر پر متعین اور مقرر پاتا ہوں یہ بات بعض دوستوں کو ناگوار معلوم نہ ہو کیوں کہ ہمارے اور تمہارے اختیار میں نہیں ہے، بہر صورت انقیاد وفرماں برداری لازم ہے (۲)

اتفاق سے ان ہی دنوں آپ (مولانا احمد برکی) کے بھائی شیخ عثمان اکبر آباد آئے ہوئے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۷۰

۲۔ مکتوبات شریف: دفتر دوم، مکتوب نمبر ۶۱

تھے جب وہ اکبر آباد سے سرہند شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؒ نے شیخ احمد برکی کی خبرِ وفات ان سے بیان کی اور فاتحہ پڑھی تو شیخ عثمان نے بے اختیار ہو کر آہ و بکا کی اور شدتِ غم سے زمین پر تڑپنے لگے، لوگوں نے ان کو روکنا چاہا لیکن حضرت نے فرمایا ''ان کو مت روکو اس لئے کہ شیخ احمد برکی کی وفات پر آسمان و زمین رو رہے ہیں اگر ان کا بھائی روتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو''۔ بعض احباب اس بات سے متعجب ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا: شیخ ایسے ولی تھے کہ نہ لوگوں نے ان کو پہچانا اور نہ شیخ نے اپنے کو ولی جانا۔

مولانا احمد برکی علیہ الرحمہ نے ۱۰۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔

مولانا احمد دیبنی علیہ الرحمہ

مولانا شیخ احمد بن ابی احمد حنفی نقشبندی علیہ الرحمہ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے اور اہلِ علم و طریقت میں سے تھے، شروع میں آپ ایک مدت تک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں رہ کر شرف تلمذ حاصل کر چکے تھے اور دوسرے علما سے بھی علم دین حاصل کیا، اس کے بعد برہان پور چلے گئے وہاں شیخ معظم محمد بن فضل اللہ علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی پھر آگرہ چلے گئے، حسنِ اتفاق سے ان دنوں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی آگرہ میں قیام پذیر تھے، آپ نے اس زریں موقع کو غنیمت جان کر صحبتِ اقدس میں حاضر ہو کر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا اور آپ کی خدمتِ بابرکت میں عرصے تک رہے، یہاں تک کہ جب حضرتؒ نے خواجہ میر محمد نعمانؒ کو خلافت سے سرفراز کر برہانپور روانہ کیا تو آپ کی روحانی تربیت بھی میر صاحب کے سپرد فرمائی، چناں چہ میر صاحب کی صحبت میں حضور نسبتِ خواجگان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔(۱)

اسی دوران میں اتفاقاً مرشدِ سابق شیخ معظم محمد بن فضل اللہ سے ملاقات ہوگئی، شیخ نے دریافت کیا کہ جس ذکر کی میں نے تعلیم دی تھی اس میں آپ مشغول ہیں یا نہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ میں نے خواجہ میر نعمان سے طریقۂ خواجگان نقشبندیہ کا ذکر حاصل کر لیا ہے اس میں لذت پاتا ہوں اور اسی میں مشغول ہوں، شیخ چوں کہ منصف مزاج اور حق پسند تھے اس لئے تھوڑے تاثر کے بعد فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مقصد تو فائدہ حاصل کرنا ہے، حضور کی دولت جس جگہ سے بھی بہم پہنچے اس

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۸۴

کو لازم پکڑو۔(۱)

اس کے بعد پھر آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں سرہند شریف حاضر ہوئے اور عرصے تک حضرت کے آستانہ پر مقیم رہے اور حضرت کی عنایات اور فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو کر خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، آپ کی صحبت میں اس درجے اثر تھا کہ جو کوئی آپ کی صحبت میں حاضر ہوتا غلبۂ جذب سے بے اختیار ہو کر تڑپنے لگتا اور بعض تو بالکل بے ہوش ہو جاتے اور بعض گریہ وزاری اور نالہ و فریاد کرتے تھے، الحاصل آپ کی توجہ اور تصرف میں بے انتہا اثر تھا۔(۲)

مشہور ہے کہ آپ نے ابتدائے ارشاد کے زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ بابرکت میں ایک عریضہ لکھا کہ باوجودے کہ میں اپنے اندر کوئی حال و کمال محسوس نہیں کرتا لیکن میں نے دو طالبوں کو ذکر کی تعلیم دی تو ان سے احوال ظاہر ہوئے، اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ دوامِ آگاہی کے باوجود ذہول پیدا ہونے کی کیا وجہ ہے؟ (۳) حضرتؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

> واضح ہو کہ وہ احوال جو ان دونوں شخصوں میں ظاہر ہوئے ہیں آپ کے احوال کے عکس ہیں جو اُن کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں، چوں کہ وہ دونوں شخص صاحب علم تھے اس لئے انہوں نے اپنے احوال کو معلوم کر لیا اور آپ کو بھی اس حالِ مستور کے حاصل ہونے کے علم کی طرف راہنمائی کی، جس طرح کہ آئینہ شخص کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کر دیتا ہے، مقصود احوال کا حاصل ہونا ہے اور ان احوال کا جاننا ایک علیحدہ دولت ہے، بعض کو یہ علم دیتے ہیں اور بعض کو نہیں دیتے لیکن دونوں صاحب ولایت اور قرب میں برابر ہوتے ہیں۔

پھر اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد دوسرے جز کے متعلق یہ ارقام فرمایا:

> جان لیں کہ آگاہی حق تعالیٰ کی جانب میں حضورِ باطن سے مراد ہے جو کہ مشابہ بعلمِ حضوری ہے کہ جس کو دوام لازم ہے، کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اپنی نسبت اس کو غفلت و نسیان پیدا ہوا ہے، غفلت و ذہول

۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ، ص ۳۴۶ ۲، ۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۱۹

علمِ حصولی میں متصور ہے، کیوں کہ اس میں مغائرت پائی جاتی ہے، علمِ حضوری میں سب حضور در حضور ہے، اگر چہ نادان اور بے وقوف آدمی اس حضور سے دور اور نفرت کرنے والا ہے اور اس کے حاصل ہونے سے مغرور ہے، پس آگاہی کے لئے دوام لازم ہے اور جس میں دوام نہیں وہ مطلوب کی نگرانی ہے جو اس آگاہی مذکور کے مشابہ ہے اس کا دوام مشکل ہے کیوں کہ علم حصولی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جو دوام سے بے نصیب ہے۔(۱)

آپ ایک مدت تک آگرہ میں طالبینِ معرفت کے افادے میں مشغول رہے آپ کے ان دونوں مریدوں کے چہرے سے اکابرِ سلسلہ کی خصوصیات ہویدا اور جذبے و بے خودی کی شان آشکارا تھی، ایک رئیس اعظم جو کہ آپ سے اخلاص رکھتے تھے آپ کو بنگالہ لے گئے آپ نے اس علاقہ میں قبولیتِ عظیمہ حاصل کی اور بہت لوگوں کو آپ سے فیض پہنچا۔(۲)

حضرات القدس میں ہے کہ آپ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی اور اکبر آباد میں مدفون ہوئے۔(۳) زبدۃ المقامات اس سلسلے میں خاموش ہے، اور تذکرہ مجدد الف ثانیؒ میں لاعلمی کا اظہار ہے۔

مولانا امان اللہ لاہوری علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کامل خلفا میں سے ہیں، ۱۰۳۱ھ میں حج بیت اللہ کا شوقِ غالب ہوا اور پیادہ پا بغیر توشہ و زادِراہ سفرِ حجاز کو چل کھڑے ہوئے، راستے میں حضرت مجدد الف ثانی کے اور خود آپ کے متوسلین و احباب نے ہر چند چاہا کہ ان سے زادِراہ قبول کر لیں، لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اسی بے سروسامانی کے ساتھ حجازِ مقدس پہنچے، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، پھر انبیا علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کے لئے مصر و شام گئے اور وہیں آپ کا وصال ہو گیا۔(۴)

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب ۱۶

۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۸۵ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۴۷

۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۲۰

۴۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۸۸، ۳۸۹۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۴۹۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۳۹

مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم اصحاب اور اجل خلفا میں سے ہیں، سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، پندرہ (۱) سال کی عمر میں حضرت سے بیعت کی اور سترہ (۲) سال حضرت کی خدمت میں رہے، آخر سلوکِ باطنی بدرجۂ کمال حاصل کر کے خلافت پائی، علومِ ظاہری اور دیگر علوم مثلاً تاریخ وغیرہ میں آپ کو کامل دسترس (۳) تھی، آپ نے شرح مواقف وتفسیر بیضاوی وعضدیہ مع حاشیہ سید الشریف، حضرت مجدّد الف ثانیؒ سے اور مطول مع حاشیہ سید شریف وشرح عقائد مع حاشیہ الخیالی وتحریر اقلیدس وشرح المطالع مع حاشیہ سید علی، حضرت خواجہ محمد صادق سے پڑھیں۔ (۴)

آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں حضرات القدس بہت مشہور ہے جس کے حصۂ اول میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کے تمام بزرگوں کے حالات ہیں اور دوسرے حصہ میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور حضرتؒ کے صاجزادگانؒ وخلفا کے حالات درج ہیں اور اس کے آخر میں آپ نے اپنے حالات وواردات بھی تحریر فرمائے ہیں، جو آپ کو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاصل ہوئے اور حضرت نے ان حالات کے اعلیٰ واصلی ہونے کی تصدیق کی، حضرت آپ کے حال پر نہایت درجہ عنایت فرماتے اور اپنے عیال میں شمار فرماتے تھے۔ (۵)

چناں چہ آپ حضرات القدس میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا ''اسی فنا و بقا سے ولایت متحقق ہوتی ہے، مخدوم زادۂ اعظم (خواجہ محمد صادقؒ) نے میری اس تحریر پر کہ ''جو کچھ حضرت کے باطنِ اقدس سے نکلتا ہے وہ فقیر کے باطن پر بھی ظاہر ہوتا ہے''۔ تعجب کیا اور فرمایا کہ ان کی ہمت بہت بلند ہے، حضرت نے فرمایا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ بقدر استعداد فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ مصرع پڑھا (۶)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۶۵ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۹۰

۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۳۵ ۴۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۹۰

۵۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجدّدیہ: ص ۲۳۴ ۶۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۶۰

بقدرِ آئینہ حسنِ تو می نماید رو

نیز آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک مدت تک پشمینہ کی جائے نماز پر نماز ادا فرمائی چوں کہ حضرت جمع بین المذاہب کی کوشش فرماتے تھے اور مذہب امام مالک میں پشمینی چیز پر سجدہ مکروہ ہے اس لئے سجدے کی جگہ پر ایک سوتی کپڑا لگوالیا تھا اور برسوں حضرتؒ نے اسی مصلے پر نماز ادا فرمائی، جب وہ کپڑا زیادہ میلا ہو گیا تو خادم نے اس میلے کپڑے کو علیحدہ کر دیا اور اس کی جگہ نیا کپڑا لگا دیا، میں نے اس میلے کپڑے کو اپنی دستار میں محفوظ کر لیا تا کہ گھر جا کر اس کو تعظیم کے ساتھ محفوظ جگہ پر رکھ دوں، اتفاقاً رات ہو گئی اور میں نمازِ عشا پڑھ کر سو گیا اور کپڑا ویسے ہی دستار میں رکھا رہا۔ (اس کپڑے کی برکت سے) اس رات خواب میں جمالِ جہاں آرائے نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کی بارہ مرتبہ سے زیادہ زیارت سے مشرف ہوا۔ ہر دفعہ میں بیدار ہو جاتا تھا پھر سو جاتا تھا اور پھر آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا۔ (۱)

آپ اپنی تصانیف کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں ''اس حقیر مؤلف عُفِیَ عَنْہُ نے قبلۂ حاجات (حضرت مجدد صاحبؒ) کی حیات بابرکات کے زمانے میں آپ کے مقامات کا مسودہ تحریر کیا اور اس کا نام ''سیرِ احمدی'' رکھا، اس کو آپ کی نظر کیمیا اثر میں پیش کیا، جب حضرت اس قصے تک پہنچے کہ حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کو حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمۃ نے استخارے کا حکم دیا اور حضرت خواجہ نے استخارے میں ایک طوطی دیکھی کہ شاخِ درخت سے اُڑ کر حضرت خواجہ کے دست مبارک پر بیٹھ گئی، الی آخر القصہ، فقیر نے اس میں طوطی کو طائرِ ہندی لکھ دیا تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کو کاٹ کر لفظ طوطی تحریر فرما دیا اور بر سبیلِ مطایبہ فرمایا کہ ''الحمد للہ تمہاری پہلی تصنیف ہمارے احوال کے ذکر میں واقع ہوئی ہے''۔ گویا از راہِ کشف معلوم فرمالیا تھا کہ اس حقیر سے مختلف تصنیفات واقع ہوں گی، الحق ایسا ہی ہوا کہ حضرت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد کتاب کرامات در بارۂ اولیا اثباتِ خوارقِ اولیا بعد موت تصنیف کی گئی اور فتوح الغیب مصنفہ حضرت غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کا فارسی میں ترجمہ کیا اور ایک کتاب الروائح فی شرح اصطلاحات صوفیہ و اشغالِ قادریہ و نقشبندیہ میں جمع کی اور ایک کتاب سنوات الاتقیہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اس وقت تک کے اربابِ کمال کے حالاتِ بیان کئے گئے ہیں۔ (۲)

علاوہ ازیں آپ نے درجات الابرار اور مجمع الاولیاء بھی تصنیف فرمائی، نیز دارا شکوہ کے حکم

۱۔ ایضاً: ص ۳۶۸ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۳۰

کی تعمیل میں کتاب بہجۃ الاسرار کا ترجمہ کیا جو عربی زبان میں حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے مناقب میں ہے، اور حضرت غوث الاعظمؒ کی کتاب روضۃ النواظر اور شیخ روز بھان بقلی کی تفسیر عرائس البیان کا بھی ترجمہ فرمایا۔(۱)

حضرت مولانا بدر الدین علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام فقیر کی مسجد میں قبلے کی طرف پشتِ مبارک کئے ہوئے دو زانو تشریف فرما ہیں میں بے اختیار ہو کر آپ ﷺ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس کے بعد اٹھا اور دونوں ہاتھ کی طرح اُٹھا کر التماس کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو کچھ بشارت دیجئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً اس کے بعد فرمایا کہ عن قریب تمہارے گھر میں لڑکے پیدا ہوں گے۔ اتفاق سے اس زمانے میں فقیر کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس واقعے سے دس ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا اس کا نام محمد عارف رکھا اور اس کے بعد ہر حمل میں لڑکا ہی پیدا ہوتا رہا حتیٰ کہ تا حال بطفیل بشارتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ نے اور سات لڑکے مرحمت فرمائے۔(۲)

نیز فرماتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ ایک حوض دہ دردہ ہے، اس کے گرد ایک باغیچہ گول اور خوش وضع لگا ہوا ہے اور وہاں ایک عالی شان محل ہے اس میں حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور میں کنوئیں کے ڈول کے پانی گرنے کی جگہ بیٹھا ہوا ہوں، ایک شخص مجھ سے حدیث کی ایک کتاب پڑھ رہا ہے اور ایک لفظ غیر مانوس کے متعلق کچھ تامل ہو رہا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس محل سے برآمد ہوئے اور باغ میں تشریف لائے کچھ ٹھہر کر اس لفظ کے معنی بیان فرمائے اور باغ کے دروازہ کی جانب روانہ ہوئے میں بھی دروازہ تک ہمراہ گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری حدیث پڑھی جو مجھ بلفظہٖ یاد تھی مگر لکھنے کے وقت بھول گیا۔(۳)

آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کو ذکر کی تعلیم دیتے وقت حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ذکر کے وقت آنکھیں بند کرنا شرط نہیں ہے مگر جب تک ذکر دل میں قرار نہ پا جائے آنکھیں بند رکھنی چاہئیں کہ جمعیت دل کے لئے آنکھوں کا بند کرنا خاص اثر رکھتا ہے۔

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۹۰۔ ہم نے بھی حضرات القدس سے پیش نظر تالیف میں بہت استفادہ کیا ہے۔ مؤلف

۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۶۵ ۳۔ ایضاً: ص ۳۶۷

آپ کی ولادت ووفات کی تاریخ کے اظہار سے تمام کتب خاموش ہیں۔

شیخ بدیع الدین سہارن پوری علیہ الرحمۃ

شیخ بدیع الدین بن رفیع الدین بن عبدالستار انصاری سہارن پوری مشائخِ نقشبندیہ میں سے تھے، شہر سہارنپور میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور اپنے ہی شہر میں کچھ دن عربی پڑھی پھر دوسرے شہروں کی طرف سفر کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، درسی کتابیں پڑھیں اور طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا پھر طویل عرصے تک آپ کی خدمت میں رہے۔(۱)

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اکبر اور اپنے علاقے کے مشہور مشائخ میں سے تھے، آپ عالم عامل، متقی، پرہیزگار، خوش صحبت، شیریں کلام اور صاحبِ کشف وکرامات و معارف وبشارات تھے۔ ایامِ شباب میں آپ کو درویشوں سے عقیدت نہ تھی بلکہ ایک گونہ ان کا انکار کیا کرتے تھے۔(۲)

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ ''آپ ہندوستان کے بزرگ زادوں میں سے ہیں، ابتدائے زمانہ میں آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں توضیح وتلویح پڑھا کرتے تھے لیکن درویشوں کے ساتھ اعتقاد نہیں رکھتے تھے بلکہ نمازِ فریضہ بھی ادا نہیں کرتے تھے، میں نے خود شیخ موصوف سے سنا وہ کہتے تھے کہ جس سال بندہ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں تحصیل علوم میں مصروف تھا ایک صاحبِ جمال نوجوان سے محبت ہوگئی تھی، جب اثنائے سبق میں اس کا خیال آجاتا دل بے چین ہوجاتا تھا کہ کب سبق سے فارغ ہوتا ہوں، تاکہ اس کے کوچے میں جاؤں اور اس کے چہرے کے ورق کا نظارہ ومطالعہ کروں، ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ نماز پڑھنی چاہئے اور جنایاتِ شرعیہ (یعنی شرعی گناہوں) سے پرہیز کرنا چاہئے، کیوں کہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی علم ظاہری کے حاصل کرنے میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا بہت لوگوں سے میں نے یہ نصائح سنے ہیں اگر حضرت کچھ جذب وتوجہ فرمائیں اور کوئی کرامت دکھائیں کہ جس کے ذریعے سے میں زمرۂ صلحاء میں داخل ہوجاؤں تو ہوسکتا ہے ورنہ صرف نصیحت سے میرا عقدہ حل نہیں ہوسکتا۔

۱۔ نزھۃ الخواطر: ج۵، ص۹۱ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص۳۰۳

حضرت کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا اچھا تم کل صبح کو اس نیت سے ہمارے پاس آنا دیکھو کیا ہوتا ہے۔

صبح کو جس وقت میں نے جانے کا وعدہ کیا تھا اتفاقاً وہ دوست میرے گھر آ گیا جس سے مجھ دل بستگی تھی اس لئے میرا دل نہ چاہا کہ میں اسے چھوڑ کر حضرتؒ کی خدمت میں جاؤں، دو تین روز کے بعد پھر میں حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ فرمایا تم نے اچھا نہیں کیا وعدہ خلافی اچھی چیز نہیں ہے۔ لیکن اب تم آئے ہو یہ بھی مبارک ہے، جاؤ وضو کرو اور دوگانہ ادا کر کے آؤ، چناں چہ میں نے ایسے ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت مجھے خلوت میں لے گئے اور ذکرِ قلبی سکھا کر توجہ کی حتیٰ کہ میں مست و بے خود ہو کر زمین پر گر پڑا اور اسی حالت میں مجھے اٹھا کر میرے گھر لے گئے، ایک روز کے بعد مجھے افاقہ ہوا۔ اس کے بعد میرا دل تمام گرفتاریوں اور تعلقات سے سرد ہو چکا تھا اور میں نے حضرتؒ کی خدمتِ لازم السعادت اختیار کی اور حضرتؒ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے میں خود کو اپنے آپ سے دور اور عالمِ غیب سے نزدیک پانے لگا۔

بالجملہ شیخ موصوف نے سال ہا سال حضرتؒ کے درِ دولت پر گزارے اور دیکھا جو کچھ دیکھا یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر اپنے وطن مالوف ابلدہٗ سہارن پور رخصت فرما دیا۔

آپ اپنے وطنِ مالوف پہنچ کر ارشاد و ہدایتِ طالبانِ طریقت میں مشغول ہو گئے کچھ عرصے کے بعد شہر آگرہ میں جہاں اس سلسلے کا کوئی حلقہ نہیں تھا حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے آپ کو وہاں بھیج دیا اور فرمایا:

دراں مقام استقامتِ بلیغ نمائی و بے امر ما آنجا نہ برائی

وہاں کمال استقامت سے کام لینا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا۔

چناں چہ آپ آگرہ گئے اور وہاں بہت مقبول ہو گئے، اس شہر کے فقرا و اغنیا سب باشندوں کو آپ کے فیوض و برکات بہ کثرت پہنچے اور مجلسیں خوب گرم ہوئیں، ان ہی ایام میں ابلیس پر تلبیس نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ تو حضرتؒ کے حکم کے خلاف امر کا مرتکب ہوا ہے اس لئے آپ بعض امورِ ممنوعہ کی اصلاح کی غرض سے وطن مالوف مراجعت کر آئے اور یہ حضرتؒ کے مزاج مبارک کے خلاف تھا، لہٰذا یہ امر حضرتؒ پر بہت گراں گزرا۔ بعد ازاں آپ حضرتؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور معلوم کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی طبیعت اس حکم

کے خلاف عمل کرنے سے بہت گراں ہے، (آپ نے حضرتؒ کی خدمت میں) عرض کیا کہ پھر دارالخلافہ آگرہ روانہ ہو جاؤں اور خدمتِ ارشاد پر پیش قدمی کروں، حضرتؒ نے منظور نہیں فرمایا اور فرمایا:

وقت ہماں بود حالا اگر بردی تو دانی و باختیارِ تست

وقت وہی تھا اب اگر جائے تو تیری مرضی ہے اور تجھے اختیار ہے۔

شیخ اضطراب کی حالت میں اس امید پر دارالخلافہ آگرہ روانہ ہو گئے کہ جو غبار حضرتؒ کی طبیعت پر آ گیا ہے جاتا رہے۔

جب آپ آگرہ پہنچے تو اول اول اس دفعہ بھی آپ کی مجلسیں گرم ہوئیں اور لوگوں کو فیض پہنچا لیکن چوں کہ آگرہ اس وقت دارالخلافہ اور فوجی علاقہ تھا۔ فوجی لشکر میں سے ایک جماعت جو اخلاص وادب سے نا آشنا تھی آپ نے انہیں سخت لہجے میں نصیحتیں شروع کیں اور اپنے بلند احوال اور بعض وہ وقائع وکشف جن کا اظہار موجب فتنہ وفساد تھا ان کے سامنے بیان کرنے شروع کئے۔ چناں چہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ وہاں آپ کا ٹھہرنا نہ صرف دشوار ہو گیا بلکہ اس کا اثر آپ کے پیر بزرگوار قدس سرہ العزیز تک سرایت کر گیا۔ حتیٰ کہ سلطانِ وقت نے جو اس گروہ سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا تھا حضرتؒ کو طلب کر کے ایذا پہنچائی اور قید کیا۔ اگر چہ بعد ازاں سلطان اس امر سے نادم ہوا اور حضرتؒ سے معذرت چاہی لیکن یہ سوءِ ادب اس کے لئے نامبارک ہوا اور اس کی سلطنت میں فتنہ وفساد پیدا ہو گیا۔ اس قضیۂ مذکورہ کے بعد شیخ بدیع الدینؒ کا ذوق بالکل مردہ ہو گیا اور وہ اپنے وطن سہارنپور واپس آ گئے اور آخر وقت تک وہیں گوشہ نشین رہے۔

باوجودیکہ آپ کی عمر پچاس سال کو پہنچ گئی تھی آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور دینی علوم کے طالبوں کے افادہ وافاضہ میں مشغول رہے۔

جن ایام میں راقم الحروف (مولانا ہاشم کشمیؒ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا آپ کا ایک عریضہ حضرت کی خدمت میں پہنچا جس میں تحریر تھا کہ ''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ہائے خاص پاتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھ پر عنایت کرتے اور نصائح فرماتے ہیں ایک روز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سراج الہند کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور زیادہ سے زیادہ طاعات وعبادات کا حکم فرمایا''۔(۱)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۶ تا ۳۴۰

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کے اس عریضے کے جواب میں یہ چند کلمات تحریر فرمائے:

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ، رقیمہ شریفہ نے خوش وقت کیا۔ آپ کے واقعات مبشرات ہیں اور قابلِ تعبیر، لیکن ہر چند کہ تاویل کے قابل ہیں پھر بھی منور ہیں، رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَ نَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O جب آپ ازدیادِ عمل پر مامور ہوئے ہیں جو کچھ عمل بھی ہو سکے اسے غنیمت جانیں کیوں کہ یہ دنیا دار العمل ہے واللہ الموفق۔ (۱)

شیخ بدیع الدین موصوف کی عرض داشت مذکورہ کی مزید عبارت حضرات القدس سے درج کی جاتی ہے:

ایک روز ارشاد ہوا کہ تو ہندوستان کا چراغ ہے اور عبادت کی زیادتی کے لئے مجھ کو حکم فرمایا، عالمِ غیب سے بشارت قطبیت کی دی جاتی ہے، اکثر اوقات آنے والے واقعات کی قبل از وقوع بلا قصد کے اطلاع دی جاتی ہے اور عالمِ غیب سے عجیب بشارتیں ہوتی ہیں کہ حضور والا ہی سے عرض کرنے کے قابل ہیں، آج کل چند طالبانِ صادق جمع ہو گئے ہیں اور سرگرم کار ہیں اور احوالِ بلند حاصل کر رہے ہیں حضورِ نقشبندیہ کو تھوڑی ہی مدت میں اپنا ملکہ بنا لیا ہے اور اہلِ نسبت ہو گئے ہیں بعض فنائے جسدی سے مشرف ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ احوال ضروری و برزخ کو بہتر جانتا ہے، بعض طالبین بسبب لذت ترکِ خانماں کر رہے ہیں۔ (۲)

شیخ بدیع الدین ایک دوسرے عریضے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت سلامت' اللہ تعالیٰ نے آپ کی توجہ پاک کے طفیل میں دولتِ مشاہدہ سے سرفرازی بخشی ہے، ایک زمانے سے تمنا تھی کہ ایک مرتبہ زیارت بابرکتِ جمالِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میسر ہو جائے کہ آپ کے آستانۂ عالی پر سر رکھوں اور آپ کے انوارِ کمالات سے پرتو حاصل کروں، خدائے پاک نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک رات نماز تہجد کے بعد اس دولت سے سرفراز فرمایا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس مقام کی خدمت کا انتظام حضرت غوث پاک قدس اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے اور بغیر

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۴۹ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۰۷

آپ کے واسطے کے اس بارگاہِ اقدس میں داخل ہونا دشوار ہے اور اس مقام کے انوار کے حصول سے کامل ترین اولیاء اللہ بسبب کمالِ اتباع سرورِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام مشرف ہوتے ہیں اور اقتباس کرتے ہیں۔(۱)

شیخ بدیع الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حلقۂ ذکر میں دیکھا کہ میں صحبتِ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ سنتِ زوال ادا فرماتے ہیں، حضرت ﷺ نے قدرے توقف فرمایا۔ فقیر نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میاں شیخ احمدؒ سنتِ زوال پڑھتے ہیں اور ان کی عادت ہے کہ جو عمل حضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک سے وجود میں آیا ہو اس کو وہ بجالاتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرے مراقب ہوئے اور پھر فرمایا کہ جو عمل میاں شیخ احمدؒ کرتے ہیں وہ حق ہے اور بعینہٖ ہمارا عمل ہے اور یہ نماز ہم بھی ادا کرتے ہیں۔(۲)

نقل ہے کہ جس زمانے میں بادشاہِ وقت نے ایک جماعت کی بدگوئی کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اکراہ کے ساتھ اکبرآباد بلایا تھا شیخ بدیع الدین علیہ الرحمہ کو بادشاہ کے مقرب مصاحبوں میں سے ایک امیر کے ساتھ کچھ قرابت کا تعلق تھا لیکن چوں کہ اقارب مانند عقارب (بچھوؤں کے) ہوتے ہیں اس لئے اس امیر کو شیخ موصوف اور حضرت ممدوحؒ کے ساتھ خاص عداوت تھی، شیخ اس نازک موقع پر اس کے گھر گئے اور بہت خوشامد کر کے کہا کہ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بچانے کے لئے سعی کریں، وہ بدنصیب پرانی عداوت کی بنا پر کہنے لگا کہ میری تو برسوں کی تمنا اب پوری ہوئی ہے دیکھو میں کیا کرتا ہوں، شیخ کو اس کلام کے سننے سے بڑی وحشت ہوئی اور غیرت کی رگ بھڑک اٹھی اور بہت جوش وجذب میں آکر آپ نے فرمایا کہ ہم بھی دیکھیں گے کون کس کا کام ختم کرتا ہے اور وہاں سے اسی حالتِ خاطر وبرخاستہ میں اٹھے اور اپنی جائے قیام پر آکر توجہ فرمائی، وہ بدنصیب عزیز قبل ازیں کہ اس کو بدگوئی کرنے کا موقع ملے دو تین دن کے اندر مرگیا۔(۳)

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ آپ کی وفات ۱۰۴۲ھ میں اپنے وطن سہارنپور میں ہوئی جیسا کہ مہر جہاں تاب میں ہے۔(۴)

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۰۷ ۲۔ ایضاً: ص ۳۰۶

۳۔ ایضاً: ص ۳۰۹ ۴۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۹۱

شیخ حسن برکی علیہ الرحمۃ

آپ اس راہ کے جواں مرد اور صاحبِ استقامت، جامع شریعت و حقیقت، صاحب مقامات و داروات روشن اور صاحب علوم لدنیہ تھے، علومِ ظاہری میں پوری قابلیت رکھتے تھے اور شیخ احمد برکیؒ کے شاگرد تھے، جب آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تعریف و توصیف سنی تو حضرتؒ کے آستانہ عرش نشان پر حاضر ہوکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور حضرتؒ کی صحبتِ بابرکت میں حالات و مقامات حاصل کر کے اپنے وطنِ مالوف کی طرف واپس ہو گئے اور شیخ احمد برکیؒ کی صحبت میں عمر عزیز بسر کرتے رہے۔(۱)

جب شیخ احمد برکیؒ کا انتقال ہو گیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو ان کے وصال کی اطلاع پہنچی تو حضرت ایک مکتوب میں مولانا احمد برکیؒ کی جگہ مولانا حسن برکیؒ کو ان کا سر حلقہ بنانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> شیخ حسنؒ کا طریق مولانا (برکی) کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہے اور دوسرے دوست اس مطلب سے بے بہرہ ہیں۔ اگرچہ کشف و شہود حاصل کر لیں اور توحید و اتحاد سے مشرف ہو جائیں لیکن یہ دولت اور ہے اور یہ کاروبار الگ ہے، کشوف کو یہاں جو کے برابر بھی نہیں لیتے اور اس توحید و اتحاد سے استغفار کرتے ہیں۔
>
> غرض دوستوں کو لازم ہے کہ شیخ کی تقدیم (آگے بڑھانے) میں توقف نہ کریں اور اس کو سر حلقہ بنا کر اپنے کام میں مشغول ہو جائیں، برادرم خواجہ اویس یہ بات دوستوں کو سمجھا کر حلقۂ مشغولی کی طرف رہنمائی کرے اور شیخ حسن کی طرف ترغیب و تربیت فرمائے، حسن کو بھی چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کے دل کی محافظت کرے اور برادری کے حقوق بجالائے اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑے، احکامِ شریعت کو پھیلائے اور سنت سنیہ کی متابعت کی ترغیب دے اور بدعت سے ڈرائے اور ہٹائے اور ہمیشہ التجا و تضرع و زاری کرتا رہے ایسا نہ ہو کہ نفسِ امارہ دوستوں پر

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۳۳

پیشوائی اور ریاست حاصل ہونے کے باعث ہلاکت میں ڈال دے اور خراب وابتر کردے، ہر وقت اپنے آپ کو قاصر وناقص جان کر کمال کا طالب رہے اور نفس و شیطان دو بڑے دشمن گھات میں لگے رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ راستے سے بھٹکا دیں اور محروم وناامید کردیں۔(۱)

آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فرمان کے مطابق مولانا شیخ حسنؒ مولانا احمد برکیؒ کے جانشین قرار پائے اور افادے وافاضے میں مشغول ہوگئے، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اپنے استاد کا شیوہ وطریقہ اختیار کیا اور مراقبے ومجاہدے اور رفع بدعت میں اپنی ہمت صرف کرتے رہے، یہاں تک ترقی کی کہ بلند مقامات پر پہنچ گئے، جیسا کہ آپ کے اُن عریضوں سے جو آپ نے حضرت موصوفؒ کی خدمت میں ارسال کئے تھے ظاہر ہوتا ہے، لیکن ایک عریضے میں آپ نے بعض اصطلاحاتِ صوفیہ کا رد کر کے ان پر چسپاں کیا تھا اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس بے بضاعت کو تسلی دیتے ہیں معارفِ شرعیہ ہیں، گویا احکامِ شرعیہ میں سے ہر ایک حکم دریچہ ہے جو شہر مقصود تک پہنچانے والا اور اس شاہِ بے نشان کا پتہ بتانے والا ہے اور یہ بیت مدنظر ہے۔

مابہ سفر می رویم عزمِ تماشا کراست
مابراو می رویم کز ہمہ عالم وراست (۲)

ہم سفر پر جارہے ہیں تماشے کا ارادہ کس کا ہے، ہم اس تک جاتے ہیں جو کہ تمام عالم سے وراء الوراء ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو آپ کے اعتراضات گراں گزرے اور حضرتؒ نے آپ کو تحریر فرمایا:

آپ کو واضح ہو کہ یہ سب بے ہودہ اعتراض اور زبان درازیاں ہیں جو آپ نے مشائخ طریقت قدس سرہم پر کی ہیں، ان کا باعث یہ ہے کہ آپ نے ان بزرگواروں کی مراد کو نہیں سمجھا، توحید شہودی جس کے معنی ہیں ''ایک دیکھنا'' اور جو ماسوا کے نسیان پر وابستہ ہے، ان بزرگواروں کے نزدیک طریقت کی ضروریات میں سے ہے، جب تک یہ حاصل نہ ہو اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہوتی اور آپ اس دولت اور دولت والوں کی ہنسی اڑاتے ہیں، شہود ورویت جو ان

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر دوم، مکتوب نمبر ۶۱　　۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۸۰

بزرگواروں کی عبادات میں واقع ہے اس سے مراد حضور بیچونی ہے جو مرتبۂ تنزیہ کے مناسب اور احاطۂ ادراک سے جو کہ عالم چون سے ہے باہر ہے اور اس دولتِ حضور کو دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے ظاہر کو ہر وقت دو بینی سے چارہ نہیں، اسی واسطے کہتے ہیں کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک و موحد ہے اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موحد جمع ہے، کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک، پس کامل کا باطن ہر وقت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے اور اس کا ظاہر اہل وعیال کی تدبیر میں، اس میں کوئی ڈر نہیں یہ اعتراض بے سمجھی کے باعث ہے۔

آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے بظاہر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنے وفساد پر آمادہ کرتے ہیں، آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ ان مدعیوں کی نئی بنائی ہوئی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہے اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے، آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحید شہودی کی نسبت کس قدر لکھا ہے، اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔

آپ کو چاہئے تھا کہ اس کے معنی دریافت کرتے اور ادب سے سوال کرتے، یہ ایک پھول ہے جو مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی جدائی کے بعد کھلا ہے، مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں، خیر اچھا ہوا کہ آپ نے لکھا اور آپ کو تنبیہ وآگاہی ہوئی آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں اور صحت وسقم کا ملاحظہ نہ کیا کریں، کیوں کہ اگر صحیح ہوگا تو خوشی کا باعث ہے اور اگر سقیم ہوگا تو تنبیہ کا باعث ہوگا، بہر صورت لکھنے میں سستی نہ کیا کریں، سال کے بعد آپ کا خط قافلے کے ہمراہ آتا ہے، سال میں ایک بار تو ضروری نصیحتوں کا لکھنا ضروری ہے جب تک آپ نہ لکھیں اور نہ پوچھیں تب تک گفتگو کا راستہ نہیں کھلتا۔

دوسرے جملے کے متعلق حضرتؒ اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

آپ کی یہ معرفت اصل اور بہت اعلیٰ اور بہت امید بخشنے والی ہے، اس معرفت کے

مطالعے سے بہت خوشی ہوئی حتیٰ کہ مکتوب کی پہلی پراگندگی کو بھی دور کر دیا حق تعالیٰ اس راہ سے آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچائے۔(۱)

شیخ حسن برکیؒ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ فقیر نماز تہجد پڑھ رہا تھا کہ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ کے معانی ظاہر ہوئے اور پردۂ حیرت اٹھا دیا گیا اور عین الیقین سے مشرف کیا گیا، زبانِ قلم اس مقام کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر اور سننے والے کی سمجھ اس کے سمجھنے سے معذور ہے، اس کے بیان کے لئے لب نہیں کھل سکتے، عالم مثال میں اس حالت کی یہی ایک مثال ہو سکتی ہے کہ جسم میں روح مخاطب ہے اور جسم روح کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے اور روح کی خالقِ ارواح کے ساتھ یہی نسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کے لئے رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے، یہ قرب مخلوق کے لئے بُعد ہے، کیوں کہ یہ قرب بیچون اور بے چگون ہے جس کے ساتھ عالم کو بجز خالق و مخلوق ہونے اور صانع و مصنوع ہونے کے اور کچھ تعلق نہیں:

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک (۲)

نقل ہے کہ آپ کا ایک جوان صاحب زادہ قابل اور طالبِ صادق تھا جو آپ کو اطلاع دیئے بغیر حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند چلا آیا تھا آپ اس سے بالکل بے خبر تھے۔ وفات کے وقت آپ نے اس کو یاد فرمایا پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا مجھ کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ حضرت مخدوم زادہ عالی قدر کی خدمت میں ہے اور اب حضرت نے اس کو اجازت و خلافت دے کر روانہ کیا ہے اور اب وہ راستہ میں ہے تھوڑی دیر میں آجائے گا اور میرا قائم مقام ہوگا چناں چہ ایسا ہی ہوا، اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا اور اپنے وطن عثمان پور میں دفن ہوئے۔(۳)

شیخ حمید بنگالی علیہ الرحمہ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم خلفا میں سے ہیں، آپ کا وطنِ مالوف شہر منگل کوٹ ضلع بردوان بنگال ہے، آپ جامع علوم معقول و منقول تھے، آپ کا تشرع و تقویٰ، رعایت عزیمت اور ترکِ رخصت کمال درجے کا تھا، آداب سلسلۂ نقشبندیہ کا اتباع اور طریقہ

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر دوم، مکتوب نمبر ۷۷ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۳۴

۳۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۳۴

احمدیہ کی موافقت آپ کے صفاتِ حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ میں داخل تھی، آپ کے فقر و قناعت، زہد و توکل اور استقامت کا بیان زبانِ قلم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ صرف ایک سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت فیضِ اقدس میں رہے، آپ کے منازلِ سلوک راہِ جذب سے انجام پائے اور آپ نے درجۂ ولایت کو پہنچ کر مراتب کمال و تکمیل حاصل کئے۔ حضرت نے آپ کو خلافت عطا فرما کر آپ کے وطن مالوف کو رخصت کیا اپنے وطن میں پہنچ کر تدریس علوم ظاہری اور ارشادِ سلوک باطنی میں مشغول ہو گئے، وہاں آپ کو بڑی قبولیت اور خاص و عام میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔(۱)

آپ کی توبہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کے اسباب اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ آپ بنگال سے دینی علوم حاصل کرنے کی غرض سے لاہور آئے، تحصیل علوم کے بعد اپنے وطن مالوف کو جاتے ہوئے آگرہ میں اپنے پرانے دوست مولانا عبدالرحمٰن مفتی لشکر سلطانی کے پاس چند روز کے لئے ٹھہر گئے۔ آپ شروع سے صوفیائے کرام کے خلاف تھے اور ان پر شدید نکتہ چینی کیا کرتے تھے اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بھی کوئی عقیدت نہ تھی اور مشربِ وحدۃ الوجود کا بھی انکار کرتے تھے، حسنِ اتفاق کہ شیخ حمید بنگالی کے دورانِ قیام میں حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اکبر آباد تشریف لے آئے اور مولانا عبدالرحمٰن موصوف کے مکان کے متصل ہی قیام پذیر ہوئے، چوں کہ مولانا عبدالرحمٰن اور ان کے اہل و عیال حضرت کے معتقدین میں سے تھے (اس لئے شیخ حمید نے مناسب سمجھا کہ کسی اور جگہ منتقل ہو جائیں) چناں چہ شیخ حمید نہایت مضطرب انداز میں مولانا کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں کسی دوسرے محلے میں جا کر قیام کروں گا، آپ کے پاس میری جو کتابیں و رسالے ہیں مجھے واپس دے دیجئے، مولانا نے کہا کہ آخر مکان تبدیل کرنے کی کیا وجہ ہے؟ شیخ حمید نے جواب دیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ تمہارے پڑوس میں آئے ہوئے ہیں اور میں ان سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا، مولانا نے کہا حضرت ایک بزرگ اور عالم مردِ صالح ہیں ناخوشی مناسب نہیں ہے۔ جواب دیا کہ میں ان سے قدرے آشنائی رکھتا ہوں آخر کسی روز قرب و جوار میں ملاقات پیش آ جائے گی، اگر ہم اکٹھے نہ ہوں تو بھی مشکل ہے اور اگر جمع ہوں تو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ میں اس قسم کے بزرگوں کے سامنے آنے کی تاب نہیں رکھتا۔ یہ کہہ کر کسی دوسرے محلہ میں چلے گئے اور سامان بھی لے گئے۔

۱۔ حضرات القدس

شیخ حمید دو تین روز کے بعد اپنی ایک کتاب لینے کے لئے آئے جو بھولے سے مولانا موصوف کے ہاں رہ گئی تھی، دونوں اکٹھے بیٹھے اور علمی گفت گو ہو رہی تھی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ مولانا کے ہاں تشریف لے آئے، مولانا نے حسب عادت نہایت عقیدت و ارادت کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا استقبال کیا اور ان کی خاطر و تواضع میں لگ گئے، شیخ حمید ایسے وقت پر اپنے آنے سے بہت شرمندہ و پشیمان ہوئے، حضرت ممدوحؒ نے تشریف رکھتے ہوئے مولانا سے فرمایا کہ ہم ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں، مولانا نے عرض کیا وہ کون سا مسئلہ ہے جو حضور سے پوشیدہ ہے، فرمایا کہ آپ مفتی ہیں اس لئے آپ سے پوچھ کر عمل کرنا احوط ہے۔ اس کے بعد ایک نہایت واضح اور مشہور مسئلہ دریافت کیا۔ پھر شیخ حمید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''ہائے شیخ حمید اینجا بودہ اند'' (ہائیں شیخ حمید یہاں پر ہیں) اور ایک دو دفعہ خاص انداز سے نظر ڈال کر مراقبے میں مستغرق ہو گئے، اس کے بعد یکا یک وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے، مولانا نے ہر چند عرض کیا کہ تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں اور یہیں ماحضر تناول فرمائیں مگر حضرتؒ نے قبول نہیں فرمایا، آخر مولانا حضرتؒ کی مشایعت کے لئے دروازے تک آئے۔

مولانا کا خیال تھا کہ شیخ حمید ''بداعتقادی'' کی وجہ سے اپنی جگہ سے بھی نہ اٹھے ہوں گے مگر دیکھا کہ وہ باچشم پرنم حضرتؒ کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں، اور حضرتؒ ان کی طرف مطلقاً توجہ نہیں فرماتے، آخر حضرتؒ اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور شیخ حمید حضرتؒ کے دروازے پر پہنچ کر حیران و پریشان دست بستہ سر جھکائے کھڑے رہ گئے، کچھ دیر بعد حضرتؒ نے آپ کو خلوت میں طلب فرمایا اور طریقت کی تعلیم دی اور جذبہ و نسبت سے مشرف فرمایا حتی کہ شیخ حمید اس درجہ تک مغلوب الحال اور حضرتؒ کی خدمت و صحبت میں ایسے مشغول ہوئے کہ تمام احباب اور کتابوں کو بھول گئے کہ جن سے پورا پورا تعلق رکھتے تھے، چند روز کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سرہند شریف واپس ہوئے تو شیخ موصوف پا پیادہ مجنوں وار آپ کی رکابِ باسعادت میں روانہ ہو گئے۔ (۱)

مولانا عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ مجھے اس واقعے کے مشاہدے نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مزید گرویدہ بنا دیا اور میں حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوا چنانچہ جب ایک امیر کبیر نے جو حضرتؒ کی طرف سے اچھے اعتقاد نہ رکھتا تھا مولانا سے دریافت کیا کہ آپ گروہِ علما و عقلا سے ہیں آپ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۵۴۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۸۳

نے حضرتؒ کی کیا کرامت دیکھی کہ مرید ہو گئے تو مولانا نے فرمایا کہ ہم اہلِ علم اس سے زیادہ کوئی کرامت نہیں سمجھتے کہ شیخ عالم باعمل اور متبع سنت ہو، عمل کے ساتھ اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ واہتمام ہم نے جیسا حضرت شیخ سرہندیؒ میں دیکھا اپنے زمانے میں کسی دوسری جگہ نہ دیکھا نہ سنا بس ہمارے نزدیک یہی سب سے بڑی کرامت اور حاصل ولایت ہے۔(۱)

شیخ حمید نے تقریباً دو سال آستانہ عالیہ پر رہ کر منازلِ سلوک طے کئے اور احوالِ عجیبہ و مقاماتِ غریبہ سے نوازے گئے اس کے بعد حضرتؒ نے تعلیم طریقت کی اجازت دے کر ان کو وطن روانہ فرمایا۔ اجازت نامہ زبدۃ المقامات میں ص ۳۵۶ پر درج ہے تبرکاً و تیمناً ہم بھی اس مبارک تحریر کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

اما بعد الحمد و الصلوٰة فیقول العبد المفتقر الی رحمة اللّٰہ الملك الولی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی رحمهما اللّٰہ سبحانه رحمة واسعة ان الاخ العالم و الصدیق الصالح جامع العلوم الشریعة والطریقة والحقیقة الشیخ حمید البنگالی وفقه اللّٰہ سبحانه لما یحب ویرضاہ لما قطع منازل السلوك و عرج معارج الجذبة ووصل الی درجة الولایة بعد ان حصل له اندراج النهایة فی البدایة اجزت له بتعلیم الطریقة علی طریقة المشایخ النقشبندیة قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرار هم الطالبین المسترشدین و المریدین المخلصین بعد الاستخارة و حصول الاذن من اللّٰہ سبحانه و المسئول من الله سبحانه ان یعصمه عما لا یلیق ویحفظه عما لا ینبغی وان ثبت علی متابعة سید المرسلین علیه وعلیهم الصلوة و التسلیمات(۲)

مشائخ کا دستور ہے کہ اہلِ ارشاد کو خلافت دے کر رخصت کرتے وقت خرقہ عنایت فرماتے ہیں، شیخ حمید نے عرض کیا کہ مجھ کو بجائے خرقہ کے کفش پائے مبارک کافی ہے، چناں چہ حسب التماس حضرتؒ نے کفشِ مبارک عنایت کئے، آپ نے اُن کفشِ مبارک کو دانتوں سے اٹھایا اور جب تک طاقت رہی دانتوں سے اٹھائے رہے، بعد ازاں سر پر باندھا اور بصد گریہ وزاری و بے قراری اُلٹے پاؤں روانہ ہوئے، شیخ نے ان کفش مبارک میں جو دولت پائی وہ قیصر و کسریٰ کو کہاں

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۵۵۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۵۵

نصیب، جو لوگ آپ کی مشایعت کے لئے گئے تھے بیان کرتے تھے کہ آپ اسی ہیئت سے چلے جا رہے تھے اور آخر میں ان کو دستار میں باندھ کر اپنے سر پر تاج مکلّل بنا لیا تھا، اور اسی طرح اپنے وطن تک گئے۔

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت جب کہ اس بات کو بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے وہ کفش مبارک اس دیار میں متبرک اور زیارت گاہ ہے، اہل حاجات مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لئے اور مریض شفا پانے کے لئے آتے ہیں اور اپنی مرادوں کو حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ اس علاقے میں اطبا کی ضرورت بہت کم ہوتی ہے، بالجملہ شیخ حمیدؒ نے جو کچھ پایا ان کفش کی بدولت پایا۔

اگر خاکے ازیں کوُ بر سر آید
مرا بہتر زچندیں افسر آید

آپ کا وصال ۱۰۵۰ھ میں اپنے وطن مالوف میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحب زادے شیخ حبیب الرحمٰن جو کہ صاحبِ احوال و مقامات اور صاحب استقامت و کرامت تھے آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔(۱)

حاجی خضر خاں افغان علیہ الرحمۃ

آپ کا مولد و مدفن قصبہ بہلول مضافاتِ سرہند میں ہے، آپ حضرت مخدوم عبدالاحد علیہ الرحمۃ والد ماجد حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی شرفِ صحبت سے بھی مشرف ہو چکے تھے، آپ نے ولولۂ شوق و غلبۂ عشق میں بحالتِ تجرید و تفرید بہت کچھ سفر کئے اور اکثر مشائخ و فقرا کی خدمت میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ حجازِ مقدس اور دیارِ عرب اور بیت المقدس کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور ہر جگہ آپ کو حکایاتِ شیریں و معاملاتِ رنگیں پیش آتے رہے مگر کسی جگہ آپ کے دل کو تسکین نہ ہوئی، جب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ کے دل نے آرام و سکون پایا اور تلقین ذکر کی سعادت حاصل کی اور واردات و حالات اور عالی مقامات سے مشرف ہے۔(۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کبھی کبھی آپ سے مزاح فرماتے اور خضرا کہہ کر پکارتے تھے، آپ بھی حضرتؒ کے عاشق و شیدا تھے اور حضرتؒ کے ہر لطف و عطا پر اپنی جان فدا کرتے

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۸۸　　۲۔ حضرات القدس: ج ۲، ص ۳۱۶

تھے۔آپ بہت خوش الحان تھے اور خوش الحانی کے ساتھ اذان دیتے تھے، جب تک آپ حضرتؒ کی خدمت میں مقیم رہے کوئی اور اذان نہ دے سکتا تھا، آپ کی اذان دلوں پر خاص اثر ڈالتی تھی، ہر شب جمعہ کو آپ حضرتؒ کی مسجد کے حجرے میں آتے اور حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر خوش الحانی سے درود شریف پڑھتے، اکثر سحر کے وقت بل کہ ساری رات نغمہ سرائی کرتے اور گریہ وزاری میں مشغول رہتے۔(۱) اور کسی شاعر کے اس شعر کے مصداق تھے۔

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا پیدا ہوتا ہے
میں راتوں اُٹھ اٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلصوں میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا: ''ایک روز میں نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے کئی باتیں پوچھیں الحمدللہ کہ اس نے صحیح صحیح بیان کردیں، اسی اثنا میں میں نے اس سے پوچھا کہ ''دریارانِ ما کیست کہ درد ترا تصرف کمتراست'' (ہمارے دوستوں میں سے ایسا کون ہے جس پر تجھے بہت کم تصرف ہے) اس نے کہا حاجی خضر۔(۲)

غرض کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص مرید و خلیفۂ مجاز تھے، کثیر التعداد مخلوق نے آپ سے فیضِ سرمدی حاصل کیا۔شیخ آدم بنوری بھی ابتدا میں آپ ہی کے مرید تھے بعد ازاں آپ نے خود ان کو حضرت کی خدمت میں بھیجا۔

حاجی خضر نے جب حضرتؒ کی وفات کی خبر سنی تو فوراً بیہوش ہوکر گر پڑے پھر گریہ وزاری کرتے ہوئے، مخدوم زادوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوبارہ ماتم برپا کردیا۔مخدوم زادوں کی فرمائش پر اذان دی تو بھی تمام سننے والوں کو خوب رُلایا اور حضرتؒ کی رحلت کے بہت ہی قلیل عرصہ بعد غالباً ۱۰۳۴ھ میں انتقال فرمایا۔(۳)

میر صفر احمد رومی علیہ الرحمۃ

آپ صحیح النسب سید اور ملک روم کے مشائخ کبار میں سے تھے زیارتِ حرمین کے جذبۂ شوق میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پُرنور کے

۱۔حضرات القدس: ج ۲، ص ۳۶۶ ۲۔زبدۃ المقامات: ص ۳۸۴
۳۔حضرات القدس: ص ۳۶۸

سامنے بعجز و نیاز بیٹھے تھے کہ واقعے میں آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میر صاحب موصوف کو حضرت مجدّد قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند شریف جانے کی ہدایت فرمائی چناں چہ آپ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۰۱۲ھ میں لاہور پہنچے تو حسنِ اتفاق کہ اُن دنوں حضرت موصوف بھی لاہور ہی میں تشریف فرما تھے لہٰذا آپ خدمتِ بابکرت میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور باطنی سلوک کی تکمیل کے بعد آپ خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔(۱)

اس کے بعد حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے آپ کی دخترِ نیک اختر سے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی شادی کرنی چاہی تو آپ نے بجان و دل قبول فرما کر یہ سعادت بھی حاصل کرلی، چناں چہ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۰۲۱ کو مسنون طریقہ پر رسوماتِ شادی انجام پذیر ہوئے، (۲) اس طرح آپ کو حضرتؒ کے ساتھ قرابت داری کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ ۱۰۵۰ھ میں سرہند شریف میں انتقال فرمایا۔(۳)

شیخ طاہر بدخشی علیہ الرحمۃ

کہتے ہیں کہ آپ کے اجداد بدخشاں کے رہنے والے ترک خاندان سے تھے، آپ نہایت سادہ لوح، نیک طینت، دراز قامت اور قوی ہیکل انسان تھے، ابتدا میں فوج کے افسر تھے، ایک دفعہ فوج کسی قلعے کو فتح کرنے گئی تو آپ بھی اس میں شامل تھے، اثنائے سفر میں آپ ایک شب خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر خلفا و اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ سے فرمایا کہ اس سفر کے بعد تم ان لوگوں (فوجیوں) سے الگ ہوجاؤ اور فقر و تجرید اختیار کرو، پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو خرقہ پہنایا۔

جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ ترکِ ملازمت کا عزم بالجزم کرلیا، چناں چہ بعد مراجعت جب لشکر ایک جزیرۂ خارستان واشجارستان پر پہنچا تو آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور اس خارستان میں چلے گئے، خادم نے سمجھا کے شاید رفع حاجت کے لئے گئے ہیں، بہت دیر انتظار کیا۔

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۱۱۹، ۳۳۹ ۲۔ جواہر معصومیہ: ص ۱۴
۳۔ روضۃ القیومیہ: رکن دوم، ص ۲۶

جب دیکھا کہ واپس نہیں آئے تو وہ منزل پر واپس آ گیا، رفیقوں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آپ وہاں سے غائب ہو کر ان جزائر میں ایک دہقان سے ملے اور اس سے اپنے لباس کے عوض میں ایک گدڑی لے کر پہن لی اور اطراف و جوانب کے مشائخ کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہے، چونکہ آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی تھی، اس لئے کچھ عرصے بعد آپ گھر واپس آئے اور اپنی زوجہ سے کہا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ نیک بخت بی بی نے کہا میں ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی آپ وابستہ کر چکی ہوں زندگی کا جو طریقہ آپ کو پسند ہے وہی مجھے بھی پسند ہے، چنانچہ وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں شوہر کے ساتھ ہو لیں اور دونوں اس علاقے کے ایک صاحب دل بزرگ کے پاس پہنچے انہوں نے فرمایا تمہارا حصہ نقشبندی مشائخ میں معلوم ہوتا ہے اور حدودِ دہلی ولاہور کی طرف اشارہ کیا۔(۱)

اس کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں پھرتے ہوئے شیخ عبدالجلیل بیانکی کی خدمت میں پہنچے، شیخ نے کہا تم صاحب استعداد مرد ہو سفر اختیار کرو شاید کہ کسی بزرگ کی ملاقات میسر ہو اور تمہارا کام بن جائے، چناں چہ آپ ہندوستان کے لئے چل کھڑے ہوئے، اس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا عام شہرہ تھا اس لئے دہلی کا قصد کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ آپ کے دہلی پہنچنے سے چند دن قبل حضرت خواجہ علیہ الرحمہ وصال فرما چکے تھے، وہاں خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی، میر صاحب بہت شفقت سے پیش آئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فضائل بیان کئے اور آپ کو حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا دیا، چنانچہ آپ حضرتؒ سے بیعت ہوئے اور کافی عرصے خانقاہِ سرہند میں قیام کر کے فیوض و برکات حاصل کئے، آپ کے خصائصِ عظمیٰ میں سے یہ ہے کہ آپ ایک مدت تک خلوت و جلوت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و مشاہدے سے مشرف ہوتے رہے گویا کہ آپ کو یک گونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا درجہ حاصل تھا۔(۲)

کہتے ہیں کہ چوں کہ آپ سادہ مزاج ترک تھے اس لئے اپنے احوال و مکاشفات کو جب بیان فرماتے تو ان کے اندازِ بیان سے حضرتؒ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ جاتی تھی، اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے معارف بیان فرماتے تو آپ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۶۴۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۱۲

۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۶۰، ۳۶۱

آرے اور بلے کہتے جاتے اور سر ہلاتے جاتے، چنانچہ حضرت قدس سرہٗ خوش طبعی کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ:

بداں ماند کہ ایں اسرار بر مولانا طاہر وارد شدہ و ما مترجم آنیم

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسرار و معارف مولانا طاہر پر وارد ہو رہے ہیں اور میں ان کا ترجمان ہوں۔(۱)

جب آپ احوال و جذبات خاص سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے، تو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے اجازتِ تعلیم دے کر جونپور روانہ کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ وہاں تم سے ایک مقبول حق شخص ظاہر ہوگا (یعنی نیک فرزند پیدا ہوگا) چنانچہ حضرت کی وفات کے دس سال بعد آپ نے مخدوم زادوں کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ وہ فرزند جس کی حضرتؒ نے بشارت دی تھی پیدا ہو گیا ہے اور علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کر رہا ہے تجرید و تفرید میں مجھ سے آگے ہو کر متوجہ شیوخِ طریق ہے۔(۲)

جونپور پہنچ کر خدا جانے کن احوال کے ماتحت آپ نے گفتگو اور نشست و برخاست میں ایسا طریقہ اختیار کیا کہ لوگ انہیں ملامتیہ میں سے جاننے لگے اور طالبینِ طریقت کا آپ کی طرف رجوع بہت کم ہو گیا، چنانچہ جن دنوں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے آپ نے اپنے عریضے میں لوگوں کی عدم توجہی کے بارے میں تحریر کیا، جس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا:

عجب مردے سادہ دل است ملاکِ امر محافظۂ احوال و فکر کار و غمِ ایمان و مآلِ خود است، دریں ضمن ہر کرا حق سبحانہ، برساند و بتعلیم و تربیتِ او مامور گرداند حسب الامر خالصاً لوجہ اللہ بداں باید پرداخت و نیز برائے انجذاب دلہائے طلاب وضع کہ ملامت را آنجا راہ نبود اختیار باید نمود۔

یہ عجیب سیدھے آدمی ہیں یہ خبر نہیں کہ اصل کام احوال کی محافظت، اپنے کام کی فکر اور اپنے ایمان و انجام کا غم کرنا ہے، اس ضمن میں جس کسی شخص کو بھی حق سبحانہ و تعالیٰ (اس کے پاس) پہنچادے اور اس کی تعلیم و تربیت پر مامور کر دے، حکم کے مطابق خالصاً لوجہ اللہ اس میں مشغول رہے، نیز اہلِ طلب کے دلوں کی کشش کے

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۶۵ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۱۱، ۳۱۲

لئے ایسی وضع جس میں ملامتیہ کے طرز کو کچھ بھی دخل ہو اختیار نہ کرنی چاہئے)۔(۱)
آپ نے کافی طویل عمر پائی اور جونپور ہی میں ۷رجب ۱۰۴۷ھ کو انتقال فرمایا۔(۲)

مولانا شیخ طاہر لاہوری علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے عقیدت مندوں میں بلند درجہ رکھتے تھے، سخت ریاضتیں اور شدید مجاہدے کرنے والے بزرگ تھے، کراماتِ ظاہرہ و خوارق باہرہ اور مناقب فاخرہ سے متصف تھے، ظاہری علوم میں کمال حاصل تھا اور حافظ قرآن بھی تھے، معقول و منقول، فروع و اصول اور جملہ فنون کی تحصیل کے بعد جب آپ کو سلوکِ طریقت کا شوق دامن گیر ہوا تو آپ اتباع شریعت کے غلبے کی وجہ سے ایسے پیر کی تلاش میں تھے کہ جو علم و عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال درجہ متابعت رکھتا ہو اور یگانۂ وقت اور شہرۂ آفاق ہو، چونکہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ ان امور میں سردار اولیائے وقت تھے اس لئے آپ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سالہا سال بعجز و انکسار و ذلت و افتقار حضرتؒ کے درِ دولت پر گزارے، چناں چہ اس وقت خانقاہ شریف میں ظاہری خاکساری اور بے مقداری کے اعتبار سے سالکوں میں آپ کے برابر کوئی نظر نہیں آتا تھا، اکثر اوقات درویشوں سے عرض کرتے کہ جاروب کش کو منع کردو اور بیت الخلاؤں کی صفائی و پاکیزگی میرے لئے چھوڑ دو۔

آپ حضرتؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس میں نہایت کوشش وسعی بلیغ فرماتے تھے چناں چہ مخدوم زادے فرمایا کرتے تھے:

> حقوقِ حضرتِ شیخ طاہر بر مایاں آنقدر است کہ از عہدۂ شکر آں نہ توانیم بروں آمد جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔
>
> حضرت شیخ طاہر کے حقوق ہمارے اوپر اس قدر ہیں کہ ہم کسی طرح بھی ان کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ایک روز خود حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے بھی فرمایا کہ:

> محمد یحییٰ را می خواہم بشیخ طاہر بسپاریم کہ چوں برادرانش از میمنتِ انفاسِ شیخ عالم عامل شود اما الحال شیخ طاہر را آں دماغ کے ماندہ

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۶۵، ۳۶۶ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۸۵

میں چاہتا ہوں کہ محمد یحییٰ کو شیخ طاہر کے سپرد کروں تا کہ وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح
ان کے یمن و برکات سے عالم باعمل ہو جائے لیکن اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں
رہا، یعنی اب ظاہری علوم مغلوب ہو گئے ہیں اور درویشی کا رنگ غالب آ گیا ہے۔

باوجود اس علمیت کے آپ پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ زبانِ قلم اس کے بیان سے قاصر ہے، چناں چہ ایک روز حضرتؒ نے آپ کو امامت کے لئے فرمایا تو آپ کا رنگ فق ہو گیا، اعضا لرزنے لگے اور خوف و ہیبت کے باعث، حافظِ قرآن اور عالم ہونے کے باوجود لحظہ بلحظہ آواز گلے میں بیٹھی جاتی تھی، غرض کہ آپ اس دولتِ انکسار اور ادب و خدمت کے باعث حضرتؒ کی نظر اکسیر اثر کی برکت سے درجاتِ عالیہ پر فائز ہوئے۔

لیکن اثنائے راہِ سلوک میں بہ حکمتِ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بلیۂ عظمیٰ رونما ہوئی، مجملاً اس کا بیان اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت موصوفؒ حلقہ ذکر سے اٹھ کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ ''دریں حلقہ دیدم کہ بر جبینِ یار الفظِ شقی مرقوم است'' (یعنی اس حلقے میں میں نے دیکھا کہ ایک دوست کی پیشانی پر لفظ شقی لکھا ہوا ہے) یہ سنتے ہی تمام دوستوں پر ہیبت عظیم طاری ہو گئی اور ہر شخص لرزنے لگا، لیکن یہ دوست شیخ طاہر تھے، چناں نچہ اس کے بعد آپ سے عجیب عجیب لغزشیں ظہور میں آئیں، بعد ازاں حضرت موصوفؒ نے آپ کے حق دعا فرمائی اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ کی دعا قبول فرما کر اس بلیئے کو دفع فرما دیا۔(۱) اس واقعہ کی مزید تفصیل دفتر اول مکتوب ۲۱۷ میں بھی ہے جو ''قضائے مبرم وقضائے معلق'' کے عنوان سے ''تعلیمات'' کے باب صفحہ ۵۱۵ پر درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

نیز حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جو اجازت نامہ آپ کو عنایت فرمایا تھا اس میں بھی اس واقعے کی طرف اشارہ ہے، اجازت نامہ یہ ہے:

بعد الحمد و المنة لولیه و الصلوٰة و التحیه علی نبیه و علیٰ اله و اصحابه الکرام الداعین الخلق الی دار السلام یقول العبد الفقیر الی رحمة الله الولی الغنی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی غفر الله سبحانه ذنو بهما وستر عیو بهما ان الاخ العالم العامل الفاضل الکامل الشیخ محمد الطاهر لما وفقه الله سبحانه و تعالیٰ بسلوك

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۰، ۳۳۱

طریقه اولیائه و دخل فی الطریقة العلیة النقشبندیه بجمع الهمة و تمام النهمة حصل له الحضور و الشهود و القربة والجمعیة و تیسر له البدایة التی اندرجت فیها النهایة فاذامضت برهة من الزمان وهو علی هذه الاحوال ظهرلی انه سیبتلی بابتلاء عظیم حتی یخرج من الصراط المستقیم الی سبل متفرقة ویمیل من مذهب اهل الحق الی مذاهب باطلة فهمنی ذلک والجانی الی التضرع والخشوع الی الله سبحانه لیذهب عنه هذا الا بتلاء ویرفع عنه ذلک البلاء ثم ظهرلی بعد التضرع التام انه سوف یرفع عنه ذلک الا بتلاء فحمدت اللّٰه سبحانه علی ذلک و قد ظهر بعد مدة یسیرة منه ماظهرلی اولاً حتی خرج من الا ستقامة الی الاعوجاج ومال من الحق الی الباطل بحیث انقطع رجاء نا من ان یعود الی الحق ویر جع الی الا ستقامة هو کلما دخل فی سبیل من السبل المتفرقه واظهره الله سبحانه علی توجهت بعون الله سبحانه و توفیقه الی اخراجه من ذلک السبیل بالقسر التام وسعیت بعد ذلک فی ان اسد ذلک السبیل حتی لا یکون له عودالی ذلک ثانیا ومضت الشهور بل السنون علی هذا ه الحالة لم ظهر بتا ئید الله سبحانه ماظهر ثانیا فعاد الی الحق ورجع الی الصراط المستقیم لم قطع مابقی له من منازل الجذبة و مقامات السلوک و صارا هلاً لان یرخص لتعلیم هذاه الطریقة و تربیة الطلبة فرخصت له بذلک بعد الا ستخارة والتوجه المسئول من الله سبحانه الا ستقامة و الثبات علی متابعة سید الا ولین والا خرین علیه وعلی اله الصلوات والتسلیمات ولما کان لشیخ المشار الیه من طریقی السلسلة القادریة والچشتیة حظا وافراً و نصیباً کاملاً رخصت له ایضاً ان یعطی للمریدین خرقة الا رادة فی القادریة وخرقة التبرک فی الطریقة الچشتیه والمسئول من الله سبحانه العصمة و التوفیق والحمد لله رب العالمین اولاً واخراً والصلوٰة والسلام علی سیّد دالمرسلین

دائما و سرمدا وعلیٰ اٰله العظام و اصحابه الکرام. (۱)

ایک روز گرمی کے زمانے میں غلبۂ حال کی وجہ سے شیخ طاہرؒ کی زبان سے نکلا کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی میرے احوال سلب کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اس لئے کہ میں فانی ہو گیا ہوں اور اس گروہ کا (اس بات پر) اتفاق ہے کہ اَلْفَانِیُ لَا یُرَدُّ (فانی کو لوٹایا نہیں جاتا) کسی شخص نے ان کا یہ کلام حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کر دیا، آپ کو جلال آ گیا اور شیخ موصوف کے احوال سلب کر لئے۔ شیخ بیچارے بصد اضطراب، ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بہت سے بزرگ دوستوں سے سفارش کرائی تب حضرتؒ نے آپ کو معاف کیا اور پھر آپ کی (سابقہ) نسبت تک پہنچایا۔

بالجملہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے شیخ موصوف کو بلند احوال سے نوازا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تعلیم طریقت کی خلافت سے سرفراز فرمایا کہ شہر لاہور کے طالبین کی ہدایت و تربیت کے لئے رخصت فرمایا۔ اس وقت طریقۂ قادریہ (و چشتیہ) میں بھی آپ کو اجازت دی چناں چہ آپ لاہور آ کر تعلیم و تربیتِ طالبین میں مشغول ہو گئے اور ایک جماعتِ کثیر آپ کے افاضات و برکات سے بہرور ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت سے روانہ ہونے کی کیفیات کے متعلق خود شیخ نے حضرتؒ کی خدمت میں حسب ذیل عریضہ لکھا:

عرض خدمت ہے کہ جب سے آستانۂ عالیہ سے رخصت ہو کر جانب پنجاب متوجہ ہوا ہوں ہر قدم پر کہتا ہوں کہ اے نادان تو اپنے مقصد کو پیچھے چھوڑ کر کہا جاتا ہے، لیکن غیب سے آواز آتی تھی کہ چلے چلو۔ بالجملہ کشاں کشاں لاہور پہنچا تو ایک مسجد کے گوشے میں جا کر حیران و پریشان بیٹھ گیا، ناگاہ روحانیتِ حضرت خواجہ بزرگ (باقی باللہ) قدس سرہٗ ظاہر ہوئی اور کہا کہ جس کام کے لئے فرمایا گیا ہے اس کے درپے تحصیل ہونا چاہئے، لہٰذا امتثالا لامرہ وامرکم الشریف چند ایک کو مشغول کیا، ان کے درمیان ایک نوجوان بلند استعداد بھی آیا جس کے تمام بدن میں بمجرد شغل کے نسبت سرایت کر گئی اور سر سے پاؤں تک آگاہ ہو گیا، دوسرے طالبوں نے بھی جمعیت وحضور حاصل کیا۔ (۲)

غرض کہ آپ شہر لاہور میں افادۂ طالبانِ علوم دینی وافاضۂ سالکان میں مشغول رہے مگر آپ پر خلوت وتنہائی کا غلبہ رہتا تھا اس لئے حجرۂ خلوت میں مقیم ہو گئے اور آمد و رفتِ خلق کو روک دیا تھا،

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۸۹، ۲۹۱ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۲، ۳۳۳

خصوصاً امرا اور دولت مندوں کو کسی حال میں آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آپ کا ذریعہ معاش تفسیر و حدیث مثل بیضاوی و مشکوٰۃ وغیرہ اپنے ہاتھ سے لکھنا اور حواشی سے ان کو مزین فرمانا اور ان کو فروخت کر کے گزارا کرنا تھا، عمر کا اکثر حصہ آپ نے حالاتِ تجرد میں گذارا مگر آخیر عمر میں ادائے سنتِ نبوی کے خیال سے نکاح کر لیا تھا، (۱) کئی مرتبہ آپ خرقہ پوش درویشوں کے ہمراہ لاہور سے پاپیادہ حضرت کی خدمت میں سرہند حاضر ہوئے اور چند روز خدمتِ عالی میں گزار کر اجازت حاصل ہونے پر تشریف لے گئے۔ (۲)

اہلِ پنجاب آپ کو "طاہر بندگی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ۹۸۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور چھپن سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ بوقت چاشت بتاریخ ۲۰ محرم ۱۰۴۰ء کو وفات پائی اور لاہور میں آپ کا مزار پُر انوار ہے، مادہ تاریخ وفات "غم" اور "آہ معرفت مُرد" ہے۔

خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں علیہ الرحمۃ

آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں، یکم ربیع الاول ۱۰۱۰ھ (زبدۃ المقامات/ص ۶۱) مطابق ۱۳ نومبر ۱۶۰۱ء کو عصر کے وقت ولادت ہوئی، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے آپ کا نام حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے اسم گرامی پر رکھا جن کے حضرت خواجہ صاحب موصوف بے حد معتقد تھے، آپ کی ولادت کی حضرت خواجہ قدس سرہٗ کو بڑی خوشی تھی چنانچہ حضرت خواجہؒ نے آپ کی ولادت اور تسمیہ کی نسبت کئی اشعار کہے، خواجہ کلاں ابھی اڑھائی سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کا وصال ہو گیا، چنانچہ خواجہ حسام الدینؒ نے آپ کی پرورش کی، ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ شیخ اللہ داد نے آپ کو طریقۂ نقشبندیہ کے شغل سے بھی بہرہ ور کیا، اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل ہونے کے بعد آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج دیا گیا، جہاں آپ نے حضرت موصوفؒ کے فیضِ صحبت سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں تکمیل حاصل کر کے خلافت پائی، اس طرح آپ اپنے والد بزرگوار کے خلف الرشید ثابت ہوئے اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل ہو گئے۔ (۳)

آپ کی ایک صاحبزادی کی شادی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ محمد یحییٰ سے ہوئی، اس طرح آپ کو حضرتؒ سے قرابت داری کا شرف بھی

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۲۹۱، ۲۹۲ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۴۰

۳۔ حیات باقی: ص ۱۱۴

حاصل ہوگیا،

آپ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں فصیح وبلیغ مکاتیب تحریر فرماتے تھے چنانچہ آپ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں جو مکتوبات ارسال کئے وہ حضرت کی محبت وعظمت کے جذبات سے لبریز اور عربی وفارسی انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہیں، نظیر کے طور پر ایک عربی مکتوب یہاں نقل کیا جاتا ہے،(۱) وھو ہذا:

عریضة محتویه علی سرایر الا خلاص ومکامن الاختصاص من المملوك المفلوك احقر عبید الله الی اسوة اهل الصحو وقد وة ارباب السلوك شیخ الاسلام مصباح الظلام امام الا نام و منبه النیام الا جمال الا کمل البارع الا ورع التحریر النیر المنیر مشید ارکان الملة والمتطهرمن المائم والذلة والناطق بالحق و الصواب وللخلق کنف اللوذوا الایاب قائمة الدین وقایة الاحکام المتین والمتمکن علی مسند الا فادة والمتمصاعد من حضیض العادة الی افق السعادة قلاوز رکبان الطریقه وحارز عمران الحقیقة نُور حدقة الا کوان و نور حدیقة الاعیان فارس مضمار الخطاب و حارس اسرار الکتاب المتعین علی وسادة وراثة المصطفوی المتصف علی جادة خلافة النبوی و اقدنیران المحبة لقائه، ومنهل عطش المهجة سقائه حلّال عقود الا شراقیه و دلال وفود الاشراقیه لیس مکرمة من الله الا له فیها حظ کامل ولا موهبة الا له نصیب کامل الصفوة شعشة من نیر قلبه الوافی والعطوفة شعبة من دوحة کرمه الوافی له التقدیم علی مشائخ الزمان و التفوق علی مشاهیر الدوران یتسخّر بملاحظة اطواره من طور الولایة ویستطلع بمشاهدة اعماله علی اسرار اهل النهایة من استند بعروة ارادته فهو الذی ارتقی علی مدارج الکمال ومن اعتصم بحبل اخلاصه فهو الذی استعد بنیل الامانی وفاز لحصول الکمال فهلموا یا ایها المترددون فی فیافی الطلب وتعالوا

۱۔ جیسا کہ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۶ پر درج ہے۔

ایھا المتشمرون الی عبادان وصول الرب واقرعوا باب داره التی یعلم بمنبع البرکات وعاکفوا علی حضرته التی تسمی بمعدن الخیرات و ترقبوا من تلطفه حصول المقاصد والمرادات و ترصد وامن تصرفه نیل المکارم والسعادات ھو الشیخ المکمل سیّدنا و مولٰنا ملاك الدین الفاروقی النسب المحمدی الحسب السرھندی المولد القدسی المحتد اللاندلسی فی حقه غبطة واللسمنا نی فی امرہٖ عبرۃ طرد الطوسی عند ظھوره وفر الفارابی من سطوۃ طلوعه و مقرفضله الغزالی و مثبت تفوقه الرازی اللھم یسّر اماله وضاعف کماله واحفظه من طوارق الایام و موجبات الاحزان والاٰ لام ماھمو غمام و بحرمة النبی واله الکرام وصحبهٖ العظام و اتباعه الاخیار الی یوم القیامة علیه وعلیھم الصلوٰة والسلام یا سیدی لیس لی طول البضاعة ولا حول الاستطاعة الا مکرمتکم ومرحمتکم قلبی قاسیة باصناف الذنوب والمالم وفوادی مظلمة باصناف الذمائم والجرائم ارحموا علی احوالی وانظر واعلی سریرتی و بالی حتی استخلص من ھاویة الجھالة والضلالة وارتقی علی معارج السعادة والکماله الیوم لیس اب مشفق الا انتم ومھرب ومارب الا حضرتکم کل ازمنة عمری وجل اوقاتی وعامة شھوری وسنواتی مصروفة بمدحتکم العالیه و محمدتکم الھنیئة و اقتصر علی لقائکم ان کان لی اربة والمنیة سیدی لسانی کلیل و بیانی علیل لایطیق فی العربی علی مقتضاء اقتضائی فابین المقصود بلسان الفرس بتوفیق الله دوالقدس عز شانه وجل سلطانه انتھی۔ (۱)

آپ کی چند تصانیف ہیں لیکن وہ سب گوشہ گمنامی میں ہیں البتہ مبلغ الرجال چھوٹے سائز کے ۱۱۸ اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا مقصدِ تصنیف اس انتشار کو رفع کرنا تھا جو آرائے اہل فکر ونظر اور اقوالِ اربابِ کشف وشہود کی وجہ سے معرفتِ حقیقتِ عالم کے متعلق پیدا ہوگیا تھا۔ آپ کی وفات

ا۔ زبدۃ المقامات: ص ۶۴، ۶۵

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۰۷۳ھ کو دہلی میں ہوئی اور اپنے والد ماجد کے قبرستان میں دفن ہوئے۔(۱)

خواجہ عبداللہ عرف خواجۂ خورد علیہ الرحمۃ

آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں، حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی دوسری زوجۂ محترمہ کے بطن سے اپنے بڑے بھائی سے چار ماہ بعد ۶ر رجب المرجب (۲) ۱۰۱۰ھ مطابق ۴ر فروری ۱۶۰۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کی ولادت پر بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے زوردار اشعار کہے، آپ شکل وشباہت اور سیرت میں اپنے والد بزرگ وار کی ہو بہو تصویر تھے، چوں کہ والد ماجد کا سایہ صغرسنی ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم بھی خواجہ حسام الدینؒ کے زیر تربیت ہوئی جو اپنے پیر بزرگ وار کی وفات کے بعد ان کی درگاہ اور تمام خاندان کے نگراں تھے، آپ نے درسی کتابیں شیخ شاکر محمد اور شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی سے پڑھیں اور جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو آپ کو بھی (اپنے بڑے بھائی خواجہ کلاں کے ہمراہ) حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند شریف بھیج دیا گیا، (چودہ سال کی عمر میں یہ دونوں بھائی حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۳))، وہاں آپ نے باطنی اور روحانی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم کلام اور تصوف کی اعلیٰ کتابیں بھی حضرتؒ سے پڑھیں۔(۴)

صاحب روضۃ القیومیہ رقم طراز ہیں کہ ''خواجۂ کلاں عبید اللہ و خواجہ خورد عبداللہ دونوں صاحب زادے حضرت بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کے فرزندار جمند ہیں، حضرت خواجہؒ ان دونوں صاحب زادوں کو (شیرخوارگی کے زمانے میں) حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں لائے اور فرمایا کہ ان پر توجہ کرو، حضرتؒ نے آپ دونوں عزیزوں پر ایسی توجہ فرمائی کہ اسی وقت اس توجہ کا اثر ظاہر ہوا۔(۵) حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے بعد جب دونوں عزیز بالغ ہوئے تو سرہند میں حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابھی سرہند سے باہر ہی تھے کہ حضرتؒ نے کہلا بھیجا کہ اگر اس لئے آئے ہو کہ میں آپ کے والد بزرگوار قدس سرہٗ کی وصیت پوری کروں تو آجائیں اور اگر اپنی پیرزادگی کے لحاظ سے آئے ہو تو میں پیرزادگی والے آداب و استقبال بجالاؤں، دونوں نے عرض کیا کہ ہم مرید ہونے کے لئے حاضر ہوئے ہیں چنانچہ حضرت

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۶۹ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۶۶

۳۔ ماہ نامہ الفرقان، لکھنو، بہ ماہ رجب ۱۳۷۲ھ: ص ۳۶ ۴۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۵۵ و حیات باقی: ص ۱۱۵

۵۔ مزید تفصیل مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں ملاحظہ ہو

نے انھیں بڑی عزت سے خانقاہ میں رکھا اور سلوک کی تکمیل کرا کے خلافت عطا فرمائی۔

حضرت خواجہ خوردؒ ایک مدت تک آستانۂ عرش نشان پر کمال خاکساری کے ساتھ مقیم رہے اور واردات کثیر البرکات سے بہرہ ور ہوئے، حضرت مجدد قدس سرہٗ کے علوم و معارفِ خاصہ سے بہرۂ کامل حاصل کیا، آپ پر حضرتؒ کی نظرِ عنایت بہت تھی چناں چہ اپنی نسبتِ خاص آپ کو القا فرمائی۔(۱)

آپ پر جذب و شوریدگی کا بڑا غلبہ تھا، پیر بزرگ وار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی محبت میں بعض اوقات پاپیادہ دہلی سے سرہند شریف پہنچ جاتے تھے، حضرتؒ بھی آپ کی قابلیت اور صلاحیت کی بہت تعریف کرتے تھے۔(۲) خواجہ خورد رباعیات و شرح رباعیات'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ایں فقیر چند مرتبہ از وطنِ مالوف بخدمتِ ایشاں در سرہند و یکبار در لاہور مشرف شدہ و ہر بار چند گاہ در خدمت بسر بردہ، الطاف بسیاری فرمودند وامیدواری چنانست کہ آں الطاف سبب نجاتِ اخروی گردد، اجازتِ عملِ طریقہ واجازتِ تعلیم ہانیز فرمودند و بشارتہا می دادند۔(۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں آپ کی تعریف و تحسین فرماتے ہیں:

> حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا، اس کے مطالعے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی، نسبتِ حضور کے شمول اور غلبے کے بارے میں لکھا ہوا تھا، نیک و مبارک ہے، یہ دولت جو آپ کو تین مہینے میں میسر ہوئی ہے، دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو بڑی نعمت گنتے ہیں اور امر عظیم تصور کرتے ہیں، اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے، چونکہ معلوم ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے اور اس قسم کے احوال کی تعریف و تحسین کرنے سے عجب و تکبر کے پیدا ہونے کا گمان نہیں ہے اس لئے اس نعمت کا اظہار کیا گیا۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا) نص قاطع ہے۔ الیٰ آخرہ۔(۴)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے خواجہ خورد کو کس درجے عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ

۱۔ حضرات القدس: دفتر اول، ص ۲۶۲　　۲۔ حیات باقی: ص ۱۱۵
۳۔ رود کوثر: ص ۲۱۴　　۴۔ مکتوبات شریف: دفتر دوم، مکتوب ۳۵

خواجہ خورد موصوف کے عریضوں سے ہوسکتا ہے چناں چہ دو عریضے بطورِ نمونہ درج ذیل ہیں،

عریضۂ اولیٰ

عرضداشتِ بندۂ مہجور پر تقصیر محمد عبداللہ آنکہ اوقات گرامی بدعائے سلامت آنحضرت می گذرد و ندامت و پریشانی کہ بر دوری از خادمانِ حضور دارد آنقدر راست کہ بگفت و نوشت نگنجد چندیں شوریدگی و سرگردانی روئے دادہ کہ بشمہ ازاں اشعار نتواں کرد سراپا درد واندوہ است و باایں خداوند کریم راشکر کہ در رابطۂ باطن کہ حاصل آں فنا و نیستی است ذاتاً و صفتاً و عیناً واثر اُفتورے نیست و چگونہ فتورِ راہ یابد کہ بعد از رجوع بوطنِ اصلی ہوائے غربت در سرنمی ماند وانسہائے غریبہ روئے می دہد و اسرارِ عجیبہ جلوہ گری سازند و باطن را باہیچ ازیں ہا التفات نیست بدریائے عالم آب از سر گذراند داند اینہمہ طفیل خدمت گاری و بندگی آں حضرت است ذات والاے آں حضرت تا قیامِ قیامت بر مفارقِ طلاّب وسلاّک باقی باد (۱)

عریضۂ ثانیہ

عرضداشتِ کمترین خدامِ والا درگاہ محمد عبداللہ بعرض اقدس باریافتگان وراہ بردگانِ محفلِ خلد مشاکل حضرت خداوندی قبلہ گاہی دام ارشادہ میرساند کہ احوال بداں گونہ می گذرد کہ بیانِ آں فرصت درازی طلبد تا سرانجامِ کار چیست و آخر بکجا کشد شورشے شگرف سراپا پیچیدہ دریائے حقیقت مزاج است ہر لحظہ موج دیگر برروئے کار دارد و قطرہ را باموج بودن شریعتِ عشق ہیہات ہیہات چہ می نویسم در حضرت قطب دائرہ ظہور دیوانگی سہ دیگر بدیوانگی بخشند

گہ گریم و گہ خندم، گہ افتم و گہ خیزم
آموختہ ام مستی از دلبرِ مستانہ

اے قبلۂ خدا پرستاراں کرے نمایند تا از گردابِ جنوں بساحلِ ہوش افتم زیادہ بریں گستاخی است العبودیۃ انتہی ۔(۲)

حضرت خواجۂ خوردؒ قرآن کریم کے حافظ تھے اور نہایت خوش گو شاعر بھی، فارسی میں سخن گوئی کا نہایت اعلیٰ مذاق رکھتے تھے، اور فارسی انشا پردازی میں بھی آپ اپنا جواب نہ رکھتے تھے، علمِ کلام

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۶۸، ۶۹

۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۶۸، ۶۹

اور فلسفہ وتصوف کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔(۱) آپ شیخ ابن عربیؒ کے مذہب پر معارفِ الٰہیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور فصوص الحکم وفتوحات مکیہ آپ کی نوک زبان تھیں، اُن پر آپ نے تعلیقات تحریر کیں اور تفسیر بیضاوی اور بعض دیگر کتب درسیہ پر بھی تعلیقات لکھیں، آپ کی دیگر تصنیفات زاد المعاد، رسالہ مناقب شیخ حسام الدینؒ ورسالہ المیراث شرح التسویۃ للالہ آبادی ایک رسالہ حقائق میں بزبان عربی اور دو فارسی رسالے پردہ برانداخت والسر المبہم، اور کتاب الفوائح عربی میں اور طریق الوصول الی اصل الاصول میں اور ایک دل چسپ کتاب رباعیات وشرح رباعیات ہے۔(۲)

حضرت خواجہ خوردؒ کی اولاد میں تین صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں:

۱۔خواجہ سلام اللہ،۲۔خواجہ کلمۃ اللہ اور خواجہ بہاء الدین (۳) اور آپ کے شاگردوں میں حضرت شاہ عبدالرحیمؒ (والدِ ماجد شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی، اور تایا صاحب یعنی شاہ عبدالرحیمؒ کے بڑے بھائی) شیخ ابوالرضا محمد بھی تھے۔(۴)

آپ کی وفات بروز بدھ ۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ میں ہوئی، آپ کا مزار بھی آپ کے والد بزرگوار کے قریب اسی قبرستان میں ہے۔(۵)

شیخ عبدالحی حصاری علیہ الرحمۃ

شیخ عبدالحی بن خواجہ چاکر حنفی علیہ الرحمۃ حصار شادمان (علاقہ اصفہان) کے بہت بڑے عالم اور صاحب مقاماتِ عالیہ تھے، ورع وتقویٰ اور استقامت علی الطریقہ پر اپنے زمانے میں بے مثال تھے۔ (از مولانا نسیم احمد صاحب امروہوی، ماہنامہ الفرقان لکھنو/ص ۴۵، بماہ رجب ۱۳۷۳ھ) شادمان سے ہندوستان آئے اور شہر پٹنہ میں مقیم ہوگئے، توفیق الٰہی آپ کے شاملِ حال ہوئی اور سعادتِ ازلی نے رہنمائی کی تو پٹنے سے تجرید وتفرید اور خلوص وعقیدت کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں حضرت کے مقربین اور محرمانِ راز میں داخل ہوگئے، حضرت کی اکثر خدمات آپ سے متعلق رہتی تھیں اور خلوت وجلوت میں حاضر رہتے تھے، غرضیکہ سالہا سال

۱۔حیاتِ باقی: ص ۱۱۵ ۲۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص

۳۔از مولانا نسیم احمد صاحب امروہوی، ماہنامہ الفرقان: ص ۴۵، بماہ رجب ۱۳۷۳ھ

۴۔حیاتِ باقی: ص ۱۲۴ ۵۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۵۵

آستانہ عالیہ پر رہے اور بہت سے اسرار و معارف کو زبانِ فیض ترجمان سے سنا تھا، مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی فرمائش پر مکتوبات شریف کا دفترِ ثانی موسوم بہ اسمِ تاریخ ''نور الخلایق'' جو کہ ننانوے مکاتیب پر مشتمل ہے ۱۰۲۸ھ میں آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔

حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ نے تکمیل سلوک کے بعد آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دیکر شہر پٹنہ روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر شیخ نور محمد پٹنی کی رفاقت میں طالبانِ حق کے افاضہ میں مشغول ہوگئے، پٹنہ میں آپ کو مقبولیتِ عظیم حاصل ہوئی، بہت سے مریدانِ رشید اور خلفا اہلِ ارشاد آپ سے ظاہر ہوئے۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مخلص کو ارقام فرماتے ہیں:

ان دونوں عزیزوں مولانا عبدالحی اور شیخ نور محمد کا وجود اس ایک شہر (پٹنہ) میں قران السعدین کی مانند ہے۔(۲)

نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ شیخ نور محمد پٹنی کو ایک مکتوب میں شیخ عبدالحی کے مقام و حال کے متعلق اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اس طرف کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے، برادرم شیخ میاں عبدالحی آپ کا ہم شہری ہے، آپ کے قرب وجوار میں آیا ہے، علوم و معارفِ غریبہ کا نسخہ ہے، اور اس راہ کی ضروری چیزیں اس کے پاس بہت ہیں، اس کی ملاقات دور افتادہ یاروں کے لئے غنیمت ہے، کیوں کہ نیا آیا ہے اور نئی چیزیں لایا ہے، فنا و بقا کا اس کے پاس نشان ہے اور جذبہ و سلوک کا اس کے پاس بیان ہے، بل کہ فنا و بقا متعارف کے سوا اور جذبہ و سلوکِ مقررہ سے آگے بھی واقف ہے بل کہ وہاں اس کا گزر ہے، مکتوبات کے بہت سے معارف غریبہ اس نے سنے ہوئے ہیں اور حتی المقدور استفسار کر کے حاصل کئے ہوئے ہیں واللہ سبحانہ الموفق، آپ اپنے احوال کو مفصل طور پر مشار الیہ کے پاس بیان کر دیں، اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام۔(۳)

۱۰۵۰ھ میں آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کا ارادہ کیا اور پٹنے سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزارِ پُر انور کی زیارت اور مخدوم زادگان کی بابرکت صحبت کی غرض سے سرہند شریف حاضر

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۳۶ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۴۰

۳۔ مکتوبات شریف: دفتر دوم، مکتوب ۸۵

ہوئے، وہاں سے حرمین شریف روانہ ہوئے، آپ کا ہر قدم توکل کے ساتھ اٹھتا تھا، وہاں بھی آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اور سنا گیا ہے کہ آپ بعد ادائے حج عازم وطن ہونے کے لئے جہاز پر سوار ہوئے، کئی روز تک جہاز اپنی جگہ سے نہ ہل سکا، سب لوگ حیران و پریشان تھے، آخر کار آپ نے فرمایا سب احباب روانہ ہو جائیں اور میں جہاز سے نیچے اتر جاتا ہوں اس لئے کہ ابھی مجھ کو روانگی کی اجازت نہیں ملی میں ایک حج اور کر کے آؤں گا، آپ کا جہاز سے اترنا تھا کہ جہاز چل پڑا کہتے ہیں کہ آپ کا ٹھہرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کی وجہ سے تھا، حج کے لئے روانگی کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔(۱) ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی،(۲)

مولانا عبد الواحد لاہوری علیہ الرحمۃ

آپ بھی اس جماعت میں سے ہیں جس کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے تعلیم و تربیت کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سپرد فرمایا تھا۔ آپ کثیر المراقبہ و کثیر العبادۃ شیخ تھے حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز عبادت کے ذوق و شوق کی کیفیت میں آپ نے مجھ سے پوچھا کیا بہشت میں نماز ہوگی؟ میں نے کہا نہیں، کیونکہ وہ دار جزا ہے نہ کے دار عمل، آپ نے ایک آہ سرد کھینچی، رونے لگے اور فرمایا: آہ! نماز اور اس بے نیاز کی بندگی کے بغیر کیوں کر زندہ رہ سکیں گے، نیز ایک روز آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں عریضہ لکھ رہے تھے میں نے اس پر نظر ڈالی تو اس میں تحریر تھا، کبھی کبھی نماز میں سجدے کے وقت ایک ایسی حالت رونما ہوتی ہے کہ سجدے سے سر اٹھنا ہرگز اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔

ایک دفعہ آپ مال تجارت لے کر بخارا تشریف لے گئے وہاں ایک مسجد میں جو اس شہر کے مقامات متبرکہ میں شمار ہوتی تھی نماز کے لئے جاتے اور نماز عشا کے بعد نوافل میں مشغول ہو جاتے تھے ایک رات مسجد کے خادم نے آ کر سختی کے لہجہ میں کہا میں مسجد کا دروازہ بند کرتا ہوں تو نوافل گھر جا کر پڑھو، اسی شب کو اس خادم نے خواب میں دیکھا حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ اس سے فرما رہے ہیں کہ وہ درویش ہندی سوداگر ہمارے دوستوں میں سے ہے اس سے جا کر معذرت کرو، چنانچہ اس نے آپ سے بہت معذرت کی، نیز آپ فرماتے ہیں کہ جن دنوں حضرت مجددؒ لاہور میں تشریف فرما تھے ایک بوڑھا سبزی فروش آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، حضرتؒ نے اس کا بڑا

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۳۹ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۴۰

احترام کیا اس پر سب کو حیرت ہوئی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ابدال میں سے ہے۔(۱)

شیخ عبدالہادی فاروقی بدایونی علیہ الرحمۃ

آپ عالم و فاضل اور اپنے ملک کے مشہور مشائخ میں سے تھے، اولاً آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، حضرت خواجہؒ نے آپ کی تربیت بھی حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے حوالے فرمائی اور حضرت کے ہمراہ آپ کو سرہند روانہ کیا، پس آپ عرصے تک حضرتؒ کی خدمت میں رہے اور برکات وثمرات سے بہرہ مند ہوئے۔(۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کے ابتدائے سلوک کے حالات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اس طرح تحریر فرمائے ہیں:

> ملا عبدالہادی نے نقطۂ فوق میں استغراق کے ساتھ حضور حاصل کیا ہے، نیز کہتا ہے کہ میں مطلق پاک یعنی اللہ تعالیٰ کو اشیا میں تنزیہی صفت سے دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اس سے جانتا ہوں، یہ سب آں جناب کا فیض ہے جو طالب علموں اور سعادت مندوں کو پہنچ رہا ہے اور اس فیض رسانی میں اس خاکسار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔(۳)

بعد ازاں آپ نے ایک مدتِ مدید حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں گزاری، ترقیات وکمالات کو پہنچے اور اجازتِ تعلیمِ طریقت سے مشرف ہوئے۔(۴)

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالہادی اور مولانا یار محمد قدیم حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں قیام کے زمانے میں ایک ہی حجرے میں رہتے تھے، مولانا یار محمد قدیم ہمیشہ رات کو صبح تک قیام کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے اور شیخ چوں کہ بیماری کی وجہ سے اس قدر ریاضت نہ کر سکتے تھے، اس لئے زیادہ عبادت نہ کر سکنے اور رات کو نہ اٹھنے پر بہت حسرت وافسوس کرتے اور مولانا کے حال پر رشک کیا کرتے تھے، ایک روز حضرتؒ نے فرمایا، سبحان اللہ شیخ عبدالہادی کا حسرت و افسوس کرنا مولانا یار محمد کی عبادت وشب بیداری پر سبقت لے گیا اور ان کے کام کو مولانا کے کام سے زیادہ بلند کر دیا، بے شک کام حق سبحانہ وتعالیٰ کی بخشش کے زیر سایہ ہے۔(۵) آپ کا وصال ۹ رشعبان ۱۰۴۱ھ کو ہوا اور مزار بدایوں میں خرم شاہ کے تکیہ میں ہے۔(۶)

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۸۸　　۲۔ حضرات القدس
۳۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ۱۴　　۴۔ زبدۃ المقامات
۵۔ حضرات القدس　　۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

مولانا فرخ حسین ہروی علیہ الرحمۃ

آپ بدخشاں و ماوراء النہر کے مشائخ کبار میں سے تھے، آپ کو اپنے وطن ہی میں بعض مشائخ کی بشارتوں اور خوابوں کے ذریعہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی تجدید و قیومیت کا علم ہو گیا تھا اس لئے آپ نے کمر ہمت باندھی اور ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے، جب لاہور پہنچے تو ان دنوں اتفاقاً حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی لاہور میں تشریف فرما تھے چناں چہ آپ تجدید کے دوسرے سال حضرتؒ کے دیدار فیض انوار سے مشرف ہو کر مرید ہوئے اور حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فیض صحبت سے تکمیل سلوک کے بعد خلافت حاصل کی۔(۱)

صاحب نزہۃ الخواطر رقمطراز ہیں کہ آپ فنونِ حکمیہ اور انشا شعر میں بہت بڑے عالم تھے، ہرات میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور اس زمانے کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر ہندوستان تشریف لائے اور شہزادہ شجاع بن شاہجہاں بادشاہ کے مقرب ہوئے، سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہتے تھے، یہاں تک کہ ڈھاکہ پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، آپ درس دیتے تھے اور طریقت سکھاتے تھے، آپ سے بہت سے علما نے طریقہ اخذ کیا، آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

جدا از صحبتِ جاناں دریں مجلس بجام اندر
بجائے بادہ دارم نیمۂ خوں نیمۂ آتش

عاشورا کے روز ۱۰۶۸ھ کو صبح کی نماز کے آخری سجدہ میں وفات پائی ڈھاکہ میں آپ کا مزار مبارک ہے۔(۲)

مولانا قاسم علی علیہ الرحمۃ

آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے ان احباب میں سے ہیں جن کی تربیت حضرت مجددؒ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے حوالے ہوئی تھی، چناں چہ آپ سالہا سال خانقاہِ مجددؒی میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے،(۳) خود حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ آپ کی روحانی ترقی کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ روضۃ القیومیہ، رکن اول: ص ۱۱۸، ۳۳۹ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۳۰۵

۳۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۳۵

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قاسم علیؒ کو مقامِ تکمیل سے حصہ حاصل ہے، اسی طرح اس جگہ بعض دوستوں کا بھی اس مقام سے حصہ معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔(۱)

شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی علیہ الرحمۃ

آپ موضع عثمان پور ضلع اٹک (متصل حسن ابدال) کے رہنے والے تھے جہاں سے کشمیر کو بھی راستہ جاتا ہے، آپ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کے مشہور خلیفہ اور صاحب تصرف و کرامات بزرگ تھے، ان ممالک میں آپ کے تصرفات مشہور ہیں، آپ اپنی عقیدت وارادت کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں عالمِ شباب میں تحصیل علوم کے لئے لاہور آیا اور علم ظاہری کے حصول میں مشغول ہوگیا، ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ اگر میں مرگیا تو حق تعالیٰ (کی معرفت) سے محروم رہ جاؤں گا اس لئے میں تعلیم کو خیر باد کہہ کر اپنے وطنِ مالوف واپس آگیا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگیا، اسی اثنا میں شیخ کامل کی تلاش میرے دل میں پیدا ہوئی آخر ایک شب میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ اس کے جمال کے سامنے ماہتاب شرمندہ وخیرہ تھا اور وجاہت و وقار بدرجۂ کمال اس سے ہویدا تھا، میرا ارادہ ہوا کہ ان بزرگ کا مرید ہو جاؤں اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، اب میں حیران تھا کہ ان بزرگ کو کہاں تلاش کروں، پھر دوسری شب بھی میں نے انہی بزرگ کو دیکھا، غرض کہ اسی طرح چند باران بزرگ نے اپنے پُر انوار کو دیکھا کر میرے صبر و قرار کو لوٹ لیا اور دیوانہ کر دیا، آخر بے قراری کا مجھ پر غلبہ ہوا اور میں دیوانوں کی طرح گھر سے نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ سرہند پہنچا اور جب حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خانقاہ پر پہنچا تو اپنی خستہ حالی سے متاثر ہو کر دروازے کے باہر ٹھیر گیا، آخر ایک درویش نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک مفلس آیا ہے اور خدمتِ عالی میں حاضر ہونا چاہتا ہے، حضرتؒ نے فرمایا اس کو جلدی بلاؤ، میں اندر گیا اور میری نگاہ حضرتؒ کے روئے روشن پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کا دیدارِ پُر انوار یہ عاجز خواب میں چند بار کر چکا تھا، پس حالتِ ذوق وشوق میں مجھ پر گریہ طاری ہوگیا، میں نے چاہا کہ آپ کے قدموں میں گر جاؤں لیکن حضرتؒ نے مجھ کو اپنی بغل میں لے لیا اور تھوڑی دیر سینۂ مبارک سے لگائے رکھا پھر حجرے میں لے گئے اور طریقۂ ذکر

۱۔ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۱۱۔ نیز دفتر اول کے مکتوب ۱۴۱ میں بھی آپ کے حالات درج ہیں

تعلیم فرمایا اور مجھے گوہر مقصود حاصل ہو گیا۔(۱)

جب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کو تعلیم ذکر و مراقبہ سے سرفراز فرمایا تو حضرت کی نظرِ کیمیا اثر کی برکت سے تھوڑے ہی عرصے میں ترقیات رونما ہوئیں، اور حضرت نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر اپنے وطن روانہ کیا۔ اس علاقہ کے بکثرت لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر اس سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو گئے اور اس سلسلے کے فیوض و برکات حاصل کئے، جن دنوں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی تھی تو دوستوں میں بہت کم لوگ حضرت کی خلوت گاہ میں جا سکتے تھے لیکن شیخ موصوف پر چونکہ حضرتؒ کی خصوصی عنایت تھی اس لئے آپ کے بارے میں حضرتؒ کا ارشاد تھا ''شیخ با یاران خود می آمدہ باشد و ہیچ کس مانع نشود'' (شیخ اپنے دوستوں کے ساتھ آیا کریں اور انہیں کوئی منع نہ کرے)(۲)

شیخ کریم الدین بابا فرماتے تھے کہ مجھ پر ایسا وقت آیا کہ اگر تمام عالم میری نظر میں آجائے تو ایک نگاہ میں مقصد کو پہنچا دوں۔ (حضرات القدس دفتر دوم: ص ۳۲۷) نیز شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کی قدم بوسی کے لئے وطن سے روانہ ہوا، جب فضل آباد کی سرائے میں پہنچا تو میں نے واقعے میں دیکھا کہ مجھ کو سلطنت کے تخت پر بیٹھایا گیا ہے اور سلطانِ وقت دست بستہ میرے سامنے کھڑا ہے، میں وہاں سے روانہ ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ کو خلافتِ مطلقہ عطا فرمائی۔(۳) آپ کی وفات ۳/محرم ۱۰۵۰ھ کو اپنے وطن میں ہوئی۔(۴)

سید محب اللہ مانکپوری علیہ الرحمہ

آپ کی ولادت ۲/صفر ۹۹۶ھ کو صدر پور صوبہ بہار (۵) باختلاف روایت صدر پور نواح فرخ آباد اودھ میں ہوئی۔(۶) آپ نے ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد اور دیگر مقامی علما سے پڑھیں پھر لاہور پہنچ کر ملا عبدالسلام لاہوری سے شرف تلمذ حاصل کیا وہیں حضرت میاں میر لاہوری اور نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں آپ کے ہم سبق تھے۔(۷) تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر آپ

۱۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۲۵، ۳۲۶
۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۸۶، ۳۸۷
۳۔ ایضاً: ص ۳۲۸
۴۔ ایضاً: ص ۳۳۳
۵۔ ذکر المعارف: ص ۹
۶۔ ایضاً: ص ۱۴
۷۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۱۵

اپنے وطن صدر پور اہل وعیال میں پہنچے (۱) پھر مانک پور اور وہاں سے الہ آباد روانہ ہو گئے۔(۲)

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ سید محب اللہ مانک پوری علوم دینیہ کی کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری کی خدمت میں پہنچے اور ایک مدت تک وہاں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی بعد ازاں برہان پور ہی میں حضرت خواجہ میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلسلہ نقشبندیہ کا طریقۂ ذکر سیکھا، چونکہ میر صاحب کی مجلس میں ہمیشہ حضرت مجددؒ کی تعریف وتوصیف ہوتی تھی اور مکتوبات شریفہ کا تذکرہ ہوتا تھا اس لئے آپ کو حضرت مجددؒ کی خدمت وملاقات کا شوق غالب ہوا، چناں چہ آپ سرہند شریف حاضر ہو کر مدت تک مستفید ہوتے رہے حتیٰ کہ حضرت مجددؒ نے خلافت سے سرفراز فرما کر مانک پور روانہ فرمایا اور میر صاحب موصوف کو یہ کلمات تحریر فرمائے ''سید محب اللہ نسیان ماسوی اور بعض درجاتِ فنا پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو اجازت دے کر مانک پور روانہ کر دیا ہے۔(۳)

مانک پور پہنچ کر کچھ عرصے بعد آپ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں اہل وطن کی اذیتوں کی شکایت عرض کی تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

> مخلوق کی ایذا برداشت کرنے اور قریبی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے کے سوا چارہ نہیں، اس مقام کی سکونت میں ملاحت ونمکینی یہی ایذا وجفا ہے لیکن آپ اس نمکینی سے بھاگتے ہیں، بے شک حلاوت وشیرینی (عیش) کا پلا ہوا ملاحت ونمکینی کی تاب نہیں لاسکتا، عزیمت کا طریق یہی ہے کہ آپ ایذا پر صبر وتحمل فرمائیں۔(۴)

لیکن جب آپ نے مانک پور سے الہ آباد منتقل ہونے کے لئے بہت منت وسماجت کے عریضے لکھے تو حضرت نے تحریر فرمایا:

> آج رات (واقعے میں) ایسا نظر آیا گویا کہ آپ کے اسباب کو مانک پور سے الہ آباد کی طرف لے گئے ہیں لہٰذا آپ وہیں اپنا قیام اختیار کرلیں　اور اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ سے آباد رکھیں، جہاں تک ہو سکے تقلید کا راستہ نہ چھوڑیں کیوں کہ شیخ کے طریقت کے خلاف میں سراسر خطرات ہیں۔(۵)

۱۔ایضاً: ص ۱۹　　۲۔ایضاً: ص ۴۲

۳۔زبدۃ المقامات ملخصاً: ص ۳۸۲۔　　۴۔مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب ۷

۵۔مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۳

نوٹ: مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام دس مکتوب ہیں اور زبدۃ المقامات میں بھی حضرات خلفا کے ذیل میں آپ کا تذکرہ موجود ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں تلون تھا اور شیخ طریقت کے مسلک کی پابندی کا بھی خیال نہیں رکھتے تھے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کا رجحان وحدت الوجود کی طرف ہو گیا اور نسبتِ چشتیہ صابریہ غالب آ گئی اسی وجہ سے صاحب حضرات القدس نے آپ کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی مخدوم زادگان حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہما کے مکاتیب میں آپ کے نام کوئی مکتوب پایا جاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب چنانچہ ''شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات'' مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی میں شیخ محب اللہ الہ آبادی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

> مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق آپ نے مختلف علماء سے تبادلۂ خیال کیا لیکن کوئی آپ کو مطمئن نہ کر سکا اسی سلسلے میں آپ دہلی پہنچے پھر سہارنپور گئے اور گنگوہ میں حضرت ابو سعید (ابن شیخ نور بن شیخ علی بن شیخ القدوس گنگوہی) (۱) علیہما الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کی صحبت میں ایک درجہ طمانیت اور دل بستگی محسوس کی آخر حضرت شیخ ابو سعید علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ (۲) شاہجہاں اور داراشکوہ آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ (۳) مگر اورنگ زیب کی رائے آپ کے متعلق اچھی نہ تھی چنانچہ عالم گیر نے آپ کے رسالہ تسویہ کو جلانے کا حکم دیا تھا۔ (۴)، آپ نے ۹ رجب ۱۰۵۸ھ کو الہ آباد میں وفات پائی اور وہیں آپ کا مزار پرانوار ہے۔ (۵)

شیخ محمد صادق کابلی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم مریدوں، مخلص احباب اور خلفا میں سے تھے ابتدا میں آپ شاہزادہ ولی عہد کے ملازم ہوئے، حسنِ قسمت سے آپ کے دل میں طلب حق کا جذبہ موجزن ہوا اور آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کی شہرت سن کر الہ آباد سے دہلی آئے تو معلوم ہوا

۱۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات: ص ۵۴۴ ۲۔ ایضاً ملخصاً: ص ۵۴۷

۳۔ ایضاً: ص ۵۴۸

۴۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات: ص ۵۴۹ ۵۔ ایضاً: ص ۵۴۷، ۱

کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا وصال ہو چکا ہے، آپ مرزا حسام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی طلبِ حق کا اظہار کیا، مرزا صاحبؒ نے فرمایا اگر طلبِ حق رکھتے ہو تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جاؤ، چنانچہ آپ دہلی سے روانہ ہو کر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں سرہند حاضر ہو گئے، چونکہ طالبِ صادق تھے شرفِ قبولیت سے مشرف ہو کر مورِ دعنایات ولطفِ خاص بن گئے اور مقاماتِ سنجیدہ اور احوالِ پسندیدہ سے سرفراز ہو گئے، حضرتؒ کے الطاف آپ کے حال پر اس درجہ مبذول تھے کہ آپ کو داخل زمرۂ فرزندان ومحرمانِ راز سمجھتے تھے، چونکہ آپ عقل وفہم اور آداب واخلاقِ حسنہ سے آراستہ تھے اس لئے سفر وحضر میں حضرتؒ کی خدماتِ شائستہ آپ سے متعلق ہوتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کو مرضِ جذام ہو گیا جس کی وجہ سے یارانِ طریقت آپ کی صحبت سے کراہت کرنے لگے، آپ اس مرض سے بہت دل شکستہ ہوئے اور ارادہ کیا کہ کہیں چلے جائیں، جب حضرتؒ کو آپ کے ارادہ کا علم ہوا تو اس مرض کے دفعیہ کے لئے توجہ فرمائی چنانچہ آپ کو صحت حاصل ہو گئی۔

جب آپ درجۂ کمال کو پہنچے اور مقاماتِ بلند سے مشرف ہوئے، تو حضرتؒ نے آپ کو خلافت اور تعلیم طریقت کی اجازت عطا فرمائی اور حضرت کے حکم کے مطابق آپ اس دشوار کام کی انجام دہی میں مشغول ہو گئے، لاہور میں آپ نے اقامت اختیار فرمائی اور وہاں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۰۱۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱)

مولانا محمد صالح کولابی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم احباب میں سے تھے نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبیعت پائی تھی، ابتدا میں جب آپ کو طلبِ حق کا شوق پیدا ہوا تو قرب وجوار کے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کسی سے کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوئی یہاں تک کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور دیکھتے ہی آپ کے دل میں ایسی کشش پیدا ہوئی کہ حضرتؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر تعلیم ذکر کی درخواست کی، حضرتؒ نے قبول فرما کر داخلِ سلسلہ کر لیا، اس کے بعد سالہا سال حضرتؒ کی

۱۔ حضرات القدس، دفتر دوم: ص ۳۱۵، ۳۱۶

خدمت میں رہے لیکن کم استعدادی کی وجہ سے آپ کو کوئی فتح و کشائش نہیں ہوئی، دوسرے پیر بھائیوں کے احوال دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے کہ وہ منازلِ ترقی پر گامزن ہیں آپ اپنے حال پر اور زیادہ حیران و گریاں رہتے، یہاں تک کہ ماہِ رمضان المبارک آگیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ معتکف ہوئے اور حضرتؒ کے اعتکاف میں طشت و آفتابہ کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی، ایک شب حضرتؒ نے اپنے دستِ مبارک دھوئے تو آپ نے اس غسالے کو تنہائی میں لے جا کر پی لیا، بس اس غسالے کے پیتے ہی آپ میں شراب کی سی مستی بھر گئی اور حال و باطن میں فتح و کشائش نمودار ہوگئی۔

مولانا صالح جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو اجازتِ تعلیم طریقت سے ممتاز ہوئے اور طالبانِ معرفت کی ایک جماعت کو آپ کا روحانی فیض پہنچا، حضرت مجدد صاحبؒ اکثر آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے، ایک دن حضرتؒ نے آپ کے متعلق فرمایا:

مولانا صالح از سیر صفات وتجلیات صفاتیہ بہرۂ تمام گرفتہ

مولانا صالح نے سیرِ صفات وتجلیاتِ صفاتیہ سے پورا حصہ حاصل کیا ہے۔

آپ نے حضرت مخدوم زادوں کی فرمائش پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دن رات کے معمولات کو ایک رسالے کی شکل میں جمع کیا۔(۱) آپ کی وفات ۱۰۳۸ھ میں ہوئی۔

مولانا محمد صدیق کشمی علیہ الرحمہ

مولانا محمد صدیق بن ظہیر الدین حسنؒ، کشم (علاقہ بدخشاں) کے رہنے والے تھے، عنفوانِ شباب میں ہندوستان آئے چوں کہ شعر وسخن سے دل چسپی رکھتے تھے اس لئے محب الفقرا عبد الرحیم خانخاناں بن بیرم خاں کی صحبت اختیار کی، خانخاناں کو اس گروہ سے خاص تعلق تھا۔

آپ ہدایت تخلص فرماتے تھے، آپ کے اشعار دل فریب، عشق ومحبت سے خمیر یافتہ اور درد وسوز سے لبریز ہوتے تھے، آپ نے ایک قصہ شیشہ گر ماچین کو حقیقتِ مجاز میں مستور کر کے بوزن مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ منظوم کیا ہے جو حق الیقین کی بہترین تعبیر ہے، اس کے علاوہ آپ کی اور

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۷۰ تا ۳۷۲

(الحمدللہ کہ اس رسالے کا قلمی نسخہ مل گیا ہے اور اب اس کا اردو ترجمہ کر کے معمولات کے باب میں پیش کیا جا رہا ہے، مؤلف)

بھی مثنویاں ہیں، ایک مثنوی خسرو شیریں کی نظم کے وزن پر بھی ہے۔

اسی زمانے میں آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بیعت ہو کر سلسلۂ نقشبندیہ میں منسلک ہو گئے، حضرت خواجہ قدس سرہٗ اکثر آپ کی استعداد و قابلیت کی تعریف کیا کرتے تھے، ۱۰۱۸ھ میں آپ دہلی سے برہان پور تشریف لے گئے اور تھوڑے دن مندو میں اقامت کی۔(۱)

حضرت مولانا ہاشم کشمی رقم طراز ہیں کہ میں نے مولانا کی زبان سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ہم کئی درویش عید کے دن صبح کو خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت شیشۂ گلاب ہاتھ میں لئے ہوئے، باہر تشریف لائے، حاضرین میں سے مجھے نیا اور عید کے مناسب اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھ کر مجھ پر گلاب چھڑکا، اس امر نے میرے پریشان دل کو جمعیت بخشی۔

ز دامانِ تو ہر را شح گلابے

زند بر روئے بختِ خفتہ آبے(۲)

آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سفر دکن سے واپس آیا اس زمانے میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ سے رابطہ کا یہ حال تھا کہ ہر چیز سے حضرت خواجہؒ کا جمالِ باکمال نظر آتا تھا، در و دیوار اور شجر حجرؒ سے سوائے آپ کے جمال کے اور کوئی چیز نمودار نہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ میرا وجودِ موہوم بھی حائل نہ رہا تھا اور میں خود کو بھی حضرت خواجہ سمجھتا تھا:

آں یکے شد روئے او شد سوئے دوست

واں یکے شد روئے او خود سوئے دوست

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شعر و شاعری سے دست کش ہو گئے، حضرتؒ کی صحبت میں پابندی سے حاضر رہے ولایتِ خاصۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور حضرت کی خلافت سے مشرف ہوئے۔(۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں مولانا محمد صالح کولابیؒ کو آپ کے ترقی یافتہ احوال کی اطلاع دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> میرے سعادت مند بھائی کو حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ ان حدود کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اس جگہ کے سب احباب خوش و خرم ہیں، بالخصوص مولانا محمد صدیق ان

۱۔ ایضاً: ص۳۷۲۔ نزہۃ الخواطر: ج۵، ص۳۷۸۔ حضرات القدس

۲۔ زبدۃ المقامات: ص۳۷۲ ۳۔ حضرات القدس، دفتر دوم: ص۲۹۸

دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایتِ خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے، اسمِ جزئی سے اسمِ کلی کے ساتھ ملحق ہوئے، باوجود اس کے نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں وہاں سے نصیبِ وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف میلان کریں وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے) کبھی کبھی اپنے اور اُن دوستوں کے احوال جو طریقے میں داخل ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں لکھتے رہا کریں اور چند روز اسی جگہ استقامت اختیار کریں۔ والسلام۔(۱)

۱۰۱۹ھ میں آپ نے حضرت مجدّد الف ثانیؒ قدس سرہٗ کی بیاضِ خاص سے رسالہ ''مبدأو معاد'' کے مضامین نقل کر کے مرتب کیا۔

۱۰۳۲ھ میں آپ متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے واپسی میں آپ پہلے دہلی آئے، چوں کہ زادِ راہ تھوڑا تھا اور ہمراہیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے آپ نے اس سفر میں فقر و فاقے کی بہت تکلیف اُٹھائی اور علی قدر النصیب دولتِ اجر سے مشرف ہوئے۔

جس زمانے میں آپ حجاز مقدس میں تھے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے مولانا ہاشم کشمیؒ سے فرمایا کہ ''اس وقت میں بعض غیر موجود مریدین کے احوال کی طرف متوجہ تھا مولانا محمد صدیقؒ نظرِ کشفی میں کامل محبت و اخلاص کے ساتھ ہماری طرف رجوع معلوم ہوئے''۔ آپ کو حضرتؒ کے علوم و معارف سے کافی مناسبت و واقفیت تھی۔(۲)

آپ نے ماہِ شوال ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی اور دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی بی بی نے بھی حضرتؒ کی عنایت سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔(۳)

خواجہ میر محمد نعمان بدخشی علیہ الرحمہ

تمام تذکرہ نویسوں نے مخدوم زادگانِ عالی شان قدس سرہم کے تذکروں کے بعد حضرت خواجہ میر نعمان علیہ الرحمۃ کا تذکرہ تحریر کیا ہے اور آپ کی شان کے لائق بھی یہی مناسب تھا لیکن ہم نے چونکہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے تذکروں کو مرتب کیا ہے اس لئے اس کی رعایت رکھتے ہوئے اب آپ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ مکتوباتِ شریف، دفتر اول: مکتوب ۳۴۱ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۷۳

۳۔ حضرات القدس، دفتر دوم: ص ۳۰۳

حضرت خواجہ میر محمد نعمان کے والد ماجد سید شمس الدین یحییٰ بدخشانی معروف بہ میر بزرگ ہیں جو تقویٰ و طہارت، نسبت و حضور و صفا میں مشاہیرِ وقت سے تھے اور بعض علومِ نادرہ مثل جفر و تکسیر وغیرہ میں یگانۂ عصر تھے۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی، ان کا مولد و مسکن اور مدفن موضع کشم ہے جو ملک بدخشاں میں واقع ہے۔ میر بزرگ کو نسبت وارادت سلسلۂ طریقت میں ایک موزفروش درویش سے تھے جو سلسلۂ عشقیہ میں صاحبِ جذبات وکرامات تھے اور سمرقند کی ایک خانقاہ میں گوشہ نشین رہتے تھے، اپنے آپ کو پوشیدہ ومستور رکھتے تھے، اور موزہ فروشی کے پیشے کو اپنے لئے پردہ بنائے ہوئے تھے، میر بزرگ انہی پیر روشن ضمیر کی ایک حکایت بیان کرتے تھے کہ ایک روز اُن کو سمرقند کی جامع مسجد میں کیفیت وجد طاری ہوئی اور منبر کی ایک جانب سے اُچھل کر دوسری جانب جا گرے، باوجود کبر سنی کے ان کو مطلق کوئی ضرب نہیں پہنچی، حالانکہ منبر دو قدِ آدم بلند اور اس کی نصف مقدار چوڑا تھا۔

میر بزرگ کے والد میر جلال الدین تھے اور جدامجد سید حمید الدین الحسینی مشہور عارف و عالم اور متقی بزرگ تھے، آپ کے آباواجداد میں ایک بزرگ گزرے ہیں جو ''بلبل'' کے نام سے مشہور تھے، جب وہ تلاوتِ قرآن مجید کرتے تو ان کی قرأت سننے کے لئے اُن کے گردِ بلبلیں جمع ہو جاتیں اور قرأت ختم ہونے تک نالہ وفریاد میں مصروف رہتیں حتی کہ بعض تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی تھیں۔

حضرت خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کی ولادت ۹۷۷ھ میں سمرقند میں ہوئی، آپ کی تاریخ ولادت لفظ ''شیخ جنید'' سے نکلتی ہے، آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ''تمہارے گھر میں ایک سعادت مند لڑکا تولد ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا''۔ چناں چہ حضرت امامؒ کے حکم کی تعمیل میں آپ کا نام محمد نعمان رکھا گیا۔

خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد ماجد کو بکثرت علوم میں فاضل و قابل جانتا تھا لیکن اولیاء اللہ میں سے خیال نہ کرتا تھا، ایک دن میری بڑی بہن نے جو اپنے وقت کی عارفہ تھی مجھ سے کہا کہ میں نے والد صاحب کو واقعے میں دیکھا ہے فرما رہے ہیں کہ فرزند میر نعمان سے کہو ''تم ہمارے متعلق کم زور اعتقاد کیوں رکھتے ہو''؟ اس روز سے میں والد صاحب کا معتقد ہو گیا۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ بچپن میں بعض نسبتیں مجھ پر غلبہ کرتی تھیں اور مجھ کو غیبت و استغراق ہوتا تھا، جب میں فقرا کی خدمت میں گیا اور مراقبات وارداتِ صوفیہ سے واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تمام احوال اس راہ کے شعبدے تھے۔

جب آپ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو حضرت امیر عبداللہ عشقی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بلخ حاضر ہو کر فیضِ باطنی حاصل کیا، پھر حضرتِ عشقیؒ کے اشارے کے بموجب آپ ہندوستان تشریف لائے اور یہاں بھی وفورِ شوق میں بعض درویشوں سے اذکار کی تعلیم حاصل کی حتی کہ قطب المحققین حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور حضرت خواجہؒ کے الطاف بے پایاں نے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور ذکر و مراقبۂ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے مشرف فرمایا، آپ کے ہمراہ اہل وعیال اور رشتہ داروں کی ایک بڑی تعداد تھی آپ اُن سب کے ساتھ صدق و توکل سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے اور اپنی اسی حالت میں فرحاں وشاداں رہتے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے بعد بعض مخلص امرا نے حضرت خواجہؒ سے درخواست کی کہ خانقاہ کے بعض فقرا کو فقر و فاقے کی بہت تکلیف رہتی ہے اگر حضور اجازت دیں تو ہم ہر ایک کا وظیفہ مقرر کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں، حضرت خواجہؒ نے یہ رائے چند افراد کے لئے قبول فرمائی، اس وقت کسی نے آپ کا نام بھی پیش کیا اور کہا کہ میر محمد نعمانؒ بھی کثرتِ اہل وعیال کے باعث بہت تکلیف میں ہیں لیکن حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے آپ کے لئے اجازت نہیں دی اور فرمایا: ''اینہا جزء بدنِ ما اند'' (یہ ہمارے جزو بدن ہیں) یعنی ہم اپنے جزو بدن کو ان امور میں ملوث نہ ہونے دیں گے، میر صاحب موصوف فرماتے تھے کہ اگرچہ ان دنوں مجھ پر بہت کچھ فقر و فاقہ گذرتا تھا لیکن آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد اور آپ کی اس خاص عنایت کے باعث مجھ پر رقت طاری ہوگئی، میں از خود رفتہ ہو گیا اور حسنِ احوال کا امیدوار ہوا۔ (۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے کہ مسجدِ فیروزی کے نیچے بہت سے مکانات جو صدیوں سے غیر آباد پڑے ہوئے تھے اور ابابیل وغیرہ پرندوں کے گھونسلوں کی بدبو کی وجہ سے وہاں قیام کرنا مشکل تھا لیکن حضرت خواجہؒ کا حکم ہوتے ہی آپ نے اس میں رہائش اختیار کر لی، دورانِ قیام میں بدبو کے اثرات کی وجہ سے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ جو عابدہ صالحہ اور صحابہؓ جذبات و حالات تھیں بیمار ہو گئیں، حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی والدۂ ماجدہ اُن کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لائیں تو مکان کی بدبو کے باعث وہاں ٹھیرنا مشکل ہو گیا جب واپس گئیں تو حضرت خواجہ صاحبؒ سے وہاں کی کیفیت بیان کی اور فرمایا:

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۲۶ تا ۳۲۸۔ حضرات القدس، دفتر دوم: ص ۲۶۶ تا ۲۶۸

اے خواجہ من ونور دیدہ من! ایں جماعت کہ مرید شدہ اند کشتنی نہ شدہ اند۔

یہ لوگ مرید ہونے کے لئے آئے ہیں مرنے کے لئے نہیں آئے۔

حضرت خواجہؒ نے فرمایا:

اے والدہ ماجدہ! اینہا بدعوۃ نیامدہ اند کہ ازیں امور گراں خاطر وملول دل گردند

یہ لوگ بلائے ہوئے نہیں آئے ہیں کہ ان امور سے گراں خاطر رنجیدہ دل ہوں۔

میر صاحب موصوف فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مرض الموت میں ایک شب مجھے خدمت گاری وشب بیداری کا موقع ملا، اس رات حضرت خواجہؒ نے مجھ پر ایک نظر ڈالی، اس نظر فیض اثر کا یہ اثر مجھ پر طاری ہوگیا کہ جو کام مجھ سے وقوع میں آتا میں سوچ میں پڑ جاتا کہ آیا یہ کام رضائے الٰہی کے مواقف ہے یا نہیں، چنانچہ ہر ہر قدم پر میں کہتا کہ یہ مرضی حق کے مطابق ہے یا مرضی حق کے مطابق نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت خواجہؒ مقامِ تسلیم و رضا میں تھے اور اس دریائے بیکراں کا چھینٹا اس تشنہ لب کو پہنچ گیا۔

نیز آپ فرماتے تھے کہ جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اجازتِ تعلیم طریقہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ فرمائی اور اپنے مریدوں کو حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے حوالے کردیا اور اُن سب کی تربیت حضرت کے سپرد فرمائی تو اس اثنا میں فقیر (محمد نعمان) سے بھی فرمایا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت کو اپنی سعادت جان کر لازم پکڑو، ہم پیر ہونے اور نفس کی رعونت کی وجہ سے فقیر نے عرض کیا کہ ''ہمارا قبلۂ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے اگرچہ وہ بھی بزرگ ہوں''۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے غصے ہوکر فرمایا کہ:

میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است واز کمل اولیائے متقدمین خال خال مثل ایشاں گذشتہ باشند۔(۱)

میاں شیخ احمدؒ ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے اندر گم ہیں، اولیاء متقدمین وکاملین میں سے بہت کم اُن جیسے گذرے ہوں گے۔

اس کے بعد میں نے اپنا اعتقاد درست کیا اور نہایت نیازمندی کے ساتھ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر عنایت کا طالب ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ ہمارے ہی ہیں لیکن ابھی کچھ دنوں ہمارے پیرومرشد ہی کی خدمت میں رہیں۔

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۰

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ دہلی تشریف لائے تو میر صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ پیش کیا جس میں اپنی شکستہ دلی، بدنصیبی اور اور بے استعدادی کا ذکر تھا، نیز یہ کہ ''میرے پاس آپ کے حضور میں بجز اس کے اور کوئی وسیلہ و چارہ نہیں کہ میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں لہٰذا بطفیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ پر رحم فرمائیں''۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ اس عریضے کے ملاحظے کے وقت نہایت آبدیدہ ہوئے اور فرمایا:

میر! بے دلی مکنید کہ حضرت خواجۂ ما رضی اللہ عنہ حاضر اندان شاء اللہ خوبتر خواہد شدو نیز فرمودہ اند، درمیانِ اصحابِ حضرت خواجۂ ما قدس سرہٗ میررا با ما مناسبتِ دیگراست۔

میر صاحب! گھبرائیے نہیں ہمارے حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ حاضر ہیں، ان شا اللہ بہتر ہوگا اور نیز حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کے اصحاب میں میر صاحب کو ہمارے ساتھ ایک اور ہی مناسبت ہے۔

غرض کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ میر صاحب موصوف کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر کے سرہند شریف لے آئے، آپ نے سالہا سال حضرت کے آستانہ حق نشان پر گزارے اور دیکھا جو کچھ دیکھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کو ضعف لاحق ہوا اور اس خیال سے کہ کہیں یہ مرض آخری مرض نہ ہو اور شاید ضعف کا غلبہ امانتِ خواجہ گان رضی اللہ عنہم کسی اہل کو سپرد کرنے کی مہلت نہ دے اس لئے آپ نے ارادہ کیا کہ یہ نسبتِ شریفہ بعض مخلص احباب کو القا فرمائیں چنانچہ حضرت نے اس نسبتِ شریفہ کی شان کے لائق مخدوم زادہ بزرگ خواجہ محمد صادق اور میر محمد نعمان علیہما الرحمہ کے سوا کسی کو نہیں پایا لہٰذا حسب استعداد بعض احوال ان دونوں عزیزوں کو القا فرمائے، اس کے بعد حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرتؒ کو کامل صحت عطا فرمائی تو حضرتؒ نے فرمایا:

سرِّ آنکہ ایں نسبتہا دریں ضعف بشمایاں تلقی گشت آں بودہ کہ بعضے احوالاتِ عظمیۂ دیگر بما مودع بودہ کہ ورودِ آں موقوف باعطائے اینہا می بودہ

یہ نسبتیں جو اس ضعف کی حالت میں تم کو القا کی گئی ہیں اس کا راز یہ ہے کہ بعض دوسرے عظیم احوال جو ہمیں حوالہ کئے جانے والے تھے ان کا وارد ہونا ان نسبتوں

کے عطا کر دینے پر موقوف تھا۔

پھر کچھ عرصے بعد ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے میر صاحب موصوف کو حسب ذیل اجازت نامہ مرحمت فرما کر طلبائے معرفت کی ہدایت کے لئے برہان پور روانہ فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الْكِرَامِ، بَعْدُ فَاِنَّ الْاَخَ الصَّالِحَ السَّالِكَ طَرِیْقَ اَهْلِ اللّٰهِ الْعَارِفَ بِاللّٰهِ السَّیِّدَ الْكَامِلَ مُحَمَّدَ نُعْمَانَ وَ فَقَّهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّایَ لِمَرْضَاتِهٖ لَمَّا دَخَلَ بِتَوَسُّطِ هٰذَ الْفَقِیْرِ فِیْ سِلْكِ اِرَادَةِ الْمَشَائِخِ النَّقْشَبَنْدِیَّةِ وَسَلَكَ طَرِیْقَتَهُمُ الْعَلِیَّةَ قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْرَارَهُمْ وَظَهَرَ مِنْهُ الْاِنْتِفَاعُ لِلطَّلَبَةِ اَجَزْتُهٗ لِتَعْلِیْمِ قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْرَارَهُمْ وَظَهَرَ مِنْهُ الْاِنْتِفَاعُ لِلطَّلَبَةِ اَجَزْتُهٗ لِتَعْلِیْمِ طَرِیْقَةِ هٰؤُلَآءِ الْاَكَابِرِ لِلطُّلَّابِ وَشَرْطُ الْاِجَازَةِ الْاِسْتِقَامَةُ عَلَی الشَّرِیْعَةِ وَ الثَّبَاتُ عَلَی الطَّرِیْقَةِ وَالْحَقِیْقَةِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰے عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔(۱)

میر صاحب موصوف دو مرتبہ برہان پور تشریف لے گئے، چوں کہ اس شہر میں شیخ محمد فضل اللہ و شیخ عیسٰی روح اللہ رحمہا اللہ جیسے صاحب علوم وحال وقال اور اہلِ کمال و اکمال موجود تھے اس لئے وہاں آپ کے طریقے کی اشاعت نہ ہو سکی، آپ نے واپس آ کر حضرتؒ کی خدمت میں حقیقتِ حال عرض کی، حضرتؒ نے تیسری مرتبہ آپ کو اس شہر کی مشیخت عطا فرما کر روانہ کیا اور فرمایا:

ایں مرتبہ بمرتبہ ہائے سابق نماندان شاء اللہ تعالیٰ

ان شاء اللہ تعالیٰ اس مرتبہ پہلے کی طرح نہ ہوگا۔

چناں چہ جب آپ برہانپور پہنچے تو آپ کی مجلسیں اس قدر گرم ہوئیں کہ بیان نہیں ہو سکتا جو لوگ دور سے بھی آپ کی مجلس دیکھ لیتے تو یکایک ان کے دلوں میں جذبہ وحالات پیدا ہو جاتی اور غلبہ سکر کے باعث کپڑے چاک کرنے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے، بعض مرتبہ تیس چالیس حضرات زمین پر تڑپتے ہوتے، اور مولانا قاسم تبریزی کا یہ مصرع ان کے حسب حال ہوتا:

درمیانِ شہر و در ہر گوشۂ غوغائے اوست

۱۔ حضرات القدس، دفتر دوم: ص ۲۶۹۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۱

یہ حالات دیکھ کر بعض مشائخ وقت کے مریدین بھی میر صاحب کے حلقۂ استفاضہ میں داخل ہوئے اور بہت سے مفسدین کی اصلاح ہوئی اور بکثرت ہوش مندوں نے بادۂ بے خودی و جذب کا جام نوش جان کیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ واقعے میں دیکھا کہ میں سفر سے حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور حضرتؒ کے آستانے کے گرد گھوم رہا ہوں اتنے میں حضرتؒ اندر سے تشریف لے آئے اور مجھ کو دروازے پر نیاز مندانہ کھڑا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے، بہت توجہ فرمائی اور مجھ کو بغل میں لیا پھر فرمایا کہ میر میں حرارت کا غلبہ ہوگیا ہے شکر کا شربت لاؤ، پس ایک پیالہ لبریز شربت کا لایا گیا، حضرتؒ نے فرمایا: میر! یہ پورا پیالہ تم پی لو اور ایک قطرہ بھی کسی کو نہ دو۔ میں نے وہ پورا پیالہ پی لیا۔ اس کے بعد آپؒ نے قبلہ رو ہو کر دعا کی کہ بارِ الہا؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ خاصہ میر کو عطا فرما، اس دعا کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لئے، دوبارہ دعا کے لئے پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یاالٰہی! میری نسبتِ خاصہ بھی میر کو عطا فرما۔

جب میں اس کیفیت سے ہوش میں آیا تو یہ واقعہ حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا، اور اس کی تعبیر دریافت کی، آپ نے جواب نہ دیا، اس کے بعد آپ کو مجلس مقدس سے مفارقتِ صوری ہوئی، پھر کچھ دن بعد حضرتؒ نے یہ نوازش نامہ مجھے تحریر فرمایا:

> ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقے میں بیٹھا تھا کہ قصداً یا بلا قصد آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور بقایا آثار جو (تم میں) نظر آتے تھے اُن کے دور کرنے کے درپے ہوا اور وظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدرِ کامل بن گیا اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا گیا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتیٰ کہ کمال کی جانب میں کچھ باقی نہ رہا کہ جس کی توقع یا انتظار کی جائے۔
>
> اِلَّا اَنْ یَّتَّسِعَ الظَّرْفُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَیَاْخُذَ بِقَدْرِ وُسْعَتِهٖ شَیْئًا فَشَیْئًا
>
> سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق درجہ بدرجہ حاصل کر لے۔
>
> اور بہت دیر تک اس معنی کی مثالیہ صورت نظر میں رہی یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ سبحانہ علی ذٰلک۔

اس دولت کا حاصل ہونا اس واقعے کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور اس کے حاصل ہونے کے متعلق بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا، اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ آپ کا قرض سب کا سب ادا ہوگیا اور وعدہ پورا ہوا اب امیدوار ہے کہ اس کمال کے اندازے سے تکمیل حاصل ہوگی اور اس طرح کے دشت وصحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔ الخ (۱)

نیز آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز صبح کے حلقے میں اس قطبِ ارشاد یعنی حضرت پیر و مرشد (مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ) کے روبرو بیٹھا تھا اور مراقبے میں مشغول تھا، سر اٹھایا تو دیکھا کہ بجائے آپ کے حضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوٰۃ وتسلیمات تشریف فرما ہیں، مجھ پر ہیبت غالب ہوئی میں نے پھر اپنا سر جھکا لیا اور شغلِ باطن میں مشغول ہوگیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر سر اٹھایا تو دیکھا کہ آپ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تشریف فرما ہیں، میں پھر اپنے سر کو جھکا کر مراقبے میں مشغول ہوگیا، ایک لمحے کے بعد آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بجائے آپ کے حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والبرکات اور بجائے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آپ تشریف فرما ہیں، میں پھر مراقب ہوگیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا تو دونوں جگہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پایا اور پھر دونوں جگہ آپ کو دیکھا، اس کے بعد دیکھا کہ صرف آپ ہی اکیلے تشریف فرما ہیں، یہ جو کچھ دیکھا گیا سب علانیہ تھا نہ کہ خواب۔

میر صاحب موصوف حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ عشق ومحبت میں امتیاز کامل رکھتے تھے اسی لئے آپ کی شہرت وقبولیت ملکِ ہند بلکہ بیرونِ ہند بھی تھی اور اسی وجہ سے بکثرت مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی، بعض حاسدین اور دشمنانِ دین نے بادشاہِ وقت کو آپ کے خلاف بھڑکایا، بادشاہ نے فتنہ وفساد برپا کردینے کے اندیشے ووہم سے آپ کو برہانپور سے دارالسلطنت اکبر آباد بلوایا اور آپ سے پوچھا کہ آپ نے خود کو حضرت میر کے لقب سے کیوں مشہور کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں سید ہوں اور سید کو میر کہتے ہیں، مگر لفظ حضرت کہنے سے میں خوش نہیں ہوں آپ اس کی ممانعت کرادیجئے، بادشاہ نے کہا اچھا ہم ان کو رہائی دیتے ہیں بشرطیکہ برہانپور کا قیام ترک کرکے دارالسلطنت اکبر آباد میں توطن اختیار کرلیں چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا اور اکبر آباد میں سکونت اختیار کرلی اور ارشاد وہدایتِ خلق میں مشغول ہوگئے۔ (۲)

۱۔ دفتر اول: مکتوب ۲۴۶ ۲۔ زبدۃ المقامات۔ حضرات القدس، دفتر دوم: ص ۲۷۲۔۲۷۳

میر صاحب موصوف نے اگرچہ علوم ظاہری کی تکمیل نہیں کی لیکن ادراکِ حقائقِ صوفیہ خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے علوم و معارف سمجھنے کی اپنے اندر ایک خاص صلاحیت رکھتے تھے، خود حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بھی بارہا آپ کی فہم خداداد اور تیزیٔ نظر کی تعریف فرمائی ہے۔

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں:

اس ناچیز نے اُس عزیز (خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ) کی خدمت میں توبہ و انابت کی تجدید کی ہے اور ابتدائے تعلیم میں اس طریقہ عالیہ کا ذکر انہی سے اخذ کیا ہے ان کی ہی صحبت مجھے سپاہیوں کی وضع سے نکال کر اہل خانقاہ کے طریقے میں لے آئی اور ان کی رہنمائی اور سفارت ہی سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی آستان بوسی سے مشرف ہوا اور حضرت موصوف کی توجہات و عنایات سے اپنی قابلیت کے مطابق فیضان حاصل کیا، اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو دوستوں کے سروں پر سلامت رکھے۔(۱)

میر صاحب کے بڑے بھائی سعد الدین اور ان کے صاحبزادے محمد امین و عبد اللہ بھی حضرت مجدد صاحبؒ سے مستفیض ہوئے ہیں، میر صاحب کی صاحبزادی، صاحبِ زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمیؒ سے منسوب ہوئیں اور شیخ بدر الدین بن شیخ ابراہیم سرہندیؒ نے میر صاحبؒ کی فرمائش پر حضرات القدس تالیف فرمائی۔(۲)

رسالۂ سلوک کے نام سے آپ کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے اسباق کی تشریح کی گئی ہے یہ رسالہ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی مجددی سرہندی (ٹنڈو سائیں داد، ضلع حیدر آباد) کے پاس محفوظ تھا جس کو ۱۳۸۹ھ میں محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے طبع کرا کر شائع کر دیا ہے۔

آپ کی وفات ۱۸؍صفر ۱۰۵۸ھ بروایتِ دیگر ۱۰۶۰ھ کو اکبر آباد میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزارِ پُر انوار ہے۔(۳) ''میر والا جاہ نعمان متقی'' مادۂ تاریخ وفات ہے۔

مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا محمد ہاشم بن محمد قاسم کی ولادت موضع کشم علاقہ بدخشاں میں ہوئی۔ وہیں

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۳۳ ۲۔ دیباچہ رسالہ سلوک از خواجہ میر محمد نعمانؒ

۳۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۳۹۳

پرورش پائی اور وہاں کے علما سے تحصیل علوم کر کے ہندوستان تشریف لائے، چوں کہ آپ کے آباد اجداد سلسلۂ کبرویہ سے منسلک تھے اس لئے ابتدا میں آپ کو اس خاندان کے بعض خلفاء کی صحبتِ بابرکت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا لیکن عنفوانِ شباب ہی سے فطری مناسبت اور بشارتہائے یزدانی کی بنا پر سلسلۂ ذہبیہ خواجگانِ نقشبندیہ سے دل بستگی پیدا ہوگئی اور اسی تلاش وجستجو میں ہندوستان تشریف لے آئے، یہاں ایک محفل میں قدیم مشائخ کے حالات عجیبہ وتصرفاتِ غریبہ کا تذکرہ سن کر دل میں خیال آیا کہ یہ حقیقت شناس گروہ ایامِ گذشتہ ہی کے ساتھ مخصوص تھا، موجودہ دور میں یا تو ان جواہر ریزوں سے خزانہ خالی ہے یا حقیقت میں ایسے بزرگ موجود ہیں لیکن ہم جیسے نااہلوں کے دیدۂ ادراک سے پوشیدہ ہوں گے:

خاطرِ خوباں بصیدِ اہلِ دل مائل نماند
یا بشہرِ عشق یازاں مردِ صاحب دل نماند

اس واقعے کے چندروز بعد ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحبِ دل آپ سے کہہ رہے ہیں کہ اُٹھ فلاں مقام پر ایک بزرگ اربابِ صفاویقین کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور تجھے بلاتے ہیں، چناں چہ وہ صاحب دل آپ کا ہاتھ پکڑ کر اس مقام پر لائے جہاں وہ بزرگ تشریف فرما تھے، آپ نے اُن بزرگ کا حلیہ اچھی طرح دیکھا کہ وہ بزرگ ایک چبوترے پر مراقب بیٹھے ہیں اور ان کے احباب چبوترے سے کسی قدر نیچے سر جھکائے خاموش بیٹھے ہیں، جب آپ ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے مراقبے سے سر اٹھایا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا پڑھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ تا آخر سورۃ، آپ اس سورۃ کو پڑھتے جاتے اور زاروقطار روتے جاتے تھے آنکھ کھلی تو سورۃ کے مضمون پر غور کر کے یقین کی دنیا جگمگا اٹھی۔

اس خواب کو ابھی ایک ماہ گزرا تھا کہ آپ کا برہان پور جانا ہوگیا وہاں پہنچ کر حضرت خواجہ میر نعمان علیہ الرحمۃ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ تو آپ نے دیکھا کہ جن بزرگ کو خواب میں دکھایا گیا تھا وہ ہو بہو حضرت میر موصوفؒ تھے اس لئے آپ نے میر صاحبؒ سے بیعت کر کے ذکر ومراقبہ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی اور میر صاحبؒ کی خدمت وصحبت کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔

آپ فضائل صوری اور علوم متعارفہ کی کامل تحصیل اور بہترین قابلیت رکھتے تھے، اور تاریخ وادب میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا، خوش آواز، شیریں کلام، نیک خلق اور متواضع تھے رنگین حکایتیں دلکش انداز میں بیان کیا کرتے تھے، سوز وگداز آپ کی تقریر سے ہویدا تھا، بے خودی اور وارفتگی

آپ کے چہرہ سے روشن اور نمودار تھی، حضرت خواجہ میر محمد نعمان قدس سرہٗ بھی آپ کی نیک خصلتوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کو ملاحظہ فرما کر آپ پر بہت مہربان تھے حتی کہ اپنی دختر نیک اختر کی شادی آپ کے ساتھ کر کے آپ کو شرف دامادی بخشا۔(۱)

آپ کو حضرت خواجہ میر نعمانؒ کی خدمت کے دوران ہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے بھی خصوصی تعلق اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اسی لئے جلد اول میں آپ کے نام بھی تین مکاتیب ہیں، جو ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہو چکی تھی اور آپ ۱۰۳۱ھ میں یعنی تقریباً چھ سال بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے، بلکہ خود حضرت مجدد صاحبؒ نے آپ کو طلب فرمایا جیسا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے ایک مکتوب بنام خواجہ میر نعمانؒ سے ظاہر ہے وھو ہذا:

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کے رہنے اور جانے میں حیران ہے چوں کہ آپ کی ملاقات کا حریص ہے اس لئے آپ کے جانے کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا اور رہنے کے لئے بھی دلالت نہیں کر سکتا کہ مبادا لوگوں کی بہت سی مصلحتیں فوت ہو جائیں البتہ اس قدر ضروری ہے کہ اگر جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں تا کہ چند روز صحبت میں رہے اور بعض علوم و معارف اخذ کرے کیونکہ جوان قابل نظر آتا ہے اور آپ سے تربیت یافتہ بھی ہے اور آپ کے مذاق کو بھی جانتا ہے، آپ استفسارات کو بھی اسی کے حوالے کر دیں تا کہ جواب لے کر آپ کی خدمت میں پہنچائے والسلام۔(۲)

چناں چہ آپ ۱۰۳۱ھ میں میر صاحبؒ کے حکم کی تعمیل اور اجازت و رخصت سے حضرت مجددؒ کی خدمت اقدس میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور تقریباً دو سال تک سفر و حضر، خلوت و جلوت میں آپ حضرتؒ کی خدمت میں رہے، اس تھوڑی سی مدت میں جس قدر فوائد اور انوار و برکات اس آفتاب عالم تاب سے حاصل کئے ان کی تفصیل احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔(۳)

آپ زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی زمانے میں سلاطین دکن میں تبدیلیاں واقع ہوئیں تو میں نے چاہا کہ اہل و عیال کو برہان پور سے لے آؤں اور حضرتؒ کے قدموں میں آ پڑوں، ناچار آپ نے رخصت فرما دیا، رخصت کے وقت بصد رنج و حسرت میں نے عرض کیا: دعا فرمائیں

۱۔ زبدۃ المقامات۔ حضرات القدس ۲۔ مکتوبات شریف: دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱ تا ۳

کہ جلدی ہی آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل کروں۔ حضرتؒ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا:

دعا کنم کہ در آخرت باہم یکجا جمع شویم۔

میں دعا کرتا ہوں کہ ہم آخرت میں ایک جگہ جمع ہوں۔

اس جاں گداز فقرے نے میرے ہوش اُڑا دیئے لیکن چوں کہ میری قسمت میں محرومی تھی اس لئے تقدیر سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ناچار آنکھوں سے آنسو بہاتا، ناامیدی سے سر پر ہاتھ مارتا اور اشعارِ حسرت پڑھتا ہوا رخصت ہوا، اور آخرِ رجب ۱۰۳۳ھ میں جب یہ فقیر حضرتؒ سے رخصت ہوا تھا اس وقت سے حضرتؒ کے انتقال تک کی مدت تقریباً ساٹھ ماہ ہوتی ہے۔(۱)

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ نے بعد نمازِ تہجد واقعہ میں دیکھا کہ خود محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ مع ایک خادم کے وکیل بادشاہی کے پاس گئے ہیں اور نوکر ہو گئے مگر اس خادم کو نوکر نہیں رکھا، کیوں کہ جس وقت اس خادم کا نام رکھنے لگا اور اس کو قریب جا کر غور سے دیکھا تو اس کے چہرہ پر داغ تھا مگر پھر کچھ عرصے بعد حضرتؒ پر ظاہر ہوا کہ اس خادم کو بھی نوکری میں قبول کر لیا گیا ہے، جیسا کہ حضرتؒ نے دفتر سوم مکتوب ۱۰۶ میں جو کہ صاحبزادگان کے نام ہے تحریر فرمایا:

در بیانِ واقعہ کہ روئے دادہ بود کہ یارِ ثالث را بنوکری قبول نہ کردند، بعد از زمانے ظاہر گشت کہ بمحضِ کرم آنرا نیز قبول فرمودند و آثار قبول ظاہر گشت۔

ایک واقعے کے بیان میں جو ظاہر ہوا تھا لکھا تھا کہ تیسرے یار کو نوکری میں قبول نہ کیا، کچھ عرصے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرما لیا اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے۔

اس واقعے میں یارِ ثالث سے مراد خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ ہیں، جب حضرتؒ نے خواجہ محمد ہاشمؒ کو خلافت و اجازت دے کر برہان پور روانہ کیا، آپ کی صحبت میں نہایت تاثیر ہوئی، وہاں کے لوگ خواہ امیر ہوں یا غریب سب مور و ملخ کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے اور یہ اس بشارت کی تصدیق تھی کہ حضرت نے آپ کو دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۲ میں تحریر فرمایا تھا:

کہ در وقت مطالعہ کتابتِ شما انبساطِ نورانیتِ شما در آں نواحی بسیار نظر درآمد و امید وار ساخت للہ الحمد والمنۃ۔

۱۔ ایضاً، ص ۲۸۴، ۲۸۵

آپ کے خط کے مطالعے کے وقت آپ کی نورانیت گردونواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی اور بڑی امید پیدا ہوئی، اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے۔(۱)

آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں مخدوم زادوں کی فرمائش پر ان فوائد و معارف کو لکھنا شروع کیا جن کو خلوت و جلوت میں حضرتِ اقدسؒ کی زبان گوہر فشان سے سنا تھا۔ نیز حضرتؒ اور حضرتؒ کے پیر و مرشد کے عادات و اطوار، نوادر و برکات اور خوارق و کرامات لکھنے کا ارادہ کیا، ابھی چند ورق سے زیادہ نہ لکھنے پائے تھے کہ حضرت قدس سرہٗ رفیق اعلیٰ سے واصل بحق ہو گئے، وصالِ مرشد کے بعد آپ کی توجہ اس کام کی طرف زیادہ ہو گئی کیونکہ دلِ مہجور کو تسلی دینے کے لئے اس سے بہتر اور کیا مشغلہ ہو سکتا تھا کہ اپنے پیر با کمال کے اقوال و احوال کو لکھیں اور گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کر کے قلب و روح کو ایک گونہ تسلین دیتے رہیں:

ماہیٔ کاں گشت محروم از فرات

از کفِ آبے ہمی جوید حیات!

چنانچہ آپ نے حضرت کے حالات کے ساتھ حضرت کے پیر و مرشد، خلفا اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات میں نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا جس کا نام ''برکات الاحمدیۃ الباقیہ'' رکھا اور تاریخی نام ''زبدۃ المقامات'' قرار پایا۔ اس کتاب میں ''نشاط روح'' کا نہایت کافی سامان موجود ہے، حضرتؒ کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالباً اور کوئی نہ ہوگی، حضرت کے احوال و اقوال کو نہایت عمدگی و خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے، بے جا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالس مجددیہ کا ایسا مکمل نقشہ کھینچا ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا ناظرِ کتاب، دربارِ فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرتؒ کو دیکھ رہا ہے، حضرتؒ کے ملفوظات سُن رہا ہے اور دریائے معرفت کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے۔(۲)

آپ کا ایک مرید بیان کرتا تھا کہ ایک دفعہ میں نے نذر مانی کہ اگر میرا گھوڑا فروخت ہو جائے تو اتنی نذر اپنے پیر خواجہ محمد ہاشم کی خدمت میں پیش کروں گا، آخر میرا گھوڑا فروخت ہو گیا اور نذر کے ادا کرنے میں دو تین روز کی دیر ہو گئی، ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میری ہمیانی میں روپے تھے حضرتؒ نے خود ہی فرمایا کہ آج تمہاری تھیلی کی رقم میں ہمارا بھی حصہ ہے کیوں نہیں

۱۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ۲۲۸ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی: ص ۳۲۲ و ۳۲۳

ادا کرتے ہو، آپ کے اس کلام کو سن کر میرا حال دگرگوں ہوگیا اور فوراً آپ کی نذر ادا کردی۔(۱)

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ حضرت مجددّ الف ثانیؒ نے ایک مخلص کے نام مکتوب تحریر فرمایا تو میرے دل میں بھی یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ میرے نام بھی ایک مکتوب تحریر فرمائیں کہ مکتوبات شریف کا دفتر اول اسی مکتوب پر ختم ہو، کیونکہ میں بھی حضرتؒ کے کمترین اور آخری مخلص درویشوں میں سے ہوں، حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ نے اپنے اشراقِ باطن سے میرے اس خیال کو معلوم کرلیا اور ایک مکتوب میرے نام تحریر فرمایا اور اس کے آخر میں لکھا کہ دفتر اول کے مکتوبات کو اس مکتوب پر جو کہ ہاشم کے نام ہے ختم کیا جائے تاکہ انبیائے مرسلینؑ واصحابِ بدرؓ کی تعداد کے مطابق ختم ہوجائے۔(۲)

حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف کا دفتر سوم آپ نے ہی ۱۰۳۱ھ میں مرتب کیا تھا جس میں فی الوقت ایک سو چوبیس مکتوبات شریف ہیں اور تاریخی نام ''معرفت الحقائق'' ہے جیسا کہ حضرت مجددّ صاحبؒ کی تصنیفات کے بیان میں مذکور ہے۔

علاوہ ازیں حضرت مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض ایسے مسودات کا مجموعہ جو بعض (خلفا) حضرات نے محفوظ کرلئے تھے اگرچہ اس کے بعض مضامین حضرت کے مکتوباتِ شریفہ اور رسائلِ وقیعہ میں بھی آچکے تھے لیکن آپ نے بہ تمام و کمال ان کو مرتب فرما کر اس کا نام ''مکاشفاتِ عینیہ'' رکھا جس کی آغازِ ترتیب کا سال ۱۰۵۱ھ ہے اور ''مکاشفاتِ عینیہ مجددّ دیہ'' سے تاریخی سال ۱۰۵۳ھ تکمیل کا ظاہر ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

نیز آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، پورا دیوان حضرت مجددّؒ کی مدح میں ہے حضرت مجددّ الف ثانیؒ کے وصال پر حضرت کی عمر شریف کے سال کی تعداد کے مطابق آپ نے تریسٹھ تاریخی قطعات موزوں کئے۔

برہان پور میں رابرٹ سن اسکول کے قریب میدان میں آپ کے مزار پر جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ تقریباً تین فٹ چوڑا اور پانچ فٹ لمبا ہے لیکن وہ کتبہ ۴ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۶۷ء کا تیار کیا ہوا ہے، کتبے کی عبارت طویل ہے ہم اس کی چند سطور پر ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱۰۴۵ھ آپ کا سنِ وفات ہے، پہلے آپ کا مزار اقدس عیدگاہ کے قریب پانڈہ رول

ا۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۵۲ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۳۵۲

ندی کے کنارے پر تھا۔ ۱۲۷۲ھ میں سیلاب کی وجہ سے مزار شریف کے منہدم ہو
جانے کا خطرہ تھا خود خواجہ (محمد ہاشم) صاحبؒ نے عالم خواب میں شہر برہانپور کے
ایک بزرگ محمد طاہر صاحب کو مزار شریف کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی ہدایت کی،
حسب ارشاد آپ کے جسم اطہر کو موجودہ جگہ پر دفنایا گیا۔ الخ (۱)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تقریباً تین سو سال کے بعد آپ کی نعش کو قبر سے نکالا گیا تو آپ کا جسم اور کفن بالکل اصلی حالت پر تھے، اور آپ کی قبر سے اس قدر خوشبو پھیلی کہ قرب وجوار کا سارا علاقہ مہک گیا اور ہزارہا افراد نے آپ کی یہ کرامت دیکھی، بعدازاں نماز جنازہ پڑھ کر سپرد خاک کر دیا گیا۔

غرض کہ آپ کا انتقال پر ملال برہان پور میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار ہے لیکن تاریخ وفات کے سلسلے میں تمام تذکرے خاموش ہیں، صرف مذکورہ بالا کتبہ پر ۱۰۵۴ھ کندہ ہے جس سے ہمیں اختلاف ہے، کیوں کہ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ خود مکاشفاتِ عینیہ صفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں ''نمودہ می آید کہ درسال یک ہزار و پنجاہ و یک ورقے چنداز مسودات .... الخ

جس سے معلوم ہوا کہ مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے مکاشفاتِ عینیہ کی ابتدا ۱۰۵۱ھ میں کی لہذا ۱۰۴۶ھ میں آپ کی وفات کا ہونا غلط ہو جاتا ہے اس لئے اغلب خیال یہ ہے کہ سہواً ہندسے تبدیل ہو گئے اور صحیح سن وفات ۱۰۵۴ھ ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ مزمل علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم اور مقبول مریدوں میں سے ہیں، اکثر سفر و حضر میں حضرتؒ کی خدمت میں رہے اور آپ کے الطاف وعنایات سے مشرف ہوئے ہیں، حسنِ اخلاق میں یگانۂ روزگار اور انکسار و ایثارِ نفس میں منفرد تھے، حضرت کی تربیت سے جو کمالات آپ کو حاصل ہوئے حضرتؒ ان کمالات کا تذکرہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

شیخ مزمل خود کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا اور (قادر) مطلق کو ہر جگہ پاتا ہے اور اشیاء کو سرابِ بے اعتبار کی طرح جانتا ہے بلکہ ان کو کچھ نہیں پاتا۔ (۲)

۱۔ تاریخی مقالات: ص ۱۶۴ ۲۔ دفتر اول: مکتوب ۱۱

اس کے بعد آپ سالہا سال حضرتؒ کی خدمت میں رہے اور تعلیم طریقت کے مجاز ہوئے، آپ کی رفعتِ شان سے متعلق حضرت مجددؒ کا ایک مکتوب ملاحظہ ہو جو ایک مخلص کے نام ہے:

پہلی بشارت آپ کے خاندان والوں کے لئے شیخ مزمل کا تشریف لانا ہے، اُن کی صحبت کی برکتوں کا کیا بیان ہو سکے، اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہے کہ خدائے تعالیٰ کے دوست کسی کو قبول کرلیں چہ جائیکہ محبت او قربت سے ممتاز فرمائیں، هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا)، غرض کہ ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور صحبت کے آداب کو مدنظر رکھیں تا کہ زیادہ مؤثر ہو۔(۱)

آپ کے بعض مخلصوں سے سنا گیا کہ ایک روز آپ سیر و شکار کے لئے گئے، اتفاق سے پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ایک غار میں گر گئے، اور نکل نہ سکے، ایک صحرائی نے آپ کو گرتے دیکھا تھا اُس نے لوگوں کو اطلاع دی تب آپ کو غار سے نکالا گیا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس وقت سرہند شریف میں تشریف فرما تھے، صورتِ واقعہ آپ کی نظر انور کے سامنے آگئی چناں چہ فرمایا ''(بہ نظرِ کشف) میں دیکھ رہا ہوں کہ شیخ مزمل کسی ہول ناک جگہ میں گر گئے اور نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، دیکھئے حقیقتِ حال کیا ہے''۔ آخر چند روز کے بعد اس حادثے کی اطلاع حضرت کو ملی حضرت نے آپ کے انتقال پر رنج و غم کا اظہار کیا اور فاتحہ و دعا سے یاد شاد فرمایا۔(۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جائے وقوع پر تشریف فرما تھے چنانچہ آپؒ حضرت مجدد قدس سرہٗ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت سلامت آج ہفتہ کی شب ۲۶ ربیع الثانی (۱۰۲۶ھ) کو میاں شیخ مزمل اس دینا سے رخصت ہوئے اور خوب ہوئے، وہ ٹوپی جو آپ نے خصوصیت کے ساتھ تبرکاً بندے کو عنایت فرمائی تھی دفن کے وقت ان کے سر پر پہنادی ایک لمحے کے بعد دیکھا کہ آپ کی نسبت خاصہ عالیہ ان میں جلوہ گر ہوگئی اور اس عزیز پر پوری طرح اور اس کے بعد تمام قبر کا اس نسبت نے احاطہ کرلیا بلکہ اس کے گرد و نواح کو بھی نور سے مالا مال کردیا۔(۳)

۱۔ دفتر اول: مکتوب، ۸۷ ۲۔ زبدۃ المقامات: ص ۳۶۳

۳۔ مکتوبات معصومیہ: دفتر اول، مکتوب ۳

حافظ محمد لاہوری علیہ الرحمہ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص احباب میں سے تھے حضرت نے آپ کو مقام ولایت کے اعلیٰ درجے کی خوش خبری دی۔(۱) ایک مکتوب میں آپ کو تحریر فرماتے ہیں:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو جناب مولانا مہدی علی کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا موجب ہوا، اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ فقرا کی محبت جو دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے، آپ میں کامل طور پر قائم ہو چکی ہے اور مفارقت کی دراز مدت نے اس میں کچھ اثر نہیں کیا، دو چیزوں کی محافظت ضروری ہے کہ ایک صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت، دوسرے شیخ مقتدا کی محبت و اخلاص، ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دیں سب ہی نعمت ہے، اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخہ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں آخر ایک دن دے دیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے اور اس کے باوجود احوال واذواق بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہئے اور اپنی خرابی و بربادی خیال کرنا چاہئے، استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ والسلام۔(۲)

شیخ نور محمد پٹنی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے جلیل القدر خلفا میں سے ہیں، حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت سے تحصیل علوم ظاہری کے بعد آپ کو طلب حق کا شوق ہوا اور آپ پیرِ حق شناس کی تلاش میں کمر ہمت باندھی اور اکثر بلادِ ہند کا سفر کیا، فقرا کی صحبت میں حاضر ہوئے، مگر آپ کا مطلوب کسی سے حاصل نہ ہوا، یہاں تک کہ جذبِ الٰہی کی کشش نے آستانۂ عرش نشان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا، حضرت خواجہؒ نے آپ کو ذکر قلبی کی تعلیم سے مشرف فرمایا اور آپ کی تربیت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حوالے فرمائی، آپ کمال ذوق وشوق اور عاجزی واطاعت گزاری کے ساتھ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سعادت

۱۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۴۰ ۲۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب ص ۲۸۰

ازلی کی وجہ سے حضرتؒ کے خواص میں داخل ہو گئے۔(۱)

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں احوالِ شائستہ اور مقاماتِ عالیہ پر فائز ہوئے چناں چہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دفتر اول مکتوب نمبر ۱۱ میں اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے:

> مولانا مذکور (یعنی شیخ نور) نیچے کی طرف اخیر نقطے تک پہنچ گیا ہے، اس نے جذبے کے کام کو پورا کر لیا ہے اور اس مقام کی برزخیت میں پہنچ گیا ہے اور فوق کو ایک لحاظ سے نہایت تک پہنچایا ہے، اول اول صفات کو بلکہ اس نور کو جس سے صفات قائم ہیں۔ اس نے اپنے آپ سے جدا دیکھا اور اپنے آپ کو شیخ فانی معلوم کیا، بعد ازاں صفات کو ذات سے جدا دیکھا اور اس دید میں مقامِ جذبہ کی احدیت تک پہنچ گیا، اب اپنے آپ کو اور جہاں کو ایسا گم کیا ہے کہ نہ احاطے کا قائل ہے اور نہ معیت کا، اور مخفی ترین ذات یعنی احدیت صرفہ کی طرف ایسا متوجہ ہے کہ حیرانی اور نادانی کے سوا وہ کچھ حاصل نہیں رکھتا۔

اس مکتوب کے بعد بھی آپ تقریباً آٹھ سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے آستانے پر تجرید و تفرید اور جذباتِ شائستہ میں بسر کرتے رہے حتیٰ کہ مقاماتِ فائقہ و وارداتِ رائقہ سے فائض ہو کر مرتبۂ وصول اور خدمتِ ارشاد و ہدایت سے مشرف ہوئے، حضرت نے آپ کو خلافت و اجازتِ تعلیم طریقہ عطا فرما کر پٹنہ روانہ کیا مگر عزلت و خلوت کی وجہ سے جو آپ کی سرشت میں داخل تھی، جنگلوں اور دریا کے کنارے زندگی بسر کرتے اور مخلوق سے گوشہ گیر رہتے تھے، حضرتؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بطورِ نصیحت ایک مکتوب تحریر فرمایا و ھو ہذا:

> میرے سعادت مند بھائی! آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے امر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں اسی طرح خلق کے حقوق کو ادا کرنے اور ان سے ساتھ غم خواری کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے، عارفوں کے قول اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرنا) میں انہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان ہے اور دونوں طرف کو مدنظر رکھنے کی ہدایت ہے، پس ان دونوں میں سے صرف ایک ہی اختصار کرنا سراسر قصور ہے اور کل کو چھوڑ کر جز پر کفایت کرنا

۱۔ حضرات القدس: ص ۲۷۹

کمالیت سے دور ہے، پس خلق کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی ایذا کو برداشت کرنا ضرور ہے اور ان کے ساتھ حسنِ معاشرت یعنی اچھی طرح رہنا سہنا واجب ہے بد دماغی اور لاپرواہی اچھی نہیں۔

ہر کہ عاشق شدا گرچہ نازنینِ عالم است
نازکی کے راست آید بار می باید کشید

چوں کہ آپ مدتوں صحبت میں رہے ہیں اور پند و نصیحت بہت سے سنے ہیں، اس لئے طول کلامی سے منہ پھیر کر چند فقروں پر اختصار کیا گیا۔(۱)

آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ارشاد کی تعمیل کی اور شہر پٹنہ میں دریائے گنگا کے کنارے ایک جھونپڑی اور ایک مسجد بنائی، جھونپڑی میں مع اہل و عیال رہنے لگے اور مسجد کو طاعات و عبادات، ارشاد و ہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا مرکز بنالیا۔

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک مخلص نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شیخ نور محمد رجال الغیب سے ہیں لیکن مجھے یاد نہیں رہا کہ نقبا میں سے فرمایا نجبا میں سے۔(۲)

مولانا بدر الدین سرہندی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ اس فقیر کے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ارادت کے لئے حاضر ہونے سے قبل ہی شیخ نور محمد پٹنی خلافت سے مشرف ہو کر پٹنہ چلے گئے تھے لیکن مخدوم زادۂ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد سرہند شریف آئے تھے، اس وقت اس فقیر نے شیخ موصوف سے ملاقات کی آپ کی پیشانی سے عجب قسم کی وارفتگی و بے نفسی وفنا و نیستی ظاہر ہوتی تھی۔ میں جس زمانے میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مناقب میں ''سیر احمدی'' تالیف کر رہا تھا تو مجھے طاعات و عبادات کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے'' دو رکعت صلوٰۃ بہ از تحریر مقامات۔(۳)

مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمۃ

آپ صاحب علم و عرفان تھے، آپ نے حضرت مجددؒ سے بعض کتابیں پڑھیں اور عرصہ دراز تک حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔(۴) آپ نے حضرتؒ کی خدمت میں باطنی سلوک کی تکمیل

۱۔مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۰۱ ۲۔زبدۃ المقامات: ۳۵۳
۳۔حضرات القدس ۴۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۴۴

کر کے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے اور حضرت مجدّ د الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف کا دفترِ اول جس کا تاریخی نام ''درالمعرفت'' ہے، ۱۰۲۵ھ میں مرتب فرمایا۔(۱)

مولانا یار محمد قدیم بدخشی طالقانی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدّ د الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم مرید اور ممتاز خلیفہ تھے، آپ کو قدیم اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ کے بعد ایک اور یار محمد بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جو مکتوبات شریف دفتر اول کے جامع ہیں اس لئے آپ کا لقب قدیم پڑ گیا، آپ قائم اللیل، صائم النہار، کثیر السکوت والمراقبہ تھے، حضراتِ نقشبندیہ کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں، خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھے۔

صاحب زبدہ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی خوبصورتی اور اس بڑی ڈاڑھی پر بہت شکر گذار ہوں کہ جب بازار وغیرہ سے گزرتا ہوں تو لوگ مجھ کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے لگتے ہیں۔

آپ نے نہایت غربت اور فقر و فاقے کی حالت میں حجازِ مقدس کا سفر کیا، طواف بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہوئے اور واپسی پر حضرت مولانا ہاشم کشمیؒ صاحبِ زبدہ المقامات سے بیان کیا کہ یمانی محل میں جو ہودج جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سجایا گیا تھا لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں، میں نے اس کی زیارت کی تو بانوار و آراستگی تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تشریف فرما دیکھا۔ اس لذت و حلاوت کے باعث از خود رفتہ ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو رقص کرنے اور کودنے لگا، حجاج متعجب ہوئے اور بعض عرب کہنے لگے ھذا نعم مجنون (یہ کیا اچھا مجنون ہے) اور میں زبانِ حال سے آپ کا یہ بیت پڑھ رہا تھا۔

گر ایں لیلیٰ از خیمہ بیروں شود
بسا کوہ و صحرا کہ مجنوں شود(۲)

۱۰۴۶ھ میں آپ حجاز مقدس سے واپس ہوئے اور ایک عرصہ بعد اکبر آباد تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔(۳)

۱۔ روضۃ القیومیہ ۲۔ زبدۃ المقامات: ۳۷۶۔۳۷۷
۳۔ حضرات القدس: ص ۳۱۳

شیخ یوسف برکی علیہ الرحمۃ

شروع میں آپ کو بعض مشائخ وقت کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور مشرب توحید خیالی رونما ہو گیا تھا، اسی اثنا میں ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ اکثر اولیائے کرام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مدح وثنا فرما رہے ہیں اور آپ کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں، چناں چہ آپ نے احوال سے متعلق ایک عریضہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں لکھا، حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ایسے احوال شروع شروع میں مبتدیوں کو بہت ہوتے ہیں ان کا اعتبار نہ کریں۔(۱)

اس جواب پر آپ کو حضرت کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا اور آپ بصد عجز و نیاز آستانہ والا شان پر حاضر ہوئے اور شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئے اور تھوڑی ہی مدت میں مرتبۂ کمال کو پہنچے، اور حضرت سے اجازتِ تعلیم طریقہ وخلافت حاصل کر کے جالندھر (مشرقی پنجاب) میں سکونت اختیار کی، تھوڑے تھوڑے عرصے کے وقفے سے سرہند شریف حاضر ہوتے رہتے تھے اور جدائی کے زمانے میں زبانِ قلم سے عرض احوال کرتے رہتے اور جوابات سے سرفراز ہوتے رہتے تھے ایک مرتبہ جب رخصت ہوئے تو ضبط نہ کر سکے اور دیکھا گیا کہ بے اختیار زار و قطار رو رہے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

از درِ دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ ''گریاں'' رفتم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مخلص کو آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> شیخ یوسف ہمارے پاس آئے تھے اور ہمارے فیوضات سے بخوبی مستفید ہوئے اور حقیقتِ فنا سے مطلع ہوئے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گھر کو واپس ہو گئے، اس میں شک نہیں کہ وہ مردِ مستعد صادق الاخلاص ہیں۔

آپ نے ۱۰۳۴ھ میں جالندھر میں انتقال فرمایا اور وہیں مزارِ مبارک ہے۔(۲)

مولانا یوسف سمرقندی علیہ الرحمۃ

حضرت خواجہ باقی باللہ سرہٗ نے اپنے جن مریدوں کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے

۱۔ مکتوبات شریف: دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۳۰ ۲۔ حضرات القدس: دفتر دوم، ۳۲۵

سپرد کیا تھا ان میں مولانا یوسف بھی تھے، حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے آپ کی خاص طور پر سفارش فرمائی تھی، آپ نہایت خلیق اور سادہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے، حضرت خواجہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد سرہند چلے آئے اور تھوڑے ہی عرصے میں حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت بابرکت سے فیض حاصل کر کے بہت کچھ ترقی کر لی لیکن درمیان سلوک ہی میں کسی کام سے اپنے وطن چلے گئے تھے پھر ایک عرصے بعد ۱۰۲۲ھ میں واپس آئے تو مرض الموت میں مبتلا ہو گئے، عین نزع کے وقت حضرت مجدد صاحب تشریف لائے تو مولانا نے بتضرع وحسرت عرض کیا کہ حضرت! آخرت وقت آ گیا ہے، توجہ فرمائیں کہ اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے، حضرتؒ کے دل میں آپ کی نیازمندی کی وجہ سے کشادگی پیدا ہوئی اور آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا:

ہاں مولانا یوسف بگوئید کہ چہ شد
ہاں مولانا یوسف کہو کیا حال ہے؟

آپ نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کیا، الحمد للہ کہ جس چیز کا طالب تھا وہ حضرت کی توجہ سے آشکارا ہو گئی، یہ کہا اور روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (۱)

واضح ہو کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے خلفا کی تعداد تقریباً پانچ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن افسوس کہ تذکروں کی جملہ کتابیں چند بزرگوں کے علاوہ ان حضرات کے ذکرِ خیر سے خاموش ہیں، بہرحال جن خلفائے عظام کے حالات مل سکے ہیں، وہ درج کر دیئے گئے ہیں، اگرچہ ان میں بھی بعض بزرگوں کے تذکرے برائے نام ہیں، اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر مزید کسی خلیفہ کے حالات معلوم ہوں تو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں، تا کہ آئندہ اشاعت میں ان کو شائع کیا جا سکے۔ (مؤلف)

۱۔ زبدۃ المقامات

حضرت مجدّد قدس سرہٗ کے مکتوب الیہم حضرات

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوب الیہم حضرات کی ترتیب کو ہم نے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے اور اپنی ناقص فہم کے مطابق اس باب میں مکتوب الیہم نے نام مکتوبات کی فہرست اور ساتھ ہی ان کا تعارف بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر کہیں غلطی ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح فرما کر ممنون فرمائیں اور جن حضرات کا تعارف رہ گیا ہے اگر اُن کے حالات معلوم ہوں تو اس سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں، تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کمی کو پورا کیا جا سکے۔ (مؤلف)

الف

۱۔ ابراہیم قبادیانی (خواجہ) دفتر سوم مکتوب ۲۳، قبادیان، ترمذ کے قریب ایک مقام ہے۔

۲۔ ابراہیم (مُلّا) دفتر سوم مکتوب ۳۸۔ صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں۔ ''الشیخ العالم الکبیر المحدث ملا ابراہیم اور خواجہ ابو المکارم ایک ہی بزرگ ہیں، واللہ اعلم، آپ بڑے زاہد، متقی اور پرہیزگار عالم تھے اور علم حدیث کے درس میں مشغول رہتے تھے لوگوں سے کم ملتے تھے، اکبر بادشاہ کے بلانے پر آگرا اکبر آباد کے عبادت خانے میں جاتے تو رسمی تکلفات اور شاہی آداب کی پابندی نہ کرتے اور ہمیشہ وعظ و نصیحت فرماتے سال وصال معلوم نہ ہو سکا۔ (۱)

۳۔ ابو الحسن، بہا بدخشی الکشمی (خواجہ): دفتر دوم مکتوب ۹۶

۴۔ ابو القاسم (مخدوم زادہٗ امکنگی اعنی خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۸۰۔ خواجہ قاسم دفتر اول مکتوب ۹۰ خواجہ محمد قاسم دفتر مکتوب ۱۵۰، مخدوم زادہٗ امکنگی اعنی خواجہ محمد قاسم دفتر اول مکتوب ۱۶۸۔ خواجہ محمد قاسم بدخشی دفتر دوم ۴۷، آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کے صاحب زادے ہیں۔

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۔ منتخب التواریخ و تذکرہ علماء ہند

۵۔ابوالمکارم (خواجہ) دفتر سوم مکتوب ۱۱۶۔غالباً آپ ملا ابراہیم محدث مانک پوری ہیں۔

۶۔احمد برکی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۳۹۔۲۵۰،۲۵۴،۲۷۵۔دفتر مکتوب ۱۴،آپ کا مفصل تذکرہ،''خلفائے عظام'' کے باب صفحہ ۷۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۷۔احمد بجواڑوی (میاں سید) دفتر اول مکتوب ۹۵۔۱۰۸ سید احمد بن محمد بن الیاس حسینی غرعشتی بجواڑوی (بجواڑہ مضافاتِ سرہند میں ہے) آپ علم شریعت وطریقت کے جامع تھے، شیخ اللہ داد لاہوری، اور اپنے والد ماجد سے درسی کتب پڑھیں۔۱۰۰۱ھ میں تحصیل علوم سے فارغ ہوکر درس وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مشغول ہوگئے، آپ کو افغانیوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، جہانگیر نے ترک آداب کے جرم میں تین سال گوالیار کے قلعے میں قید رکھا آخر خان جہاں لودھی کی سفارش سے رہائی پائی، وہ اپنے ساتھ دکن لے گیا ایک عرصہ برہانپور میں رہے ۱۰۲۰ھ میں آگرہ آگئے،(۱)۔حضرت مجددؒ نے دفتر اول کے مکتوب نمبر ۱۵۶ اور ۲۳۸ میں آپ کی سفارش فرمائی ہے۔

۸۔احمد دیبنی (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۱۶۔آپ کا مفصل تذکرہ خلفائے عظام کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۹۔احمد قادری (سید) دفتر اول مکتوب ۸۴۔آپ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں صدارتِ کل کے عہدے پر فائز تھے۔(۲)

۱۰۔ادریس سامانی (مشیخت مآب شیخ) دفتر اول: مکتوب ۲۵۳۔

۱۱۔اسحاق ولد قاضی موسیٰ (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۷۰۔آپ سندھ کے فاضل بزرگوں میں سے تھے، باباشیخ کریم الدین حسن ابدالی سے طریقۂ نقشبندیہ حاصل کرنے اور اخذِ طریقہ کے بعد اکیس دن تک متواتر آپ خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوکر الطافہائے گوناگوں سے شادکام ہوئے، چناں چہ مولانا اسحاق سندھی نے کمال شوق و اخلاص کے ساتھ ایک عریضہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ارسال کیا، نیز علیحدہ کاغذ پر ایک واقعہ بھی لکھا کہ بندۂ بے مقدار حضرت حق تعالیٰ سے امیدوار فقیر اسحاق ولد موسیٰ عرض کرتا ہے کہ حضرت ہادیٔ زماں قطب دوراں ہمارے مخدوم شیخ احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے ہیں، آپ سفید ریش، بینیٔ مبارک بلند، سرخی مائل رنگ ہیں، گویا مراقبے میں بیٹھے ہیں، جب بندہ حاضر ہوا تو عین مراقبے میں قلم اٹھا کر یہ چند کلمات لکھ کر بندہ کو عنایت فرمائے اور اس

۱۔نزہۃ الخواطر: ج۵،ص ۶۸،۶۹　　۲۔مآثر الامراء: ج۲،ص ۴۵۹

بندے پر بہت تیز توجہ فرمائی وہ کلمات یہ ہیں: ''شیخ احمد سرہندیؒ کی طرف سے اسحاق سندی کی جانب ہے کہ اے اسحاق! تم میرے بیٹے ہو اور میرے تمام رموزاتِ حقیقی و دقیقی میں میرے خلیفہ ہو، میں مغفور ہوں، تم اور تمہارے متوسلین بھی مغفور ہیں، میرے حبیب مولانا عبدالکریم سے میرا سلام کہنا، انتہی'' مولانا اسحاق نے اس واقعے کو اپنے ایک عریضے میں لکھ کر رحم علی نامی ایک درویش کے بدست بھیجا جو کہ سکر میں توحید وجودی سے خیالی تھا اور سفارش کی کہ اس کو اس مقام پر پہنچا دیں، حضرت مجددؒ نے اس درویش کو اس مقام پر گزار کر عالی مقام پر پہنچا دیا اور یہ مکتوب نمبر ۷۰ شیخ اسحاق واسی درویش کے بدست بھیج دیا۔(۱)

۱۲۔اسلم (شریعت پناہی قاضی) دفتر سوم مکتوب ۱۱۳۔آپ ہرات میں پیدا ہوئے، کابل میں پرورش پائی شیخ بہلول لاری کی خدمت میں علوم متعارفہ کی تحصیل کی پھر جہانگیر کی خدمت میں پہنچے تو اس نے آپ کو کابل کا قاضی مقرر کیا پھر اپنی خدمت میں بلا کر اردوئے معلیٰ کا عہدۂ قضا سپرد کر دیا۔شاہجہاں نے آپ کو روپوں میں تلوایا چھ ہزار پانچ سو روپے جو وزن کے برابر تھے آپ کو بخش دیئے ۱۰۶۱ھ میں لاہور میں انتقال ہوا۔(۲)

۱۳۔اسماعیل فرید آباد (قاضی) دفتر سوم: مکتوب ۸۹۔

۱۴۔امان اللہ فقیہ (مولانا) دفتر اول: مکتوب ۲۸۶۔۳۰۱۔دفتر سوم مکتوب ۲۰۔آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۔انبیاء سارنگپوری (سید) دفتر اول مکتوب ۲۴۵۔۲۸۸

۱۶۔ایرج (میرزا) دفتر اول مکتوب ۲۱۹۔آپ میرزا عبدالرحیم خان خاناں کے صاحبزادے ہیں، باپ کے ساتھ تسخیر سندھ کی مہم میں شریک رہے، ٹھٹھہ کے حکمران حاجی بیگ کی لڑکی سے شادی ہوئی، جہانگیر نے آپ کو شاہنواز خاں کا خطاب دیا۔(۳)

۱۷۔ایوب محتسب (ملا) دفتر اول: مکتوب ۲۴۳۔

ب

۱۸۔باقر سارنگپوری (میر سید) دفتر اول مکتوب ۲۶۴، آپ حضرت مجددؒ کے قدیم الخدمت

۱۔زبدۃ المقامات: ص ۲۸۶، ۲۸۷ ۲۔مآثر الامراء: ج ۳، ص ۸۰۔تذکرہ علماء ہند و مآثر الکرام: ص ۲۰۸

۳۔مآثر الامراء: ج ۱، ص ۶۹۳۔توزک جہانگیری

احباب میں سے ہیں۔ آپ کو آخری عمر میں خلافت عطا ہوئی۔(۱)

۱۹۔ بدر الدین سرہندی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۸۹، ۲۹۷۔ دفتر دوم مکتوب ۴۰۔ دفتر سوم مکتوب ۳۱۔ آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفا'' کے باب میں صفحہ ۳۶۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۲۰۔ بدیع الدین سہارنپوری (معارف آگاہ میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۷۲۔ ۱۹۲۔ ۲۴۲۔ ۲۵۲۔ ۲۵۶۔ ۲۷۶۔ دفتر دوم مکتوب ۱۶۔ ۸۸۔ دفتر سوم مکتوب ۶۔ آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفا'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۱۔ بدیع الزماں (میرزا) دفتر اول مکتوب ۴۷، ۵۷۔ آپ آقائے ملا دولت دار کے صاحبزادے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں سے تھے اور آقائے ملا تصوف میں اپنے چچا شیخ نجیب الدین سہروردیؒ سے مستفیض تھے، میرزا کی ایک بیٹی ارادت خاں میر اسحاق شاہجہانی سے منسوب تھی۔(۲)

۲۲۔ بہادر خاں۔ دفتر اول مکتوب ۸۳، آپ کا نام ابوالنبی تھا، توران کے بزرگ زادوں میں ہیں، عبدالمومن خاں کے زمانے میں مشہد کے حکمراں رہے، اس کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے، اکبر نے مناسب عہدہ دیا۔ جہانگیر نے تین ہزار کے منصب اور بہادر خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔(۳)

۲۳۔ بہاؤ الدین سرہندی (حافظ شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۳۸۔ ۱۶۴۔ غالباً آپ حضرت مجددؒ کے بھتیجے ہیں جن کا ذکر آغاز میں گزر چکا ہے۔

۲۴۔ بیگ فرکتی (حاجی) دفتر اول مکتوب ۲۳۵۔ آپ اور مولانا حاجی محمد فرکتی نمبر ۱۴۱ ایک ہی صاحب معلوم ہوتے ہیں۔

ت

۲۵۔ تاج (معارف آگاہ میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۶۳۔ شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی نقشبندی حنفی۔ سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے وہیں تحصیلِ علوم کیا اور شیخ طریقت کی تلاش میں مختلف شہروں میں پہنچے، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی روحانیت سے طریقۂ چشتیہ کی تلقین حاصل کی، اس کے بعد ناگور میں شیخ حمید الدین قدس سرہٗ کی روحانیت سے فیض حاصل کیا، پھر شیخ کی تلاش میں نکلے اور گڈھ مکتیسر ضلع میرٹھ کے شیخ اللہ بخش

۱۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۳۳۹ ۲۔ ماثر الامراء: ج ۱، ص ۱۱۶

۳۔ ماثر الامراء: ج ۱، ص ۳۹۸

شطاری کی خدمت میں پہنچے جو سید علی قوام متوفی ۹۵۰ھ کے مرید تھے شیخ نے ملاقات کرتے ہی آپ کو قبولیت بخشی اور ظاہر فرمایا کہ وہ آپ کے منتظر تھے۔ شیخ کا طریقہ تھا کہ اول مرید کو ریاضاتِ شاق کراتے تھے، تاکہ اس کا نفس ٹوٹ جائے اور تزکیہ حاصل ہو جائے، چناں چہ شیخ نے مطبخ میں پانی بھرنے کا کام آپ کو سپرد کر دیا، تین ماہ بعد شیخ نے فرمایا کہ تمہارا کام کمال و تکمیل کو پہنچ گیا اور آپ کو طریقہ عشقیہ و قادریہ و چشتیہ اور مداریہ کی اجازت دی، پھر آپ کو شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روحانیت سے طریقۂ کبرویہ میں اجازت حاصل ہوئی۔

جب پہلی مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تلاشِ مرشد میں ہندوستان تشریف لائے تھے تو سنبھل میں شیخ تاجؒ سے بھی ملاقات ہوئی تھی پھر جب حضرت خواجہ صاحبؒ دوبارہ صاحبِ مجاز ہو کر دہلی تشریف لائے تو شیخ تاجؒ نے بھی حاضرِ خدمت ہو کر آپ سے بیعت کی، اور چند دن میں سلوکِ نقشبندیہ کی تکمیل کر کے صاحبِ اجازت ہو گئے اور غالباً حضرت خواجہؒ کے سب سے پہلے خلیفہ آپ ہی ہیں، آپ سب سے زیادہ حضرت خواجہؒ کی صحبت میں رہے اور آپس میں ایسی صحبت رہتی تھی کہ کوئی نہ جانتا تھا کہ کون عاشق ہے اور کون معشوق، حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے انتقال کا آپ کو شدید رنج و غم ہوا اور سیاحت اختیار کی۔ ۱۰۴۰ھ میں بصرہ پہنچے تو حاکم بصرہ آپ کے مخلصین میں داخل ہوا، پھر مکۂ مکرمہ میں سکونت اختیار کی وہاں بہت مخلوق حتیٰ کہ علما و مشائخ نے بھی آپ سے طریقہ اخذ کیا۔ آپ نے چند رسائل بھی تصنیف کیے۔ ننانوے سال کی عمر میں عصر و مغرب کے درمیان بروز بدھ ۱۸ر جمادی الآخر ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی اور مکہ کے پہاڑ قعیقعان کے دامن میں دفن ہوئے (۱) آپ کے مفصل حالات میں ایک مستقل کتاب بزبانِ عربی بان کی پور لائبریری میں موجود ہے۔ (۲)

پ

۲۶۔ پیر بزرگوار خود۔ دفتر اول مکتوب ۱ تا ۲۰، (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے نام، آپ کا مفصل تذکرہ "سلسلہ طریقت" کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ج

۲۷۔ جباری خاں۔ دفتر اول مکتوب ۷۷، ۸۷، ۹۷۔ جباری خاں یا جباری بیگ نامی ایک شخص ہیں جو مجنوں خاں تاقشال کے صاحبزادے اور حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کے اجداد میں

۱۔ زبدۃ المقامات: ص ۷۰ تا ۷۷۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۹۹　　۲۔ رودِ کوثر: ص ۲۲۱

سے تھے مجنوں خاں کے انتقال کے بعد جباری خاں برائے نام سردار تھے ورنہ اس کے چچا بابا خاں سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔(۱) مکتوبات شریفہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جباری خاں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، جب ہی تو حضرت مجدد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''صدر اعظم کے پاس مشار الیہ (میاں شیخ مصطفیٰ) سفارش بہت اچھی طرح کریں''۔

۲۸۔ جعفر بیگ نہانی۔ دفتر اول مکتوب ۱۳۹۔ آپ مرزا بدیع الزماں کے صاحب زادے ہیں نہایت ذہین اور باکمال انسان تھے ۹۸۵ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، اکبر نے دو ہزاری کا منصب اور ''آصف خاں'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔ جہانگیر کے زمانے میں پنج ہزاری منصب عطا ہوا۔ ۱۰۲۱ھ میں بالا گھاٹ کے مقام پر انتقال ہوا۔(۲)

۲۹۔ جمال ناگوری (شیخ)۔ دفتر دوم مکتوب ۱۸

۳۰۔ جمال الدین۔ دفتر اول مکتوب ۱۳۰۔ غالباً علامہ جمال الدین تلوی لاہوری مراد ہیں جو مشہور مدرس تھے، معاصرین میں سے درس و تدریس میں آپ کوئی ہمسر نہ تھا، قرآن مجید کے حافظ تھے، شیخ اسماعیل بن ابدال اوچی، شیخ اسحاق بن کاکو لاہوری اور شیخ سعد اللہ سے علوم کی تحصیل کی، پھر عمر کا ایک حصہ دینی علوم کی نشر و اشاعت میں صرف کیا، لاہور میں علمی ریاست کا آپ پر خاتمہ تھا، دور دور سے لوگ آپ کے پاس استفادے کے لئے آتے تھے، تمام علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، فیضی نے سواطع الالہام میں آپ سے استفادہ کیا(۳)

۳۱۔ جمال الدین حسین (خواجہ) ولد میرزا حسام الدین احمد۔ دفتر دوم مکتوب ۴۲۔ دفتر سوم مکتوب ۵۶۔۸۱

۳۲۔ جمال الدین حسین بدخشی۔ دفتر اول مکتوب ۱۷۷۔

۳۳۔ جمال الدین کولابی (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۱۳۔۲۲۳،

(شمارہ نمبر ۳۱، ۳۲، ۳۳، غالباً ایک ہی صاحب ہیں۔)

ح

۳۴۔ حامد تہاری (شیخ دفتر دوم مکتوب ۸۰۔ آپ لاہور کے مشہور بزرگ تھے قرأت و تجوید میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، ارشاد و تلقین کی تعلیم محمد میر بن قاضی سائیدہ سیوستانی لاہوری سے حاصل

۱۔ مآثر الامراء: ج ۱، ص ۳۸۹ ۲۔ مآثر الامراء: ج ۱، ص ۱۱۶

۳۔ نزہۃ الخواطر و تذکرہ علماء ہند

کی تھی، آخرِ عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے ۱۰۴۴ھ میں لاہور میں انتقال ہوا۔ (۱)

۳۵۔ حبیب خادم (درویش) دفتر سوم مکتوب ۸۶۔ آپ حضرت مجددؒ کے سفر و حضر میں خصوصی خادم تھے۔ اس کتاب میں کئی مقامات پر آپ کا ذکر آتا ہے۔

۳۶۔ حسام الدین احمد (حقائق آگاہی معارف دستگاہی خواجہ، میرزا) مکتوب ۳۲، ۶۲، ۲۰۷۔ ۲۱۶، ۲۲۹، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۷۳، ۲۷۴، دفتر دوم ۱۷۔ ۲۶۔ ۴۵۔ دفتر سوم مکتوب ۴۰، ۴۲، ۱۱۵، ۱۲۱۔ میرزا حسام الدین احمد بن نظام الدین احمد حنفی بدخشی ثم الدہلویؒ مشائخ نقشبندیہ میں سے ہیں، آپ کا نسب ایک جہت سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے اور ایک جہت سے مفسر زاہد سے ملتا ہے۔ ۹۷۷ھ میں شہر بدخشاں کے قصبہ قندوز میں پیدا ہوئے، اپنے والد کے ہمراہ ہندوستان آئے، یہاں آپ کے والد اکبر بادشاہ کے مقربین میں ہو گئے۔ بعد ازاں آپ کے والد کا ۹۹۲ھ میں انتقال ہو گیا۔ ''شیخ جنید'' سے تاریخ پیدائش نکلتی ہے خواجہ حسام الدین نے علم کے گہوارے میں پرورش پائی، تحصیلِ علوم کے بعد شیخ ابو الفضل بن مبارک ناگوری کی بہن سے شادی ہوئی، والد ماجد کے انتقال کے بعد منصب اور علاقہ پایا اور اکبر بادشاہ نے آپ کو عبد الرحیم خانؒ خاناں کی زیرِ قیادت لشکر میں شامل کر دیا، مجبوراً آپ ایک زمانے تک لشکر میں رہے، چوں کہ آپ کی طبیعت ترک و تجرید کی طرف مائل تھی، اس لئے سلطانی خدمات سے استعفیٰ دے کر عزلت اختیار کی، آپ کی بیوی نے بھی ترک و تجرید میں آپ کی موافقت کی پس آپ دہلی آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت میں بقیہ زندگی گزار کر معارفِ الٰہیہ میں بہت اعلیٰ مرتبے پر پہنچے، کثرت سے عبادت کرتے اور تلاوتِ قرآن مجید میں اس قدر مشغول رہتے کہ ہر مہینے پندرہ مرتبہ قرآنِ کریم ختم کرتے، صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں کہ ان کی بیوی ہر سال بارہ ہزار نقد دیتی تھیں اور آپ وہ رقم گوشہ نشین درویشوں پر خرچ کر دیتے تھے، آپ نے توبہ کے بعد بحث و اشتغال ترک کر دیا تھا اور نوکری ترک کرنے کے بعد تیس سال تک نہایت متورع اور متشرع زندگی گزاری، صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ آپ ترک و تجرید کے غلبے کے سبب مسندِ ارشاد پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا اپنے شیخ کی زندگی تک اُن کی خدمت میں لگے رہے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادوں کی تربیت میں مشغول رہے، یکم صفر ۱۰۴۳ھ اکبر آباد میں وفات ہوئی وہیں دفن کئے گئے (۲)

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱۲۶

۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱۲۸ نیز آپ کا تفصیلی تذکرہ ''زبدۃ المقامات ص ۷۸ تا ۸۶'' پر ملاحظہ فرمائیں

۳۷۔حسن برکی (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۷۱، دفتر دوم مکتوب ۷۷، دفتر سوم مکتوب ۱۰۵۔ آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفا'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۸۔حسن کشمیری (ملا) دفتر اول مکتوب ۹۹۔۱۰۰۔۱۰۱۔۲۷۹۔دفتر سوم مکتوب ۱۳۳۔شیخ حسن کشمیری ثم الدہلوی، علم و فضل اور بزرگی میں مشہور تھے، طریقت کی تکمیل شیخ نجم چا ئیں سہنویؒ سے کی، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت اختیار کر کے کسبِ فیض کیا، حقائق و معارف میں ممتاز تھے۔۱۰۵۱ھ میں وفات پائی (۱) آپ ہی حضرت مجددؒ صاحبؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے۔(۲)

۳۹۔حسین مانک پوری (سید) دفتر اول مکتوب ۲۲۱۔

۴۰۔حسینی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۰۳۔غالباً مولانا حسین نانبائی مراد ہیں، آپ کشمیر میں پیدا ہوئے اور شیخ محمد قادری سے تعلیم طریقت حاصل کی پھر دہلی آئے اور عبدالشہید احراری کی صحبت اختیار کی پھر ایک زمانے تک حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے پھر کشمیر چلے گئے اور تمام عمر عبادت میں گزاری ۱۰۵۰ھ میں وصال ہوا۔(۳)

۴۱۔حمید اجمیری (شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۰۳۔

۴۲۔حمید احمدی (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۵۷۔شیخ حمید اجمیری اور مولانا حمید احمدی غالباً ایک ہی بزرگ ہیں، آپ نے حضرت مجددؒ سے سلوکِ باطنی حاصل کر کے خلافت پائی۔(۴)

۴۳۔حمید بنگالی (شیخ) دفتر اول: مکتوب ۱۵۸، ۲۲۰، ۲۹۲ دفتر دوم مکتوب ۴۶۔۸۴۔آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفاء'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۴۔حمید سنبھلی (شیخ) دفتر اول: مکتوب ۱۱۱۔آپ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی حیثیت سے علامۂ زماں اور یکتائے دوراں مشہور تھے۔(۵)

خ

۴۵۔خانِ اعظم۔دفتر اول مکتوب ۶۵۔۶۶۔خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور ہم شیر تھے، ہمیشہ قرابت اور انتہائی نوازشوں سے سرفراز ہے، جہانگیر نے بھی آپ کی خوب

۱۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱۳۲ ۲۔زبدۃ المقامات: ص ۱۳۸

۳۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱۳۵ ۴۔روضۃ القیومیہ: ص ۳۴۰

۵۔تذکرہ علمائے ہند

عزت افزائی کی، نہایت ذہین، تاریخ دانی میں بے مثل اور سلاستِ زبان میں بینظیر تھے۔ ۱۰۰۲ھ میں حج کیا اور ۱۰۳۳ھ میں احمد آباد میں انتقال ہوا۔ میت کو دہلی لاکر حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ علیہ کے قرب میں دفن کیا گیا۔ آپ خواجہ خاوند محمود سے نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت تھے۔ (۱)

۴۶۔ خاں جہاں۔ دفتر دوم مکتوب ۶۷، دفتر سوم مکتوب ۵۴۔ پیر خاں لقب خان جہاں ابن دولت خاں لودھی شاہو خیل کے قبیلے سے تھے۔ شہزادہ دانیال کا تقرب حاصل کر کے جہانگیر کے امراء میں شامل ہو گئے، آپ بڑے علم دوست تھے اور علماء سے بہت محبت کرتے تھے اور عام لوگوں سے بھی اچھا سلوک تھا، جہانگیر کو آپ پر بہت اعتماد تھا اور اس درجہ محبت تھی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں، جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں بادشاہ ہوا تو خاں جہاں اس سے مشکوک ہو گیا اور اس کے خلاف بغاوت کردی، شاہجہاں نے اس پر لشکرکشی کی آخر ۱۰۴۰ھ میں قتل کرادیا گیا۔ (۲)

خان خاناں (ملاحظہ ہو عبدالرحیم خان خاناں)

۴۷۔ خضر افغان (حاجی) دفتر اول مکتوب ۱۳۷۔ آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفاء'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۸۔ خضر خاں لودی۔ دفتر اول مکتوب ۹۴۔

۴۹۔ خواجہ جہاں۔ دفتر اول مکتوب ۲۵، ۷۲۔ اصل نام دوست محمد، لقب خواجہ جہاں تھا، اور کابل کے رہنے والے تھے، جب آپ کی صاحب زادی جہانگیر کی زوجیت میں آئی تو آپ اعلیٰ منصب اور ''خواجہ جہاں'' کے خطاب سے سرفراز ہوئے، اپنے فرائض منصبی نہایت دیانت داری سے انجام دیتے تھے، نہایت متقی پرہیزگار تھے، نمازِ فجر کے بعد آپ کی مجلس میں مثنوی مولانا روم پڑھی جاتی تھی۔ ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی۔ (۳)

خواجہ عمک (ملاحظہ ہو عمک)

خواجہ گدا (ملاحظہ ہو گدا)

خواجہ مقیم (ملاحظہ ہو مقیم)

۵۰۔ داراب خاں (میرزا) دفتر اول مکتوب ۱۷۔ ۲۱۵۔ ۲۴۹۔ دفتر دوم مکتوب ۸۷۔ آپ

۱۔ مآثر الامراء: ج ۱، ص ۶۷۱ و توزک جہانگیری، رود کوثر ۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۱۳۹

۳۔ مآثر الامراء: ج ۱، ص ۶۶۸

میرزا عبدالرحیم خاں خاناں کے صاحبزادے نہایت لایق وفایق اور بہت سی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ جہانگیر نے آپ کو ایک ہزاری کا منصب دے کر برار و احمد نگر کے صوبے کا حاکم مقرر کیا پھر ۱۰۳۴ھ میں بعض شکوک کی بنا پر جہانگیر کے حکم سے مہابت خاں نے آپ کو قتل کر دیا۔(۱)

۵۱۔ داؤد (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۱۸، شیخ داؤد سالکی حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ اور صاحبِ انکسار بزرگ تھے۔(۲)

۵۲۔ درویش (شیخ) دفتر اول مکتوب ۴۱۔۴۲۔۹۷۔ آپ امرائے سلطنت میں سے معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ تینوں مکتوبات میں کسی نہ کسی کے لئے امداد و سفارش مذکور ہے۔

س

۵۳۔ سلطانِ وقت۔ دفتر سوم مکتوب ۴۷۔ یعنی جہانگیر بادشاہ اصل نام سلیم تھا چونکہ حضرت سلیم چشتی علیہ الرحمہ کی دعا کی برکت سے شہزادہ کی ولادت ہوئی تھی، اس لئے اکبر بادشاہ نے اس کی پیدائش سے قبل شہزادہ کی والدہ جودا بائی کو حضرت سلیم چشتی علیہ الرحمہ کے مکان پر بھیج دیا تھا چنانچہ انہی کے مکان پر واقع فتح ریکری آگرہ میں بروز بدھ ۱۷ربیع الاول ۹۷۷ ہجری مطابق ۳۰راگست ۱۵۶۹ء کو شہزادے کی ولادت ہوئی۔ اکبر نے حصولِ برکت کی غرض سے حضرت سلیم چشتیؒ کے نام پر شہزادہ کا نام بھی ''سلیم'' رکھا۔ اور اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ درجہ پر کی گئی، اکبر کے انتقال کے بعد شہزادہ سلیم بروز جمعرات ۱۱رجمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو تخت نشین ہوا اور سلطان نورالدین جہانگیر لقب اختیار کیا، اس کے زمانے میں دکن کے بعض حصے فتح ہو کر سلطنتِ مغلیہ میں شامل کئے گئے۔ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۶۱۱ء میں غیاث الدین کی بیٹی مہرالنسا اپنے شوہر شیر افگن کے قتل ہوجانے کے تقریباً چار سال بعد شاہی حرم میں داخل ہوئی اور نور جہاں لقب پایا، نور جہاں چوں کہ ایک نہایت حسین و جمیل اور عقل مند عورت تھی، مذہباً شیعہ تھی، اس نے جہانگیر کے مزاج پر اس قدر تسلط حاصل کرلیا تھا کہ بادشاہ کی حکومت برائے نام تھی ورنہ تمام احکامِ سلطنت ملکی و مالی فیصلہ جات اور مہماتِ سلطانی صرف نور جہاں پر منحصر تھے حتیٰ کہ سکہ پر بھی نور جہاں کا نام ثبت تھا جس کی وجہ سے شیعیت کے اثرات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود ایک موقع پر جہانگیر اسی نور جہاں کو مخاطر کر کے کہتا ہے 'جان دادیم ایمان ندادیم' (ہم نے جان دی ہے ایمان نہیں دیا)

جہانگیر ایک ذہین و فطین انسان تھا اور اس کی جمالیاتی حس بہت بڑھی ہوئی تھی جس کی وجہ

۱۔ مآثر الامراء: ج ۲، ص ۱۴ ۲۔ روز القیومیہ: رکن اول، ص ۳۳۸

سے وہ شاعری، مصوری، موسیقی اور مناظر قدرت سے خاص لگاؤ رکھتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتظامِ سلطنت سے بھی غافل نہ تھا اس کا عدل و انصاف تو ضرب المثل ہے چناں چہ اس کو جہانگیر عادل کہا جاتا ہے، اس کے کردار کا بڑا پہلو یہ تھا کہ وہ شراب کا بہت عادی تھا، بعض غلط فہمیوں کی بنا پر اس نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا لیکن جلدی ہی اس نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور حضرت کو رہا کر کے انعام و اکرام سے نوازا، اس کے زمانے میں انگلستان کے اولین سفر اور بارِ مغلیہ میں آئے۔ انسٹھ سال گیارہ ماہ دس دن کی عمر میں بروز جمعرات ۲۸ رصفر ۱۰۳۷ مطابق اکتوبر ۱۶۲۷ھ کو کشمیر میں انتقال ہوا اور نعش کو لاہور کے متصل شاہدرہ میں دفن کیا گیا۔ مدتِ سلطنت بائیس سال آٹھ ماہ تیرہ دن بتائی جاتی ہے۔

۵۴۔ سلطان سرہند (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۴۵۔ ۱۱۳

۵۵۔ سکندر خان لودھی۔ دفتر اول مکتوب ۸۲۔ ۹۳

ش

۵۶۔ شاہ محمد (سید) دفتر دوم۔ مکتوب ۵۴۔

۵۷۔ شرف الدین حسین بدخشی (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۴۶۔ ۱۵۹۔ ۱۸۹۔ دفتر دوم مکتوب ۲۵۔ ۳۱۔ ۶۸۔ ۸۲۔ دفتر سوم مکتوب ۵۹۔ آپ کا لقب ہمت خاں تھا آپ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں، اکبری دور میں امارت کے مرتبہ تک پہنچے، بعد میں اکبر کے الحاد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے، آخر گرفتار کر لئے گئے۔ ایک عرصے تک قید میں رکھ کر رہا کر دیئے گئے۔ (۱)

۵۸۔ شریف خاں۔ دفتر اول مکتوب ۲۵۸۔ آپ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے صاحبزادے ہیں شریف خاں، جہانگیر کے ہم مکتب، رفیق اور جلیس رہ چکے تھے، جہانگیر کے تخت نشین ہونے پر آپ کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا اور جہانگیر نے آپ کو پنج ہزاری کا منصب اور امیر الامراء کے خطاب سے سرفراز فرمایا آخر عمر میں دکن بھیج دیا گیا تھا وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲)

۵۹۔ شمس (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۳۔ دفتر سوم مکتوب ۳۳۔ آپ حسینی سادات سے تھے، ایک زمانے تک تارک الدنیا ہو کر سیاحت کرتے رہے، جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں کی ملازمت اختیار کی اور تین ہزاری ذات اور تین ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوئے، ۱۹ رمضان ۱۰۶۷ھ کو وفات پائی (۳)

۱۔ ذخیرۃ الخوانین: ج ۱، ص ۷۹ ۲۔ مآثر الامراء: ج ۲، ص ۶۲۶

۳۔ مآثر الامراء: ج ۳، ص ۴۴۴

۶۰۔شمس الدین (میرزا) دفتر دوم: مکتوب ۱۳۔۵۰

۶۱۔شمس الدین علی خلخالی (سیادت پناہ میر) دفتر دوم مکتوب ۲۔۵۔دفتر سوم مکتوب ۱۱۔۱۴۔

۶۲۔شکیبی اصفہانی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۰۰۔۲۱۰۔آپ عبدالرحیم خان خاناں کے درِ دولت سے وابستہ تھے چنانچہ فتح ٹھٹھہ کے وقت بھی خانخاناں کے ہمراہ تھے۔اچھا شاعر ہونے کی وجہ سے آپ نے ٹھٹھہ کی فتح کی خوشی میں ایک مثنوی لکھی جس کے صلہ میں خانخاناں نے آپ کو ایک ہزار اشرفی انعام دیں۔(۱) پھر جہانگیر نے آپ کو دہلی کی صدارت پر فائز کیا۔آخر ۱۰۲۲ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔''شکیبی رفت'' تاریخ وفات ہے۔(۲)

۶۳۔شیر محمد لاہوری (ملا) دفتر سوم مکتوب ۵۱۔

ص

۶۴۔صادق کابلی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۸۔۱۴۹۔آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفا'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۵۔صالح بدخشی کولابی (ملا) دفتر مکتوب ۱۶۱۔۱۸۲۔۲۴۱۔۲۴۴۔۲۴۵۔۳۰۶۔دفتر دوم مکتوب ۳۳۔دفتر سوم مکتوب ۲۸۔۸۷۔۹۵۔آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۶۔صالح نیشاپوری (میر) دفتر اول مکتوب ۱۲۵۔۱۲۶۔

۶۷۔صدر جہاں۔دفتر اول مکتوب ۱۹۴۔۱۹۵۔مفتی صدر جہاں پہانوی بن عبدالمقتدر (پہان قنوج کے مضافات میں ایک گاؤں ہے) آپ نے شیخ عبدالنبی کی خدمت میں علم حاصل کیا کچھ دنوں ممالک محروسہ کے مفتی رہے پھر توران کی سفارت پر گئے، وہاں سے واپس آکر صدارت پر سرفراز ہوئے۔۱۰۲۷ھ میں پہان میں انتقال ہوا۔(۳)

۶۸۔صدرا (حکیم) دفتر اول مکتوب ۱۰۹۔

۶۹۔صدرالدین (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۰۔مسیح الزماں میرزا صدرالدین بن فخرالدین شیرازی حکمت وحذاقت میں شہرت پائی۔اکبری دور میں ہندوستان آئے اور جہانگیر کے زمانے میں تمام اطبا میں ممتاز ہوئے۔شاہجہانی دور میں مزید ترقی پائی۔۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔(۴) غالباً حکیم صدرا اور شیخ صدرالدین ایک ہی شخص ہیں)۔

۱۔مآثر الامراء: ج۱،ص ۶۶۳　　　۲۔بزم تیموریہ: ۱۵۷ص

۳۔نزہۃ الخواطر: ج۵،ص ۱۸۷ اور تذکرہ علمائے ہند　　　۴۔نزہۃ: ج۵،ص ۱۷۹ اور مآثر: ج۱،ص ۴،۵

۷۰۔صفر احمد رومی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۱۲۷۔ دفتر سوم مکتوب ۶۵۔ آپ کے مفصل حالات خلفا کے باب میں ملاحظہ ہوں۔

۷۱۔صلاح الدین احراری (خواجہ) دفتر سوم مکتوب ۵۸۔

۷۲۔صوفی (شیخ) دفتر اول مکتوب ۳۱۔ آپ کا نام محمد تھا، اچھے شاعر اور اکابر صوفیہ میں سے تھے، تمام علوم میں تبحر حاصل تھا، درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، بہت سے علمانے آپ سے کسب کمال کیا، عبدالرحیم خان خاناں نے اپنے کتب خانہ کا ناظم اور اپنا مصاحب بنالیا پھر گوشہ نشین ہو گئے ۱۰۳۴ھ میں انتقال ہوا۔(۱)

ط

۷۳۔طاہر بدخشی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۷۱۔ ۲۱۷۔ دفتر دوم مکتوب ۲۰۔ ۲۷۔ ۸۶۔ دفتر سوم مکتوب ۳۷۔ ۹۱۔ ۱۲۴۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ ہو۔

۷۴۔طاہر (ملا) دفتر سوم مکتوب ۲۵۔ ملا طاہر خادم دفتر سوم مکتوب ۱۰۸

۷۵۔طاہر لاہوری (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۲۵۔ ۲۲۷۔ ۲۵۵۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ع

۷۶۔عبدالباقی سارنگپوری (سیّد) دفتر دوم مکتوب ۳۹

۷۷۔عبدالجلیل تھانیسری ثم جونپوری (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۲۔ شیخ عبدالجلیل بن شمس الدین صدیقی تھانیسری ثم جونپوری، اپنے زمانے کے فقیہ، بہت متقی اور نامور علما میں سے تھے، شیخ عبدالجلیل لکھنوی سے طریقت کے تعلیم حاصل کی اور پوری عمر درس و تدریس میں گذاردی، ۸/ شوال ۱۰۷۶ھ کو جونپور میں انتقال ہوا۔(۲)

۷۸۔عبدالحق دہلوی ((فضیلت پناہی شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۵۔ دفتر دوم مکتوب ۲۹/ حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ محرم ۹۵۸ھ کے عہد میں سلیم شاہ سوری دہلی میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد حضرت سیف الدین قادریؒ سے تعلیم و تربیت پائی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ کو بچپن ہی سے حصول علم کا اس قدر ذوق تھا کہ والد ماجد کے منع کرنے

۱۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۱۸۱ ۲۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۰۰

کے باوجود شب کو کافی رات تک آپ مطالعہ کتب میں مشغول رہتے تھے اور اپنے قیمتی وقت کو کھیل کود میں ضائع نہیں کرتے تھے۔ ۹۹۵ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے وہاں شیخ عبد الوہاب متقیؒ سے اکتسابِ فیض کیا پھر واپس دہلی پہنچ کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے شرفِ بیعت حاصل کی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہے، جن میں سے بعض نہایت معرکہ آرا ہیں مثلاً لمعات اور اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ شریف کی شرحیں ہیں، مدارج النبوۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ہے، جذب القلوب فی دیارِ محبوب، مدینہ منورہ کی تاریخ ہے، زاد المتقین الی طریق الیقین، آپ کے شیوخ واستاد کے حالات پر مشتمل ہے اخبار الاخیار، اولیائے کرام کا ایک جامع تذکرہ ہے۔ شرح فتوح الغیب اور مرج البحرین تصوف پر مشہور ہیں۔ بعہد شاہجہاں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی، مہرولی مضافات دہلی میں آپ کا مزار پر انوار ہے، تاریخ ولادت ''شیخ اولیا'' اور تاریخ وفات ''فخر العلما'' سے نکلتی ہے۔

عبد الحمید بنگالی (شیخ) ملاحظہ ہو حمید بنگالی۔

۷۹۔ عبد الحی حصاری (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۷۷۔ ۲۹۱۔ ۳۰۴۔ دفتر دوم مکتوب ۷۔ ۳۷ آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفا کے باب میں صفحہ ۷۶۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۸۰۔ عبد الرحمٰن مفتی کابلی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۵۔ ۱۸۶۔ آپ فقہ، اصول اور عربی ادب کے نامور علما میں سے تھے، بہت نیک، صاحب ورع وتقویٰ بزرگ تھے، جس زمانہ میں حضرت مجددصاحبؒ آگرہ تشریف فرما ہوئے تو آپ نے حضرت سے بیعت کی اور حاضرِ خدمت ہوتے رہے (شیخ حمید بنگالی کی حضرت مجدد صاحبؒ سے ملاقات کے سلسلے میں آپ کا تذکرہ ہے) اور غالباً آپ ہی کو شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ آپ سجدہ تعظیمی کرلیں تو میں ضامن ہوں کہ آپ کو بادشاہ سے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ شاہجہاں کے زمانہ میں بھی آگرہ کے مفتی رہے۔(۱)

۸۱۔ عبد الرحمٰن (میر) ولد میر محمد نعمانؒ۔ دفتر سوم مکتوب ۴۴۔

۸۲۔ عبد الرحیم المشہور بہ خان خاناں۔ دفتر اول مکتوب ۲۳، ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۸۔ ۲۱۴۔ ۲۳۳۔ ۲۶۸۔ دفتر دوم مکتوب ۸۔ ۶۲۔ ۶۶۔ میرزا عبد الرحیم خان خاناں بن بیرم خان خاناں، بروز جمعرات ۱۴ رصفر ۹۶۴ھ ۱۵۵۶ء کو لاہور میں امیر جمال خاں میواتی کی صاحب

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۵۱۴ وحضرات القدس اردو: ج ۲، ص ۹۰

زادی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ابھی چار سال کے تھے کہ آپ کے والد کو گجرات کے علاقے میں قتل کر دیا گیا۔ اس سانحے کے بعد آپ کو آگرہ لے آئے اور سلطنت کی گود میں پرورش پائی۔ اکبر نے ازراہِ عنایت قبول سے مخصوص کیا۔ بعض درسی کتابیں مولانا محمد امین اندجانی سے پڑھیں اور بعض قاضی نظام الدین بدخشی سے، حکیم علی گیلانی اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے فوائد کثیرہ حاصل کیے، پھر گجرات پہنچے تو شیخ وجیہ اللہ بن نصر اللہ علوی گجراتی سے طریقہ اخذ کیا، چوں کہ علما کے مربی تھے اس لئے آپ کے پاس اس قدر اہل علم جمع رہتے تھے کہ بادشاہوں اور امرا میں کسی کے پاس اتنے نہیں رہے ہوں گے، ان سب سے ہمیشہ ہر فن میں استفادہ کرتے رہے یہاں تک کہ تبحر عالم ہو گئے، فضائل اور لغات میں ماہر تھے، نہایت ذہین تھے تمام آداب و اخلاق، حسن معاشرت، حلم و تواضع، اور شجاعت و سخاوت وغیرہ کے جامع تھے اکبر بادشاہ نے آپ کو اپنے لڑکے جہانگیر کا ۹۹۲ھ میں اتالیق مقرر کیا اور مرزا خان کا لقب دیا۔ اور آپ کو نقارہ اور چار قبے لوازمِ سلطنت سے اعزاز کیا، اور امیر کبیر محمد شمس الدین غزنوی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی کر دی۔ پھر یہاں تک ترقی کی کہ امارت کے سب سے اونچے درجے تک پہنچے اور آپ کے ہاتھوں گجرات اور بلادِ سندھ اور دکن کے کچھ علاقے فتح ہوئے اور بادشاہ اکبر نے آپ کو خان خاناں یعنی امیر الامرا کا لقب دیا۔ آپ بڑے صاحب کمال، بلند ہمت، سخی اور عالم و فاضل تھے، اس کے باوجود مطالعۂ کتب میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بھی آپ کے ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی۔ عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سندھی وغیرہ مختلف لغات کے ماہر تھے اور ان میں سے ہر زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت اور روانی کے ساتھ کلام کرتے تھے، نہایت عمدہ اشعار کہتے تھے، علما کی عزت کرتے اُن پر مال خرچ کرتے، اور اُن کو عطیات و وظیفے ظاہر و پوشیدہ طور پر دیتے رہتے حتیٰ کہ دور دراز ملکوں میں بھی ان کے پاس بھیجتے۔ علامہ سید غلام علی بلگرامی خزانۂ عامرہ میں لکھتے ہیں کہ اگر آپ کے عطیات کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام صفوں بادشاہوں کے عطیات کو دوسرے پلڑے میں رکھیں تو آپ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ آپ نے ۹۹۷ھ میں توزکِ بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ سلطان جہانگر کے سپہ سالار صاحب السیف والقلم بلادِ ہند بلکہ ہفت اقالیم میں ایسا مختلف فضائل کا جامع شخص شاید ہی کوئی ہو۔ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ (۱)

۸۳۔ عبد الصمد سلطانپوری (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۶۹۔

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۲۵۔ مآثر الامراء، تذکرہ علمائے ہند

۸۴۔عبدالعزیز جونپوری (شیخ) دفتر دوم مکتوب ا۔شیخ عبدالعزیز بن فخر الدین، جونپور میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی، اپنے والد سے درسی کتب پڑھیں اور سلوک کی تکمیل کی اور انہی کی مسندک ارشاد پر بیٹھے، سیرت الاولیاء لکھی جس میں اپنے مشائخ کا تذکرہ ہے، صاحب سلسلہ ہوئے (۱)

۸۵۔عبدالغفور (حافظ) دفتر سوم مکتوب ۸۴

۸۶۔عبد الغفور سمرقندی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۲۔ ۲۰۶، ۲۳۵۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے اجل خلفا میں سے تھے۔(۲)

۸۷۔عبدالقادر (حکیم) دفتر اول مکتوب ۱۰۵۔ غالباً علامہ عبد القادر بن ابی محمد بغدادی ثم الاجینی مراد ہیں جو منطق اور حکمت کے ممتاز علما میں سے تھے ۱۰۲۱ھ میں انتقال ہوا۔(۳)

۸۸۔عبدالقادر انبالی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۸۴، دفتر دوم مکتوب ۵۶۔۹۴۔ دفتر سوم مکتوب ۱۱۸۔ مولانا عبد القادر انبالی بن محمود پانی پتی ثم اجینی، آپ نے شیخ عبد المالک ابن عبد الغفور پانی پتی سے جو آپ کے بنی اعمام میں سے تھے علم حاصل کیا پھر شیخ عبدالرزاق جھنجانوی کے ہاتھ پر بیعت کی بعدۂ حج وزیارت کے لئے تشریف لے گئے، صاحب تصانیف تھے۔ ۱۰۱۱ھ میں اجین میں وفات پائی۔(۴)

۸۹۔عبدالقادر پسر شیخ زکریا۔ دفتر اول مکتوب ۹۸۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خسر شیخ سلطان کے بھائی شیخ زکریا کے صاحب زادے ہیں۔

۹۰۔عبد الکریم سنامی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۷۸، ملا عبد الکریم سنامی بن درویزہ الحنفی پشاوری، عالم اور فقیہ تھے، شیخ علی غواص ترمذی سے طریقہ اخذ کیا ''مخزن الاسلام'' تصنیف کی علاقہ یوسف زئی یاغستان میں ۱۰۷۲ھ میں وفات پائی (۵)

۹۱۔عبداللہ (پیرزادہ خواجہ محمد) دفتر اول مکتوب ۲۶۶، دفتر دوم مکتوب ۲۳۔۳۵۔۵۹، دفتر سوم مکتوب ۵۶۔۶۰۔۷۱۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۹۲۔عبداللہ (شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۰۱۔

۹۳۔عبداللہ (میر) ابن میر نعمان۔ دفتر اول مکتوب ۱۷۹۔

۱۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۲۸　　۲۔روضۃ القیومیہ: رکن اول، ۳۳۰

۳۔نزہۃ: ج ۵، ص ۲۳۲　　۴۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۳۶

۵۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۲۳۲۔ تذکرہ علمائے ہند

۹۴۔عبداللطیف خوارزمی (حاجی) دفتر سوم مکتوب ۹۸۔

۹۵۔عبدالمجید (شیخ) بن شیخ محمد مفتی لاہوری۔ دفتر اول مکتوب ۲۲۔آپ بڑے عالم وفقیہ اور صلحائے زمانہ میں سے تھے۔آپ نے حضرت مجددصاحبؒ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی زبان میں لکھا۔حضرت موصوف نے بھی اس کا جواب عربی میں دیا۔ یہ وہی مکتوب ہے۔(آپ کے والد شیخ محمد مفتی لاہوری۔اکبری دور کے بزرگ عالم اور صاحبِ کمالات تھے ان کا تذکرہ نمبر ۱۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں)(۱)

۹۶۔عبدالواحد لاہوری (مولانا) دفتر اول مکتوب ۱۱۶، ۳۰۷۔ دفتر مکتوب ۷۰۔آپ کا مفصل تذکرہ ''خلفا'' کے باب میں صفحہ ۷۶۹ پر ملاحظہ ہو۔

۹۷۔عبدالوہاب (حکیم) دفتر اول مکتوب ۱۵۷۔

۹۸۔عبدالوہاب بخاری (سیادت پناہی شیخ) دفتر اول مکتوب ۵۵، ۵۶۔ شیخ عبدالوہاب ابن یوسف بن عبدالوہاب حسینی بخاری اوچی حضرت مخدوم جہاں نیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، علماومشائخ سے علم حاصل کیا، عہدِ اکبری اور اوائلِ جہانگیری میں دہلی کی حکومت پر متعین تھے ۱۰۶۰ھ کے بعد حجاز تشریف لے گئے، حج وزیارت سے مشرف ہونے کے بعد واپس ہندوستان آگئے۔(۲)

۹۹۔عبدالہادی بدایونی (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۶۵۔مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں

۱۰۰۔عبیداللہ (پیرزادہ خواجہ محمد) دفتر اول مکتوب ۲۶۶۔ دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۷۔عبیداللہ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۱۔عرب خاں (میرزا) دفتر دوم مکتوب ۹۰۔ عہدِ جہانگیری کے امرا میں سے تھے شاہجہاں کے زمانے میں فتح آباد اور دھاروار کے قلعے دار رہے ۱۰۶۳ھ میں وفات پائی۔(۳)

۱۰۲۔علی کشمی (ملا) دفتر سوم مکتوب ۲۷۔

۱۰۳۔علی جان (میرزا) دفتر اول مکتوب ۸۹۔

۱۰۴۔عمک (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۲۷۔۲۸

۱۔نزہۃ الخواطر: ج۵،ص۲۵۹ ۲۔نزہۃ الخواطر: ج۵،ص۲۶۶۔ مآثر الامراء: ج۲،ص۴۰۴

۳۔مآثر الامراء: ج۲،ص۷۸۸

غ

۱۰۵۔غازی نائب (ملا) دفتر دوم مکتوب ۵۷۔حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلفا میں ایک صاحب مولانا غازی گجراتی ہیں جن کے متعلق صاحب روضۃ القیومیہ لکھتے ہیں: ''آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے اجازت حاصل تھی اور شریعت وطریقت کے بڑے پابند تھے''۔ لیکن یہاں ملا غازی نائب تحریر ہے اور ملا غازی نائب کا تذکرہ صاحب مآثر الامراء نے اس طرح کیا ہے کہ ان کا اصلی نام قاضی خاں تھا بدخشاں کے رہنے والے تھے مولانا عصام الدین اور ملا سعید کے شاگرد، طریقت میں شیخ حسین خوارزمی کے مرید تھے۔۹۸۲ھ میں دربار اکبری میں حاضر ہوئے ایک ہزاری منصب اور غازی خاں کا خطاب ملا۔سجدۂ زمین بوس انہی کے ذہن کی آختراع تھی۔محضر نامہ پر بھی انہی نے سب سے پہلے دستخط کئے تھے۔کئی رسالے تصنیف کئے بہتر سال کی عمر پائی۔''(۱)

۱۰۶۔غلام محمد (معارف آگاہی برادر حقیقی حضرت مجددؒ) دفتر اول مکتوب ۲۸۷، دفتر دوم مکتوب ۱۲

۱۰۷۔غلام محمد (مولانا شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۱۷۔غالباً مولانا علام محمد امروہی ابن دیار حسینی مراد ہیں۔آپ امروہہ میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی۔ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی پہنچے اور دیگر علما سے تحصیل علوم کیا پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت اختیار کر کے تعلیم طریقت حاصل کی، اچھے شعرا میں سے تھے۔۱۰۴۰ھ میں انتقال ہوا۔(۲)

ف

۱۰۸۔فتح اللہ حکیم (میرزا) دفتر اول مکتوب ۸۰۔۸۵۔۲۰۲۔حکیم مسیح الدین ابو الفتح کے ایک بھائی حکیم لطف اللہ کا لڑکا تھا۔وہ قابل اور صاحب حیثیت شخص تھا، لیکن اس نے جہانگیر کے مقابلے میں اس کے بیٹے خسرو کی حمایت کی اور آصف خاں کے چچازاد بھائی نورالدین سے مل کر یہ طے کر لیا کہ جیسے ہی موقع ملے خسرو کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جائے لیکن بعد میں جہانگیر کو اس سازش کا علم ہو گیا۔نورالدین اور اس کے کئی اور ساتھی قتل کر دیئے گئے۔حکیم فتح اللہ کی تشہیر کی گئی اور پھر اس کو اندھا کر دیا گیا۔بعد میں اپنے وطن شیراز چلے گئے وہیں وفات پائی مفتی عبد

۱۔مآثر الامراء: ج۲،ص ۸۵۳۔منتخب التواریخ حاشیہ بر صفحہ ۵۱۹

۲۔نزہۃ الخواطر: ج ۵،ص ۳۰۱

السلام لاہوری کے استاد تھے (۱)

۱۰۹۔ فتح خاں افغان۔ دفتر دوم مکتوب ۸۷۔ غالباً ملک عنبر حبشی کا لڑکا تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں مردانگی، شجاعت اور بخشش وسخاوت کے اعتبار سے مشہور ہو گیا تھا، باپ کے مرنے کے بعد نظام شاہی خاندان کا ناظم ومختار بن گیا۔ بعدہٗ نظام شاہی اور عادل شاہی حکومتوں اور سلطنتِ مغلیہ میں اس کی سیاسی سرگرمیاں رہیں جن میں اس کو کبھی اعزاز نصیب ہوا اور کبھی قید وبند کی صعوبات برداشت کرنی پڑیں۔ آخر عمر میں لاہور میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ایک مدت تک فراغت وآسودگی کی زندگی بسر کی یہاں تک کہ طبعی موت مر گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ عرب کے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتا تھا اور ان کو دل کھول کر روپیہ دیتا تھا۔ (۲)

۱۱۰۔ فرخ حسین (مولانا) دفتر دوم مکتوب ۶۷۔ مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں

۱۱۱۔ فرید بخاری (سیادت پناہ نواب شیخ)۔ دفتر اول مکتوب ۴۳۔ تا ۵۴۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۱۰۳۔ ۱۵۲۔ ۱۶۳۔ ۱۹۳۔ ۲۱۳۔ ۲۳۳۔ ۲۶۹۔ شیخ فرید ولد احمد صحیح النسب سید تھے، دہلی میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی۔ تحصیلِ علوم کے بعد اکبر بادشاہ کے ملازم ہو گئے اور اپنی معاملہ فہمی، ذہانت، ایمان داری، دیانت داری اور بہادری کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کر لی، شیخ فرید درویش صفت امیر تھے جن پر بڑے بڑے مشائخ کو رشک آتا تھا، حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ''شیخ فرید کے حقوق کا میرے تمام مریدوں کو خیال رکھنا چاہئے''۔ شیخ کے دسترخوان پر روزانہ پانچ سو آدمی کھانا کھاتے تھے۔ اور پانچ سو آدمیوں کے گھر پر کھانا بھیجا جاتا تھا اور جب شیخ باہر تشریف لے جاتے تو ملازمین روپوں اور اشرفیوں کی تھیلیاں ساتھ لئے ہوتے جن کو آپ خیرات کرتے جاتے تھے، اس کے باوجود شیخ نے کوئی جائداد نہیں بنائی، رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا لیکن مسافروں کے لئے انہوں نے جگہ جگہ سرائیں تعمیر کیں، مرنے کے بعد صرف ایک ہزار اشرفیاں اثاثہ چھوڑا۔ آپ ہی وہ امیر کبیر ہیں جن کو شہنشاہ اکبر کے مرنے کے بعد تمام امرا نے اپنا نمائندہ بنا کر جہانگیر کے پاس بھیجا تھا کہ ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اپنے باپ کی طرح کوئی نیا دین نہ بنائیں۔ آپ کے متعلق خود جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ ''شیخ فرید میرے والد کی خدمت میں میر بخشی تھے میں

۱۔ تجلیات ربانی: ص ۱۰۰۔ مآثر الامراء: ج ۱ ص ۵۵۸۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۳۰۳

۲۔ مآثر الامراء: ج ۳ ص ۳

نے ان کو خلعت، شمشیر مرصع، دوات وقلم مرصع مرحمت فرما کر اسی خدمت پر بحال رکھا اور ان کی سربلندی کے لئے مابدولت نے فرمایا کہ مابدولت تم کو صاحب السیف والقلم جانتے ہیں"۔ اس کے بعد مرتضیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ شیخ فرید جہانگیری دور میں صوبہ گجرات اور پنجاب کے گورنر رہے، اور اسی عہد پر ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ دہلی میں منصور کے مقبرے کے قریب چراغ دہلی کے راستہ پر شیخ کا مزار ہے۔ (۱)

۱۱۲۔ فرید تھانیسری (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۴۱۔

۱۱۳۔ فرید راہنونی (شیخ) دفتر مکتوب ۲۹۹۔

۱۱۴۔ فیض اللہ پانی پتی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۳۰۸۔

ق

۱۱۵۔ قاسم (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۹۰۔

۱۱۶۔ قاسم علی بدخشی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۱۸۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۷۔ قربان (صوفی) دفتر اول مکتوب ۱۱۴۔ (صوفی قربان بیگ) دفتر اول مکتوب ۲۸۳۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ، صاحب حال وذوق اور سنتِ نبوی ﷺ کے بڑے پابند تھے۔ (۲)

۱۱۸۔ قربان جدید (صوفی) دفتر سوم مکتوب ۹۷۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے مخصوص احباب میں سے تھے آپ بھی خلافت سے مشرف ہوئے۔ (۳)

۱۱۹۔ قلیج خاں۔ دفتر اول مکتوب ۲۴، ۶، ۷، ۱۴۱۔ (ترکی زبان میں قلیج شیر کو کہتے ہیں) آپ کی شہرت قلیج خاں اندجانی کے نام سے ہے۔ آپ کے باپ دادا کا سلاطینِ چغتائیہ کے دربار میں کافی اثر ورسوخ رہا۔ خود قلیج خاں نے شہنشاہ اکبر کی خدمت میں خوب قرب واعتبار حاصل کیا۔ ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں اکبر نے سورت کا قلعہ فتح کر کے اس کو قلیج خاں کی نگرانی میں دے دیا کئی سال کے بعد گجرات بھیج دیئے گئے تاکہ وہاں عمال کی مدد کریں۔ پھر وزارت کی ذمے داری بھی آپ کو دے دی گئی۔ چونتیسویں سال جلوس میں آپ کو سنبھل کی جاگیر ملی۔ ۱۰۰۵ھ/۱۵۰۶ء میں چار ہزار پانچ سو منصب پر فائز ہوئے، جہانگیر کے ابتدائی دور میں گجرات اور پنجاب کے صوبیدار

۱۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۳۰۱۔ مآثر الامراء: ج ۲، ص ۶۳۴۔ توزک جہانگیری وغیرہ

۲۔ روضۃ القیومیہ: ص ۳۳۹ ۳۔ روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۳۳۹

ہے۔ آپ نہایت متقی اور پرہیز گار تھے، کہتے ہیں کہ پنجاب کی صوبیداری کے زمانے میں ایک پہر تک مدرسے میں آپ فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس دیتے اور علوم شرعیہ کی ترویج واشاعت بہت کوشش کرتے ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی، آپ کے اکثر صاحبزادوں نے امارت کا درجہ پایا۔ مآثر الامراء ج ۳ص ۶۱ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے برادرِ نسبتی تھے۔ (۱)

۱۲۰۔ قلیج اللہ بن قلیج خاں۔ دفتر مکتوب ۴۳۔ ۷۷۔ ۱۸۴۔ دفتر دوم مکتوب ۳۲۔ آپ قلیج خاں مذکور کے صاحب زادے اور مآثر الامراء کے بیان کے مطابق جہانگیری دور کے امرامیں سے تھے۔

ک۔ گ۔ ل

۱۲۱۔ کبیر (شیخ) دفتر اول مکتوب ۹۱۔ ۹۲۔ غالباً شیخ کبیر بن شیخ منور لاہوری مراد ہیں جنہوں نے فیضی کا تقرب حاصل کر کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ (۲)

۱۲۲۔ کوچک بیگ حصاری۔ دفتر اول مکتوب ۲۰۱

۱۲۳۔ گدا (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۴۹۔

۱۲۴۔ لالہ بیگ۔ دفتر اول مکتوب ۸۱۔ آپ اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے بہار کے گورنر بھی رہے۔ آپ نے صوفیہ کا ایک مبسوط تذکرہ ثمرات القدس من شجرات الانس کے نام سے لکھا ہے۔ (۳)

م

۱۲۵۔ محب اللہ مانک پوری (میر سیّد) دفتر اول مکتوب ۲۷۴۔ ۲۸۵۔ ۲۹۸۔ ۳۰۵۔ دفتر دوم مکتوب ۱۹۔ ۸۹۔ دفتر سوم مکتوب ۳۔ ۷۔ ۱۳۔ ۲۹۔ مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲۶۔ محب علی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۶۲۔ مولانا محب علی بن صدر الدین ٹھٹوی سندھی فقیہ وشاعر تھے۔ آپ کے دادا علی سلطان بابر کے ساتھ ہندوستان آئے اور شہید ہوگئے والد ماجد نے ہمایوں کے ہمراہ بلادِ ہند کا سفر کیا اور ٹھٹہ میں سکونت اختیار کرلی، چناں چہ آپ کی ولادت ٹھٹہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں اُٹھ گیا۔ آپ نے بڑی محنت سے علم حاصل کیا۔ جب عبدالرحیم خان خاناں نے سندھ فتح کیا تو آپ اُن کے ہمراہ آگرہ چلے گئے پھر ایک عرصہ بعد برہان پور جا کر گوشہ

۱۔ حضرات القدس اردو: ج ۲، ص ۲۲۸ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۳، ص ۳۱۵۔ منتخب التواریخ

۳۔ برحاشیہ مآثر الامرا: ج ۲، ص ۳۸۶

نشین ہوگئے۔اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی پھر شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری سے طریقت کی تکمیل کی۔اس کے بعد حرمین شریفین چلے گئے۔حج کر کے واپس برہانپور آئے تو شاہجہاں بادشاہ اپنے ہمراہ دہلی لے آئے وربقیہ زندگی شاہجہاں کی مصاحبت میں گزاری ۱۰۴۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔(۱)

۱۲۷۔محمد لاہوری (مولانا شیخ العالم حاجی) دفتر اول مکتوب ۲۶۔۳۳ تا ۳۶۔آپ لاہور کے بڑے عالم اور صاحب کمال اساتذہ میں سے تھے۔آپ کا گھرانہ علم وفضل کا مرکز تھا۔مفتی کے عہدے پر فائز رہے، صحیح بخاری اور مشکوٰۃ کا جب بھی ختم ہوتا تو بہت پر تکلف محفل منعقد کرتے، بڑی عمر پائی۔آپ کی تمام اولاد علم وکمال میں باپ کا نمونہ تھی۔(۲)

۱۲۸۔محمد اشرف کابلی (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۳۱۔۱۴۷۔۱۷۴۔۱۸۷۔۲۰۵۔۲۲۲۔۲۳۵۔۲۵۱۔دفتر دوم مکتوب ۳۰۔دفتر سوم مکتوب ۱۰۷۔آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔حضرت نے آپ کو فنائے اتم کی خوشخبری دی اور آپ نے باطنی سلوک کی تکمیل کر کے خلافت پائی۔(۳)

۱۲۹۔محمد افضل (مولانا) دفتر دوم مکتوب ۴۳۔غالباً مولانا محمد افضل پانی پتی مراد ہیں جو پانی پت کے مشہور علما میں سے تھے، انشاء شعر اور علوم حکمیہ میں ممتاز تھے، شب وروز درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔یا کوئی اور مولانا محمد افضل ہیں، جو شہزادہ خرم کے معتمد تھے اور شہزادے نے ان کو مفتی عبدالرحمٰن کے ہمراہ حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں سجدۂ تعظیمی کے سلسلے میں بھیجا تھا۔

۱۳۰۔محمد امین کابلی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۶۶۔۱۹۹۔غالباً مولانا محمد امین بن خواجہ حسینی الہروی ثم لاہوری مراد ہیں۔آپ ہرات میں پیدا ہوئے۔وہاں سے قندھار آئے، شیخ زین الدین خوافی سے تحصیل علوم کیا، عہد اکبری میں ہندوستان آئے اور ملک پور (مضافاتِ لاہور میں بود و باش اختیار کی ۸۶ سال کی عمر پائی۔(۴)

۱۳۱۔محمد تقی (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۳۶۔۵۸۔۶۰۔

۱۳۲۔محمد چتری (شیخ) دفتر اول مکتوب ۳۷۔۳۸۔۳۹۔۴۰۔۲۹۳۔آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے اجل خلفا میں سے تھے۔حضرتؒ کی خدمت کر آپ نے سلوک باطنی حاصل کر کے

۱۔نزہۃ الخواطر: ج ۵،ص ۳۲۲
۲۔منتخب التواریخ: ص ۶۴۵
۳۔روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۳۴۰
۴۔نزہۃ الخواطر: ج ۵،ص ۳۶۱

خلافت پائی ہزار ہا لوگوں نے آپ سے بیعت کی، آپ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔(۱)

۱۳۳۔محمد سعید (مخدوم زادگی خواجہ) مکتوبات شریفہ میں چوبیس مکتوبات ایسے ہیں جن میں تیرہ مکتوبات صرف آپ کے نام ہیں وہ یہ ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۵۹۔۲۹۶۔۳۱۱۔دفتر دوم ۳۔ ۷۱۔۹۱۔دفتر سوم مکتوب ۴۶۔۴۸۔۶۱۔۷۳۔۷۷۔۸۸۔۹۳۔اور نو مکتوب پر آپ کے اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہما دونوں کے نام درج ہیں وہ یہ ہیں: دفتر دوم مکتوب ۵۵۔۹۸۔ دفتر سوم مکتوب ۲۔۴۳۔۶۴۔۷۸۔۸۲۔۱۰۴۔نیز دو مکتوبات میں صرف ''بزرگ صاحبزادوں کے نام'' لکھا ہوا ہے۔دفتر سوم مکتوب ۸۳۔۱۰۶۔

محمد شرف الدین حسین بدخشی (خواجہ) (ملاحظہ ہو شرف الدین حسین)

۱۳۴۔محمد شریف۔دفتر اول مکتوب ۹۶۔غالباً معتمد خاں بخشی مراد ہیں۔آپ کا اصل نام محمد شریف تھا اور معتمد خاں کے خطاب سے سرفراز تھے، کئی سال تک احدیوں کے بخشی بھی رہے، کوئی وقت ایسا نہیں گزرا کہ کسی نہ کسی منصب پر فائز نہ رہے ہوں۔جب جہانگیر پہلی مرتبہ کشمیر جارہا تھا تو آپ نے راستے میں اس کے لئے ہر چیز مہیا کی جس کی وجہ سے بادشاہ کی نظر کرم آپ پر اور زیادہ ہوگئی، آپ کو تاریخ سے بے حد لگاؤ تھا اور تاریخ عالم کی متعدد کتابیں مہیا کی تھیں، فتحپور ردیوی کا پرگنہ آپ کو جاگیر میں ملا تھا جس کا انتظام ایک خواجہ سرا کے ہاتھ میں تھا، شاہجہاں کے زمانے میں انتقال ہوا۔(۲)

۱۳۵۔محمد صادق (مخدوم) زادہ میاں خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۸۱، ۲۰۸، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۶۰۔آپ کا مفصل تذکرہ اولادِ امجاد کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۶۔محمد صادق کشمیری (مولانا) دفتر اول مکتوب ۱۰۶، ۱۰۷۔دفتر دوم ۲۲۔۲۸۔دفتر سوم مکتوب ۳۹۔مولانا محمد صادق کشمیری ابن کمال الدین حنفی اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے تھے۔فقیر محمد دہلوی نے آپ کا تذکرہ ''حدائق الحنفیہ'' میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ بڑے فصیح و بلیغ حاضر دماغ علما میں سے تھے۔جزئیات خوب یاد تھیں۔منطق، حکمت اور طب میں بڑی مہارت حاصل تھی، اسی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو اپنی مجلس میں بلایا اور ملا حبیب اللہ شیعہ سے مناظرہ کرایا، آپ نے اس کو لاجواب کر کے ساکت کر دیا تھا۔کشمیر میں انتقال ہوا۔(۳)

۱۳۷۔محمد صادق ولد حاجی محمد مومن۔دفتر دوم مکتوب ۴۴۔

۱۔روضۃ القیومیہ: رکن اول، ص ۳۳۹ ۲۔ذخیرۃ الخوانین: ج ۲، ص ۲۵۳

۳۔نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۳۷۸

مولانا محمد صالح بدخشی کولابی (ملاحظہ ہو صالح بدخشی کولابی)

۱۳۸۔محمد صدیق بدخشی (حقائق آگاہ مولانا) ملقب بہ ہدایت۔ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ تا ۱۳۶، ۱۶۲، ۱۷۶، ۱۸۸، ۲۱۲۔ دفتر دوم مکتوب ۲۱۔ ۵۱۔ دفتر سوم مکتوب ۸۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۹۔محمد طالب بدخشی (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۴۸۔

۱۴۰۔محمد طالب بیانکی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۳۷۔

مولانا محمد طاہر بدخشی (ملاحظہ ہو طاہر بدخشی)

مولانا محمد طاہر لاہوری (ملاحظہ ہو طاہر لاہوری)

۱۴۱۔محمد عارف ختنی (ملا) دفتر دوم مکتوب ۹۔

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ (ملاحظہ ہو عبداللہ۔

پیرزادہ خواجہ محمد عبیداللہ (ملاحظہ ہو عبیداللہ)

۱۴۲۔محمد فرکتی (مولانا، حاجی) دفتر اول مکتوب ۳۰۹۔ دفتر دوم مکتوب ۲۴۔۳۰۔ آپ بظاہر اہل سپاہ میں سے ہیں اور بباطن حضرت مجددؒ کی خانقاہ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔(۱)

خواجہ محمد قاسم بدخشی (دفتر دوم مکتوب ۴۷)

۱۴۳۔محمد قلیج خاں ملاحظہ ہو محمد مراد (بدخشی کشمی (ملا) خادم میر محمد نعمان۔ دفتر دوم مکتوب ۶۹۔ دفتر سوم مکتوب ۲۴۔

۱۴۴۔محمد مراد تو ربیگی۔ دفتر دوم مکتوب ۸۱

۱۴۵۔محمد معصوم (مخدوم زادگی مجد الدین خواجہ) مکتوباتِ شریفہ میں ستائیس مکتوبات ایسے ہیں، جن میں سولہ مکتوب صرف آپ کے نام ہیں وہ یہ ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۲۹۴، ۳۰۰، ۳۰۲۔ دفتر دوم مکتوب ۶، ۱۱، ۷۲، ۷۳۔ دفتر سوم مکتوب ۵۳، ۶۲، ۷۴، ۷۶، ۷۹، ۸۰، ۹۴، ۱۰۹، ۱۱۰۔ اور نو مکتوب آپ کے اور حضرت خواجہ محمد سعیدؒ دونوں کے نام ہیں جو حسب ذیل ہیں، دفتر دوم مکتوب ۵۵، ۹۸، دفتر سوم مکتوب ۲، ۴۳، ۷۸، ۸۲، ۸۵، ۱۰۴۔ نیز مکتوب ایسے ہیں جن میں صرف، ''بزرگ صاحبزادوں کے نام'' لکھا ہے وہ یہ ہیں دفتر سوم مکتوب ۸۳، ۱۰۶۔ آپ کا مفصل تذکرہ ''اولاد امجاد'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔زبدۃ المقامات: ص ۳۸۹

۱۴۶۔محمد معصوم کابلی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۰، ۱۸۳۔آپ علوم حکمیہ کے بہت بڑے عالم تھے چنانچہ مخدوم زادۂ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ نے علوم حکمیہ آپ ہی سے پڑھے تھا۔ ۱۰۲۶ھ میں انتقال ہوا۔

۱۴۷۔محمد مقیم قصوری۔ دفتر سوم مکتوب ٦٦۔محمد مقیم قصوری اپنے والد شاہ ابوالمعالی کے انتقال کے وقت کم سن تھے، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد تلاشِ مرشد میں لاہور پہنچے اور حیات المیر زندہ پیر کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوئے اور خلافت پائی۔۱۰۵۵ھ میں انتقال ہوا۔(۱)

۱۴۸۔محمد مکی (شیخ) بن حاجی قاری موسیٰ لاہوری۔ دفتر اول مکتوب ۲۱۔

۱۴۹۔محمد مودود (برادر حقیقی (حضرت مجددؒ) میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۲۶۔ دفتر دوم مکتوب ۱۰،

۱۵۰۔محمد مومن ولد مرحوی خواجہ علی خان۔دفتر دوم مکتوب ۶۴۔

۱۵۱۔محمد نعمان بدخشی کشمی (سیادت مآب میر) دفتر اول مکتوب ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۶، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۸۱، ۳۱۲، دفتر دوم مکتوب ۴، ۹۲، ۹۹، دفتر سوم مکتوب ۱، ۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۶، ۳۰، ۳۶، ۴۹، ۱۰۲۔آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۲۔محمد ہاشم بدخشی کشمی (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۱۳۔ دفتر دوم مکتوب ۴۷، ۹۳، ۹۷، دفتر سوم مکتوب ۴۲، ۵۲، ٦۸، ۷۵، ۹۰، ۹۲، ۹٦۔آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۳۔محمد ہاشم خادم (مولانا) دفتر دوم مکتوب ٦۵۔آپ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خادم ہیں، آپ ہی بوقتِ رحلت استنجا کے بغیر ریت کا طشت لائے تھے، حضرتؒ نے فرمایا اس طشت میں ریت لاؤ بغیر ریت کے قطرات اڑیں گے۔ (ملاحظہ ہو ص: ۲۳۲)

۱۵۴۔محمد یوسف (شیخ) دفتر اول مکتوب ۵۷۔

۱۵۵۔محمود لاہوری (حافظ) دفتر اول مکتوب ۱۴۴، ۱۷۵، ۲۸۰۔ (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۸۹ پر حافظ محمود گجراتی درج ہے) آپ کا تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ ہو)

۱۵٦۔محمود (سیادت پناہی سید) دفتر اول مکتوب ۵۸ تا ٦۱۔ دفتر دوم مکتوب ۸۳۔ غالباً سید

۱۔حدیقۃ الاولیاء: ص ۱۹

محمود بارہہ مراد ہیں، آپ سادات بارہہ سے تھے، سنبھل وطن تھا، شجاعت وسخاوت میں مشہور تھے۔ اکبر نے پنج ہزاری کی خلعت سے نوازا، ایک مرتبہ کسی نے مذاق میں آپ سے کہا کہ آپ سادات سے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ اسی وقت اس آگ میں جا کر کھڑے ہو گئے جو ملنگ فقیر دھونی کے لئے جلائے رکھتے ہیں اور فرمایا ''اگر سیدم آتش کار گر نیست واگر سید نیستم می سوزم دلیل دیگر از حسب ونسب ندارم'' اور تقریباً ایک ساعت اس آگ میں کھرے رہے لوگوں نے بڑی منت سماجت کی تو باہر تشریف لائے۔ مخملی جوتا جو آپ کے پاؤں میں تھا اس کا رواں تک نہ جلا۔(۱) ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

۱۵۷۔ محمود (پہلوان) دفتر اول مکتوب ۸۷، ۸۸، ۱۹۷۔

مرتضیٰ خاں۔ دفتر اول مکتوب ۲۶۹۔ (ملاحظہ ہو شیخ فرید بخاری)

۱۵۸۔ مزمل (میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۵۳ تا ۱۵۶۔ مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ ہو

۱۵۹۔ مظفر (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۰۲۔

۱۶۰۔ مظفر خاں (مرزا) دفتر اول مکتوب ۱۷۸۔ دفتر دوم مکتوب ۷۵۔

۱۶۱۔ مقصود علی تبریزی۔ دفتر دوم مکتوب ۹۵۔ دفتر سوم مکتوب ۲۲۔ ۳۲۔

۱۶۲۔ مقیم (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۲۸۔

۱۶۳۔ مریز خاں افغان۔ دفتر سوم مکتوب ۵۵۔ مریز خاں بن عیسیٰ خاں نیازی، خان جہاں کے ساتھیوں میں سے تھے اور منصب پر فائز تھے۔ عہدِ شاہجہانی میں ۱۰۴۰ھ میں جب خان جہاں لودھی باغی ہو کر آگرہ سے دھولپور کی طرف بھاگا تو اس کے مصاجین ومعاون نے شاہی دستہ سے مقابلہ کیا جس میں بہت سے آدمی مارے گئے ان میں مریز خاں بھی تھا۔

۱۶۴۔ منصور عرب۔ دفتر اول مکتوب ۱۸۵، ۱۹۶۔

۱۶۵۔ منصور (میر) دفتر سوم مکتوب ۶۳، ۶۷، ۱۲۰۔ جس وقت جہانگیر مہابت خاں کی حراست میں تھا اس وقت میر منصور بدخشی نے ترکی زبان میں جہانگیر سے کہا تھا کہ یہ تحمل کا وقت ہے(۲)

۱۶۶۔ منوچہر (میرزا) دفتر سوم مکتوب ۳۵۔ میرزا منوچہر بن میرزا ایرج شاہنواز خاں بن عبدالرحیم خاں بیرم خانی خاندان کی یادگار ہے، جہانگیر نے اس کو میرزا خاں کے خطاب ومناصب

۱۔ ذخیرۃ الخوانین: ج ۲، ص ۱۸۲ ۲۔ مآثر: ج ۳، ص ۳۳۴

وغیرہ سے نوازا۔ ۱۰۸۲ھ میں وفات پائی۔(۱)

۱۶۷۔ مودود محمد (مولانا شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۱۹۔

۱۶۸۔ موسیٰ شوجین سہرند (قاضی) دفتر سوم مکتوب ۶۹ غالباً آپ اسحق کے والد ہیں جن کا تذکرہ نمبر ۱۱ میں ہے۔

۱۶۹۔ مؤمن بلخی (میر) دفتر اول مکتوب ۱۵۱۔ دفتر سوم مکتوب ۹۹۔

۱۷۰۔ مہدی علی کشمیری (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۵۲۔

ن

۱۷۱۔ نصر اللہ (قاضی) دفتر سوم مکتوب ۵۰،

۱۷۲۔ نظام تھانیسری (شیخ)۔ دفتر اول مکتوب ۲۹، ۳۰، شیخ نظام الدین بن شیخ عبد الشکور عمری بلخی تھانیسری، ظاہری و معنوی کمالات سے متصف، شریعت و طریقت اور علم و عمل کے جامع تھے، نیز حقیقت و معرفت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے چچا شیخ جلال الدین عمری تھانیسری سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے شہزادہ خرم کے ساتھ تعاون کرنے پر جہانگیر سے مخالفت ہو گئی تھی۔ ۱۰۲۴ھ میں بلخ میں وفات پائی۔(۲)

۱۷۳۔ نظام (سیّد) دفتر اول مکتوب ۱۲۹۔ غالباً سیّد نظام مرتضی خاں مراد ہیں جو میران صدر جہاں حسینی نہانی کے چھوٹے فرزند تھے۔ باپ نے تعلیم و تربیت بہت اچھی کی، تحصیل علوم کے بعد شاہی ملازمت میں بڑے منصب پر پہنچے، دولت آباد کی مہم میں کار نمایاں انجام دیئے۔ مہابت خاں نے آپ کو دولت آباد کا قلعہ دار بنانا چاہا لیکن آپ نے اس عہدہ کو قبول نہیں کیا۔ آخر مہابت خاں نے مرتضٰی خاں کا خطاب دیکر دلمواور بسان کی مہم پر بھیج دیا جس کو آپ نے سر کر لیا۔ اس کے بعد اسی علاقے میں عزت کی زندگی گزاری (۳)

۱۷۴۔ نور الحق (شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۰۰۔ آپ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں، بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، اپنے والد ماجد سے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے مرید ہو کر سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے مشرف

۱۔ مآثر الامراء: ج ۳، ص ۴۸۷ ۲۔ نزہۃ الخواطر: ج ۵، ص ۴۱۸۔ و تذکرہ علمائے ہند

۳۔ ذخیرۃ الخوانین: ج ۲، ص ۲۴۲

ہوئے اس کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم مجددی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہو کر اعلیٰ مقامات حاصل کئے۔ شاہجہاں کے زمانے میں اکبر آباد کے قاضی مقرر ہوئے صاحب تصانیف تھے۔ ۱۰۷۳ھ میں نوے سال کی عمر میں دہلی میں انتقال ہوا(۱)

۱۷۵۔ نور (شیخ)۔ دفتر اول مکتوب ۱۷۰۔

۱۷۶۔ نور محمد (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۷۰۔ دفتر دوم مکتوب ۸۵۔

۱۷۷۔ نور محمد تہاری (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۳۴۔ دفتر سوم مکتوب ۱۱۱۔ ۱۲۳۔

شیخ نور محمد پٹنی کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ ہو (نمبر ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶ اغالباً ایک ہی بزرگ ہیں)

۱۷۸۔ نور محمد انبالی۔ دفتر دوم مکتوب ۶۳۔

ہ

۱۷۹۔ ہردے رام۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۷۔

ی

۱۸۰۔ یار محمد جدید بدخشی طالقانی۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۰۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸۱۔ یار محمد قدیم بدخشی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۱۷، ۲۱۱۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸۲۔ یوسف برکی (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۷۷۔ دفتر دوم مکتوب ۷۹۔ آپ کا تذکرہ خلفا کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸۳۔ یوسف کشمیری مؤذن (حاجی) دفتر اول مکتوب ۲۹۵، ۳۰۳۔ دفتر دوم مکتوب ۳۸۔

بغیر نام کے مکاتیب

۱۸۴۔ بزرگ مخدوم زادوں کے نام، دفتر سوم مکتوب ۸۳، ۱۰۶

۱۸۵۔ بغیر نام، دفتر سوم مکتوب ۱۱۴

ا۔ تذکرہ علمائے ہند۔ خزینۃ الاصفیاء

۱۸۶۔ بعض احباب کے نام، دفتر دوم مکتوب ۶۱

۱۸۷۔ پرگنہ جرک کے کسی حاکم کے نام، دفتر اول مکتوب ۸۶

۱۸۸۔ پرگنہ مستکن کے قاضیوں کے نام، دفتر اول مکتوب ۱۰۴

۱۸۹۔ سامانہ کے بزرگ سادات، قاضیوں اور رئیسوں کے نام، دفتر دوم مکتوب ۱۵

۱۹۰۔ ایک صالحہ خاتون کے نام، دفتر سوم مکتوب ۱۷، ۴۱

۱۹۱۔ گردونواح کے ایک شیخ کے نام، دفتر دوم مکتوب ۵۳

۱۹۲۔ والدہ میر محمد امین کے نام، دفتر سوم مکتوب ۳۴

۱۹۳۔ یکے از فرزندان میر محمد نعمان بدخشی، دفتر اول مکتوب ۱۹۰

کتابیات

۱۔ اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ۔ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد، کراچی ۱۳۸۳ھ

۲۔ اخبار الاخبار۔ (فارسی) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲ھ

۳۔ اخبار الاخبار۔ (اردو ترجمہ) دارالاشاعت، کراچی ۱۹۶۸ء

۴۔ اربع انہار۔ حضرت شاہ ابوسعید نقشبندی مجددی

۵۔ اشعۃ اللمعات۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۳۲ھ

۶۔ اصح السیر۔ ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری۔ کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۷۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ۔ ڈاکٹر محمد مظہر بقا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۷۳

۸۔ انوار احمدیہ۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری۔ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

۹۔ بزم تیموریہ۔ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ

۱۰۔ بزم صوفیہ۔ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ

۱۱۔ بہجۃ الانظار فی برأت الابرار۔ حضرت مخدوم محمد معین تتوی۔ (فارسی مخطوطہ) مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی

۱۲۔ تابعین۔ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ

۱۳۔ التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول۔ الشیخ منصور علی ناصف۔ دارالاحیاء و الکتب العربیہ، مصر

۱۴۔ تاریخ دعوت و عزیمت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۱۵۔ تاریخی مقالات۔ ڈاکٹر محمد اسلم۔ ندوۃ المصنفین، لاہور ۱۹۷۰ء

۱۶۔ تائید مذہب اہل سنت۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ ترجمہ: مولانا محبوب الٰہی۔ ادارہ سعدیہ مجددیہ، لاہور ۱۳۸۸ھ

۱۷۔تجلیاتِ ربانی۔مولانا نسیم احمد فریدی، امروہوی

۱۸۔تذکرہ مجدد الف ثانیؒ۔مولانا منظور احمد نعمانی۔الفرقان، لکھنؤ ۱۹۶۰ء

۱۹۔تذکرہ علمائے ہند۔مولانا رحمان علی۔مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۴

۲۰۔تذکرہ علمائے ہند۔ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب قادری۔پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء

۲۱۔ترجمان السنہ۔مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ۔ندوۃ المصنفین، دہلی

۲۲۔تفسیر ابن کثیر۔حافظ ابن کثیر

۲۳۔تفسیر عزیزی۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

۲۴۔تفسیر مظہری۔قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی فانی فتی۔ندوۃ المصنفین، دہلی

۲۵۔تقصار جیود الاحرار۔نواب صدیق حسن خاں، مطبع شاہجہانی، بھوپال ۱۲۹۸ھ

۲۶۔تہلیلیہ (عربی اردو ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ادارۂ مجددیہ، کراچی ۱۳۸۴ھ

۲۷۔توزکِ جہانگیری۔جہانگیر بادشاہ۔پرائیویٹ پریس، علی گڑھ ۱۲۸۱ھ

۲۸۔توزکِ جہانگیری۔ترجمہ: سلیم واحد سلیم۔مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۰ء

۲۹۔جامع المجددین۔مولانا عبدالباری لکھنوی۔مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ ۱۳۶۹ھ

۳۰۔جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد۔امام محمد بن محمد بن سلیمان السید عبداللہ ہاشم المدنی۔مدینہ منورہ

۳۱۔جمہرۃ الانساب۔ابن حزم اندلسی

۳۲۔جواہر علویہ۔مولانا عبدالرؤف احمد۔ملک فضل الدین چنن الدین، لاہور

۳۳۔جواہر مجددیہ۔خواجہ احمد حسین امروہوی۔ملک فضل الدین چنن الدین، لاہور

۳۴۔جواہر معصومیہ۔خواجہ احمد حسین امروہوی۔ملک فضل الدین چنن الدین، لاہور

۳۵۔حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ۔خلیفہ محمد حسن کرتپوری۔چنن الدین، لاہور

۳۶۔حالات ومقامات۔مولوی عبدالاحد۔مطبع مجتبائی، دہلی

۳۷۔حدیقۃ الاولیا۔مفتی غلام سرور لاہور۔مطبع نامی نولکشور، کانپور ۱۹۰۶ء

۳۸۔حسنات الحرمین۔ترجمہ یواقیت الحرمین۔خواجہ عبیداللہؒ، فرزند حضرت خواجہ محمد معصومؒ، (فارسی مخطوطہ مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی)

۳۹۔ حضرات القدس (فارسی) حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ۔ محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء

۴۰۔ حضرات القدس (اردو) حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ۔ اللہ والوں کی قومی دکان، لاہور ۱۳۴۳ھ۔

۴۱۔ حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین۔ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید۔ جمال پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۷۲ء

۴۲۔ حیات باقی۔ مولانا رشید احمد ارشد۔ دستگیر کالونی، کراچی ۱۹۶۹ء

۴۳۔ خزینۃ الاصفیا۔ مفتی غلام سرور۔ مطبع نامی نولکشور، کانپور ۱۳۳۲ھ

۴۴۔ دربار قادری۔ شاہ محمود علی مائل کرنالی۔ مطبوعہ اشرف پریس، لاہور ۱۹۵۸ء

۴۵۔ دور المکنونات النفیسہ (معرب مکتوبات) شیخ مراد منزلوی۔ مطبع میریۃ الکائنہ، مکہ مکرمہ ۱۳۱۶ھ

۴۶۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ ڈاکٹر محمد اسلم۔ ندوۃ المصنفین، لاہور ۱۹۷۰ء

۴۷۔ ذخیرۃ الخوانین۔ ڈاکٹر سید معین الحق۔ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی

۴۸۔ ذکر المعارف۔ سید شوکت حسین۔ الہ آباد ۱۳۴۲ھ

۴۹۔ رحمۃ للعالمین۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔ شیخ غلام علی تاجر کتب، لاہور ۱۳۵۳ھ

۵۰۔ رشحات معرب۔ شیخ محمد مراد منزلوی۔ مطبع میریۃ الکائنہ، مکہ مکرمہ ۱۳۰۰ھ

۵۱۔ رودِ کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی ۱۹۷۰ء

۵۲۔ روضۃ القیومیہ۔ خواجہ کمال الدینؒ۔ اللہ والوں کی قومی دوکان، لاہور ۱۳۳۵ھ

۵۳۔ زبدۃ المقامات۔ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمیؒ۔ مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۳۰۷ھ۔

۵۴۔ سبحۃ المرجان۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی۔ مطبوعہ ملک الکتاب، بمبئی ۱۳۰۳ھ

۵۵۔ سبع سیارہ مع ایضاح الطریقہ۔ حضرت شاہ غلام علیؒ۔ مطبع احمدی، رامپور ۱۸۹۹ء

۵۶۔ سفینۃ الاولیا۔ دارا شکوہ۔ مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۳۱۸ھ

۵۷۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ محمد احسان اللہ عباسی گورکھپوری۔ رامپور ۱۹۲۶ء

۵۸۔ سیرت امامِ ربانی۔ محمد داؤد بن مولانا نور احمد امرتسری۔ دارالاشاعت، امرتسر

۱۳۴۳ھ

۵۹۔سیرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم۔مولانا مفتی محمد شفیع۔دارالاشاعت، کراچی ۱۳۶۸ھ

۶۰۔سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔علامہ شبلی نعمانی۔مطبع معارف، اعظم گڑھ

۶۱۔سیر الصحابہؓ۔شاہ معین الدین احمد ندوی۔مطبع معارف، اعظم گڑھ

۶۲۔شرح رباعیات (فارسی مع اردو) ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی ۱۳۸۲ھ

۶۳۔شمائل ترمذی۔امام ترمذیؒ۔اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۶۴۔شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات۔از اعجاز الحق قدوسی۔آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۱ء

۶۵۔صحیح بخاری۔نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۶۶۔صدیق اکبرؓ۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ندوۃ المصنفین، دہلی

۶۷۔طبقات ابن سعد۔ابوعبداللہ محمد بن سعد

۶۸۔عبداللہ خویشگی قصوری۔محمد اقبال مجددی۔شمس الدین تاجرت کتب، لاہور ۱۳۹۱ھ

۶۹۔عبدالقدوس گنگوہیؒ۔اعجاز الحق قدوسی۔آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۱ء

۷۰۔علماء المسلمین۔حسین حلمی ایشق۔مکتبہ ایشق، ترکی ۱۳۹۲ھ

۷۱۔علمائے ہند کا شاندار ماضی۔مولانا محمد میاں۔ولی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۳۶۵ھ

۷۲۔عمدۃ السلوک۔مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ۔ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی

۷۳۔عمدۃ الفقہ۔مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ۔ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی

۷۴۔عمدۃ المقامات۔خواجہ محمد فضل اللہ مجددیؒ۔مولانا محمد ہاشم جان مجددی ۱۳۵۵ھ

۷۵۔الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر۔مدیر: مولانا منظور احمد نعمانی لکھنؤ

۷۶۔کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء۔حضرت خواجہ محمد فرخ نبیرہ حضرت ماجد علیہ الرحمۃ (فارسی مخطوطہ مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی)

۷۷۔کلمات طیبات۔ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی۔مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

۷۸۔کلیات باقی۔حضرت خواجہ باقی باللہؒ۔ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۷ء

۷۹۔کوائفِ شیعہ (فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ ۔رامپور ۱۳۸۴ھ
۸۰۔لمعات التنقیح ۔شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۔مکتبہ المعارف العلمیہ ۱۳۹۰ھ
۸۱۔مآثر الامراء: ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری ۔مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۹
۸۲۔مبدأ و معاد ۔(فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ ۔ادارۂ مجددیہ، کراچی
۸۳۔مجمع بحار الانور ۔شیخ محمد بن طاہر پٹنی ۔مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۲۸۳ھ
۸۴۔مجموعہ فتاویٰ عزیزی ۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۔مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۱ھ
۸۵۔مجموعہ الفتاویٰ ۔مولانا عبدالحی لکھنویؒ ۔مطبع یوسفی، لکھنؤ ۱۳۲۵ھ
۸۶۔مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۔پروفیسر محمد ایوب قادری ۔ادارۂ تحقیق و تصنیف، کراچی ۱۹۶۳ء
۸۷۔مرقاۃ المفاتیح ۔علی بن سلطان محمد القاری ۔مکتبہ امدادیہ، ملتان
۸۸۔مشکوٰۃ ۔امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی ۔کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند
۸۹۔معارف لدنیہ ۔(فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ ۔ادارۂ مجددیہ، کراچی ۱۳۸۸ھ
۹۰۔معاشری و علمی تاریخ ۔ڈاکٹر سید معین الحق ۔ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۵ء
۹۱۔مکاشفاتِ عینیہ ۔(فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ ۔ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۳۸۴ھ
۹۲۔معمولات یومیہ ولیلیہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ ۔خواجہ محمد صالح کولابیؒ ۔(فارسی مخطوطہ مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی)
۹۳۔مقاماتِ خیر ۔حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید ۔جمال پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۷۲
۹۴۔مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ۔مطبوعہ، امرتسر
۹۵۔مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ
۹۶۔مکتوبات سیفیہ ۔حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ ۔مرتب حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حیدرآباد
۹۷۔منتخب التواریخ ۔ملا عبدالقادر بدایونی ۔شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۲۲ء
۹۸۔مہاجرین ۔شاہ معین الدین احمد ندوی ۔مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء

۹۹۔ نزہۃ الخواطر۔ علامہ عبدالحی لکھنوی۔ دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ
۱۰۰۔ نفحات الانس۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۳۳۳ھ
۱۰۱۔ وصال احمدی۔ فارسی مع اردو ترجمہ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دہلی ۱۳۸۸ھ
۱۰۲۔ ہدیۂ مجددیہ۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری۔ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۱ھ

سلسلہ رسائل مجددی

حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے-۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی-۷۴۶۰۰ فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰

info@rahet.org www.rahet.org